Phone : 590022



PRINCIPAL

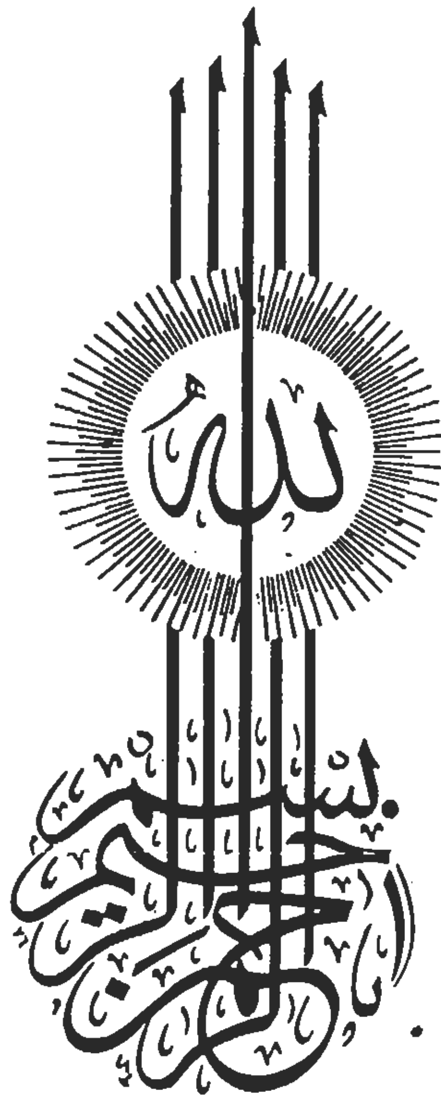
Sir Syed Science College
for Boys
Tipu Road Rawalpindi

12-4-2000

میں تصدیق کرتا ہوں کہ پروفیسر ارشاد احمد شاکر نے
اپنا مقالہ برائے پی۔ ایچ ڈی جس کا موضوع "جاوید نامہ مقدمہ، حواشی و تعلیقات" ہے،
میری نگرانی میں لکھا ہے۔
مقدمہ نہایت جامع ہے اور حواشی و تعلیقات بڑی محنت اور عرق ریزی
سے تیار کیے گئے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے تحقیق و تدوین کا حق ادا کر دیا ہے

ڈاکٹر محمد معز الدین

Principal
Sir Syed Science College (Boys)
Rawalpindi



جاوید نامہ:

مقدمہ حواشی و تعلیقات

مقالہ ۔ پی ایچ ڈی

مقالہ نگار

ارشاد احمد شاکر

ایسوسی ایٹ پروفیسر

گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج

مانسہرہ (ہزارہ)

نگران

ڈاکٹر محمد معزالدین

پرنسپل

سر سید سائنس کالج

ٹیپو روڈ ۔ راولپنڈی

برائے سال ۱۹۹۹ء

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، پاکستان

ترتیب

مقالہ نگار۔ تعارف

نام : ارشاد احمد المعروف بہ ارشاد شاکر اعوان

ولادت : یکم دسمبر انیس سو بیالیس

تعلیم : ایم اے اردو پنجاب یونیورسٹی

ایم فل اقبالیات ۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ۔ شعبۂ اقبالیات

ملازمت : ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبۂ اردو

گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج مانسہرہ (ہزارہ)

سکونت : لبڑ، تحصیل وضلع مانسہرہ (ہزارہ)۔

تصانیف

الف : کتب مطبوعہ

۱: عہد رسالت میں نعت [تحقیقی و تنقیدی مطالعہ] مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۳ء

۲- برف کی دیوار [اردو منظومات] ہندکو ادبی سنگت ایبٹ آباد

۳- لا اکراہ فی الدین : بصورت اقساط ہفت روزہ قرطاس مانسہرہ [۹۷-۱۰ اقساط]

ب : کتب غیر مطبوعہ

۱: اقبال اور دو قومی نظریہ مقالہ ایم فل

۲: لا اکراہ فی الدین [الدین ہر طرح کے داخلی و خارجی جبر سے نجات کا منشور ہے]۔

۳: دیوانِ راجا ۔ کلام سید یوسف راجا راجو قتالؒ مع مبسوط تحقیقی مقدمہ۔

۴: اقبال کا نظریۂ استخلاص [اقبال، اسلام، جمہوریت]۔

ج : مقالات مطبوعہ [اقبالیات]۔

۱: اقبال اور خاک مدینہ و نجف صحیفہ لاہور اپریل جون ۱۹۸۸ء

۲: اقبال اور متحدہ قومیت " اکتوبر دسمبر ۱۹۹۰ء

۳: اقبال اور عشق و خرد
[تقویم خودی میں تقدیر اور عشق کی حقیقت]۔ جنوری فروری ۱۹۹۳ء

۴: اقبال اور پاکستان سکیم " جنوری فروری ۱۹۹۲ء

۵: اقبال کا تصور ملت اور آزادی ہند مجلہ کنہار یادگار نمبر گورنمنٹ کالج مانسہرہ ۱۹۹۸-۹۹ء

دیگر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مقالات۔

دیباچہ

"ادب اور شاعری کا ارتقائی نقطہ مذہب رہا ہے اور رہے گا۔ آسمانی کتابوں سے لے کر کانٹ اور ہیگل تک ہر کہیں مذہبی رنگ آمیزی نے ان تخلیقات کو پہاڑوں کی سی عظمت اور سربلندی عطا کی ہے" ؏۱

یہ ہربرٹ ریڈ کے ان الفاظ کا خلاصہ ہے جو انہوں نے "دی نیشن" میں والٹ وٹمین کی شاعری پر ڈی ایچ لارنس کے تبصرے کے بارے میں رائے قائم کرتے ہوئے کہے تھے۔ میرے خیال میں بعینہٖ یہی بات اٹلی کے عظیم شاعر دانتے کی "ڈیوائن کامیڈی" اور علامہ اقبال کی کتاب جاوید نامہ کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔

علامہ اقبال کی کتاب جاوید نامہ کو خود علامہ نے اپنی زندگی بھر کے غور و فکر کا نچوڑ اور ایشیائی ڈیوائن کامیڈی بتایا ہے؏۲ اس لئے ایک عرصہ سے جاوید نامہ اور ڈیوائن کامیڈی کو مذہبی رنگ آمیزی کے مشرقی و مغربی نمونوں کے طور پر آمنے سامنے رکھا جاتا رہا ہے۔ میڈرڈ یونیورسٹی کے پروفیسر مائیکل آسین نے اپنی کتاب "اسلام اینڈ ڈیوائن کامیڈی" میں معراج محمدیؐ سے متعلق احادیث و روایات کو ڈیوائن کامیڈی کے محرکات میں شامل کیا تو گویا دبستان کھل گیا۔ ملکی و غیر ملکی اقبال شناس اہل دانش نے صوفیاء کے روحانی تجربات و مکاشفات اور جاوید نامہ کی فکری موشگافیوں کے درمیان مطابقت و مماثلت کی جستجو شروع کر دی۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی فتوحات مکیہ ہو کہ بایزید بسطامیؒ اور عبدالکریم الجیلیؒ کے صحو و سکر کے روئیداد، ڈیوائن کامیڈی اور جاوید نامہ پر کوئی تبصرہ ان کے ذکر سے خالی نہ رہ سکا۔ بعض اوقات ان مطابقتوں اور مماثلتوں کی تلاش نے بڑی مضحکہ خیز صورت بھی اختیار کی۔ مثلاً پروفیسر محمد یوسف سلیم چشتی مرحوم جنہیں شارحین اقبال میں ایک خاص مقام حاصل ہے، چشتی ہونے کے ناطے وجودی صوفیاء خصوصاً شیخ اکبرؒ کے غالی معتقد بھی تھے اور اقبال سے عشق بھی رکھتے تھے لیکن چونکہ وہ ہر ممکن حد تک علامہ کو وجودی ثابت کرنے کے درپے رہتے تھے اس لئے ان کا یہ شوق کبھی کبھی بوالعجبیاں بھی دکھاتا تھا مثلاً

؏۱ فنون، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء صفحہ ۱۴۶ "عظمتِ اقبال" ہربرٹ ریڈ ترجمہ ڈاکٹر سلیم اختر

نوٹ: یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسرائیلی عقائد میں نائبین حق کے عقیدے پر مبنی قلمرو الٰہی کے بانیوں نے جہاں اللہ کو آسمانوں پر اور اللہ کے بندوں کو زمین پر ان خود ساختہ نائبین حق کے سامنے بے اختیار کیا، وہاں آسمانی کتابوں کو بھی پیغمبروںؑ کی ذاتی تخلیق و تصنیف قرار دیا۔ قرآن حکیم ان کے ان عقائد کا ذکر "ید اللہ مغلولۃ" [المائدۃ: ۶۴] اور "وما انزل الرحمٰن من شیء" جیسے بلیغ کلمات سے بیان کرتا ہے [یٰس: ۱۵]

؏۲ گفتارِ اقبال صفحہ ۲۲۲ محمد رفیق افضل۔ ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور طبع دوم نومبر ۱۹۷۷ء ـــــ علامہ نے اسے اسلامی کامیڈی بھی کہا تھا [سید نذیر نیازی، مکتوبات اقبال صفحہ ۲۳/۱۲۲ اقبال اکادمی لاہور اکتوبر ۱۹۷۷ء۔

علامہ اقبال زندگی اور مظہر زندگی "خودی" کے نشو و ارتقا کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

شیوہ ہائے زندگی غیب و حضور　　آں یکے اندر ثبات آں در مرور

گہ بخلوت می گدازد خویش را　　گہ بجلوت جمع سازد خویش را ۳

جیسا کہ واضح ہے علامہ "شیوہ ہائے زندگی" بیان کر رہے ہیں ۔ اسرارِ خودی میں یہی بات انہوں نے "پیکر ہستی ز آثار خودی" کہہ کر بیان کی تھی ، وہاں کی خود نمائی و آشفتگی ، یہاں "می گدازد" اور وہاں کی آشفتگی سے بیزاری و باہم پیوستگی" کو یہاں "جمع سازد" سے تعبیر کیا ۔ اسرار خودی کے عرصۂ تخلیق و اشاعت میں علامہ کی "وحدت الوجود" جیسے تصورات سے کوئی ذہنی مناسبت نہ تھی یہ ناقابلِ تردید حقیقتِ واقعہ ہے ۔ وہی بات وہ جاوید نامہ میں دہرا رہیں جیسا کہ تصریح کی گئی ، تو اسے شیونِ زندگی کے بجائے "ذاتِ حق" لکھنا کھلی زیادتی ہے ۔ پروفیسر چشتی یہ زیادتی کرتے ہوئے لکھتے ہیں

یعنی ذاتِ حق اپنے بطون کے اعتبار سے جسے اقبال نے غیب [خلوت] سے تعبیر کیا ہے ، بحرِ متحرک ہے ، لیکن اپنے ظہور کے اعتبار سے جسے اقبال نے حضور [جلوت] سے تعبیر کیا ہے اشکالِ مختلفہ [باران ، قطرہ ، صدف ، گہر] اختیار کر لیتی ہے ،، ۵

یہ بحث کا موقع نہیں اتنا ضرور عرض کرنا ہے کہ چشتی صاحب نے فکرِ اقبال کو برعکس معانی اس لئے پہنائے کہ وہ جلوت سے پہلے خلوت کو لے آئے ہیں اور اسے صوفیانہ بلکہ یونانی تنزلات کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہیں جبکہ علامہ نے پہلے جلوت کی بات کی پھر خلوت کی ۔ علامہ نے یہ نکتہ ، جیسے وہ ہندوستان کے عمرانی مسئلہ کا حل سمجھتے تھے آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ لاہور ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء کے خطبۂ صدارت میں اس طرح بیان کیا تھا ،

"ہندوستان کی بے شمار جماعتوں کے باہمی اختلاف کے تمام ظاہر و پوشیدہ محلات کی بنا پر میں یقین رکھتا ہوں کہ یہاں ایک ایسے مربوط کل کی تشکیل کا امکان ہے ، جس کی وحدت کو اس کا اندرونی تنوع درہم برہم نہ کر سکے ۔
قدیم ہندی فکر کے سامنے یہ مسئلہ درپیش تھا کہ ایک وجود سے اس کی وحدت پر اثر انداز ہوئے بغیر تنوع کیسے پیدا ہو گیا ۔ آج یہ مسئلہ اپنی اخلاقی بلندیوں سے اتر کر کثیف سیاسی سطح پر آ چکا ہے اور ہمیں اس کے برعکس صورت کا حل سوچنا ہے ۔ یعنی کثرت اپنا مزاج کھوئے بغیر وحدت میں کیسے تبدیل ہو سکتی ہے؟" ۶

علامہ "اخلاقی بلندیوں" پر عقلی ثبوت فراہم کرکے وحدتِ آدم کا فارمولہ دے رہے تھے اور

---

۳ کلیات فارسی اقبال ص ۶۰۹ [جاوید نامہ : تمہید زمینی] ۔ ۴ ایضاً ص ۱۲ ، ص ۱۳ ، ص ۱۹ [اسرارِ خودی : در بیانِ این کہ اصل نظام عالم از خودی ست] ۔ ۵ شرح جاوید نامہ ص ۳۲ یوسف سلیم چشتی ، عشرت پبلشنگ ہاؤس ۔
۶ حرفِ اقبال ص ۵۲ لطیف احمد خان شروانی ۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۔ اشاعت اول اگست ۱۹۸۲ء ۔

اس کی عقلی بنیادیں فراہم کر رہے تھے۔ "گلِ رنگین" نامی نظم میں انہوں نے اولادِ آدم کی اس پریشانی کو زخمیٔ شمشیرِ ذوقِ جستجو، رہنے سے تعبیر کر کے اور اس پریشانی کو سامانِ جمعیت کہہ کر تلاشِ متصل [اتصالِ باہمی کی صورت تلاش کرنے] کو شمعِ جہاں افروز لکھا تھا۔ کہ اسی سے توسنِ ادراکِ انساں کو خوئے خرام ملتی ہے۔ لیکن پروفیسر چشتی مرحوم اسے وحدت الوجود کے سکون آموز تصور سے ملاتے ہوئے "پہلے حیات کو ذاتِ حق بناتے ہیں پھر لعور می گدازد کے ذیل میں ذاتِ حق سے متعلق بعض صوفیاء کے ہاں شمع کی مثال ۸ سامنے رکھتے اور پھر شیخ مجدد، احمد سرہندیؒ کی زبانی [جنہیں علامہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان سمجھتے ہیں] الزام دیتے ہیں کہ " اس قسم کے خیالات رکھنے والوں نے درِ الحاد و زندقہ کھول دیا " ۹ لیکن آگے چل کر پھر لکھتے ہیں

" جلوت سے یہ کائنات مراد ہے اور صوفیاء کے عقیدہ کے مطابق یہ کائنات پرتوِ اسماء و صفات ہے اور اقبال نے اس مصرعہ [کہ بجلوت می گدازد خویش را] میں ان ہی کے مسلک کی ترجمانی کی ہے یعنی عقیدہ کے لحاظ سے اقبال بھی وجودی حضرات کے متبع ہیں " ۱۰

چشتی صاحب وجودی صوفیاء کے غالی معتقد بھی ہیں اور اقبال کو "می گدازد" کے حوالے سے وجودی حضرات کا متبع بھی ثابت کرتے ہیں۔ پھر بالواسطہ شیخ مجددؒ کی زبانی درِ الحاد و زندقہ کھولنے کا الزام دے کر معلوم نہیں کس کی خدمت کر رہے ہیں اور کس کی مذمت ؟۔ اب تک جاوید نامہ کے یہی منفرد شارح تھے۔ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم کی کتاب جاوید نامہ : تحقیق و توضیح [محض اشارات کی حد تک] وتتبع کوشش ہے۔ باقی جس کسی نے بھی جاوید نامے پر لکھا سیرِ افلاک کی کہانی لکھنے اور اکادکا کسی موضوع کی طرف اشارہ کرنے سے زیادہ کچھ نہیں کیا گیا۔

بلاشبہ تمام مذاہب کے مابین، واحد متفقہ امر ہبوطِ آدم، جہاں فردوسِ گم گشتہ جیسے شہکار کی تخلیق کا باعث ہوا، وہاں ہبوطِ آدم کے ساتھ صعود کی فطری خواہش کسی ڈیوائن کامیڈی کی تخلیق کا سبب بھی بننی چاہیے تھی اور بنی۔ ہبوطِ آدم سے جنم لینے والے تصورِ صعود نے اولادِ آدم کے دل میں دوبارہ جنت حاصل کرنے کی تڑپ کے ساتھ اس دنیا کو بھی اس جنت کا [جہاں آدم کو نہ بھوک ستاتی تھی نہ دھوپ ۱۱] نمونہ بنانے کی آرزو پیدا کی۔

اس میں بھی شک نہیں کہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء

---

۷ کلیاتِ اردو اقبال ۲۵ [بانگِ درا : گلِ رنگین : مئی ۱۹۰۱ء]۔ ۸ شرح جاوید نامہ چشتی ص ۳۲۶
۹ ایضاً ۱۰ ایضاً ص ۳۲۷ ۱۱ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحٰى [طٰہٰ : ۱۱۸، ۱۱۹] یہاں جنت میں تمہارے لئے یہ [آرام] ہے کہ تم نہ بھوکے رہو گے اور نہ ننگے رہو گے اور نہ یہاں پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے [نہ دھوپ ستائے گی] ـــ جنت کی انہی سہولیات کی فراہمی کا خواب اولادِ آدم کو نت نئے نظامات کی تلاش و جستجو میں مصروف رکھتا ہے۔

اور رسول آخر صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعۂ معراج ، ان آرزوؤں اور ان خوابوں کو مزید جلا بخشنے کے کام آتا رہا ـــــ اسی طرح [دانتے کی حد تک کم از کم] بنی اسرائیل کے لئے ارضِ موعود کی قدیم بشارات بھی خصوصیت کی حامل رہی ہیں ۔ اہلِ بابل کے ہاتھوں ارضِ مقدس کی ویرانی اور بربادی ، اور چار ساڑھے چار ہزار سے لگ بھگ یہودی اکابر کا اسیر بناکر بابل لے جایا جانا ، اعمالِ بد کی سزا میں اسیری کی ذلت و مسکنت کے ناقابلِ فراموش اذیت ناک دن گذار کر [اور قومی تشخص ہی سے محروم ہو کر] دوبارہ اس جنتِ ارضی میں واپس آکر آباد ہونا ، دوزخ ، اعراف ، اور جنت کے حوالے سے ڈیوائن کامیڈی کے ناقابلِ تردید محرکات بن سکتے تھے ـــ خصوصاً دانتے کے ملکی حالات کے پیشِ نظر یہ بعید از قیاس نہیں ـــــ

ایک بیابان میں درندوں کے درمیان گھرے ہوئے جلاوطن دانتے کی ورجل سے ملاقات اور اس کے بعد سیرِ باطن کے لئے ضروری "صفائے باطن" ـــــ کی خاطر جہنم و اعراف سے ہو کر جنت تک جانا یقیناً ایسے واقعات ہیں جو ریاستِ فلسطین کے مذکورہ سانحات سے کُھلی مماثلت رکھتے ہیں ـ عہدنامۂ قدیم کی کتاب یرمیاہ اور حزقی ایل کا مطالعہ اس ضمن میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے ۔

صفائے باطن کی خاطر سفر سے قبل دریا سے پانی پینا بھی ، ارضِ مقدس کے محروسہ علاقوں کو چھڑانے کے لئے طالوت کے لشکریوں کے لئے دریا سے چلو بھر[12] پانی کی شرط سے مطابقت رکھتا ہے ـ ڈیوائن کامیڈی کے باب اول دوزخ میں تین طرح کے اہلِ مذہب کی تطہیر اور تزکیہ کے اہتمام میں ابوالعلاء معری کے رسالۃ الغفران کی جھلک بھی نمایاں ہے۔ ہرچند کہ دونوں کتابوں کے مقاصد میں حد درجہ بُعد سے بھی قطعِ نظر ممکن نہیں ۔

رہا معراجِ محمدی سے متاثر ہونے کا آسینی عندیہ ، تو دانتے کا دوزخ سے گذر کر آسمانوں کی سیر کرنا ، معراجِ محمدی سے مطابقت نہیں رکھتا بلکہ آسمانوں کی سیر کے حوالے سے اُسے فتوحاتِ مکیہ سے کہیں زیادہ مماثلت ہے ـ نیز کامیڈی کے باب اول دوزخ کی فصل ۲۸ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوذ باللہ موجودگی[13] شاید اس قیاس کے ابطال کے لئے کافی ہے ـ قیاس کہتا ہے کہ علامہ نے بھی جاوید نامہ کو اسی حوالے سے ایشیائی یا اسلامی کامیڈی کہا ہوگا کیونکہ جاوید نامہ میں ماسوائے دو مسلم طاغوتوں کے ـ جعفر و صادق[14] سے کسی غیر مسلم کو بھی اس مذہبی تعصب اور نفرت کا نشانہ نہیں بنایا گیا جس کا نمونہ دانتے

---

[12] البقرہ : ۲۴۹

[13] Great Books of the Western World - 21 Dante Page 40: (Hell). Encyclopaedia Britannica Inc. 24 Edition 1982.

[14] اور وہ بھی مسلم غدارانِ ہند ـــ اقبال کے لعنت ملامت کو وطن دشمنی کہنے والے اس طرف بھی دیکھ سکیں تو بہتر ہو۔

نے کامیڈی میں پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں جاوید نامہ نہ صرف یہ کہ بندۂ مومن کو دنیا میں [واپس آکر]
ہر کافر و مومن شوفیق ہونے کا درس دیتے ہیں بلکہ سفرِ افلاک کے دوران دشمنِ آدم و اولادِ
آدم ابلیس کو بھی ایک منفرد اور خاص شان میں دکھاتے ہیں۔

اسی طرح صرف ورجل کی رہنمائی کے طرز پر مرشدِ رومیؒ کی رہنمائی کا
عنصر بھی دونوں شہکاروں کے درمیان مماثلت کا کافی سبب نہیں بن سکتا کیونکہ
ابن عربیؒ [جن کے افکار و تصانیف علامہ کو وحدت الوجود کی مخالفت کے باعث زیادہ سروکار رہا ہے] کی
کتاب فتوحاتِ مکیہ بھی دو اشخاص کی رہنمائی کا عنصر رکھتی ہے جس کا تتبع دانتے نے بھی
ورجل اور بیٹرس کے معاملے میں کیا۔ اور معراجِ محمدیؐ میں صرف جبرائیل علیہ السلام کی معیت
رومیؒ کی معیت سے زیادہ مماثل ہے۔ مراد یہ کہ دانتے نے تمام تر کام میں اسلامی روایات سے فیض اٹھایا۔ مگر
علامہ نے فتوحاتِ مکیہ سے دانتے کی طرح فتوحاتِ مکیہ لکھتے وقت شیخ اکبرؒ کا مطمحِ نظر اگر کوئی ادبی شہکار مرتب کرنا نہ تھا
تو علامہ بھی اپنے شخصی وارداتِ روحانی کا روزنامچہ مرتب کرنا نہیں چاہتے تھے۔ علامہ کا
جاوید نامہ ملی اور انسانی اجتماعی مسائل کے عمرانی حل کی طرف رہنمائی کی کوشش ہے۔
علامہ اقبال نے [جیسا کہ "گلِ رنگیں ۱۹۰۱ء" کے حوالے سے اوپر لکھا گیا ہے] ہندوستان کے سیاسی
سماجی مسائل پر بین الاقوامی حالات کی روشنی میں جو کچھ سوچا جاوید نامہ میں اس کا
اعادہ دیگر مفکرین کے خیالات سے مطابقت و تصادم کی صورت میں پیش کر دیا۔

جاوید نامہ کا مصنف ایک مدت سے اس موضوع پر غور کرتا رہا ہے کہ
"موت اک چبھتا ہوا کانٹا دلِ انساں میں ہے۔" بقائے اصلح اور ارتقائے قوم کے
فطری قانون سے نہ کوئی شے بچ سکتی ہے نہ کوئی فرد محفوظ ہے نہ کوئی قوم بلکہ مذہب بھی
اس کے دائرہ اثر سے باہر نہیں۔ پھر قومی زندگی کی بقا و دوام کا کونسا عمرانی نسخہ کارگر ہے؟

بانگِ درا کی پہلی نظم ہمالہ میں اگر وہ ہمالہ کے سر برف کی باندھی دستارِ فضیلت
کا باعث زمیں پیوستگی کے باوجود پہلوئے فلک کو اپنا وطن بنانا بتاتے ہیں۔ جو
مہرِ عالم تاب پر خندہ زن ہے، اور عہدِ کہن اس کی عمرِ رفتہ کی اک آن ہے؛ تو فراز کوہ سے
گاتی ہوئی آتی ندی کا عراقِ دلنشیں گردشِ ایام کو پیچھے دوڑا کر "زمانِ رفتگاں" کی
کی گتھیاں سلجھانے اور عمر کجر ندی کو زندگی کا استعارہ کرنے کا محرک بھی بنتا
ہے جاوید نامہ کا زندہ رود بھی تو اسی تحرک کی علامت ہے

ہمالہ کی ساری رفعتیں علامہ کو اس کی گودی کا عناصرِ فطرت کی بازی گاہ
ہونے کا نتیجہ لگیں، ہندوستان بھی ایسی ہی گودی* تھا مگر اب نفاق کی نذر

متن: *۔ گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا
(کلیاتِ اردو اقبال ص۸۳ [بانگِ درا۔ ترانۂ ہندی].

ہو گیا تھا۔

سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے — وصل کیسا یاں تو اک قربِ فراق آمیز ہے
بدلے یک رنگی کے یہ نا آشنائی ہے غضب — ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب

لذتِ قربِ حقیقی پر مٹا جاتا ہوں میں
اختلاطِ موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں میں ۱۵

اس کا علاج دلوں کے اندر محبت کی آگ جلانا نظر آیا — یہ ایک "نیا شوالہ" تھا — جو دلوں کے اندر قائم کرنے کی ضرورت تھی — اسرار و رموز میں اسی نیا شوالہ کو "ہر آدم عالمے دیگر" کی تعبیر سے تعبیر کیا گیا — ایک ایسا نیا شوالہ جس کی ہوائیں فضائیں، ناقوس و اذاں کا یکساں طور پر تحمل کر سکیں، لیکن جب فریقِ مخالف کا در خورِ طوفِ حریمِ دل نہ نکلا تو مسلم نے وارثانِ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے لئے مصرِ ہند کے اندر ہی ایک اسلامی ریاست پیدا کرنے کی جستجو کو ناگزیر بتایا، ۱۶

اسی زمانے میں جاوید نامہ بھی زیرِ تخلیق تھا اُس میں ملت کا مفہوم صرف اور صرف [کہ با ہزاراں چشم بودن یک نگہ] یک نگاہی، قرار پایا اور اس یک نگاہی کا ثمر ہر کافر و مومن یکساں شفیق، ٹھہرا۔ اسی کا نام تھا "جہانِ قرآن" یہی وہ شہرِ مرغوب ہے۔ جہاں کا آدم ابلیس کے شر سے محفوظ رہا۔

جس زندگی کی ابتدا خلق و تقدیر و ہدایت ۱۷ ہے اس کی تکمیلی صورت کا رحمۃ للعالمین ہونا لازمی امر ہے۔ باہمی اتصال کی یہی وہ "شمعِ جہاں افروز" ہے جو اعلیٰ اخلاقی قابلیتوں سے نوازتی ہے اور قوموں کے درمیان موجود وحشیانہ تفاوتِ مدارج کے حامل اس نظام کا خاتمہ کر سکتی ہے جس نے کسی کو صبرِ مسلسل اور کسی کو جبرِ پیہم کا خوگر بنا دیا ہے۔ صرف یہی وہ اخلاقی شعور ۱۸ ہے جو جماعتوں کی نفی کی بجائے اُن کے درمیان اشتراک و تعاون اور ہم آہنگی ۱۹ پیدا کر سکتا ہے [جس طرح کہ ہمالہ کی گودی میں عناصر کے درمیان دکھایا تھا] تاکہ پھر کوئی "حورِ پاک زاد" ۲۰ کبھی طوق و بند سے دوچار نہ ہونے پائے۔ جعفر کے

---

۱۵ کلیاتِ اردو اقبال ص ۲۲ [بانگِ درا: صدائے درد] ۱۶ Thoughts and Reflections of Iqbal PP. 170-71, S.A Wahid, Sh. M. Ashraf Lahore 1964.

۱۷ الذی خلق فسوّی والذی قدر فہدی (الاعلیٰ) خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است رحمۃ للعالمین انتہا است

۱۸ Thoughts and Reflections P.168 ۱۹ کلیاتِ اردو اقبال ص ۲۲

۲۰ چشمۂ دامن ترا آئینۂ سیال ہے — دامنِ موجِ ہوا جس کے لئے رومال ہے — ابر کے ہاتھوں میں رہوارِ ہوا کے واسطے — تازیانہ دے دیا برقِ سرِ کہسار نے — اے ہمالہ کوئی بازی گاہ ہے تو بھی جسے — دستِ قدرت نے بنایا ہے عناصر کے لئے۔

کے ساتھ روحِ جعفر بھی موت کے گھاٹ اترے اور آدمی، احترامِ آدمی سے آگاہ ہو کر، اس سے بڑھ کر حضور اور کوئی نہیں۔ یہی معراج محمدی کا ثقافتی ثمر ہے۔ علامہ نے بھی معراج کے اس پہلو کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے "حضور" کے بعد "خطاب بہ جاوید: سخنے بہ نژادِ نو" کا اضافہ کیا، جو اس عالمی ادبی روایت کی تاریخ میں علامہ کا اختصاص ہے۔ یہی ہبوط کے بعد صعود اور الدین [عالمِ قرآنی] کا حقیقی مقصود ہے۔ یعنی مگر کن نہ شد زر رہنا تاج کس

جاوید نامہ پر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کسی نے بھی اس طور مفصل کام نہیں کیا جو اس میں پیش کردہ دقیق مسائل کے حل کا قرار واقعی ترجمان ہو۔ مثلاً عبد اور عبدہٗ کے حوالے سے "ھو عبدہٗ" کا استعمال جس پر خاصی لے دے ہوئی۔ مسئلہ امکانِ نظیر یا امتناعِ نظیرِ محمدی، تقدیر، علم عقل عشق وغیرھم پر کسی نے بھی ذاتی فکری آمیزش سے ماورا رہ کر محض قرآنی نقطۂ نظر سے اور اقبال کے زاویۂ نگاہ سے روشنی نہیں ڈالی۔ اور کسی نے لکھا بھی، تو شاید فکری سطح پر اس سے فائدے کے مقابلے میں نقصان زیادہ ہوا۔

شعبۂ اقبالیات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے سابق چیئرمین ڈاکٹر رحیم بخش شاہین مرحوم و مغفور اور موجودہ چیئرمین ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی نے پہلی بار پی ایچ ڈی کی سطح پر اس کام کی طرف توجہ دی اور قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند۔ یہ ان بزرگواران کا اعتماد ہی تھا کہ

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

اس کام میں میرے نگران جناب ڈاکٹر محمد معز الدین خان پرنسپل سرسید سائنس کالج راولپنڈی کی شفقتوں نے بڑا حوصلہ دیا۔ ڈاکٹر صدیق خان شبلی، ڈاکٹر صابر کلوروی (پشاور یونیورسٹی) اور برادرِ مہربان محمد سہیل عمر ناظم اقبال اکادمی پاکستان میرے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں، تینوں نے حلِ مشکلات میں تعاون فرمایا۔ ڈاکٹر کلوروی اور محمد سہیل عمر صاحب نے کتابیں مستعار، مفت اور فوٹو سٹیٹ نقول کی صورت میں مہیا کرنے میں نہایت مستعدی دکھائی۔ پروفیسر منظور اقبال قریشی صدر شعبۂ اسلامیات گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج مانسہرہ، کے علاوہ ہزارہ کے سرکاری کالجز کے کتابدار صاحبان مہربانم محمد یونس اعوان ایبٹ آباد، مہربانم راجہ حیدر زمان، حویلیاں اور مہربانم ملک حبیب الرحمٰن مانسہرہ کے تعاون کا بھی از حد ممنون ہوں۔

میں اُن کتابوں کے مصنفین و مؤلفین کے شکر گزاری کا حق نہیں ادا کر سکتا جن سے میں نے اس کام میں استفادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے نوازے، آمین۔ کتبِ استفادہ کی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے۔ کتاب کا نام الف بائی ترتیب سے پھر مصنف یا مؤلف کا نام مطبع اور سالِ طبع کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ جہاں تک علامؔ کا تعلق ہے

حوالہ جات پاورقی میں پہلے کتاب پھر مصنف، مطبع اور سال طبع کے ساتھ درج کئے ہیں پھر صرف کتاب اور صاحب کتاب کا حوالہ دیا ہے قاری کو بار بار کی ورق گردانی اور ذہنی پریشانی سے بچانے کی خاطر مختصر حواشی کو شعر نمبر کے تحت اور قدرے مفصل استدراکات و تعلیقات کو مدوّر سلسلہ نمبر کے تحت درج کیا گیا ہے۔ حواشی و تعلیقات مذکور میں اگر کہیں استدراکِ مزید کی ضرورت محسوس ہوئی ہے تو اسے بھی اسی طرح مدوّر سلسلہ نمبر دے کر "متعلقاتِ حواشی" کے تحت، ساتھ ہی درج کردیا ہے — پاورقی حوالہ جات کو دیباچہ، مقدمہ اور حواشی و تعلیقات وغیرہ میں الگ الگ نمبر دئیے گئے ہیں تاہم صفحات کو مسلسل نمبر دئیے گئے ہیں۔ تاکہ قاری کو دردسری سے بچایا جاسکے۔

ارشاد احمد شاکر
ایسوسی ایٹ پروفیسر،
صدر شعبۂ اردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج مانسہرہ

مقدمہ

حیات اقبال — ایک نظر میں

سیالکوٹ :	پیدائش	۹ نومبر ۱۸۷۷ء [۱]
	انٹرنس	۱۸۹۳ء
	انٹرمیڈیٹ	۱۸۹۵ء
لاہور :	بی اے	۱۸۹۷ء
	ایم اے	۱۸۹۹ء
	پروفیسر گورنمنٹ کالج	۱۹۰۳ء
یورپ :	روانگی	ستمبر ۱۹۰۵ء
	پی ایچ ڈی - جرمنی	۱۹۰۷ء
	بار ایٹ لاء لندن	۱۹۰۸ء
لاہور :	یورپ سے آمد	۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء
	پروفیسر فلسفہ گورنمنٹ کالج	۱۹۰۸ء تا ۱۹۰۹ء
	ممبر لیجسلیٹو کونسل پنجاب	۱۹۲۶ء تا ۱۹۲۹ء
جنوبی ہند :	مدارس لیکچرز (تین) -	دسمبر ۱۹۲۸ء
	انجمن خواتین اسلام میسور کے اجلاس میں تقاریر	جنوری ۱۹۲۸ء
علی گڑھ :	تین خطبات	۲۰ نومبر ۱۹۲۹ء [۲]
الہ آباد :	صدارت سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ	۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء
لندن :	دوسری گول میز کانفرنس ستمبر تا یکم دسمبر	۱۹۳۱ء
اٹلی :	مسولینی سے ملاقات	۲۷ نومبر ۱۹۳۱ء
فلسطین :	مؤتمر عالم اسلامی	دسمبر ۱۹۳۱ء
لندن :	تیسری گول میز کانفرنس ۱۷ نومبر تا ۲۴ دسمبر	۱۹۳۲ء
فرانس :	پیرس میں میسی نون سے ملاقات	۱۹۳۲ء

---

[۱] علامہ کی تاریخ پیدائش رجسٹر پیدائش و اموات کے اندراجات اور خود علامہ کی طرف سے مقالہ پی ایچ ڈی کے دیباچہ وغیرہ میں عیسوی سن کے قیاسی اندراج سے متنازعہ فیہ رہی ہے۔ رجسٹر اموات میں محلہ شیلر اور محلہ خیاط کے فرق کا لحاظ نہ کرنے سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ محلہ خیاط سے کا تعلق محلہ چوڑی گراں کی خیاط برادری سے تھا جب کہ علامہ کے والد شیخ نتھو محلہ کشمیریاں سے تعلق رکھتے تھے۔ رجسٹر اموات کے اندراجات کی بحث میں درج بالا توثیق سے علامہ کی تاریخ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء ہی درست نکلتی ہے۔ جہاں تک مقالہ پی ایچ ڈی کے دیباچہ کے اندراج کا تعلق ہے علامہ عموماً متعلقات تاریخ وغیرہ میں اسلامی ماہ و سال کے اندراج کو ترجیح دیتے تھے۔ ۳ ذی قعد ۱۲۹۴ھ کا اندراج درست ہے لیکن ۱۸۷۶ء کا اندراج قیاسی ہے۔ اس لیے کہ ۳ ذی قعد ۱۲۹۴ھ کے مطابق ۹ نومبر ۱۸۷۷ء ہی آتی ہے۔ [تفصیل کے لیے زندہ رود ص ۳۲ تا ص ۴۹]

[۲] اقبال کا ذہنی ارتقا ص ۱۲۳ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ مکتبہ خیابان ادب لاہور جنوری ۱۹۷۸ء

لندن :	نیشنل لیگ میں زیر صدارت مس فارکوہرسن منعقدہ برطانوی اور ہندوستانی مسلم مندوبین سے خطاب	۲۵ نومبر ۱۹۳۲ء	ع۳
	دارالعوام اور دارالامراء کے اراکین سے خطاب	۱۵ دسمبر ۱۹۳۲ء	ع۴
فرانس :	پیرس میں بوالیسی برگساں سے ملاقات	۱۹۳۲ء	
ہسپانیہ :	مسجد قرطبہ کی زیارت	۱۹۳۳ء	
	پروفیسر آسین میڈرڈ یونیورسٹی کی صدارت میں تقریر	۱۹۳۳ء	ع۵
	مسولینی سے ملاقات	۱۹۳۳ء	ع۶
لاہور :	یورپ سے آمد	۲۵ فروری ۱۹۳۳ء	
	جامعہ ملیہ دہلی میں تقریب کی صدارت	۱۹۳۳ء	
افغانستان :	وفد کے ہمراہ دورہ	اکتوبر نومبر ۱۹۳۳ء	
	انجمن ادبی کابل سے خطاب	۱۹۳۳ء	ع
سرہند شریف :	جاوید کے ہمراہ سفر	۲۹ جون ۱۹۳۴ء	
پانی پت :	مولانا الطاف حسین حالی کی صد سالہ تقریب میں شرکت	اکتوبر ۱۹۳۵ء	
بھوپال :	سر راس مسعود کے ہاں مختلف اوقات میں قیام	۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۷ء	
لاہور :	وفات	۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء	ع۷

ع۳ اسلامی تصوف اور اقبال ص۲۰۲ ڈاکٹر ابوسعید نورالدین اقبال اکادمی پاکستان اشاعت دوم مئی ۱۹۷۷ء

ع۴ سرگزشت اقبال ص۲۱۳ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اقبال اکادمی پاکستان طبع اول ۱۹۷۷ء

ع۵ اسلامی تصوف اور اقبال ایضاً ص۲۰۷ ع۶ ایضاً ص۲۰۸

ع۷ سرگزشت اقبال ایضاً ص۴۵۵، مقالات اقبال ص۲۵۹ تا ص۲۶۱ ۔ آئینہ ادب لاہور بار دوم ۱۹۸۲ء

ع۸ اس تمام حصے کا خاکہ باضافات چند مرحوم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی کتاب "اقبال کی طویل نظمیں" ص۹، ص۱۰ کا اتباع ہے۔

تصانیف نظم و نثر

بلحاظ زمانۂ اشاعت۔

۱۔ علم الاقتصاد: اشاعت ۱۹۰۴ء

یہ کتاب گورنمنٹ کالج کی ملازمت کے دوران میں پیشہ ورانہ ضرورت کے تحت تحریر ہوئی۔ لیکن سالانہ کارکردگی رپورٹ [ACR] میں اسے طبع زاد تسلیم کیا گیا اور لکھا گیا کہ یہ A new work of Political Economy in Preparation ہے۔[9]

اگرچہ اردو میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب نہ تھی۔ اس سے پہلے کم از کم پانچ کتابیں ترجمہ اور ایک کتاب "رسالہ علم انتظام مدن" محمد منور خان، محمد مسعود شاہ خان، چھپ چکی تھیں۔ لیکن علم الاقتصاد ہر پہلو سے مکمل اور ہر حوالے سے طبعزاد کتاب ہونے کا اعزاز اسی کتاب کو حاصل ہوا۔[10]

فکر اقبال کے ابتدائی اثرات اس کتاب میں نمایاں تھے مثلاً اس کتاب میں قومی زندگی کے لئے جدید ترین عملیہ افراد قومیہ اور علامہ کا تجزیاتی اصول "اعلیٰ اخلاقی قابلیتوں" [بقائے اصلح کا قانون] کا حوالہ ملتا ہے[11] جو آخر تک علامہ کی فکر پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔

۲۔ دی ڈویلپمنٹ آف میٹافزکس اِن پرشیا: ۱۹۰۸ء[12]

ٹیرنٹی کالج کیمرج سے بحیثیت ایڈوانس سٹوڈنٹ بی اے کی ڈگری لینے اور میونخ [جرمنی] سے پی ایچ ڈی کرنے کی خاطر یہ مقالہ لکھا گیا[13] اور لندن کے دوران قیام ہی [بسلسلہ حصول بیرسٹری] میں لوزاک اینڈ کمپنی نے اسے کتابی صورت میں چھاپ بھی دیا۔ بعد میں علامہ اس کتاب کے مندرجات سے زیادہ مطمئن نہ تھے۔

۳۔ مثنوی اسرار خودی: ۱۲ ستمبر ۱۹۱۵ء

علامہ نے یہ مثنوی والد گرامی کی خواہش کی تکمیل کی خاطر مثنوی بوعلی قلندرؒ کے طرز پر لکھی ہو یا اُس زمانے کے تناظر میں جب انفرادی اور اجتماعی سطح پر "شخصیت" کا مسئلہ عام تھا، فرد اور جماعت کے تشخص کی حفاظت اور فرد و جماعت کے باہمی تعلق کے حوالے سے لکھی ہو۔ ایک بات واضح ہے کہ "علم الاقتصاد" اور اُسی زمانہ کے ایک اردو مقالہ "قومی زندگی" میں اشتراک مطالب سے انکار ممکن نہیں البتہ اس مثنوی میں "اعلیٰ اخلاقی قابلیتوں" کا مفہوم کھلے عام۔ اطاعت الٰہی ضبط نفس اور

9۔ کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ ص ۳۲۸ ڈاکٹر وحید قریشی مکتبہ جدید لاہور ۱۹۷۳ء
10۔ اقبال کا ذہنی ارتقا ایضاً ص ۱۲/۱۵ 11۔ علم الاقتصاد۔ دیباچہ ص ۳۰/۳۱، ص ۲۵۱ [پانچواں باب]
مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور اشاعت اول ۱۹۷۷ء 12۔ تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ص ۳۰۲ اقبال اکادمی لاہور طبع اول نومبر ۱۹۸۲ء 13۔ ایضاً ص ۳۰۵

نیابت الٰہی پر مشتمل انسانی شخصیت ساز، تربیتی نصاب، اسلام کے زندہ و متحرک اور عصر ساز کردار کے ثبوت کے لئے فراہم کیا — بقول اُن کے گویا انہیں یہ مثنوی لکھنے پر مامور کیا گیا ہے [۱۴]

یہ مثنوی معرکہ آرا ثابت ہوئی اس کی مخالفت اور حمایت میں خاصی گرد اُڑی اور بالآخر جب مطلع صاف ہوا تو وہی [فلسفۂ خودی] فکر اقبال کی شناخت بن گیا۔

۴- مثنوی رموزِ بے خودی : ——— ۱۵ر اپریل ۱۹۱۸ء

علامہ کی بیاضوں سے بھی معلوم ہوتا ہے اور منشی سراج الدین وغیرہ کے نام خطوط سے بھی ظاہر ہے کہ علامہ مثنوی اسرارِ خودی کی تخلیق کے زمانہ میں رموزِ بے خودی کے بارے میں بھی سوچ رہے تھے اور اس کے مضامین بھی اُن کے ذہن میں تھے [۱۵]۔ تاہم عدم الفرصتی یا بوجوہ یہ مثنوی تین سال بعد چھپی جس میں اجتماعی زندگی کے قیام و دوام کے اُصول [اسرارِ حیاتِ ملّیہ اسلامیہ] بیان ہوئے ہیں۔

اور، ۱۹۲۳ء میں دونوں مجموعے یک جا "مثنوی اسرار و رموز" کے نام سے شائع ہوگئے۔

۵- پیامِ مشرق : ——— مئی ۱۹۲۳ء

اس کتاب کا زیادہ تر حصہ ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۳ء کے درمیانی عرصہ میں لکھا گیا۔ اقبال میوزیم لاہور میں محفوظ علامہ کی قلمی بیاضوں سے متعدد منظومات [نظم، غزل، رباعی وغیرہ] کا زمانۂ تحریر بھی معلوم کیا جا سکتا ہے اور بعض نظموں کے پس منظر سے متعلق آگاہی بھی ہوتی ہے۔ طبع دوم میں کافی چیزیں حذف کی گئیں بہت سی ترامیم ہوئیں اور کم از کم اڑتالیس صفحات کا اضافہ ہوا [۱۶] یہ کتاب جرمن شاعر گوئٹے کے دیوان کا جواب ہے۔

۶- بانگِ درا : ——— ۳ر ستمبر ۱۹۲۴ء

بانگِ درا کی ترتیب احباب کے اصرار پر شروع کی گئی لیکن علامہ کے پاس اپنا اردو کلام محفوظ و موجود نہ تھا۔ اخبارات و رسائل میں مطبوعہ کلام کے علاوہ بہت سا غیر مطبوعہ کلام بھی احباب اور شائقین کے پاس تھا۔ چنانچہ احباب کی بیاضوں سے بھی مدد لی گئی ہے [۱۷]۔ نظموں کے ابتدائی متن سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیبِ کتاب کے وقت خاصی ترمیم و تنسیخ سے کام لیا گیا۔ کئی مصرعوں اور اشعار کو بہتر بنایا گیا متعدد بند خارج کیے گئے اور بعض نئے بند بڑھائے گئے۔ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی کوئی نظم یا غزل شامل نہیں کی گئی البتہ تیسرے دور کے کلام میں نسبتاً کم ترمیم ہوئی ہے۔ دیباچہ سر عبدالقادر نے لکھا۔ جیسا کہ عطیہ بیگم کے نام مکتوب [۷ر اپریل ۱۹۱۰ء] سے معلوم ہوتا ہے علامہ ۱۹۱۰ء سے دیباچہ کے لئے سر عبدالقادر کو منتخب کر چکے تھے [۱۷]

---

۱۴ اقبال بنام شاد ص ۱۶۳ مرتبہ محمد عبداللہ قریشی۔ بزمِ اقبال لاہور طبع اول جون ۱۹۸۶ء

۱۵ اقبال نامہ حصہ اول ص ۲۳ [مکتوب محررہ ۴ر اکتوبر ۱۹۱۵ء بنام منشی سراج الدین]۔

۱۶ تفصیلات کے لئے تصانیفِ اقبال: تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص ۱۳۱ تا ص ۱۴۶ ملاحظہ ہو۔

۱۷ ایضاً ص ۲۳، ص ۲۵

۷۔ **زبورِ عجم:** ـــــــــــــ جون ۱۹۲۷ء

پیامِ مشرق کی اشاعت کے مابعد فارسی کلام میں اضافہ ہوتا چلا گیا علامہ نے جولائی ۱۹۲۳ء میں نیاز الدین خان [18] اور اگست ۱۹۲۳ء میں محمد سعید الدین جعفری [19] کے نام مکاتیب میں "Songs of Modern David" یا زبورِ جدید کے نام سے کتاب آنے کا تذکرہ کیا ہے۔ ۲۲ جنوری ۱۹۲۷ء کے زمیندار میں مطبوعہ خبر اور ۳۱ جنوری ۱۹۲۷ء کے مکتوب بنام مولانا گرامی میں اس کتاب کا نام زبورِ عجم بتایا گیا۔ ۲۱ جون ۱۹۲۷ء کے "انقلاب" میں اس تازہ تصنیف کے چھپ کر تیار ہو جانے کی خبر سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب ۲۱ جون سے پہلے چھپ چکی تھی اور تیسرے ہفتے میں منظرِ عام پر آئی [20] مع گلشنِ رازِ جدید اور بندگی نامہ۔

۸۔ **ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ ان اسلام:** مئی ۱۹۳۱ء

ایک مغربی مفکر نکولاس پی اغنیڈز نے "محمڈن تھیوریز آف اسلام" میں کہیں لکھ دیا تھا کہ احناف اور معتزلہ کے نزدیک اجماع، قرآن و سنت میں ترمیم کا مجاز ہے [ص ۹۱]۔ اس نے علامہ کو متجسس کر دیا۔ آپ نے سید سلیمان ندوی اور ابوالکلام آزاد سے [21] استفسار کیا۔ لاہور اور لدھیانہ کے اہلِ علم سے رابطے کئے [22] خود بھی غور و خوض کرتے رہے چنانچہ ۱۹۲۴ء میں "دی آئیڈیا آف اجتہاد ان دی لاء آف اسلام" [الاجتہاد فی الاسلام] کے عنوان سے ایک خطبہ لکھا [23] دسمبر ۱۹۲۴ء میں سر عبدالقادر کی صدارت میں یہ خطبہ حبیبیہ ہال لاہور میں پڑھا گیا۔ مدراس کی "مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف سدرن انڈیا" کی طرف سے اسلام پر لیکچر دینے کی دعوت پر، مدراس میں چھ خطبات دینے کے ارادے سے لکھنا شروع کیا مگر ۵ دسمبر ۱۹۲۸ء تک صرف تین لیکچر تیار ہو سکے جو ۵، ۶، ۷ جنوری ۱۹۲۹ء کو گوکھلے ہال، مدراس کے اہلِ علم کے سامنے پیش کئے گئے [24]۔ قبل ازیں سید سلیمان ندوی بھی سیرۃ النبوی کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ لیکچر دے چکے تھے جو خطباتِ مدراس کے نام سے مشہور ہیں۔

علی گڑھ یونیورسٹی کی طرف سے خطبات کی دعوت ملی تو علامہ کو باقی تین خطبات تیار کرنے پڑے اور ۱۹ نومبر ۱۹۲۹ء شام چھ بجے سے سٹریچی ہال میں خطبات دینا شروع کیا اس طرح علامہ نے مکمل چھ خطبے علی گڑھ میں پڑھے۔ مئی ۱۹۳۱ء میں یہ خطبات بحروف انگریزی چھپ گئے۔ کتاب کا اصل عنوان سِکس لیکچرز ہے اس کے نیچے نسبتاً خفی ٹائپ میں On The Reconstruction of Religious Thought in Islam درج ہے۔ اگست ۱۹۳۲ء میں انگلستان کی

---

[18] مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان ص ۵۰

[19] اوراقِ گم گشتہ ص ۱۱۸ مرتبہ ڈاکٹر رحیم بخش شاہین۔ رسالہ سیلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۵ء

[20] تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص ۱۲۷ بحوالہ اوراقِ گم گشتہ ایضاً ص ۱۳۸۔

[21] ایضاً ص ۳۱۳ بحوالہ اقبال نامہ ص ۱۳۱ تا ص ۱۳۶ - چغتائی - مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول نومبر ۱۹۷۷ء۔

[22] ایضاً بحوالہ اقبال کی صحبت میں ص ۳۰۱/۳۰۲ ڈاکٹر عبداللہ

[23] اوراقِ گم گشتہ ایضاً ص ۱۱۸

[24] اقبال کی صحبت میں ایضاً ص ۳۱۹ تا ص ۳۲۲۔

ارسطاطالین سوسائٹی کی طرف سے لندن آ کر کسی فلسفیانہ موضوع پر لیکچر دینے کی دعوت ملی، علامہ نے درخواست قبول کی اور تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے زمانہ میں ایک لیکچر بعنوان "Is Religion Possible" دیا۔ اس خطبہ کے اثرات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک برطانوی Lord Lothin کے ایما پر آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے خطبات کی دوبارہ اشاعت کی ذمہ داری قبول کرلی۔ اب ساتویں خطبہ مذکورہ کا اضافہ بھی ہوگیا۔ اور عنوان کتاب سے six lectures حذف ہوگیا، اور متن میں بھی اضافے اور ترامیم کی گئیں ۲۵

۹۔ جاوید نامہ : ——— فروری ۱۹۳۲ء

یہ کتاب چونکہ زیر نظر مقالہ کا موضوع ہے اس لئے اس سے متعلق یہاں اتنا ہی اندراج کافی ہے۔ اس فصل کے بعد جاوید نامہ سے متعلق تفصیلات آئیں گی۔

۱۰۔ مثنوی مسافر : ——— نومبر ۱۹۳۴ء

علامہ نے سفرافغانستان [۲۱ اکتوبر تا ۲ نومبر ۱۹۳۳ء] سے متعلق یہ مثنوی لکھی سید نذیر نیازی کے مطابق یہ مثنوی احباب میں مفت تقسیم کرنے کی غرض سے چھاپی گئی اس لئے صرف ۵۰۰ (پانچصد) نسخے چھاپے گئے۔

۱۱۔ بالِ جبریل : ——— جنوری ۱۹۳۵ء

بانگ درا کے بعد علامہ پر اردو تصنیف لانے کا اصرار آخر یہ کتاب منظرِعام پر لانے میں کامیاب ہوگیا۔ پہلے اس کا نام نشانِ منزل تجویز ہوا تھا اور ٹائٹل کی کتابت بھی ہوچکی تھی بعد میں علامہ نے اسے بالِ جبریل کردیا۔ تاج کمپنی نے یہ کتاب دس ہزار کی تعداد میں چھاپی تھی۔ یہ کتاب بغیر کسی تعارفی یا تمہیدی نوٹ کے شائع ہوئی۔ اب علامہ کا نام ہی کافی تھا۔ ۲۶

۱۲۔ ضربِ کلیم : ——— جولائی ۱۹۳۶ء

بالِ جبریل کی اشاعت اور کثیر تعداد میں مانگ شاید اتنی جلد ایک اور، اردو مجموعہ لانے کا

---

۲۵ تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص ۳۱۳ تا ص ۳۲۰۔
۲۶ ایضاً ص ۲۹ بحوالہ مکتوباتِ اقبال ص ۱۸۰

سبب ہوئی۔ ابتدا میں اسے "صور اسرافیل"، نام دیا گیا تھا لیکن جب مجموعہ مرتب ہو گیا تو موضوع کی مناسبت سے "ضرب کلیم"، لکھا گیا۔ اور توضیحی الفاظ "اعلان جنگ دور حاضر کے خلاف"، بھی درج کیے گئے۔ اشاعت اول ماہ وسال کا اندراج نہیں رکھتی — کیونکہ علامہ سن بلوغت ہی سے عصر حاضر کے خلاف جنگ میں مصروف تھے۔ [۲۷]

۱۳۔ مثنوی پس چہ باید کرد : ——— اکتوبر ۱۹۳۶ء

یہ کتاب بھوپال میں، راس مسعود کے نام علامہ کے مکتوب ۲۹ جون ۱۹۳۶ء کے مطابق خواب میں سر سید احمد خان رح کی نصیحت [۲۸] کے تحت اپنی علالت کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی ایک مثنوی کے پھیلاؤ سے وجود میں آئی۔ [۲۹]

یہ مثنوی جو گویا قصیدہ بردہ کے اتباع میں لکھی گئی کتاب کے آخر میں "در حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم"، کی صورت میں درج ہے۔ البتہ "مثنوی مسافر"، اس کتاب کے ساتھ شامل کر دی گئی یعنی "مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مع مسافر"، اکتوبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔

۱۴۔ ارمغان حجاز : ——— نومبر ۱۹۳۸ء

یہ کتاب علامہ کی وفات کے بعد چودھری محمد حسین کی نگرانی میں چھپی۔ اس میں دستیاب اردو، فارسی کلام یکجا شائع ہوا۔ اس مجموعہ کے صفحہ ۲۷۸ پر [اب کلیات اردو شیخ غلام علی صفحہ ۶۹۱] وہ قطعہ بھی درج کر دیا گیا ہے جس کا عنوان "حسین احمد"، ہے۔ جس کے بارے میں خواجہ عبد الوحید لکھتے ہیں "میرا خیال ہے کہ ارمغان حجاز اگر حضرت علامہ کی زندگی میں چھپتی تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی"، [۳۰] میری رائے یہ ہے کہ "مسئلہ قومیت"، نامی رسالہ نہ چھپتا تو، اگر ان کی زندگی میں یہ رسالہ چھپ جاتا تو نہ معلوم کتنی نظمیں اور بھی شامل کتاب ہوتیں۔ بہرحال تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ — ہم سے ہمارے بارے میں پوچھا جائے گا اُن کے بارے میں نہیں — اللہ سب کی نیکیاں قبول فرمائے اور غلطیاں معاف کرے۔ آمین

علاوہ ازیں مکاتیب اور ملفوظات اور مضامین ومقالات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ مکاتیب بصورت کلیات دہلی سے چھپ رہے ہیں جنہیں جناب مظفر حسین برنی نے مرتب کیا ہے اب تک تین ضخیم جلدیں، حواشی وتعلیقات اور مکتوب الیہ کے تعارف کے ساتھ چھپ چکی ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اردو مقالات ومضامین کا کلیات اور انگریزی مقالات ومضامین کا کلیات بھی الگ الگ شائع کر دیئے جائیں۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کا کلیات باقیات اقبال اردو (مقالہ پی ایچ ڈی) البتہ زیر طبع ہے یہ اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے اور اقبال اکادمی پاکستان اسے شائع کروا رہی ہے۔

---

[۲۷] تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ صفحہ ۳۴۔

[۲۸] علامہ نے خود یہ شذرہ تحریر فرمایا ہے "شب سوم اپریل ۱۹۳۶ء کہ در دار الاقبال بھوپال بودم سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ را در خواب دیدم فرمودند کہ از علالت خویش در حضور رسالت مآب عرض کن [کلیات اقبال فارسی صفحہ ۸۰۲]۔ [۲۹] خطوط اقبال صفحہ ۲۶۳ مکتوب نمبر مورخہ ۲۹ جون ۱۹۳۶ء] [۳۰] اقبال ریویو جنوری ۱۹۶۹ء صفحہ ۶۷۔

جاوید نامہ

○

علامہ اقبال نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اور جس ماحول میں پروان چڑھے وہ گھرانا تصوف کے راستے اسلام کے حلقے میں آیا تھا۔ [۳۱] فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم، شیخ محی الدین ابن عربی کا باقاعدہ درس تا بحدِ توغل اس گھرانے کا معمول تھا [۳۲] تمدنِ ہند اگر عموماً ویدانتی اور وجودی اثرات سے متاثر تھا تو وطنیت کے مغربی سائے اور بھی ظلمت پھیلا رہے تھے۔ یورپ کی بے خدا معاشرت اور لادین تصورحیات کی روح فرسائیاں ان پر مستزاد تھیں۔ چنانچہ علامہ قومی بلند اقبالی، تہذیبِ حجاز کے از سرِ نو احیاء میں دیکھنے لگے۔

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبال
اڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کرے [۳۳]

نظم ہمالہ (۱۹۰۱ء) میں "ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لئے"، کا حوالہ دینے کے بعد گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف دوڑانا محض مضمون آفرینی نہ تھی ایک وقت وہ بھی آیا جب انہوں نے اعلان کیا

در دلِ حق سرِّ مکنونیم ما
وارثِ موسیٰ و ہارونیم ما [۳۴]

یعنی وطن کی مٹی کو طورِ سینا سے نہیں ملایا بلکہ وطن کی مٹی کی پوجا کرنے والوں کو طورِ سینا کا راستہ دکھایا جہاں تاریخِ انسانی میں پہلی بار مذہب کی بنیاد پر قومیت سازی، ایک خیمۂ اجتماع کے ساتھ عمل میں آئی تھی۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کا خطبۂ الہ آباد [بھارت ماتا کے مقدس مقام گنگا جمنا کا سنگم] — موسیٰ و ہارون علیہما السلام ہی کی پیروی میں مصرِ ہند کے اندر ارضِ مقدس کی تلاش و دریافت کی راہیں دکھاتا تھا، جو ہماری تمام تیرہ روزی کے باوجود آج بھی عالمی نقشہ میں میم کے نقشِ سبز کی صورت میں موجود ہے۔

○

یہ وہ زمانہ تھا جب نوجوان ترک، یورپ کے مردِ بیمار کو جھوٹے نخرے ہونے سے بچانے میں کامیاب ہونے کے بعد اُسے لادینی کے ویرانے میں پھینک کر 'بے روح' کرنے

---

۳۱ علامہ کے جدِ اعلیٰ، بابا لول حاج، برہمن نژاد کشمیری تھے اور کشمیری صوفی بزرگ نصیر الدین کے مرید ہوئے اور موضع چرار میں اپنے مرشد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ [زندہ رود جسٹس جاوید اقبال ص ۳، ۲ بحوالہ تاریخ کشمیر اعظمی ص ۲۶]

۳۲ زندہ رود ایضاً ص ۵۲ بحوالہ انوارِ اقبال ص ۱۲۸ مکتوب بنام شاہ سلیمان پھلواری)۔

۳۳ کلیات اردو اقبال ص ۱۰۶ (بانگِ درا حصہ اول غزل نمبر ۱۱)　　۳۴ کلیات فارسی اقبال ص ۷۵ (اسرارِ خودی الوقت سیف)

میں مصروف ہو گئے تھے۔ اہلِ حجاز عرب نیشنلزم کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے، تو ہندوستان تحریکِ خلافت اور تحریکِ ہجرت میں گاندھی جی کی بیعت کے بعد شدھی اور سنگھٹن کی دہشت کے سپرد ہو چکا تھا ۔ علامہ، محمود شبستری کی مثنوی گلشنِ راز کے گیارہ سوالات کو ۹ کر کے عصرِ موجود کے مقتضیات و احوال کو مدِ نظر رکھ کر علم، عشق اور مقصودِ حیات، پر گلشنِ رازِ جدید کے تحتِ عنوان یورپ کی جمہوریت اور مذہب و سیاست میں دوئی جیسے اہم مسائل پر نئی اور جاندار فکر، دینے میں مصروف تھے۔

دوسری طرف روس، اشتراکیت کے جس دلآویز اژدھے کے جبڑوں میں تھا اس کی خوشگوار پھنکاریں ہندوستان میں بھی مؤثر ہونے لگی تھیں۔ وہ پنڈت جواہر لال نہرو، جو روس سے لادین اشتراکیت کی روشنی لے کر آئے تھے وہ ہندوستان میں جداگانہ انتخاب کے ذریعے اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کو محدود سیاسی حقوق دینے سے انکار کی بدولت نہ صرف مزید دود آلود ہو رہی تھی بلکہ پنڈت جی کے دل و دماغ کی تاریکیوں کو اور بھی گہرا کرنے لگی تھی۔

آل پارٹیز کانگریس کانفرنس کی گرد سے دس ارکان کی جو نہرو کمیٹی ابھری تھی اس کی مرتبہ نہرو رپورٹ میثاقِ لکھنؤ سے پیدا ہونے والی یہ گنجائش بھی ختم کر رہی تھی کہ "اگر کسی اقدام کے خلاف کسی فرقے کے نمائندوں کی دو تہائی اکثریت ووٹ دے تو اسے کالعدم قرار دیا جائے"۔ ع ۳۵

علامہ کا خطبۂ الٰہ آباد اس گھٹن میں خوشگوار جھونکے کی طرح تھا جس نے مذہب پر ہمہ گیر یلغار کے خلاف جدید ترین فکری ہتھیاروں کی ضرورت پوری کرنے، مذہب کے غیر منقطع کردار کو اجاگر کرنے اور ملتِ اسلامیہ کے قومی تشخص کی بحالی کی خاطر "الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیلِ جدید" کا غلغلہ بھی بلند کیا ہے۔ گاندھی ارون معاہدے نے گاندھی جی کی سول نافرمانی کو ان کی پیشانی کا ستارہ ہی نہ بنایا ہندوؤں کی تخریبی آگ کو بھی ہوا دی۔ بنارس، آگرہ، مرزاپور اور کانپور میں مسلمانوں کو جانی مالی نقصانات پہنچایا گیا۔ اس منظم مہم کے خلاف سندھ، سرحد، پنجاب سب جگہ مسلمان حرکت میں آ گئے۔

ادھر ریاستِ جموں و کشمیر میں ڈوگرہ شاہی نے مسلمانوں کا جینا مشکل کر دیا تھا۔ روزنامہ انقلاب نے اس حوالے سے پہلے سے پھیلی بے چینی کو مزید بے قراریاں دیں۔ جموں کشمیر میں مسلم رہنماؤں کی گرفتاری اور مارشل لاء کا نفاذ عمل میں آیا۔ اس پر علامہ نے ۹ راگست ۱۹۳۱ء کو یومِ کشمیر منانے کا اعلان کر دیا تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ مسلمان اب ظلم و تعدی کو مزید برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں ع ۳۶

ع ۳۵ Muslim Separatism in India Page 194 Lahore 1971.

ع ۳۶ سرگزشتِ اقبال ایضاً ص ۳۲۳ ۔ بحوالہ انقلاب ۱۱ راگست ۱۹۳۱ء ۔ گفتارِ اقبال ص ۱۲۹ ایضاً

سر فرانسیس ینگ ہسبنڈ کی کتاب لائف ان سٹارز [Life in Stars] پر تبصرے کے بہانے علامہ نے اسلام، سرمایہ داری، سوشلزم اور پان اسلام ازم جیسے موضوعات پر گفتگو کی۔ روزنامہ بمبئی کرانیکل کے نمائندے کے چبھتے ہوئے سوالوں کا دو ٹوک جواب دیا اور مدلل طریقے سے اسلام اور مسلمانوں کے موقف کا دفاع کیا۔ مثلاً

"اسلام ایک اشتراکی انداز کا سوشلسٹک دین ہے۔ قرآن مجید، مطلق سوشلزم اور نجی املاک کے تصورات کے بین بین تعلیم دیتا ہے۔ ذاتی طور پر میرا خیال یہ ہے کہ جدید مغربی سامراج اور بالشوزم میں بنیادی تبدیلیاں لائے گا"۔ ۳۷

جہاں تک پان اسلام ازم کا تعلق ہے علامہ نے کہا

"یہ تصور جمال الدین افغانی سے منسوب کیا جاتا رہا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ انہوں نے یہ اصطلاح استعمال کی بھی یا نہیں، لیکن یہ درست ہے کہ انہوں نے یورپی جارحیت کے خلاف افغانستان، ایران اور ترکیہ کو متحد ہونے کی تلقین کی تھی، لیکن یہ ایک خالص دفاعی تجویز تھی اور میرے نزدیک جمال الدین افغانی کا موقف بالکل صحیح تھا۔
اگر پان اسلام ازم سے ایک ایسا عالمی معاشرتی تجربہ مراد لیا جائے جس میں نسل، رنگ اور ذات پات کے تصورات نابود ہوں تو یہ حقیقت میں اسلام ہی کا دوسرا نام ہے ان معنوں میں پان اسلام ازم صرف اتحاد اسلامی ہی نہیں اتحاد انسانی بھی ہے"۔ ۳۸

دوسری گول میز کانفرنس کے لئے علامہ لندن پہنچے، ۱۹ نومبر ۱۹۳۱ء کو سر فرانسیس ینگ ہسبنڈ کی صدارت میں انڈیا سوسائٹی کی طرف سے تقریب میں علامہ نے حیات بعد الموت کے مسئلہ سے اپنی دلچسپی بیان کرتے ہوئے واضح کیا۔

"میں ایک انسان کے شاندار اور درخشاں مستقبل پر یقین رکھتا ہوں، اور میرا عقیدہ ہے کہ انسان نظام کائنات میں ایک مستقل عنصر کی حیثیت حاصل کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے۔ یہ عقیدہ میرے خیالات و افکار میں آپ کو عموماً جاری و ساری نظر آئے گا ۔۔۔ ۳۹ پروفیسر آرنلڈ نے شاعری کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ زندگی کا انتقاد (Criticism of Life) ہے۔ میں اس کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں بشرطیکہ محض لائف نہیں بلکہ ڈیوائن لائف کا انتقاد کہا جائے پھر علامہ نے ڈیوائن لائف کے انتقاد کے اسلوب و انداز

---

۳۷ سرگزشت اقبال ص ۳۲۷ ایضاً ۳۸ ایضاً ص ۳۲۸
۳۹ گفتار اقبال ص ۲۳۵ بحوالہ "انقلاب" ۲۲ نومبر ۱۹۳۱ء۔

کی وضاحت کرتے ہوئے ذیل کے اشعار مع ترجمہ سنائے

این جہاں چیست صنم خانۂ پندار من است
جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است
ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من
چہ زمان و چہ مکاں شوخیٔ افکار من است
ساز تقدیرم و صد نغمۂ پنہاں دارم
ہر کجا زخمۂ اندیشہ رسد تار من است
اے من از فیض تو پایندہ نشان تو کجاست؟
این دو گیتی اثر ماست جہانِ تو کجاست؟ ع۲۰

علامہ نے اپنی فارسی کتابوں کا مختصراً تعارف کرایا ۔۔۔ اور آخر میں فرمایا

"میری تازہ تصنیف" جاوید نامہ" مطبع میں جا چکی ہے اور غالباً ایک دو مہینے میں چھپ جائے گی۔ یہ حقیقت میں ایشیا کی ڈیوائن کامیڈی* ہے جیسے دانتے کی تصنیف یورپ کی ڈیوائن کامیڈی ہے ۔ اس کا اسلوب یہ ہے کہ شاعر مختلف ستاروں کی سیر کرتا ہے ، مختلف مشاہیر کی روحوں سے مل کر باتیں کرتا ہے ۔ پھر جنت میں جاتا ہے اور آخر میں خدا کے سامنے پہنچتا ہے :

اس تصنیف میں دور حاضر کے تمام جماعتی، اقتصادی، سیاسی، مذہبی اخلاقی اور اصلاحی مسائل زیر بحث آگئے ہیں۔ اس میں صرف دو شخصیتیں یورپ کی آتی ہیں۔ اول کچنر دوئم نطشے ۔ باقی تمام شخصیتیں ایشیا کی ہیں۔ ڈینٹے نے اپنا رفیق سفر یا خضر طریق ورجل کو بنایا تھا۔ میرے رفیق سفر یا خضر طریق مولانائے روم ہیں۔ میں اس تصنیف میں سے صرف ایک دو مثالیں ہی پیش کر سکتا ہوں۔ مثلاً چاند میں ہندوستان کے مشہور ہندو صوفی وشوامتر سے ملاقات ہوئی ہے ۔ جس کا نام میں نے جاوید نامہ میں جہاں دوست رکھا ہے ۔ وشوامتر سے جو دو باتیں ہوئیں انہیں میں نے "نہ تا سخن عارف ہندی" کے عنوان سے پیش کیا ہے ۔

گفت ! مرگ عقل ؟ گفتم ترک فکر
گفت ! مرگ قلب ؟ گفتم ترک ذکر
گفت دین عامیاں ؟ گفتم شنید
گفت دین عارفاں ؟ گفتم کہ دید
...... گفت ! حجت چیست ؟ گفتم روئے اوست ع۲۱

* علامہ نے ۱۹۳۲ء رسالہ [illegible] سید نذیر نیازی: مکتوبات اقبال ص ۳۲/۳۳، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، اشاعت ۱۹۷۷ء

ع۲۰ کلیات فارسی اقبال ص ۴۰۹ [زبور عجم حصہ اول : غزل نمبر ۱۲] ع۲۱ ایضاً ص ۶۲۵ [جاوید نامہ]

آپ حیران ہوں گے کہ کچنر اس ضمن میں کیسے آگیا۔ جاوید نامہ میں کچنر اور فرعون آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ فرعون کچنر کو طعنہ دیتا ہے کہ یورپ کے لوگ بڑے بے رحم ہیں اور بے درد ہیں، انہوں نے ہماری قبریں تک کھود ڈالیں۔ کچنر جواب دیتا ہے کہ ہمارا مقصد سائنس کی خدمت اور علم الآثار کی خدمت ہے، قبریں اس لئے کھودی ہیں کہ معلوم ہو آج سے تین چار ہزار سال قبل دنیا کی حالت کیا تھی۔ فرعون اس تشریح کے جواب میں کہتا ہے

قبر ما را علم و حکمت بر کشود　　لیکن اندر تربت مہدی چہ بود[۴۲]

ایک مقام پر میں نے چار الواح لکھی ہیں۔ لوحِ بدھ، لوحِ مسیح، لوحِ زرتشت اور لوحِ محمدؐ۔ لوحِ مسیحؑ میں ٹالسٹائے کا ایک خواب ہے۔ لوحِ زرتشت میں اسلامی تصوف کے مشہور مسئلہ فضیلتِ نبوت بر ولایت یا ولایت بر نبوت کے متعلق بحث ہے۔ لوحِ محمدؐ کا مضمون یہ ہے کہ کعبہ میں بت ٹوٹے پڑے ہیں، ابوجہل کی روح گریہ و زاری کر رہی ہے اور رسول اللہؐ سے کہہ رہی ہے کہ انہوں نے ہمارے دین کو برباد کر دیا، ہماری خاندانی بلند پایگی زائل کر ڈالی اور مساوات کی تعلیم دینی شروع کر دی جو مزدکیوں سے حاصل کی گئی ہے۔۔۔،،[۴۳]

حضرت علامہ کی اس تقریر سے ،، جن باتوں کا انکشاف ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ چاند پر جس ہندو صوفی سے ملاقات دکھائی گئی اور "جہاں دوست" ،، نام دیا گیا ہے وہ وشوامتر ہیں ــــ لہذا پروفیسر جگن ناتھ آزاد ،کا یہ قیاس کہ جہان دوست سے مراد ہیں شیو جی مہاراج[۴۴] غلط ہے

۲۔ کچنر، فرعون سے مصروف گفتگو دکھایا گیا ہے حالانکہ وہ ایشیائی نہیں جبکہ علامہ نے اپنے ایشیا کی ڈیوائن کامیڈی بنایا ہے۔ تو اس کی ایک وجہ تو اس کا مصر و غیرہ میں ایک کردار ہے اور دوسرا یہ کہ مہدی سوڈانی کو اسی حوالے سے ڈرامائی طور پر ظاہر کرنا موزون تھا۔۱

۳۔ علامہ کو "نبوت و ولایت" ،، کی بحث کتنی اہم لگتی تھی کہ "الواح" میں، آپ نے اسی کا ذکر کیا۔ اور ٹالسٹائے کے خواب کو اہمیت دی۔

۴۔ علامہ نے دینِ اسلام کی صفاتِ عالیہ ابوجہل کی زبانی بطرزِ دگر بیان کیں۔ اسی زمانے میں اُن کو فرانسیس ینگ ہسبینڈ کی کتاب پر تبصرے کے حوالے سے [اسلام کو ایک اشتراکی انداز کا سوشلسٹک دین کہنے کے سبب] خاصی اتہام بازی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لہذا، مساوات اسلامی کو ← ایک بنیادی اہمیت - امتیازات - ان امتیازات کو دین نے ختم کیا ہے۔

---

[۴۲] ایضاً صہ ۶۸۴ (فلک زہرہ، جاوید نامہ)۔　[۴۳] گفتار اقبال صہ ۲۳۴ تا صہ ۲۳۵ بحوالہ انقلاب ۲۲ نومبر ۱۹۳۱ء

[۴۴] اقبال اور کشمیر صہ ۲۲ جگن ناتھ آزاد۔ سری نگر ۱۹۷۷ء

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی "ایک فیضانی لمحے کی یاد" کے تحت عنوان ڈاکٹر تاثیر صاحب کا ایک بیان نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"--- کہنے لگے اردو میں شعر نازل ہی نہیں ہوتے۔ جاوید نامہ کو ابھی ابھی ختم کیا ہے اور دل و دماغ تھک گئے ہیں اس لئے فارسی میں بھی کچھ کہنا محال ہے" ۴۵

○

جاوید نامہ سے متعلق حضرت علامہ کے اپنے تعارفی کلمات کے بعد مناسب ہے کہ ان کی زندگی میں اس کتاب کے "نام" اور مقام سے متعلق اولین بیان بھی نقل کر دیا جائے جو یقیناً علامہ کی نظر سے گذرا ہوگا۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی تو اس بدگمانی کے شکار تھے کہ یہ مضمون علامہ نے خود لکھوایا۔ وہ لکھتے ہیں

"چونکہ جاوید نامہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے فارسی میں پہلی کتاب تھی اور حضرت علامہ خود بھی اس بات سے آگاہ تھے کہ اکثر شائقین کو اس کے سمجھنے میں دشواری ہوگی اس لئے انہوں نے اس کتاب کا تعارف خود لکھوایا تھا جو چودھری کے نام سے اکتوبر ۱۹۳۲ء میں [نیرنگ خیال اقبال نمبر ۱۹۳۲ء میں] شائع ہوا تھا" ۴۷

"جاوید نامہ دراصل معراج نامہ ہے۔ اسرار و حقائق معراج محمدیہ پر کتاب لکھنے کا ایک مدت سے حضرت علامہ کا خیال تھا۔ کتاب کا نام بجائے معراج نامہ کے جاوید نامہ رکھنے کی محرک دو باتیں ہوئیں۔ اسلام کی بہت سی اور باتوں کی طرح مسلمانوں نے حقیقت معراج پر بھی بہت کم غور کیا ہے۔ دراصل گلشن راز جدید کی طرح، علوم حاضرہ کی روشنی میں معراج کی شرح لکھ کر ایک قسم کا معراج نامۂ جدید لکھنے کا علامہ کو خیال تھا۔ یہ معراج نامہ بہت ممکن ہے تمام شرحی انداز تحریر میں ہوتا اور اپنی موجودہ آسمانی ڈرامے کی شکل اختیار نہ کرتا لیکن اس اثنا میں اٹلی کے مشہور شاعر ڈینٹے کی کتاب ڈیوائن کامیڈی پر بعض نئی اور اہم تنقیدات یورپ میں شائع ہو چکی تھیں، جن میں اس حقیقت کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا گیا کہ ڈیوائن کامیڈی کے آسمانی ڈرامے کا تمام پلاٹ بلکہ اس کے بیشتر تفصیلی مناظر ان واقعات پر مبنی ہیں اور ان کی نقل ہیں جو اسلام میں معراج محمدیہ سے متعلق بعض احادیث و روایات میں مذکور ہوئے یا بعد میں بعض مشہور متصوفین و ادباء کی ان کتابوں میں درج ہوئے جن میں انہوں نے مختلف نقطۂ نظر سے خود اپنے معراجوں کا ذکر کیا یا معراج نبوی کی شرح لکھی" ۴۸

---

۴۵ ملفوظات اقبال ص ۱۲۶ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اقبال اکادمی لاہور اشاعت اول ۱۹۷۷ء

۴۶ جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ص ۱۲ ڈاکٹر محمد ریاض اقبال اکادمی پاکستان لاہور طبع اول ۱۹۸۸ء

۴۷ شرح جاوید نامہ ص ۲۳ پروفیسر یوسف سلیم چشتی عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور (۱۹۵۶ء)

۴۸ جاوید نامہ پر ایک نظر' چودھری محمد حسین مشمولہ شرح جاوید نامہ: مولانا صبغۃ اللہ بختیاری ص ۶۹ مطبوعہ اقبال اکیڈمی (پرائیویٹ) ظفر منزل تاج پورہ، لاہور [ماخذ ۱۹۴۶ء]

چودھری صاحب کے اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ اقبال عرف معراج محمدیہ کو ایک ادبی شہکار کی صورت میں "نئے اشتراکی انداز" میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ جس طرح کہ انہوں نے عصر جدید کے تقاضوں کے پیش نظر "گلشن راز" کو گلشن راز جدید، بنایا تھا۔ لیکن ڈیوائن کامیڈی کی عالمگیر شہرت کا راز پروفیسر آسین کے تجزیے سے یہ کھلا کہ دانتے نے بھی یہ کتاب احادیث معراج اور صوفیاء و شعرائے اسلامی کے ذاتی مشاہدات و مکاشفات اور ذہنی و تخیلی پروازوں کے شہکار لٹریچر سے استفادہ کرتے ہوئے لکھی۔ چودھری صاحب لکھتے ہیں۔

"مشرق کے لوگ اگرچہ اب تک اس حقیقت سے بے خبر ہوں، اہل مغرب پر ہسپانیہ کے بعض مستشرقین کی جدید تحقیقات نے اب یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح کر دی ہے کہ ڈینٹے کی ڈیوائن کامیڈی کا ماخذ اولاً وہ احادیث نبوی ہیں جن میں معراج کی کیفیات (بعض صورتوں میں باختلاف تفصیلات) مروی ہیں۔ ثانیاً وہ کتب تصوف و ادب اسلامیہ جن میں اسرار معراج نبوی پر روشنی ڈالنے کے علاوہ بعض صورتوں میں مصنفین نے خود اپنی سیاحت علوی اور مشاہدہ تجلیات کا ذکر کیا ہے۔ مؤخر الذکر میں محی الدین ابن عربی کی مشہور کتاب فتوحات مکیہ اور ابوالعلاء معری کی تصنیف رسالۃ الغفران خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔" ع [۴۹]

پروفیسر میگل آسین [Miguel Asin Palacios] نے واضح کیا ہے کہ

"واقعہ معراج سے متعلق مسلم محدثین، علماء، مفسرین، صوفیاء اور شعراء نے اپنی واردات یا ادبی تخیلاتی تالیفات کی صورت میں جو سرمایہ جمع کر دیا ہے، اگر اس کا مقابلہ کیا جائے تو مشابہت کے بے شمار مقامات خود بخود سامنے آ جائیں گے، بلکہ کئی جگہ بہشت اور دوزخ کے عام خاکوں ان کی منازل و مدارج، تذکرہ ہائے سزا و جزا، مشاہدہ مناظر، انداز حرکات و سکنات افراد، واردات و واقعات سفر، رموز و کنایات دلیل راہ کے فرائض اور اعلیٰ ادبی خوبیوں میں مطابقت تامہ نظر آئے گی۔" ع [۵۰]

چنانچہ علامہ نے بھی اسی طرز کا شہکار تخلیق کرنے کو ترجیح دی [۵۱]، اور جیسا کہ معلوم ہے گوئٹے کے دیوان مغربی کے جواب میں پیام مشرق [۵۲] اور گلشن راز کے طرز پر گلشن راز جدید لکھی

ع ۴۹ ایضاً ص ۲۱/۲۲ — ع ۵۰ ایضاً ص ۲۳/۴۲ — ع ۵۱ ایضاً ص ۲۰

ع ۵۲

کے کامیاب تجربے کے بعد ایسا کرنا مشکل نہ رہا تھا۔ علامہ نے ایشیائی اقوام خصوصاً مسلمانوں کے احوال اور مقتضیاتِ سیاسی، سماجی اور عمرانی کو موضوع بنانے کی ٹھانی۔ ماضی کو واضح کرنا حال کی توجیہہ اور مستقبل کا نقشہ اسی طرح ممکن تھی۔

چودھری محمد حسین لکھتے ہیں۔

"ایک حد تک اس واقعہ [پروفیسر آسین کے تجربے] نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ بجائے عام شرعی انداز میں معراج نامہ لکھنے کے جو مضامین کے لحاظ سے یقیناً حقائقِ معراج کے مباحث ہی تک محدود رہتا، ڈیوینٹے کے انداز میں ادبی [عارفانہ ہیں] نقطۂ نگاہ سے "معراجِ اقبال" لکھا جائے، جس میں قیدِ مباحث سے آزادی ہو اور تخیل و ادراک، تاویل و تفسیر کی محدود وسعتوں سے گزر کر فکر و بصیرت اور اختراع و الہام کی جن لا محدود فضاؤں تک پرواز کرنا چاہیں بآسانی کر سکیں" ۵۳

چنانچہ پروفیسر آسین (Miguel Asin Pola ciouse) کے تجربے کی روشنی میں معراجِ رسول[۲]، صوفیانہ سیرِ روح، اور ادبی تخیلی شہکاروں کا مطالعہ ضروری ہو گیا۔

(۱) واقعۂ اسراء و معراج کی جزئیات، احادیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور مجمل اشارے سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۱ اور سورہ النجم کی ابتدائی ۱۸ آیات میں ملتے ہیں۔ روایاتِ معراج کی رُو سے حضورؐ کو [اگست ۶۲۰ء] کے ۱۷ رمضان المبارک کو اُم ہانیؓ [حضورؐ کی چچا زاد] کے گھر سے بیت المقدس لے جایا گیا جہاں آپؐ نے تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کی نماز میں امامت فرمائی وہاں سے آپؐ کو عالمِ بالا کی طرف اٹھایا گیا جہاں آپؐ کو آیاتِ خداوندی دکھائی گئیں، آپؐ نے بہشت و دوزخ کے مناظر دیکھے اور حضورِ خداوندی میں حاضر ہو کر مشاہدۂ ذات کیا اور حقوق و فرائض کا سودا لے کر لوٹے۔ آپؐ نے واپسی میں مختلف افلاک پر مختلف انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں بھی کیں۔

(۲) اکثر فارسی اور اردو شعراء خصوصاً صوفیاء اور متصوفین نے معراج نامے لکھے یا اپنی نظموں کی ابتداء حمد و نعت کے بعد ذکرِ معراج سے کی البتہ جن صوفیاء نے مشاہدۂ ذات اور سیرِ روحانی سے متعلق ذاتی روحانی تجربات رقم کئے اُن میں بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ [احوال و آثار کے لئے ملاحظہ ہوں تعلیقات نمبر ۹۸، ۲۵۶] اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے قابلِ ذکر ہیں۔ اول الذکر کے مشاہدات تو شرمندۂ تحریر نہیں ہوئے البتہ ثانی الذکر نے 'فتوحاتِ مکیہ' اور دوسری تصانیف میں بھی ان مکاشفات کا ذکر کیا ہے لیکن تحریر کا ابہام الم نشرح ہے۔ جیسا کہ

---

۵۳ جاوید نامہ پر ایک نظر چودھری محمد حسین ایضاً ص ۲

اوپر بیان ہوا معراج النبیؐ مسجد اقصیٰ سے سیدھے سدرۃ المنتہیٰ اور وہاں سے آسمانوں افلاک، درمیان میں کسی فلک یا ستارے کی سیر کا ذکر نہیں ابن عربی فتوحات مکیہ میں افلاک کی سیر کرتے ہوئے اور سات ستاروں سے گذر کر بہشت، دوزخ اور اعراف دیکھتے ہیں۔ ڈیوائن کامیڈی کا بھی یہی سلیقہ ہے۔ البتہ فتوحات ایک صاحب حال کے احوال ہیں جب کہ ڈینٹے نے تخیل کے پرے باندھے ہیں۔

(۳) رسالۃ الغفران - المعری سے قبل ایک نثر پارہ التوابع والزوابع مصنفہ ابو عامر احمد شہید اندلسی [۴۲۶ھ] - ملتا ہے - ابو عامر عالم خواب میں وادیٔ جنات میں جاتا ہے اور وہاں عہد ماضی کے شعراء وادباء سے ملتا ہے اور ان سے شعر وادب کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ اس گفتگو سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ عبقری شعراء وادباء جنوں اور شیاطین سے مدد لیتے رہے ہیں[۵۴] (یہ عربوں کا عام عقیدہ تھا اسی کے زیر اثر وہ حضورؐ کو بھی شاعر مجنون: ایسا شاعر جس کے تبعے میں جن ہے کہتے تھے)

ابو العلاء معری کا رسالۃ الغفران [۴۴۹ھ] بھی اسی نوعیت کا ہے۔ لیکن التوابع کی طرح مشکل نہیں ہے۔ اگرچہ اس رسالہ میں ضمناً معنوی بحثیں اور ادبی لطیفے بھی رلا ملا گئے ہیں۔ ڈاکٹر احمد علی رجائی لکھتے ہیں کہ ڈینٹے کا سا مذہبی شخص معری ایسے ملحد کے رسالۃ الغفران سے متاثر نہ ہو سکتا تھا - لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ ڈینٹے کا روایاتِ معراج سے بلا واسطہ یا بالواسطہ متاثر ہونا غیر یقینی ہے[۵۵] اس لئے ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کا یہ عندیہ کہ یہی وہ رسالہ ہے جس نے دانتے سے ڈیوائن کامیڈی لکھوائی قرین قیاس ہے۔ وہ لکھتے ہیں

> "حکیم، شاعر، ابو العلا المعری کا کلام اگرچہ بہت عام اور مشہور ہے، مگر اس میں فلسفیانہ خیالات خصوصیت کے ساتھ نہیں ہیں۔
>
> اس کا اصل فلسفہ اس کے رسالۃ الغفران میں ہے جس میں اس نے اپنا جنت اور دوزخ کا ایک خیالی سفر بیان کیا ہے [ابو عامر مذکورہ بالا کی طرح] وہ ان دونوں مقاموں میں بعض ادیبوں اور شاعروں اور عالموں کو دیکھتا ہے، ان سے ناقدانہ اور ظریفانہ گفتگو کرتا ہے۔ اس رسالے نے دانتے کے ذہن میں "ڈی وائن کامیڈی" کا خیال پیدا کیا،،[۵۶]

معلوم ہوتا ہے کہ دانتے نے اس کتاب کی مدد سے ڈیوائن کامیڈی میں ادبی خوبیاں پیدا کیں۔

---

[۵۴] جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ڈاکٹر محمد ریاض ایضاً ص ۳۰ [۵۵] ایضاً ص ۳۱

[۵۶] فیض مشرق - ڈاکٹر ظہیر احمد ص ۲۱/۲۰ ادارہ انیس اردو الہ آباد (انڈیا) بار اول ۱۹۵۹ء

فتوحات مکیہ، خالصتہً مذہبی شے ہے۔ اور مکاشفات، ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتے۔ ابوالعلاء معری کا رسالۃ الغفران البتہ ایک ایسا ماخذ ہے جس سے دانتے کے "الٰہی کامیڈی" کو بہت سے حوالوں میں مماثلت ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ پہلے ڈیوائن کامیڈی اور رسالۃ الغفران کا تقابل پیش کیا جائے۔

○

رسالۃ الغفران کے مصنف المعری کا تعلق عرب قبیلہ تنوخ سے تھا۔ یہ خاندان یمن میں سد مآرب کے اجڑنے کے بعد ملک شام کی طرف ہجرت کر گیا تھا۔ معری، نجیب الطرفین تھا، علم، اور دنیوی وجاہت دونوں کو نصیب تھی باپ عبداللہ عہدۂ قضا پر فائز تھا اور ماں کا خاندان بھی حلب میں جلیل القدر اور مشہور تھا

احمد بن عبداللہ، ابوالعلاء معری ۲۷ ربیع الاول ۳۶۳ھ بروز جمعہ پیدا ہوا۔ ساڑھے تین سال کی عمر میں چیچک میں مبتلا ہوا جس سے اس کی آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ معری، معرہ میں پلا بڑھا وہیں علم وادب اور لغت کی تعلیم اپنے والد سے پائی اور علم حدیث حاصل کیا۔ چودہ سال کی عمر میں والد نے وفات پائی۔ لیکن معری نے طلب علم کا سلسلہ جاری رکھا، انطاکیہ، لاذقیہ، طرابلس اور حلب تک پھرا، بیس سال کی عمر میں واپس معرہ آیا اور شعر گوئی کو کمائی کا ذریعہ بنایا لیکن جلد ہی اسے اس کمائی سے نفرت ہو گئی۔ ایک وقف کی تیس[۳۰] دینار سالانہ آمدنی پر اس کا گذر بسر تھا جسے حاکم حلب نے ضبط کر لیا تو معری بغداد چلا گیا۔ وہ اسے دارالعلم کہتا تھا جو قیام کے لئے بہترین مقام تھا۔ لیکن بقول اس کے زمانے نے اسے ٹھہرنے کا موقع نہ دیا۔

بغداد میں اسے بڑی قدر ومنزلت ملی، طلباء کا ایک ہجوم اس کے گرد رہتا۔ علماء وفضلاء اس کی ہم نشینی کو غنیمت جانتے تھے لیکن متنبی کی تعریف نے اسے بغداد چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ یا ماں کی بیماری کی خبر نے۔ لیکن معرہ میں بغداد کی ساری صعوبتوں کے باوصف اسے بغداد کی یاد ستاتی رہی۔ اس نے درس وتدریس کا سلسلہ تو جاری رکھا لیکن گوشہ گیری اختیار کی حیوانات سے حاصل ہونے والی ہر شے کھانا ترک کر دی انڈا دودھ، شہد، گوشت کچھ نہ کھاتا تھا۔ وہ اپنی نابینائی اور گھر میں قید ہونے کو دو قید خانے کہتا تھا اور خود کو رہین المحبسین لکھتا تھا۔ تین دن مرض الموت میں بیمار رہ کر ربیع الاول ۴۴۹ھ کے نصف اول میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ جنازے میں دو سو تو قرآن کریم کے حافظ تھے۔ اور اسی شاعروں نے اس کا مرثیہ کہا۔

معری کی ذاتی زندگی غم والام کی زندگی تھی۔ ماں کی موت، نابینائی، لاغری، غربت وافلاس، اس کے ساتھ مجرد زندگی ___ لیکن معری بڑا جی دار تھا۔ نابینا ہونے پر رب کریم کا اسی طرح شکر گذار جس طرح بینا، بینائی پر شکر گذار ہوتے ہیں۔ معرہ میں قیام نے اسے فاطمیہ سے متعارف کرایا ___ معری کے زمانے میں دروزی مذہب، حشاشین کا مذہب نصیریہ کا مذہب ہر طرف سوسائٹی کو متاثر کر رہا تھا۔ معری پر اس کے اثرات مرتب ہوئے جس نے اس کے لئے "فتاویٰ" اور مابعد دنیا تنگ کر دی ہے[۵۷] اس میں شبہ نہیں کہ معری کے تفکر علمی مادی میں اعتقادی بگاڑ تھا۔ وہ اعتقاد رکھتا تھا کہ والنفس دنیہ کے لئے تشکل اور روح ہے۔ وہ تشکل کے ترک کا حامی تو نہ تھا مگر

۵۷۔ فیض مشرق۔ ایضاً ص۸۳ تا ص۱۰۶ (انتخاب واختصار)۔

روح کو شکل پر ترجیح دیتا ہے۔ البتہ وہ، ان فرائض و حقوق دینیہ کی ادائگی پر زور دیتا ہے جن سے اجتماعی نفع متعلق ہے مثلاً زکوٰۃ و صدقات وغیرہ۔ وہ معجزات وکرامات کا منکر تھا۔ عقلی دلائل کو دینی براہین پر ترجیح جیسے افکار کی بدولت علماء نے اس پر زندقہ وکفر کا حکم جاری کیا۔۵۸

بوجہ نابینائی ابو العلاء معری گھر میں گوشہ نشین رہے مگر اس کی کتابوں سقط الزند، لزومیات، رسالۃ الغفران نے اس کی حکمت و ذہانت اور محنت، علمی قابلیت اور فضیلت سے ایک عالم کو متاثر کیا۔ میر تقی میر کا شعر معری پر ہر حوالے سے صادق آتا ہے۔

اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میر　　پہ میرے شور نے روئے زمیں تمام لیا

(۱) رسالۃ الغفران، معری نے اپنے دوست ابو الحسن علی بن منصور المعروف بہ ابن القارح (۳۵۱ تا ۴۲۳ھ) کے ایک رسالے کے جواب میں لکھا۔ اپنے دور کے اس حلبی الاصل امام ادب نے اس رسالہ میں بعض ادیبوں اور شاعروں پر [ممکن ہے بالواسطہ معری ہی کو نشانہ بنایا ہو] حملہ کیا تھا، اور خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ لوگ اپنے اقوال و افعال مثلاً دینی فرائض کے ترک یا شراب نوشی یا غزل کہنے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔

معری نے اس کے جواب میں اس خیال کو رد کیا، رحمت خداوندی کی وسعت اور علماء و فقہائے متشددین کے مطعون شعراء وغیرہ کے بوجہ ان کی نیک نیتی، ایمان باللہ اور اعمال صالحہ نجات و بخشش اور جنتی ہونے کو ثابت کیا۔ بعض فقہا، علماء اور ادیبوں کے آرا پر تنقید بھی کی جس سے لزومیات کی نسبت، اس کتاب میں اس کے لہجے میں تلخی بھی آ گئی ہے۔

معری نے ابن القارح کا مقام جنت میں دکھایا ہے۔ وہ اس کی توصیف کرتا ہے۔ جنت کا نقشہ کھینچتا ہے اس میں ایک درخت دکھاتا ہے جو مشرق و مغرب کو محیط ہے، اس میں عیش و راحت کے سارے سامان موجود ہیں۔ شراب ایسی کہ پینے والوں کو نشہ نہیں آتا وہ زبرجد کی صراحیوں سے سونے کے پیالوں میں انڈیل کر روشن و تاباں چہروں والے ہم نشینوں کو پلائی جاتی ہے۔ اور طرب انگیز گیتوں سے نوازے جاتے ہیں۔

ابن القارح کو معری جنت کی سیر کراتا ہے۔ اور بعض شعرائے جاہلی مثلاً اعشیٰ، زُہیر، عدی بن زید النصرانی، اور نابغہ وغیرہم کو دکھاتا ہے۔ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اپنے ایمان باللہ اور عمل صالح کے طفیل جنت میں ہیں۔ پھر وہ خود ابن القارح سے اس کے اپنے داخلۂ جنت کی کہانی سناتا ہے۔ کہ اُسے کن کن سختیوں کے جھیلنے کے بعد جنت ملی اور محشر میں ٹھہرنا کیسا ہولناک ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ وہ تمام وسائل جنہیں اسباب جنت سمجھا گیا مثلاً توبہ، صحت ایمان پر قسم کھانا، مدحیہ قصیدے کہنا۔ کام میں لانے کے باوجود خازنِ جنت، رضوان نے اسے جنت میں داخل ہونے نہ دیا۔ عالم یاس میں وہ حضرت علیؓ سے ملتجی ہوا مگر سفارش نہ ہوئی۔ اتنے میں لوگوں کا ہجوم نظر آیا معلوم ہوا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے والد ماجد کی خدمت میں سلام عرض کرنے آ رہی ہیں۔ جب وہ گزریں تو ان کی نظر ابن القارح پر پڑی۔ حال پوچھنے پر

۵۸ ایضاً ص ۱۱۸

ابن القارح کی سچی توبہ کا جاننا کر اور یہ معلوم کرنے کہ وہ ان کی وساطت سے شفاعت کا طالب ہے - حضور رسالتمآب حاضری پر ابن القارح کی سفارش کی، ریکارڈ دیکھا گیا اور سچی توبہ کی تصدیق ہونے پر سفارش کر دی گئی۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے بھائی ابراہیم کو اس کے پیچھے دوڑایا - تلاش بسیار کے بعد وہ رضوان سے جھگڑتے ہوئے پائے گئے - لے جاکر جنت میں داخل کر دیا گیا - جنت کی زندگی کا نقشہ کھینچنے کے بعد - معرّی، ابن القارح کو یہ خواہش کرتے دکھاتا ہے کہ دوسرے جنتیوں کو دیکھے۔ اس سیر میں وہ ان جنتیوں کی بستیاں دکھاتا ہے جو اپنے ایمان و اعمال صالحہ کی بنا پر جنت میں داخل ہوئے۔ ابن القارح جب جہنم پہنچا تو ابلیس کو زنجیروں اور طوق میں جکڑا ہوا پایا - عذاب الٰہی کے فرشتے اسے لوہے کے گرزوں سے مار رہے تھے - اس سے تھوڑی بہت باتیں کرنے کے بعد ابن القارح دیگر اہل جہنم کو دیکھتا ہے، بشار بن برد، امراء القیس، عنترہ، طرفہ، اخطل وغیرہ شعراء کو دیکھا لیکن ان کے ساتھ بیٹھنے کی بجائے اسی شقاوت میں چھوڑ کر جنت کی طرف لوٹ آیا، وہاں آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

اس ذیل میں معرّی نے بعض روایات، ادبی مسائل اور بعض احکام و عقائد پر بھی تنقید کی ہے - آخر میں ابن القارح کے رسالہ کا بلاواسطہ جواب دیا ہے اور بعض ادبا و مفکرین مثلاً ابونواس، متنبیؔ، بشار، ولید ابن یزید، حلاج بن رومی، ابوتمام، علی ابن طالب، عمر ابن الخطاب سے اور بعض مسائل مثلاً موت، زندقہ، دہریت، قرامطہ، مذہب حلول و تناسخ، دعوائے الوہیت زواج، اور خمر وغیرہ کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کی ہے ۔ ۵۹

یہ اولین تخیلی ادبی معراج نامہ ہے -

(۲) دانتے اور ڈیوائن کامیڈی:

ڈینٹے فلورنس [اٹلی] میں ۱۲۶۵ء میں پیدا ہوا جب کہ معرّی کی ولادت پر تین صدیاں گزر چکی تھیں - ابتدائی تعلیم فلورنس ہی میں پائی - فلسفہ پڑھنے کے لئے بلونا اور پیڈوا یونیورسٹی کے بعد پیرس یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور فلسفہ میں مہارت تمام حاصل کی - پیرس کے زمانۂ قیام میں تھامس اکوئیناس کی ضخیم کتاب الٰہیات سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسی کے فلسفیانہ عقائد اپنا لئے - عنفوان شباب میں شعرگوئی آغاز کی - باپ بچپن ہی میں مر گیا تھا - دانتے کا زمانہ اٹلی کی سیاسی ابتری کا زمانہ تھا - اٹلی چھوٹی چھوٹی شہری ریاستوں میں منقسم تھا فلارنس بھی ایک ریاست تھی - ۱۲۸۹ء میں اس کی مخالف جماعت برسر اقتدار آگئی تو مخالفین کو پوپ کے دربار سے گردن زدنی قرار دے دیا گیا - ۱۳۰۲ء سے تادم مرگ دانتے نے جلاوطنی میں بسر کی - اپنی داستان حیات میں وہ لکھتا ہے " مدتوں سے گداگروں کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں اور تقدیر نے جو زخم لگائے ہیں وہ اپنی مرضی کے خلاف دنیا والوں کو دکھاتا پھرتا ہوں " ۱۳۲۱ء میں ۲۷ اگست کو بعارضہ بخار فوت

---

۵۹ - الیضاً ص ۱۲۸ تا ص ۱۳۱ (تلخیص) -

۶۰ - شرح جاوید نامہ - پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص ۴۵/۴۶ الیضاً - کالے گوروں کی جنگ اقتدار میں دانتے گوروں کا حامی؛ پوپ سے کالوں کے ساز باز کے تدارک کے لئے اس کی جماعت نے تین افراد کے وفد میں پوپ کے پاس بھیجا تھا لیکن پیچھے کالے غالب اور دانتے کو سزا ہوئی لیکن کے لئے Iqbal Poet Philosophir of Pakistan. Hafeez Malik P 370 Columbia University Press U.S.A New York 1971.

ڈیوائن کامیڈی تین حصوں پر مشتمل ہے ‎.I‎ دوزخ [Inferno/Hell] چونتیس[۳۴] سرود [Canto]
‎II‎ اعراف [Purgatory] تینتیس[۳۳] سرود، ‎III‎ جنت [Paradise] تینتیس[۳۳] سرود، پہلے حصے
میں ابتدائیہ بھی شامل ہے ورنہ ہر حصوں کے تینتیس[۳۳] سرود ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کے اعداد کے
مطابق ہیں ۔ لیکن پلاٹ اور کہانی اور سفرِ خیالی کی تفصیلات سے "اس کے مصادر کا اسلامی ہونا واضح ہے ۔
واقعۂ اسراء ، فرشتوں کا آسمان پر چڑھنا ، دوزخ و جنت کی کیفیت ، قرآن کریم سے ماخوذ ہے ۔ پھر قصۂ معراج
اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتوں آسمانوں پر جانا فتوحاتِ مکیہ سے لئے گئے ہیں اور جنت دوزخ میں
مختلف لوگوں سے ملنے کا انداز رسالۃ الغفران سے لیا ہے ۔ البتہ دانتے کا بترس کے ساتھ چشمے سے پی کر سیراب کے قابل ہونا جشن
کیا دلالت ہے دانتے اعراف میں کچھ ایسے لوگوں سے ملتا ہے جو ظہور نصرانیت سے پہلے گذرے ہیں جیسے سقراط و افلاطون
اور ارسطو ، یا کچھ ایسے لوگوں سے ملتا ہے جو ظہور نصرانیت کے بعد ہوئے اور جنہوں نے ملک اور علم کی خدمت
کی مثلاً ابن سینا ، ابن رشد اور صلاح الدین ایوبی ، حالانکہ جہنم میں بہت سے امرائے نصاریٰ اور
رُوما کے پوپوں کو پایا ۔

یہ بھی ممکن ہے کہ دانتے نے اسرائیلیات سے بھی لیا ہو لیکن چند ایسی واضح چیزیں ہیں
جن کا ماخذ صرف اسلامی خیال اور رسالۃ الغفران وغیرہ ہی ہو سکتا ہے ، مثلاً اعراف
کا ذکر و عقیدہ خالص اسلامی ہے اور نعیم و عذاب جسمانی بھی بالکل اسلامی عقیدہ ہے
عالم بالا کی طرف انسان کا سفر بالکل اسلامی خیال ہے [حضرت عیسیٰ کے مردوں میں سے جی اٹھنے
اور قبل صلیب ہی رفع الی السماء کا فرق بھی واضح ہے ۔ مترجم] ۔ مکہ سے بیت المقدس
کی طرف رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانا بالکل آنحضرتؐ ہی کا معجزہ ہے
اسی سے واقعۂ معراج کی تفصیل معلوم ہوتی ہے ۔ انہیں چیزوں کو ابو العلاء نے اپنے
رسالہ میں ذکر کیا ہے ، اور دانتے کے لئے ان خیالات کا پانا اسلامیات کے
علاوہ کہیں ممکن نہیں ہے ، اسی کی تقلید سے دانتے نے بھی ان کو اپنے شہکار
طربیۂ الٰہیہ میں بیان کیا ہے ۔[۶۱]

یعنی دوزخ میں شاعر نے مغضوب لوگ دکھائے ہیں اور گناہوں کی سزائیں بھی اسی قبیل کی ہیں جس
قبیل کی احادیثِ معراج میں ملتی ہیں [ارداویراف نامہ [ارداویراف یکے از بزرگانِ زرتشت تھا اس کی گفتگو کا پہلوی متن
اور فارسی ترجمہ دستیاب ہے، اس کے بارے میں ایرانی محققین نے بہت کچھ لکھا ہے ۔ اس کا افسانۂ معراج دسویں سے چودھویں صدی
عیسوی یعنی چوتھی سے آٹھویں صدی ہجری کے دوران کسی وقت لکھا گیا ہے ۔ وہ سات دن بحالتِ خواب عالم بالا میں رہا اور
اعراف بہشت اور برزخ کے مناظر دیکھ کر لوٹا ۔ گناہگاروں کو جس کی بتائی ہوئی سزائیں اور نیکوکاروں کی جزائیں احادیثِ معراج
کے مطابق ہیں یا ان احادیث سے بہت قریب ۔ یہ افسانہ بالضرور واقعۂ معراجِ رسولؐ کے تابع لکھا گیا ہے اور
مؤخر عہد [چوتھی سے آٹھویں صدی ہجری] سے تعلق رکھتا ہے "[۶۲]

---

[۶۱] فیضِ مشرق ڈاکٹر فرمان فتحپوری ص۷۸/۷۹ ایضاً [۶۲] جاوید نامہ : ڈاکٹر محمد ریاض ص۲۱ ایضاً "The Persian Arda Viraf Name belongs as well to this kind of heavenly journeys as the Pious English man John Bunyan's "Pilgrim's Progress"! The Javidnama in the light of the Comparative History of Religions' A.M. Schimmel The Sword and Sceptre' Page 338, by Dr Riffat Hasan 1977 Iqbal Academy Lahore.

دانتے کا معراج خیالی ورجل ۷۰ تا ۱۹ ق م (Publius Vergilius Maro) اور بتریس (Beatrice) [دانتے کی ناکام محبت] کی معیت میں طے ہوا۔ یہ بھی فتوحاتِ مکیہ کے اتباع میں ہے جو دو افراد ایک فلسفی اور ایک عالم کی رہنمائی رکھتا ہے۔ دراصل یہ بھی واقعۂ معراج میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معیت سے ماخوذ ہے۔ رسالۃ الغفران میں البتہ معری اپنے دوست ابن القارح کو خود سیر کراتا ہے۔

ڈیوائن کامیڈی کی ترتیب اس طرح ہے زمین، دوزخ، اعراف، بہشت، فلک قمر فلک عطارد، فلک زہرہ، فلک مریخ، فلک مشتری، فلک زحل، اور آلنوئے افلاک۔ جاوید نامہ میں "دوزخ، اعراف اور بہشت" نہیں اور آلنوئے افلاک سے واپسی پر شاعر کو سے خطاب، اضافی ہے۔ جو شیخ گنگوہی کے قول پر (کہ مصطفیٰ عرش بریں جا کر لوٹ آئے) خطاب ہے جو کہ عین مطابق ہے۔ یہی معراج کا ثقافتی پہلو ہے ——— اس سفر کی روداد یوں ہے کہ دانتے ایک دن پہاڑ پر جانا چاہتا ہے مگر رذائلِ اخلاق کی نمائندہ شیریں اسے پکڑ لیتی ہیں، اتنے میں لاطینی شاعر ورجل کی روح نمودار ہوتی ہے اور دانتے کو عالم بالا کی سیر کرنے کو کہتی ہے۔ اور بتاتی ہے کہ پہلے دوزخ سے گزر کر جانا ہوگا۔ وہ دوزخ سے ڈرتا بھی ہے اور جنت کی دلکش فضاؤں کو دیکھنے کا مشتاق بھی ہے اس لئے ورجل کی رہنمائی میں روانہ ہو جاتا ہے۔ وہ دونوں دوزخ کے چونتیس حلقوں میں مختلف گناہوں کے مرتکب لوگوں کی حالت زار دیکھتے ہیں اور اعراف کی پہاڑی پر جا نکلتے ہیں۔ یہاں نسبتاً کم درجے کے گناہگار ہیں۔ اس وادی المطہر اعراف سے گزرنے کے بعد دانتے بہشت جا پہنچا وہاں ورجل کے ساتھ بتریس اور متیلیڈا بھی آملتی ہیں۔ بتریس دانتے کی ناکام محبت ہے اور متیلیڈا ایک حسینہ ہے۔ اب چاروں نیکوکاروں کو پاتے ہیں شاعر نہر مقدس کا پانی پی کر زمینی آلودگیوں سے منزہ ہوتا ہے۔ بتریس کی رہنمائی میں ورجل اور دوسری حسینہ رہ جاتی ہے۔

اب آسمانی سفر شروع ہوتا ہے، فلک قمر پر روحانیت سے عاری اور حب وطن سے محروم ارواح دیکھتے ہیں۔ فلک عطارد پر حوصلہ مند لوگوں کی روحوں سے ملتے ہیں۔ فلک زہرہ پر حکمت و شجاعت، الطاف اور عفت کے مجسمے رقصاں نظر آتے ہیں۔ یہاں شاعر نے ایک نغمہ بھی سنا۔ فلک مریخ پر صلیبی جنگوں کے مقتول جن میں دانتے کے اجداد بھی ہیں ملتے ہیں۔ فلک مشتری پر حلیم روحوں سے ملاقات ہوتی ہے اور فلک زحل پر متقی اور پرہیزگار نظر آتے ہیں۔ اب عالم لامکاں آتا ہے جہاں بتریس بھی رخصت ہو جاتی ہے اور دانتے کو سینٹ برنارڈ اپنی رہنمائی میں لے لیتے ہیں جہاں حلول و ارتسام پر مبنی التوحید فی التثلیث کے رموز کا ان پر انکشاف ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا علامہ دوزخ، اعراف اور بہشت کی بجائے سیر افلاک کرتے سیدھے آلنوئے افلاک پہنچتے ہیں۔ راہنما پیر رومی ہیں۔ اور اس سفر میں جو پیغام علامہ دینا چاہتے ہیں اسی

پر ان کی توجہ مرکوز رہتی ہے۔ موت اور پس از موت کے حالات سے زیادہ ان کا مطمح نظر زمین کی اصلاح ہے۔"

"وہ ایک مسلم عالم اور حکیم ہے اس لئے اپنی توجہ زیادہ تر حیاتِ دائرہ یا حیاتِ مطلق یا بالفاظِ دیگر بقائے حیاتِ انسانی کے مسئلے پر صرف کرتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ بات اس قدر اہم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد بہشت و دوزخ یا اعراف میں انسانوں کی زندگی کیسی ہوگی؟ اس کے برعکس جس بات نے اسے تمام عمر پیچ و تاب میں رکھا ہے وہ یہی موجودہ حیاتِ انسانی ہے جو اقوامِ مشرق کے لئے ان کی سیاسی معاشی اور اقتصادی پستی کی وجہ سے موت سے بدتر ہو چکی ہے اور جس کے پاکیزہ ارتقا کی فروعات سے اہلِ مغرب بوجہ اپنے مذہبی اخلاقی اور روحانی انحطاط کے غافل ہو چکے ہیں۔" ۶۳

چنانچہ یہ واضح ہے کہ علامہ کھلے لفظوں میں اپنے قارئین کو "محکماتِ عالمِ قرآنی" کی یاد دلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈیوائن کامیڈی میں منظر نگاری زیادہ ہے اور جاوید نامہ حقائق نگاری کا مرقع ہے۔ ظاہری طور پر بھی معمولی ہے جیسے دونوں شاعروں کا سفر پہاڑ سے شروع ہوتا ہے دونوں کے رہنما شاعر ہیں۔ اقبال نے فلکِ زحل پر غداران وطن جعفر و صادق کو مبتلائے عذاب و ذلت دکھایا ہے۔ دانتے کے دوزخ (حلقہ ۳۲) میں بھی ایسے لوگ عقوبت میں گرفتار ہیں گو ذرا مبہم انداز میں۔ فلکِ عطارد پر اقبال بھی حوصلہ مند اور جرأت افزا کردار، سید افغانی اور سعید حلیم پاشا سے ملاتے ہیں۔ جاوید نامہ کے فلکِ زہرہ پر بھی رقص و سرود کی محفلیں ملتی ہیں۔ فلکِ مشتری پر دونوں کتابوں میں حرفہائے حکمت ملتے ہیں۔ آنسوئے افلاک دونوں شاعر خدا سے اپنی دلچسپی کے امور کے بارے میں سوال کرتے ہیں اس تشابہ کے باوجود یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ طربیہ الٰہی اول و آخر طربیہ ہے اور شاید اس سے کوئی خاص پیغام عالمِ انسانی کو نہ ملے جبکہ جاوید نامہ از اول تا آخر پیغام ہے۔ یعنی مومنانہ رواداری کی عالمی اپیل۔ ۶۴

آدمیت احترامِ آدمی ‏ ‏ باخبر شو از مقامِ آدمی

بندۂ عشق از خدا گیرد طریق ‏ ‏ می شود بر کافر و مومن شفیق

ولقد کرّمنا بنی آدم ۶۵ کا اجرا و نفاذ۔

---

۶۳ شرح جاوید نامہ چشتی ص ۳۲ ‏ ‏ ۶۴ جاوید نامہ، ڈاکٹر ظہور احمد ص ۱۱۵

۶۵ بنی اسرائیل: ۷۰

جہاں تک رسالۃ الغفران کا تعلق ہے۔ علامہ کے بعض خیالات پر اس رسالے کے اثرات بھی بدیہی ہیں مثلاً تذکیر تانیث کا زن بیدہ مرتجی، جہاں مغرب کی تحریکِ حقوقِ نسواں یعنی Feminism پر تنقید ملتی ہے وہاں ابوالعلاء معری کا یہ عقیدہ بھی جھلکتا دکھائی دیتا ہے جو اُس نے مجرد زندگی بسر کرکے عملاً کر دکھایا

ارى النسل ذنبا للفتی لا یُقالہ
فلا تنکحن الدّھر غیر عقیم [۶۷]

ترجمہ: میں نسل بڑھانے کو انسان کا نا قابلِ معافی گناہ سمجھتا ہوں۔ پس تو ہرگز سوائے بانجھ عورت کے کسی سے نکاح نہ کرنا۔

واضح ہے کہ عقیدہ خلافِ شرعِ محمدی ہے۔ ایسے ہی عقائد کے باعث تو المعری پر فتوے لگے۔ اقبال اس کی تنقید میں حق بجانب ہیں — اسی طرح علامہ کی [روح و بدن کی تفریق کے حوالے سے] عصرِ موجود کی فکر سے مایوسی کا یہ اندراج

ترسم این عصرے کہ تو زادی دراں
در بدن غرق است و کم داند زجاں [۶۸]

المعری ہی کے یاس انگیز خیالات کا عکس لگتا ہے۔ ہر چند کہ علامہ کے ہاں یہ تن پروری اور بے روح اور بدن مست زندگی کے حوالے سے ہے۔ جب کہ المعری، نابینائی، ماں باپ سے محرومی، مجرد زندگی اور سب سے بڑھ کر عقائد کے بگاڑ کے باعث ناقدریٔ زمانہ، سے متاثر ہو کر کہتا ہے۔

الا انّما الدّنیا نحوسٌ لاھلھا
فما فی زمانٍ انت فیہ سعودٌ [۶۹]

ترجمہ: آگاہ ہو جاؤ کہ یہ دنیا اس میں رہنے والوں کے لئے بلاشبہ منحوس ہے۔ پس جس زمانے میں تم ہو اس میں کچھ خوش قسمتی نہیں ہے۔



علامہ اقبال کے فکری سلسلۃ الذہب پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ اُس زمانے سے " قومی زندگی " کی جاودانی پر غور کرتے آئے ہیں جب وہ یورپ جانے سے پہلے اورینٹل کالج [پنجاب یونیورسٹی لاہور] میں میکلوڈ عریبک ریڈر کی حیثیت سے ملازم تھے۔ انہوں نے "علم الاقتصاد" کے نام سے اپنی پہلی نثری تصنیف میں " واکر " کے خیالات کی تنقید کی اور ذاتی آرا درج کیں۔ انہوں نے معلم اول حکیم ارسطو کے خیال سے اختلاف کیا کہ " غلامی تمدنِ انسانی کے لئے ضروری جزو ہے"۔ وہ لکھتے ہیں " مذہب اور زمانۂ حال

---

۶۶ Feminism سے متعلق تفصیلی نوٹ کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۸۰ [زن بیدہ مرتجی]۔
۶۷ فیضِ مشرق ڈاکٹر محمد احمد الیفاً ص ۱۱۱
۶۸ کلیاتِ فارسی اقبال ص ۶۹۵ [جاوید نامہ: خطاب جاوید]
۶۹ فیضِ مشرق الیفاً ص ۱۱۵۔

کی تعلیم نے انسان کی جبلّی آزادی پر زور دیا ہے اور رفتہ رفتہ مہذب قومیں محسوس کرنے لگی ہیں کہ وحشیانہ تفاوت مدارج بجائے اس کے کہ انسانی تمدن کے قیام کے لئے ضروری جزو ہو اس کی تخریب کرتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو پر نہایت مذموم اثر ڈالتا ہے۔ اس طرح اس زمانے میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا مفلسی بھی نظام عالم میں ایک ضروری جزو ہے؟ کیا ممکن نہیں کہ گلی کوچے میں چپکے چپکے کراہنے والوں کی دلخراش صدائیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائیں؟

اس سوال کا شافی جواب دینا علم الاقتصاد کا کام نہیں کیونکہ کسی حد تک اس [سوال] کے جواب کا انحصار انسانی فطرت کی اخلاقی قابلیتوں پر ہے ...... " [ؔ]

گویا علامہ مفلسی کے خاتمہ کے لئے حقیقی آلہ "معاشرتی اخلاقی ضابطوں" کو قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں

"مفلسی تمام جرائم کا منبع ہے اگر ایسی بلائے بے درماں کا قلع قمع ہو جائے تو دنیا جنت کا نمونہ نظر آنے لگے"

کتاب کے پانچویں باب آبادی میں تنازع للبقاء اور بقائے افراد قومیہ کے قوانین فطرت کے حوالے سے ڈاکٹر کے اس خیال کو مسترد کر دیتے ہیں کہ "وہ مصافِ زندگی جو حیوانات میں بوجہ اجنبیت وغیریت جاری ہے انسانی قبائل میں بوجہ یگانگت اور تعلقاتِ نسبیہ کے معدوم ہے" وہ لکھتے ہیں

"اس میں کچھ شک نہیں کہ نسبی تعلقات کی وجہ سے انسان اپنے خاندان کے کمزور و ناتواں افراد کی حفاظت کرتا ہے اور مختلف افراد انسانی کے درمیان وہ اجنبیت وغیریت نہیں ہے جو حیوانوں کو قانون بقائے افراد قومیہ کے تحت میں لاتی ہے تاہم یہ اجنبیت اور غیریت مختلف انسانی خاندانوں اور قوموں کے درمیان ضرور موجود ہے اگرچہ ایک خاندان کے افراد کے درمیان نہیں" وہ یہ تمہید باندھنے کے بعد لکھتے ہیں

"حکیم موصوف کا خیال اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب تمام انسان یہ محسوس کریں کہ وہ ایک ہی خاندان کے افراد ہیں اور نہ صرف یہ محسوس کریں بلکہ عملی طور پر ایسے کر کے بھی دکھائیں۔ ہم اس بات کو تسلیم

ؔ علم الاقتصاد - اقبال (دیباچہ) ص ۳۱/۳۰ اقبال اکادمی پاکستان لاہور اشاعت اول ۱۹۷۷ء

کرتے ہیں کہ تمدنِ انسانی کی سب سے اعلیٰ صورت یہی ہے کہ تمام بنی نوعِ انسان حقیقی بھائیوں کی طرح زندگی بسر کریں ـــ مگر نفس الامر میں ایسا نہیں اس واسطے وہ اجنبیت اور غیریت جو حیوانوں میں موجود ہے اور جو اُن کو مذکورہ بالا قانون سے متاثر کرتی ہے مختلف انسانوں، خاندانوں، قوموں کے درمیان جاری ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ حیوانات میں مصافِ زندگی افراد کے درمیان جاری ہے مگر انسانوں میں یہ لڑائی خاندانوں بعد قوموں کے درمیان ۔ ہر خاندان اور ہر قوم اس مصافِ زندگی میں فتح مندی کی کوشش کرتی ہے اور سب کا یہ قدرتی بلکہ فطری تقاضا ہے کہ حریف کو گرا کر تمام روئے زمین کا وارث بن جائے ؛

اس جنگ کا نتیجہ جو فطری ہے، صفحۂ ہستی سے معدوم ہونے کی صورت میں نکلنا بھی فطری ہے لہذا وہ "اخلاقی قابلیتیں" جو اس مصافِ ہستی کو مٹا سکتی ہیں مذہب ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

"جس طرح اس قانون کے اثر سے حیوانوں کی بعض قسمیں صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئی ہیں اسی طرح اس قانون کے عمل سے انسانوں کی قدیم قومیں بھی حرفِ غلط کی طرح کتابِ ہستی سے مٹ گئیں اور اب ان کا نام داستان تک باقی نہیں"

بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ غیرمادی اشیاء مثلاً خیالات و مذاہب کا قیام بھی اسی قانون کے تابع ہے ۔ جو خیال یا مذہب انسان کے تمدنی حالات اور اس کی عقلی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی نہ کر سکے ضرور ہے کہ وہ انسان کی جدید ضروریات کو پورا نہ کر سکنے کے باعث معدوم ہو جائے"، ع۱

علامہ کا مقالہ قومی زندگی (م ۱۹۰۴ء) ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر (۱۹۱۰ء) اسلام بحیثیت اخلاقی و سیاسی نصب العین (۱۹۰۹ء) اور ان افکار و خیالات کی عملی صورت کے لئے "نیا شوالہ" مارچ ۱۹۰۵ء، عالم دیگر (۱۹۱۴ء) شہر مغرب (۱۹۲۱ء) اور بالآخر "عالم قرآنی" ہی گویا دفترِ اقوام میں اپنا نام قائم رکھنے کے لئے نشانِ منزل ٹھہرا، اس حوالے سے کتاب کا نام "جاوید نامہ" وسیع تر تناظر میں ـــ حیاتِ جاوداں کے نصاب کے طور پر ابھرتا ہے ـــ اور "زندہ رود" وہ Stream of Consciousness ہے جو حال میں ماضی و استقبال کی جھلکیاں دکھاتی جاری ہے ع۲ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم کا

ع۱ علم الاقتصاد، اقبال ایضاً ص۲۵۱ تا ص۲۵۸ (انتخاباً) - ع۲ Zinda Rud in Javid Nama - An Appraisal of in the prospective of Stream of Thought — Iqbal Review April 1986 PP 48-49 with reference to Jacques Barzun "A stroll with William James" Harper New York 1983 PP 34-82.

تجزیہ اور معروف ماہر اقبالیات محترمہ این میری شمل کا تبصرہ، درج بالا تجزیہ کی تقویت کا باعث ہوں گے اور عالم فرزندی کی اس قیاس آرائی کا تشفی بخش جواب جو انہوں نے "جاوید نامہ کا تکری پس منظر" میں تحریر کیا ہے۔ ۴۳

این میری شمل لکھتی ہیں۔

And as the journey of the keen, ardent, loving Spirit is drawn in the symbols of the Murgh-i-jan (مرغ جان) the soul's bird, by Attar and others, so it can be seen also under the symbols of running water of the river rolling in eternal motion towards the ocean.

The name given to Iqbal by Rumi – Zindarud, Living stream – shows the importance ascribed by the Poet to this very old symbol: did not Heraclitus 2500 years before, Compare life and living to a river, changing and never resting? Did not the Bhudha at the same time find the highest wisdom when he was sitting in Contemplation on the River Naranjare whose waters may have told him the mystry of life?

And in Iqbal's works the Martyr Sultan Tippu sees in the Cauvery River such a symbol, and can not help teaching him the mystry of life? love and death. by means of the other living stream ' the tongue of the Poet?

In the Payam-i-Mashriq, Iqbal has given a free translation of Goethe's wonderful Poem "Mohammad's Gesang" where the German Poet Compares the life of the Prophet to a stream, bearing with him all rivulets and brooks to the brest of the Ocean. Thus too may be a reason for Iqbal's taking the nom-de-plume Zinderude: he too

---

۴۳ ۔ مشمولہ المعارف، لاہور جولائی تا ستمبر ۱۹۹۲ء صفحہ ۸۵ تا ۱۰۵

is a prophetic spirit who tries to move the forces of his milieu"[۴۷]

ڈاکٹر فدا ریاض ان خیالات پر اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ندی، جو، اور امواج بحر و دریا دراصل اقبال کے تصورِ خودی کی مماثلتوں اور تعبیرات میں سے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اقبال کے ہاں دریا و بحر اور ان کے تلازمات کا فراوانی کے ساتھ ذکر موجود ہے [کلیات اردو ص ۱۹۰، ص ۳۱۲، کلیات فارسی ص ۲۹۲ ص ۲۱۲، ص ۲۱۵].

اقبال اپنے اردو ساقی نامہ میں جوئے رواں کو خودی اور زندگی کا عکاس بتاتے ہیں۔

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی　　اٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی　　بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ　　پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
ذرا دیکھ اے ساقئ لالہ فام
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام [کلیات اردو ص ۲۱۵]۔

مگر جاوید نامہ میں سلطان شہید ٹیپو کی زبانی زندہ رود کا عقدہ کچھ حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر دریائے کاویری زندہ رود ہے تو شاعر بھی ویسا ہی زندہ رود ہے اور سلطان شہید انسان کو بھی رودِ حیات کی ایک موج اور لہر بتاتے ہیں

در جہاں تو زندہ رود او زندہ رود　　خوشتر آید سرود اندر سرود
اے من و تو موجے از رودِ حیات　　ہر نفس دیگر شود این کائنات [کلیات فارسی ص ۷۲۰، ۷۲۱]

ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال نے زندہ رود کے نام سے اقبال کے حیات اور کارناموں کو یکجا کیا ہے۔ یہ بڑا مناسب نام ہے زندہ رود کے نام کی مناسبت کو اقبال کے تصوراتِ زندگی و خودی میں تلاش کرنا چاہیئے۔ نظم خضر راہ کے ذیلی عنوان 'زندگی' میں ہے

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ　　جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب　　اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی
قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب　　اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی [کلیات اردو ص]

اسی طرح سر راس مسعود کے مرثیے کا تیسرا بند یوں ہے۔

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقامِ حیات　　کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحانِ ثبات
خودی ہے زندہ تو دریا ہے بیکرانہ ترا　　ترے فراق میں مضطرب ہے موجِ نیل و فرات [کلیات اردو ص ۶۶۷، ۶۶۸] ع ۵۰

تاہم بقول ان کے رومی نے شاعر کو اس کی سرعتِ فکر و اندیشہ کی وجہ سے 'زندہ رود' سے ملقب کیا ہے۔

---

۴۹ The Sword and Sceptre by Dr Riffat Hassan P.P 339/34.
(The Javid Nama in the History of Religions Art. Schimmel)

۵۰ جاوید نامہ، تحقیق و توضیح ایضاً ص ۲۶ / ص ۲۷

ابن طفیل [۱۱۰۰ء - ۸۵ء] کی معروف تخلیق حیّ ابن یقظان کا ایرانی محقق ڈاکٹر بدیع الزمان فروزانفر نے ، ترجمہ کیا اور نام "زندہ بیدار" رکھا ۔ یہ کتاب Lenn Evan Goodman نے 1969ء میں انتہائی مفید مقدمہ اور حواشی کے ساتھ انگریزی میں منتقل کی ، جس کا دوسرا ایڈیشن U.S.A میں دوسری بار 1983ء میں شائع ہوا ۔ علامہ اشرف حسینی کے مطابق علامہ نے زندہ رود کا تصور گوئٹے کی نعت مصطفوی "نغمۂ محمد" سے لیا ہے ۔ آگے اس کا ذکر آئے گا ۔



جاوید نامہ کے عنوان کی وضاحت میں دو شعر لکھے گئے ہیں اکثر ماہرین اقبال نے اسے دیباچہ سے منسوب کیا ہے علامہ نے جس کے بے حد دلچسپ ہونے کا ذکر کیا ہے ۔[77]

خیالِ من بہ تماشائے آسماں بود است ٭ بدوشِ ماہ و بآغوشِ کہکشاں بود است
گماں مبر کہ ہمیں خاکداں نشیمنِ ماست ٭ کہ ہر ستارہ جہانیست یا جہاں بود است[78]

اقبال میوزیم لاہور میں محفوظ اصل مسودہ کے مطابق علامہ نسیتی[79] کا ایک شعر بھی جاوید نامہ کی علامت خاص (عنوان) کے طور پر لکھنا چاہتے تھے مگر بعد میں یہ شعر کتاب میں جگہ نہ پاسکا ۔

صدائے تیشہ کہ بر سنگ می خورد دگر است ٭ خبر بگیر کہ آوازِ تیشہ و جگر است[80]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ "مناجات" ہی وہ دلچسپ دیباچہ ہے جس کا اصل ماخذ قرآن مجید کی سورۂ فاتحہ ہے ۔ اس نظم کے سات بند ہیں ۔ کتاب میں چھے افلاک اور ایک آں سوئے افلاک کی سیر درج ہے ۔ کتاب کی سیر کرنے والے ان بندوں کو "سبعاً من المثانی" کا مکمل اتباع پائیں گے ۔ اس لیے نہ تو زبور عجم کے درج بالا دو شعر دیباچہ کے طور پر درج ہوئے اور نہ علامہ نثر میں دیباچہ لکھنے کے خواہشمند تھے جو نہ لکھا گیا[81] ۔ یہی مناجات ، وہ دلچسپ دیباچہ ہے ۔

پہلے بند میں علامہ نے کائناتِ فطرت میں انسان کی تنہائی کا رونا رویا ہے ، اور فرزند آدم کے ہم نفس کا نہ ہونا فریاد کا سبب ٹھہرایا گیا ۔ ع ہم نفس فرزند آدم را کجاست ؟

دوسرے بند میں زمانے کی ناپائیداری کی شکایت اور زمان خالص سے بہرمندی کی التجا کی گئی ہے کہ جو زمانِ خالص کا مالک ہو جائے وہ آواز کو بصورتِ رنگ دیکھنے کی صلاحیت پالیتا ہے ۔ یہ زمانِ خالص ، شمار شام و سحر سے ماورا ہے ع اے خوش آں روزے کہ از ایام نیست صبح او را نے نیمروز نے شام نیست / روشن از نورش اگر گردد روان + صوت را چوں رنگ دیدن می تواں

تیسرے اور چوتھے بند میں تجلیاتِ ذات کی تمنا کی گئی ہے ع تو ہمی اندر شبستانم فروز

پانچویں بند میں عقل و عشق کے بند دروازے کھلنے کی آرزو ہے تاکہ فراق میں لذتِ وصل بخشنے والا حضور نصیب ہو ۔ ع زاں سوئے گردوں بگو ابلیس[82] قریب آخری بند میں "آنچہ من جاودانی کن مرا" کے ساتھ گفتار و کردار میں اعتدال و یکسانی کی آرزو کے بعد یہ دعا کی گئی ہے کہ ع بر جواناں سہل کن حرف مرا

---

77 Ibn Tufayl's Hayy Ibn Yaqzan by Lenn Evan Goodman 1983 Gee Tee Bee 11901 Sunset Boulevard 102 Los Angeles CA 90049. 2nd Edition

۷۷ اقبال نامہ اول صفحہ ۲۱۶ بنام پروفیسر شاہ نیز الیاقت صفحہ ۳۰ صفحہ ۹۶ ۔ ۷۸ کلیات فارسی اقبال صفحہ ۴۰۸ غزل نمبر ۲۲ ۔ ۷۹ اقبالیات جنوری ۱۹۹۶ صفحہ ۱۰۱

۸۰ محمد منظور میں ڈاکٹر تحسین فراقی شعر کے مصرعہ اولیٰ کی اصل صورت بحوالہ فریاد جو ہر یہ بتاتی ہے ع صدائے تیشہ کہ بر سنگ می خورد دگر است

میرا خیال ہے معنوی اعتبار سے علامہ سی نقل درست ہے کہ تیشہ پتھر پر چلتا ہے ۔ ۸۱ جاوید نامہ ڈاکٹر کرامتی احاشیہ وار اول نمبر ۲ م اندراج نمبر الف ۔

۸۲ ابلیس قریب کی تعارفی قیمت کے لیے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۹ ۔



جاوید نامہ مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی کی بحر میں سپرد قلم کیا گیا ہے۔ اس میں چھبیس درجن کے لگ بھگ اشعار دیگر شعراء کے ہیں جن کے اسماء یہ ہیں مولانا روم، غنی کاشمیری، ناصر خسرو قرۃ العین طاہرہ [مشاہ طاہر دکنی المعروف بہ طاہرؔ کاشی [۹۰۰ھ تا ۹۵۰ھ]۔ تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۸۶ [غزل طاہرہ]۔ اور مرزا غالب۔ کچھ شعر اپنی دوسری کتابوں اسرار خودی اور زبور عجم وغیرہ سے بھی لئے ہیں۔ تمہید آسمانی کو اقبال نے گوئٹے کے پرولاگ ان ہیون (Prologue in Heaven) کے زیر اثر لکھا ہے اور زندہ رود کا تصور بھی گوئٹے ہی کی نعتِ مصطفوی (نغمۂ محمد) سے لیا گیا ہے[83]۔ جس کا آزاد ترجمہ علامہ نے پیام مشرق میں "جوئے آب" کے عنوان سے درج کیا ہے۔

زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود [84]

بھرتری ہری اور خوشحال خان خٹک کے کچھ شعروں کے آزاد تراجم بھی ہیں۔ حسب موقع و محل ان کا حوالہ مرقوم ہے۔



جہاں تک کتاب میں شامل اشخاص (کرداروں) کا تعلق ہے سوائے چند ایک کے باقی سب تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور ان چند فرضی کرداروں نے بھی جاوید نامہ کی ڈرامائی حیثیت کو مستحکم کیا ہے [85]

فرضی کردار درج ذیل ہیں:

افرنگین ۔ فاسد مغربی تمدن کی علامت
فرزمرز ۔ ایک فرنگ زدہ، فرضی کردار۔
دوشیزۂ کاذبہ مریخ : فیمین ازم سے متاثر خواتین کی نمائندہ
بعض بتوں کے نام جو شاید شعر موزوں کرنے یا قافیہ ملانے کی خاطر لائے گئے مثلاً نسر، رحمن، عنسر وغیرہم۔

اصلی کردار درج ذیل ہیں:

بتوں سے شروع کرتے ہیں۔ بعل، مردوخ، یعوق، نسر، لات، منات، عنسر [ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۵۶ تا ۱۶۱]
ہبل [تعلیقہ نمبر ۱۸] ابلیس تعلیقہ نمبر ۱۳۰، ۲۰۹، ۲۰۲،

افراد و اشخاص: [بلحاظ حروف تہجی]

افلاطوس	تعلیقہ نمبر ۷	جمال الدین افغانی	تعلیقہ نمبر ۹۳، نمبر ۱۰۰
اہرمن	تعلیقہ نمبر ۴۲	جہاں دوست [وشوامتر]	تعلیقہ نمبر ۷۴
ابوجہل	تعلیقہ نمبر ۲۷	جعفر میر از بنگال	تعلیقہ نمبر ۲۰۵
بھرتری ہری	تعلیقہ نمبر ۲۲۵	حلاج	تعلیقہ نمبر ۱۸۲
ٹالسٹائے	تعلیقہ نمبر ۶۹	رومی جلال الدین	تعلیقہ نمبر ۱۷، ۸۹

---

83 دانتے کا طربیۂ خداوندی اور جاوید نامۂ اقبال۔ رشید حسینی مشمولہ سہ ماہی مجلہ اقبال ص۲ اپریل ۱۹۸۲ شمارہ ۲ بزم اقبال لاہور

84 کلیات فارسی اقبال ص۲۹۹ [پیام مشرق]۔

زرتشت	تعلیقہ نمبر ۶۳	فرعون	تعلیقہ نمبر ۱۶۲، ۱۶۴
زروان	تعلیقہ نمبر ۳۶	کچنر، لارڈ	تعلیقہ نمبر ۱۶۳
زندہ رود (اقبال)		گوتم بدھ، مہاتما	تعلیقہ نمبر ۶۰
سعید حلیم پاشا	تعلیقہ نمبر ۹۴	مہدی سوڈانی	تعلیقہ نمبر ۱۶۴
سلطان ٹیپو شہید	تعلیقہ نمبر ۲۲۹	نادر شاہ، جنرل	تعلیقہ نمبر ۲۲۴
شرف النساء بیگم	تعلیقہ نمبر ۲۱۴	نادر شاہ درانی	تعلیقہ نمبر ۲۲
صادق - میر از دکن	تعلیقہ نمبر ۲۰۵	ناصر خسرو	تعلیقہ نمبر ۲۳۸
طاہرہ، قرۃ العین	تعلیقہ نمبر ۱۸۴	نبیۂ کاذبۂ مریخی	تعلیقہ نمبر ۱۸۰
غالب، مرزا اسد اللہ خان	تعلیقہ ۱۸۳	نیٹشے، فریڈرک	تعلیقہ نمبر ۲۰۷
غنی، مرزا طاہر کاشمیری	تعلیقہ نمبر ۲۱۷	ہمدانی، امیر کبیر سید علی	تعلیقہ نمبر ۲۱۶

بعض خیالی کردار :

جمال (حضور). جلال -	تعلیقہ نمبر ۶۲ نیز دوشی شعر نمبر ۱۱۸۶ شعر نمبر ۱۱۸۵	زن رقاصہ	تعلیقہ نمبر ۶۱
حوران بہشتی	آنسوئے فلک، ایک بہشتی منظر میں	فرزمرز	فرضی نام، حاشیہ شعر نمبر ۹۱۲
روحِ ہندوستان	ملک کے حال پر، روحِ ہندوستان، فرزندوں کا نوحہ کرتی ہے علامہ کی حب الوطنی کا شہکار۔		

وہ افراد و اشخاص جن کا ذکر ضمناً ہوا :

آدم خاکی	تعلیقہ نمبر ۱۰۹	ابو الوصل	تعلیقہ نمبر ۱۵۸
ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام	تعلیقہ نمبر ۳۲، ۴۶، ۱۵۲	امرؤ القیس	تعلیقہ نمبر ۹۱
ابن سعود	تعلیقہ نمبر ۲۶۵	ایوب علیہ السلام	تعلیقہ نمبر ۶۵/۲
ابن سینا (بو علی سینا)	تعلیقہ نمبر ۲۰۹	بایزید (ابو یزید) بسطامی رح	تعلیقہ نمبر ۹۸، ۲۵۶
ابوذر غفاری رض	تعلیقہ نمبر ۲۵۸	جاوید اقبال (جسٹس)	تعلیقہ نمبر ۲۷۸
ابوسعید ابوالخیر فضل اللہ رح	تعلیقہ نمبر ۹۶	جبریل امین علیہ السلام	تعلیقہ نمبر ۱۰۳
ابولہب	تعلیقہ نمبر ۱۳۳	جنید بغدادی سید الطائفہ رح	تعلیقہ نمبر ۹۷
احمد شاہ ابدالی	تعلیقہ نمبر ۲۲۸	حسین ابن علی رض امام	تعلیقہ نمبر ۲۳۱
اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام	تعلیقہ نمبر ۱۵۴	حکیم عمر خیام	تعلیقہ نمبر ۱۷۲

آگے اشرف حسینی کے تیار کردہ چارٹ سے روداد سفر کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

نوٹ: علامہ نے دانتے کے ابتدائی دو حصوں کو ترک کر دیا ہے وہ جہنم و اعراف کی بجائے فلک قمر سے سیدھے آٹھویں افلاک لے گئے ہیں۔

کینٹو	دانتے کے طربیہ خداوندی کے اہم کردار	جاوید نامہ اقبال کے اہم کردار	انسان کامل عبدالکریم الجیلی	فتوحات مکیہ شیخ اکبر ابن عربیؒ	سیارہ
حوصلہ ۱ تا ۴	شہزادی پیشاردا	رومیؒ، عارف ہندی [وشوامتر] سروش [زرون] گوتم بدھ، زرتشت، مسیحؑ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اقبال، شیطان، افلاطون، اہرمن، ابوجہل۔	آدم علیہ السلام	آدم علیہ السلام	قمر فلک I
الفلاندول ۵ تا ۷	شہنشاہ جسٹینین، رومیو	رومیؒ، زندہ رود اقبال، جمال الدین افغانی، سعید حلیم پاشا	نوح علیہ السلام۔ فن کار، سنہرا فرشتے	مسیح علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام	عطارد فلک II
اعتدال ۸ تا ۹	عشاق: چارلس مارٹل، جونیزا، فول کویٹ آف مارسلز	قدیم اقوام کے دیوتا: بعل، نسر، لات و منات، عسر، نسر، فسر، رمن وغیرہ، فرعون، کچنر، مہدی سوڈانی، شبلی	یوسف علیہ السلام، فرشتے زرد رنگ، سبز رنگ	یوسف علیہ السلام، شعرا، منصور اور جنید	زہرہ فلک III
حزم و احتیاط ۱۰ تا ۱۴	اساتذہ، مورخ اور مذہبی رہنما: ایکوئناس، البرٹ گریشن، پیٹر، لمبارڈ، سلیمانؑ، دایونی سیس، اوروسیس، بی، رچرڈ، ڈاکٹر برونیر، سیجیئر، ہسپانیہ کا پیٹر	اقبال شمسی سیارے پر نہیں گئے	ادریس علیہ السلام	ادریس علیہ السلام	شمس فلک IV
حوصلہ ۱۴ تا ۱۸	جنگجو لوگ: جوشوا، شارلیمان، رولینڈ، ولیم آف اورینج	منجم، فرامرز فرعونی طاقتی کردار، زن نبیہ کاذبہ	یحییٰ علیہ السلام، عزرائیل ملک الموت ہے۔ قرمزی رنگ	ہارونؑ، قوت سنحی اور قوت کا مظہر سیارہ	مریخ فلک V
انصاف ۱۸ تا ۲۰	منصف: ٹروجن، داؤد علیہ السلام، قسطنطین، ولیم دوم آف سسلی۔	حسین ابن منصور حلاج، قرۃ العین طاہرہ، مرزا غالب، ابلیس۔	موسیٰؑ، میکائیلؑ، رحمت و برکت کے فرشتے۔ نیلا رنگ	موسیٰ علیہ السلام اور ان کے وزیر	مشتری فلک VI
اعتدال ۲۱ تا ۲۲	پیر دامیان، چارلس، رومیو الوس	میر جعفر، میر صادق، روح ہندوستان	ابراہیم علیہ السلام ذہانت کا مظہر سیارہ رنگ سیاہ	ابراہیم علیہ السلام	زحل فلک VII
ایمان، رجا ۱۸ تا ۲۷، ۳۰ تا ۳۳	مسیحؑ کی فتح، مریمؑ، سینٹ پیٹر، سینٹ جیمز، سینٹ جان، ایڈم، سینٹ برنارڈ، بیاترچے کی عرش پر واپسی	نطشے، شرف النساء بیگم، علی ہمدانیؒ، بھرتری ہری، سلطان ٹیپو شہید، ناصر خسرو، نادر شاہ، حوریں، رویت باری	-	-	آٹھواں فلک

ماخوذ، از سہ ماہی اقبال اپریل ۱۹۸۲ ص ۱۵-۱۷ بزم اقبال لاہور (دانتے کا طربیہ ...... از اشرف حسینی)۔

کرداروں کے ضمن میں ، بابیہ خاتون قرۃ العین طاہرہ کو فلکِ مشتری پر " ارواحِ جلیلہ " میں شامل کرنا اور نوائے طاہرہ ' کے تحتِ عنوان ' طاہرہ سے کسی دوسرے شاعر کے شعر کا انتخاب و انتساب ' علاوہ ازیں طاہرہ کو خاتونِ عجم لکھنا بعض راسخ العقیدہ مسلمانوں اور اقبال پرستوں کو ناگوار گزرا ۔ سید محمد محیط طباطبائی نے اپنی ناراضی کا اظہار یوں کیا

" اس بات سے ہٹ کر کہ آیا اقبال کے فلکِ مشتری پر مقیم مطلوب اور ہزار جریب کے قریۂ بہشت میں قرۃ العین کے حدودِ اسلامی توڑنے کے اقدام کے درمیان کسی لحظ کے شامل ہونے کا امکان [ممکن یا ناممکن] ہے ، کسی دوسرے شاعر کے شعر کا انتساب ' جو اس سے تین صدیاں قبل گزر چکا اور برصغیر کا ایک مصنف ' قرۃ العین کی پیدائش سے سو برس پہلے مذکورہ شعر اپنی بیاض میں ثبت کر چکا تھا ' ایک بہت ہی ناروا اور بے محل بات ہے " ۸۵

جناب طباطبائی کے بقول " جو کوئی اور جو کچھ فلکِ مشتری [بحوالہ جاوید نامہ] میں تلاش کیا گیا اور جو کچھ طاہرہ قزوینی کے کارنامۂ دین و دنیا سے متعلق تاریخ بابیہ میں درج ہو چکا ہے ، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے " ۸۶

جہاں تک شعروں کے انتساب کا تعلق ہے تفصیلاً تعلیقہ نمبر ۱۸۶ کے تحت ملاحظہ کیا جا سکتا ہے اور جہاں تک تاریخ بابیہ میں درج قرۃ العین کے کارناموں اور فلکِ مشتری میں اسے دئیے گئے مقام کے درمیان زمین آسمان کے فرق کے الزام کا تعلق ہے وہ بھی غلط نہیں ہے ۔ لیکن دو باتیں ایسی ہیں جو علامہ کے اقدام کے جواز میں پیش کرنے کا حق رکھتی ہیں ۔ نمبر ایک یہ کہ علامہ کو سخت کوشی مقابلہ تن آسانی پسند تھی ، ان کے فلسفۂ خودی میں اپنے عقیدہ پر راسخ ہونا ضبطِ نفس [جہاد بالنفس] بنیادی شرط ہے ۔ اور اس حوالے سے وہ کفر و اسلام کی تمیز نہیں کرتے ۔

کفر زجمعیت حیاتِ ملت است کفر ہم سرمایۂ جمعیت است ۸۷

مگر شرط راسخیت ہے اس طرح کہ عقیدہ زندگی کے تمام شعبوں میں اظہار پائے ۔ کفر کی خودی نامسلمان اور اسلام کی خودی مسلمان ' علامہ دنیا میں امن و سلامتی کو کفر کی کفر میں پختگی اور اسلام کی اسلام میں پختگی کی صورت میں دیکھتے تھے ۔ بانگِ درا کا پہلا حصہ ، اسی حوالے سے کائناتی تعبیر کا دور ہے ۔ " حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا " ۸۸ رنگ اپنی انفرادیت کے ساتھ اور بو اپنی انفرادیت کے ساتھ ' پیماں باندھتے اور " گل " کو حسن و جمال بخشتے ہیں ۔ علامہ ہندوستان بلکہ

---

۸۵ ، ۸۶ جرنل ریسرچ سوسائٹی پاکستان لاہور شمارہ اکتوبر ۱۹۸۵ء صفحہ ۲۹ ' ایک ایرانی دانشور کا خط جو اقبال کی سلسلۂ پنج سالہ ' اردو ترجمہ : خواجہ عبدالحمید یزدانی ۔

۸۷ کلیاتِ فارسی اقبال صفحہ ۵۹ [مثنوی اسرارِ خودی] ۔ اس موضوع پر راقم کا مقالہ اقبال اور وحدت و توحید ' مجلہ صحیفہ لاہور اکتوبر دسمبر ۱۹۹۰ء دیکھنا چاہیئے ۔ ۸۸ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۱۳۷ [بانگِ درا حصہ دوم غزل] ۔

سارے جہاں کی گُل منظری اور جنتِ گم گشتہ کی اسی دنیا میں بازیافت اسی "اتحاد" میں دیکھتے تھے علامہ نے "تصورِ ملت" کو یہی تازہ معانی دے کر متحدہ قومیت کی دعوت اختیار کی تھی۔ جسے "نیا شوالہ" نام دیا تھا۔ اور جسے نہ مسلمان سمجھ سکے [ملاحظہ ہو اقبال اور پاکستانی قومیت ص۳ - ڈاکٹر وحید قریشی] اور نہ ہندو سمجھ سکے [ملاحظہ ہو اقبال (بزبان انگریزی) ڈاکٹر سچدانند سنہا ص۱۹۲]۔ حالانکہ یہ "قومیتِ ہند" انگریزوں اور ہندوؤں کے اقلیت کُش منصوبے کا جواب تھا وہ اقلیت کُش منصوبہ جس کی کامیابی کے بعد نہ ہندو رہتا نہ مسلمان بلکہ ایک لادینی مغربی طرز کی ہندوستانی قوم ہوتی جب علامہ اس قومیتِ ہند کے جواب میں لکھتے ہیں

> قومیتِ ہند کا اتحاد ان جماعتوں کی نفی میں نہیں بلکہ اُن کے تعاون و اشتراک اور ہم آہنگی پر مبنی ہے" ع۸۹

یہی وہ "طریقِ محبت" ہے جسے علامہ نے نظامِ فطرت میں "اُلفت" سے تعبیر کیا — اور جب دوسری طرف سے اس پیغامِ محبت والفت کو درخورِ اعتناء نہ جانا گیا تو علامہ نے ایک "مدبرِ مخلص" کی حیثیت میں ایسا فرض سمجھا کہ اسلام کو پیش کریں۔ اور وجہ صاف صاف بتائی کہ کفر کفر میں پختہ نہیں، مسلمان مسلمانی میں پختہ نہیں اسی لئے فطری اتحاد ناممکن ہے۔ یہ "دم بدم باہمی دہر لحظہ گریزاں از من" والا اتحاد بڑا ہی ناممکن ہے۔ کہ اختلاطِ موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں میں ع۹۰

اس بحث کا مقصد یہ دکھانا تھا کہ علامہ کو خودی کے عناصرِ ترکیبی سے دلچسپی تھی وہ عناصر وہ جہاں اور جس میں دیکھتے تھے اس کی تعریف میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ لیکن یہ تعریف انہیں اس کا تاریک پہلو دیکھنے اور دکھانے سے نہیں روک سکتی تھی — متحدہ قومیت، تحریکِ خلافت، نوجوان ترک تنظیم، ہاشمیوں کا خلافتِ بغداد سے بغاوت کرنا، اتاترک کی تجددیت، مارکس کو پیغمبرِ بے جبرئیل کہنا اور نٹشے کو بے صلیب حلاج بتانا، مسولینی کو بے انجیل قرار کہنا اور طاہرہ کو خاتونِ عجم لکھنا، سب تصورِ خودی کے عناصر کی کسی جھلک کا نتیجہ ہیں۔ طاہرہ نے جس جی داری کا ثبوت دیا وہ جی داری ہی تو فلسفۂ خودی کا مطلوب و مقصود ہے اور تھا، وہی "ندرتِ فکر و عمل" رومۃ الکبریٰ کے جوانوں کو "سوزِ آرزو سے سینہ تاب ع۹۱" دکھاتی تھی۔ اقبال پر تب بھی تناقضِ فکر کا الزام آیا تھا، مسولینی کی نظر کو مثلِ شعاعِ آفتاب، لکھنے کا جواز علامہ نے یوں بیان کیا تھا

> مسولینی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا اس میں آپ کو تناقض نظر آتا ہے، آپ درست فرماتے ہیں؛ لیکن اگر اس بندۂ خدا میں SAINT AND DEVIL دونوں کی خصوصیات ہوں تو اس کا میں کیا علاج کروں" ع۹۲

یہی جواب قرۃ العین طاہرہ کو خاتونِ عجم لکھنے کے حوالے سے دیتے اگر علامہ سے پوچھا جاتا تو۔

ع۸۹ مضامینِ اقبال، تصدق احمد ڈار، ص۱۱۵، انجمن پریس حیدرآباد دکن ۱۹۴۳ء۔
ع۹۰ کلیاتِ اردو اقبال ص۴۲ (بانگِ درا: ہلالِ عید) ع۹۱ ایضاً ص۴۲۳ [بالِ جبریل: مسولینی]
ع۹۲ مکتوب بنام آل احمد سرور ۱۲ مارچ ۱۹۳۷ء۔

طاہرہؔ انتساب غزل کے سامنے ہیں بھی جناب طباطبائی کی تحقیق کی داد دینے کے باوجود اسے اقبال کے خلوص جستجو پر حرف، کا جواز نہیں بنایا جا سکتا۔ علامہ کا برصغیر کے تذکروں کی رو سے یا خود غزل کے تیوروں کا حیاتِ طاہرہ سے مطابقت رکھنا، دیکھ کر اسے نوائے طاہرہ لکھنا یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں کرتا کہ علامہ نے یہ غزل ان سے منسوب کر دی یا اُن سے انتساب کو درست تسلیم کر لیا۔ کیا "نوائے حلاج" کے تحت اپنی غزل ع زخاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست[ع۹۳] ۔۔ لکھ کر علامہ نے اپنی غزل سے دست برداری کا اعلان کر دیا تھا؟ نہیں، تو پھر اس غزل کو نوائے طاہرہ کے تحت لکھنا بھی ناروا کو روا اور بے محل کو برمحل گرداننے جیسے شدید الزام کا جواز نہیں بن سکتا۔ جناب طباطبائی کے دلائل کے لیے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۸۶ غزل طاہرہ۔

دوسرا کردار شیخ حسین بن منصور حلاج کا ہے۔ منصورؒ کے عہد کے راسخ العقیدہ علماء سے لے کر سید سلیمان ندوی مرحوم تک ہر کسی نے منصور کو قابلِ دار بتایا ہے۔ صوفیاء کے مابین بھی منصور کی شخصیت متنازعہ رہی ہے۔ پھر علامہ نے اس کو اتنی اہمیت کیوں دی؟ علامہ نے اپنے مقالہ پی ایچ ڈی [ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقاء] میں حلاج کو 'وحدت الوجود' کے فکری مباؤ کا شہکار بتایا تھا اور اس کے نعرۂ "انا الحق" کو حلول ہی کا مظہر گنا تھا۔ زبورِ عجم میں بھی وہ حلاج کو شنکراچاریہ سے جا ملاتے ہیں جو سری غیر ثنویت اور احدیت کا اہم ترین فلسفی ہے[ع۹۴] لیکن جاوید نامہ میں وہ اس سے بالکل برعکس خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ یہ فرانسیسی محقق ایل میسی نون کی کتاب کا اثر ہے،

La Passiond, Al Husayn Ebn-Mansoor Al-Hallaj; Martyre Mistique d' La Islam:

"حسین ابن منصور حلاج شہید و عارف اسلام کا المیہ"

چھپ جانے سے منصورؒ کے عقائد کے بارے میں قیاسات کی گرد چھٹ رہی تھی۔ علامہ نے بھی ممکن ہے کتاب پڑھ لی ہو ورنہ خود وہ فرانس میں کتاب الطواسین کی اشاعت کی خبر [مولانا اسلم جیراجپوری کے نام مکتوب محررہ ۱۷ مئی ۱۹۱۹ء میں] دیتے وقت بھی حلاج کے عقائد کو لائق گردن زدنی بتاتے ہیں۔

"منصور حلاج کا رسالہ کتاب الطواسین جس کا ذکر ابن حزم کی فہرست میں ہے۔ فرانس میں شائع ہو گیا ہے مؤلف نے فرنچ زبان میں نہایت مفید حواشی اس پر لکھے ہیں آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ حسین کے اصلی معتقدات پر اس رسالے سے بڑی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے مسلمان منصور کی سزا دہی میں حق بجانب تھے" [ع۹۵]

ع۹۳ کلیات فارسی اقبال ص۳۲۸ (پیام مشرق: مئے باقی غزل نمبر ۱۴) ع۹۴ منصور حلاج اقبال کی نظر میں۔ این میری شمل مشمولہ اقبال شناسی اور نقوش ص۳۸ مرتبہ بیدار ملک بزم اقبال لاہور طبع اول نومبر ۱۹۸۹ء،

ع۹۵ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال۔ برنی ج ۲ ص۹۴

شاید "جاوید نامہ" کی تخلیق کے زمانے میں صوفیانہ سے "روحانی سیر" دیکھنے کے دوران میں علامہ پر "انا الحق" کا وہ مفہوم واضح ہوا جو ابن عربی نے اس کلمہ کو "انا سر الحق" میں بدل کر واضح کیا تھا اور جیسے عالم خوندمیری نے علامہ کے مصرعہ "ابن آدم سرے از اسرار حق" سے ملایا ہے۔ تاکہ اسے فصوص الحکم کی فص آدم سے جوڑ کر یہ ثابت کر سکیں کہ "اب [جاوید نامہ میں] اقبال کا بشریاتی نقطہ نظر محض عمرانی سیاسی نہیں رہا بلکہ عارفانہ ہے اور عمرانی سیاسی نتائج اسی عارفانہ نقطہ نظر سے برآمد ہوتے ہیں"[96]

حقیقت کچھ بھی ہو علامہ نے انا الحق کو عرفان خودی کے معانی میں لیا۔ حلاج کا دور عرفان، بدن کو باطل گردانتا تھا اور طائر روح کو قفس عنصری سے [جو باطل تھا] آزاد کرنے کے لئے قفس عنصری [بدن کو یعنی خود] کو فنا کرنا ضروری قرار دے رہا تھا۔ انا الحق کہہ کر رد کر دیا۔ میں باطل نہیں۔ مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا[97] کا یہ اعلان معرفت نفس، خودی اور صاحب خودی کی پہچان تھا۔ علامہ کا عرفان روح و بدن کی تفریق سے بیزار تھا وہ بدن کو بھی حالے از احوال جاں بتاتا تھا۔ چنانچہ علامہ کا حلاج کو ارواح جلیلہ میں گردانتا اُن کی فکری روح سے مطابقت رکھتا ہے۔ جو کلمات عالم قرآنی میں اولیت خلافت آدم کو دیتا ہے یہ ایک اہم نکتہ ہے جس پر کم ہی توجہ دی گئی ہے۔ اسی لئے تو وہ اولی الامر کے لئے "منکم" کو شرط لازم قرار دیتے ہیں۔

منصور حلاج کے بعد سب سے آخری مگر اہم ترین کردار ابلیس کا ہے جسے خواجۂ اہل فراق بھی کہا گیا۔ علامہ کا یہ کردار ابوجہل کے مقابلے میں رکھنے کے لائق ہے۔ ابوجہل، تمام ترجاہلی معتقدات و اقدار کو نیست و نابود کرنے کا الزام بنو ہاشم کے سربرآوردہ فرزند محمدؐ بن عبداللہ کو دے کر آپؐ کے تصور مساوات کو مزدکیت سے مستعار بتاتا ہے۔ حالانکہ ابلیس اپنی مجلس شوریٰ میں اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے۔[98] ابلیس کی یہی "حق رسی" بوجہل کے مقابلے میں اقبال کو بھاتی ہے۔

علامہ کا تصور ابلیس تمام مشرقی و مغربی مکاتب فکر سے جداگانہ مگر عین قرآنی ہے۔ ابلیس اللہ کا حریف نہیں آدم کا حریف ہے۔ وہ ازروئے قرآن اعلان بغاوت بھی کرتا ہے تو "ربّ" سے آغاز کرتا ہے، منصب خلافت سے محرومی پر اپنے حریف آدم و اولاد آدم کی جڑ کاٹنے کا اعلان کرتا ہے اور وہ بھی صراط مستقیم پر بیٹھ کر ——

مگر جس طرح علم الاسماء سے آدم نے ابلیس کو خلافت ارضی سے محروم کیا اور نسلی تفاخر [خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ[99]] نے اسے رحمت خداوندی سے مایوس کیا اسی طرح وہ اپنے لئے ایک کمزور ترین حریف پکڑنے پر بھی نادم ہے۔ آدم نے شجر ممنوعہ کے قرب سے ابلیس سے شکست کھائی اور اب تک خسارے ہی میں ہے لیکن ابلیس بیعت آدم سے انکار کے بعد اب تک اس کی اولاد سے احکام خداوندی کا انکار کرا رہا ہے۔ ابلیس حضور باری میں فریاد کناں ہے کہ اُسے کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جو انکار کرکے ابلیس کو شکست سے دوچار کرے

---

[96] جاوید نامہ فکری پس منظر۔ عالم خوندمیری ۔ مشمولہ المعارف لاہور ص ۹۲ جولائی ستمبر ۱۹۹۲ء
[97] آل عمران : ۱۹۱ [98] کلیات اردو اقبال ص ۶۵۲ [ارمغان حجاز]۔ [99] البقرہ : ۳۲۱

نالۂ ابلیس کے یہ آخری شعر ملاحظہ ہوں

آنچناں تنگ از فتوحات آمدم — پیش تو بہر مکافات آمدم

منکرِ خود از تو می خواہم بدہ — سوئے آن مردِ خدا راہم بدہ

بندۂ باید کہ پیچد گردنم — لرزہ اندازد نگاہش در دلم

آن کہ گوید از حضورِ من برو — آن کہ پیشِ او نیرزم با دو جو

اے خدا یک زندہ مردِ حق پرست

لذتے شاید کہ یابم در شکست [100]

اسے نالۂ ابلیس کہیئے یا نوحۂ آدم؟ کہ ابلیس کسی مردِ حق کا سامنا کرنے کو ترس گیا ہے۔ ہر طرف اُس کے سراپا مطیع بندے ہیں۔ یہ طنز کتنا لطیف اور کس قدر گہرا ہے؟۔



وہ تمام مباحث جن سے کلام نظم ونثر اقبال مملوٗ ہے جاوید نامہ میں زیرِ بحث آئے ہیں۔ تمام (قریب قریب پچاس سے ساٹھ تک) موضوعات کا اجمالی تذکرہ بھی کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے اس لئے بعض محکمات کا ذکر کرکے فروعات کو ان کے ذیل میں رکھنا مفید ہوگا۔ جس طرف سے بھی دیکھا جائے اس سے انکار ممکن نہیں کہ علامہ مسلمانانِ عالم کو خصوصاً اور عالمِ انسانی کو عموماً "عالمِ قرآنی" کے قیام کی دعوت دینا چاہتے تھے۔ وہ سعید الدین جعفری کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"میرا ذاتی طریق یہی ہے کہ میں دنیا کی تمام مذہبی تحریکوں کو ادب واحترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، گو یہ احترام مجھے ایسی تنقید سے باز نہیں رکھ سکتا جس کی بناء دیانت پر ہو اور جس میں سوائے خلوص کے اور کچھ نہ ہو۔ غرضیکہ میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ محض خاندانی تربیت اور ماحول کے اثرات کا نتیجہ نہیں بلکہ بیس سال کے نہایت آزادانہ غور وفکر کا نتیجہ ہے کہ اس وقت اقوامِ انسانی کے لئے سب سے بڑی نعمت اسلام ہے اور جو شخص مسلمان کہلاتا ہے اس کا فرض ہے کہ قومی تعصب کی وجہ سے نہیں بلکہ خالصۃً للہ اپنی زندگی میں ایک عملی انقلاب پیدا کرے اور اگر دماغی قوت رکھتا ہے تو اپنی بساط کے مطابق اسلام کے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرے تاکہ بنی نوعِ انسانی قدیم توہمات سے نجات پائے"۔ [101]

محکماتِ عالمِ قرآنی، خلافتِ آدم، حکومتِ الٰہی، ارض ملکِ خداست اور حکمت خیرِ کثیر است، بیان کرنے سے پہلے علامہ نے عصرِ موجود کے سیاسی افکار دین و وطن، اشتراکیت وملوکیت کو زیرِ بحث لاکر شرق وغرب کی ماہیتِ فکر پر ایک نظر ڈالی ہے اور پھر "جہانِ قرآن" کی طرف گریز کرتے ہوئے اس کے عصری تقاضوں اور حالات وزمانہ کی رعایات سے مطابقت کا ذکر کرنے کے بعد خلافتِ آدم کی شرح کی ہے۔ تاہم یہ

---

[100] کلیاتِ فارسی اقبال ص ۷۲۶ (جاوید نامہ: فلکِ مشتری)۔ [101] کلیاتِ مکاتیبِ اقبال۔ برنی ج ۲ ص ۲۹۵ مکتوب ۱۲ نومبر ۱۹۲۳ء

جہانِ قرآن، ضمیرِ مومن میں تشکیل پاتا ہے اس لیے علامہ نے پہلے اس پہلو کو لیا ہے اور علم، عقل اور عشق کو زیرِ بحث لاتے ہیں — یہ فلسفۂ خودی کے اہم موضوعات ہیں تقدیر وغیرہ بھی ان موضوعات کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ فکرِ اقبال کو لادینی دانش کی عینک سے دیکھنے والوں نے اقبال کے نظریۂ عشق کو خرد دشمنی سے تعبیر کیا ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر خرد افروزی کہاں کوئی اور سبیل سے ہی نہیں۔

وہ علم جسے علامہ عشق کے مقابل کھڑا کرتے ہیں علم بالحواس ہے اور اسی سے حاصل ہونے والی دانش وہ عقل ہے جو بقولِ علامہ عشق کے مقابلے میں کم عیار ہے سو بھیس بنالیتی ہے،

فروغِ دانشِ ما از قیاس است — قیاسِ ما ز تقدیرِ حواس است
چو حسِ دیگر شد آن عالم دگر شد — سکون و سیر و زیر و بم دگر شد ۱۰۲

حس بدلنے سے عقل کی تطبیق و تنقید از خود بدل جاتی ہے، اور یہی سو بھیس بنالینا ہے۔ اگر ذرائعِ علم حواس ہوں گے تو حس بدلنے سے معلومات کا بدلنا لازم ہوگا اور عقل ان تازہ معلومات کی تنقید میں جُت جائے گی — عقل کا، علم بالحواس کا یہ اتباعِ جہل، عشق ہے

عقل ہم عشق است و از ذوقِ نگہ بیگانہ نیست — لیکن این بیچارہ را آن جرأتِ رندانہ نیست ۱۰۳

یہ "جرأتِ رندانہ" عناصر پر حکمرانی کا نام ہے اور عقل حواس و مدرکات اور نفسی اور طبعی تقاضوں کی غلام ہے۔ اس عقل کو عناصر پر حکمرانی بخشنے کے لیے اسے علم بالوحی کا غلام بنانے کی ضرورت ہے — عقل کا وظیفہ نہیں بدلے گا مگر اس نئے علم کی غلامی اور عشق اس کا مقام بدل دے گا۔ پہلی صورت میں عقل عناصر کی محکوم تھی دوسری صورت میں عناصر پر حکمران ہوگی — اور چونکہ علم بالوحی، حواس سے ماوراء ہے [وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۱۰۴] ۔ اس لیے یہ کمالِ استغراق — عقل کو جرأتِ رندانہ سے نواز دیتا ہے۔ علامہ نے اس عمل کو تربیتِ خودی کے تین مدارج سے تعبیر کیا ہے۔

اطاعتِ الٰہی — ضبطِ نفس — اور نیابتِ حق ۱۰۵

افراد کا اس عمل سے گزرنا عالمِ قرآنی کے قیام کی اولین شرط ہے اس لیے علامہ نے مناجات ہی میں ان کا ذکر کیا ہے — چونکہ "قیاسِ ما ز تقدیرِ حواس است" اس لیے تقدیر کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آجانا چاہیے۔ کیونکہ جہانِ قرآن — رحمۃ للعالمینی ہے جس کی ابتدا خلق و تقدیر و ہدایت ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ٥ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۱۰۶

ترجمہ:

خلق وامر کے مالک نے کوئی شے بے مقصد [باطل] پیدا نہیں کی۔ ہر شے کو مرحلۂ تخلیق و تسویہ ہی میں اس کے مقصدِ تخلیق [تقدیر] سے نہ صرف آگاہ کردیا گیا ہے بلکہ اس مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے کا طریقہ بھی سکھا دیا گیا ہے یہ رب العالمین کی صفتِ ربانیت کا ظہور ہے۔ اسے ہدایتِ فطرت کہا جاتا ہے۔ ہر شے کا وجود اسی

---

۱۰۲ کلیاتِ فارسی اقبال ص ۵۶۲ [گلشنِ رازِ جدید، جواب سوال نمبر ۸]۔ ۱۰۳ ایضاً ص ۴۱۸ [زبورِ عجم حصہ اول: غزل نمبر ۲۰]
۱۰۴ النجم: ۳ ۱۰۵ کلیاتِ فارسی اقبال ص ۴۰ الخ [مثنوی اسرارِ خودی: در بیان این کہ تربیتِ خودی را سہ مراحل است ...]۔
۱۰۶ الاعلیٰ: ۱ تا ۳

اسی تقدیر یا مقصدِ وجود سے تمام و مشخص ہے۔ یہی تقدیر، ہر شے کی روح ہے جان ہے، ہر شے میں آتشِ آرزو کو یہی تقدیر بھڑکاتی ہے زندگی میں حرکت و حرارت اسی سے ہے اور یہی شعور ہے۔ ان تمام مندرجات کی توضیح کے لئے ایک مثال پانی کی، خود انسان میں بھی ۸۰ سے ۹۰ فیصد تک پانی ہے۔

پانی کی اجتماعی تقدیر "سطح ہموار رکھنا ہے" پانی دوڑتا ہے کیونکہ اس کی سطح ہموار نہیں رہی۔ پانی رک جاتا ہے کیونکہ اس کی سطح ہموار ہو گئی ہے۔ پانی کی حرکت اس کی تقدیر پر منحصر ہے ـــــ اسے کون بتاتا ہے تیری سطح ہموار نہیں رہی دوڑ! ، یہ اُس تقدیر سے پھوٹنے والا شعور ہے ـــــ پانی کو سکون (اجتماعی تقدیر، سطح ہموار رکھنا ، پا لینے کے بعد ملتا ہے ـــــ جب وہ اندر سے پھوٹنے والے شعور کے تحت دوڑتا ہے تو ایک گیا دھالی بیچ جاتی ہے، اسے بہایا، اُس سے سر ٹکرایا ـــ اگر انسان اسی، مادی تقدیرات [محسوسات، مدرکات اور خواہشات] سے پھوٹنے والے شعور کا تابع مہمل رہے تو طغیان و سرکشی سے بہتر نتائج ظاہر نہیں آسکتے، یہی طاغوت ہے اس کی تکمیل پر انسان بہرحال مجبور ہے ـــ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اسے اسی طرح پورا کرے جس طرح کہ پانی پورا کرتا ہے؟ پانی اپنی تقدیر سے سرِ مو انحراف نہیں کر سکتا یہ اتباعِ کامل، یہ کمالِ استغراق پانی کا عشق ہے ـــــ

عقلِ حیوانی بھی خواہشاتِ نفس (اور ظاہری و باطنی حواس کی متبع کامل ہے۔ حواس و مدرکات پر بیرونی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں عقل ان کے عطا کردہ معلومات میں تطبیق کرتی ہے ـــ اگر یہ عوامل، ایسے علم کے تابع ہو جائیں جو حواس و خواہشاتِ نفس سے ماورا لیکن خواہشاتِ نفس کی تکمیل میں رہنما ہو تو یہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہونے کے باعث انسان پر جبر نہ ہوگا ـــ یہ علم ـــ علم بالحواس کی طرح اور خواہشات کی جگہ لے لے اور عقل اس کی تابع مہمل ہو جائے تو اس کے دو فائدے بدیہی ہیں ـــــ

۱: عقل تقدیرِ حواس اور طبعی تقاضوں کے جبر سے آزاد ہو جائے گی

۲، اب طبعی تقاضوں کی تکمیل ایک قاعدے ضابطے کے تحت ہوگی اس لئے پورا معاشرہ یکساں مستفید ہوگا ـــ

پس: ہر فرد اس قانون و آئین کو جزوِ فطرت بنا لے ، خواہش کی طرح اس کی پابندی کرے تو علامہ اسے عشق کہتے ہیں ـــ اور یہ وہ تقدیر ہے جو انسان کے اپنے اختیار میں ہے یعنی إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ؏۱۰۲

تقدیر کا دوسرا مفہوم نتائجِ اعمال ہیں۔ جو عمل ہوگا اسی کے مطابق نتیجہ ہوگا ـ عمل اور نتیجہ اور ، ناممکن ہے

؏۱۰۲ الدھر : ۳

نتیجہ بدلنے کے لئے عمل بدلنا ہوگا یہ انسان کے اختیار میں ہے اسی کا نام توبہ ہے فَمَن تَابَ وَاَصْلَحَ ۔ توبہ صرف زبانی کلامی نہیں "اصلاحِ احوال" شرط ہے ۔ تقدیر کا تیسرا مفہوم علمِ الٰہی ہے ۔ کوئی بشر اپنے مستقبل سے باخبر نہیں حتیٰ کہ اپنے عمل کے نتائج سے بھی بے خبر ہے ۔ لیکن "علمِ الٰہی" میں وہ غیب بھی معلوم ہے ۔ پہلے سے کسی کے بارے میں فیصلہ سنا دینا جبر نہیں علم پر مبنی خبر ہے ۔ تقدیر کے دوسرے مفہوم میں عمل بدلنا تدبیر کہلاتا ہے لہٰذا تدبیر بھی تقدیر ہی تو ہوئی ۔
علم ، عقل ، عشق کے لئے ملاحظہ ہوں تعلیقات نمبر ۲۸ ، ۷۸ ، ۳۸ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶ نیز حاشیہ شعر نمبر ۱۵۹۸ اور تقدیر کے لئے تعلیقات نمبر ۴۹ ، ۱۷۹ ، ۱۸۷-۱۸۸ ، دیکھنے چاہئیں ۔

دوسرا سب سے اہم موضوع عبد اور عبدہٗ ہے ۔ جس کا درج بالا موضوع علم عشق اور تقدیر و تدبیر سے گہرا تعلق ہے ۔ دنیا کی کوئی شے بے مقصد تخلیق نہیں ہوئی ، خلق و امر کے مالک نے ہر شے کو مقصدِ تخلیق سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ اس مقصد پر چلنے کا راستہ بھی بتایا [ہدایت بھی دی] — بے جان اشیاء بھی ہدایتِ فطری پر عمل فرما ہیں ۔ انسان بھی مادی عناصر کا مرکب ہے ۔ طبیعات میں مادی عناصر کی تقدیرات خواص کہلاتی ہیں ، نفسیات میں خواہشات ، حیوانات ان خواہشات کی تکمیل کے اسی طرح پابند ہیں جس طرح جمادات و نباتات خواص کے ۔ یہ ان کی حد درجہ اطاعتِ ربانی ہے وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا عـ۱۰۸ اَسْلَمَ : تفضیل کل کا صیغہ مبالغہ ہے حد درجہ مطیع و فرماں بردار انسان کو حیوانات کی صف سے اٹھانے کے لئے ہدایت بالوحی سے نوازا گیا ۔ سوائے انبیائے کرام علیہم السلام کے اس ہدایت بالوحی کے اسی طرح مطیع و فرماں بردار کوئی نہ ہو سکا ، جس طرح کہ ہدایتِ فطرت کے دوسرے مظاہرِ فطرت مطیع و فرماں بردار ہیں — لہٰذا اَسْلَمَ کا درجہ بلند [نبوت کے معنی ہی مقام بلند ہیں — نبیؐ اور نبیءؐ ، بلا ہمزہ میں یہی فرق ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اَنَا نَبِيٌّ بِلَا هَمْزَة] صرف اور صرف الرسول آخر صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے ۔ امتِ محمدیہ میں دوسرا کوئی اس مقام کا حامل نہیں ۔ لہٰذا علامہ نے اعلان کیا عـ۱۰۹ هُوَ عَبْدُهٗ صرف اور صرف وہی [محمدؐ] عَبْدُهٗ ہے ، یہی حقیقتِ محمدیہ کا ماحصل ہے اور یہی "ولایت و نبوت" کی بحث کا خلاصہ ہے اس کے لئے ملاحظہ ہوں تعلیقات نمبر ۱۹۵ ، ۱۹۶ ، حاشیہ شعر نمبر ۱۱۲۷ [دورِ ادراکیت ماہیت] ، تعلیقہ نمبر ۱۹۷ ، ۱۹۸ —
اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اگر عبدہٗ صرف الرسول آخر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہی اسوۂ حسنہ بھی ہیں تو کیا کوئی اور مقامِ عبدہٗ پا سکتا ہے ؟ اس سوال کا سیدھا سادا جواب تو یہی ہے کہ نمونہ بہرحال نمونہ ہی رہنا چاہیئے لیکن اس بحث نے "قدرتِ خداوندی" لامحدود سے بڑھتے بڑھتے ختمِ نبوت اور رحمۃ اللعالمینی کے اعلان کو گھیرے میں لے لیا ایسے امتناعِ نظیرِ محمدی یا امکانِ خلقِ نظیرِ رحمۃ اللعالمین ، جیسے مباحث کا عنوان ملا —

عـ۱۰۸ آلِ عمران : ۸۳ عـ۱۰۹ معلوم نہیں مولانا اسلم جیراجپوری جیسے اہلِ علم نے اسے غلو سے کس طرح تعبیر کر دیا جاوید نامہ — مولانا جیراجپوری مشمولہ "اقبال معاصرین کی نظر میں" - مرتبہ سید عبد الواحد وقار عظیم . مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول ستمبر ۱۹۷۳ء

علامہ فضل حق خیرآبادیؒ اور سید اسمٰعیل شہیدؒ کے درمیان مباحثہ میں علامہ کے دوست مرزا اسد اللہ خان غالب بھی گھسیٹے گئے انہوں نے مثنوی "بیانِ نموداریٔ شانِ نبوت و ولایت کہ در حقیقت پرتو نور الانوار حضرتِ الوہیت است" لکھ ڈالی، علامہ اقبال نے اسی مثنوی کے شعر

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود ۔۔۔ رحمۃ للعالمینے ہم بود [۱۱۱]

کو زیرِ بحث لائے۔ اس بحث کا آغاز مولانا عبدالحیٔ لکھنوی سے ایک استفتاء کا جواب آنے سے ہوا بات صرف یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ہے اور اسی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرمایا ــــ جس طرح عالمین میں سے کسی بھی عالم کا کوئی اور رب نہیں ہو سکتا کسی بھی عالم میں کسی اور رحمۃ للعالمین کا ہونا محال ہے۔ کہ یہ بھی قدرتِ باری تعالیٰ ہے۔ اسے قدرت کا نقیض سمجھنا بعید از قیاس ہے۔ ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۹۲۔ [۱۱۲]

پس، رحمۃ للعالمین کا مکرر آنا، بندے تو پھر کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ کی مصداق امتِ محمدیہ کو رحمۃ للعالمینی کے فرائض انجام دینے ہیں، رحمۃ للعالمینی کا منشور و مینی فسٹو دینِ اسلام ہے جس کی شان خود رب العالمین نے اس طرح بیان فرمائی قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ [۱۱۳] تمہارے پاس (یہ قرآن) بطور نصیحت آیا، دلوں کے لئے اس میں شفاء اور اہلِ ایمان کے لئے رحمت بھی رحمت ہے ــــ

پس اہلِ ایمان (خیر الاُمم) کا فرضِ اول یہ ہے کہ نظامِ قرآن کے نفاذ و اجراء کے لئے اپنی صلاحیتیں وقف کر دیں اس نظامِ قرآن کو علامہ نے "عالمِ قرآن" کہا ہے اور محکماتِ قرآن

خلافتِ آدم ۔۔۔ حکومتِ الٰہی ۔۔۔ الارض للہ ۔۔۔ اور ۔۔۔ حکمت خیرِ کثیر ۔۔۔ بیان کئے ہیں

اولادِ آدم میں بلا تمیز مرد و زن مساوات ــ خلافتِ آدم کا ماحصل ہے۔ ملوکیت سے کسی خیر کی توقع نہیں اور دستورِ جمہورِ فرنگ بھی محض مداری کا فریبِ نظر ہے۔ جہانِ قرآن ــــ فقرِ قرآن ــ چاہتا ہے یہ فقر ــ جہانِ رنگ و بو کا ترک نہیں مملکت کا قیام اور وہ بھی سنتِ رسولؐ کے مطابق ـــ منکر از شانِ نبی نتوان شدن [۱۱۴]

حکومتِ الٰہی میں ملک و آئین کا خداداد ہونا اور بندگانِ خدا کا صرف بندگانِ خدا ہونا یوں کہ ـــ نے غلام او را نہ او کس را غلام یعنی موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے [۱۱۵]

جب کہ ـــ حاصلِ آئینِ دستورِ ملوک ۔۔۔ دہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک

مومن، سفر میں ہے منزل وجہ سے دل لگانا کیسا، زمین سے دل لگانا۔ ملک کے بطور سر یا ملکیت کے بطور، خفتہ سے بیدار کا اختلاط ہے۔ دنیا و علائقِ دنیا ملکیت نہیں متاع ہیں۔ لہٰذا

ـــ از طریقِ آزری بیگانہ باش ۔۔۔ بر مرادِ خود جہانِ خود تراش [۱۱۶]

---

۱۱۱ کلیاتِ فارسی اقبال ص ۷۱۲ (جاوید نامہ: فلکِ مشتری) کلیاتِ فارسی غالب جلد اول ص ۳۰۲ مجلس ترقیٔ ادب لاہور طبع اول ۱۹۶۷
۱۱۲ آلِ عمران: ۱۱۰ ۔ ۱۱۳ یونس: ۵۷ ۔ ۱۱۴ کلیاتِ فارسی اقبال ص ۶۵۹ (جاوید نامہ) ۔ ۱۱۵ کلیاتِ اردو اقبال ص ۶۵۵ (ارمغانِ حجاز)
۱۱۶ کلیاتِ فارسی اقبال ص ۶۶۱ (جاوید نامہ)۔

علم حرف و صوت کو شہپر بخشتا اور بے گہر کو پاکی گوہر دیتا ہے لیکن محکماتِ کائنات دیکھنے والا یہی علم بے سوز دل [بے عشق] ہو تو اس کی عطا کردہ قوت ابلیسی قوت ہوتی ہے۔ بولہب کو حیدر کرار کرنا ضروری ہے۔ ان محکماتِ کتاب پر مبنی جہان ابھی ظہور میں نہیں آیا — قرآن کتاب زندہ ہے مگر "ملا" مومن کافر گر ہو کر رہ گیا ہے — کاروانِ ملت تو حرم کے علاوہ کوئی منزل جانتا ہے نہ کسی اور منزل کا قصد رکھتا ہے۔ روسیوں نے نقش نو کی طرح ڈالی ہے لیکن وہ دین کے عوض آب و نان خرید لائے ہیں۔ قیصری کی ہڈیاں توڑ چکے ہیں مگر وہ ہماری تاریخ سے سبق لیں، ہم نے بھی قیصری کو فنا کر دیا تھا تم بھی لا کی گرد سے نکل کر الا کی پُرفضا دنیا میں قدم رکھو نظام نو کی پختہ اساس اس کے بغیر ممکن نہیں کہ جہان قرآن کی تلاش کی جائے

چیست قرآن خواجہ را پیغام مرگ — دستگیر بندۂ بے ساز و برگ
نقش قرآن تا دریں عالم نشست — نقشہائے کاہن و پاپا شکست
اندرو تقدیرہائے شرق و غرب — سرعت اندیشہ پیدا کن چو برق
با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ — ہرچہ از حاجت فزوں داری بدہ
آفریدی شرع و آئینے دگر — اندکے با نورِ قرآنش نگر

از بم و زیر حیات آگاہ شو
ہم ز تقدیر حیات آگاہ شو ع۱۱۷

مسلمانوں کے پاس تو سب کچھ ہے مگر ساقی نہیں، تقلید و ظن اس کا شعار ہے۔ آئینِ فطرت کہیں اسے اس سب کچھ سے محروم نہ کردے مجھے ڈر ہے۔ "بلا" مردانِ پاک کے لئے آزمائش کا درجہ رکھتی ہے، پیاسے کی پیاس بڑھانے سے ہی کام آگے بڑھتا ہے۔ ملاحظہ ہوں تعلیقات نمبر ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۵۰

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"اقبال ایک آفاقی مفکر ہے، اس کے مخاطب فقط مسلمان نہیں؛ اگرچہ اپنی ملت کے احیاء اور نشأۃ ثانیہ کو وہ اولین فرض سمجھتا ہے۔ اقبال کا تمام فلسفۂ حیات اس کتاب کے اندر موجود ہے اور اپنے زاویۂ نگاہ کی وضاحت کے لئے وہ دیگر مذاہب پر بھی ایک بے تعصب اور منصفانہ نگاہ ڈالتا ہے — اس میں آپ کو عارف ہندی بھی ملتا ہے اور گوتم بدھ اور زرتشت بھی اپنے مخصوص اندازِ فکر کے ساتھ آپ کے سامنے آتے ہیں۔

قرآن نے خدا اور آدم و عالم کا کیا تصور دیا ہے یہ اس شدتِ تاثر اور وسعتِ فکر کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اسلامی ادب میں کہیں اس کی مثال نہیں ملتی — محکماتِ عالم قرآنی کیا ہیں؟ خلافتِ آدم سے کیا مراد ہے؟ حکومتِ الٰہی کسے کہتے ہیں؟ — عقل اور عشق

ع۱۱۷ کلیات فارسی اقبال ص ۶۶۸ [جاوید نامہ]۔

کے امتیازی خصوصیات کیا ہیں؟ اور ان میں باہمی توافق و تخالف کس قسم کا ہے؟ ان کی ہم آہنگی سے زندگی ارتقائے لامتناہی کی منزلیں کس تیزی سے طے کر سکتی ہے؟ اشتراکیت کیا ہے؟ ملوکیت کیا ہے؟ دین و وطن کی آویزش شرق و غرب میں کیا کیا صورتیں پیدا کر چکی ہے اور اس وقت مسلمانوں کو اس کا کیا حل تلاش کرنا چاہیئے؟

سرمایہ دار اور محنت کش کی پیکار کیوں ہے؟ غرضیکہ اس کتاب میں عصر حاضر میں انسانی زندگی کے تمام زندہ مسائل ایک زندۂ جاوید انسان نے عارفانہ تنقید کے ساتھ بیان کیئے ہیں " ع ۱۱۸

مسلمہ کے نادر موضوعات میں ایک عنوان الٰہی قربت ہے جس نے غیب و حضور کے سارے فاصلے مٹا دیئے ہیں ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۹ ایک اور نادر مضمون جو ملوکیت و آمریت اور جمہوریت و خلافت کے درمیان حد فاصل قائم کرتا ہے وہ ہے " آن اُولی الامرے کہ مِنکم شانِ اوست " " آیۂ حق حجت و برہانِ اوست " یعنی اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ع ۱۱۹ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۲ ۔ العلم حجاب الاکبر کی شرح کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۸

ان موضوعات پر مقدمہ میں دوبارہ لکھنا تکرار سے زیادہ کوئی مقصد حل نہیں کر سکتا اس لئے متعلقہ حصوں کی طرف رجوع کی درخواست کافی سمجھتا ہوں۔



اس میں شبہ نہیں کہ علامہ نے شاعر کہلوانے کی خواہش کبھی نہیں کی مگر وہ شاعر تھے، انہوں نے اپنے افکار کو شاعری کا لباس انہیں دلنشیں بنانے کی خاطر دیا۔ اور یہی دلنشینی تو افکار میں شاعرانہ خوبیوں کا تقاضا کرتی ہے۔ ' زبان و بیان ' کا حسن و جمال ہی کلام کو حسین و جمیل اور پیغام کو دلنشین بنانے کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے علامہ کا ارشاد

نہ بینی خیر ازاں مرد فرودست   کہ بر من تہمتِ شعر و سخن بست ع ۱۱۹

دراصل محاسنِ شعری کی راہ میں رکاوٹ نہیں ' روایتِ شعر ' میں ترمیم و تجدید کا غماز ہے۔ علامہ عام شعراء کی طرح محض تخیل کے زور پر شعر کہنے کے قائل نہیں وہ " بجبریل امیں ہم داستانم " کے قائل ہیں جو " لہو و لعب " سے ماورا پیغام ابدی [وحی] کے پیمبر ہیں۔ علامہ کا کلام بھی پہ تمام و کمال " در بحر فنم غیر قرآں مضمر است " ع ۱۲۰ کے دعوے کی تصدیق کرتا ہے لیکن جاوید نامہ تو جیسا کہ درج بالا فصل میں بیان کردہ موضوعات سے ثابت ہے، اہلِ اسلام کے لئے خصوصاً اور عالم انسانی کے لئے عموماً رجوع الی القرآن کی دعوت سے عبارت ہے۔ اس حوالے سے یہ شاعری نہیں کہ شاعر تو بکل وادٍ یہیمون ع ۱۲۱ کا مرتکب ہوتا ہے۔ علامہ کو اس عامیانہ الزام سے ان کا پیغام

ع ۱۱۸ مقالات حکیم ج ۲ ص ۲۲۷/۲۲۶ [مجموعہ مضامین ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ۔ اقبالیات] مرتبہ شاہد حسین رزاقی ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۔ طبع اول ۱۹۶۹ء ع ۱۱۹ کلیات فارسی اقبال ص ۵۳۸ (گلشن راز جدید)۔

ع ۱۲۰ ایضاً ص ۱۶۸ (رموز بے خودی، حضور رحمۃ للعالمین ؐ)۔ ع ۱۲۱ جیسا کہ دانتے کی کومیڈی میں ظاہر ہوا ہے۔

مُبّرا کرتا ہے۔ لیکن شاعرانہ عظمتوں کو حسنِ فراواں سے بھی نوازتا ہے۔ پیغام کی صداقت کلام کو جو حسنِ سادہ بخشتی ہے وہ غلو در غلو سے مملو کلام کی رفعتوں سے کہیں زیادہ رفیع و دقیع ہوتا ہے ـــــ علامہ کے کلام میں دقیق سے دقیق بات بھی ادبی چاشنی کے صرف سے ذہن نشین و دل گداز بن جاتی ہے۔ سید عابد علی عابد لکھتے ہیں،

اقبال ان شعرا میں سے ہیں جو نہ صرف اپنے کلام کی ادبی خوبیوں کی وجہ سے جاذبِ توجہ ہوتے ہیں بلکہ جو اپنے مطالب و معانی کے اعتبار سے بھی تحقیقی مطالعے کا موضوع بنتے ہیں۔ ۱۲۱
[خصوصاً اپنے ہاں روایتی علائم و رموز کو معانی تازہ بخشنے کے حوالے سے]۔

چنانچہ "زبان و بیان" پر دو پر ان کی توجہ مساوی رہتی ہے۔ زبان، بیان کو دباتی ہے نہ بیان زبان کو کم اہمیت کرتا ہے۔ "واقعہ یہ ہے کہ تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور تلمیح کا استعمال جس کثرت سے اور شدت کے ساتھ اقبال نے کیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے فن شاعری کے ان وسائل کو اپنے اعلیٰ مقاصد کی وضاحت کے لئے استعمال کیا ہے، اس کی مثال دنیائے شاعری میں کم ہی اور بمشکل ملے گی۔ اقبال نے اپنے دقیع افکار و خیالات کا اظہار بالعموم ایک حسین و جمیل پیرائے میں اور زبردست رعنائی ادا کے ساتھ کیا ہے اور یہ ان کے اسلوب کی رنگینی و نغمگی ہے جس نے ٹھوس گہرے اور پُر معنی تصورات کو نہایت دلکش بنا دیا ہے۔" ۱۲۲

علامہ نے "حرف و معنی" کی دوئی کو تسلیم نہیں کیا وہ ایسا کر بھی نہ سکتے تھے وہ ہر ان کو بھی احوال جاں میں سے ایک حال کیتے اور سمجھتے ہیں ـــ اور دونوں تصورات کو یک جا کر کے فرماتے ہیں

ارتباطِ حرف و معنی اختلاطِ جان و تن
جس طرح اخگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے ۱۲۳

اخگر کی اپنی ہی خاکستر سے قبا سازی و قبا پوشی، بڑی حد تک یہ کہ فطرت خود نحو دکرتی ہے لاکی جانبداری کی غماز ہے لیکن "اخگر" کی گرمی و حرارت" جذبہ کی گیرائی و گہرائی، کی ضرورت کا بھی احساس دلاتی ہے۔ یوں معجزۂ فن کی "خونِ جگر" سے نمود کی اہمیت واضح تر ہو جاتی ہے۔

سید سلیمان ندوی کے نام ۱۹۱۹ء کے مکتوب میں علامہ کا لکھنا کہ
شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمحِ نظر نہیں کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لئے وقت نہیں مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو اور بس:

۱۲۱ـ شعر اقبال، سید عابد علی عابد ص ۲۹۲ مجلس ترقی ادب لاہور طبع دوم ۱۹۷۷ء
۱۲۲ـ اقبال اور عالمی ادب، ڈاکٹر عبدالمغنی ص ۸۸ (اقبال اکادمی پاکستان لاہور طبع دوم ۱۹۹۰ء
۱۲۳ـ کلیات اردو اقبال ص ۵۲۸ (ضرب کلیم، جان و تن)

اس بات کو مدنظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہوں ان کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کیا عجب آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصور نہ کریں، اس واسطے کہ آرٹ (فن) غایت درجہ کی جانکاہی چاہتا ہے؛ اور یہ بات موجودہ حالات [وکالتی مصروفیات۔ ناقل] میں میرے لئے ممکن نہیں'' ع ۱۲۴

علامہ کے اس مکتوب سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ ادب برائے زندگی کو اہمیت دیتے تھے، لیکن ادب سے غایت درجہ جانکاہی کے منکر نہ تھے، جس کے لئے ۱۹۱۹ء میں ان کے پاس وقت نہ تھا ـــــ لیکن ان کے قلمی مسودات دیکھنے والوں سے مخفی نہیں کہ علامہ بے تکان لکھنے والے اور لفظوں کی تراش خراش میں انتہائی دقتِ نظر صرف کرنے والے تھے۔ جاوید نامہ تو ضربِ کلیم اور پیامِ مشرق کی طرح غیر ملکی ادب کا جواب تھا، اس لئے اس میں ''دماغ کا نچوڑ'' یا ''محض افکار'' یا اور مسائلِ عالمیہ کے حل تک محدود نہیں رہا۔ لفظی پیکر تراشی اور خیال افروزی سے کام بھی آیا۔

سید عابد علی عابد خیال افروزی کے تحتِ عنوان لکھتے ہیں

شاعر کے انداز [اسلوب] کی جو صفات فکر و خیال سے منسوب ہیں وہ صفاتِ عقلی ہیں، جو جذبے سے مربوط ہیں وہ صفاتِ جذباتی ہیں جو تخیل سے اپنا رشتہ جوڑتی ہیں وہ تخیلی ہیں اور جن کا تعلق حسن سے ہے وہ صفاتِ جمالی کہلاتی ہیں ـــ

تجسیم یعنی Picturesqueness اور تقوریت یعنی Concreteness انداز کی بہت مشہور تخیلی صفات ہیں، تشبیہ، استعارے، کنائے اور مجازِ مرسل سے کام لے کر جب شاعر دقیق کیفیات اور لطیف واردات کو ہمارے ذہن تک منتقل کرتا ہے تو وہ کم و بیش تجسیم کے عمل ہی میں مصروف ہوتا ہے'' ع ۱۲۵ ـــــ - - - - - - - -

خیال افروزی میں تلمیح کے استعمال کو بہت اہمیت حاصل ہے اور اقبال کے یہاں حسنِ ترتیب سے تلمیحات ملتی ہیں شاید کسی اور شاعر کے ہاں اس کی مثال نہ ملے۔ مولانا محمد اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں

''ہم سنا کرتے تھے کہ فارسی زبان سیکھنے کے بعد صرف چار کتابیں اچھی، پڑھنے کو ملتی ہیں: شاہنامۂ فردوسی، مثنوی مولانا روم، گلستانِ سعدی اور دیوانِ حافظ، مگر اب جاوید نامہ کو بھی پانچویں کتاب سمجھنا چاہئے جو کہ معنویت اور نافعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتی ہے۔ حقیقت میں یہ اس قابل ہے کہ اس زمانے میں مسلمانانِ عالم کے نصاب میں شامل کر لی جائے'' ع ۱۲۶

ع ۱۲۴ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال جلد ۲، ص ۱۳۷، مرتبہ سید مظفر حسین برنی اردو اکادمی دہلی اشاعت دوم ۱۹۹۳ء
ع ۱۲۵ شعر اقبال سید عابد علی عابد ص ۱۷۶ ایضاً ع ۱۲۶ اقبال معاصرین کی نظر میں [مقالہ جاوید نامہ۔ جیراجپوری] ص ۱۷۶ ایضاً

ڈاکٹر عبدالمغنی، لکھتے ہیں

"اپنی شخصیت اور اپنے زمانے کی ... ساری پیچیدگیاں ہی وہ مواد تھیں جنہیں اقبال کو ہیئت شاعری میں ڈھالنا تھا۔ یہ امر واقعہ ہمارے سامنے ہے کہ اقبال کے اشعار شعریت کے کسی بھی معیار کے مطابق اعلیٰ قسم کے اشعار ہیں اس لئے یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اقبال اپنی فکر کو فن بنانے میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔ انہوں نے اپنے نصب العین کو ایک شعری وجود عطا کر دیا ان کے تصورات استعارات میں ڈھل گئے، ان کی آواز نغمہ بن گئی، اس کا نتیجہ ہے کہ اقبال کا فنی خلوص اور فکری رسوخ دونوں واضح ہو جاتے ہیں۔ اقبال نے اپنے موضوعی ذہن کو ایک جمالیاتی موضوعیت بخشی اور اپنی شخصیت کو اپنے فن میں گم کر دیا ہے۔ ان کے شاعرانہ احساسات کی سالمیت قابل رشک ہے۔ کلام اقبال میں مواد و ہیئت کی عضویت کمال درجے پر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اقبال کی تخیل اپنے مختلف عناصر کے موزوں اسالیب اظہار خود تراشتی ہے۔ ان کے الفاظ ان کے معانی کے ساتھ بالکل پیوستہ ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے دقیق سے دقیق اور ثقیل سے ثقیل عبارات بھی شعری تمثیل و ترنم کی رعنائیت و لطافت کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ اقبال کے نظام فکر ہی کی طرح ان کا اپنا ایک نظام وسائل بھی ہے جس کے استعارے، تلمیحیں اور کنائے اپنا ایک مخصوص رنگ و آہنگ رکھتے ہیں اور ان کے اشارات و علامات نے احساسات و جذبات کی ایک خاص الخاص دنیا بسائی ہے" ۔ ۱۲۷

ڈاکٹر صاحب علامہ کا مشرقی و مغربی ادبیات سے موازنہ اور مقابلہ کر کے بجا طور پر شعر اقبال کا ترجیح ثابت کرتے ہیں اور یہاں تک کہ انہیں علامہ اقبال کی مثنویاں رومی کی شاعری پر ایک وقیع اضافہ نظر آنے لگتی ہیں بقول ان کے "مگر رومی کی عمومی شعریت کا جو انداز کلام اقبال میں ہے وہ کلام رومی پر قدر زائد ہے" ۔ ۱۲۸ دانتے کے معاملے میں ان کا محاکمہ گو کہ بظاہر مبالغہ لگتا ہے لیکن جب وہ یہ دلیل لاتے ہیں تو بدگمانی رفع ہو جاتی ہے "تیرھویں چودھویں صدی کی اطالوی میں دانتے نے جو شاعری کی کیا واقعی وہ شاعری کے اعتبار سے بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی ڈیوائن کامیڈی (طربیہ خداوندی) کے تخیل و تفکر کے لحاظ سے؟ کیا اطالوی زبان اور اس کی شاعرانہ روایت دانتے کے مفروضہ عظیم تخیل کی بھی متحمل تھی؟ میں سمجھتا ہوں کہ دانتے کا فنی مسئلہ تو بہت

---

۱۲۷ اقبال اور عالمی ادب - ڈاکٹر عبدالمغنی ایضاً ص ۵۶۷ ۱۲۸ ایضاً ص ۵۶۸

معمولی تھا، اس لئے کہ اپنے وقت اور اپنی ادبی و فکری روایات میں اس شاعر کو کسی خاص اور قابلِ ذکر پیچیدگی سے سابقہ درپیش نہیں تھا، لیکن لسانی وسائل کا ایک دشوار مسئلہ ضرور اس کے لئے سدِ راہ تھا۔ چنانچہ دانتے کے لئے شعری تجربے کی گنجائش بہت ہی محدود تھیں اور وہ شاعرانہ مہم طے کرنے میں بہت دور تک نہیں جا سکتا تھا، لہٰذا دانتے کی شاعری اپنی جگہ عظیم ہوتے ہوئے بھی لطافت نفاست کے اس درجۂ کمال پر نہیں کہ آفاقی معیار سے اس کا موازنہ پورے طور پر اقبال کی شاعری کے ساتھ کیا جا سکے؟ شاعری کے اعتبار سے دونوں کا عبقری ہی کی سطح پر جاوید نامہ ایک فائق تر تخلیق ہے" ع ۱۲۹

تیرھویں صدی کے دانتے سولھویں صدی کے شیکسپیئر اور اٹھارھویں صدی کے گیٹے [گوئٹے] کے مقابلے میں بیسویں صدی کے اقبال کے مسائلِ فن جتنے زیادہ تھے اتنے ہی وسائلِ فن بھی مہیا تھے۔ سائنس اور صنعت، سیاست اور معیشت کی ترقیات نے عصرِ حاضر کے ادب و شاعری کے سامنے جو مسائل کھڑے کر دیئے ان کا تصور بھی قبل کے ادوار میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ خود ادبیات کی جو ترقیاں اقبال کے زمانے میں ہو چکی تھیں ان کا کوئی سراغ دانتے، شیکسپیئر اور گیٹے کے زمانوں میں ظاہر ہے کہ نہیں ملتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بین الاقوامی ادب اور عالمی شاعری کا کوئی تخیل گیٹے، شیکسپیئر اور دانتے کے سامنے تھا ہی نہیں، یہ تو صرف اقبال ہی کو نصیب ہوا۔ چنانچہ دنیا کے عظیم ترین شاعروں میں اقبال وہ تنہا شاعر ہیں جنہوں نے شعوری طور پر اعلان کر کے آفاقی قدروں کو سامنے رکھ کر ایک عالمی شاعری کا نمونۂ کمال تخلیق کیا۔ اس اعتبار سے فکر و فن، فلسفہ و شاعری دونوں میں اقبال نے مشرقی و مغربی تمام ہی ادبیات کی بہترین روایات اور عظیم ترین تجربات کو اپنی منفرد تخلیقات میں ترکیب دے کر ایک بہتر اور عظیم تر فن کاری کا ثبوت دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے شعر و ادب کو پیش آنے والے مشکل ترین مسائل کو اپنی فنی ریاضت اور فکری بلوغت کے بل پر مؤثر ترین وسائلِ شعری میں تبدیل کر دیا اور اس طرح ادبی و شعری اظہار و بیان کے امکانات بے حد وسیع کر دیئے" ع ۱۳۰

ع ۱۲۹ ایضاً ص ۵۷۰/۵۷ ؛ ع ۱۳۰ ایضاً ص ۵۷۵ ۔

یہی وہ صفات شعری ہیں جن کی بدولت جناب اقبال سنگھ جو ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی طرح[۱۳۱] علامہ کے ہاں تناقض ہی کے متلاشی رہے لکھنے پر مجبور ہوئے۔

"Ultimately, however, the proper study of a Poet is not Prose, but his verse; and in the realm of Poetry Iqbal's position remains unaffected by all the current Controversies. Those who have read him in the original at any rate know that no Asian Poet in recent history has left behind so magnificent a legacy. No body can be seen of what will survive the delirium of this thermo-nuclear age. But if any thing is permited to survive, it is hard to believe that Iqbal's Poetry will not be part of the timeless residue of our time----

The mirror of his sensibility could at once contain the enchantment of all our yesterday and reflects all the emotional and intellectual tensions of the world of today----

He is indeed the last great Poet of the Indo-Persian tradition; and if not the first modern, certainly the only modern so far who can command total attention and response." [۱۳۲]

۱۳۱۔ اقبال ایک مطالعہ - ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کلر کرسینٹ کو آپریٹو پبلشنگ سوسائٹی لمیٹڈ گیا، ۱۹۶۹ء

۱۳۲۔ "Mohammad Iqbal - Study in a paradox" Iqbal Singh " The Sword and Sceptre PP 205-206 Iqbal Academy Lahore 1st Edition 1977



وہ شاعرانہ رفعتیں جن کا بیان مختلف ماہرینِ اقبال کے الفاظ میں نقل ہوا ہے یہ تقاضا کرتا ہے کہ جاوید نامہ سے اُن کے ثبوت میں مثالیں بھی پیش کی جائیں جو ان مذکورہ نقادوں نے پیش نہیں کی ہیں۔ اس ضمن میں ابتدا علامہ کے اس ہُنر سے کی جاتی ہے جسے اسلم انصاری نے "لفظی تخیل" سے تعبیر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں

"اقبال کے تخیل کی زرخیزی اُن کے تخلیقی کارناموں کی وسعت اور ضخامت سے بھی ظاہر ہے، اور اُن کی نوعیت سے بھی۔ نئی تراکیب کی ساخت میں انہیں جو مہارت اور قدرت حاصل ہے اس کی مثال اُن کے دو عظیم پیش روؤں — مرزا بیدل اور مرزا غالب ہی میں ملتی ہے۔ اقبال کی تراکیب ندرت اور معنوی لطافتوں کے اعتبار سے اردو اور فارسی دونوں زبانوں کی شاعری کا سرمایۂ افتخار اور گنجینۂ اظہار ہیں۔ ان سطور میں ہمارا مقصد اقبال کی لسانی اختراعات کے صرف ایک پہلو سے بحث کرنا ہے جسے ہم اقبال کا لفظی تخیل کہہ سکتے ہیں اور اس لفظی تخیل کا بھی صرف ایک ہی پہلو ہمارے پیش نظر ہے جس کا تعلق کُلّی طور پر نئے الفاظ کی ایجاد و اختراع سے ہے"[۱۳۳]

اور یہ نئے الفاظ، بعض نام ہیں جو ملّا ضیغم لولابی اور محراب گل افغان کی طرح علامہ کے تخیل سے ظاہر ہوئے اور نقش کا معجزہ ہو گئے۔ مثلاً "زروان" جو روحِ زمان و مکاں ہے۔ اگرچہ یہ تعلیقہ نیا لفظ نہیں، زروان و زرمان کی صورت میں فارسی زبان کا ایک قدیم لفظ ہے صاحب فرہنگ عمید نے اسے زروان بھی کہا۔ "اقبال کے ہاں روحِ زمان و مکاں کے لئے زروان کا لفظ ایک مخصوص صوتی قدر و قیمت کے ساتھ نخستینی معنوں Archetypal Meanings کا حامل بھی ہے"[۱۳۴]
[مزید تفصیلات کے لئے تعلیقہ نمبر ۳۶ ملاحظہ ہو]

دوسرا لفظ ہے "زندہ رود" علامہ نے زندگی کی علامت کے لئے بہتے پانیوں کو پسند کیا ہے۔ اسلم انصاری اسے قدیم صوفیانہ ادب میں 'زندہ پیر' یا 'زندہ پیل' جیسے ناموں کا اثر بتاتے ہیں مثلاً[۱۳۵] دیوان احمد جام زندہ پیل مطبوعہ نولکشور ۱۹۲۳ء، ڈاکٹر جاوید اقبال نے گوئٹے کی اصطلاح "حیات آفریں جوئے آب" کا اثر لکھا ہے۔ ڈاکٹر محمد ریاض نے ایران کی معمولی ندی زاینده رود کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ابنِ طفیل کی فلسفیانہ داستان حیّ ابن یقظان بھی علامہ کی نظر سے گذری ہوگی جس کا مفہوم زندہ بیدار ہے۔ لیکن جاوید نامہ کے سارے حقیقی کردار وہ ہیں جو مرچکے ہیں ان کے درمیان، ایک جو زندہ چل رہا ہے وہی زندہ رود ہے۔

---

۱۳۳ اقبال عہد آفریں، اسلم انصاری ص ۲۲۵/۲۲۲ کاروانِ ادب ملتان صدر بار اول ۱۹۸۷ء
۱۳۴ ایضاً ص ۲۲۵ — ۱۳۵ ایضاً ص ۲۲۵ ص ۲۲۶

وادیٔ یرغمید، فلکِ قمر پر واقع ایک وادی کا نام ہے، فارسی زبان و ادب میں یہ لفظ نہیں ملتا اسے ملائک وادیٔ طواسین بھی کہتے ہیں۔ یرغمید، بے معنی لفظ ہونے کے باوجود غریب، مغلق یا مہمل بالکل نہیں لگتا اور ایسا محسوس ہوتا کہ یہ بھی فارسی لغت ہی کا ایک حصہ ہے۔ طواسین طس کی جمع ہے جو قرآن مجید کے حروف مقطعات میں سے ہے اور منصور حلاج کی ایک کتاب کا نام بھی۔ یہ اصطلاح اُسی سے لی گئی ہے۔

مرغدین، فلکِ مریخ کے ایک شہر کو یہ نام دیا گیا ہے یہ بھی یرغمید کی طرح ایک لفظی اختراع ہے۔ خطۂ کشمیر جنت نظیر کی ایک وادی گُل مرغ یا گُل مرگ کی ایک تلازماتی مگر متغیر صورت ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مرغدین کو ایک مقام ارجمند کہا گیا ہے اس کے بلند عمارات مغربی لگتے ہیں لیکن شیریں سخن، نرم خو اور سادہ پوش مکانوں کی رو سے کشمیری لگتا ہے۔ مرغ زار کے انداز میں "مرغ دین" اُس شہر کی خوبیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ برخیا سے بھی واضح ہے۔

برخیا، اہل مریخ کا ابوالآباد ہے جس نے فرزمرز ایک کردار آمرزشت [ابلیس] سے مات نہیں کھائی اور اُس کے دامِ فریب میں نہ آنے کے بدلے وسے مریخ کی دنیا ملی ہے۔ جہاں رصدگاہیں بھی ہیں۔ صوفیانہ روایت میں "برسیا" ایک بزرگ کا نام ہے جو بلعم بن باعور کی طرح تمام تر تقویٰ کے باوصف راندۂ درگاہ ٹھہرا۔ برخیا، گویا اُس کی ضد ہے۔ قرآن کریم میں حضرت سلیمان ع کا جو مصاحب عِندَهٗ عِلمٌ مِّنَ الکِتٰب سے موصوف ہے اُس کا نام آصف بن برخیا تھا [تفسیر ابن کثیر تحت الآیہ بحوالہ قول ابن عباس رض]

فرزمرز، مریخ کا ابلیس یا اہرمن ہے، ممکن ہے کہ ہُرمز اور اہورامزد جیسے الفاظ کے تلازمات اس لفظ کی تخلیق میں شامل ہوں[۱۳۶] سجاد حیدر کی کتاب خیالستان کے ایک افسانے میں فرامرز نامی کردار اس لفظ کے ترکی الاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے فلک قمر کا پہاڑ یلدرم بھی ترکی لفظ ہے [روشن ستارہ] تمہیدِ زمینی کے منظرِ شام و کنارِ آب سے لے کر سلاطینِ مشرق، نادر و ابدالی و سلطانِ شہید کے قصرِ فیروزہ تک کتنے ہی مناظر ہیں جن میں علامہ نے تخیلی رنگ آمیزی کا کمال دکھایا ہے۔ محاکات نگاری اور لفظی منظر کشی میں علامہ وصف نگاری کی جملہ صفات بروئے کار لانے میں مہارتِ تمام رکھتے ہیں۔ اَلوَصفُ مَا یُقَلِّبُ السَّمعَ بَصَرًا [وصف وہ ہے جو کانوں کو آنکھ بنا دے][۱۳۷] نمونے دیکھنے ہوں تو جاوید نامہ کے ذیل حصے دیکھنے چاہئیں، لیکن توجہ رہے کہ علامہ نے نظرے خوش گذرے کے طور پر بیان دئے ہیں حقیقی نظر اصل مقصد پر رہی ہے۔ تمہیدِ زمینی میں روحِ رومی کے ظہور کا منظر کس قدر تجمل آفریں ہے، ملاحظہ ہو

---

[۱۳۶] اقبال عہد آفریں اسلم انصاری [تلخیص صفحہ ۲۱ تا صفحہ ۲۵] ۔ [۱۳۷] مرآۃ الشعر شمس العلماء مولانا عبدالرحمٰن صفحہ ۲۷۲ بک امپوریم ...

موجِ مضطر خفت بر سنجاب آب　　شد افق تار از زبانِ آفتاب
از متاعش پارۂ دزدیدۂ شام　　کوکبے چون شاہدے بالائے بام
روحِ رومیؒ پردہ ہا را بردرید　　از پسِ کہ پارۂ آمد پدید
طلعتش رخشندہ مثلِ آفتاب　　شیبِ او فرخندہ چون عہدِ شباب
پیکرے روشن ز نورِ سرمدی　　در سراپایش سرورِ سرمدی ۱۳۸

فلکِ قمر کے ایک غار کا منظر دیدنی ہے

آن سکوت آن کوہسارِ ہولناک　　اندرون پرسوز و بیرون چاک چاک
صد جبل از غافطین و یلدرم　　بر دہانش دود و نار اندر شکم
از درونش سبزہ سر بر نزد　　طائرے اندر فضایش پر نزد
ابرہا بے نم ہوا ہا تند و تیز　　با زمینِ مردۂ اندر ستیز
عالمے فرسودۂ بے رنگ و صوت　　نے نشانِ زندگی در وے نہ موت
نے بہ نافش ریشۂ نخلِ حیات　　نے بہ صلبِ روزگارش حادثات
گرچہ ہست از دودمانِ آفتاب　　صبح و شامِ او نہ زاید انقلاب ۱۳۹

جلوۂ سروش،

نازنینے در طلسمِ آن شبے　　آن شبِ بے کوکبے را کوکبے
سنبلستانِ دو زلفش تا کمر　　تاب گیر از طلعتش کوہ و کمر
غرق اندر جلوۂ مستانۂ　　خوش سرود آن مستِ بے پیمانۂ
پیشِ او گردندہ فانوسِ خیال　　ذو فنون مثلِ سپہرِ دیر سال
اندر آن فانوس پیکر رنگ رنگ　　نشکرہ بر کنجشک و بر آہو پلنگ ۱۴۰

طاسینِ مسیح میں رویائے حکیم طالسطائی

درمیانِ کوہسارِ ہفت مرگ　　وادیٔ بے طائر و بے شاخ و برگ
تابِ مہ از دود گردِ اُو چو قیر　　آفتاب اندر فضایش تشنہ میر ۱۴۱

مجلسِ خدایانِ اقوامِ قدیم

آن ہوائے تند و آن شبگون سحاب　　برق اندر ظلمتش گم کردہ تاب
قلزمے اندر ہوا آویختہ　　چاک دامان و گہر کم ریختہ
ساحلش ناپید و موجش گرم خیز　　گرم خیز و با ہوا ہا در ستیز

---

۱۳۸ کلیاتِ فارسی اقبال ص ۶۰۵/۶۰۶ [جاوید نامہ]　۱۳۹ ایضاً ص ۶۲۰　۱۴۰ ایضاً ص ۶۲۹
۱۴۱ ایضاً ص ۶۳۹.

رومی و من اندر آں دریائے قیر — چوں خیال اندر شبستانِ ضمیر
تا نشانِ کوہسار آمد پدید — جوئبار و مرغزار آمد پدید
کوہ و صحرا صد بہار اندر کنار — مشکبار آمد نسیم از کوہسار
نغمہ ہائے طائرانِ ہم نفس — چشمہ زار و سبزہ ہائے نیم رس
تن ز فیضِ آں ہوا پائندہ تر — جانِ پاک اندر بدن بینندہ تر ۱۴۲؎

نمودار شدن خواجۂ اہلِ فراق ابلیس

ناگہاں دیدم جہاں تاریک شد — از مکاں تا لامکاں تاریک شد
اندر آں شب شعلۂ آمد پدید — از درونش پیر مردے بر جہید
یک قبائے سرمۂ اندر برش — غرق اندر دودِ پیچاں پیکرش
کہنہ، کم خندہ، اندک سخن — چشمِ او بینندۂ جاں در بدن
رند و مُلّا و حکیم و خرقہ پوش — در عمل چوں زاہدانِ سخت کوش
فطرتش بیگانۂ ذوقِ وصال — زہدِ او ترکِ جمالِ لایزال
تا گسستن از جمال آساں نبود — کارِ پیش افگند از ترکِ سجود
اندکے در وارداتِ او نگر — مشکلاتِ او ثباتِ او نگر

غرق اندر رزمِ خیر و شر ہنوز
صد پیمبر دیدہ و کافر ہنوز ۱۴۳؎

علامہ اقبال کی بیانیہ شاعری کے یہ چند شہکار جہاں اُن کی خیال بندی کے مظہرِ جلیل ہیں وہاں اُن کی ہنروری کا ثبوت بھی ہیں۔ کہیں بندش نشست اور کردار سازی میں جھول نہیں آنے پائی اور لطف یہ کہ تضادات کے اندراج سے منظر کو ابھارا ہے اس طرح کہ قاری و سامع گویا زندہ رود اگر نہیں تو زندہ رود کا ہم سفر ضرور ہے نظارگی کا یہ عالم کہ آنکھ جھپکنے کی فرصت نہیں، جُزرسی کے ساتھ ایجاز و اختصار نے قیامت کا سماں باندھ رکھا ہے

اندر آں فانوس پیکر زنگ زنگ — شکرہ بر گنجشک و بر آہو پلنگ
آں ہوائے تُند و آں شبگوں سحاب — برق اندر ظلمتش گم کردہ تاب
رند و مُلّا و حکیم و خرقہ پوش — در عمل چوں زاہدانِ سخت کوش

اور "صد پیمبر دیدہ و کافر ہنوز" میں سادگی و برجستگی اور زورِ کلام کی کیفیت بیان سے باہر ہے

۱۴۲؎ ایضاً ص ۶۲۲ — ۱۴۳؎ ایضاً ص ۷۲۳/۷۲۲

طنز و تنبیہ کا یہ نمونہ بھی بے مثال ہے۔ ابلیس بحضورِ رب العالمین نالہ کناں ہے۔

اے خداوندِ صواب و ناصواب — من شدم از صحبتِ آدم خراب
ہیچ گہ از حکمِ من سر بر نتافت — چشم از خود بست و خود را در نیافت
خاکش از ذوقِ ابا بیگانۂ — از شرارِ کبریا بیگانۂ
صید خود صیاد را گوید بگیر — الاماں از بندۂ فرماں پذیر
از چنیں صیدے مرا آزاد کن — طاعتِ دیروزۂ من یاد کن
اندریں عالم اگر جز خس نبود — ایں قدر آتش مرا دادن چہ سود؟
شیشہ را بگداختن عارے بود — سنگ را بگداختن کارے بود
آنچناں تنگ از فتوحاتِ آدم — پیشِ تو بہرِ مکافات آمدم
منکرِ خود از توی خواہم بدہ — سوئے آں مردِ خدا راہم بدہ

اے خدا یک زندہ مردِ حق پرست
لذتے شاید کہ یابم در شکست ع۱۲۴

صواب و ناصواب، نتافت و نیافت، جیسی تجنیسوں کا بے ارادہ در آنا روشن ہے۔ ابلیس کی فریاد "اے خدا یک زندہ مردِ حق پرست" جس قدر دلگداز ہے اُسی قدر ندامت خیز، ڈوب کر پڑھنے والے پر وہی جذبہ طاری ہو جاتا ہے جو اقبال کا مطلوب ہے۔ مارچ کی رات پچھلا پہر اور اِس ناچیز کا پسینہ پسینہ بدن — ننگِ آدم شعرِ پُرسوز کا کھلا ثبوت ہے۔

قلزمِ خونیں کا ہولناک منظر، علامہ کے زورِ کلام کا وافر ثبوت فراہم کرتا ہے۔ خود علامہ اُس منظرِ خیالی کے بیان سے عجز کا اعلان کرتے ہیں

آنچہ دیدم می نگنجد در بیاں — تن ز سہمش بے خبر گردد ز جاں
در ہوا ماراں چو در قلزم نہنگ — کفچہ شب گوں بال و پر سیماب رنگ
موجہا درّندہ مانندِ پلنگ — از نہیبش مردہ بر ساحل نہنگ
بحر ساحل را اماں یک دم نداد — ہر زماں کہ پارۂ در خوں فتاد
موجِ خوں با موجِ خوں اندر ستیز — درمیانش زورقے در افت و خیز
اندر آں زورق دو مرد زرد روئے — زرد رو عریاں بدن، آشفتہ موئے ع۱۲۵

روحِ ہندوستان، حورِ پاک زاد، سرِ ننگی، پردہ اٹھائے، آپ روز کا حلقہ در بر، جس کی تار و پود رگِ گلاب ہوئے — "با چنیں خوبی نصیبش طوق و بند"، کیونکہ "ہندیاں بیگانہ از ناموسِ ہند" یا آیتِ قومِ لیلون

ع۱۲۴ ایضاً ص ۲۶/۲۵ — ع۱۲۵ ایضاً ص ۳۱/۳۰

شرف النساء کا قصر ہو یا سلاطینِ مشرق کا قصرِ فیروزہ، تخیل کی جولانی، اور فکر کی جزرسی ہر کہیں نمایاں ہے۔

ابوجہل کی روح، حرمِ کعبہ میں جاہلیت کے سارے خود ساختہ امتیازات اور مشرکانہ رسومات مٹانے کے خلاف فریادی ہے۔

سینۂ ما از محمد ﷺ داغ داغ — از دمِ او کعبہ را گُل شد چراغ
از ہلاکِ قیصر و کسریٰ سرود — نوجواناں را ز دستِ ما ربود
دل بغائب بست و از حاضر گسست — نقشِ حاضر را فسونِ او شکست
مذہبِ او قاطعِ ملک و نسب — از قریش و منکر از فضلِ عرب
در نگاہِ او یکے بالا و پست — با غلامِ خویش بر یک خواں نشست ۱۲۶

لیکن آہستہ آہستہ یہ نوحہ دل ہلا دینے والی فریاد و فغاں میں ایسا بدلتا ہے کہ روحِ بوجہل آنکھوں کے سامنے بال کھولے، گریباں پھاڑے، دونوں بازو اُٹھائے پکارتی نظر آتی ہے

چشمِ خاصانِ عرب گردیدہ کور — بر نیائی اے زہیر از خاکِ گور؟
اے تو ما را اندریں صحرا دلیل — بشکن افسونِ نوائے جبرئیل
باز گو اے سنگِ اسود باز گوے — آنچہ دیدیم از محمد ﷺ باز گوے
اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر — خانۂ خود را ز بے کیشاں بگیر
گلہ شاں را بہ گرگاں کن سبیل — تلخ کن خرمائے شاں را بر نخیل
صرصرے دہ با ہوائے بادیہ — انہم اعجاز نخل خاویہ
اے منات اے لات ازیں منزل مرو — گر ز منزل می روی از دل مرو

اے ترا اندر دو چشمِ ما وثاق
مہلتے ان کنت ازمعت الفراق ۱۲۷

درویشِ سوڈانی ظاہر ہوتا ہے اور کچنر کو فطرت کے انتقام کی یاد دلاتا ہے آسماں خاکِ ترا گورے نداد مرقدے جز در یمِ شورے نداد، اس کے ساتھ ہی ایک آہِ جگرتاب گلوگیر ہو جاتی ہے، لفظ اس کے حلق میں اٹک جاتے ہیں شدتِ جذبات کا اس سے بہتر اظہار کب ہو سکتا ہے؟

باز حرف اندر گلوئے او شکست — از لبش آہِ جگر تابے گسست
گفت اے روحِ عرب بیدار شو — چوں نیاگاں خالقِ اعصار شو
اے فواد اے فیصل اے ابنِ سعود — تا کجا بر خویش پیچیدن چو دود

---

۱۲۶ ایضاً صفحہ ۶۲۲/۶۲۲ — ۱۲۷ ایضاً صفحہ ۶۲۲/۶۲۳

زندہ کن در سینہ آں سوزے کہ رفت ‏ ‏ درجہاں باز آور آں روزے کہ رفت
خاک بطحا، خالدؓ دیگر بزاے ‏ ‏ نغمۂ توحید را دیگر سرائے

اے نخیل دشت تو بالندہ تر
برخیزد از تو فاروقؓ دیگر ع ۱۴۸

مطابقت لفظی کی بے شمار مثالوں میں سے ایک نخیل بالندہ تر کے ساتھ فاروقؓ کی تشبیہ ملیح ملاحظہ ہو --- پہلی بار درویش سوڈانی کے روپ میں شاعر فریاد کرتا سنائی دیتا ہے ورنہ "ساربان یاراں بہ یثرب ما بہ نجد" آن حدی کو ناقہ را آرد بوجد کی ضرورت کیوں پیش آتی شدت جذبات کا یہ عالم کہ بات رکنے کو، فریاد تھمنے کو نہیں آتی اور شاعر کو یاراں بہ یثرب، ما بہ نجد، دہرا کر ایک خوبصورت موڑ دینے پر مجبور ہے۔

شیوہ ہائے زندگی غیب و حضور ‏ ‏ آن یکے اندر ثبات آن در مرور
گہ بخلوت می گدازد خویش را ‏ ‏ گہ بجلوت جمع سازد خویش را
جلوت او روشن از نور صفات ‏ ‏ خلوت او مستنیر از نور ذات ع ۱۴۹

غیب و حضور، جلوت و خلوت، صفات و ذات، گداختن و جمع ساختن، میں تضاد، تجنیس، اور لف و نشر کا بے تکلف استعمال، سادگی و پرکاری کا نمونہ ہے --- غرض داماں نگہ تنگی کی گلہ گزار ہے، بیان و بدیع کے متعدد نمونے یہاں میسر ہیں۔

کتاب کا ظاہر اسلوب بے حد جاذب نظر ہے۔ اس کا آغاز، وسط اور خاتمہ سب حصے یکساں درجے کے دلچسپ ہیں۔ ڈاکٹر لطف علی صورتگر / ڈاکٹر صدر رجائی اپنے مقالے "تحلیلے از جاوید نامہ" میں لکھتے ہیں کہ اقبال کی کتاب کا اختتام شاہنامۂ فردوسی کی طرح روکھا پھیکا نہیں بلکہ غایت درجے کا دلچسپ ہے ان کے اپنے الفاظ " آخر کتاب جاوید نامہ برخلاف شاہنامہ خوش است با رہنمائی یزدانی و حق بر اقبال توأم می باشد" ع ۱۵۰

پوری کتاب شاعر کی غیر معمولی قوت بیان کا مرقع ہے۔ موقع و محل کی مناسبت سے، غزل، ترجیع بند، ترکیب بند اور تضمینات سے جہاں تمثیل، کو ڈرامائی رنگ ملا ہے وہاں دلچسپی اور دلکشی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اسے اسلامی یا انسانی حماسے سے تعبیر کیا ہے جس میں رزمیہ و بزمیہ، طربیہ و المیہ کا امتزاج ہے ع ۱۵۱ بایں ہمہ، بعض مشکل موضوعات کے باوصف کتاب بر خواہان سہل کن حرف مرا، کی اجابت کا ثبوت دیتی ہے۔

ع ۱۴۸ ایضاً ص ۶۸۵ ‏ ع ۱۴۹ ایضاً ص ۶۰۹ ‏ ع ۱۵۰ مجلہ دانشکدۂ ادبیات دانشگاہ مشہد ص ۱۶، ۱۳۴۴ ش، ۱۹۶۵ء

ع ۱۵۱ جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ص ۱۵ ڈاکٹر محمد ریاض، اقبال اکادمی لاہور طبع اول ۱۹۸۸ء

باب اوّل — مناجات تا زمزمۂ انجم ص۵۶ تا ص۱۶۰

مناجات

تمہیدِ آسمانی

— بخشتیں روزِ آفرینش نکوہش می کند آسمان زمین را

نغمۂ ملائک

تمہید زمینی

— آشکارا می شود روحِ حضرت رومیؒ وشرح دہد اسرارِ معراج را

غزل

زُروان کہ روحِ زمان و مکان است، مسافر را بسیاحتِ عالمِ علوی می بُرد

زمزمۂ انجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناجات (۱)

۱- آدمی اندر جہان ہفت رنگ | ہر زماں گرم فغاں مانند چنگ
۲- آرزوئے ہم نفس می سوزدش | نالہ ہائے دلنواز آموزدش (۲)
۳- لیکن این عالم کہ از آب و گل است | کے توان گفتن کہ دارائے دل است
بحر و دشت و کوہ و کہ خاموش و کر | آسمان و مہر و مہ خاموش و کر
گرچہ بر گردوں ہجوم اختر است | ہر یکے از دیگرے تنہاتر است
ہر یکے مانند ما بیچارہ ایست | در فضائے نیلگوں آوارہ ایست
۷- کارواں برگ سفر ناکردہ ساز | بے کراں افلاک و شب ہا دیر یاز
۸- این جہاں صید است و صیادیم ما | یا اسیر رفتہ از یادیم ما؟

۹- زار نالیدم صدائے برنخاست
ہم نفس فرزند آدم را کجاست

حواشی و تعلیقات: (۱) **مناجات:** ناجیٰ، یناجی، مناجاۃً، نجاءً، مُناجٍ۔ باب مفاعلۃ ثلاثی مزید سرگوشی کرنا ——— خدا کی جناب میں اسے حاضر جان کر اس طرح دعا کرنا کہ جس طرح باتیں کیا کرتے ہیں ——— وہ نظم جس میں خدا کی تعریف اور اپنی فروتنی ظاہر کر کے دعا اور التجا کی جائے (نوراللغات) اللہ تعالیٰ خلق و امر کا مالک ہے جو چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اُس کی فرمان روائی میں چون و چرا کی گنجائش نہیں لیکن اُسی مہربان نے اپنے بندوں کو مانگنے کا سلیقہ و طریقہ سکھایا (فتلقّیٰ آدمُ من ربّہ کلماتٍ[1]) گویا امور زندگی میں آدم کی شرکت کو ظاہر کیا، اور اپنے اسماءِ الحسنیٰ کے ذریعے پکارنے کا حکم بھی دیا[2] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو عبادت کا مغز بتایا بلکہ فرمایا عبادت دعا ہی ہے اور دعا عبادت ہے۔ فرمایا دعا تقدیر بدل دیتی ہے[3] اور یہ دعا رحمت کے دروازے کھولتی ہے مَن فُتِحَ لہ منکم بابُ الدعاءِ فُتِحت لہ ابوابُ الرحمۃ[4] دعا کی توفیق گویا رحمت کے دروازوں کا کھل جانا ہے۔

---

[1] البقرہ: ۳۷ [2] الاعراف: ۱۸۰ [3] الدعاء مخ العبادۃ: ترمذی باب الدعوات [4] ایضاً

ابلیس نے راندۂ درگاہ ہونے کے بعد آدم و اولادِ آدم پر دائیں بائیں آگے پیچھے سے حملہ آور ہونے کا اعلان کیا لیکن اوپر نیچے کا ذکر نہیں کیا کہ انسان دعا کے ذریعے ہاتھ اٹھا کر اور سجدے میں سر جھکا کر ربِ حقیقی سے جڑ جاتا ہے اور وسواسِ شیطانی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہی ابوابِ رحمت کا کھلنا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دعا کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دعا سے قوائے فکریہ، جلالِ الٰہی اور اس کی عظمت کے ملاحظے سے پُر ہو جاتے ہیں اور نفس کو خشوع و خضوع کی ایسی حالت حاصل ہوتی ہے کہ دل مناجات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان انسان میں ہمت و حوصلہ پیدا کر دیتی ہے یہی حالت ہے جو غنیمت ہے۔ ع۵ ابوالقاسم عبدالکریم القشیری نے ابو حازمؒ کا قول نقل کیا ہے فرماتے ہیں "اگر میں دعا سے محروم کر دیا جاؤں تو میرے لئے زیادہ ناگوار ہوگا بہ نسبت اس کے کہ میں قبولیت سے محروم کر دیا جاؤں۔ ع۶ ۔

علامہ اقبال نے بھی اپنے خطبہ "ذاتِ الٰہیہ کا تصور اور حقیقتِ دعا" میں دعا کو جذبات میں شدت اور ارادوں میں حرکت کا سبب بتایا ہے۔ "ان کے نزدیک بلحاظ ایک نفسیاتی مظہر کے دعا ایک راز ہے جس کا درجہ غور و تفکر سے کہیں ارفع ہے۔ پھر غور و تفکر کی طرح وہ (حیاتی عمل) بھی تحصیل و اکتساب [علم و معرفت] ہی کا ایک عمل ہے جو بحالتِ دعا ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتا ہے اور کچھ ایسی طاقت اور قوت حاصل کر لیتا ہے جو فکرِ محض کو حاصل نہیں" ع۷ "اس لئے کہ بحیثیت روحانی تجلی کے ایک ذریعہ کے دعا بھی ایک حیاتی عمل ہے جس میں ہم دفعتاً محسوس کرتے ہیں کہ ہماری بے نام سی شخصیت کی جگہ بھی کسی بہت بڑی اور وسیع تر زندگی میں ہے۔" ع۸ لہٰذا دعا خواہ انفرادی ہو خواہ اجتماعی ع۹ ضمیر انسانی کی اس نہایت درجہ پوشیدہ آرزو کی ترجمان ہے کہ کائنات کے ہولناک سکوت میں وہ بھی اپنی پکار کا کوئی جواب سنے ع۱۰ مناجات کا پہلا بند کائنات کے اسی ہولناک سکوت میں انسان کے "ہر زماں گرمِ فغاں" ہونے کے تذکرے سے آغاز ہوتا ہے اور یہ "فغاں" آرزوئے ہم نفس سے عبارت ہے۔ تب متفکر شاعر دعا میں محو ہو جاتا ہے۔

ع۵ حجۃ اللہ البالغہ [ابوابِ احسان: دعا سے متعلق احادیث کی شرح] ص ۲۳۵ ترجمہ مولانا عبدالحق حقانی۔

ع۶ رسالہ قشیریہ باب ۳۷ ص ۴۰۶ ع۷، ع۸، ع۹ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ علی الترتیب ص ۱۳۵ ص ۱۳۶، ص ۱۳۹ یہاں یہ صراحت لطافت سے خالی نہ ہوگی کہ حضرت علامہ ذاتی اغراض کی بجائے اجتماعی مقاصد کے لئے دعا کا سہارا لینے کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں " ذاتی طور پر میں تو اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا طالب ہوں اپنے لئے تکالیف سے نجات یا حصولِ عیش و راحت کے لئے دعا نہیں کرنا چاہتا" [اقبال نامہ اول ص ۲۹۲ مکتوب بنام عباس خان علمد ۸ر نومبر ۱۹۳۵ء] - یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے، سے ارمغانِ حجاز تک نظم و نثرِ اقبال اس کا کھلا ثبوت ہے۔ ع۱۰ تشکیل جدید ص ۱۳۹

شعر نمبر ۱ آدمی : آدم سے یائے نسبتی کے ساتھ جیسے ھاشمی اولادِ ہاشم کے لئے۔ مگر اقبال میں اس کا مرجع کوئی مخصوص انسان نہیں اس کی حیثیت ایک تصور کی ہے جس کی تائید بقول اقبال قرآن پاک ہی سے ہو جاتی ہے اور جس کا ذیل کی آیت ایک قطعی اور واضح ثبوت ہے ۱۱

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ [الاعراف: ۱۱]

شاید اسی لئے علامہ اقبال نے مریخ کے لئے " ایک اور آدم " برخیا " تخلیق کیا ہے مزید تفصیل انشاءاللہ فلک مریخ کے تحت ملے گی۔

جہانِ ہفت رنگ : سات تجلیات ع۱۲ سات آسمان سات زمینیں ، سات سیارے اور جواہر وغیرہ معراج میں آسمانوں کا ذکر ہے اور انسانِ کامل کے مصنف عبدالکریم الجیلیؒ نے سیاروں کو افلاک سے تعبیر کیا ہے علامہ نے بھی فلک ہی استعمال کیا۔ کلیم الدین احمد اس حقیقت سے بے خبری کے باعث سیاروں کو فلک لکھنے پر معترض ہوئے ع۱۳ فلکیات میں ان سیاروں کے رنگ یوں بتائے جاتے ہیں زحل سیاہ ، مشتری غباری ، مریخ سرخ ، آفتاب زرد ، زہرہ سفید ، عطارد نیلا اور قمر زنگاری (برہانِ قاطع) ایسا ہی جواہر کے بارے میں ہے [ملاحظہ ہو " مسلمانوں کے عقائد و افکار " علامہ ابوالحسن اشعری مترجم مولانا محمد حنیف ندوی - ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور طبع اول جون ۱۹۷۰ نمبر شمار ۴ ص ۹] - ع۱۴

روحانیات اور فلکیات میں ان سیاروں کے انسانی مزاج کے ساتھ تعلق پر بحث کی جاتی ہے علامہ اقبال کو سرالسماء ع۱۵ جیسی کتابوں کی تلاش شاید اسی لئے رہی ممکن ہے وہ اپنی پسندیدہ شخصیات کے لئے افلاک کی تجویز میں ایسی کتابوں سے مدد لینا چاہتے ہوں تاکہ ہر فلک پر مخصوص مزاج کی شخصیت سے ملاقات رکھی جاسکے -

غُفّان : پروفیسر حمید احمد خان علامہ اقبال سے ایک ملاقات " کے ذکر میں بیان کرتے ہیں " پھر ایک تبسم کے ساتھ ڈاکٹر صاحب نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا

[میں الحمرا کے ایوانوں میں گھومتا پھرا مگر جدھر نظر اٹھتی دیوار پر ھُوَ الغالب لکھا ہُوا نظر آتا۔ میں نے کہا یہاں تو خدا ہی خدا غالب ہے کہیں انسان غالب نظر آئے تو بات بھی ہو] ع۱۶

علامہ کی زیر نظر کتاب آدمی کا جاوید نامہ ہے اس لئے مناجات کا آغاز بھی اس مادی کائنات کے

ع۱۱ تشکیل جدید ص۱۲۶ علامہ اقبال — ع۱۲ انسان کامل ص۳۰۲ الجیلیؒ
ع۱۳ اقبال ایک مطالعہ ص۱۷ کلیم الدین احمد — ع۱۴ انسان کامل ص۳۲۶ الجیلیؒ
ع۱۵ کلیات مکاتیب اقبال ج ۳ ص۱۹۰ برنی — ع۱۶ ملفوظات اقبال ص۱۵۸ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

"حیرت خانۂ امروز و فردا" میں انسان کی تنہائی و درماندگی سے لیا گیا ہے۔ دراصل آدمی ہی اُن اسمائے صفات الٰہیہ کا مظہر ہے جن کا ظہور دیگر مظاہرِ فطرت میں نہیں ہوا اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا فَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ع۱۷ پس بذریعہ انسان عالم میں وہ چیز پائی گئی جو اُس کے غیر یعنی محال و ممتنع میں متصور تھی ع۱۸۔ یہی اس مجبور کائنات کے اندر انسان کی بے تابیوں کا راز ہے بلکہ فغاں اسی بے تابی اور بے چینی کا استعارہ ہے ع۱۹ یہاں جو چیز آتی ہے پلٹ جانے کو آتی ہے اس لئے نہ مرو قراری ـــــ خود فلک آدم بھی آہ و فغاں کا بسیج ہے ـــــ [انک ص۲۱۵ بانگ درا نظم شبنم اور ستارے]

شعر نمبر ۲

عہد نامۂ عتیق کے مصنف لکھتے ہیں۔

"اور آدم نے کل چوپایوں اور ہوا کے پرندوں اور کل دشتی جانوروں کے نام رکھے پر اُس کے لئے کوئی مددگار اُس کی مانند نہ ملا" ع۲۰

قرآن پاک نے بھی ہم نفس کی تخلیق ہی کو آدم اول کے لئے تسکین کی صورت بنایا ہے وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (الاعراف: ۱۸۹)۔ ترجمہ: [ہم نے تمہیں ایک جوہر سے تخلیق کیا] اور اُسی سے تمہارا جوڑا بنایا تاکہ تم اس سے تسکین پاؤ۔

(۲) بیشتر شارحینِ اقبال نے ان ابتدائی شعروں کو مثنوی معنوی رومیؒ کے ابتدائی شعروں

بشنو از نے چون حکایت می کند — وز جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستان تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

اور بعض پہلے از ممدوحینِ اقبال، مرزا اسد اللہ خان غالب کے دیوانِ اردو کے مطلع اول سے مماثل قرار دیتے ہیں [نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا — کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا] ع۲۱

عبید اللہ قدسی لکھتے ہیں مثنوی معنوی کے شعروں میں ولایت بے نیابت ہے۔ انسان اپنے معبودِ حقیقی کی طرف دوڑ رہا ہے وہی اُس کا مقصود اور محبوب ہے اصل سے جب تک وصل نہ ہو اضطراب رہتا ہے۔ خدا کی طرف توجہ اور اسی کی طرف زنہار ولایت ہے اور خدا کی طرف سے مخلوق کی طرف آنا، اُس کی اصلاح اور اس کی ہدایت یہ نبوت کا کام ہے اور یہی خدا کی خلافت و نیابت ہے" ع۲۲ یعنی یہ وجودی تصور سے غیر متعلق آغاز ہے تاہم بظاہر اس مماثلت کے دو اسباب معلوم ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ علامہ نے جہاں جاوید نامہ کو اسلامی کامیڈی کہا ہے وہاں خود ہی اسے مثنوی مولینائے روم کے طرز پر لکھی گئی نظم بتایا ہے ع۲۳ اور دوسرا سبب یہ کہ اس نظم میں ڈیوائن کامیڈی کے ورجل کی طرح علامہ نے بھی مولینائے روم کی رہنمائی میں سیر افلاک کی روداد بیان کی ہے۔ لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو ایسا نہیں۔ جاوید نامہ کا آدمی

ع۱۷، ع۱۸ الانسان کامل ص۳۲۲، ص۱۳۶ علی الترتیب الجیلیؒ ع۱۹ تشکیل جدید ص۱۷ علامہ اقبال
ع۲۰ کتاب مقدس عہد نامہ عتیق باب ۲ آیت: ۲۰ ع۲۱ مقالات حکیم ج ۲ ص۲۲۹ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم
بحر مناجات جاوید نامہ ص۱۵ عبید اللہ قدسی ع۲۲ مناجات جاوید نامہ ص۱۶ ایضاً ع۲۳ کلیات مکاتیب اقبال ج ۳ ص۱۸۹ سید برنی: مکتوب بنام ڈاکٹر ناصر شجاع منعمی۔

کی فغاں صوفیاء کے اُس آدمی کی فغاں ہرگز نہیں جس کی روح کا پرندہ اپنی اصل سے جدائی پر بدن کے پنجرے میں پڑا پھڑپھڑاتا اور زار و قطار رونے رُلانے سے سروکار رکھتا ہے اور "باز جوید روزگار وصل خویش" کا درپے ہو کر دنیا و علائقِ دنیا سے بیزار اور فنا کا دلدادہ ہے ع۲۴ نہ یہ آدمی مذہب بیزار اور تہذیب دشمن مغربی وجودیوں [Existentialists] کی طرح اپنے وجود سے مایوس اپنے ماحول سے خوفزدہ اور کسی قاعدے ضابطے نظام بلکہ اپنی فطرت تک کا منکر ہے۔ یہ وہ آدمی بھی نہیں جس کے نزدیک زندگی لاحاصل و لایعنی ہے

"اس سماج میں دیگر اشیاء کی طرح ہم میں سے ہر ہر فرد تنہا نے محض ہے اور جس کے خیال میں ہو سکتا ہے کہ اس سماج میں رہتے ہوئے ہماری طرح کچھ دوسرے افراد بھی کچھ ایسے ہی مقاصد کے حصول میں سرگرم عمل ہوں جن مقاصد کو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

لہٰذا اگر ہم ان مقاصد کے حصول کی مساعی ترک کر دیں تو پھر بھی ہمارے اس ترکِ مساعی کے عمل سے دنیا کے نظام میں سرِ مُو فرق نہیں آتا اور یہ دنیا بہر حال یوں ہی چلتی رہتی ہے لہٰذا اُس کے لئے یہ زندگی لاحاصل اور لایعنی ہے" ع۲۵

علامہ اقبال کے نزدیک "بلاشبہ انسان کی زندگی میں آلام ہی آلام ہیں اور اُس کا وجود برگِ گل کی طرح نازک بایں ہمہ حقیقت کی کوئی شکل ایسی طاقت ور، ایسی ولولہ خیز اور حسین وجمیل نہیں جیسی روحِ انسانی۔ لہٰذا باعتبار اپنی کُنہ کے جیسا کہ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے انسان ایک تخلیقی فعالیت ہے ایک صعودی روح، جو اپنے عروج و ارتقاء میں ایک مرتبۂ وجود سے دوسرے میں قدم رکھتا ہے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ [۸۴: ۲۰] انسان ہی کے حصے میں یہ سعادت آئی ہے کہ اُس عالم کی گہری سے گہری آرزوؤں میں شریک ہو جو اُس کے گرد و پیش میں موجود ہے اور اپنی، علیٰ ہذا کائنات کی، تقدیر خود متشکل کرے، کبھی اُس کی قوتوں سے توافق پیدا کرتے ہوئے اور کبھی پوری طاقت سے کام لیتے ہوئے اپنی غرض و غایت کے مطابق ڈھال کر۔ اس لحظہ بہ لحظہ پیش رس اور تغیر زا عمل میں خدا بھی اُس کا ساتھ دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پہل انسان کی طرف سے ہو اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [۱۳: ۱۲] ع۲۶

کلیاتِ کلام اقبال فارسی و اردو دیکھنے سے بھی علامہ اقبال کی یہی مثبت فکر واضح ہوتی ہے کہ جہاں انسان کو پابہ زنجیرِ تقدیر کائنات کے رازہائے سربستہ سے آگاہی کے ذوق کی بے تابی سے نوازا گیا وہاں ایسے مظاہرِ فطرت کے درمیان جن کا آغاز و انتہا حیرت ہے قدرت اس تلخ روزگار کی ہم نفس بھی ہے

ع۲۴ مسائلِ اقبال ص۲۳ ڈاکٹر سید عبداللہ ع۲۵ فلسفہ کے بنیادی مسائل باب ۷ نیاز

= The Blackwell Encyclopedea of Political Thoughts 1987 [Existentialism]

= Studies in Iqbals Thoughts and Art Saeed Shaikh Page 252 Article Iqbal and Existentialism by Niaz Erfan.

ع۲۶ تشکیل جدید ص۱۸ علامہ اقبال = مسائلِ اقبال ص۱۸۳ ڈاکٹر سید عبداللہ = ————

جس کی بدولت وہ "اس خوگرِ تسلیم کائناتِ فطرت" کے درمیان ایک ایسی دانا، بینا اور توانا ہستی ہے جس کی ہر قوت سرگرمِ تقاضا ہے یوں کہ "چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی۔ اس کی رضا اگرچہ تقدیرِ جہاں ہے۔ یہ فغاں عشق سے شعلہ گیر ہے اور "پنہاں در یک دمِ او دور گارے ست" ع۲۷ اسی لئے تو میلادِ آدم کی خبر یا کر

فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور ۔ خود گرے خود شکنے خود نگرے پیدا شد ع۲۸

اس جہانِ مجبور میں جہاں صاحبِ دل نہ ہونے کے باعث کوئی ایک ذرہ بھی انسان کا آشنا اور ہم نفس نہیں اقبال کا آدمی ترکِ دنیا و علائقِ حیات کا شکار نہیں بلکہ وہ گلِ پژمردہ کی اداسی میں اپنے دلِ ویراں کو چھپا دیکھتا ہے۔

کس زباں سے اے گلِ پژمردہ تجھ کو گل کہوں ۔ کس طرح تجھ کو تمنائے دلِ بلبل کہوں

تھی کبھی موجِ صبا گہوارۂ جنباں ترا ۔ نام تھا صحنِ گلستاں میں گلِ خنداں ترا

تیرے احساں کا نسیمِ صبح کو اقرار تھا

باغ تیرے دم سے گویا طبلۂ عطار تھا

تجھ پہ برساتا ہے شبنم دیدۂ گریاں مرا ۔ ہے نہاں تیری اداسی میں دلِ ویراں مرا

میری بربادی کی ہے چھوٹی سی اک تصویر تو ۔ خواب میری زندگی تھی جس کی ہے تعبیر تو

ہم چو نے از نیستانِ خود حکایت می کنم

بشنو اے گل! از جدائیہا شکایت می کنم ع۲۹

یہ دردِ تنہائی ظاہر ہے بحیثیت قوم اجتماعی زندگی کی کامیابیوں اور کامرانیوں سے محرومیوں کا درد ہے۔ اسی لئے اس کا یہ دردِ تنہائی اسے وہ دلنواز نالے سکھاتا ہے جسے سن کر بے ہوش جاگیں اور ناقۂ بے زمام کی طرح منتشر افراد اور جماعتیں، ایک قوم ہو کر سوئے قطار کھنچتے چلے آئیں ع۳۰ یہی نالۂ دلنواز دراصل وہ آرزو وہ "تلاشِ متصل" ہے جو انسان کے توسنِ ادراک کو خرام سکھاتی ہے ع۳۱

★ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہوں نظم انسان ک ا ص۱۲۶ نظم تنہائی ک ا ص۱۲۹ نظم انسان ک ا ص۷۹ نظم روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے ک ا ص۲۳۲ نظم فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں ک ا ص۲۲۳ نیز نظم تسخیرِ فطرت ک ف ص۲۵۵ نظم گلِ رنگیں ک ا ص۲۵

ع۲۶ تشکیلِ جدید ص۱۸ علامہ اقبال ۔ ع۲۸ کلیاتِ اقبال فارسی ص۲۵۵ [پیامِ مشرق]

ع۲۷ کلیاتِ اقبال فارسی ص۵۵ (گلشنِ رازِ جدید) ۔ ع۲۹ کلیاتِ اقبال اردو ص۵۱ [بانگِ درا]

ع۳۰ کلیاتِ اقبال اردو ص۴۸ (نظم ایک آرزو بانگِ درا) ۔ ع۳۱ کلیاتِ اقبال اردو ص۲۵ [بانگِ درا]

شعر نمبر ۳ تا ۶ گلشنِ رازِ جدید کے سوال ۵ کا مطالعہ ضروری ہے کہ یہ جہان و انسان کے مقابلہ در معاملہ خودی پر مبنی ہے۔ (سیپارہ ملکی ۵۶۱)

وجود کوہسار و دشت و در ہیچ — جہان فانی، خودی باقی، دگر ہیچ

کوئی نہیں غم گسارِ انساں — تلخ ہے روزگارِ انساں [۳۲]

درجہان یارب ندیم من کجاست — نخلِ سینایم کلیم من کجاست

شمع را تنہا تپیدن سہل نیست — آہ یک پروانۂ من اہل نیست

سینۂ عصرِ من از دل خالی است — می تپد مجنوں کہ محمل خالی است [۳۳]

شدم بحضرتِ یزداں گذشتم از مہ و مہر — کہ در جہانِ تو یک ذرہ آشنایم نیست

جہاں تہی ز دل و مشتِ خاکِ من ہمہ دل — چمن خوش است ولے درخورِ نوایم نیست

تبسمے بہ لبِ اُو رسید و ہیچ نگفت [۳۴]

ما پریشاں در جہاں چون اختریم — ہم دم و بیگانہ از یک دیگریم [۳۵]

حالانکہ — فروغِ آدمِ خاکی ز تازہ کاری ہاست — مہ و ستارہ کنند آنچہ پیش ازیں کردند [۳۶]

کیونکہ یہ مادی اشیاء (مثلاً مہ و ستارہ) الگ تھلگ رہ کر بھی قائم ہیں اور قائم رہ سکتے ہیں [۳۷]۔ لیکن انسان کا فروغ تازہ کاری سے ہے۔

شعر نمبر ۷ جبر و اختیار کی بحث میں ڈیکارٹ کے فلسفیانہ تصورِ موقعیت کے خلاف لائبنیز (Leibniz) کے فلسفہ کے ایک اہم تصور Pre-established harmony [توافقِ مقدر یا پیش ثابت ہم آہنگی] کی رُو سے "کائنات ایک روحانی تکثر کا نظام ہے جس میں بسیط، ایک دوسرے سے بے تعلق، آزاد، انفرادی، فاعل بذاتہٖ، خود مکتفی روحانی ہستیاں یا اکائیاں متعینہ ہم آہنگی و توافقِ مقدر سے مربوط ہیں" [۳۸] (۳)

ہم آہنگی سے ہے محفلِ جہاں کی — اسی سے ہے بہار اس بوستاں کی [۳۹]

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے — پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں [۴۰]

۳۲۔ کلیاتِ اقبال اردو ص ۱۲۷ نظم انسان - بانگِ درا، ۳۳۔ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۲۷ نظم دعا اسرارِ خودی -
۳۴۔ ایضاً ص ۲۸۸ نظم تنہائی - پیامِ مشرق ۳۵۔ ایضاً ص ۷۶ اسرارِ خودی ۳۶۔ ایضاً ص ۵۱۸ غزل ۵۰ زبورِ عجم
۳۷۔ تشکیلِ جدید ص ۱۲۸ علامہ اقبال = خاک و باد و آب و آتش بندہ اند — با من و تو مردہ با حق زندہ اند (رومی)

(۳) ملاحظہ ہو تعلیق ذیل بند نمبر ۱۔

۳۸۔ کشاف اصطلاحاتِ فلسفہ (مونادیات، توافقِ مقدر) ڈاکٹر قاضی عبد القادر نیز فلسفے کے بنیادی مسائل باب ۶ پیش ثابت ہم آہنگی کا نظریہ ص ۱۲۹ قاضی قیصر الاسلام نیز روایاتِ فلسفہ ص ۵۶ علی عباس جلالپوری نیز "Iqbal's Doctrine of Egos and the Leibnizian Monads" by Dr. Abdul Khaliq Published in Iqbal Review vol. 36 issue I April 1995 Pages 1-16.

۳۹۔ کلیاتِ اقبال اردو ص ۹۲ نظم ایک پرندہ اور جگنو، بانگِ درا ۴۰۔ ایضاً ص ۱۲۹ نظم بزمِ انجم - بانگِ درا

ریاضِ ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا
حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا ۴۱

موج در بحر است ہم پہلوئے موج　　　　ہست با ہمدم طپیدن خوئے موج
بر فلک کوکب ندیم کوکب است　　　　ماہ تاباں سر بہ زانوئے شب است
ہست در ہر گوشۂ ویرانہ رقص　　　　می کند دیوانہ با دیوانہ رقص ۴۲

علامہ اقبال اس توافق مقدر اور متعینہ ہم آہنگی کو جذبِ باہمی، عشق ۴۳ حسنِ ازل، محبت الفت وغیرہ نام دیتے ہیں۔ اس تناظر میں بانگ درا کی نظموں پر غور کرنے والے اقبال کی 'فطرت پسندی' کے مفروضے اور ان افکار کو 'وجودی' ثابت کرنے والی جمالیات کی غلط فہمی اور کج بحثی سے بخوبی آشنا ہو سکتے ہیں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اسی قوتِ عشق یا جذب باہمی کی قوتِ اتصال کے زور پر کائنات کے بیکراں سمندر میں مظاہرِ فطرت [موناد] کا جمہوری قافلہ ۴۴ جو بظاہر بے درا رواں دواں ہے ایک دوسرے کے وظائفِ حیات کی تکمیل میں معاونت پر بھی جبراً کاربند ہے (۴) اسی لئے مطمئن ہے ۴۵ لیکن انسان کو جس کا موناد زیادہ تر تاثر پذیر نوعیت کا حامل ہے ۴۶ اپنی پریشانی کے ازالے کے لئے سامانِ جمعیت [متصل] خود ہی تلاش کرنا ہے ۴۷ لیکن بدقسمتی سے وہ آج [عہدِ اقبال میں] نہ صرف بے حس بلکہ مزاحم ہے۔ ناکام گول میز کانفرنسوں اور آل پارٹیز کانفرنس کے انتشاری نتائج کی روشنی میں شب کے دیرپا ز[قابو سے باہر ظلمتِ جبر] ۴۸ کا راز اور انہیں منور کرنے کے اسرار معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

شعر نمبر ۸، ۹

صید و صیاد کے لئے آیۂ تسخیر شوکا بند سوم ملاحظہ ہو

اسیرِ رفتہ از یاد : جیسا کہ عہد نامہ عتیق کے مصنف نے لکھا

"۔۔۔۔ چنانچہ اُس نے آدم کو نکال دیا اور باغِ عدن کے مشرق کی طرف کروبیوں کو اور چوگرد گھومنے والی شعلہ زن تلوار کو رکھا کہ وہ زندگی کے درخت کی حفاظت کریں" ۴۹ اور خود برضا و رغبت نعمتوں کے لینے دینے سے دست بردار ہو کر عرش نشین ہو گیا۔ قرآن حکیم نے یہود و نصاریٰ کے ان عقائد [یَدُ اللّٰہِ مَغْلُولَۃٌ" المائدہ ۵:۶۴ اور مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ الانعام ۶: ۹۱ بس ۵ [۱۵] کو مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ (الانعام: ۹۱) سے تعبیر کیا ہے۔ یہ خدا ناشناس آسمانی بادشاہت کے تصورات و عقائد حقیقت الوہیت سے بے خبری کا نتیجہ تھے۔ یا ورثۃ الانبیاء (لاویوں) کی ہوسِ اقتدار و اختیار کا ز...

---

۴۱ کلیات اقبال اردو ص ۱۳۷ بانگ درا حصہ دوم غزلیات　۴۲ کلیات فارسی اقبال ص ۸ اسرار خودی نظم دعا۔
۴۳ فلسفۂ عجم ص ۱۲۶ علامہ اقبال اردو ترجمہ میر حسن الدین　۴۴ شذرات فکر اقبال ص ۱۱۰ جدید سائنس اور جمہوریت نیز تشکیل جدید ص ۴۴ علامہ اقبال　۴۵ نظم گل رنگیں کلیات اقبال اردو ص ۲۲ بانگ درا
۴۶ اقبال نامہ ج ۱ ص ۲۱۶ مکتوب بنام غلام السیدین ۲۱ اردو ۱۹۳۶ء
۴۷ ملاحظہ ہو تعلیق ذیل بند ہذا (۴)
۴۷ کلیات اقبال اردو ص ۲۲، ص ۲۵ نظم گل رنگیں بانگ درا
۴۸ [کلیات اقبال اردو ص ۷۰ نظم تصویر درد، ص ۲۳ نظم سوز و ساز نیز تشکیل جدید ص ۲۳۲ علامہ اقبال]
۴۹ کتاب مقدس عہد نامہ عتیق باب ۳ آیت ۲۴

جو نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاؤُهٗ [المائدہ: ۱۸] کے دعووں میں ڈھلا اور جس نے مامور من اللہ حکمران طالوت کی تقرری کو اَنّٰی یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ [البقرہ: ۲۴۷] کے تاریخی الفاظ میں چیلنج کرایا۔ یہ چیلنج درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اختیارِ نامزدگی کے خلاف تھے جس نام سے بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کے ورثۃ الانبیاء بلا شرکتِ غیرے اختیار و اقتدار کے مزے لوٹتے تھے اسی بطورِ نائبینِ حق اپنے لئے اختیار کا نام انہوں نے حکومتِ الٰہیہ رکھا تھا۔ اسی تصورِ الوہیت کو فلاسفۂ یونان نے 'محرکِ غیر متحرک'، اندھی مشیت، اور ارواحِ آتشیں کے فلسفیانہ قالب بخشے اور بالآخر وہ ۵۰ عرش نشیں بھی محرکِ غیر متحرک بن کر کائنات کے ذرے ذرے میں کھوگیا اور ساتھ ہی اس کی تخلیق کا شاہکار انسان بھی بے اختیار اور لاشے ٹھہرا۔ علامہ اقبال نے بطرزِ استفہام کہا

این جہاں صید است و صیادیم ما یا اسیرِ رفتہ از یادیم ما ؟

یعنی نہیں۔ خودی و خودشناسی کا داعی، پکار پکار کر یقین دلاتا رہا تھا۔

کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل قدرت تری ہم نفس ہے اے دل ۵۱
تسلیم کی خوگر ہے جو چیز ہے دنیا میں انسان کی ہر قوت سرگرمِ تقاضا ہے ۵۲
ہے راکبِ تقدیرِ جہاں تیری رضا دیکھ ۵۳

لیکن صدائے برنخاست، فرزندِ آدم آج بھی تنہا ہے۔ اقبال مرتے دم تک تنہا رہے۔

خوابِ رفتہ جواناں و مردہ دل پیراں نصیبِ سینۂ کس آہِ صبحگاہے نیست
تاہم — بیاں بیانہ بدشتِ طلب زپا منشیں کہ در زمانۂ ما آشنائے راہے نیست
زوقتِ خویش چہ غافل نشستہ ای دریاب زمانہ ئے کہ حسابش زسال و ماہے نیست ۵۴

علامہ اقبال کے فلسفۂ تمدن کی بنیاد "نگہبانیٔ خویش، انجمن آرائی اور بے ہمہ شو باہمہ رو کے اصول پر تھی۔ اس لئے اس کا دکھ جہاں اقوامِ ہند کی خودناشناسی تھا وہاں کسی "اجتماعی قوتِ قائمہ" کی تلاش کی طرف سے غفلت کا رویہ بھی اسے تڑپاتا تھا۔ ۵۵

اقبال کوئی محرم ملتا نہیں جہاں میں معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا
کب زباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے پھونک ڈالا جب چمن کو آتشِ پیکار نے ۵۶

---

۵۰ یہ ہے سامی مذاہب کا "شخصی خدا" جو علی عباس جلالپوری کو فکرِ اقبال میں نظر نہ آیا
۵۱ کلیات اقبال اردو ص ۱۲۹ نظم تنہائی بانگِ درا ۵۲ ایضاً ص ۱۲۹ نظم انسان ۵۳ ایضاً ص ۴۲۲ روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے" ۵۴ کلیات اقبال فارسی ص ۵۲/۲۵۱ پیامِ مشرق غزل ۵۵ کلیات اقبال اردو ص ۱۵۱ ترانۂ ملی
۵۶ کلیاتِ اقبال اردو ص ۴۳ نظم صدائے درد بانگِ درا۔

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست — سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را ٥٧
وقت برہنہ گفتن است من بہ کنایہ گفتہ ام — خود تو بگو کجا برم ہم نفسانِ خام را

در جہاں یارب ندیم من کجاست — نخلِ سینایم کلیم من کجاست
من مثالِ لالۂ صحراستم — درمیانِ محفلے تنہاستم
خواہم از لطف تو یارے ہمدمے — از رموزِ فطرتِ من محرمے ٥٨

ز کارِ بے نظامِ اُو چہ گویم — تو می دانی کہ ملت بے امام است ٥٩

مشکل این نیست کہ بزم از سرِ ہنگامہ گذشت — مشکل این است کہ بے نقل و ندیم اند ہمہ ٦٠

پس بیا کہ دامنِ اقبال را بدست آریم — کہ اُو ز خرقہ فروشانِ خانقاہے نیست ٦١

متعلقاتِ حواشی:

(۳) نظریۂ موقعیت :- [Occasionalism]

وہ فلسفیانہ تصور جو مسلم مفکرین اور مدارس میں جبر و اختیار کے مسئلہ کی تفہیم کے لئے پیش کیا گیا اور یورپی فکر میں ڈیکارٹ کے ذریعے نفوذ کر گیا ٦٢ موقعیت ذہن و جسم کے درمیان رشتے کا ایک نظریہ ہے اس نظریے کی رُو سے ذہن و جسم کے مابین تعامل خدا کی طرف سے واقع ہوتا ہے ۔ ڈیکارٹ کے پیروکار عام طور پر اور ژولنگ خصوصاً ثنویتی فلسفے کو زیادہ خلوص کے ساتھ مانتے ہیں ۔ یہ مفکرین ذہن و جسم کے درمیان تعامل کی کوئی بنیاد نہیں پاتے کیونکہ اگر ذہن و جسم آزاد جوہر ہیں تو وہ ایک دوسرے پر عمل نہیں کر سکتے ۔ لہٰذا ذہن و جسم ایک دوسرے سے ممیز ہیں ۔ ارادہ اجسام کو حرکت نہیں دیتا ۔ ایسا آخر کیسے ہو سکتا ہے؟ اصل بات بیرونی دنیا میں اس قسم کے تغیر کے رونما ہونے کے لئے موقع کی ہے جو خود خدا فراہم کرتا ہے ۔ اسی طرح طبیعی واقعات بھی ہم میں تصور کو جنم نہیں دے سکتے بلکہ طبیعی واقعات ہم میں اُن تصورات کو جنم دینے کے لئے خدا کی طرف سے موقعیتی علل ہیں ۔ اس نظریے کو موقعیت کہا گیا [Thilly P. 288] ٦٣

قاضی قیصر الاسلام کے تجزیے کے مطابق موقعیت نے اگرچہ ڈیکارٹ کی ثنویت کے تضادات کو بے نقاب کر کے اسپنوزا کی مطلق وحدیت [Absolute Monism] کے لئے راہ ہموار کی لیکن خدا کی موقعیتی دخل اندازی کے بارے میں اُن کا دعویٰ دینیاتی اعتبار سے بھی قابلِ قبول نہیں ہے ۔ خدا کو ذہنی اور عضویاتی سلسلوں کے عمل کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کا عامل تصور کرنا خدا اور انسان کے درمیان رشتے کو غلط انداز میں سمجھنا ہے ۔ خدا کا اس قسم کا تصور اسے "مشین میں بھوت" کی سطح پر لا گراتا ہے ۔ موقعیتی

---

٥٧ کلیات اقبال فارسی ص ٤٩٩ غزل ٥٢ زبور عجم ٥٨ ایضاً ص ٢٢٠، ٢٨٠ دعا - اسرار و رموز ٥٩ ایضاً ص ٩١٢ ارمغان حجاز
٦٠ ایضاً ص ٤٦٧ غزل زندہ رود جاوید نامہ ٦١ ایضاً ص ٣٥١ پیام مشرق ۔ ٦٢ کشاف اصطلاحات فلسفہ ص ٣٠٩
٦٣ فلسفے کے بنیادی مسائل ص ١٧٦ قاضی قیصر الاسلام

فلسفہ جو بیولوجیاتی تحقیق کے سامنے بھی نہیں ٹھہر سکتا اس لئے کہ اس کی رو سے مادہ جامد ہونے کے بجائے قوت کا متحرک مرکز ہے [64]

علامہ اقبال کے نزدیک "تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات" [65] اور زندگی فقط ذوقِ پرواز کا نام ہے اس لئے کہ وہ نہ صرف انسان کی جواب دہی پر ایمان رکھتا ہے اور زندگی کی اس لایعنیت (Absurdity) کا حامی نہیں ہے بلکہ اس لئے بھی کہ علامہ کے نزدیک بقائے دوام انسان کا حق نہیں اس کا حصول مسلسل جدوجہد میں مضمر ہے۔ خودی کے استحکام کی صورت میں موت بھی بقائے دوام کی ایک راہ رہ جاتی ہے [66]

لہٰذا علامہ اقبال کے نزدیک "زندگی کی خصوصیت تشخص و تفرد ہے۔ ہمہ گیر زندگی کسی حیثیت کی حامل نہیں خدا بھی ایک فرد ہے اگرچہ وہ یکتا و بے مثال ہے۔ میک ٹیگرٹ کہتا ہے کہ کائنات افراد کے مجموعے سے عبارت ہے لیکن اس مجموعہ میں ربط و تطابق پایا جاتا ہے۔ کائنات بذاتہٖ حتمی اور مکمل نہیں بلکہ وہ جبلّی اور شعوری مساعی کا ثمر ہے۔ ہمارا قدم بتدریج انتشار سے ارتباط کی جانب اٹھ رہا ہے۔ باہم میں سے ہر ہر فرد اس تدریجی تکمیل کے عمل میں معاون ہوتا رہتا ہے۔ افرادِ کائنات کی تعداد کا کوئی تعین نہیں ہر آن نئے نئے افراد کا اضافہ ہو رہا ہے جو وجود پاتے ہی تکمیلِ کائنات کے عمل میں معاونت کا فرض انجام دینے لگتے ہیں۔ عملِ تخلیق ایک فعلِ جاریہ ہے اور انسان اس عمل میں شریک ہے وہ جس حد تک کائنات کے غیر مربوط حصے میں ربط و تنظیم پیدا کرتا ہے اسی قدر انسان کو اس [?] تخلیقی عمل میں معاون قرار دیا جا سکتا ہے [67]"

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکوں [68]

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر [69]

مطلب یہ کہ
ناچیز جہانِ مہ و پرویں ترے آگے
وہ عالمِ مجبور ہے تو عالمِ آزاد [70]

(۴)

کائناتِ فطرت کی تخلیق بے مقصد نہیں ہوئی۔ خلق و امر کے مالک جل جلالہٗ نے اپنے ارادہ سے مظاہرِ فطرت کو نیست سے ہست کیا اور تخلیق و تسویہ ہی کے مرحلے میں تقدیر (مقصدِ تخلیق کے تکوینی احکام) اشیاء کی فطرت کا جزو بنایا اور ساتھ ہی ساتھ اُس تقدیر یا امرِ تکوینی پر عمل کا طریقہ بھی سکھا دیا۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی [70]۔ جونہی یہ افرادِ فطرت وجود میں آئے (اور آتے رہیں گے کہ عملِ تخلیق ایک عملِ جاریہ ہے) بلا چون و چرا اپنے مقصدِ زندگی (تقدیر یا احکامِ تکوینی) پر عمل پیرا ہو گئے کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ [71] کسی کو مجالِ انکار نہیں کَلَّا لَمَّا یَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗ [72] یہ ربوبیت کا رحمانی پہلو ہے

---

[64] فلسفے کے بنیادی مسائل ص ۱۷۹ [65] کلیات اقبال اردو ص ۴۱۸ ساقی نامہ بال جبریل [66] تشکیل جدید ص [?] ۱۸۱/۱۸۰

[67] فلسفے کے بنیادی مسائل ص ۵۲۹-۵۳۰۔ میک ٹیگرٹ کے فلسفۂ تعددِ ارواح کے لئے روایاتِ فلسفہ ص ۱۵۸/۱۵۹ علی عباس جلالپوری

[68] کلیات اقبال اردو ص ۳۲۰ بال جبریل [69] کلیات اقبال اردو ص ۳۵۱ بال جبریل [70] ایضاً ص ۵۲۴ نظم اسرارِ پیدا ضربِ کلیم

[71] بنی اسرائیل: ۸۴ [72] عبس: ۲۳

جو تمام عالموں [جمادات، نباتات، حیوانات، بشمول انسان اور جن و ملک) کے لئے عام ہے۔ ربوبیت کا رحیمی پہلو البتہ آدم و اولادِ آدم کے لئے خاص ہے [۳] اگرچہ آدمی رحمانی پہلو کے حوالے سے تمام مظاہر کائنات کے ساتھ شریک ہے لیکن رحیمی پہلو کے لحاظ سے بالکل منفرد، جدا اور لاشریک۔ یہ رحیمیٔ احکامِ دین و شریعت میں ظہور پاتی ہے۔ یہ اس حوالے سے رحیمی ہے کہ ایک تو یہ انسان کے اختیار و ارادے پر موقوف ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا [الدّھر: ۳] دوسرے اس حوالے سے کہ یہ انسان کو احکامِ تکوینی کے مظاہر، طبعی تقاضوں اور خواہشاتِ نفس پر بھی اختیار سے نوازتے ہیں۔ لہذا یہ ایک بہت بڑی آزمائش اور امتحان بھی ہے یہی تو وہ امانت ہے جسے اٹھانے پر انسان کو خود خالق نے ظلوم و جہول کہہ کر یاد کیا ہے۔ فطری تقاضوں (مادی تقدیر) کا اسیر ہوتے ہوئے انسان ان احکامِ شرع کو عمل میں مشہود کرنے پر مامور ہے۔ اور یہی وہ رحمۃ اللعالمینی ہے جو انسان کو نہ صرف اپنی بلکہ اپنے گرد و پیش کی تقدیر کو بارادہ و اختیار متشکل کرنے کا حق دیتی ہے۔ جو ان احکامات سے روگردانی کرتا ہے چاہے وہ اپنے لئے کوئی بھی دستورِ زندگی بنا لے وہ اسی پر جبر ہوگا کہ اس کی علت اس کے فطری تقاضے ہی ہوں گے معلول اپنی علت ہی کے زیرِ اثر رہتا ہے طبعی تقاضے امورِ تکوینی ہیں یعنی جبری اسلام تو جبر سے جبر ہی جنم لیتا ہے۔ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ [۴] ترجمہ: کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دستورِ زندگی تلاش کر رہے ہیں؟ [وہ نہیں جانتے کہ] آسمانوں اور زمین کی ہر شے چار و ناچار اسی [اللہ] کی مطیع و فرمانبردار ہے؟ اور [جو اللہ کے دین کو نہیں مانتے وہ بھی] اسی چار و ناچار بندگی کی طرف لوٹتے ہیں —— یعنی اسیرِ جبر رہنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ الدین کے احکام نہ صرف یہ کہ "خود اقدامی اور خود تشکیلی" کی بدولت اختیاری ہیں بلکہ فطری تقاضوں کے جبر سے بھی آزادی بخشتے ہیں (شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یونس) عقل و نقل فطری تقاضوں کی تکمیل میں احکامِ الٰہی کا لحاظ کرنے کی وجہ سے آزاد ہو جاتی ہے۔ دو میں سے ایک (رشد اور خیر) کا چناؤ اور اختیار ہی تو دینی ہدایت ہے۔ الدین، نیکی اور برائی کو الگ کرکے، کفایتِ فکر و انتخاب اور سہولتِ عمل کا ذریعہ بنتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا [۵] پس جہاں ہائیڈروجن جنم جنم سے جلنے پر اور آکسیجن جلنے میں مدد دینے پر (انفرادی زندگی میں) مجبور ہیں وہاں وہ دونوں ایک اور تقدیرِ اجتماعی کے تحت آپس میں مل کر پانی بنانے پر بھی مجبور ہیں جو بجھانے کے کام آتا ہے۔ پانی کا چلنا اور پانی کا

---

[۳] الحمد للہ رب العالمین ○ الرحمٰن الرحیم، سورۂ فاتحہ میں ربوبیت کے دو پہلو رحمانیت اور رحیمیت کا ذکر ہی "الحمد للہ" کا جواز فراہم کرتا ہے۔ [۴] آل عمران: ۸۳

[۵] البقرہ: ۲۵۶

پُرسکون ہو کر ٹھہر جانا دونوں قطراتِ آب کی اجتماعی تقدیر "سطح ہموار رکھنا" کے تابع ہیں۔ سطح ہموار نہ ہو تو پانی شور و فغاں کرتا ہر شے کو بہاتا ہر شے سے ٹکراتا ہوا چلتا ہے، یہ اُچھل کود، یہ دوڑ دھوپ یہ طغیانی 'پانی کی فطری آزادی' ہے کیونکہ پانی ایسا کرنے پر فطری طور پر مجبور ہے لیکن جب سطح ہموار ہو جاتی ہے تو پانی پُرسکون ہو جاتا ہے۔ یعنی 'سکینہ' کا حصول اپنی اجتماعی تقدیر کے حصول ہی سے وابستہ ہے۔

"وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ"[۷۶] کی رُو سے انسانی فطری آزادی اُس کی تقدیر [احکامِ دینی] کو بارادہ و اختیار، پانی کی طرح، جزوِ فطرت بنانے سے مشروط ہے۔ پانی کی جزوِ فطرت تقدیر ہی نے اسے حرکت و عمل سے نوازا، پس

در اطاعت کوش اے غفلت شعار — می شود از جبر پیدا اختیار[۷۷]

اسی جبر و اختیار سے وہ دولتِ سکینہ وہ حیاتِ اجتماعی ہاتھ آتی ہے جسے جنت کہتے ہیں ورنہ سطح کی ہمواری سے محروم پانی کی موج کی طرح ہمیشہ مصروفِ شیون و مشغولِ فغاں طغیاں۔

دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے — موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں[۷۸]

تمام مظاہرِ فطرت چونکہ "موجود" ہیں اس لئے اپنی اپنی تقدیر کے ساتھ زندہ ہیں لیکن یہ زندگی خوابیدہ ہے جامد ہے۔ اَلآنَ کَمَا کَانَ کا مظہر ابھی تک ویسی جیسی تھی، دیرینہ روزی کے نشان سے مبرا، عہدِ کہن اُن کی عمرِ رفتہ کی اک آن ہے[۷۹]۔ یہ بھی اللہ کی شانوں سے ایک شان ہے لیکن اللہ کی وہ شان جس کا بیان "کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" [۸۰] میں ہوا۔ اُس کا مظہر صرف اور صرف تقدیرِ انسانی ہے۔ اس لئے کہ انسان صاحبِ ارادہ و اختیار، باشعور ہستی ہے۔ اسی لئے تو اس کی پریشانی ہی اُس کی جمعیت کا سامان ہے کہ یہ پریشانی اُس کے توسنِ ادراک کو حرکت میں لاتی ہے۔ علامہ اقبال نے اس "عالمِ پریشانی" کو[۸۱] مومن اس لئے "روزِ بے سوز" سے تعبیر کیا کہ گلشن کی جمعیت پریشان ہے لیکن کارواں بے حس[۸۲] اگلے بند میں اسی طرزِ انداز کو اپنائے ہوئے اطالوی شاعر دانتے بھی "دشتِ تاریک" کا ذکر کرتے ہوئے غم و الم میں ڈوب جاتا ہے کہ راستی کا راستہ گم ہو چکا ہے، اور انسان خواہشات کے درندہ صفت جانوروں کے درمیان محرومیِ احساس کے تاریک جنگل میں حیران و پریشان ہے[۸۳]

---

۷۶ القمر: ۵۰ — ۷۷ کلیات اقبال فارسی ص ۲۱ اسرارِ خودی

۷۸ کلیات اقبال اردو ص ۱۸۷ بانگِ درا نظم شمع و شاعر — ۷۹ ایضاً ص ۲۲ بانگِ درا مطالب نظم ہمالہ — ۸۰ الرحمٰن:

۸۱ ایضاً ص [illegible] بانگِ درا مطالب نظم گلِ رنگیں — ۸۲ ایضاً ص ۱۸۶ بانگِ درا نظم شمع و شاعر

۸۳ — Great Books of the western world vol 21 Dante Page-1 Canto I

"اقبال کے ہاں یہ کیفیت جسے ذوق و شوق یا شوریدگی کہنا چاہیئے
اُس شعور کی آئینہ دار ہے جب انسان اس دنیائے لامحدود
کے سامنے اپنی ناتوانی کا احساس کرتا ہے۔ اُس جزوِ ضعیف
کا احساس جو خود کو کائنات کی چاردیواری میں گھرا ہُوا پا کر اس
کے سوا کسی اور بات سے مطمئن نہیں ہوتا کہ وہ اس کے ہر
جزو و کل پر قدرت حاصل کرے۔ وہ آسمانی سفر پر اس لئے
روانہ ہوتا ہے کہ تمام افلاک کو پاش پاش کر دے"۔۔۔
۔۔۔ اس طرح اقبال کو جو جذبہ متحرک کرتا ہے وہ جذبہ
استیلا ہے اضطرار نہیں" ۸۴ء

"اب مناجاتی التجائیں ہیں کہ اس جہانِ چارسُو کی بجائے جس کا وجود ایک دوسرے سیارہ کے وجود کا محتاج ہے وہ جہان عطا کر جس پر رفت و بود کا اطلاق نہ ہو" ۸۵ء

۸۴ء دانتے اور اقبال - السینڈرو بوسانی The Sword and Sceptor
صفحات ۳۲۸/۳۲۷ اردو ترجمہ ماہِ نو صد سالہ نمبر ج ۱۲ ص ۸۰۲/۸۰۳

۸۵ء جاوید نامہ - چودھری محمد حسین مشمولہ نقد اقبال حیاتِ اقبال میں ص ۷۵۲

دیدہ ام روزِ جہانِ چار سُو — آنکہ نُورش بر فروزد کاخ و کو
از رمِ سیارۂ اُو را وجود — نیست اِلّا این کہ گوئی رفت و بُود
اے خوش آن روزے کہ از ایام نیست — صُبحِ اُو را نیمروز و شام نیست
روشن از نورش اگر گردد رواں — صوت را چون رنگ دیدن می تواں
غیب ہا از تابِ اُو گردد حضور — نوبتِ اُو لایزال و بے مرور
اے خدا روزی کُن آن روزے مرا
وا رِہاں زین روزِ بے سوزے مرا

حواشی و تعلیقات

شعر نمبر ۱۰ تا ۱۵ جبر و اختیار کے مسئلے کا تصورِ زماں سے گہرا تعلق ہے۔ انسانی مقدر کی تکمیل زمانے میں ہوتی ہے جس کی خصوصیت بظاہر تغیر ہے۔ یعنی زمانہ نتیجہ ہے ان تغیرات کا جو حرکت و عمل سے حقیقت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔[۸۶]

بگوشم مِی رسید از دل سرودے — کہ جُوئے روزگار از چشمہ سارم
ازل تاب و تبِ پیشینۂ من — ابد از ذوق و شوقِ انتظارم[۸۷]

علامہ اقبال کے تصورِ زماں کا تقدیر سے اس قدر گہرا تعلق ہے کہ بعض اوقات زمانہ اور تقدیر ہم معنی ہو جاتے ہیں وہ لکھتے ہیں "... اقوامِ مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیئے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔ فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ[۸۸] کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں

۸۶۔ روحِ اقبال ص ۲۲۳ خلاصہ و اختصار۔ یوسف حسین خان — ۸۷۔ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۲۳۱ زبورِ عجم
تقدیر اور زمانہ کا زندگی سے تعلق اور دیگر متعلقات کے حوالہ جات کے لئے ملاحظہ ہو تلمیحاتِ اقبال مرتبہ یونس حسرت
۸۸۔ الرعد: ۱۱

پر حاوی ہے اور میں نے اپنی فارسی تصانیف میں اسی صداقت کو مدِ نظر رکھنے کی کوشش کی ہے"[89]

لیکن بدقسمتی سے جہانِ اقبال بے حسی کا شکار ہے، تن بہ تقدیر، مادی عناصر کی طرح زمانے کے بہاؤ کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ نفسی کیفیات جامد، افکار جامد، فکری انقلاب سے محروم یہی وہ "روزبے سوز" ہے جو اپنا وجود کسی اور سیارے کے رم (غروب و طلوعِ آفتاب) سے وابستہ کئے ہوئے ہے۔ اس روزبے سوز سے علامہ اقبال رہائی چاہتے ہیں اور بقول ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم " اس زمانِ خالص یا کائناتی وقت سے بہرہ مند ہونے کے آرزومند نظر آتے ہیں جو اس نظامِ شمسی کے تابع نہیں ۹۰ یہ وقت جسے میسر آجائے وہ آواز و صدا کو ایسے ہی دیکھ سکتا ہے جیسے رنگ کو ۔۔۔ یہی ہے ابنزال دہر بے مرورِ وقت جو یخرجکم من الظلمات الی النور (الحدید، ۹) کا مصداق ہے۔

مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو الوقت السیف ، کلیات اقبال فارسی ص۷۱ تا ص۷۵ (مثنوی اسرار خودی) اور جاوید نامہ کے آئندہ صورتی نیز تقدیر امم اور اقبال ص۱۷۱ تا ص۱۸۰ ڈاکٹر محمد ریاض ، متعلقات خطباتِ اقبال ص۱۶۲ تا ص۲۱۲ مرتبہ ڈاکٹر سید عبد اللہ۔

(۵)

__غیب و حضور__: غیب وہ امرِ خفی جس کا ادراک حس نہیں کر سکتی ، صوفیا کے ہاں غیب وہ عالم ہے جو بغیر مدت اور مادہ کے پایا جاتا ہے[91] غیب : فلسفہ کا یہ مسئلہ کہ خدائے تعالیٰ غائب ہے یا اس کی تجلی ہر ذرے میں نظر آتی ہے فلسفی ان (غیب و شہود) کا فیصلہ نہیں کر سکے[92] قلب یا روح کے دو رخ ایک بہ طرف ملکی اور دوسرا بہ طرف بہیمی[93]

غیبت اور حضور (رویت) صوفیا کے مخصوص الفاظ میں سے ہے۔ غیبت یہ ہے کہ دل مخلوق کے حالات سے بے خبر ہو کیونکہ اس کا حاسہ اس کیفیت کے ساتھ مشغول ہے جو اس پر وارد ہوئی ہے پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی ذات اور دیگر امور کے احساس سے غافل ہو جاتا ہے اور اس کا سبب بھی وہ کیفیت ہوتی ہے جو اس پر وارد ہوتی ہے مثلاً ثواب کو یاد رکھنا اور عذاب کے متعلق سوچنا۔ کبھی صوفی حق کے حضور میں ہوتا ہے کیونکہ جب مخلوق سے غائب ہوتا ہے تو حق کے حضور میں ہوتا ہے اس طرح کہ گویا وہ حاضر ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ کا ذکر اس کے دل پر غالب ہوتا ہے چنانچہ جس قدر وہ مخلوق سے غائب ہوتا ہے اسی قدر وہ حق کے آگے حاضر رہتا ہے ۔۔۔۔۔۔ پھر اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اللہ کے حضور میں رہتے ہوئے اس کو اپنے مرتبے کے مطابق ان معانی کا مکاشفہ ہوتا ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اسے مخصوص کرتا ہے ۔۔۔ کبھی لفظ حضور صوفی کے

---

[89] دیباچہ پیام مشرق کلیات اقبال فارسی ص۱۸۲ [90] جاوید نامہ تحقیق و توضیح ص۶۰
[91] کشاف اصطلاحات الفنون ج ۲ [92] فرہنگ اقبال حضرت نسیم امروہوی
[93] انسان کامل ص۲۵۸ حضرت عبد الکریم الجیلی (اردو ترجمہ)

اپنے حواس میں لوٹ آنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جب بندہ
اپنے ذاتی احوال کے ساتھ اپنے احساس اور مخلوق کے حالات کی
طرف لوٹتا ہے تو کہا جاتا ہے وہ حاضر ہوا "ع۹۴

صوفیوں کی اصطلاح میں حضور کے معنی دل کا اللہ سے اس طرح لگا ہونا کہ اس کے جو احکام غیبی ہیں وہ احکام عینی بن جائیں یعنی صوفیوں کو یوں معلوم ہو کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کو آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے۔ صوفیوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور یہ ہے کہ صوفی اپنے آپ کو فراموش کر دے۔ سید عابد علی عابد کے نزدیک،
علامہ کے ہاں حضور سے مراد تجلیات خداوندی کا مشاہدہ ہے اور یہ صوفیاء کی اصطلاح سے کچھ دور نہیں ع۹۵ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں
تاریخ تصوف ص۲۹۵ تا ص۲۹۷ پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ کشف المحجوب ص۳۴۹ حضرت ہجویری
عوارف المعارف ج ۲ ص۲۶۹ ۔ شرح التعرف لمذہب التصوف ج ۲ ص۵۶

علامہ اقبال کے نزدیک فطرت "حضور" ہے اور خودی کی پوشیدہ صلاحیتیں "غیب" جو ظہور میں آ کر حضور بن جاتی ہیں۔ فطرت اور انسان کا تعلق اسی مسلسل عمل سے عبارت ہے

زندگی از لذتِ غیب و حضور بست نقشِ این جہانِ نزد و دور ع۹۶

زیرِ نظر اشعار میں علامہ کی مراد حالاتِ حاضرہ کی کنہ سے آگاہی اور مستقبل بینی ہے جو خودی کی پوشیدہ صلاحیتوں [تمنا یا تفہیم] کے اظہار ہی سے ممکن ہے اور عصرِ اقبال کی حالت کچھ یوں ہے

بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن تقدیر کو روتا ہے مسلماں تہِ محراب ع۹۷

جب کہ روحِ عصر پکار پکار کے صاف چلا رہی ہے

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر ع۹۸

یہی وہ مقصدِ حقیقی تھا جس کے لئے علامہ ہمیشہ دست بدعا رہے۔

یارب درونِ سینہ دلِ باخبر بدہ در بادہ نشہ را نگرم آن نظر بدہ
رفتم کہ طائرانِ حرم را کنم شکار تیرے کہ نافگندہ فتد کارگر بدہ ع۹۹

زمان را در ضمیرِ خود ندیدم مہ و سال و شب و روز آفریدم
مہ و سالت نمی ارزد بیک جو بحرفِ کم نشستم غوطہ زن شو
بخود رس از سرِ ہنگامہ برخیز تو خود را در ضمیرِ خود فرو ریز ع۱۰۰

ع۹۴ رسالہ قشیریہ ص۱۲۵ تا ص۱۲۸ خود ع۹۵ تلمیحات اقبال ص۲۵۵ سید عابد علی عابد
ع۹۶ روحِ اقبال ص۳۲۸ یوسف حسین خان ع۹۷ کلیات اقبال اردو ص۵۷۱ علامہ اقبال ضربِ کلیم ع۹۸ ایضاً ص۳۹۶ (زبورِ عجم)
ع۹۹ ایضاً، زبورِ عجم ع۱۰۰ ایضاً ص۵۷۷ گلشنِ رازِ جدید



۱۶- آیۂ تسخیر اندر شانِ کیست؟ — این سپہر نیلگوں حیرانِ کیست؟

۱۷- رازدانِ عَلّمَ الاَسماء کہ بُود؟ — مستِ آن ساقی و آن صہبا کہ بود؟

۱۸- برگزیدی از ہمہ عالم کرا؟ — کردی از رازِ درون محرم کرا؟

۱۹- اے ترا تیرے کہ مارا سینہ سُفت — حرفِ اُدعونی کہ گفت و با کہ گفت؟

۲۰- رُوئے تو ایمانِ من قرآنِ من — جلوہ داری دریغ از جانِ من؟

۲۱- از زیانِ صد شعاعِ آفتاب
کم نمی گردد متاعِ آفتاب

حواشی و تعلیقات

شعر نمبر ۱۶ - ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اس بند کو تجلیاتِ ذات کی تمنا بتایا ہے ع۱۰۱ یہ نزدیک روزِ بے سوز، کے بدلے حیاتِ لایزال اور ساعتِ بے مرور کی طلب وحصول کی اہلیت کا اظہار بھی ہے ع۱۰۲ اور خود گر محمد کا وہ تھوڑا سا گلہ بھی جو علامہ اقبال کا رنگِ خاص ہے۔ مثلاً لینن کی زبانی "خدا کے حضور میں" فریاد

ع وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود؟ [کلیاتِ اقبال اردو ص ۲۹۸] تفصیل مزید ع۲۲ کے تحت اگلے بند میں۔

آیۂ تسخیر ع۱۰۳ ــــ قرآن مجید میں کم از کم گیارہ مقامات پر زمین و آسمان اور مافیہا کے انسانی تصرف میں دیئے جانے کا ذکر ہوا ہے تاکہ وہ انسان جس کی تخلیق اعلانِ ازل [اِنّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَۃ ع۱۰۴: میں زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں] کے مطابق ہوئی ہے کائنات کی قوتوں کو اپنے تصرف میں لا کر اپنی خداداد تخلیقی فعلیت کو بروئے کار لائے اور مظاہرِ فطرت کے خوف سے آزاد ہو۔

"انسان کی کائنات و مافیہا کے ساتھ جو نسبت ہے اس کو واضح کرنے کے لئے اس سے اعلیٰ تعبیر ممکن ہی نہیں قرآن مجید کی ان

ع۱۰۱ جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ص ۶۵ — ع۱۰۲ شرح جاوید نامہ ص ۲۱۱ پروفیسر سلیم چشتی

ع۱۰۳ الرعد: آیت ۲ ــ ابراہیم: ۳۳ ــ النحل: ۱۲ ــ الحج: ۳۶، ۳۷، ۶۵
العنکبوت: ۶۱ ــ لقمان: ۲۹ ــ فاطر: ۱۳ ــ الزمر: ۵ ــ الزخرف: ۱۳
الجاثیہ: ۱۳ — ع۱۰۴ البقرہ: ۳۰

مراحلوں سے پیش تر ـــــــ تمام مذاہب و اقوام کا تصور انسان کے متعلق نہایت ناقص تھا ع۱۰۵ لیکن قرآن مجید نے انسان کے لئے تسخیر کائنات کا اعلان کر کے نہ صرف اُس کی عظمت کا اعلان فرمایا بلکہ انسانی عقل کے لئے ایک بلند ترین نصب العین بھی متعین کر دیا۔ ع۱۰۶
اسی میں تمام کائنات کی قوتوں کا اور ان پر تصرف کا مفہوم مضمر ہے؟
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ع۱۰۷

علامہ عنایت اللہ خان المشرقی نے اس تصرف و تسخیر کو اہلیت سے مشروط کیا ہے " بشرطیکہ تم اس کے اہل بنو" ع۱۰۸ گویا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ع۱۰۹ میں مذکور تمکن فی الارض کی شرط کو ایمان کے ساتھ ساتھ کائناتی قوتوں اور نعمتوں کے تصرف سے بھی جوڑ دیا ہے۔ جبکہ علامہ اقبال نے اس اہلیت کو تعمیر خودی کی جامع معنویت دی۔ ع تعمیر خودی کر اثر آہِ رسا دیکھ،
اُن کے نزدیک آدم کا یہی اختصاص تو روحِ ارضی اور چشمِ فلک کے لئے حیرت کا باعث تھا اور ہے۔

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں ‫ ‫ یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں ‫ ‫ تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ ع۱۱۰

شعر نمبر ۱۷ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ع۱۱۱ اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام [اشیاء] کے نام سکھائے اور پھر سب [اشیاء] کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ ـــــ انسان کے اندر حقائق اشیاء اور بقول بعض اسمائے صفاتِ الٰہیہ کی تفہیم کی کامل استعداد رکھ کر فرشتوں پر آدم کی برتری ثابت کی بقول شیخ الحدیث مولانا صبغۃ اللہ بختیاری شارح اول جاوید نامہ اقبال،

" تعلیم اسماء سے مراد کائناتِ مادی کے وہ تمام حقائق ہیں جن کو دریافت کرنے کی صلاحیت و استعداد اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی تھی ، ادراک، عقل، احساسات ، دنیا کی مفید و مضر چیزوں کی خاصیتیں انسانی زندگی کے وہ تمام لوازم جو انسان اپنی زندگی کے ارتقا کے ساتھ ساتھ فراہم کرتا جائے گا سب اس میں داخل ہیں" ع۱۱۲

ع۱۰۵ خشک؛ یہودیوں کے ہاں انسان پیدائشی گنہگار اور اللہ کا نافرمان تھا جس نے انسان کو یاسیت اور قنوطیت کے حوالے کر دینے کے ساتھ بزدل بنا دیا کہ وہ مظاہر فطرت کے سامنے جھک کر تسکین قلب تلاش کرتا تھا۔ ع۱۰۶ قرآنی تصور انسان کے لئے شرح جاوید نامہ مولانا بختیاری ص ۹/۸ ملاحظہ ہوں
ع۱۰۷ الجاثیہ: ۱۳ ع۱۰۸ تذکرہ، علامہ عنایت اللہ خان المشرقی ص ۸۰ ع۱۰۹ آل عمران: ۱۳۹
ع۱۱۰ کلیات اقبال اردو ص ۲۲۴ (بال جبریل: روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے) ع۱۱۱ البقرہ: ۳۱
ع۱۱۲ شرح جاوید نامہ۔ مولانا بختیاری ص ۱۱۔

شعر نمبر ۱۸ بظاہر یہ اشارہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ ع۱۱۳ کی طرف ہے، لیکن اس سے مراد اُمتِ محمدیہ بھی ہو سکتی ہے کہ خیرِ امت سے ملقب ہوئی۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ع۱۱۴ ترجمہ: تم بہتر ہو اُن سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں (کیونکہ) تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی آخری بات یعنی ایمان باللہ اور دعوت الی الحق وہ "رازِ درون" ہے جو دنیا میں بھی اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کی ضمانت ہے اور آخرت میں بھی۔

شعر نمبر ۱۹ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ع۱۱۵ ترجمہ: اور تمہارے رب کا فرمان ہے: مجھے پکارو میں تمہیں جواب دوں گا۔ تمہاری پکاریں سنوں گا۔ دعائیں التجائیں قبول کروں گا۔

حضرت علامہ نے نذیر نیازی سے باتیں کرتے ہوئے یہ نکتہ یوں بیان فرمایا ۱۱۶

"وہ جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے وہ ہم سے اور ہماری دنیا سے بے تعلق تو نہیں ہم جو کچھ کہتے ہیں اسی سے کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے مجھی سے دعا کرو میں تمہاری دعا سنتا اور اسی کا جواب دیتا ہوں۔ زندگی کیا ہے ایک مسلسل دعا" ع۱۱۷

شعر نمبر ۲۰

وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے
دل ہے خرد ہے روحِ رواں ہے شعور ہے
اے آفتاب ہم کو ضیائے شعور دے
چشمِ خرد کو اپنی تجلی سے نور دے ع۱۱۸

نیز مثنوی "پس چہ باید کرد" کی نظم "خطاب بہ مہرِ عالم تاب" ع۱۱۹

تیرہ خاکم را سراپا نور کن
در تجلی ہائے خود مستور کن۔

ملاحظہ ہو تاکہ "بانگِ درا" کی نظم "آفتاب" کے درج بالا شعروں سے متعلق ذہنی ارتقاء کے افسانہ طرازوں کی تجزیاتی کمزوری اور غلط فہمی کی وضاحت بھی ہو سکے۔

شعر نمبر ۲۱

تو می دانی حیاتِ جاوداں چیست
نمی دانی کہ مرگِ ناگہاں چیست
ز اوقاتِ تو یکدم کم نگردد
اگر من جاوداں باشم زیاں چیست ع۱۲۰

مزید تفصیل شعر نمبر ۲۹ تا شعر نمبر ۵۲ کے ذیل میں —

ع۱۱۳ بنی اسرائیل: ۷۰ ع۱۱۴ آل عمران: ۱۱۰ ع۱۱۵ رسالہ قشیریہ میں ابن عطا {ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل بن عطا: الآدمی متوفی ۳۰۹ھ جنید بغدادیؒ کے ہم عصر تھے۔ تفصیلی حالات کے لیے ذکر ابرار ۱۸۸، طبقات الصوفیہ ص۲۶۵۔ شرح تعرف ج۱ ص۱۰۳، النفحات الانس ص۱۴۱ اور رسالہ قشیریہ ص۲۶ ملاحظہ ہو} نے علم الاسماء کی شرح یوں کی ہے "جب [اللہ نے] حروف کو پیدا کیا تو انہیں راز ہی رکھا جب آدم کو پیدا کیا تو یہ راز اس میں رکھ دیا۔ اس راز کا علم کسی فرشتے کو نہ تھا" (رسالہ قشیریہ ص۲۷)

ع۱۱۶ مزید تفصیل آگے "اقبال قریب سے" کے تحت۔ ع۱۱۷ اقبال کے حضور میں ص۳۶۱ ع۱۱۸ کلیات اقبال اردو بانگ درا ص۲۳ ع۱۱۹ کلیات اقبال فارسی ص۸۰۶۔ ع۱۲۰ ایضاً ص۹۰۰ ارمغان حجاز رباعی ع۱۰



۲۲ — عصرِ حاضر را خرد زنجیرِ پاست — جانِ بے تابے کہ من دارم کجاست؟
عمرہا بر خویش می پیچد وجود — تا یکے بے تاب جاں آید فرود
گر تو بخشی این زمینِ شورہ زار — نیست تخمِ آرزو را سازگار
از درونِ این گِلِ بے حاصلے — بس غنیمت داں اگر روید دلے
تو مَہے اندر شبستانم گذر! — یک زماں بے نوریِ جانم نگر
شعلہ را پرہیز از خاشاک چیست؟
برق را از برفتادن باک چیست؟

حواشی و تعلیقات :

شعر نمبر ۲۲ چونکہ عقل خود بھی زمان و مکاں کی اسیر اور علت و معلول کے چکر میں گرفتار ہے کیونکہ اس کا فروغ اُس قیاس سے ہے جو حواس کی تقدیر سے ہے -

فروغِ دانشِ ما از قیاس است — قیاسِ ما ز تقدیرِ حواس است
چو حِس دیگر شد آن عالم دگر شد — سکون و سیر و بیش و کم دگر شد [۱۲۱]

اس ذیل میں نمونۃً نظم "عقل و دل" بانگِ درا ص ۲۲ دیکھنے کی ضرورت ہے دل، عقل سے کہتا ہے

ہے تجھے واسطہ مظاہر سے — اور باطن سے آشنا ہوں میں
تو زمان و مکاں سے رشتہ بپا — طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں

چنانچہ عقل پرست ابھی روز و شب کے اسیر، وقت کی رو کے ساتھ بہنے والے اور سارتر کے ناول ناسیا [Nausea] ۱۹۳۸ء کے ہیرو "روکوئنٹن" کی طرح ٹوٹا ٹوٹا زندگی کا بوجھ اٹھائے بے مقصد جی رہے ہیں - وہ بقول کیریکے گارڈ "زندہ لاشے" ہیں (۵) علامہ اقبال انہیں "پا بہ زنجیرِ خرد" لکھتے ہیں، اس لئے کیران لوگوں کی غیر مصدقہ زندگی [in-authentic existence] جو اصل شاخسانہ ہے اس خشک عقلیت کا جس نے خدا کو ماورائے زمان و مکاں دیکھا اور اُس کے عالمِ جزئیات ...

---

[۱۲۱] کلیاتِ اقبال فارسی ص ۵۶۲ گلشنِ راز جدید سوال نمبر ۸ -

ہونے سے انکار کر دیا مثلاً ارسطو کانٹ وغیرہ ، کیونکہ جزئیات (Particulars) زمانی و مکانی ہیں اور خدا ورائے زمان و مکان ہے ، کبھی کبھی (مثلاً الیاطی فلاسفہ پارمی نائیڈلیس ، زینو ، اٹھارہویں صدی کے فلسفی برکلے سپائینوزا اور وجودی صوفیاء کے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی) عالم خارجی کے وجود اور حرکتِ طبیعی جیسی محسوس حقیقت کے زمان و مکان میں واقع ہونے سے انکار کیا ۱۲۲ ⑥ دوسری طرف عقل نے ہر شے کو علت و معلول کا اسیر ثابت کر کے خدا اور مذہب دونوں کو معطل کر کے رکھ دیا — یہودیوں نے انیسویں صدی میں عقلیت پرستی Rationalism کے نام پر اس فلسفے کو خوب خوب پھیلایا بیسویں صدی کی ابتدا میں اس نے انسانیت پرستی (Humanitarianism) کا نام پایا اور اقوامِ عالم کو باور کرایا جانے لگا کہ مذہب ، اس نصب العین کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ برطانوی حکومت کی پشت پناہی میں قائم آل انڈیا نیشنل کانگرس بھی اسی مذہب دشمن انسانیت پرستی کے پردے میں وطنی قومیت کی نشر و اشاعت کا ایک پر فریب ذریعہ تھی ۔ کانگرس کو ذہنی بنیادیں فراہم کرنے کی ذمہ داری فری میسن تحریک کی یہودی خاتون اینی بیسینٹ Annie Besant نے سنبھال رکھی تھی ۔ ۱۲۳

علامہ ان حوالوں ہی سے عقلیت کو "زنجیر پا" ہوتا دیکھتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک یہ مذہب پر الزام بے جا اور بہتان تھا۔ اس لئے کہ انسانیت دوستی تو مذہب اور خصوصاً اسلام کا اول و آخر مقصد ہے۔ اسلام نوعِ انسانی کی مختلف اقوام کو جغرافیائی حدود سے بالاتر کر کے اور نسل انسانی کو نسل و قومیت کے مصنوعی مگر ارتقاء انسانی کے ابتدائی مراحل میں مفید امتیازات کو مٹانے کا ایک عملی ذریعہ ہے اسی مقصد میں وہ اور مذاہب (مسیحیت اور بدھ ازم وغیرہ) کے مقابلے میں زیادہ کامیاب رہا ہے ۱۲۴

لہذا اسے یہ دعویٰ کرنے کہ "جانِ بے تاب کے رموز دارم کی سست" کا پورا پورا حق حاصل تھا۔ اس جانِ بے تاب کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کے نزدیک "اسلام بحیثیت تحریک

---

۱۲۲ تفصیل کے لئے روایاتِ فلسفہ ص ۲۸-۳۰ علی عباس جلالپوری ، نیز فلسفہ کے بنیادی مسائل ص ۹۵/۹۶

۱۲۳ تفصیل کے لئے انکارِ اقبال محمد صابر ص ۱۵۲ تا

۱۲۴ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال جلد دوم ص ۲۹۳ مکتوب بنام سید محمد سعید الدین جعفری ۱۷ ستمبر ۱۹۲۳ء

ان (مذکورہ بالا) نظریات کو تسلیم نہیں کرتا، بلکہ برعکس اس کے اللہ کو قادر و مدبر اور خلق و امر کا مالک مانتا اور کائنات کو متحرک قرار دیتا ہے۔ ایک مسلم مفکر کی حیثیت سے علامہ اقبال کا عقیدہ یہ ہے کہ ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں یعنی Change is the un- changeable law of Nature ہے اور اسی میں کائنات کا حسن بھی مضمر ہے

ہوتی ہے زنگِ تغیر سے جب نمود اس کی
وہی حسین ہے حقیقت زوال ہے جس کی[125]۔

علامہ ایسے فلسفیوں کو بلند بال مگر شکارِ زندہ کی لذت سے بے نصیب کرگس کی مثال بتاتے ہیں

بلند بال تھا لیکن نہ تھا جسور و غیور
حکیم سرِ محبت سے بے نصیب رہا
پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار
شکارِ زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا[126]

"لادین یورپ نے اگرچہ اسی (اسلامی نہج) پر متعدد طبعی نظامات قائم کئے لیکن تجربہ کہتا ہے کہ جس حق و صداقت کا انکشاف عقلِ محض کی وساطت سے ہو اس سے ایمان و ایقان میں وہ حرارت پیدا نہیں ہوتی جو وحی و تنزیل کی بدولت پیدا ہوتی ہے..... یقین کیجئے (لادین) یورپ سے بڑھ کر آج انسان کے اخلاقی ارتقاء میں بڑی رکاوٹ اور کوئی نہیں"[127]

یورپ کی اسی لادینی افکار اور اخلاقی قابلیتوں کے فقدان نے 'عصرِ حاضر' کو "زمینِ شورہ زار" بنا ڈالا ہے۔ اقبال اسی حوالے سے نہ صرف خود کو اپنے ہی وطن میں غریب الدیار دیکھتے ہیں بلکہ کسی بندۂ صاحب نظر کی ضرورت کو بھی شدت سے محسوس کرتے ہیں[128] وہ "بندۂ صاحب نظر" جو "عصرِ حاضر" کی جانِ بے نور کو کسی طوفاں سے آشنا کر دے۔ ایسے صاحبانِ نظر صدیوں میں کہیں پیدا ہوتے ہیں۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں[129]

"بے نوری عالم" کہہ کر علامہ نے "جانِ بے تابے کہ من دارم کجاست" کو امتِ مسلمہ کی نمائندگی ثابت کیا ہے۔ جو اس "دیوانۂ لا" دور میں الا کی امین ہے۔

اندریں عصر کہ لاگفت من الا گفتم
این چنیں بندۂ راهیں بہ شب تار کجاست[130]

---

[125] کلیات اقبال اردو ص ۱۱۲ نظم حقیقتِ حسن (بانگِ درا) [126] ایضاً ص ۴۵۶ نظم فلسفی (بالِ جبریل)
[127] تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ص ۲۷۶ [128] کلیات اقبال اردو ص ۴۹۰ "اپنے وطن میں ہوں کہ غریب الدیار ہوں" نظم فلسفہ و مذہب (بالِ جبریل) [129] کلیات اقبال فارسی ص ۴۵۶ زبورِ عجم حصہ دوم غزل ص ۱۲۔
[130] علامہ اقبال — شعر متروک نظم دعا۔ ماہنامہ فردوس لاہور۔ جولائی ۱۹۲۸ء۔

گر نہ کی .... حضرت علامہ کی ایک گونہ شکایت آمیز آرزو ہے ۔ جو علامہ کی طبیعت کا اصلی رنگ اور ذاتِ باری میں اُن کے پختہ یقین کا مظہر ہے ۔ بصورتِ دیگر کون یوں کہہ سکتا ہے کہ

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا ۔۔۔ کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں نے خدا بیں نے جہاں بیں ۔۔۔ یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا؟ ع ۱۳۱

اور یہ کہ

نقشِ دگر طراز دہ آدمِ پختہ تر بیار ۔۔۔ لعبتِ خاک ساختن می نسزد خدائے را ع ۱۳۲
ہو نقش اگر باطل تکرار سے کیا حاصل ۔۔۔ کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی؟ ع ۱۳۳

اس شکایت کے پیچھے کار فرما درد بخوبی ظاہر ہے ۔ بہر حال ایسی زمینِ شور سے کسی ایک صاحبِ دل کا ظہور بھی کچھ کم غنیمت نہیں ۔ یوں یہ شکایت بے کلیش میں ڈھل جاتی ہے کہ جیسے آرزو ہے اسے تو روشن کیا جائے ۔ اور جو اس قابل ہو "خاشاک" ہی سہی نذرِ شعلہ اور حوالۂ برق کئے جانے کا حق تو رکھتا ہے ۔ یہ تمنائے برق ، طور کی برقِ تجلی ، اور یہ خواہشِ شعلہ ، طویٰ کی مقدس وادی کے شعلے سے مستعار ہے ۔ کہ بقولِ حافظ شیرازؒ

مژدہ گز چراغے نہ کند شعلۂ طور ۔۔۔ چارۂ تیرہ شب وادیٔ ایمن چہ کنم (دیوانِ حافظ)

اور مدعا وہی جو "خطاب بہ مہرِ عالم تاب" میں مذکور ہے ۔

تا بروز آرم شبِ افکارِ شرق ۔۔۔ بر فروزم سینۂ احرارِ شرق
از نوائے پختہ سازم خام را ۔۔۔ گردشِ دیگر دہم ایام را
فکرِ شرق آزاد گردد از فرنگ ۔۔۔ از سرودِ من بگیرد آب و رنگ ع ۱۳۴

یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر ظہور ریاض مرحوم نے اس حصہ کو بھی تجلیاتِ ذات کا تمنا نامہ لکھا ہے ۱۳۵ء

متعلقاتِ حواشی ۔

(۵) کریکے گارڈ Kierkegaard [۱۸۱۳ء تا ۱۸۵۵ء] ۵ مئی ۱۸۱۳ء کو ڈنمارک کے شہر کوپن ہیگن کے ایک کسان مائیکل کریکے گارڈ کے ہاں پیدا ہوا ۔ کریکے گارڈ نے ڈاکٹریٹ کے لئے تحقیقی مقالہ سقراط پر لکھا جو اُس کو اس لئے پسند تھا کہ اُس نے فرد کے حق اور شخصیت کو معاشرے اور ریاست میں اولین حیثیت دی ۔ اُس نے اس سوفسطائی روایت کو بھی کہ موضوعیت ہی صداقت ہے از سرِ نو احیاء دیا ۔ سقراط ایتھنز والوں کے لئے بڑ مکھی تھا تو کیرک گرد نے عیسائیوں کے

ع ۱۳۱ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۳۸۰ بالِ جبریل رباعیات ۔ ع ۱۳۲ کلیاتِ اقبال فارسی صفحہ ۳۳۲ پیامِ مشرق
ع ۱۳۳ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۳۱۱ بالِ جبریل غزل ۱۵ ۔ ع ۱۳۴ کلیاتِ اقبال فارسی صفحہ ۸۰۶ مثنوی پس چہ باید کرد ۔
۱۳۵ء جاوید نامہ : تحقیقی و توضیحی مطالعہ صفحہ ۶۰

نے بزدلی کا کام کیا۔ کریکے گارڈ نے انسان کے قدرو اختیار اور شخصی انتخاب کو بڑی اہمیت دی۔ ڈیکارٹ کے فلسفے کا آغاز اس فقرے سے ہوا تھا "میں سوچتا ہوں اس لئے میں ہوں" کریکے گارڈ کا کہنا ہے "میں ہوں کیونکہ میں موجود ہوں"

۱۸۴۶ء میں کریکے گارڈ نے فلسفے کی ایک ضخیم کتاب لکھی جس کے ذیلی عنوان میں "وجودیاتی عطا" کا ذکر کیا۔ موجودیت نے اسی کتاب سے فیض پایا ؏۱۳۶ وجودی فلاسفہ میں کریکے گارڈ کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے کیونکہ جیسا کہ عرض کیا گیا اسی نے سب سے پہلے دنیا کو وجودیت یا بقول علی عباس جلالپوری موجودیت کی اصطلاح سے روشناس کرایا۔ اس فلسفی کے ہاں فلسفہ اس کی داخلی زندگی سے جدا کوئی شے نہیں اور زندگی کی یہی داخلیت ایک طرح کے مستقل کرب اور بے چینی کا نام ہے" ؏۱۳۷ اس کے خیال میں فرد جمالیاتی دور سے گزر کر اخلاق کی سرحد میں داخل ہوتا ہے اور اس سے آگے جا کر حیاتِ روحانی میں ابدیت تلاش کرتا ہے ؏۱۳۸

دراصل کریکے گارڈ بنیادی طور پر ایک مذہبی مفکر اور مصلح تھا ہائیڈیگر نے اسے فلسفی کے بجائے متکلم کہا ہے۔ عیسائی متکلمین اس کی خرد دشمنی کے مداح ہیں۔ سورن کریکے گارڈ نے اشتراکیت کی مخالفت اس لئے کی کہ وہ اجتماعیت کا دلوہ ہے جو فرد کی انفرادیت کو ختم کر دیتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ "ہموار کر دینے والے اس عمل کو صرف اہلِ مذہب ہی روک سکتے ہیں" امریکہ نے روس کے خلاف سرد جنگ میں کریکے گارڈ کے اسی یقین کے تحت اہلِ اسلام کو اشتراکیت کے ہموار کر دینے والے عمل کے خلاف استعمال کیا۔

⑥ قومِ نوح کے تاریخی الحاد کے ثمرات:

دراصل یہ نتیجہ تھا اس یہودی عقیدہ کا جس نے قومِ نوح کے تاریخی الحاد [بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ] (کو تسلسل بخشتے ہوئے مذہبی رنگ دیا اور قومِ نوح کے وُدّ سواع کی طرح "نائبینِ حق" کھڑے کر دیئے جن کے کُلی اختیار پر مبنی حکومتِ الٰہی میں عوام الناس ہی بے اختیار نہیں ٹھہرے خود اللہ کے ہاتھ بھی بندھے ہوئے تھے ؏۱۴۱ جو کسی عامی شخص مثلاً طالوت کو ملک نامزد کرنے کا حق نہیں رکھتا تھا جیسا کہ ان کے اعتراض کے قرآنی ریکارڈ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؏۱۴۲ سے ظاہر ہے۔ وہ کھلے عام، ایک عامی کے اختیارِ اقتدار کو رد کر رہے تھے کہ وہ نہ تو ورثۃ الانبیاء میں تھا نہ رؤساء میں سے۔ لیکن اس کا رد کیا جانا، اللہ کے اختیارِ نامزدگی کا استرداد بھی تھا کہ طالوت مامور من اللہ تھا۔

؏۱۳۶، ؏۱۳۷ خلاصہ روایاتِ فلسفہ ص۱۵۹ تا ص۱۶۲ علی عباس جلالپوری ؏۱۳۷ فلسفہ کے بنیادی مسائل ص۱۰۹

؏۱۳۸ کشاف اصطلاحاتِ فلسفہ ص۱۲۵ (سی۔ج) ؏۱۴۰ یہ تمہاری طرح بشر (عامی شخص) تم پر بڑا بننا چاہتا ہے المومنون ۲۴ نیز سورہ ھود آیات ۲۷ الخ مزید تفصیلات کے لئے دیکھیں۔ ؏۱۴۱ "يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ" المائدہ ۶۴

؏۱۴۲ یہ عامی شخص ہم پر کیسے حکمران ہو سکتا ہے جبکہ حق فائق تو ہم (ورثۃ الانبیاء اور علماء الناس) کا ہے اور یہ تو رؤساء الناس میں سے بھی (ورنہ مال ہی لیتے) - البقرہ ۲۴۷



۲۸ زیستم تا زیستم اندر فراق
وانما آن سوی این نیلی رواق

۲۹ بسته درها را بروئم باز کن
خاک را با قدسیان همراز کن

۳۰ آتشی در سینهٔ من برفروز
عود را بگذار و هیزم را بسوز

باز بر آتش بنه عود مرا
در جهان آشفته کن دود مرا

۳۲ آتش پیمانهٔ من تیز کن
با تغافل یک نگه آمیز کن

۳۳ ما ترا جوئیم و تو از دیده دور
نے غلط، ما کور و تو اندر حضور

۳۴ یا گشا این پردهٔ اسرار را
یا بگیر این جان بے دیدار را

۳۵ نخل فکرم نا امید از برگ و بر
یا تبر بفرست یا باد سحر

۳۶ عقل دادی هم جنونے ده مرا
ره بجذب اندرونے ده مرا

۳۷ علم در اندیشه می‌گیرد مقام
عشق را کاشانه قلب لاینام

علم تا از عشق برخوردار نیست
جز تماشاخانهٔ افکار نیست

این تماشاخانه سحر سامری ست (۷)
علم بے روح القدس افسونگری ست

بے تجلی مرد دانا ره نبرد
از لکدکوب خیال خویش مرد

بے تجلی زندگی رنجوری است
عقل مهجوری و دین مجبوری است

این جهان کوه و دشت و بحر و بر
ما نظر خواهیم و او گوید خبر

منزلے بخش این دل آواره را
باز ده با ماه این مه پاره را

گرچه از خاکم نروید جز کلام
حرف مهجوری نمی‌گردد تمام

زیر گردون خویش را یابم غریب
زان سوی گردون بگو «انی قریب»

تا مثال مهر و مه گردد غروب
این جهات و این شمال و این جنوب

از طلسم دوش و فردا بگذرم
از مه و مهر و ثریا بگذرم

حواشی و تعلیقات

شعر نمبر ۲۸- جاوید نامہ کے تخلیقی مرحلہ میں علامہ نے تیسری گول میز کانفرنس کے مایوس کن واقعات اور مسجد قرطبہ کے تاثرات کی شدت کے تحت ایک نظم دعا[۱۲۳] میں کہ اپنے لئے لامکاں میرے لئے چارسو

---

[۱۲۳] کلیات اردو صفحہ ۳۸۳ (بال جبریل)

کی شکایت کی تھی اور عرضِ تمنا بھی ہے تو ہی مری آرزو تو ہی مری جستجو ، یہاں بھی 'چارسو' سے لامکاں تک نکل جانے ، یعنی اسی زمانِ متغیر اور 'روز بے سوز' سے وراء الورای نکل جانے کی آرزو کی ہے۔
فراق: عربی میں جدائی کو کہتے ہیں لیکن اردو میں فکروخیال ، دُھن اور تاک کے معانی بھی دیتا ہے نور اللغات میں اسے نسوانی زبان میں انہی معنوں میں لکھا ہے۔ رواق: مکان کا چھجا ، سائبان ، محل اور ایوان — نیلی رواق: مراد آسمان۔

شعر نمبر ۲۹ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ : اے اللہ مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے وا فرما [۱۲۴]

شعر نمبر ۳۰ تنِ بے نور کے لئے ہیزم صوفیاء کے ہاں عموماً آتا ہے۔ مثلاً حضرت باقی باللہ رح فرماتے ہیں

دل بہ شبیخونِ کشاکش دہی ہیزمِ پوسیدہ بہ آتش دہی [۱۲۵]

توضیحِ مزید کے لئے اسرارِ خودی کے آخر میں درج دعا بغور پڑھنا چاہیے۔ جاوید نامہ کا آغاز آدمی کے آرزوئے ہم نفس میں ہر زماں سرگرمِ فغاں ہونے سے ہوا ہے تو مثنوی اسرارِ خودی کی مذکورہ دعا کا لب لباب بھی یہی ہے :

شمع را تنہا تپیدن سہل نیست آہ یک پروانۂ من اہل نیست [۱۲۶]

شعر نمبر ۳۲ "با تغافل یک نگہ آمیز کن" تغافل ، بے نیازی اور نگہ : توجہ ، جیسا کہ مرزا غالب نے شاہ کرامت حسین بہاری کے نام اپنے مکتوب محررہ ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء میں لکھا "شاہدِ حقیقی کا جو معاملہ غیرِ عشاق کے ساتھ ہے اسے تغافل کے ساتھ اور عشاق کے معاملے کو نگاہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ سحابی رباعی میں لکھتا ہے۔

اے زاہد و عاشق از تو در نالہ و آہ دورِ تو و نزدیک تو در حالِ تباہ
کس نیست کہ جان از تو سلامت بہ بُرد آن را بہ تغافل کشی این را بہ نگاہ [۱۲۷]

لیکن آتشِ پیمانہ کی رعایت سے تغافل اور نگہ مادہ و شعور اور بدن و روح کی علامات بھی بنتی ہیں جیسا کہ علامہ نے خود مرزا عبد القادر بیدل دہلوی کے ایک شعر [۱۲۸] میں تغافل کے معانی Extension یعنی امتداد کے لیے ہیں اور تغافل و نگہ کو مادہ اور شعور ، بدن اور روح کی علامات بتایا ہے [۱۲۹] یا جیسا کہ عراقی رح نے کہا

نخستیں بادہ کاندر جام کردند زچشمِ مستِ ساقی وام کردند

یہاں بھی آتشِ پیمانہ کی تیزی کے تناظر میں جانِ خفتہ میں نفخِ روح کی آرزو معلوم ہوتی ہے جیسا :

---

۱۲۴ سنن ابن ماجہ ص ۲۵۰/۲۵۱ باب الدعاء عند دخول المسجد احادیث ۸۱۷ تا ۸۱۹ اردو ترجمہ مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی
۱۲۵ عرفانیات حضرت باقی باللہ رح ص ۶۸ ۱۲۶ کلیات اقبال فارسی ص ۷۷ نظم دعا (اسرارِ خودی)
۱۲۷ خطوط غالب ص ۵۲۶ مرتبہ غلام رسول مہر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور بار پنجم ۱۹۸۲ء
۱۲۸ وہ شعر یہ ہے کہ تغافل می تراشد گاہ نیرنگِ نگاہ جلوہ را آئینۂ ما سخت رسوا کردہ است
۱۲۹ مطالعہ بیدل فکر برگساں کی روشنی میں ، علامہ اقبال اردو ترجمہ ص ۲۰ انگریزی متن ص ۵۰ مرتبہ

کہ پیام مشرق کی ایک غزل کے ان شعروں میں بیان ہوا ۔

بہر سو بام تو آفتاب از چہرہ بے باکانہ کش — نیست در کوئے تو چون من آرزومندے دگر
یک نگہ یک خندۂ دزدیدہ یک تابندہ اشک — بہر پیمان محبت نیست سوگندے دگر ۱۵۰

شعر نمبر ۳۳ : مرا ز دیدۂ بینا شکایتِ دگر است — کہ چون بجلوہ در آئی حجاب من دگر است ۱۵۱

کرا جوئی چرا در پیچ و تابی — کہ او پیداست تو زیر نقابی
تلاشِ او کنی جز خود نہ بینی — تلاشِ خود کنی جز او نیابی ۱۵۲

" حق جل وعلا حجاب میں نہیں ہے صرف تو اپنی نفسانی صفات کی وجہ سے اس کے مشاہدے سے روکا گیا ہے ۔ کیونکہ اگر کوئی شے اس کے حجاب کے لئے ہوتی تو اس کو ڈھانپتی اور اس کے وجود کا احاطہ کرتی، اور ہر ایک احاطہ کرنے والی شے غالب ہوتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے " ۱۵۳

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں " جمال حقیقت بے نقاب ہے مگر ہماری آنکھوں میں یارائے دید نہیں ۔ ہم اپنی آنکھوں پر نقاب ڈال کر اسے دیکھنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کے چہرے پر نقاب پڑ گیا ہے ۔

ہرچہ ہست از قامتِ ناسازِ بے اندامِ ماست — ورنہ تشریفِ تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

(ترجمان القرآن ج ۱ صفحہ ۱۹۶) ۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبہ میں ہے " سب تعریفیں اس کے لئے ہیں جس نے نہیں مقرر کی کوئی سبیل اپنی معرفت کے لئے بجز اس کے کہ اس کی ذات وصفات کے ادراک میں انسان اپنے عجز کا اعتراف کرے [اَلْعَجْزُ عَنِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ] لیکن اپنی مخلوقات کو خلق سے پہلے اس طرح دیکھا جیسے بعدِ خلق دیکھا " ۱۵۴

صاحب عوارف المعارف نے اسی لئے تو پردہ ہائے بشریت کے اٹھنے کو تجلّی سے تعبیر کیا ہے ۱۵۵
خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے منسوب دیوان [دیوانِ ملا معینی] کا ذیل شعر اس حوالے سے انتخاب ہے،

زظلمتِ بشریت چوں بگذری برسی — ازیں حضیض دنایت بہ اوجِ او ادنیٰ ۱۵۶

شعر نمبر ۳۴ سراپردۂ اسرار وہ لامکاں جسے امام ابوطالب مکیؒ متوفی ۳۸۶ھ نے ان الفاظ میں بیان کرنا چاہا ہے

" وہ اس حول سے جو ورائے حملۃ العرش ہے وراء ہے اور رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے ۔ اور اس کے باوجود فوقِ کلِ شئی ہے اور محیط بکلِ شئی ہے اور اس پر کوئی محیط نہیں ہے اس کے باوجود نہ وہ کسی شے کے لئے مکان ہے اور نہ کوئی شے اس کے لئے مکان ہے، نہ ان صفات میں اس کے لئے کوئی مثل ہے نہ مثال ہے نہ ہم سر ہے نہ مقابل ہے " ۱۵۷

پنہان بہ ذرہ ذرہ و ناآشنا ہنوز — پیدا چو ماہتاب و بآغوشِ کاخ و کوست
در خاکدانِ ما گہرِ زندگی گم است — این گوہرے کہ گم شدہ ماییم یا کہ اوست ۱۵۸

---

۱۵۰ کلیات اقبال فارسی ص ۳۱۵ غزل (پیام مشرق) ۱۵۱ ایضاً ص ۳۱۶ ۱۵۲ ایضاً ص ۲۲۵ رباعی نمبر ۸۱،
۱۵۳ الکمال الشیم ص ۲۳۹ باب ۲۵ ۱۵۴ قوت القلوب جلد سوم تاریخ تصوف پروفیسر یوسف سلیم چشتی ص ۲۲۹ دسمبر ۱۹۱۰
۱۵۵ عوارف المعارف، سہروردیؒ اردو ترجمہ ص ۶۲۲ نیز الرحیق المختوم - اردو ترجمہ فصل دوم ص ۱۶ ۱۵۶ دیوان معینی مطبع نولکشور کانپور بار دوم
۱۵۷ قوت القلوب، ایضاً (چشتی) ص ۲۲۲ ۱۵۸ کلیات اقبال فارسی ص ۲۸۵ زبور عجم حصہ دوم غزل نمبر ۲۹ ۔

شعر نمبر ۳۵

علامہ کو ساری عمر اپنے "نخلِ فکر" کے بے برگ و بار ہونے کا دکھ ستاتا رہا ہے۔ [اگرچہ جس طرح فکرِ اقبال برگ و بار لائی شاید ہی کسی مسلم مفکر کے افکار کو ایسی کامیابی نصیب ہوئی]۔ بانگِ درا کے ع اقبال کوئی محرم ملتا نہیں جہاں میں، کی حسرت سے لے کر ارمغانِ حجاز کی درج ذیل دوبیتی تک یہ دکھ ساتھ ہی رہا۔ جاوید نامہ کے زیرِ نظر شعر میں بھی اسی دکھ کا اظہار ہے۔ ارمغان حجاز کی دوبیتی

بچشم من جہان جز رہگذر نیست — ہزاران رہرو و یک ہمسفر نیست
گذشتم از ہجوم خویش و بیگانہ — کہ از خویشان کسے بیگانہ تر نیست ۱۵۹

شعر نمبر ۳۶ الیٰ آخرہ :—

فکرِ اقبال میں عشق و خرد کی بحث انتہائی اہمیت کی حامل ہے اسی لیے کہ تعمیرِ خودی میں "عشق و خرد" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

عقل: عام فلسفیانہ معنوں میں، اشیا کی شناخت کرنے، ان میں امتیاز قائم کرنے اور ان کے درمیان رشتہ و اضافت قائم کرنے کی انسانی صلاحیت۔ قرونِ وسطیٰ میں عقل کو فہم سے ممیز قرار دیا گیا ہے۔ اس کے مطابق عقل عملی اقدام کی رہنمائی کرتی ہے جبکہ فہم تفکر و تجرید سے سروکار رکھتی ہے۔ لیکن جدید فلسفہ میں خصوصاً کانٹ اور ہیگل کی تحریروں سے ان تصورات کے نئے معانی سامنے آئے ہیں" ۱۶۰

عقل: نفسی حواس [ذائقہ، لامسہ، سامعہ، باصرہ اور شامہ] اور روحانی مدرکات [محویت، ذوق و شوق، القا و ادراک (بصیرت)] پر حکم لگاتی ہے اور ان قوتوں کے فراہم کردہ اشارات کی شیرازہ بندی ہے۔

وجدان: ضمیر کو بیدار کرتا ہے اور صحیح و غلط میں تمیز سکھاتا ہے۔ یہ گویا فطری الہام اور صلاحیت ہے جو عطیۂ ربانی ہے جس کی ابتدا مادی شعور اور انتہا وحی ہے البتہ مؤخر الذکر صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے ۔ وجدان کی ہدایت سعی و طلب کا ولولہ پیدا کرتی ہے۔ حواس معلومات فراہم کرتے ہیں، عقل نتائج اور احکام مرتب کرتی ہے۔ جوہرِ عقل ان سب قوتوں کی ترقی یافتہ حالت کا نام ہے یعنی نفس جب اپنی ذات

۱۵۹۔ کلیاتِ اقبال فارسی صفحہ ۱۰۱۴

۱۶۰۔ کشاف اصطلاحاتِ فلسفہ صفحہ ۲۰۶ تحت ع ق

میں ہر لحاظ سے مکمل ہو جاتا ہے تو اُسے عقل کہتے ہیں۔ اگر وجدان کی ہدایت، فطری الہام پر مبنی ہو تو عقل پابہ گِل رہتی ہے اس لئے کہ عقل حواس سے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں رہنمائی کرتی ہے از خود رہنما نہیں۔ علت و معلول کا رسیر یہ مادی شعور یا حیوانی عقل بشمولِ انسان تمام حیوانات میں مشترک ہے۔ یہ علم ناپائیدار اور لمحہ بہ لمحہ متغیر شعور ہے ـــ سو بھیس بدلنے والا ـــ علامہ نے اسی علم (بالحواس) کو تماشا خانۂ افکار اور سحر سامری سے تشبیہ دی ہے ـــ وہ حق و صداقت کا انکشاف عقل محض کی وساطت سے ہو، اُس سے ایمان و یقین میں وہ حرارت پیدا نہیں ہوتی جو وحی و تنزیل کی بدولت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عقل محض نے انسان کو بہت کم متاثر کیا۔ برعکس اس کے مذہب کو دیکھئے تو اس نے افراد میں اضافۂ مراتب کے ساتھ معاشروں تک کو بدل ڈالا [تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۲۷۶] ـــ یہ علم اس وجدان سے پیدا ہوتا ہے جو لنس [حواس و مدرکات] سے ماورا روح القدس کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے ـــ یہ وحی و تنزیل البتہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام کا حصہ تھا جن کی صفت وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۱۶۱ ہے ۔ گویا یہ کلام نفس کی خلل اندازی سے محفوظ ہوتا ہے۔ اسی کا نام علم حضوری ہے۔ ’’جہاں نفس شے مذکور میں حاضر ہو اور کوئی اور نطق اور صورت درمیان میں خلل انداز نہ ہو‘‘ ۱۶۲ ۔ اسی کو پردۂ بشریت کا اُٹھ جانا کہتے ہیں۔ اسی کا اصطلاحی نام تجلی ہے ۱۶۳ مردِ دانا جس کے بغیر راہ نہیں پاتا ہے اور اپنے ہی خیال کی مزلوں کی زد میں آکر مرتا ہے ـــ جس کے سینے پر اس تجلی کا نزول ہوتا ہے اُس کی آنکھ سوتی لیکن دل جاگتا ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي ۱۶۴ ترجمہ: میری آنکھ سوتی ہے لیکن دل نہیں سوتا۔ اسی خاطر تو علامہ ’’رہ بجذبِ اندروں‘‘ طلب کرتے ہیں۔ گلشن رازِ جدید کے سوال ۵ ’’کراگویم کہ او مردِ تمام است؟‘‘ کے جواب میں فرمایا

اگر چشمے کشائی بر دلِ خویش درونِ سینہ بینی منزلِ خویش ۱۶۵

علامہ کے ہاں عقل اور وحی ذرائع علم ہیں۔ ذرائع علم تو داخلی و خارجی حواس ہیں۔ عقل ظاہری و معنوی حواس کے انکشافات کی تنقید کرتی ہے یہی اس کا حقیقی کام ہے۔ ان انکشافات کو وحی (ضابطہ و قوانین روحانی) کا تابع کر دیا جائے تو عقل نامسلمان یا حیوانی نہیں رہتی، عقلِ مسلمان اور دانشِ نورانی ہو جاتی ہے ـــ علامہ کسی بھی علم [علم بالحواس یا علم بالوحی] کے منکر نہیں وہ لمحہ بہ لمحہ متغیر دانش ۱۶۶ پر تکیہ نہیں کرتے۔ اگر علم بالوحی کے احکام، علم بالحواس کی طرح جزوِ فطرت ہو جائیں تو علامہ اسے عشق سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی ان کے نزدیک حقیقی اسلامی بے خودی ہے [اقبال نامہ دوم ص ۶۵] مادی عقل اور پابہ گِل مادی شعور بھی ان کے نزدیک حجاب الاکبر ہرگز نہیں بلکہ ناحکم ہے، منزل نہیں لیکن چراغِ رہگزر ہے۔ قیاس ’’خبر‘‘ ہے: ’’علم بالحواس‘‘ ہے جب کہ علم بالوحی ’’شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ‘‘ اور اہل ایمان [اصحاب جنون اور اہل عشق] کے لئے ’’هُدًى وَرَحْمَةٌ‘‘ ہے ۱۶۷ ۔ یہ عناصر سے مرکب نہیں راکب ہوتے ہیں یہ علم بالوحی یعنی عشق تمام

(۸)

---

۱۶۱ النجم ۳ ۱۶۲ مکتوبات امام ربانی دفتر سوم ص ۵۵ مکتوب بنام خواجہ محمد سعید ۱۶۳ عوارف المعارف ص ۶۲۲

۱۶۴ بخاری باب ۳۷۷ صفت النبیؐ کتاب التوحید حدیث نمبر ۷۸۰، ۷۸۱ ۱۶۵ کلیات اقبال فارسی ص ۵۵۹ (گلشن راز جدید)

۱۶۶ فروغِ دانشِ ما از قیاس است ✦ قیاسِ ما ز تقدیرِ حواس است ✦ چو حس دیگر شد آں عالم دگر شد ✦ سکون و سیر و بیش و کم دگر شد [حرف ص ۵۶۲]

۱۶۷ یونس: ۵۷ ۱۶۸ کلیات اقبال فارسی ص ۳۶ (اسرار خودی مرحلہ سوم نیابت الٰہی) نائب حق در جہاں بودن خوش است ✦ بر عناصر حکمراں بودن خوش است

نیز ملاحظہ ہو گفتار اقبال ص ۲۴، ص ۲۵ (حصولِ علم کے دو ذرائع)

حضوری سے نوازتا ہے جہاں کلام بے حرف ہوتا ہے، جو عالم مثال سے لبا کشادہ ہے اور جہاں جہات و اطراف سے ماورا فضا میسر آتی ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ نے اس مقام کو عالم توحید لکھا ہے۔ فرماتے ہیں

اے خدا جان را تو بنما آن مقام ـ کاندرو بے حرف می روید کلام
تاکہ سازد جان پاک از سر قدم ـ سوئے عرصہ دور پہنائے عدم
عرصۂ بس باگشاد و با فضا ـ وین خیال وہست یابد زو نوا
علت ہستی ست ترکیب و عدد ـ جانب ترکیب حسہا می کشد
زان سوئے حس عالم توحید دان ـ گر یکے خواہی بدان جانب روان ۱۶۹

علامہ جو زبرگردوں کو "غریب الدیار" دیکھتے اور "انی قریب" کا تسکین بخش فرمان سننے کی طلب کرتے ہیں تو دراصل اسی "مقام حضوری" کی آرزو کرتے ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور صاحب کشف المحجوب کی تعبیر اپنی ہے لیکن مدنوں اس "مقام حضوری" میں وقت کو مستقیم دیکھتے ہیں جہاں جہات زائل ہوجاتی ہیں دونوں بزرگوں کے اقوال درج ذیل ہیں۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں

• وہ (خدا) مشاہدہ کے وقت آمنے سامنے ہونے سے پاک ہے۔ بلکہ عبد اس مقام پر منزہ ہوجاتا ہے، اور ایسے کبھی نہیں ہوتا کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو اس عظیم موقع پر تشبیہ لازم ہوجاتی ہو۔ حضوری کے اسی مقام پر عبد سے جہات زائل ہوجاتی ہیں " [فتوحات مکیہ ج ۱ ص ۴۳ (خطبہ)]

شیخ ہجویریؒ فرماتے ہیں "صرف ان صوفیہ کے لئے زمان اپنی تمام صورتوں میں معدوم ہوجاتا ہے، جو مقام ابدیت پر پہنچ جاتے ہیں۔ وہ تمام حال میں ہوتے ہیں تو خدا کے دائمی حضور سے وقت ان کی زندگی میں مستقیم ہوجاتا ہے" [اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ تحت "زمان" بحوالہ کشف المحجوب ترجمہ نکلسن لاہور ص ۳۶۷] عالم خوندمیری اسے کشف حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسرار خودی میں 'نائب حق' کا جو تصور ہے وہ بقول ان کے [جاوید نامہ کی] اس عارفانہ منزل کی طرف ابتدائی مشکل ہے۔ یہ ان کا اپنا تجزیہ ہے [جاوید نامہ کا پس منظر۔ المعارف لاہور جولائی ستمبر ۱۹۹۲ء ص ۹۲] ۔ علامہ شعور میں ارتقاء کی بات کرتے ہیں جس سے زمان و مکان کے ابعاد ختم ہوجاتے ہیں [اقبال کے حضور ص ۶۳]۔

تعلیقات

(۷) **سحر سامری اور افسون گری:** یہ تلمیحات ہیں حضرت موسیٰؑ کے عہد میں ہونے والے دو واقعات سے۔ ایک فرعون کی طرف حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کے مقابلے میں جادوگروں کے کرتبوں کی طرف اور دوسرا سامری کے اس افسون کی طرف جس کے زیر اثر اس نے بچھڑے سے آوازیں سے پیدا کر کے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی پر لگایا تھا۔ مصر کے جادوگر رسیوں لاٹھیوں کو افسوں کے زور سے سانپ بنا کر دکھا سکے لیکن ان کی صورت بدل سکے نہ بدل سکے۔ حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کو روح القدس کی تائید حاصل تھی۔ لہٰذا صرف سانپ نظر نہ آتا تھا واقعی اژدہا بن کر سانپوں کو نگل گیا۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو قدرت خداوندی کے اظہار اور انبیاء کی صداقت کے ثبوت میں پیش کیا۔ یہود دلفارا کے "نا شنیں حق" خدا کو برضا ورغبت ان کے حق میں اختیارات سے دست برداری کے مدعی تھے۔ لیکن معجزات رسول سے اس کی نفی ہوتی تھی۔ اسی واقعہ کا ذکر قرآن حکیم کی

۱۶۹ مثنوی مولانا جلال الدین رومیؒ دفتر اول حصہ دوم ص ۳۲۳ اردو ترجمہ قاضی سجاد حسین۔

سورہ طٰہٰ میں ہوا ہے ۔ روح القدس کی تائید جس علم کو حاصل تھی اُس کی تاثیر ان الفاظ
میں بیان کی گئی ہے ——— جب جادوگروں نے رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں تو وہ سانپ کی
طرح دوڑنے لگیں ۔ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝
وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى ۝ فَاُلْقِیَ
السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ
اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ
لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَ لَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ
نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا
تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَ مَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ
مِنَ السِّحْرِ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝ ع [۱۷] ترجمہ: (حضرت) موسیٰ نے اپنے اندر ہراس محسوس کیا [کہ
اس منظر سے لوگ متاثر نہ ہو جائیں] ہم نے کہا اندیشہ نہ کر تو ہی غالب رہے گا۔ تیرے داہنے ہاتھ میں جو لاٹھی ہے فوراً پھینک
وہ جادوگروں کی تمام بناوٹیں نگل جائے گی ۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے محض جادوگروں کا فریب ہے، ۔ اور جادوگر کسی
راہ سے آئے کبھی کامیابی نہیں پا سکتا ۔ چنانچہ (ایسا ہی نتیجہ نکلا) تمام جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے
اور پکارے " ہم ہارون اور موسیٰ (علیہما السلام) کے خدا پر ایمان لائے ۔ فرعون نے کہا تم میرے حکم
بغیر موسیٰ پر ایمان لے آئے ؟ ضرور یہ تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے ۔ اچھا دیکھو
میں کیا کرتا ہوں ۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں گا اور کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا
پھر تمہیں پتہ چلے گا ۔ ہم دونوں میں کون سخت عذاب دینے والا ہے اور کس کا عذاب دیرپا ہے ۔
انہوں نے کہا "ہم یہ کبھی نہیں کر سکتے کہ (سچائی کی) جو روشن دلیلیں ہمارے سامنے آ گئی ہیں ، اور جس خدا
نے ہمیں پیدا کیا ہے اُس سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں ۔ تو جو چاہتا ہے کر گزر ۔ تو زیادہ سے زیادہ
جو کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ کر دے (اس سے زیادہ تیرے اختیار میں کچھ نہیں)
ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے کہ ہماری خطائیں بخش دے ۔ خصوصاً جادوگری کی خطا، جس پر تو نے
ہمیں مجبور کیا تھا ۔ (ہمارے لیے) اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے ۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم ـــ مکرر ملاحظہ فرمایا کہ علم بے روح القدس ایک عارضی تماشا تھا
اور روح القدس کی تائید جس علم کو حاصل تھی ۔ اُس نے آن کی آن میں دلوں کو مسخر کر کے رکھ
دیا کہ انہیں دنیا اور اُس کی لذات بے معنی نظر آنے لگیں ۔

ع۱۷ طٰہٰ : آیات ۶۷ تا ۷۳ ۔

سامری:۔ اسی سورۃ طٰہٰ آیات ۸۲ تا ۹۸ میں سامری کے زیورات پگھلا کر بچھڑا بنانے کا ذکر بھی ہے۔ جس سے آواز نکلتی تھی سامری نے قوم کو اس کی پوجا پر لگا دیا۔ موسیٰؑ واپس تشریف لائے تو یہ دیکھ کر آگ بگولا ہوئے۔ بچھڑا جلا ڈالا گیا وہ اثر علمی فنا ہوا اور سامری کو یہ سزا ملی کہ وہ زندگی بھر بس اچھوت" ہو اور لا مساس پکارتا پھرے۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی ترجمان القرآن کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"حضرت مسیحؑ سے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس پہلے دجلہ و فرات کے دوآبے میں دو مختلف قومیں آباد ہو رہی تھیں۔ ان میں سے ایک قوم جو جنوب سے آئی تھی، عرب تھی، دوسری جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ شمال سے اتری، سمیری تھی۔ اسی قوم کے نام سے تاریخ قدیم کا شہر "سلمو" اور "اُور" آباد ہوا تھا۔ جس کا محل اب تل ابیب میں دریافت ہوا ہے، اور وہاں سے پانچ ہزار برس پیشتر کے بنے ہوئے زیور اور سنہری ظروف برآمد ہوئے ہیں ——— سمیری قوم کی اصل کیا تھی؟ اس بارے میں اب تک کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکی، لیکن نینوا میں اشوری پال (متوفی ۶۶۶ ق م) کا جو کتب خانہ نکلا ہے، اس میں تختیوں کا ایک مجموعہ (لغت کی کتاب بھی) [ملا ہے۔ ناقل] جس میں اکادی اور سمیری زبان کے ہم معنی الفاظ جمع کیے گئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیری زبان کے اصوات سامی حروف کے اصوات سے چنداں مختلف نہیں تھے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ وہ بھی انہیں قبائل کے مجموعے سے کوئی دور کا تعلق رکھتے ہوں جن کے لیے ہم نے توریت کی اصطلاح "سامی" اختیار کر لی ہے۔ ...... بہرحال سمیری قبائل کا اصل وطن عراق تھا مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے۔ مصر سے ان کے تعلقات کا سراغ ایک ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آ چکا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰؑ کا بھی معتقد ہو گیا اور جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ چلا آیا۔ اسی کو قرآن نے السامری کے لقب سے یاد کیا ہے [یعنی یہ اس کا نام نہیں اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے] "گائے بیل اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی۔" ۱۷۱

شعر نمبر ۳۶/۲۴۷ **عقل اور عشق یا خرد و جنوں** کی بحث فلسفۂ خودی میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ ثعلب نے عقل کے اصلی معانی امتناع بتائے ہیں عَقَلْتُ النَّاقَةَ میں نے ناقہ کو چلنے سے روک دیا، عَقَلَ بَطْنُ الرَّجُلِ اس کے اسہال بند ہو گئے۔ لہٰذا عقل دراصل وہ قوت ہے جو ان خواہشوں کو فنا کر ڈالے جو اس کو [انجام] سے لاپرواہ کرکے) جلد پیدا ہونے والی لذت کی طرف رغبت دیتی ہے۔ ۱۷۲ گویا یہ قوتِ عقل وہ جامع خواہشات و جذبات عقل نہیں جس کا مرکز دماغ ہے بلکہ وہ قوت ہے جس کا مرکز قلب ہے۔ یہ قلب جسے فواد بھی کہا گیا، اس عقل کا محل ہے جو دماغ کو حواس، جبلّی قوتوں اور طبعی تقاضوں کی اسیری سے رہائی دیتی ہے۔ یہ وہی عقل ہے جسے علامہ اقبال عقلِ مسلماں کہتے ہیں۔ یہ اس علم کی

ع ۱۷۱ مطالعہ تلمیحات و اشارات اقبال ص ۲۲۲/۲۲۳ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی

ع ۱۷۲ کتاب الاذکیا ص ۲ باب دوم علامہ ابن جوزی - اردو ترجمہ مولانا اشتیاق احمد نقشبندی

عطا ہے جو وہم و گمان پر نہیں یقینِ قطعی پر مبنی ہے یعنی صرف اقرأ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ع۱۷۱ پر اس کا مدار ہے ۔ اس علم کا مرکزِ اول وہ قلب تھا جس کی صفت لا ینام تھی ۔ علامہ اسی علم کو بصورتِ ایمان و یقین جزوِ فطرت بنانے کو حقیقی اسلامی بے خودی [جنون] نام دیتے ہیں ۔ اور یہی عشق ہے ۔

"حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی میلانات اور رجحانات و تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو جانا ہے ۔ اس طرح کہ اس پابندی کے نتائج سے انسان بالکل لاپروا ہو جائے اور محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنائے یہی اسلامی تصوف کے نزدیک فنا ہے ع۱۷۲/۲

یہ جنون یا عشق بہرت اِلی الحق ہے ۔ اسے خرد دشمنی پر محمول نہیں کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ یہ عشق "اَلعلم حجابُ الاکبر" کا داعی نہیں ۔ خواجہ غلام السیدین کے مکتوب میں مرقوم الیہ کی شبہ کے جواب میں علامہ نے جو وضاحتی مکتوب بھیجا وہ عقل و جنون اور جذب اندرون کے حقیقی مفہوم کو واضح کرتا ہے ۔

"علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دار و مدار حواس پر ہو عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے ۔ اس علم سے وہ طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیئے اگر یہ دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے ۔ یہ علم، علمِ حق کی ابتدا ہے جیسا کہ میں نے جاوید نامہ میں لکھا ہے

علمِ حق اول حواس آخر حضور   آخرِ او می نگنجد در شعور

وہ علم جو شعور میں نہیں سما سکتا اور جو علمِ حق کی آخری منزل ہے اس کا نام عشق ہے علم و عشق کے تعلق میں جاوید نامے میں کئی اشعار ہیں

علم بے عشق است از طاغوتیان   علم با عشق است از لاہوتیان

مسلمان کے لئے لازم ہے کہ علم کو (یعنی اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے مسلمان کرے ۔ "بولہب را حیدرِ کرار کن" اگر یہ بولہب حیدرِ کرار بن جائے یا یوں کہیئے کہ اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوعِ انسانی کے لئے سراپا رحمت ہے" ع۱۷۳ علامہ نے غنائی شاعری کی عطا کردہ بے خودی [مشکل

ع۱۷۱ العلق : ۱   ع۱۷۲/۲ اقبال نامہ ۲۷۰ ص ۵۰   ع۱۷۳ اوراقِ گم گشتہ ص ۴۹/۴۸

کے حامی ہیں نہ اُس فلسفیانہ بے خودی کے جو ذاتِ باری میں ذاتِ انسان کو فنا کر دینے سے پیدا ہوتی ہے۔

مختصر یہ کہ علامہ جب عشق پر اعمال کی بنیاد رکھنے کی بات کرتے ہیں تو وہ خرد دشمنی کا نہیں خرد افروزی کا درس دیتے ہیں ۔ وہ عناصر کی تابعِ جہل عقل [مادّی شعور] کو عناصر کا مرکب ہونے سے بچنے اور ضبطِ نفس بذریعہ اطاعتِ الٰہی سے عناصر پر حکمران ہونے کی راہ دکھاتے ہیں۔ جو انسان کو صحیح معنوں میں نیابتِ الٰہی کے منصبِ ازلی پر فائز کرتا ہے۔

نائبِ حق در جہاں بودن خوش است — بر عناصر حکمراں بودن خوش است
نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است — ہستیٔ او ظلِ اسمِ اعظم است [۱۲۷]

عقل و جنوں ، عشق و خرد پر علامہ کی فکر معلوم کرنے کے لیے درجِ ذیل مقامات دیکھیے جائیں

کلیاتِ اقبال اردو : ★ بانگِ درا : ص ۱۱۴، ص ۱۴۷، ص ۱۵۶، ص ۲۲۸، ص ۲۷۹، ص ۲۸۲

★ بالِ جبریل : ص ۳۱۱، ص ۳۱۵، ص ۳۲۲، ص ۳۲۷، ص ۳۳۱، ص ۳۳۵، ص ۳۳۹، ص ۳۴۸، ص ۳۵۲، ص ۳۶۰، ص ۳۷۵، ص ۳۷۶، ص ۳۷۷، ص ۳۷۹، ص ۳۸۰، ص ۳۸۷، ص ۵۰۰

★ ضربِ کلیم : ص ۴۳۶، ص ۴۸۳، ص ۴۸۸، ص ۵۰۱، ص ۵۰۲، ص ۵۲۱، ص ۶۲۹، ص ۶۶۴، ص ۵۶۳، ص ۵۶۴

★ ارمغانِ حجاز : ص ۶۷۳

کلیاتِ اقبال فارسی :

★ اسرار و رموز : ص ۱۰، ص ۱۷، ص ۱۸، ص ۶۸، ص ۶۹، ص ۱۰۹، ص ۲۰۹، ص ۲

★ پیامِ مشرق : ص ۱۸۹، ص ۱۹۶، ص ۲۱۴، ص ۲۱۶، ص ۳۰۳، ص ۳۲۱، ص ۳۲۲، ص ۳۴۰، ص ۳۷۵، ص ۳۶۰

★ زبورِ عجم : ص ۴۰۹، ص ۴۱۸، ص ۴۱۹، ص ۴۳۵، ص ۴۳۸، ص ۴۴۷، ص ۴۶۳، ص ۴۶۵، ص ۴۶۸، ص ۴۸۳، ص ۴۹۷، ص ۵۰۵، ص ۵۰۷، ص ۵۲۸، ص ۵۳۰، ص ۵۵۱، ص ۵۵۷، ص ۵۶۱، ص ۵۸۶، ص ۵۸۷

★ جاوید نامہ : ص ۵۹۸، ص ۶۱۰، ص ۶۱۱، ص ۶۳۸، ص ۶۳۹، ص ۶۵۳، ص ۶۵۶، ص ۶۶۲، ص ۶۸۵، ص ۷۰۳، ص ۷۰۹، ص ۷۷۵، ص ۷۹۱

★ ارمغانِ حجاز : ص ۲۰۹، ص ۲۱۵، ص ۳۳۲ ★ شذراتِ فکرِ اقبال : ص ۶۶

★ اقبال نامہ اول : ص ۴۶ ، ★ انوارِ اقبال : ص ۷۴

★ حرفِ اقبال : ص ۱۶۳ ★ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ : ص ۱۳۷، ص ۲۷۹

۱۲۷۔ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۴۷ [اسرارِ خودی - مرحلہ سوم، نیابتِ الٰہی]۔

عقل و جنوں اور عشق و خرد پر ماہرین اقبال کی آراء کے لئے ذیل کتب [مقالات وغیرہ] کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے

★ آفاقِ اقبال ڈاکٹر محمد ریاض ۱۹۸۳ء ص ۸۶ تا ص ۹۶
★ اقبال اور اس کی شاعری اور پیغام - شیخ اکبر علی ۱۹۶۹ء ص ۲۰۶ تا ص ۲۳۲
★ اقبال شناسی اور اقبال - سعید بدر ص ۱۱۷ تا ص ۱۳۷
★ اقبال اور محبتِ رسولؐ - ڈاکٹر صرفا برفاروقی ۱۹۷۷ء ص ۱۹ تا ص ۲۳
★ اطراف اقبال - محمد حسن اختر ۱۹۷۲ء ص ۱۵۲ تا ص ۱۸۴
★ تشبیہات اقبال - پروفیسر نذیر احمد ۱۹۷۷ء ص ۱۴۴ تا ص ۲۲۱
★ خوشحال اور اقبال - میر عبد الصمد خان ۱۹۶۱ء ص ۲۰۸ تا ص ۲۱۴
★ سیرتِ اقبال - ڈاکٹر صرفا برفاروقی ۱۹۶۱ء ص ۳۲۹ تا ص ۳۵۲
★ شذراتِ فکرِ اقبال - اردو ترجمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی ۱۹۷۳ء ص ۶۸
★ متاعِ اقبال - فضل الٰہی عارف ۱۹۷۷ء ص ۳۳ تا ص ۴۰
★ مطالعہ اقبال - گوہر نوشاہی ۱۹۷۱ء ص ۱۹۰/۱۴۰ تا ص ۲۰۸
★ ہفت رنگِ اقبال - پروفیسر غلام محی الدین صلوت ۱۹۷۲ء ص ۱۱۵ تا ص ۱۲۸

★ اقبالیات کا مطالعہ - سید وقار عظیم ۱۹۷۷ء ص ۳۲۱ تا ص ۳۳۶
★ اقبال اور عشق و خرد [تقویم خودی میں تفکر اور دانش کی حقیقت درشادت کر دوں۔ سہ ماہی صحیفہ لاہور اقبال نمبر ۱۲۵ جنوری فروری ۱۹۹۳ء]
★ اقبال کے حضور - ص ۶۳
★ منثورات اقبال - بزم اقبال سن ندارد ص ۶۳ تا ص ۶۸

⑧ اَلعِلمُ حِجابُ الاکبر ہے

۲۸ جولائی ۱۹۱۷ء کے نیو ایرا لکھنؤ میں علامہ کا مضمون "اسلام اور تصوف" چھپا اس میں آپ نے لکھا

"۔۔۔۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ اسلام تاریخ کے اجالے میں پیدا ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے صدقے جمہوری روایات پیدا ہوئیں، ایسے ذہین صحابہ رضؓ کے درمیان زندگی بسر کی جنہوں نے ان کے مقدس ہونٹوں سے نکلی ہوئی ایک ایک بات آنے والی نسلوں تک پہنچائی۔ آپؐ کی تعلیمات میں رہبانیت کا شائبہ تک موجود نہیں ہے۔ قرآن پاک کا ہر لفظ زندگی کی مسرتوں اور روشنیوں کا مظہر ہے یہ زندگی کے اس مایوس کن راہبانہ تصور کے خلاف ایک بھرپور حملے کی حیثیت رکھتا ہے جس نے صدیوں سے انسان کو مایوسی و نا امیدی میں مبتلا رکھا۔ اس دنیا کے حقائق کا ہنستے کھیلتے مردانہ وار مقابلہ کرنا اور اللہ جل جلالہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے نفاذ اور سربلندی کے لیے کام کرنا ہی اصل بات ہے۔ ان لوگوں کی بات پر قطعاً دھیان نہ دیجیے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں ایک خفیہ نظام ہے جس کے بھید ہر کس و نا کس پر کھولے نہیں جا سکتے۔ یہی بات اس دھوکے باز شخص کو تقویت دیتی ہے تو دوسری طرف آپ کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔ اس میں عہد رومانی عیسائیت کی روح کارفرما ہے جو اپنی تاریکیوں کے تحفظ کے لیے ایک ایسا قلعہ بنائی ہے جس میں تاریخ دان جھانک نہ پائیں۔ ایسا شخص جو "خفیہ نظام" یا چھپی ہوئی شریعت کا ڈھونگ رچاتا ہے اور اسلامی تاریخ سے آپ کی لاعلمی کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس متوقع خطرے کے پیشِ نظر کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے ذہن کے افق پر پھیلائی ہوئی مکر و فریب کی اس دھند پر تاریخ اسلام

کی شعاعیں پڑ کر اس کا پردہ چاک کردیں، وہ "حواس کے ذریعے علم" کو بہت بڑا پردہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "العلم حجاب الاکبر" علم بہت بڑا پردہ ہے۔ اس طرح حقیقت کا یہ دشمن حقائق کو سمجھنے والے ادراک یعنی علم ہی کی نفی کر ڈالتا ہے اور تاریخ کے علم کی بنیادوں ہی کو متزلزل کر دیتا ہے، کیونکہ اسے اسی میں اپنی نجات نظر آتی ہے .... آئیں ہم سب عجم کے دھندلکوں سے باہر نکلیں اور عرب کے صحراؤں کی چلچلاتی دھوپ میں چلتے پھرتے نظر آئیں" ح ۱۷۵

گویا علامہ کے نزدیک ایسا کشفی علم، جو جہالت کے اندھیروں میں دھکیلنے والا ہو حجاب الاکبر ہے۔ اسی جاوید نامہ میں "حضور" کے تحت عنوان انہوں نے ایسے علم کو جو کج فطرت اور بدگوہر ہو حجاب الاکبر لکھا ہے

علم اگر کج فطرت و بدگوہر است   پیش چشم ما حجاب اکبر است۔

[کلیات اقبال فارسی ص ۷۲۶]

⑨ **انی قریب**: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔

[البقرہ: ۱۸۶]

اسلام سے پہلے کے مذاہب اور فلسفوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات باری کے توحیدی تصور میں تجسّم تشبیہ اور تنزیہہ کے چکر آتے جاتے تھے۔

تجسّم سے مراد اللہ کا ایسا تصور ہے جو مخلوق کی طرح جسم اور صورت رکھتا ہو۔

تشبیہ سے مراد ایسی صفات اس تصور میں داخل کرنا جو مخلوق کی صفات کے متشابہ ہوں۔

تنزیہہ سے مراد یہ ہے کہ اس تصور کو کلیتہً تجسّم و تشبیہ سے مبرا رکھا جائے۔

علاوہ ازیں تعدد و اشراک یعنی ارباباً من دون اللہ کی پرستش بھی ہوتی رہی۔ ظہور قرآن کے وقت **پانچ دینی تصور** فکر انسانی پر چھائے ہوئے تھے۔ چینی، ہندوستانی، مجوسی، یہودی اور مسیحی [تفصیل کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن جلد اول فاتحۃ الکتاب ملاحظہ ہو]۔

ایک بات یقینی ہے کہ ہر دینی تصور مبنی بر توحید تھا۔ حتیٰ کہ ارض حجاز کے بت پرستوں نے بھی تصور توحید کو یکسر فراموش نہیں کیا تھا۔ تعدد و اشراک "مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ" ح ۱۷۶ پر مبنی تھا [ہم ان کی پوجا صرف تقرب الٰہی کی غرض سے کرتے ہیں]۔ یعنی شرک بھی توحید کا تصور لئے ہوئے تھا۔ یا توحید کو شرک سے آلودہ کر دیا گیا تھا اور کوئی مذہب اور فلسفہ اس آلودگی سے مبرا نہ تھا۔

"لیکن ان تمام تصورات کے بعد جب ہم قرآنی تصور توحید کو دیکھتے ہیں تو تشبیہ مشکل سے

ح ۱۷۵ افکار اقبال۔ محمد حامد ص ۲۲۶/۲۲۵   ایضاً   ح ۱۷۶ الزمر: ۳

سارے پردے بیک وقت اٹھ جاتے ہیں۔ انسانی اوصاف و جذبات کی مشابہت مفقود ہوجاتی ہے۔ ہر گوشہ میں مجاز کی جگہ حقیقت کا جلوہ نمایاں ہوجاتا ہے اور تجسیم کا شائبہ تک نہیں رہتا تنزیہہ اس مرتبۂ کمال تک پہنچ جاتی ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ [الشوریٰ: ۱۱]۔ اس کے مثل کوئی شے نہیں۔ کسی بھی چیز سے تم اُسے مشابہ نہیں ٹھہرا سکتے" ؎۱۷۷

لیکن تجسیم و تشبیہ کے خاتمے اور تنزیہہ کے اس انداز نے تصورِ توحید کو تعطل تک پہنچنے نہیں دیا۔ یعنی تنزیہہ کی نفی و منع کو اس حد تک پہنچنے نہیں دیا گیا کہ فکرِ انسانی کی پہنچ سے باہر ہوجائے۔ بقول مولانا آزاد

یہ تنزیہہ کی تکمیل تھی یہ تعطیل کی ابتدا نہیں۔ اگر خدا کے تصور کے لئے صفات و افعال کی کوئی صورت ایسی باقی نہ رہے۔ جو فکرِ انسانی کی پکڑ میں آسکتی ہو تو تنزیہہ نفیِ وجود ہو کر رہ جائے گی۔ جس طرح اثباتِ صفات میں غلو تشبیہ کی طرف لے جاتا ہے اسی طرح نفیِ صفات میں غلو تعطیل تک پہنچا دیتا ہے القرآن انسانی فطرت کے عین مطابق اور تصورِ توحید کے تقاضوں کا لحاظ لیئے ہوئے ہے۔

اپنی فطرت کے لحاظ سے انسان ایک ایسے خدا کا تصور چاہتا ہے جس کا دامنِ کبریائی پکڑنے کے لئے ہمیشہ اس کا دستِ عجز بڑھ سکتا ہے جو اگرچہ زیادہ سے زیادہ بلندی پر ہو لیکن پھر بھی اسے ہر دم جھانک لگائے تاک رہا ہو کہ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ [الفجر: ۱۴] یقیناً تمہارا پروردگار تمہیں گھات لگائے تاک رہا ہے' ؎۱۷۸

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۔۔۔۔۔۔۔ کا ارشاد اللہ اور بندے کے رشتے کو مستحکم کرتا ہے اور اور تصور میں زندگی پیدا کرتا ہے۔ علامہ نے پہلے عالمِ یاس میں کہا حرفِ اُدْعُونِي دگفت و باکہ گفت" اب بے قراری کے عالم میں پکار اٹھتے ہیں

زیرِ گردوں خویش را یابم غریب آں سوئے گردوں بگو إِنِّي قَرِيبٌ

شیخ ابن عربیؒ لکھتے ہیں ۔۔۔۔ سب کو دیکھتا سنتا ہے بُعد اُس کی سماعت کا حجاب نہیں ہوسکتا لہٰذا وہ قریب ہے۔ قرب اُس کی بصارت کا حجاب نہیں ہوسکتا لہٰذا وہ بعید ہے" [فصوص الحکم، اردو ترجمہ محمد عبدالقدیر صدیقی ص۲۳ [عقائد شیخ اکبر] نیز فتوحاتِ مکیہ ج۱ ص۱۱۹ مقدمہ]۔

؎۱۷۷ ترجمان القرآن ج۱ ص۱۹۲ ایضاً ؎۱۷۸ ایضاً ص۱۹۲ نیز مقدرِ انسانی اردو ترجمہ عبدالحمید ایم۔ اے ص۳۹۷
Human Destiny از Le comte Du Nouy، مطبوعہ اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کراچی ۱۹۵۹ء
نیز تاریخ تصوف۔ بشیر الدین ڈار ص۱ تا ص۱۴

۴۸ — تو فروغِ جاوداں ما چوں شرار
یک دو دم داریم و آں ہم مستعار

۴۹ — اے تو نشناسی نزاعِ مرگ و زیست
رشک بر یزداں برد ایں بندہ کیست؟

بندہ آفاق گیر و ناصبور
نے غیاب او را خوش آید نے حضور

آنیم من جاودانی کن مرا
از زمینی آسمانی کن مرا

۵۲ — ضبط در گفتار و کردارے بدہ
جادہ ہا پیداست رفتارے بدہ

۵۳ — آنچہ گفتم از جہانے دیگر است
ایں کتاب از آسمانے دیگر است

بحرم و از من کم آشوبی خطاست
آں کہ در قعرم فرو آید کجاست

یک جہاں بر ساحلِ من آرمید
از کراں غیر از رمِ موجے ندید

من کہ نومیدم ز پیرانِ کہن
دارم از روزے کہ می آید سخن

۵۷ — بر جواناں سہل کن حرفِ مرا
بہرِ شاں پایاب کن ژرفِ مرا

حواشی و تعلیقات

شعر نمبر ۴۸ — گزشتہ بند میں دعا کی تھی
منزلے بخش ایں دلِ آوارہ را — بازدہ باماہ ایں مہ پارہ را

اور "دلِ آوارہ" کی منزل کا اجمال "اِنّی قریبٌ" کا سراپا تسکین کلام بتایا تھا۔ اب حقیقی تقرب کے لئے ہم صفت ہونے کی ضرورت کا احساس سامنے آتا ہے "تو فروغِ جاوداں" یعنی "کُلَّ یومٍ ھُوَ فی شان"[۱۷۹] ہر روز ایک تازہ تر شانِ خلّاقی کے ساتھ، اور میں [ابنِ آدم] یا [بندۂ مومن] مثالِ شرر نفس دو نفس کی زندگی وہ بھی مستعار، لہذا "آنیم من جاودانی کن مرا"[۱۷۹]

شعر نمبر ۴۹ تا شعر نمبر ۵۲: شعر کے دونوں مصرعے تخاطب و تکلّم کا عجیب ڈرامائی انداز لئے ہوئے ہیں ایسا

---

۱۷۹ الرحمٰن: ۱۹ ۱۷۹ تو کہ دانی حیاتِ جاوداں چیست
زر و تمات تو یک دم کم نگردد

نمی دانی کہ مرگِ ناگہاں چیست
اگر من جاوداں باشم زیاں چیست
کلیاتِ اقبال فارسی ص ۹۰ [ارمغانِ حجاز]

معلوم ہوتا ہے کہ "اے تو نشناسی نزاعِ مرگ و زیست" شعر سابق کے مصرعِ اولیٰ "تو فروغِ جاوداں ما ہوں شرار" کا جواب ہے اور نوائے جمال ہی کے ذیل میں آتا ہے۔ یعنی تجھے کیا معلوم "جاودانی" نزاعِ مرگ و زیست کی لذت یابیوں اور گاہے غیاب گاہے حضور[180] کی کشاکش ہی کا نام تو ہے* —— یہی نا صبورِ بندگی یزداں گر آفاقیت کی حامل ہے جو بندۂ خاکی کو ہمسایۂ جبریل امیں بناتی ہے۔ اس لئے علامہ جب آنی و فانی زندگی کے لئے جاودانی کی آرزو کرتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ گفتار و کردار میں ضبط [ہم آہنگی] کے لئے؟ لازمِ اول یعنی توفیق (رفتار بھی) طلب کرتے ہیں کہ جادۂ ہدایت رفتار سے بذریعہ فرمانِ باری تعالیٰ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ[181] شرط چلنا ہے رستے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں اور علامہ کے نزدیک یہ چلنے کی شرط بھی توفیقِ الٰہی ہی سے پوری ہو سکتی ہے —— "فلسفۂ خودی" تعمیرِ شخصیت [نائبِ حق] کے لئے جو تین مراحل متعین کرتا ہے ——
اطاعتِ الٰہی، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی دراصل وہ ایک ہی بات ہے۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ یعنی ربِّ کائنات کی تخلیقی فعلیت میں شریک ہونے کے لئے "ضبطِ نفس بذریعہ اطاعتِ الٰہی" ضروری ہے۔ یہ ہے وہ اصولِ حرکت جو نہ اللہ کے ہاتھ باندھ کر عرش پر بٹھاتا ہے [یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ[182]] اور نہ بندوں کو بے دست و پا، اسیرِ تقدیر کرتا ہے بس قول و عمل میں نظم و ضبط بندۂ خاکی کے گفتار و کردار کو اللہ کی برہان بناتا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان ——— گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے ——— دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان[183]

شعر نمبر ۵۳ تا ۵۷

یہ اسی طرح کے احساسات ہیں جیسے کہ علامہ نے اسرارِ خودی میں ظاہر کئے تھے

بسکہ عودِ فطرتم نادر نواست ——— ہم نشیں از نغمہ ام نا آشناست

---

180 ملاحظہ ہو حاشیہ شعر نمبر ۱۰ تا شعر نمبر ۱۵ [مناجات] برائے غیاب و حضور۔

181 العنکبوت: ۶۹ — 182 المائدہ: ۶۴ — 183 کلیاتِ اقبال فارسی ص ۵۲۲ نظم مردِ مسلمان [ضربِ کلیم]

اور یہاں یہ حال کہ ——— جتنا بڑھتا گیا حسنِ گفتار ——— رتنے گھٹتے گئے کردار میں ہم

* تخلیقِ فعلِ خیر، "اپنا رزق خود پیدا کر" سے

نغمۂ من از جہانِ دیگر است / این جرس را کاروانِ دیگر است
نا شنیدا استم زیارانِ قدیم / طورِ من سوزد کہ می آید کلیم
ہیچ کس رازے کہ من گویم نگفت / ہمچو فکرِ من درِ معنی نسفت ۱۸۴

در جہان یارب ندیمِ من کجاست / نخلِ سینایم، کلیمِ من کجاست
شمع را تنہا تپیدن سہل نیست / آہ یک پروانۂ من اہل نیست
من مثالِ لالۂ صحرا ستم / در میانِ محفلے تنہا ستم
خواہم از لطفِ تو یارے ہمدمے / از رموزِ فطرتِ من محرمے ۱۸۵

اکبر الہ آبادی مرحوم کے نام مثنوی اسرارِ خودی کی اشاعت کے بعد اپنے مکتوب ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں "خواہم از لطفِ تو یارے ہمدمے" کی شرح یوں کی

"۔۔۔۔ مجھے یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان جو ذوقِ خداداد کے ساتھ قوتِ عمل بھی رکھتا ہو مل جائے تو اس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر دوں" ۱۸۶

دراصل جاوید نامہ کا تخلیقی عرصہ [۱۹۲۹ تا ۱۹۳۲] مثنوی اسرارِ خودی کی اشاعت [ستمبر ۱۹۱۵ء] کے عرصہ سے کہیں زیادہ مشکلات رکھتا تھا۔ قومی رہنما متحدہ ہندوستان کے چکر میں تھے اور علامہ آزاد اسلامی ریاست کا سوچ رہے تھے، دیگر قومی رہنما مخلوط انتخابات پر بھی رضامند تھے اور علامہ جداگانہ حقِ نیابت کے داعی [وہ بھی آزاد ریاستِ اسلام کے حصول کے لئے ایک ضروری بنیاد مگر ناگوار [illegible] سمجھ کر] ۱۸۷ اور ظاہر ہے اس تضادِ فکر و عمل میں تمام تر [چند نوجوانانِ کیمبرج کے علاوہ] پیرانِ کہن ہی کا ہاتھ تھا۔ لہذا علامہ نے دعا کی

برجوانان سہل کن حرفِ مرا / بہرِ شاں پایاب کن ژرفِ مرا

یوں علامہ شروع دن سے جوانوں کے خونِ گرم ہی سے امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے۔ اور زندگی کے آخری دس سالوں [۱۹۲۹ تا ۱۹۳۸] میں تو بطورِ خاص نوجوان ان کے مخاطب رہے ۱۸۸

ژرف: گہرا، عمیق۔

---

۱۸۴ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۶، ۷ مثنوی اسرارِ خودی — تمہید
۱۸۵ ایضاً ص ۸ دعا۔
۱۸۶ اقبال نامہ ۲۵۔ ص ۲۹
۱۸۷ خطوطِ اقبال ص ۲۲۱ مکتوب بنام ڈاکٹر [illegible] مرحوم" مکتوبہ اکتوبر ۱۹۳۲
۱۸۸ افاداتِ اقبال ڈاکٹر محمد ریاض ص ۳۲۶ "اقبال اور نسلِ نو" تفصیلاً مطالعہ کرنا چاہیے

تمہید آسمانی

نخستین روز آفرینش نکوہش می‌کند آسمان زمین را

۵۸ - زندگی از لذتِ غیب و حضور — بست نقشِ این جہانِ نزد و دور

۵۹ - آن چنان تارِ نفس از ہم گسیخت — رنگِ حیرت خانۂ ایام ریخت

۶۰ - ہر کجا از ذوق و شوقِ خودگری — نوۂ من دیگرم تو دیگری

۶۱ - ماہ و اختر را خرام آموختند — صد چراغ اندر فضا افروختند

بر سپہرِ نیلگوں زرد آفتاب — خیمۂ زر بفت با سیمیں طناب

از افقِ صبحِ نخستیں سر کشید — عالمِ نوزادہ را در بر کشید

ملکِ آدم خاک و ائے بود و بس — دشتِ او بے کاروانے بود و بس

نے بکوہے آبجوئے در ستیز — نے بصحرائے سحابِ ریز ریز

نے سرودِ طایراں در شاخسار — نے رمِ آہو میانِ مرغزار

۶۲ - بے تجلی ہائے جان بحر و برش — دودِ پیچاں طیلسانِ پیکرش

۶۳ - سبزہ باد فرودیں نادیدۂ
اندر اعماقِ زمیں خوابیدۂ

حواشی و تعلیقات: نکوہش: جھڑکی، ملامت، دو چیزوں کا آپس میں مناظرہ کرنا اور دونوں کا آپس میں دلائل کے ذریعے برتری ثابت کرنا قدیم ترین فن ہے۔ اس فن کا [فارسی شاعری میں] موجد اسدی طوسی بزرگ کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اسدی بزرگ فردوسی کا استاد تھا [ادب نامہ ایران مرزا اقبال بیگ بدخشانی صفحہ] سا

بہ نیرو ہے زندگی غیب و حضور — آن یکے اندر ثبات این در مرور [جاوید نامہ]

شعر نمبر ۵۸ - غیب و حضور: غیب وہ عالم جو بغیر مدت اور مادہ کے پایا جاتا ہے۔ [کشاف اصطلاحات الفنون ج ۲] حضور کے لئے شعر نمبر ۱۰ تا ۱۵ کا حاشیہ ملاحظہ ہو ——— علامہ کے ہاں فطرت حضور ہے اور خودی کی پوشیدہ صلاحیتیں غیب، جو ظہور میں آ کر حضور بن جاتی ہیں۔ فطرت اور انسان کا تعلق اسی مسلسل عمل سے عبارت ہے۔

زندگی از لذتِ غیب و حضور — بست نقشِ این جہانِ نزد و دور [۱۸۹] [...]

---

۱۸۹ - روح اقبال صفحہ ۳۲۸ یوسف حسین خان

یعنی حیات ایک وحدت ہے جو کثرت میں اسیر ہو گئی یا لذتِ غیب و حضور کی وجہ سے کثرت کے لباس میں ظاہر ہو رہی ہے۔

تصوف کی اصطلاح میں اسی بات کو یوں کہتے ہیں۔

" جب معلوماتِ الٰہیہ [اعیانِ ثابتہ] پر اسماء و صفاتِ الٰہیہ کی تجلی ہوئی تو جہانِ نزد و دور پیدا ہو گیا" ۱۹۰

جہانِ نزد و دور: وہ جہان جو قیدِ زمان و مکان میں ہے۔ علامہ زندگی کے سفر کو بیان کر رہے ہیں، کہ کس طرح وہ عالمِ خوابیدگی سے عالمِ بیداری تک پہنچی۔ مثلاً اسرارِ خودی میں یہی بات انہوں نے یوں بیان کی ہے۔

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی ست ہر چہ می بینی ز اسرارِ خودی ست

خویشتن را چون خودی بیدار کرد آشکارا عالمِ پندار کرد ۱۹۱

لیکن فلسفہ و حکمت اور تصوف کے نزدیک حیات سے مراد چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے ۱۹۲ اس لئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اسے وحدت الوجودی تصور سے تعبیر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں

" علاوہ بریں خطباتِ مدراس میں انہوں (علامہ) نے باری تعالیٰ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ وہی ہے جو شیخ اکبرؒ نے فصوص اور فتوحات میں واضح کیا ہے۔ چنانچہ تیسرے خطبے میں وہ لکھتے ہیں۔ " یہ کائنات اپنی تمام جزئیات میں سالماتِ مادّی کی میکانکی حرکت سے لے کر انسانی دنیا میں فکر کی بالارادہ حرکت تک انائے کبیر کا جلوۂ ذات ہے " ص۷۱ یہی بات حضرت شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی نے اس شعر میں واضح کی ہے

معمور ہو رہا ہے عالم میں نور تیرا از ماہ تا بہ ماہی سب ہے ظہور تیرا

اس نظریۂ کائنات کو اصطلاح میں وحدت الوجود کہتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ شیخ اکبرؒ اس نظریے کے سب سے بڑے علم بردار ہیں " ۱۹۳

جہاں تک خطبہ سوم کا تعلق ہے مذکورہ عبارت اس میں موجود ہی نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ علامہ اس خطبہ میں شروع ہی سے وحدت الوجودی نظریہ کی نفی کرتے ہیں ملاحظہ ہو تشکیل جدید ص۹۷ [اللہ نور السموات والارض کا تجزیہ]۔

---

۱۹۰ شرح جاویدنامہ چشتی ص۲۶۱ ۱۹۱ کلیاتِ اقبال فارسی ص۱۳ ۱۲/۱۰ [اسرارِ خودی]
۱۹۲ اقبال کا تصورِ الٰہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اقبال نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء ص۱۳۵ ۱۹۳ شرح جاویدنامہ چشتی ص۲۲۹

دراصل ماہرینِ اقبالیات نے اکثر اپنی فلسفہ دانی یا صوفیانہ تفکر کے غلبہ کے تحت علامہ کے افکار سے متضاد غیر متعلق اور برعکس اعتبار لیا ہے ۔ علامہ تو نفحتِ الٰہی : زندگی کے سفر کا بیان کر رہے ہیں کہ زندگی نے عدم سے حدوث میں قدم رکھا ۔ اس لیے کہ بقول ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم،

" زندگی جذبۂ آفرینش ہے اور عملِ آفرینش ہی سے اُسے اپنا عرفان حاصل ہوتا ہے " ۔ ع ۱۹۴

شعر نمبر ۵۹ تارِ نفس سے مراد حقیقی زمان ہے جس میں نہ ماضی ہے نہ مستقبل ۔ ع ۱۹۵

ع ازل سے ابد تک رم یک نفس ع ۱۹۶

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے ع ۱۹۷

قرآنِ حمید نے اسے الدّھر سے تعبیر کیا ہے ۔ اور علامہ کے ہاں زندگی اور دھر ہم معنی و مماثل ہیں ع زندگی از دہر و دہر از زندگی ست ع ۱۹۸ لہٰذا اسی ازلیت و ابدیت : الدّھر میں سے ہر موجود اپنی حرکت و عمل کی نسبت سے اپنا زمانہ تخلیق کرتا ہے [تفصیل کیلئے سورۃ الدھر کی تفسیرات پر غور کرنا چاہیئے ۔ کہ انسان وحی [عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۔۔ اِنَّا ھَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ] سے پہلے قابلِ ذکر شے نہ تھا ۔ تو پھر حیوانات کی صف میں تھا ۔ راستہ مل جانے کے بعد اُس پر چلنے یا اُس کے خلاف چلنے کی حرکت و عمل نے اُسے قابلِ ذکر شے بنا دیا ۔ اول الذکر مسلمان اور ثانی الذکر نامسلمان قرار ٹھہری ۔ زندگی کا یہ نیا جلوہ ہی " تارِ نفس از ہم گسیختن " سے تعبیر ہوا جس نے حیرت خانۂ ایام کی طرح ڈالی یعنی زمانِ متغیر و مسلسل وجود میں آیا ۔

رنگ ریختن و نقش بستن بظاہر ہم معنی ہیں لیکن درحقیقت بستن و ریختن، برعکس مفہوم پیدا کرتے ہیں ۔ بلحاظ حرکت و جمود، زندگی جمود سے حرکت میں آئی، زندگی نے عالمِ خواب، سے عالمِ بیداری میں قدم رکھا ۔ ساقی نامہ بالِ جبریل کا بغائر مطالعہ اس مفہوم کو اور کھولنے میں مدد دے گا ۔

حیرت خانۂ ایام میں ایک نکتہ اور بھی محلِ غور ہے دن رات ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آ رہے ہیں کوئی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے یا مدغم ہو جانے کی کوشش نہیں کرتا ہے ۔ اس حیرت خانہ میں " من دیگرم تو دیگری " ع ۱۹۹ ورنہ حیرت تو عدم حرکت یا سکون کی علامت اور حالت ہے ع ۲۰۰ بانگِ درا حصہ اول کی شاعری میں " مطالعہ فطرت " اسی اصولِ حرکت ، کی وضاحت کی کوشش ہے ۔ انسانی معاشرہ بھی اسی اصولِ فطرت کے تحت منظم و متحد ہو سکتا ہے ۔ محبت و الفت

ع ۱۹۴ تلمیحات اقبال ص ۳۸۷ بحوالہ دیباچہ ترجمانِ اسرار ۔ ع ۱۹۵ شرح جاوید نامہ چشتی ص ۲۶۳

ع ۱۹۶ کلیات اقبال اردو ص ۴۱۹ [بالِ جبریل ۔ ساقی نامہ] ع ۱۹۷ ایضاً ع ۱۹۸ کلیات اقبال فارسی ص ۷۲ (اسرارِ خودی الوقت سیف)

ع ۱۹۹ ملاحظہ ہو اسرارِ خودی ۔ درمیانِ این جہان کر اصلِ نظام از خودی است کلیات اقبال فارسی ص ۱۲

ع ۲۰۵ علامہ بیدل فکر برگساں کی روشنی میں ۔ علامہ اقبال ترجمہ اردو ڈاکٹر تحسین فراقی ص ۳۹ Badil in the light of Bergson PP 29/30

کا یہی وہ "حسنِ ازل" ہے اقبال شروع ہی سے جس کا شیدا اور داعی ہے۔ ھمالہ، ہے نیا شوالہ، تک اسی "اصول" کو اتحاد کی ضمانت ثابت کیا جا رہا ہے۔ اور فلسفۂ خودی بھی یہی پیغام رکھتا ہے اتحاد کی کائناتی تعبیر ملاحظہ ہو۔

ریاضِ ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا

حقیقتِ گل کو تو جو سمجھے تو وہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا [206]

"پیمانِ رنگ و بو" کے اصول پر مبنی اتحاد ہی ہندوستان کی گُل منظری کی ضمانت تھا۔ تفصیل کے لئے راقم کا مقالہ ایم فل "اقبال اور دو قومی نظریہ" دیکھنا چاہئے۔

شعر نمبر ۶۰

تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ — سلسلۂ روز و شب صیرفیِ کائنات [207]

جس طرح زمانہ الدھر کے اندر ہر ذی حیات کی حرکت و عمل کے کیف و کم کا نام ہے اسی طرح زمانہ (حرکت و عمل) شخصیتوں کی انفرادیت کا پیمانہ بھی ہے، اسی سے "من و تو" کا امتیاز ظہور میں آتا ہے۔ لہٰذا جس طرح کہ فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ جیسے ہم آج ہیں ویسے کل نہ رہیں، اسی طرح فطرت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہماری انفرادیت کا تحفظ بھی کما حقہٗ ہو۔ علامہ کے فلسفۂ خودی میں، ہر خودی کی یکتائی مسلّم ہے۔ یہاں مشرقی وجودیوں کی طرح

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

تا کس نگوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری (امیر خسرو)

کی گنجائش نہیں۔ یہاں تو ہر شے موجود "نعرۂ من دیگرم تو دیگری" سے اپنی خودی کی تقویم کر رہی ہے اس لئے کہ ع تقدیرِ وجود ہے جدائی [208] اس لئے کہ ع آئینِ جہاں کا ہے جدائی [209] ورنہ فنا [210]

علامہ عمرانی مسائل اور سماجی مشکلات [ہند خصوصاً اور عالمی عموماً] پر غور کر رہے تھے اور ماہرینِ اقبال اسے مغرب و مشرق کی دوری کے حوالے کر رہے ہیں [211] "خودی تربیت یافتہ ہو یا غیر تربیت یافتہ، ہر حالت میں خودی ہی رہے گی۔ اس کا جوہر ہے یکتائی۔ ہر خودی اپنی جگہ یکتا ہے۔ ہر خودی کا ایک تشخص اور ایک انفرادیت ہے جب تک قائم ہے خودی قائم ہے ورنہ اس کا وجود ختم ہو جائے گا۔ نہ خودی کسی دوسری خودی میں مدغم ہو سکتی ہے نہ اس کا ظہور کسی دوسری خودی کے توسط سے ہو گا" [212]

اس لئے کہ "آثار و نتائج کے اعتبار سے چیزوں کا الگ الگ ہونا اور ان میں ہر ایک کا اپنی اپنی حقیقت کے اعتبار سے جدا ہونا ایک واقعہ ہے" [213]

کلامِ اقبال (اردو/فارسی) کے ذیل مقامات خودی سے متعلق تفصیلات کے لئے دیکھنے چاہئیں۔

بانگِ درا: ص ۲۷۳ — بالِ جبریل: ص ۳۱۲، ص ۳۳۰، ص ۳۳۶، ص ۳۳۷، ص ۳۳۸، ص ۳۲۵، ص ۳۲۶، ص ۳۲۷، ص ۲۵۵، ص ۳۸۱، ص ۴۰۷، ص ۴۱۶، ص ۴۲۰، ص ۴۲۱، ص ۴۳۲ — ضربِ کلیم: ص ۴۷۷، ص ۴۹۳، ص ۵۲۰، ص ۵۳۲، ص ۵۳۴، ص ۵۳۵، ص ۵۳۶، ص ۵۳۷، ص ۵۳۸، ص ۵۵۲، ص ۵۶۲، ص ۵۶۳، ص ۵۶۸، ص ۵۷۷، ص ۵۷۹، ص ۶۲۷،

ارمغانِ حجاز (اردو): ص ۶۶۸، ص ۶۷۵، ارمغانِ حجاز (فارسی): ص ۹۷۹، ص ۹۸۱، ص ۱۰۰۳،

---

206. کلیاتِ اقبال اردو، ص ۱۳۷ [بانگِ درا حصہ دوم، غزل ۳] 207. ایضاً ص ۳۸۵ (بالِ جبریل - مسجدِ قرطبہ)

208. کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۲۵ (بالِ جبریل - غزل ۲) 209. ایضاً ص ۱۲۸ (نظم دو ستارے بانگِ درا) 211. شعر چار ہوئے نام ...

210. سہ چلنے والے مسافر! عجب یہ بستی ہے۔ جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے۔ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۱۲۷ (نظم ستارہ بانگِ درا)

212. اقبال کے حضور ص ۸۳ 213. عبقات ص ۱۹ شاہ اسماعیل شہیدؒ اردو ترجمہ علامہ مناظر احسن گیلانیؒ۔

اسرارِ خودی: ص ۱۲، ص ۱۳، ص ۱۴، ص ۱۵، ص ۱۸، ص ۲۵، ص ۵۳، ص ۵۵، ص ۶۵ -

پیامِ مشرق: ص ۱۰۳، ص ۲۰۵، ص ۲۲۰، ص ۲۲۶، ص ۲۳۰، ص ۲۳۶، ص ۲۳۷، ص ۲۲۶، ص ۲۷۳، ص ۳۲۸،

زبورِ عجم: ص ۴۶۲، ص ۴۸۳، ص ۵۰۱، ص ۵۰۷، ص ۵۰۸، ص ۵۱۶، ص ۵۲۱، ص ۵۲۲، ص ۵۲۵،
ص ۵۵۱، ص ۵۵۲، ص ۵۵۳، ص ۵۵۴، ص ۵۵۵، ص ۵۵۷، ص ۵۶۲، ص ۵۶۳، ص ۵۶۵

جاوید نامہ: ص ۱۳۸، ص ۱۱، ص ۱۷، لغاتِ اقبال ص ۲۵ -

دیگر مآخذ

شرح جاوید نامہ چشتی ص ۲۵۶، ص ۲۵۵، فصوص الحکم: فصِ موسویہ، عبقات شاہ اسماعیل شہید عبقہ اول۔

اقبال کا تصورِ الٰہ، خلیفہ عبدالحکیم - مقالاتِ حکیم جلد دوم / اقبال ۱۵ اقبالیات ص ۱۷ تا ص ۱۲۷

اقبال اور احیائے دین - خادم علوی صفحات ۵۰ تا ۵۷ / اقبال کا فلسفۂ خودی - پروفیسر محمد عثمان ص ۱۲۱ تا ص ۱۳۰

تبرکاتِ اقبال - ڈاکٹر محمد ریاض ص ۲۷ الخ / درسِ اقبال پروفیسر محمد یوسف خان ص ۳۳ تا ص ۴۳

متاعِ اقبال، فضلِ الٰہی عارف ص ۲۹ تا ص ۳۲ / اقبال کا تصورِ خودی - ڈاکٹر عابد حسین ص ۱ تا ص ۲۹،

اقبال کا علم الکلام - پروفیسر سید علی عباس جلالپوری / نقدِ اقبال میکش اکبر آبادی ص ۳ الخ / اقبال پر ایک نظر - سید محمد شاہ ص ۱ الخ

شعر نمبر ۶۱ - إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ - بے شک ہم نے آسمان تاروں کے سنگار سے آراستہ کیا (الصٰفّٰت: ۶) وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ: الحجر: ۱۶ اور بے شک ہم نے آسمان میں برج بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لئے آراستہ کیا ---- وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ، اور ہم نے نیچے کے آسمان (آسمانِ دنیا) کو چراغوں سے آراستہ کیا ---- حٰم السجدہ ۱۲ ---- أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ - ق: ۶: تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہ دیکھا کہ ہم نے اسے کیسا بنایا اور سنوارا اور اس میں کہیں رخنہ نہیں ---- وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ - الملک: ۵ - اور بے شک ہم نے آسمانِ دنیا (نیچے کے آسمان کو) چراغوں سے آراستہ کیا۔ ع ۲۱۴

شعر نمبر ۶۲ تا ۶۶ - دیکھیں شعر ۳ تا شعر ۵ کے حواشی -

شعر نمبر ۶۷، ۶۸ تجلی ہائے جاں: سے پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے انسان مراد لیا ہے۔ "دن رات کا سلسلہ تو شروع ہو گیا تھا [ماہ را فتراک فرام آموختند] مگر ابھی اس میں انسان کا ظہور نہیں ہوا تھا [بے تجلی ہائے جاں بود برش]" ع ۲۱۵ مناسب یہی ہے کہ تجلی ہائے جاں سے زندگی مراد لی جائے۔ اس لئے کہ اگلا شعر اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ تجلی ہائے جاں، کو زندگی کی بیداری تسلیم کیا جائے۔ ابھی صرف جمادات کا ظہور ہوا تھا۔ نباتات بھی ابھی ابھی اعماقِ زمیں میں خوابیدہ تھے۔ خالق کائنات جل جلالہٗ نے بھی، اپنی تسبیح و تحمید کا حکم دیتے ہوئے زندگی کے چار مراحل تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت، بیان کرنے کے بعد چارہ اگانے کا ذکر کیا ہے۔ اَلَّذِیٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ع ۲۱۶ (پاک ہے وہ ذات) جس نے چارہ اگایا (بے جان زمین میں)۔ مراد یہ کہ زندگی نے ابھی عالمِ بیداری میں قدم نہیں رکھا تھا اور ثبات سے مرور کی طرف نہیں بڑھی تھی ع ۲۱۷ ابھی زمین بے جان (بے نور) مادہ تھی ایسے میں آسمان کے مقابلے میں اس کی حیثیت بھلا کیا ہو سکتی تھی۔

ع ۲۱۴ الصٰفّٰت: ۶ / الحجر: ۱۶ / حٰم السجدہ ۱۲ / قٓ: ۶ / الملک: ۵، ع ۲۱۵ شرح جاوید نامہ چشتی ص ۲۶۵

ع ۲۱۶ الاعلیٰ: ۴ ع ۲۱۷ جیسا کہ علامہ نے جاوید نامہ ہی میں لکھا ہے -

شیوہ ہائے زندگی غیب و حضور آں یکے اندر ثبات ایں در مرور جاوید نامہ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۶۰۹

۶۹ - طعنه زد چرخ نیلی بر زمین — روزگار کس ندیدم این چنین
چون تو در پهنای من کور کجا — خیز بخندیم ترا نور کجا
۷۱ - خاک اگر الوند شد جز خاک نیست — روشن و تابنده چون افلاک نیست
۷۲ - یا بزی با ساز و برگ دلبری — یا بمیر از ننگ و عار کمتری
شد زمین از طعنهٔ گردون خجل — ناامید و دل گران و منفعل

پیش حق از درد بی نوری تپید
تا ندائی زان سوی گردون رسید

۷۵ - ای امینی از امانت بی خبر — غم مخور اندر ضمیر خود نگر
۷۶ - روزها روشن ز غوغای حیات — نی از آن نوری که بینی در جهات
۷۷ - نور صبح از آفتاب داغ دار — نور جان پاک از غبار روزگار
۷۸ - نور جان بی جاده ها اندر سفر — از شعاع مهر و مه سیار تر
شسته ای از لوح جان نقش امید — نور جان از خاک تو آید پدید
۸۰ - عقل آدم بر جهان شبخون زند — عشق او بر لامکان شبخون زند
راه دان اندیشهٔ او بی دلیل — چشم او بیدار تر از جبرئیل
۸۲ - خاک و در پرواز مانند ملک — یک رباط کهنه در راهش فلک
۸۳ - می خلد اندر وجود آسمان — مثل نوک سوزن اندر پرنیان
۸۴ - داغها شوید ز دامان وجود — بی نگاه او جهان کور و کبود
۸۵ - گرچه کم تسبیح و خونریز است او — روزگاران را چو مهمیز است او
۸۶ - چشم او روشن شود از کائنات — تا ببیند ذات را اندر صفات
۸۷ - هر که عاشق شد جمال ذات را
اوست سید جمله موجودات را

شعر نمبر ۶۹: سبزہ اور روئیدگی کی صفات سے یکسر محروم ہونے اور زندگی کی حرکت و حرارت نہ ہونے کے باعث

شعر نمبر ۷۰: الوند: ہمدان کے نواح میں آذربائیجان سے خلیج فارس تک مغربی پہاڑی سلسلے میں واقع [تلمیحات اقبال۔ عابد ص ۲۶۷] ایک بلند و بالا پہاڑ کا نام ہے۔ علامہ کو اس پہاڑ سے خاص دلچسپی تھی کہ ہمالیہ وغیرہ کو چھوڑ کر الوند کو اہمیت دی ہے۔ اس اہمیت کا اندازہ ان کے ان دو شعروں ہی سے لگایا جا سکتا ہے۔

زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمت ہے لحد میری کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی ع ۲۱۸

جوشِ کردار سے شمشیرِ سکندر کا طلوع کوہِ الوند ہوا جس کی حرارت سے گداز ع ۲۱۹

شعر نمبر ۷۵: ہرچند کہ زندگی اسی کرۂ ارضی پر وجود میں آنے والی تھی لیکن زمین ابھی اس صلاحیت سے ابھی ناواقف تھی۔ اسی صلاحیت کو "امانت" سے تعبیر کیا گیا۔ اگرچہ آسمان چاند سورج اور ستاروں سے مزین ہے لیکن وہ روئیدگی کی صلاحیت تو نہیں رکھتا جو زندگی کی حرکت اور حرارت کا ابتدائی مرحلہ ہے اور جس کی انتہا آدم ہے جسکے تخلیق کیے جانے کا ذکر قرآن حکیم میں یوں کیا گیا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ع ۲۲۰ اور بے شک ہم نے انسان کو بجتی ہوئی (کھنکھناتی) مٹی سے بنایا جو اصل میں ایک سیاہ بودار گارا تھی خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ع ۲۲۱ اس (رب) نے آدمی کو بجتی ہوئی مٹی سے جو ٹھیکری جیسی تھی بنایا

امانت کا اشارہ اس امانت کی طرف بھی ہو سکتا ہے جس کا ذکر إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ میں کیا ع ۲۲۲ (ہم نے جبھی امانت پیش فرمائی)... مجازاً اس امانت کی امین، زمین کو بھی کہا جا سکتا ہے جسے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے انکار کے بعد انسان نے قبول کیا — اس لیے کہ زمین ہی کی مٹی سے انسان کی تخلیق ہوئی — اور زمین ہی سے اس کی زندگی کے لوازم وابستہ ہیں۔ اصغر علی روحی کا شعر شاید اسی خیال سے مستفاد ہے۔

جو مُشتِ خاک تھا وہ بن گیا امینِ حیات بلند ہو گئی افلاک سے زمینِ حیات

شعر نمبر ۷۶: یعنی قندیلِ مہر و مہ جن سے روز و شب ظہور میں آتے ہیں۔

شعر نمبر ۷۷: نورِ حجاب [آدم] کی حقیقت علامہ کی نظم "انسان اور بزمِ قدرت" کے درجِ ذیل انتخاب سے واضح ہوتی ہے۔

صبحِ خورشیدِ درخشاں کو جو دیکھا میں نے بزمِ معمورۂ ہستی سے یہ پوچھا میں نے

رتبہ تیرا ہے بڑا، شان بڑی ہے تیری پردۂ نور میں مستور ہے ہر شے تیری

ع ۲۱۸ کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۰۶ (بالِ جبریل۔ غزل) ع ۲۱۹ ایضاً ص ۳۲۳ (بالِ جبریل۔ نپولین کے مزار پر)

ع ۲۲۰ الحجر: ۳۳ ع ۲۲۱ الرحمٰن: ۱۴ ع ۲۲۲ الاحزاب: ۷۲

میں بھی آباد ہوں اس نور کی بستی میں مگر
جل گیا پھر مری تقدیر کا اختر کیونکر

نور سے دور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں میں
کیوں سیہ روز، سیہ بخت، سیہ کار ہوں میں

میں یہ کہتا تھا کہ آواز کہیں سے آئی
بامِ گردوں سے وہ یا صحنِ زمیں سے آئی

ہے ترے نور سے وابستہ مری بود و نبود
باغباں ہے تری ہستی، پئے گلزارِ وجود

انجمن حسن کی ہے تو، تری تصویر ہوں میں
عشق کا تو ہے صحیفہ، تری تفسیر ہوں میں

میرے بگڑے ہوئے کاموں کو بنایا تو نے
بار جو مجھ سے نہ اٹھتا تھا وہ اٹھایا تو نے

نورِ خورشید کی محتاج ہے ہستی میری
اور بے منتِ خورشید چمک ہے تیری ۲۲۳

شعر نمبر ۸۰ آدم و اولادِ آدم کو بخشی گئی دو قوتوں اور صلاحیتوں عقل اور عشق کی شرح و توضیح کے لئے حاشیہ نمبر ۳۶ ملاحظہ ہو۔ نیز بانگِ درا کی نظم "عقل و دل" کلیات اقبال اردو ص ۲۱ کے مطالب پر غور کی ضرورت ہے۔

شعر نمبر ۸۲/۸۳ یک رباطِ کہنہ در راہش فلک (پرانی، فرسودہ، روندی گئی، سرائے) ممکن ہے معراجِ محمد کے تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ جیسا کہ آسمان کے طعنے سے ظاہر ہے۔ آسمان کو آدم اور عشقِ آدم کی راہ میں ایک کہنہ سرائے کہا گیا۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں ۲۲۴

آسمانوں سے دنیا میں سوئی کی طرح سے گزرنا، ظاہر ہے آسانی اور زیبائی دونوں کو عبارت ہے آسمانوں سے گزرنا آدم کے لئے ریشم میں سوئی کے چبھنے کی طرح آسان، لیکن سوئی ریشم میں، اسے خوبصورت تر اور کارآمد بنانے ہی کے لئے چبھتی ہے اس لئے۔ معراجِ آدم نے آسمانوں کے مراتب بھی بلند کر دئیے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

شعر نمبر ۸۴ - دامنِ وجود سے داغ دھونا، کمالِ زندگی اور احسنِ تقویم پر فائز ہونا ہے۔ کور و کبود، اندھے اور نیلگوں کے معانی میں استعمال ہوتے ہیں لیکن کور، پگڑی کے پیچوں کو بھی کہتے ہیں — جس سے پوشیدہ ہونے کا مفہوم بھی نکلتا ہے۔ یعنی نگاہِ آدم کے بغیر آسمان کی صفات بھی اوجھل ہیں۔

شعر نمبر ۸۵ - لم تسبیح و خون ریزہ آدم کو خلافتِ ارضی سونپے جانے پر فرشتوں کے اعتراض کی طرف اشارہ ہے۔ فرشتوں نے "اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" کے جواب میں "اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ" (۱۵) اور اللہ کے بطورِ سادرت ،،

---

۲۲۳ کلیات اقبال اردو ص ۲۱ (بانگِ درا۔ عقل و دل) ۲۲۴ ایضاً ص ۳۱۹ (بالِ جبریل، غزل)۔

ملائکہ نے [illegible] معترض ہوئے کیا تو اُسے خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔ اور ہم تیری تسبیح وتحمید میں مصروف رہتے ہیں ـــ اگرچہ انسان کم تسبیح وخوں ریز ہے لیکن زندگی کو مہمیز بھی اُسی سے مل سکتی ہے۔ کہ خیر وشر کی تمیز صرف اُسی کو بخشی گئی۔ تمام موجودات بشمول فرشتگاں ایک ہی حکم "کر" پر عمل پیرا ہیں جب کہ انسان "کر اور نہ کر" کی تقدیرات کے درمیان زندہ ہے ـــ اسی سے ذہن کے شعور کی بیداری اور خیر وشر کی آویزش عمل میں آئی اور قافلہ حیات کو روانی ملی (۱۱)

شعر نمبر ۸۶ وہ قدرتِ خداوندی کا مشاہدہ کرے گا۔ اور صفات (تعینات کے پردوں) میں۔ ذات (حقیقت) کی تلاش کرے گا۔ حقیقت اشیاء سے آگاہی، ایمان باللہ پر پختگی بخشے گی ـــ

شعر نمبر ۸۷ یہی وہ عشق ہے جسے لامکاں پر شبخون مارنے والا کہا گیا۔ یہ عشق، عاشق کو کائنات پر تصرف بخشے گا۔ اور ایک آسمان ہی کا کیا ذکر وہ پوری کائنات پر متصرف ہو گا۔ جاوید نامہ کے شارحِ اول مولانا صبغۃ اللہ بختیاری نے اس ٹکڑے کا عنوان "ذاتِ خداوندی سے دلبستگی" رکھا ہے۔ مذکورہ صفاتِ آدم کے تفصیلی مطالعہ کے لئے شرح جاوید نامہ چشتی صـ ۲۶۶ تا صـ ۲۶۸ ملاحظہ ہو ـــ تاکہ ذاتِ خداوندی سے دل بستگی کے اسرار کھلیں ـــ

نغمۂ ملائک [۲۲۵]

اس غزل کو یہ عنوان اس لئے دیا گیا کہ ملائک کی نگاہ کفِ خاک پر ہے [۲۲۶]

۸۸ ـــ فروغِ مشتِ خاک از نوریاں افزوں شود روزے
زمیں از کوکبِ تقدیرِ او گردوں شود روزے

۸۹ خیالِ او کہ از سیلِ حوادث پرورش گیرد
ز گردابِ سپہرِ نیلگوں بیروں شود روزے

۹۰ یکے در معنیِ آدم نگر از من چہ می پرسی
ہنوز اندر طبیعت می خلد موزوں شود روزے

۹۱ چناں موزوں شود ایں پیش پا افتادہ مضمونے
کہ یزداں را دل از تاثیرِ او پرخوں شود روزے

---

۲۲۵ کلیات اقبال فارسی صـ ۵۱۲ (زبورِ عجم۔ غزل)

۲۲۶ فرشتہ گرچہ بروں از طلسمِ افلاک است
نگاہِ او بہ تماشائے ایں کفِ خاک است
کلیات فارسی صـ ۴۶۹ (زبورِ عجم غزل)

شعر نمبر ۸۸

مصرعۂ ثانی بجائے "او" زبورِ عجم میں "ما" ہے۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں — کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے ع ۲۲۷

فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور — خودگرے خود شکنے خود نگرے پیدا شد ع ۲۲۸

عشق زپا درآورد خیمۂ شش جہات را — دست دراز می کند تا بہ طنابِ کہکشاں ع ۲۲۹

باورِ ما مشتِ غبارے کجا رسد جبرئیل — بلند نامیٔ او از بلندیٔ بام است ع ۲۳۰

شعر نمبر ۸۹

مصرعۂ اولیٰ زبورِ عجم ص ۱۵۸ اس طرح تھا

؎ خیالِ ما کہ اُو را پرورش دادند طوفانہا

حادث: جو اپنے وجود کے لیے محل و موضوع کا محتاج ہو۔ حادثہ: واقعہ، حوادث: وہ واقعات جو زمان و مکاں کے اندر ہوں، زگردابِ سپہرِ نیلگوں بیروں شود روزے۔ ماورائے زمان ہو جائے گا۔

شعر نمبر ۹۰/۹۱ آدم: (ع) بعض کہتے ہیں کہ ادمت (سزاوارِ امامت) سے ماخوذ ہے۔

بعض کہتے ہیں ادیم (روئے زمین) سے بنا ہوا — ادیم: چمڑا

سنسکرت میں آد: پہلا، مُن: منش (آدمی) کا مخفف ہے۔ [نور اللغات]

مقدّر است کہ مسجودِ مہر و مہ باشی — ولے ہنوز ندانی چہا توانی کرد ع ۲۳۱

چونکہ زمین کو آسمان کا طعنہ آدم کی تخلیق سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اس لیے آدم کی مثال اُس شعر سے دی گئی جو ابھی طبیعت میں اٹک رہا ہو اور لفظوں میں موزوں نہ ہوا ہو صاحب النبہانیہ نے عقد الفرید کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابنِ رواحہ رضؓ سے پوچھا اَخبِرنی مَا الشِّعرُ یَا عَبدَ اللّٰہ — اے عبداللہ مجھے بھی تو بتاؤ یہ شعر کیا ہے؟ عرض کی شَیئٌ یَختَلِجُ فِی صَدرِی فَیَنطِقُ بِلِسَانِی: کچھ چیز پہلے میرے دل میں اختلاج پیدا کرتی ہے پھر زبان پر آجاتی ہے ع ۲۳۲

پس زمین جس کے وجود کی بدولت معزز ہونے والی تھی وہ آدم ابھی طبیعت میں ڈھل رہا تھا۔ جس طرح عام سا مضمون بندش کی چستی، مفہوم کی جدت اور تازگی کے ساتھ شعر میں ڈھل کر تاثیر کی گرمی دکھاتا ہے ویسے ہی یہ آدم بھی "دلِ یزداں" کو گرمائے گا۔ یہ مضمون علامہ کے کلام میں بہ تبدیلیٔ مفہوم و مطالب مختلف صورتوں میں منظوم ہوا ہے مثلاً زبورِ عجم ہی کا ایک غزل کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔ ہر چند کہ اس کا تعلق عصرِ حاضر و موجود سے ہے اور یہی وہ حقیقتِ منتظر ہے جسے اقبال ایک عرصے سے لباسِ مجاز میں دیکھنے کے تمنائی تھے۔

؎ لقائے چہرہ کہ آنکس کہ لن ترانی گفت

ہنوز منتظرِ جلوۂ کفِ خاک است ع ۲۳۳

شعرِ ملائک کی توضیح مزید کے لیے کلیاتِ اقبال اردو (بالِ جبریل) ص ۳۰۲ نیز کلیاتِ اقبال فارسی ص ۲۵۵ (پیامِ مشرق - تسخیرِ فطرت) نیز کلیاتِ اقبال اردو ص ۴۲۳ (بالِ جبریل - فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں)۔

ع ۲۲۷ کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۰۲ — ع ۲۲۸ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۲۵۵ (پیامِ مشرق: نظم تسخیرِ فطرت)

ع ۲۲۹ ایضاً ص ۴۱۲ (زبورِ عجم غزل) — ع ۲۳۰ ایضاً ص ۴۵۸ (زبورِ عجم) — ع ۲۳۱ ایضاً ص ۴۵۴ (زبورِ عجم حصہ دوم غزل ۳)

ع ۲۳۲ عہدِ رسالت میں نعت - ارشاد شاکر اعوان ص ۱۴۳ — ع ۲۳۳ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۴۶۹ (زبورِ عجم غزل)

متعلقات حواشی

۱۵ رمزِ انی جاعل:-

ارشادِ باری تعالیٰ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیفَۃ کے جواب میں فرشتوں کی طرف سے اَتَجْعَلُ فِیهَا مَنْ یُفْسِدُ فِیهَا الخ کا جواب اور اُس پر صرف اِنِّی اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ [میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے] کا فرمان اور ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰئِکَةِ کی کارروائی۔ اس حقیقت کو پانے کے لئے کافی ہے کہ اِنِّی جَاعِلٌ الخ کا اعلان برائے مشاورت تھا۔ اسلام کے نظامِ اجتماعی [نظامِ خلافت] کو سمجھنے کے لئے خلافتِ آدم کے اس ازلی انتخابی عمل کو سمجھنا ازبس ضروری ہے۔ اس واقعہ کی تمثیلی روداد پر غور کرنے سے اسلام کے نظامِ خلافت کے قیام کے لئے درجِ ذیل اصول واضح ہوتے ہیں۔ قیامِ خلافت کے آسمانی انتظام کی ارتقائی تاریخ [از طالوت تا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم] سے ثابت ہے کہ مَلِک [طالوت] خلیفہ [داؤدؑ] اور اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُم [الرسولِ آخرؐ] کے انعقاد میں تمثیلِ آدم میں بیان کئے گئے اصول ہی بروئے کار آئے اور اپنی تکمیل کو پہنچے۔ اقبال نے کہا

نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا ۲۳۴

پہلے تمثیلِ آدم کی روداد پر مرحلہ وار غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ۲۳۵

الف: قادرِ مطلق، اللہ تعالیٰ نے زمین میں کسی کو خلیفہ بنانا چاہا۔ [اِنِّی جَاعِلٌ] اللہ تعالیٰ کی ذات کسی قسم کے احتیاج سے بے نیاز ہے [اَللّٰهُ الصَّمَدُ] ۲۳۶۔ یعنی غایتِ خلافت بہرحال کسی ضرورت کو مستلزم ہے۔ آگے چل کر یہی غایتِ خلافت، خود اولادِ آدم کی ضرورت بن گئی [وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِینَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ ۲۳۷]

ب: فرشتوں کے جوابی کلمات میں اَتَجْعَلُ فِیهَا سے واضح ہے کہ اِنِّی جَاعِلٌ کے اعلان میں نامزد خلیفہ کی طرف اشارہ بھی موجود تھا ورنہ اَتَجْعَلُ کا مشارٌ اِلَیه نہ ہونے کے باعث فرشتوں کا الزام بے معنی ثابت ہوتا ہے۔ گویا خلافتِ ارضی کا قیام جس کی منشاء تھی اُسی نے خلیفہ نامزد کردیا تھا اور وہ وہی آدم تھا جس کی تخلیق کے وقت نَفَخْتُ فِیهِ مِن رُّوحِی ۲۳۸ کا عمل بروئے کار آتے ہی جنّ و مَلَک نے فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۲۳۹ کے حکمِ الٰہی کی تعمیل کی تھی۔ مگر آج وہی سٰجِدِیْنَ اَتَجْعَلُ فِیهَا ۲۴۰ کا قیل وقال کررہے تھے۔ اُنہوں نے آدم کو نہ صرف بیشگی الزامات دیئے بلکہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ ۲۴۱ وغیرہ سے اپنی خوبی کی بنیاد پر اپنا استحقاق بلکہ حقِ فائق بھی ثابت کرنا چاہا۔ ۲۴۲

ج: تاہم اس قیل وقال پر کسی قسم کی سرزنش نہیں ہوئی۔ اِنِّی اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۲۴۳ کہہ کر علم الاسماء کی بنیاد پر آزمائش کرادی گئی۔ چنانچہ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۲۴۴ کے اظہارِ عجز کے بعد

---

۲۳۴ کلیاتِ اقبال اردو ص ۲۰۵، بانگِ درا نظم جوابِ شکوہ ۲۳۵ البقرہ: ۳۰ ۲۳۶ اخلاص: ۲ ۲۳۷ الاعراف: ۱۳۶
۲۳۸ الحجر: ۳۰ ۲۳۹ ایضاً ۲۴۰ البقرہ: ۳۰ ۲۴۱ ایضاً ۲۴۲ ایضاً ۲۴۳ ایضاً، ۳۱ ۲۴۴ ایضاً: ۳۲

وہی اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ[۲۲۵] کا اعلان دُہرا کر فرشتوں بشمول جنات کو آدم کی بیعت کا حکم دیا گیا ۔ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ[۲۲۶]

د : ملائکہ کی طرف سے بیعت کے بعد خلافتِ آدم قائم ہو گئی ۔ لیکن ابلیس نے بیعتِ آدم سے انکار کر دیا ـــ یہ انکارِ ابلیس اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ کہلایا ۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ کے اعلان پر ظاہر ہونے والے قیل و قال کو اَبٰی و استکبار نہیں کہا گیا تھا ۔ حالانکہ ابلیس ازازیل کے نام سے اُس وقت بھی ملائکہ کی صف میں شامل تھا ۔ لیکن اب اُس کی طرف سے انکارِ بیعت ۔ اَبٰی و استکبار کہلایا کیونکہ اُس کی بنیاد نسلی افتخار تھا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ کا گھمنڈ ـــ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ[۲۲۷] سے ثابت ہے کہ آدم کا یہ اکرام ، ابلیس کی محرومی پر اُستوار تھا ۔

اس تمثیل کے ذریعے رہتی دنیا تک انسانوں کو عموماً اور مسلمانوں [اہلِ قرآن و سنت] کو خصوصاً خلافت کے درج ذیل اصول دیئے گئے اور جیسا کہ دوسرے عرض کیا گیا طالوت سے محمدؐ تک کے آسمانی حکمرانوں کے ذریعے یہ اصول تدریجاً بروئے عمل آئے ۔

(۱) - حکومت جن کی ضرورت وہی حکمران کی نامزدگی کا اختیار بھی رکھتا ہے ۔ اور یہ نامزدہی ، نامزد کرنے والوں کا خلیفہ [نائب مناب] ہو گا ۔

(۲) جسے اس نامزدگی سے اختلاف ہو وہ مقابلہ کرنے کا حق رکھتا ہے ۔ لیکن اس مقابلے کی بنیاد حکمتِ اشیاء [بعلم الاسماء] پر ہو گی ۔ فی زمانہ اسے وہ منشور کہہ دیجیے جو کسی سیاست دان کی سیاسی حکمتِ عملی کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔

فائدہ: یہی دو اصول ہیں جو اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ[۲۲۸] کے حکم کی تعمیل کا بے ضرر راستہ ہیں ۔ اگر کسی فرد ، طبقہ یا جماعت کے لئے پہلے ہی سے اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ یا نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ کا حقِ فائق تسلیم کر لیا جائے تو یہ اصول پس پشت ڈال دینے کے مترادف ہے ۔ عالم اسلام خصوصاً جمہوری مملکتیں ابھی اختیار کی اسی ابلیسی جنگ میں مبتلا ہو کر مصائب سے دوچار ہیں

(۳) جب معترض [منشور یعنی حکمتِ اشیاء کی بنیاد پر مقابلے میں] ہار جائے تو جیتنے والے شخص یا گروہ کا اقتدار و اختیار تسلیم کر لیا جائے ۔ قیامِ خلافت کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں رہتا کہ وہ اعتماد کے ووٹ سے کنی کترائے یا انکار کرے ۔ عالم اسلام [خصوصاً جمہوری مملکتوں] کی دوسری بڑی مشکل یہی مرحلہ ہے ـــ حالانکہ ایسے میں انکار کرنے والوں کو فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ[۲۲۹] کا فیصلہ سننا پڑا ـــ[۲۵۰] علامہ اقبال نے یہ ساری تفصیل اس شعر " گرچہ تم تسبیح و خوں ریز است او ہیں بہ یک دستہ گل بیان کر دی ہے ۔

مزید تفصیلات کے لئے علامہ کے مقالات " خلافتِ اسلامیہ " اور " اسلام بحیثیت اخلاقی و سیاسی نصب العین " ملاحظہ ہوں نیز تشکیلِ جدید الہیاتِ اسلامیہ کے متعلقہ حصے بھی دیکھنے چاہئیں ۔

---

۲۲۵ البقرہ : ۳۲ ۲۲۶ الفاً : ۳۴ ۲۲۷ بنی اسرائیل : ۶۲ ۲۲۸ البقرہ : ۲۴۷ ۲۲۹ ص : ۷۷

۲۵۰ رمز انی جاعل سے متعلق اسی بحث کے تفصیلی مطالعہ کے لئے راقم الحروف کے مضمون " لا اکراہ فی الدین " کی اقساط نمبر ۲۱ ، نمبر ۳۲ مطبوعہ ہفت روزہ قرطاس نالبرہ شمارہ ۱۵ فروری ، ۲۲ فروری ۱۹۸۸ ملاحظہ ہو ۔

(۱۵) وَلَا تَقْرَبَا کی اہمیت:

"جہاں عالم انسانی سے باہر کے مظاہر حیات، تخلیق و تسویہ ہی کے مرحلے میں تقدیر و ہدایت سے نوازے گئے اور "کر" اور "کئے جا" کے امر کی تعمیل پر مامور ہیں وہاں نفس انسانی، اگرچہ انہیں عناصر کا مجموعہ ہے جو "کر اور کئے جا" کی تقدیر کے پابند ہیں لیکن خود انسان کو "کر" اور "نہ کر" کی متضاد تقدیر سے نوازا گیا ہے۔ اسے ایک طرف حَیْثُ شِئْتُمَا [جیسے چاہو جہاں سے چاہو] کے مطابق وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا [جنت میں جی بھر کر کھاؤ][251] کی چھوٹ دی گئی ہے تو دوسری طرف وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ [مگر اس شجرہ کے نزدیک نہ جانا][252] کی پابندی بھی لگا دی گئی ہے۔ اور ان متضاد تقدیرات کی عطا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ[253] کے جواب میں بَلٰی کے عہد کا امتحان تھا۔ اس عہدِ الست کو انسان نے خارجی مظاہر میں مؤثر کرنا تھا"[254]

یہی تو وہ مشکل کام تھا [اللہ تعالیٰ کی تخلیقی فعلیت میں شراکت] جس سے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے انکار کر دیا مگر حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ[255] یہی "نہ کر" کی بدولت حاصل ہونے والا شعور انسان کو جملہ مظاہرِ فطرت کو اپنے تصرف میں لانے کی صلاحیت بخشتا ہے۔ اور ظلوم و جہول[256] ہونے کے باوجود اسے نیابتِ الٰہی کا منصب عطا کرتا ہے۔

نائبِ حق در جہاں بودن خوش است   بر عناصر حکمراں بودن خوش است[257]

تمہیدِ زمینی ــــ شرحِ اسرارِ معراج (۱۲)

۹۲ - عشقِ شور انگیز بے پروائے شہر | شعلۂ او میرد از غوغائے شہر
خلوتے جوید بدشت و کوہسار | یا لبِ دریائے ناپیدا کنار
من کہ در یاراں ندیدم محرمے | بر لبِ دریا بیاسودم دمے
بحر و ہنگامِ غروبِ آفتاب | نیلگوں آب از شفق لعلِ مذاب
کور را ذوقِ نظر بخشد غروب | شام را رنگِ سحر بخشد غروب
با دلِ خود گفتگوہا داشتم | آرزوہا جستجوہا داشتم
آنی و از جاودانی بے نصیب | زندہ و از زندگانی بے نصیب
۹۹ - تشنہ و دور از کنارِ چشمہ سار | می سرودم ایں غزل بے اختیار

---

۲۵۱ البقرہ، ۳۵ ۲۵۲ ایضاً ۲۵۳ الاعراف: ۱۷۲ ۲۵۴ اقبال اور عشق و خرد (تقویم قرآنی میں تقدیر اور عشق کی حقیقت) مرشد ارشاد اعوان ـــ سہ ماہی صحیفہ لاہور شمارہ ۱۲۵ جنوری فروری ۱۹۹۳

۲۵۵ الاحزاب: ۷۲ ۲۵۶ ایضاً ۲۵۷ کلیات اقبال فارسی ص۲۲ - اسرار خودی (مرحلۂ سوم نیابتِ الٰہی) -

غزل (۱۳)

۱۰۰ بکشائے لب کہ قندِ فراوانم آرزوست — بنمائے رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

۱۰۱ یک دست جامِ بادہ و یک دست زلفِ یار — رقصِ چنین میانۂ میدانم آرزوست

گفتی ز ناز بیش مرنجاں مرا، برو — آن گفتنت کہ بیش مرنجانم آرزوست

۱۰۲ اے عقل تو ز شوق پراگندہ گوئے شو — اے عشق نکتہ ہائے پریشانم آرزوست

این آب و نان چرخ چو سیل است بے وفا — من ماہیم نہنگم و عمانم آرزوست

۱۰۵ جانم ملول گشت ز فرعون (۱۶) و ظلمِ او — آن نورِ جیبِ موسیٰ (۱۵) عمرانم آرزوست

۱۰۶ دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر
کز دیو و دد ملولم و انسانم آرزوست
زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

[رومیؒ]

(۱۲) معراج:

نبوت کے بارہویں سال ماہِ رجب کی ستائیسویں کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمِ ہانی کے گھر سے آسمانوں کی سیر کے لئے لے جایا گیا۔ سورۂ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ کی ابتدا ہی اس واقعۂ عظیمہ کے بیان سے ہوتی ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۲۵۸

۲۵۸۔ بنی اسرائیل: ۱

ترجمہ: وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندہ [محمد صلی اللہ علیہ وسلم] کو شب کے وقت مسجد حرام [مسجد کعبہ] سے مسجد اقصیٰ [بیت المقدس] تک سیر کرائی۔ [وہ مسجد اقصیٰ] جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں۔ تاکہ ہم [اس بندے کو] کچھ عجائبات قدرت دکھلادیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے اور دیکھنے والا ہے — اس آیت کریمہ میں لَیْلاً اور بِعَبْدِہٖ پر توجہ رہنی چاہیے لفظ لَیْلاً نکرہ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ واقعہ رات کے مختصر ترین وقت میں ہوا۔ اسے "اسرا" سے تعبیر کیا جاتا ہے اس میں خانۂ کعبہ سے بیت المقدس تک کی سیر کا بیان ہے۔ دوسرا لفظ بعبدہٖ ہے کہ اس سے "بشریت کاملہ محمدیہ" کا اظہار مقصود ہے تاکہ کوئی اس واقعہ سے رعایت پاکر کج فہمی کا شکار نہ ہونے پائے۔ جو اللہ، طرفۃ العین میں مکہ سے بیت المقدس [یروشلم] لے جاسکتا ہے اس سے کیا یہ بعید ہے کہ وہ اپنے بندے کو اسی طرح ملأ اعلیٰ کی سیر کرادے؟ مگر دل کی کجی کا کوئی علاج نہیں۔ پروفیسر سید نواب علی سابق وزیر تعلیمات ریاست جوناگڑھ اس ضمن میں بڑی عجیب دلیل لائے ہیں۔ وہ واقعۂ اسریٰ کو تو از قسم منام یعنی خواب تسلیم نہیں کرتے بلکہ ایک سچا نظارۂ آیات یقین کرتے ہیں لیکن واقعۂ معراج کو از قبیل اسرائیلیات لے کر خلط مبحث کا الزام دیتے ہیں[۲۵۹]

حالانکہ روایات میں ثم اُعْرِجَ بی الی السماء[۲۶۰] یا عُرِجَ بی کے واضح کلمات ملتے ہیں۔ معراج عروج ہی سے مشتق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زینہ بہ زینہ صعود فرماتے گئے[۲۶۱]۔ مسجد اقصیٰ میں آپ کی اقتدا میں تمام انبیائے ماسبق کا نماز ادا کرنا بھی ثابت ہے۔ سورۂ والنجم میں ملأ اعلیٰ کی سیر کے تذکرے میں حضورؐ کی صدق بیانی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قسم کھائی[۲۶۲] اور مازاغ البصر وما طغیٰ کی صفت عالیہ سے متصف بتایا ہے۔ اور فکان قاب قوسین او ادنیٰ[۲۶۳] کے ارفع و اعلیٰ مقام پر دکھایا ہے۔ سید عابد علی عابد لکھتے ہیں۔

"عروج انسانیت کی بحث میں معراج نبوی کی حقیقت سے متعلق حکما و عرفا نے بڑے حکمت آموز و دل فریب نکتے پیدا کیے ہیں ... مولانا روم فرماتے ہیں کہ جانی یہ معراج عشق ہی کا ایک کرشمہ ہے۔ مادی اور جسمانی عالم اور زمان و مکاں میں سے طرفۃ العین میں، ایک جست میں نکل جانا معراج انسانی ہے"[۲۶۴]

علامہ اقبال اسے عظمت آدم کی دلیل قرار دیتے ہیں[۲۶۵]

رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات[۲۶۶]

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں[۲۶۷]

ناوک ہے مسلماں، ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سر سراپردۂ جاں نکتۂ معراج[۲۶۸]

۲۵۹۔ سیرت رسول اللہؐ ص ۱۳۲ مؤلفہ سید نواب علی مکتبہ افکار رالسن روڈ کراچی دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۶ء

۲۶۰۔ سیرۃ ابن ہشام (اردو) جلد ۱ باب ۶۱ معراج و سیر سماوات ص ۱۱۷ شیخ غلام علی اینڈ سنز اشاعت اول ۱۹۶۲ء

۲۶۱۔ لَمَّا فَرَغْتُ مِمَّا كَانَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ أُتِيَ بِالْمِعْرَاجِ وَلَمْ أَرَ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ الخ ایضاً ص ۱۱۸

۲۶۲، ۲۶۳۔ والنجم: ۱۷، ۹ ۲۶۴۔ تلمیحات اقبال ص ۲۲۵ سید عابد علی عابد بزم اقبال لاہور طبع دوم ۱۹۸۵ء

۲۶۵۔ مطالب اقبال مقبول انور داؤدی ذیل نقطہ معراج۔ ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸۔ کلیات اقبال اردو ص ۲۴۹ (بانگ درا)، کلیات اقبال اردو ص ۳۱۰ (بال جبریل)، کلیات اقبال اردو ص ۵۴۳ (ضرب کلیم)

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں ؏۲۶۹

علامہ کے نزدیک معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی ثقافتی اہمیت بھی ہے۔ ان کا پانچواں خطبہ "اسلامی ثقافت کی روح" معراج کے حوالے سے ہی مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے قول "محمد عربی برفلک الافلاک رفت وباز آمد۔ واللہ اگرمن رفتمی باز نیامدمی" کی تحریک پر رقم ہوا وہ لکھتے ہیں

(معراج) نبی کی باز آمد تخلیقی ہوتی ہے۔ وہ ان واردات سے (جن میں اُس کا اتصال ایک حقیقت سرمدی سے ہوتا ہے) واپس آتا ہے تو اس لئے کہ زمانے کی رو میں داخل ہوجائے۔ اور پھر ان قوتوں کے غلبہ و تصرف سے جو عالمِ تاریخ کی صورت گر ہیں مقاصد کی ایک نئی دنیا پیدا کرے"۔ ؏۲۷۰

مزید تفصیلات کے لئے معارف القرآن مفتی محمد شفیع مرحوم ج۵ (سورۂ بنی اسرائیل)
تفسیر ابن کثیر ج ۵ (النجم)
قصص القرآن ج۴ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

شعر ۹۲ اقبال کے نزدیک عشق تنہائی پسند اور وسعتِ صحرا کا طالب ہوتا ہے ۱۹۳۳ء کے سفرِ افغانستان کی یادگار نظم مثنوی مسافر میں لکھتے ہیں

دل را چمن کردم ، از بادِ چمن افسرد میرد بخیابان ہا این لالۂ صحرائی ؏۲۷۰

یہ مردم بیزاری یا تہذیب دشمنی نہیں جیسا کہ علی عباس جلالپوری مرحوم نے قیاس کیا (اقبال کا علم الکلام)۔ بلکہ خوگر تسلیم کائنات کے برعکس سرگرم تقاضا قوای کا حامل انسان کو الیا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس ذرے کو ہردم وسعت کی ہوس رہتی ہے ہمدوشِ ثریا تھا ہر ہیں۔ جنوری ۱۹۱۲ کی ایک نظم مطبوعہ مخزن میں اقبال نے دل مسلم کے لئے زندہ تمنا کی آرزو کے ساتھ ساتھ اس لالۂ صحراست کے لئے وسعتِ صحرا بھی مانگی ہے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے ؏۲۷۱

"سوئے حرم" لے چلنے کی دعا سے اسی علامت کی کلید ہاتھ آتی ہے۔ اس لئے کہ اس کے نزدیک

؏۲۶۹ کلیات اقبال اردو ص ۳۱۹ (بالِ جبریل غزل) ؏۲۷۰ تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۱۸۸۔
؏۲۷۱ کلیات اقبال اردو ص ۲۱۲ (بانگِ درا)۔

فطرت کے مقاصد کی نگہبانی یہی بندۂ صحرائی (بندۂ حر) کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ صحراگردی نہیں ہے بلکہ وسعتِ دل کی سیر ہے۔ مثنوی مثنوی میں علامہ کا شعر آغاز بھی اسی کی خبر دیتا ہے

من فدائے ایں دلِ دیوانۂ
ہر زماں بخشد دگر ویرانۂ ؎ ۲۷۲

چنانچہ یہ صحرا اور دشت و دریا تمہید حافظ کے بیاباں آباد شہروں کے گلی کوچے ہیں جہاں ترقی کی مسلسل و پیہم جد و جہد کا بازار گرم ہے ؎ ۲۷۳ ۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے سفر حج کی آرزو نے ارمغان حجاز کے نام سے جو چومصرعے (رباعیات) کہلوائے ان میں بھی تمہید کے قطعات زیر نظر تمہید زمینی سے ہم آہنگ ہیں ۔

نداند دل شہید جلوۂ کیست
نصیبِ او قرار یک نفس نیست
بصحرا بردمش افسردہ تر گشت
کنار آب جوئے زار بگریست ؎ ۲۷۴

نگاہے داشتم بر جوہرِ دل
تپیدم آرمیدم در برِ دل
رمیدم از ہوائے قریہ و شہر
بباد دشت وا کردم درِ دل ؎ ۲۷۵

اس لئے کہ بنتی ہے بیاباں میں فاروقی و سلمانی ۔ اور یہ تمہید صہبائے مسلمانی کے استعارے ہیں جو تیزی میں تلوار ہے اور صدیوں میں کہیں اس کا حریف پیدا ہوتا ہے ۔ اس تمہید کے دوران علامہ جو غزل گاتے ہیں وہ کسی ایسے ہی "انسان" کی آرزو کا اظہار ہے ۔ (مزید تفصیل کے لئے مناجات کا حاشیہ ۲ ملاحظہ ہو)

شعر ۹۴

وہی بات جو اکتوبر ۱۹۰۴ء کے زمانہ میں طبع ہونے والے ترانہ میں کہی گئی

اقبال کوئی محرم ملتا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا ؎ ۲۷۶

یا مثلاً جگنو (مطبوعہ دکن ریویو دسمبر ۱۹۰۴ء) میں چاند سے تخاطباً کہا

؎ بزم میں اپنی اگر یکتا ہے تو تنہا ہوں میں ؎ ۲۷۷

اور اس تنہائی کا سبب بھی وہی یعنی ؎ جو مری ہستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے ۔ ۲۷۸ وہی مقصد نظم "بزم انجم" میں ؎ حسنِ ازل ہے پیدا تاروں کی دلبری میں ۲۷۹ کے حوالے سے یوں بیان ہوا ؎

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں ؎ ۲۸۰

؎ ۲۷۲ کلیات اقبال فارسی ص ۷۰۳ [جاوید نامہ]

۲۷۳ ۔ کلیات مکاتیب اقبال ج ۲ ص ۲۳۰ (مکتوب بنام نکلسن ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء بحوالہ انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی پروفیسر میکنزی)

؎ ۲۷۴ کلیات اقبال فارسی ص ۹۰۷ (ارمغان حجاز) ؎ ۲۷۵ ایضاً ص ۹۰۶ (ارمغان حجاز)

؎ ۲۷۶ کلیات اقبال اردو ص ۸۳ (بانگ درا : ترانۂ ہندی) ؎ ۲۷۷ ایضاً ص ۹۷ (بانگ درا : چاند) ۔ ؎ ۲۷۸ ایضاً ص ۸۰

؎ ۲۷۹ ، ؎ ۲۸۰ کلیات اقبال اردو ص ۱۲۳ (بانگ درا : بزم انجم) ۔

شعر نمبر ۹۵، ۹۶ : لعل مذاب : پگھلا ہوا لعل، کنایہ ہے شرابِ رنگوری سے (سراج اللغات) شرابِ سرخ کا درار علامہ نے خود بھی دیا ہے کہ شرابِ سرخ سے رنگیں ہوا ہے دامنِ شام (کلیاتِ اردو ص ۹۲ : کنارِ راوی) غروبِ آفتاب لبِ دریا، ـــــ تشبیہ شفق ـــــ علامہ ایسے مناظر کا عکس شعری میں کمال دکھاتے ہیں۔ ایسا نظر و ذوقِ نظارہ کہ اندھے کو بھی ذوقِ نظر ملے۔ شام کا رنگِ سحر دکھانا، ایسے ہیں اپنے دل سے گفتگو ہونا فطری امر، علامہ چونکہ اپنے خیالی و تخیلاتی سفر پر روانہ ہونے والے ہیں اس لئے انہوں نے منظرِ شام کو "شام را رنگِ سحر بخشد غروب" سے تعبیر کیا۔ معراجِ رسول ﷺ پر ان کی نظم "شبِ معراج" کو یوں خراج پیش کرتی ہے۔

اخترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز	سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہِ یک گام ہے ہمت کے لئے عرشِ بریں	کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات [۲۸۱]

شعر ۹۷

آرزوئے جستجوئے داشتم، کیونکہ زندگی بر آرزو دارد اساس [۲۸۲] اور اس لئے کہ "زندگی عبارت ہے اغراض و مقاصد کی تشکیل اُن کی پے در پے تبدیلی اور کارفرمائی سے"، [۲۸۳] ~~مقاصد~~ اور کیونکہ ذوقِ حفظِ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے [۲۸۴]

حضرت علامہ کے فلسفۂ خودی میں تعمیرِ خودی کے لئے تخلیقِ مقاصد ازبس ضروری ہے۔ یہی تخلیقی عمل میں انسان کی شمولیت کا ثبوت اور دیگر مظاہرِ فطرت اور عالمِ انسانی میں امتیاز کا پہلو ہے۔ مناسب ہوگا کہ اس موضوع پر علامہ کے کلام کو بالاستیعاب دیکھا جائے۔

کلیاتِ فارسی

زندگانی را بقا از مدعاست	کاروانش را درا از مدعاست
زندگی در جستجو پوشیده است	اصلِ او در آرزو پوشیده است
ما ز تخلیقِ مقاصد زنده ایم	از شعاعِ آرزو تابنده ایم
اے ز رازِ زندگی بیگانه خیز	از شرابِ مقصدے مستانه خیز [۲۸۵]
زندگانی از خرامِ پیہم است	برگ و سازِ ہستی از موجِ رم است [۲۸۶]
زندگی جہد است و استحقاق نیست	جز بعلمِ انفس و آفاق نیست [۲۸۷]
تو از شمارِ نفس زنده ای نمی دانی	که زندگی به شکستِ طلسمِ ایام است [۲۸۸]
زندگی در صدفِ خویش گہر ساختن است	در دلِ شعله فرو رفتن و نگداختن است [۲۸۹]
زندگی انجمن آرا و نگہبانِ خود است	اے که در قافله ای بے ہمه شو با ہمه رو [۲۹۰]

---

۲۸۱ کلیاتِ اقبال اردو ص ۲۲۹ (بانگِ درا : شبِ معراج) ۲۸۲ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۸۵۶ (جاوید نامہ)

۲۸۳ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ص ۸۲ (دوسرا خطبہ) ۲۸۴ کلیاتِ اقبال اردو ص ۲۱۳ (بانگِ درا : والدہ مرحومہ کی یاد میں)

۲۸۵ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۱۵، ص ۱۲ (اسرارِ خودی) ۲۸۶ تا ۲۹۰ علی الترتیب کلیاتِ اقبال فارسی ص ۶۰ (اسرارِ خودی) الیضاً ص ۱۸۹ (پیامِ مشرق)، الیضاً ص ۲۵۸ (زبورِ عجم)، الیضاً ص ۴۹۱ (زبورِ عجم غزل)، الیضاً ص ۵۲۲ (زبورِ عجم غزل)

زندگانی سوختن با ساختن — در گلے تخم دلے انداختن ۲۹۱

زندگانی تا کجا بے ذوق سیر — تا کجا تقدیر تو در دست غیر ۲۹۲

زندگی جولاں میان کوہ و دشت — اے خوش آں موجے کہ از ساحل گذشت ۲۹۳

اے من و تو موجے از رود حیات — ہر نفس دیگر شود این کائنات

زندگانی انقلاب ہر دمے ست — زانکہ او اندر سراغ عالمے ست

تار و پود ہر وجود از رفت و بود — این ہمہ ذوق نمود از رفت و بود

زندگی را چیست رسم و دین و کیش — یک دم شیری بہ از صد سال میش ۲۹۴

زندگانی بر مراد دیگراں — جاوداں مرگ است نے خواب گراں ۲۹۵

اگر ز رمز حیات آگہی مجوے دیگر — دلے کہ از خلشِ خارِ آرزو پاک است ۲۹۶

کلیاتِ اردو

زندگی وہ ہے کہ جو ہو نہ شناسائے اجل — کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل ۲۹۷

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات — یہ کبھی گوہر، کبھی شبنم، کبھی آنسو ہوا ۲۹۸

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ — جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی ۲۹۹

شعر ۹۸

جو خلاقی و مشتاقی سے محروم ہے وہ زندہ تو ہے زندگی سے آشنا نہیں کیونکہ

زندگی ہم فانی و ہم باقی است — این ہمہ خلاقی و مشتاقی است ۳۰۰

شعر ۹۹

یہ آرزو ایک ایسی تشنگی تھی جسے بجھانا علامہ کے بس میں نہ تھا۔ اسی عالم یاس میں وہ لب دریا بیٹھے تھے کہ ان کے وجدان میں رومیؒ کی غزل جھولنے لگی اور وہ بے اختیار گانے لگے۔

---

۲۹۱ تا ۲۹۳ کلیات اقبال فارسی ص ۶۵۳ (جاوید نامہ)، ص ۶۸۵، ص ۶۵۵، ص ۷۲۳-۷۲۷

۲۹۵ الیضاً ص ۸۲۹ (پس چہ باید کرد : اشکے چند بر افتراق ہندیاں) ۲۹۶ الیضاً ص ۲۶۴ (پیام مشرق : حیات جاوید)

۲۹۷ کلیات اقبال اردو ص ۸۶ (بانگ درا : صبح کا ستارہ) ۲۹۸ الیضاً ص ۱۹۵ (بانگ درا : شمع و شاعر)

۲۹۹ الیضاً ص ۲۵۹ (بانگ درا : خضر راہ) ۳۰۰ کلیات اقبال فارسی ص ۶۲۸ (جاوید نامہ)

غزل

(۱۳) پیر رومیؒ کی یہ غزل دیوان شمس تبریزی (مرشد رومیؒ) سے لی گئی ہے[۳۰۱] کی غزل چوبیس[۲۴] شعروں پر مشتمل ہے۔ علامہ کی نقل کردہ غزل آٹھ[۸] شعروں پر مشتمل ہے۔ شعر ۲ "اے عقل تو ز شوق ....." زائد ہے اور خود علامہ کا اضافہ نظر آتا ہے چونکہ روحِ رومیؒ سے ہونے والا مکالمہ عقل و عشق کے موازنہ و مقابلہ پر مشتمل ہے اس لئے علامہ نے غزل میں اس شعر کا اضافہ ضروری سمجھا۔ شعر ۵ میں "این آب و نان" بھی علامہ کا تصرف ہے۔ دیوان شمس تبریزی مذکورہ میں "این نان و آب" ہے شاید علامہ نے اسے فارسی روزمرہ کے مطابق آب و نان کیا۔[۳۰۲-الف]

شعر ۱۰۰

وہی بات جو مرزا اسد اللہ خان غالب نے کہی کہ بات کرتے ہیں لب تشنۂ تقریر بھی تھا[۳۰۲-ب]

مرا گفتار لغو و دلپذیر است ترا ردِّ جہان آراست امروز[۳۰۳]

ما طلبگارِ تو ایم و تو گریزانی ز ما ما بسویت مقبل و تو روئے گردانی ز ما[۳۰۴]

شعر نمبر ۱۰۱

لیکن ہر خدا عزم گلستان باچنین روئے کسے کو یارِ خود دارد چرا بر دیگرے بیند[۳۰۵]
نہ دانم باغبان شرمندہ از گلزار خواہد شد[۳۰۶]

یہ رقص، مستی و وارفتگی کا استعارہ ہے۔ جیسا کہ اکثر صوفی شعراء نے بیان کیا ہے۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ مرشد معین الدین چشتی اجمیریؒ سے منسوب ایک غزل "می رقصم" ردیف اس "رقص" کی ساری تفصیل رکھتی ہے۔

نمی دانم کہ آخر چوں دمِ دیدار می رقصم مگر نازم بریں ذوقے کہ پیشِ یار می رقصم
سراپا بر سراپایم خوری از بے خودی قربان بگیرد مرکزِ خود صورتِ پرکار می رقصم
بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہِ جانبازاں بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم

شعر نمبر ۱۰۲ یہ شعر علامہ کا اضافہ کردہ ہے۔ عقل پر عشق کو ان معنوں میں ترجیح دی ہے کہ عقل شوق

---

[۳۰۱] دیوان شمس تبریزی۔ مقدمہ و شرح حال استاد بدیع الزمان فروزانفر۔ سازمان انتشار جاویدان 1366 ش ص ۱۷۵

[۳۰۲-الف] نور اللغات ج ۱ بذیل آب ص ۱۳ نیشنل بک فاؤنڈیشن طبع سوم ۱۹۸۹ء [۳۰۲-ب] دیوان غالب اردو کوئی سند

[۳۰۳] منتخبی از اشعار و پیشگوئی شاہ نعمت اللہ ولی ص ۳۶ مطبع مذکور نہیں صرف بخط طاہر باقر باقری اور ۱۲۷۲ خورشیدی رقم ہے

[۳۰۴] دیوان معین (ملا معینی یا معین الدین چشتی اجمیریؒ) مطبوعہ نولکشور کانپور طبع سوم دسمبر ۱۹۱۰ء

[۳۰۵] دیوان محی ص ۳ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نولکشور باہتمام بار نہم جولائی ۱۹۱۳ء [۳۰۶] ایضاً ص ۲۲

کی بدولت "پراگندہ گو" یعنی ادھر ادھر بھٹکتی رہتی ہے جب کہ عشق نکتہ ہائے پریشاں کا کشاف ہے۔ اور اقبالؔ کو دونوں سے کام ہے "پراگندہ گوئے شو" اس پر دلیل ہے۔

شعر نمبر ۱۰۵

دیوان شمس تبریزیؒ میں مصرعۂ دوم "نور روئے موسیٰ" ہے۔ جب کہ علامہ نے "نورِ جیب موسیٰ" لکھا ہے۔ "روئے موسیٰ" "ظلم فرعون : ظلمت" کے ذکر سے آیا لیکن تلمیح کا تقاضا "ید بیضا" ہے جس کے لئے جیب عمدہ بھی ہے اور مناسب بھی

(۱۴) فرعون :

فرعون و موسیٰ ہمیشہ موجود ہے۔ ظالم حکمرانوں اور ان کے خلاف نبرد آزما بندۂ خدا مست کے لئے استعارہ ہیں جن کی جنجو کا ذکر آخر میں آتا ہے۔

جس طرح کہ ترک بادشاہ خاقان، یمن کے بادشاہ تبع، روم کے بادشاہ قیصر، حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور ایران کے بادشاہ کسریٰ کہلاتے تھے اسی طرح عمالقۂ مصر کے بادشاہ فرعون کہلاتے تھے۔

لفظ فرعون کی اصل کے بارے میں ایک تصور یہ ہے کہ شاہی محل اور اس کے انتظامات کے لئے مصرِ قدیم کی ایک اصطلاح فرعو (Pr-O) بھی ہے جس کے معنی بڑا گھر ہے۔ بعد میں خود اس محل کے مکین (بادشاہ) کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ اس قسم کی ایک مثال ترکی لفظ باب عالی میں ملتی ہے جو پہلے صرف خلیفۂ وقت کے محل اور اس کے انتظام و انصرام کے لئے مستعمل تھا بعد ازاں خود خلیفہ اور بارگاہ کے لئے استعمال ہونے لگا۔[۳۰۷]

بعض کے نزدیک یہ لفظ فرو + اون سے مرکب ہے قدیم مصری زبان میں آن یا اون، بمعنی روشنی استعمال ہوتا تھا سورج دیوتا کی پوجا کے مرکز ہیلیو پولس Helio polis کو بھی اون کہتے تھے۔ اس شہر کی نسبت سے بادشاہ ھک اون کہلاتا تھا اسی نہج پر فرواون : فرعون بنا۔ سب سے پہلے مصرِ قدیم کے چوتھے خاندان کے ہاں فرعون کا لفظ محلِ شاہی کے لئے استعمال ہوا جو بارہویں خاندان تک ان معنوں ہی میں جاری رہا ہے سولہویں خاندان تک کبھی کبھی خود بادشاہ کے لئے بھی استعمال ہو جاتا تھا۔ لیکن اٹھارہویں خاندان کے کتبوں میں اس کا استعمال باقاعدگی کے ساتھ بادشاہ ہی کے لئے ہونے لگا یہ استعمال بچیسویں خاندان میں بھی ملتا ہے۔

بائبل میں مصرِ قدیم کے گیارہ بادشاہوں کا ذکر ہے فرعونِ ابراہیمؑ، فرعونِ یوسفؑ، فرعونِ موسیٰؑ وغیرہ انسائیکلو پیڈیا امریکانا ۲۲ : ۲۰۷ کے مطابق فرعون ابراہیمؑ کا نام اوسیب تِشو OSIBTESEV اول تھا ــــ عام خیال یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جس فرعون کے گھر پرورش پائی اسی کے ساتھ بعد میں ان کا مقابلہ ہوا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے رعمسیس کے محل میں پرورش پائی

۳۰۷۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۷ صفحہ نمبر ۷۹۲ بحر جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۹ صفحہ نمبر ۶۶

نشت٪

قرآن دوسرے قول کی تصدیق کرتے ہیں قرآنِ حمید ہمیں بتاتا ہے کہ جب موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور بنی اسرائیل کو مصر سے چلے جانے کی اجازت کا مطالبہ کیا تو فرعون بولا
قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ ع۳۰۹ ترجمہ (فرعون) بولا کیا ہم نے تجھے اپنے ہاں نہ پالا جب کہ تو بچہ تھا اور تو نے ہمارے ہاں اپنی عمر کے کئی برس گزارے " ——— اگر یہ فرعون رعمسیس کے بجائے وہ منفتاح ہوتا جیسا کہ جیوش انسائیکلوپیڈیا ۵:۵۷:۲۹۵ بائبل باب خروج ۲:۲۳ اور ۵:۱ یا انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۱۱: ۹۴۵ بذیل Ramsis یا انسائیکلوپیڈیا امریکانا ۲۲ : ۲۰۷ ۔ درج ہے تو وہ بچپن میں پالنے اور ایک عمر اپنے ہاں گزارنے کا احسان کیونکر جتاتا ۔ چنانچہ یہ طے ہے وہ فرعون رعمسیس ہی تھا ۔ اس فرعون کی بیوی آسیہ دل سے مومنہ تھی ۔ اسی فرعون کو ذی الاوتاد کہہ کر یاد کیا گیا ۔ اپنی سرکشی اور قبطیات سوزی کے باعث غرق آب و گرداب ہوا اس کی ممنوط شدہ لاش اہل نظر کے لئے سرمایۂ عبرت ہے ع۳۰۹ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں ۔

تفاسیر قرآن ان آیات کے تحت میں جن میں فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے مثلاً البقرہ : ۴۹ ببعد ، : ۱۱ ، الاعراف : ۱۰۳ ببعد ، الانفال : ۵۲ ببعد ، یونس : ۷۵ ببعد ، ہود : ۹۷ ، ابراہیم : ۶ ، بنی اسرائیل : ۱۰۱ ببعد ، طٰہٰ : ۲۴ ببعد ، النمل : ۱۲ القصص : ۳ ببعد ، العنکبوت : ۳۹ ، المؤمن : ۲۴ ببعد ۔
انسائیکلوپیڈیاز مذکورہ متن سے اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱۵ صفحہ ۲۷۳ ببعد بذیل فرعون ۔ دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۸۵ء

(۱۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام :

جیسا کہ فرعون کے حالات میں بیان ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب عمران کے گھر پیدا ہوئے لیکن ان کی پرورش رعمسیس دوم نامی فرعون کے گھر ہوئی اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ معجزہ کمال دکھایا کہ فرعون نے جس کے خوف سے کئی نومولود بنی اسرائیل ذبح کرائے وہ خود اس کے گھر پلا ۔ یہ قریب قریب ۱۲۰۰ قبل مسیح کا واقعہ ہے ۔ حضرت موسیٰؑ جوان ہوئے تو ایک قبطی کے ایسا مکہ مارا کہ وہ مر گیا آپ نے مدین کی راہ لی جہاں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی انہیں بیاہ دی ، اس کے بعد حضرت موسیٰؑ مصر واپس آ رہے تھے کہ راہ میں انہیں منصب نبوت سے سرفراز فرمایا گیا ہو " ید بیضا " اور " عصا " کے معجزات دیئے گئے ۔ آپؑ اپنی بغل میں ہاتھ ڈال کر باہر لاتے تو چاند کی طرح روشن ہوتا ۔ عصا کو زمین پر پھینکتے تو وہ اژدہا بن جاتا ۔ یہی عصا فرعون کے دربار میں جادوگروں پر سبقت کا الٰہی ثبوت بنا جادوگر اہل حکمت تھے سمجھ گئے کہ جادو صورت بدل سکتا ہے سیرت نہیں بدل سکتا عصائے موسیٰ کی سیرت بدل جاتی ہے جو جادو کے بس سے باہر ہے وہ رب موسیٰ پر ایمان لے آئے ۔
جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو آل فرعون نے اس کا تعاقب

ع۳۰۸ الشعراء : ۱۸ ع۳۰۹ تلمیحات اقبال ص۲۳۵ سید عابد علی عابد ، مطالب اقبال ص۸۰/۸۱
ع۳۱۰ الشعراء : ایضاً ۔ قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ کا ذکر سب سے زیادہ ہوا ہے اس لئے کہ آپؑ ہی نے پہلے پہل منظم تربیت سازی کا فریضۂ نبوت انجام دیا اور اجتماعی زندگی کے قواعد و ضوابط بصورت تورات دیئے ۔

پر آگیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اللہ کے حکم سے اپنا عصا قلزم پر مارا تو پانی پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا حضرت موسیٰؑ اپنی قوم سمیت بخیر و عافیت پار پہنچ گئے۔ آلِ فرعون بھی فرعون کی سرکردگی میں اسی راستے میں داخل ہوئے تو پانی چل پڑا اور سب کے سب غرقِ آب و گرداب ہوئے فرعون نے جب ڈبکیاں کھائیں تو آنکھیں کھلی چلایا میں ربِ موسیٰ پر ایمان لایا مگر ارشادِ باری تھا اَلْآن: اب! اچھا ہم تیرے بدن کو ضائع ہونے نہ دیں گے۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم کو وادیٔ سینا میں من و سلویٰ ملتا رہا۔ آپ نے پہلی بار اللہ سے ہم کلامی کا شرف پایا اور کلیم اللہ کہلائے۔ "الواحِ موسیٰ" زمین پر اللہ تعالیٰ کا پہلا منضبط حکمنامہ تھا۔ آپ نے بنی اسرائیل کو صحیفہ احکام اور تابوتِ سکینہ بطور تبرک دیا۔

علامہ اقبال ضربِ کلیم، چوبِ کلیم، عصائے موسوی سے قوت کا استعارہ کرتے ہیں اور یہ عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد، بطور عقیدہ بیان کرتے ہیں۔ وہ درس دیتے ہیں

ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر ۳۱۱

شعر نمبر ۱۰۶ — دیو و دد: جانور درندہ مانند شیر و پلنگ و گرگ خلافِ دام۔ مثال از سعدیؒ: نہ ہر آدمی زادہ از دد بہ است — کہ دد ز آدمی زادۂ بد، بہ است ۳۱۲

دیو: یعنی جن و شیطان جیسا کہ ضرب المثل مشہور ہے "خانۂ خالی را دیو می گیرد"۔ جمع دیوان ہے۔

انسانم آرزوست: علامہ ۱۹۱۲ء سے جس حقیقتِ منتظر کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کے تمنائی تھے (بانگِ درا غزل ۱۲ حصہ سوم مطبوعہ مئی سنہ ۱۹۱۲ء)۔ یہ وہی انسان ہے۔ ہندوستان کے اندر اس انسان کی ضرورت غلامی سے نجات تھی۔ ایک ایسا انسان جو مسلمانوں کو مسلمان اور ہندوؤں کو ہندو رہتے ہوئے متحد کر سکے۔ اقبال شروع دن سے اسی اتحاد کے داعی تھے۔ چودھری شفیع وغیرہ سے ۳۳-۱۹۳۲ء میں مسلمانوں کے مستقبل کے حوالے سے فرمایا

"بھئی یہ قانونِ قدرت ہے، عربستان، افغانستان، ایران نے کیسے کیسے شہسوار پیدا کئے مگر اب کیوں پیدا نہیں ہو رہے؟ صرف اس لئے کہ منشائے ایزدی کے مطابق یہ زمینیں آرام کر رہی ہیں۔ اب "آوٹ" لگی ہوئی ہے۔ دعا کرو اللہ کا کوئی بندہ پیدا ہو اور ہم لوگوں کی نجات کا موجب بنے" ۳۱۳

ہندوستان کے اندر تو اُس بندۂ خدا کی جستجو بارآور ہو گئی جب علامہ نے محمد علی جناح کو لکھا

"اس وقت جو طوفان شمال مغربی ہندوستان اور شاید پورے ہندوستان میں برپا ہونے والا ہے، اس میں صرف آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے قوم محفوظ رہنمائی کی توقع رکھتی ہے" ۳۱۵

لیکن جہاں تک اس حقیقتِ منتظر، کی آفاقی حیثیت کا تعلق ہے وہ بھی کوئی مافوق البشر شخصیت نہیں "ایک بندۂ خدا مست" ہی ہے۔ نکلسن کے نام مکتوب محررہ ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء میں

(حاشیہ:) مثنوی ... (۱۹۲۵ء) میں ... در حضور رسالت مآب ... ۳۱۴ ؎ ... دانا ایک بندۂ خدا مست ... ۲۴ ؎ خطباتِ ... صفحہ ۸۴

۳۱۱ ؎ سرنامہ ضربِ کلیم کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۴۶۳ — ۳۱۲ ؎ م - درویش حاشیہ دیوان شمس تبریز صفحہ ۸۵
۳۱۳ ؎ مقالاتِ اقبال صفحہ ۲۳۱ سعید راشد، بک کارنر جہلم بار اول دسمبر ۱۹۸۲ء بحوالہ روزگار فقیر صفحہ ۱۳۵
۳۱۵ ؎ اقبال کے خطوط جناح کے نام صفحہ ۵۲۔ مکتوب ۲۱ جون ۱۹۳۷ء (بصیغہ راز) یونیورسل بکس لاہور ۱۹۸۶ء

علامہ نے انسانِ کامل (مردِ خودی کامل) کے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا۔

"میرا عقیدہ ہے کہ کائنات میں جذبۂ الوہیت جاری وساری ہے، لیکن میں الیگزینڈر کی طرح یہ نہیں مانتا کہ یہ قوت ایک ایسے خدا کے وجود میں جلوہ آرا ہوگی جو وقت کا تابع ہوگا۔ اس باب میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ قوت ایک اکمل واعلیٰ انسان کے پیکرِ خاکی میں ظاہر ہوگی۔ خدا کے متعلق میرا عقیدہ الیگزینڈر سے مختلف ہے لیکن انگریز ان جزوی اختلافات سے قطع نظر کرکے انسانِ کامل کے تخیل پر اپنے ایک ہم وطن مفکر کے افکار کی روشنی میں نظر ڈالیں تو انہیں [میرا] یہ عقیدہ اس قدر اجنبی اور غیر مانوس نہیں معلوم ہوگا" ۳۱۶

۱۰۷ موجِ مضطر خفتہ بر سنجابِ آب — شد افق تار از زیانِ آفتاب
از متاعش پارۂ دزدید شام — کوکبے چوں شاہدے بالائے بام
روحِ رومی پردہ ہا را بر درید — از پسِ کُہ پارۂ آمد پدید
طلعتش رخشندہ مثلِ آفتاب — شیبِ او فرخندہ چوں عہدِ شباب
پیکرے روشن ز نورِ سرمدی — در سراپایش سرورِ سرمدی
بر لبِ او سرِّ پنہانِ وجود (۱۶) — بندہائے حرف وصوت از خود کشود
حرفِ او آئینۂ آویختہ
علم با سوزِ دروں آمیختہ

شعر نمبر ۱۰۷ الخ سنجاب: چوہے سے قدرے بڑا جانور جس کی کھال سے پوستین بناتے ہیں اسے بھی سنجاب کہتے ہیں [نور اللغات ج ۳ ص ۶ لغات کشوری فصل سین مع نون] - شام کے منظر سے علامہ کی لطف اندوزی کلیات میں بکھری پڑی ہے لیکن شعر ۱۰۷/۱۰۸ میں یہ "جمال" منفرد ہے خصوصاً اخترِ شام کو "بالائے بام شاہد" سے تشبیہ کے بعد روحِ رومی (۱۶)

ک ۳۱۶ کلیات مکاتیب اقبال ۲۰ ص ۲۲۸—۲۹

کی پہاڑی کے پیچھے سے ایک نورانی ٹکڑے کی صورت میں نمودار، انتہائی جمیل منظر ہے —
یہ پُرشکوہ اسلوب روحِ رومیؒ کے حوالے سے خصوصاً بے حد تاثیر رکھتا ہے۔ علامہ کو
شام کے مناظر سے نہ معلوم کیوں دلچسپی تھی۔ بانگِ درا کی نظم " ماہِ نو " ایسی محاکات
کا نمونہ ہے

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقابِ نیل ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آبِ نیل
طشتِ گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب نشترِ قدرت نے کیا کھولی ہے فصدِ آفتاب

چرخ نے بالی چرالی ہے عروسِ شام کی ؟
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیمِ خام کی ؟ ۳۱۷

" از متاعش پارۂ دُزدید شام " کو " چرخ نے بالی چرالی ہے عروسِ شام کی " کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے
تو ایک ہی منظر کی وہی تصویر تخیل کی نادرہ کاری و تازگی کے ساتھ ساتھ خوش اسلوبی کی مظہر ہے۔
شیب : بڑھاپا ، شباب : جوانی — یہاں بڑھاپا عہدِ شباب کی طرح زیبا ہے تو
نظم " خضرِ راہ " میں حضرت خضر کا بڑھاپا " مانندِ سحر " لفظی تلازمے ہر جگہ مناسب
و موزون اور تشبیہیں دلآویز و زیبا ہیں جس کی پیری میں ہے مانندِ سحر رنگِ شباب ۳۱۸
نورِ سرمدی سے منور اور سرورِ سرمدی سے سراپا سرشار روحِ رومیؒ " سرِ پنہانِ وجود "
آشکارا و بیان کرتی ہوئی نمودار ہوتی ہے۔

(۱۶) برلبِ اُو سرِ پنہانِ **وجود** سے اصلاً مراد مثنوئ معنوی ہے جو حضرت رومیؒ کے افکارِ علمی
و قادر الکلامی کا شاہکار ہے۔ یہ مثنوی بالفاظ استاد بدیع الزمان فروزانفر اس نکتہ کی توضیح ہے کہ

" انسان را حقیقتے ست کہ ازاں جدا ماندہ و دور افتادہ است وشب و روز
می کوشد تا خود را بداں حقیقت نزدیک و متصل گرداند " ۳۱۹

چنانچہ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

بشنو از نے چون حکایت می کند وز جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

---

۳۱۷ ۔ کلیاتِ اقبال اردو ص ۵۳ ۳۱۸ ۔ ایضاً ص ۲۵۶

۳۱۹ ۔ خلاصہ مثنوی (حواشی، تعلیقات ص ۶۹) استاد بدیع الزمان فروزانفر۔ سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ۔ لاہور سنہ ندارد

اور اقتباس اس طرح

بشنو از نے چوں حکایت می کند ‏ ‏ ‏ ‏ منتہی قصد ہدایت می کند
باز شہ اکنوں سوئے سلطاں می پرید ‏ ‏ ‏ ‏ پردہ ہائے عاریت را بر درید
ہست چوں کل الینا راجعون ‏ ‏ ‏ ‏ می شوم مر اصل خود را سرنگوں
شد نے من خالی از صوت انا ‏ ‏ ‏ ‏ خالی از خود گشت و در نائی فنا

ہم کزاں جا آمدم آں جا روم ‏ ‏ ‏ ‏ با جمال یار بے پردہ شوم
چوں تجلی کرد بر طور وجود ‏ ‏ ‏ ‏ گشت کاہ کوہ جسمانی چو دود
خر موسیٰ صاعقا ، خامش شد ‏ ‏ ‏ ‏ رفت عقل جزوی و بے ہوش شد
اللہ اللہ ! غیر اللہ نیست کس
اللہ ، اللہ گشت مارا ہم نفس ۳۲۰

علامہ نے "بر لب او سر پنہان وجود" کہہ کر اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے - یہ خبر ہے انشاء نہیں ہے - اس کی وضاحت اس تعلیقہ کے آخر میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی شرح کے حوالے سے آئے گی - بہرحال مثنوی کے خاتمہ کے شعر "نے" [بدن انسان] کے خالی از صوت انا ہو کر " واصل بہ اصل خویش" ہونے [نائے میں فنا ہونے] پر مشتمل ہیں - اس لئے ــــــ خواجہ شاہ محمد عبد الصمد علیہ رحمۃ اصطلاحات صوفیہ میں بحوالہ مطالب رشیدی بذیل اصطلاح **وجود** لکھتے ہیں

" سالک کا اوصاف بشریہ کو فنا کرنا اور اپنی ہستی مٹا کر ذات حق میں محو ہو جانا وجود ہے - توحید ابتداء ہے وجود منتہا ہے اور وجدان دونوں کے درمیان واسطہ ہے ،، ۳۲۱

سید عابد علی عابد تلمیحات اقبال میں لکھتے ہیں -

" وجود کے دو معنی ہیں
(۱) تحقیق و حصول : یہ معنی مصدری یعنی ذہنی و مصدری ہیں - ان کا شمار معقولات ثانیہ میں ہوتا ہے یعنی ہمارا کسی شے کو دیکھ کر اس کو "ہے" سمجھنا ، وجود خیال کرنا ــــ ظاہر ہے کہ مصدری معنی خارج میں نہیں ذہن میں پائے جاتے ہیں - منشا البتہ خارج میں ہوتا ہے -
(۲) وجود یعنی موجود [بمعنی ما بہ الموجودیت] یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے

---

۳۲۰ مثنوی معنوی دفتر ششم تحت عنوان "پریدن طائر روح خود کام بسوئے شاہ عالی مقام" ص ۵۲۶
۳۲۱ اصطلاحات صوفیہ ص ۱۶۲ مکہ بکس لاہور سنہ ندارد

معنی اول (معنی مصدری) تحقیق و حصول کا امتزاج ہو سکتا ہے۔ اس معنی کی رو سے ظاہر ہے کہ وجود خارجی حقیقی ہی ہے۔ ذہنی امر نہیں" ۳۲۲ (بلا دلیل ہو تو ۳۲۳ باطل)

شرح: (۱) وجود بالمعنی مصدری یعنی "بودن" یا "ہونا"۔ جب ہم یہ لفظ بولتے ہیں تو ہمارے ذہن میں ہستی یا ہونے کا ایک ایسا تصور پیدا ہوتا ہے جس کا خارج میں کہیں وجود نہیں ہے۔

(۲) وجود بمعنی موجود یعنی وہ شے جو موجود ہو بذاتِ خود، بلا احتیاج و افتقار بلا حلول و قیام، بلا مکان و زمان موجود ہے اور اس کا وجود عینِ ذات ہے"

یعنی باصطلاحِ علماء وہ وجود واجب لِذاتہٖ ہے اور تمام موجوداتِ خارجیہ (تمام اشیاء) اس کی وجہ سے اور اسی کی جانب انتساب کی بدولت موجود ہیں یعنی ممکنات کا وجود حقیقی نہیں ہے بلکہ عکس یا ظل ہے وجودِ حقیقی کا، جو حق تعالیٰ میں منحصر ہے۔ اس مفہوم کے اعتبار سے وجود اصل ہے اور تمام ماہیاتِ اشیاء اس کے عوارض" ۳۲۳

مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے

(۱) سطعات (سطعہ ۱ تا ۵) شاہ ولی اللہؒ۔ مرتبہ سید محمد متین ہاشمی ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۵ء

(۲) فلسفہ کے بنیادی مسائل (تیسرا باب) قاضی قیصر الاسلام۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن طبع دوم ۱۹۸۸ء

(۳) کشاف اصطلاحات فلسفہ (باب واؤ) ڈاکٹر قاضی عبدالغفار مقتدرہ قومی زبان مارچ ۱۹۹۷ء

(۴) شرح جاوید نامہ (صفحہ ۲۸۰ تا صفحہ ۲۸۸) پروفیسر یوسف سلیم چشتی عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور سنہ ندارد

اس شرح کے حوالے سے یہ وضاحت ضروری ہے کہ پروفیسر صاحب کی علمیت پر شبہ نہیں لیکن انہوں نے غیر ضروری طور پر شیخ اکبرؒ کے تصورِ وجود کی بحث چھیڑ کر اقبال کو ان کے مسلک کا پیرو ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی ہے۔ اس بحث سے جتنی اور جس قدر ان کی علمیت ظاہر ہوئی ہے اتنی اور اسی قدر اقبال کی فکری روح بھی مجروح ہوئی ہے۔ پروفیسر صاحب دراصل علامہ کے مصرعہ

"ہر لب او سرِ پنہانِ وجود"

سے اس غلط فہمی کا شکار ہوئے کہ "سرِ پنہاں" کہہ کر اقبال نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ وہ وجود کے مسلک میں شیخ اکبرؒ کے پیرو ہیں۔ اس کا ثبوت اُن کے خطباتِ مدراس سے بآسانی مل سکتا ہے۔ چنانچہ تیسرے خطبے میں لکھتے ہیں۔

"۔۔۔ یہ کائنات اپنی تفصیلات میں سالماتِ مادی کی غیر شعوری حرکت سے لے کر فکرِ انسانی کی بالارادہ حرکت تک انائے کبیر (وجودِ مطلق) کا جلوۂ ذات ہے ۔۔۔ الخ خطبات ص ۱۷"

۳۲۲ء تلمیحاتِ اقبال ص ۳۵۶ بحوالہ قرآن اور تصوف (میر ولی الدین) انتظامی پریس حیدرآباد ۱۹۲۵ء

۳۲۳ء شرح جاوید نامہ ص ۳۸۲-۳۸۳ (بہ تصرف) پروفیسر یوسف سلیم چشتی الفاً - طبقات ص ۲۷ مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ " اصطلاحاً وجود کے دو معنی ہیں ایک تو اس ذہنی و مجرد مفہوم کی تعبیر وجود سے کی جاتی ہے جو موجودات کو دیکھ کر انسان کے ذہن میں حاصل ہو۔ معنی مصدری ارادہ و بود وغیرہ کی تعبیر ہے۔ اور وجود سے مراد کلی دیا ہے چیز ہوتی [illegible] موجود بالموجود کہتے ہیں یعنی جس چیز کی وجہ سے شے موجود ہوتی ہے۔" (حاشیہ) تفصیل کے لئے شروع کے سات طبقات دیکھے جائیں

(ص۱ التین) نسخہ فکر [illegible]

پہلی بات تو یہ ہے کہ علامہ نے جیسا کہ عرض کیا گیا "رومی کی مثنوی معنوی" کے فکری پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے اور ذاتی اختلاف واتفاق ظاہر نہیں کیا یعنی یہ خبریے انشائیہ نہیں۔ جب فکرِ رومی سے اتفاق واختلاف کا اظہار مقصود نہیں تو پھر اسے شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی فکر کی اتباع قرار دینا کس حد تک مناسب ہے؟ (ص ۲۸۷ ملاحظہ ہو)۔

دوسری بات یہ کہ علامہ کے خطبات کے تیسرے خطبہ کا جو اقتباس ص ۱۲۷ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے وہ (میری تلاش کی حد تک) اس خطبہ [تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۹۵ تا ص ۱۲۱] میں موجود ہی نہیں اس کے برعکس البتہ علامہ نے مولانا رومؒ کے ایک قطعہ [دفتر صوفی سواد وحرف نیست] کی روشنی میں صوفی کے بارے میں [فلسفی کے مقابلے میں خوش فہمی کے ساتھ سہی] بتایا ہے کہ وہ ابھی رہگزر میں ہے۔

"۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بحالتِ موجودہ اس [صوفی] کی نگاہیں
گام آہو پر ہیں۔ لہذا اس کا جادۂ طلب بھی محدود ہے۔ لیکن اس کی
تشنگیٔ علم اسے بہت جلد اس مقام پر لے جائے گی جہاں گام آہو کی
بجائے نافِ آہو اس کی رہبری کرے گا۔" ع ۳۲۴

(۱۷) مولانا محمد جلال الدین رومیؒ:

تذکرہ نویس اور سوانح نگار عموماً آپؒ کا نام محمد بتاتے بتاتے ہیں جلال الدین لقب پایا اور مولانائے روم کے نام سے شہرت ملی۔ آپؒ نے یکے از اعاظم طریقۂ کبراویہ حضرت سلطان العلماء مولانا محمد حسین خطیبی المعروف بہ بہاء الدین ولدؒ [۵۴۳ تا ۶۲۸ ھ] کے ہاں ۶۰۴ ہجری قمری میں بلخ [خراسان] میں تولد فرمایا۔

والدِ گرامی بہاء الدین ولد بوجوہ ۶۱۰ ھ میں ترک وطن کر کے نیشاپور پہنچے وہاں اپنے ہم طریقت خواجہ فخر الدین المعروف بہ شیخ عطارؒ سے ملاقات ہوئی شیخؒ نے چھ سالہ محمد کو "اسرار نامہ" عنایت فرما کر مولانا بہاء الدین ولد سے فرمایا

"زود باشد کہ این پسرِ تو آتش در سوختگانِ عالم زند" ع ۳۲۵

یعنی یہ کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق بچپن ہی سے آثارِ سعادت مندی نمایاں تھے۔ شیخ ولدؒ نیشاپور سے بغداد، حجاز، شام، زنجان ہوتے ہوئے لارندہ پہنچے وہاں اپنے فرزند محمد جلال الدین کی شادی بعمر ۱۸ سال کرائی اور یہیں محمد کے فرزند سلطان ولد پیدا ہوئے۔

ع ۳۲۴ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ مترجم سید نذیر نیازی ص ۱۲۷ {خطبہ سوم}

ع ۳۲۵ شرح حال مولوی از فروزانفر صفحہ یازدھم ۔۔۔ دیوان شمس تبریزی۔ سازمان انتشارات جاویدان مذکور

شیخ بہاء الدین ولدؒ نے اپنے فرزند محمد (رومیؒ) کو ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے مرید اور عالم و فاضل دوست سید برہان الدین محقق کے سپرد کر دیا تھا۔ والد کی وفات (۶۲۸ھ) کے بعد محمد رومیؒ نے حلب (شام) کے مدرسہ حلاویہ میں تاریخ حلب کے مصنف مولانا کمال الدین سے تحصیل علم کا سلسلہ شروع کیا ——— اور اپنے عہد کے جید علماء میں شمار ہونے لگے۔ درس و تدریس اور فتاویٰ نویسی میں مصروف رہتے تھے۔ کہتے ہیں (اور اس ذیل میں متعدد روایات ہیں) ایک دن مولانا کسی حوض کے کنارے مصروف درس تھے کہ اُدھر سے شمس تبریزیؒ (ملتان والے شمس اور ہیں) کا گزر ہوا۔ مولانا سے پوچھا کیا ہو رہا ہے؟ جواب دیا "این قال است"۔ شمس نے کتابیں اٹھائیں اور تالاب میں ڈال دیں۔ مولانا سٹپٹائے اور بولے میاں درویش! یہ تم نے کیا کیا!! ان میں بڑے نایاب نکات تھے اب کہاں سے ملیں گے؟ شمسؒ نے ہاتھ بڑھا کر کتابیں نکال لیں اُسی طرح خشک کی خشک۔ مولانا حیران ہو کر بولے یہ کیا؟ شمسؒ نے جواب دیا "این حال است تم صاحبِ قال کیا سمجھو"۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ کو ان کے مرشد بابا کمال الدین جندی نے اِدھر بھیجا ہی یہ کہہ کر تھا کہ وہاں ایک سوختہ دل ہے اسے گرما آؤ۔ ع۳۲۶

مولانا رومیؒ کے شاگرد خاص سپہ سالار کا بیان ہے کہ مولانا اور شمس تبریزیؒ دونوں صلاح الدین زرکوب کے حجرے میں چلہ کش ہو گئے۔ اس کے بعد مولانا کے احوال یکسر بدل گئے۔ سلسلۂ درس و تدریس موقوف ہو گیا اور فتاویٰ نویسی متروک۔ ایک لمحہ کے لئے بھی شمس تبریزؒ کی جدائی گوارا نہ تھی۔ اہل شہر اس حالت سے برانگیختہ ہوئے تو حضرت شمسؒ دمشق چلے گئے۔ مولانا ان کی جدائی میں بے چین ہو گئے۔ حالت غیر ہونے پر آپؒ کے صاحبزادے سلطان ولد اہل شہر کا وفد لے کر دمشق پہنچے اور منا کر لے آئے تاہم دو سال قونیہ میں رہنے کے بعد حضرت شمس لاپتہ ہو گئے یا سلطان ولد کے ہاتھوں قتل ہوئے (واللہ اعلم)۔

مولانا اب تو مسلسل عالم بے خودی اور حالتِ سُکر میں رہنے لگے۔ ایک دن اپنے پیر بھائی صلاح الدین زرکوب کی دکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہتھوڑے کی آواز سے ایسے متأثر ہوئے کہ عالم وجد طاری ہو گیا۔ صلاح الدین نے بھی زرکوبی چھوڑی اور سراپا بر سراپا ہم خودی از بے خودی قربان" کا نقش بن گئے اور مولانا کو زرکوب کی معیت سے سکون ملا۔ نو برس بعد جب زرکوب بھی انتقال کر گئے تو مولانا نے اپنے شاگرد حسام الدین چلپی کو اپنا شریک راز کر لیا۔ جلد ہی یہ تعلق بھی عشق کی صورت اختیار کر گیا۔ مثنوی معنوی اسی عشق کا ثمر ہے۔ مولانا حسام الدین کا نام لے کر مثنوی میں انہیں مخاطب کرتے ہیں اور

ع۳۲۶ مقدمہ ص۳ ج۱ مثنوی معنوی - از مترجم اردو، مولانا قاضی سجاد حسین، صدر مدرس، مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی

یہ تخاطب انتہائی مؤدبانہ ہوتا ہے گویا کہ حسام الدین مولانا کے مرشد ہوں۔
۶۷۲ ہجری میں قونیہ چالیس روز تک بھونچال کی زد میں رہا لوگوں نے مولانا کی طرف رجوع کیا تو فرمایا "زمین بھوکی ہے اور کوئی تر لقمہ چاہتی ہے" وہ تر لقمہ بروز یکشنبہ ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ ہجری کو خود مولانا ہی کی ذات گرامی ثابت ہوئی۔ بقول مولانا "محب و محبوب کے درمیان بیس برس کا جو پردہ [باقی] تھا اٹھ گیا اور نور نور سے جا ملا" ۳۲۷

مولانا کی درج ذیل تصانیف متداول ہیں

(۱) دیوانِ کبیر۔ جسے شمس تبریزی کے نام سے استاد بدیع الزمان فروزانفر نے مرتب کیا۔
(۲) فیہ ما فیہ۔ مجموعۂ ملفوظات ہے۔ مولانا نے اپنے بعض اشعار کے نکات بھی واضح کئے ہیں۔
(۳) مواعظ مجالس سبعہ: (۴) مکتوبات: بنام معین الدین پروانہ [حاجب شاہ قونیہ]
(۵) مثنوی معنوی: مولانا کی شہرۂ آفاق تصنیف، جس کی توصیف میں مشرق و مغرب میں بے تکان لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے۔

"مولانا روم کے کلام میں حکمت اور علم کلام کے بڑے بڑے مسائل شعری زبان میں ادا ہو گئے ہیں صفاتِ باری تعالیٰ، نبوت، روح، معاد، جبر و قدر، تصوف، توحید اور علمی موضوعات میں سے تجرد امثال اور مسئلہ ارتقاء جیسے اہم مسائل کی تعبیر موجود ہے"۔ ۳۲۸

علامہ اقبال اپنی تصانیف میں برملا فیضانِ رومی کا اعتراف کرتے ہیں اور خود کو رومیؒ کا مرید معنوی بتاتے ہیں۔ رومی کو پیر حق پرست، مرشد روم، مرشد رومی اور پیر رومی وغیرہ کے القاب سے یاد کرتے ہیں اور ان کے ساتھ غیر معمولی ارادت دکھاتے ہوئے فخریہ اعلان کرتے ہیں۔
مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است ۳۲۹

علامہ نے مثنوی کو انسانی فکر و عمل کی کتاب قرار دیا ہے اور اس کے فیض کی نئی نئی حدود دریافت کی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ قرآن کے بعد جس کتاب کے ذریعے زمین و آسمان کو مسخر کرنے والے علوم تک رسائی ہو سکتی ہے وہ مثنوی ہے اور اس میں عصر حاضر کے ان پیچیدہ مسائل کا حل بھی موجود ہے، جن سے انسان حواس باختہ ہو کر اپنی تقدیر سے مایوس ہو جاتا ہے۔ رومی کے نابغۂ روزگار ہونے کو ہر دور میں لوگوں نے قابلِ توجہ مانا۔ مگر اس دور میں اقبال کی توصیفات و توجیہات نے لوگوں میں افکارِ رومی کا، اقبال کے خاص نقطۂ نظر سے تجزیہ کرنے کا رجحان پیدا کر کے ایک تازہ "دبستانِ رومی" کی بنیاد ڈالی۔ ۳۳۰ اس سلسلے میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب "حکمتِ رومی" اور علامہ شبلی نعمانی کی کتاب سوانح مولانا روم قابلِ ذکر ہیں۔ خلیفہ صاحب موصوف کی کتاب "تشبیہاتِ رومی" تو گویا مثنوی معنوی کا مغز ہے۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ۲۰ / ۱۔ بھی دیکھنا ضروری ہے۔

---

۳۲۷ مقدمہ مثنوی مولانا روم جلد اول مولانا قاضی سجاد حسین۔
۳۲۸ تلمیحات اقبال ص ۳۰۳ سید عابد علی عابد ۳۲۹
۳۳۰ برکات اقبال ص ۱۱۶/۴ ڈاکٹر محمد ریاض مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۸۲ء | اقبال اور فارسی شعرا ص ۱۰۳/۱۰۲ ڈاکٹر محمد ریاض اقبال اکادمی ۱۹۷۷ء
— / اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۲۰ صفحات ۳۲۶/۳۲۷ — سوانح مولانا روم از مولانا سید میاں اصغر حسین ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۷

۱۱۴ – گفتمش، موجود و ناموجود چیست [18]
معنیٔ محمود و نامحمود چیست ؟

۱۱۵ – گفت، موجود آنکہ می خواہد نمود
آشکارائی تقاضائے وجود

۱۱۶ – زندگی، خود را بخویش آراستن
بر وجودِ خود شہادت خواستن

۱۱۷ – انجمن روزِ الست [19] آراستند
بر وجودِ خود شہادت خواستند

۱۱۸ – زندہ یا مردہ یا جاں بلب
از سہ شاہد کن شہادت را طلب

۱۱۹ – شاہدِ اوّل شعورِ خویشتن
خویش را دیدن بہ نورِ خویشتن

۱۲۰ – شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے
خویش را دیدن بنورِ دیگرے

۱۲۱ – شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق
خویش را دیدن بہ نورِ ذاتِ حق

۱۲۲ – پیشِ این نور ار بمانی استوار
حیّ و قائم چون خدا خود را شمار

حواشی و تعلیقات :

شعر نمبر ۱۱۴ – [18] موجود : صفت، وجود میں لایا گیا۔ موجودات جمع وہ کل چیزیں جو خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ موجود فی الخارج : وہ چیزیں جو خارج میں موجود ہوں اور خیالی نہ ہوں۔ [نور اللغات۔ ج ۴] – "موجود حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور جملہ کائنات موجود اضافی ہے، جو وجودِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے موجود ہے" [اصطلاحات صوفیہ ص ۱۳۲]۔

کشاف اصطلاحاتِ فلسفہ میں "مراتبِ وجود" کے تحتِ عنوان مرقوم ہے

"(ج)۔ ہر موجود کا للشاد و صدور ذاتِ الٰہی سے ہے اور ایک موجود کی اپنے منبع و مصدر سے دوری شر سے آلودگی پر دلالت کرتی ہے" [کشاف اصطلاحاتِ فلسفہ ص ۲۸۲]

پس موجود و ناموجود کی حقیقت و ماہیت محمود و نامحمود سے وابستہ ہے۔ یہی کسی موجودِ اضافی کے وجود و عدم کا پیمانہ ہے۔ تصورِ حقیقت پر غور و فکر ہو یا کہ جوہر و عرض اور وجود و عدم کی بحث، خیر و شر کا حوالہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ توحید ہو، ثنویت ہو یا تثلیث، ہمہ اوست ہو کہ ہمہ از اوست اقدار کی بحث سے خالی نہیں، نہ رحمان و شیطان اور یزدان و اہرمن کے تصور سے کوئی مذہب و مسلک خالی ہے۔ علامہ نے اسی لیے موجود و ناموجود کے ساتھ محمود و نامحمود کی حقیقت واضح کرنا چاہی۔ تاکہ "مقامِ انسانیت" کے تحفظ و صعود پر بحث ہو سکے

"جو شے شخصیت کو مستحکم بنا دے وہ اچھی ہے، اور جو شخصیت کو ضعیف یا معطل کر رہی ہے"
[نقدِ اقبال۔ میکش ص ۱۶ بحوالہ مقدمہ اسرارِ خودی؛ رموزِ نکلسن ص ۲۲]۔

شعر: نمود جس کی فرازِ خودی سے ہو وہ جمیل جو ہو نشیب میں پیدا قبیح و نا محبوب [ک ا ص ۵۲ ضربِ کلیم خوب و زشت]

شعر نمبر ۱۱۵۔

ع وجود کیا ہے فقط جوہرِ خودی کی نمود ۳۳۱

ے لذت گیرِ وجود ہر شے
سرمستِ نمود ہر شے ۳۳۲

ے ہر چیز ہے محوِ خود نمائی
ہر ذرہ شہیدِ کبریائی ۳۳۳

ے تخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشو و نما کے واسطے بے تاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی، خود فزائی کے لیے مجبور ہے ۳۳۴

ع غنچہ و گل بھی ہیں مجبورِ نمو گلزار میں

ع پودوں کو بھی احساس ہے پہنائے فضا کا [نظم تسلیم و رضا]۔ ۳۳۵

ے یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار ۳۳۶

ع حیات کیا ہے حضور و سرور و نور و وجود
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود ۳۳۷

شعر نمبر ۱۱۶، ۱۱۷

پس، زندگی "وجودِ خود" پر گواہی حاصل کرنے کا نام ہے تو ہر "وجود" کو اپنے "ہونے" پر شہادت چاہیے تھے۔ عہدِ الست سے، آدم و اولادِ آدم سے اپنے وجود پر گواہی چاہی اور آدم کو نوری و ناری کا مسجود بنا کر، آدم کے وجود پر گواہی دی گئی۔

⑲ **روزِ الست**: یا **روزِ میثاق**؛ جب اللہ نے تمام اولادِ آدم کی ارواح سے اپنے رب ہونے کا عہد لیا۔ قرآنِ مجید میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ ۳۳۸

ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور اُن سے اُنہیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں۔ ہم سب اس کے گواہ بنتے ہیں تاکہ تم قیامت کے روز یوں نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس [توحیدِ باری] سے محض بے خبر تھے۔

واضح رہی ہے کہ تصورِ رب، فطرتِ انسان کا جزو کر دیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا ع خوئے انسان بت پرست و بت گر است۔ تو دراصل اسی فطری خصوصیت کی طرف اشارہ کیا۔ جزولی مفکرین کا کہنا: God Created the man Or Man Created the god: بھی دراصل اسی حقیقت کا اظہار کرتا ہے۔ قومِ نوح کا یہ تاریخی اعزاز بھی ناقابلِ فراموش ہے کہ انہوں نے پہلی بار "اجتماعی زندگی" کے لیے، قوم، ملک، زبان، رنگ کے "آفل" والوں کو ترک کر کے "رب" کے تصور کو آزمایا۔ یہ "ضمیر" و ضمیر" ہی کی پکار تھی مگر مُہمل ہونے کے باعث پھر اس نے مادے میں پناہ لی چنانچہ، اس گرد کدورت [طبعی تقاضوں کے مادی مؤثرات] کو جھاڑنے اور رب کا حقیقی تصور دلانے کو حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے تاکہ عہدِ الست کی یاد دلائیں۔

---

۳۳۱ کلیاتِ اقبال اردو ص ۴۹۲ (ضربِ کلیم: افرنگ زدہ)
۳۳۲ ایضاً ص ۱۲۷ (بانگِ درا: انسان)
۳۳۳ ایضاً ص ۳۲۵ (بالِ جبریل غزل ص ۲۱)
۳۳۴ ایضاً ص ۲۳۳ (بانگِ درا: والدہ مرحومہ کی یاد میں)
۳۳۵ ایضاً ص ۵۱۲ (ضربِ کلیم: تسلیم و رضا)
۳۳۶ ایضاً ص ۴۲۱ (بالِ جبریل: ساقی نامہ)
۳۳۷ ایضاً ص ۵۳۰ (ضربِ کلیم: مقصود)
۳۳۸ سورۃ الاعراف: ۱۷۲

شعر نمبر ۱۱۸:

خودی کی تین حالتوں، زندہ، مردہ یا جاں بلب، میں سے کون کس درجہ میں ہے - معلوم کرنے کے لئے تین گواہیاں ضروری ہیں - فلسفہ کی باریکیوں سے نابلد ہوں لیکن میرا قیاس ہے کہ سارتر نے اپنی مشہور تصنیف "Being and Nothingness" میں وجود کی جو تین قسمیں - بمقصدِ امتیاز و تفریق درج کی ہیں - زندہ، مردہ، جاں بلب، خودی کے وہی مدارج ہیں -

۱: وجود فی نفسہٖ (Being in Itself)

۲: وجود بہ نفسہٖ (Being with Itself)

۳: وجود لغیرہٖ (Being other than Itself) تفصیلی مطالعہ اور اس قیاس کی صحت و غلطی کے لئے "فلسفہ کے بنیادی مسائل" از قاضی قیصر الاسلام ص ۱۱۶ تا ص ۱۲۳ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

بہرحال علامہ نے "خودی" کے امتحان کے لئے کہ وہ کس درجہ میں ہے "خود" پر تین شہادتوں کا تذکرہ کیا ہے -

شعر نمبر ۱۱۹ تا ۱۲۱

شئے سے فرد بننے کے لئے پہلا ارتقائی مرحلہ "شعورِ خویشتن" ہے جو ثابت ہے سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ[۲۳۹] اور آیاتِ ربانی میں سے پہلی آیت خود انسان کا اپنی حیثیت و حقیقت سے آگاہ ہونا ہے -

" استدامِ محض کی زندگی خودی کی زندگی ہے اور خودی عبارت ہے "میں ہوں"

سے لہٰذا زندہ وہی ہے جو "میں ہوں" یا "انا الموجود کہہ سکے"۔ [۲۴۰]

دوسرا مرحلہ خود اور "غیرِ خود" میں امتیاز کا شعور ہے - پہلی صورت میں انسان شئے سے فرد بنتا ہے دوسری صورت میں وہ اپنی "انفرادیت" سے باخبر ہوتا ہے - تیسرا درجہ وہ ہے جہاں یہ فرد "ذاتِ حق" کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ "بنورِ ذاتِ حق" خود کو دیکھنا دراصل کائنات میں اللہ اور اپنے درمیان تعلق سے آگاہی سے عبارت ہے اسرارِ خودی میں علامہ نے اس مرتبہ کو "اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی" کے مزید تین درجوں میں تقسیم کیا ہے - جس کے بغیر انسانی معراجِ کمال کا حصول ناممکن ہے -

" خودی کا منتہائے جستجو یہ نہیں کہ اپنی انفرادیت کے حدود توڑ ڈالے - اس کا منتہا ہے اس انفرادیت کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھ لینا - لیکن اس کا آخری عمل فکر کا عمل نہیں وہ ایک حیاتی عمل ہے جو اس میں گہرائی اور پختگی پیدا کرتا ہے، اور اس کے ارادوں کو تقویت دیتے ہوئے ایک شانِ خلاقی کے ساتھ اس تیقن کا باعث ہوتا ہے کہ دنیا محض دیکھنے یا افکار و تصورات کی شکل میں سمجھنے کی چیز نہیں بلکہ ایک ایسی چیز ہے جس کو ہم اپنے مسلسل عمل سے بناتے رہتے ہیں - یہ خودی کے لئے سرور و ابتہاج کا انتہائی لمحہ ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ انتہائی آزمائش کا بھی: زندہ یا مردہ یا جاں بلب الخ"۔ [۲۴۱]

---

۲۳۹ حٰم السجدہ: ۵۳

۲۴۰ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ص ۸۵ -

۲۴۱ ایضاً ص ۳۰۶، ص ۳۰۷

جو اس آزمائش میں کامیاب ہوگیا وہ تعیُنات کے پردے اٹھاکر دیدارِ ذات سے بہرہ ور ہُوا — یہ وہ مقام ہے جہاں "عبد" "عبدہٗ" کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے — یعنی "با ابتدا بے انتہا" ع۲۲۲ الف گویا ان مراتب کو تجلیِّ اسماء، تجلیِ صفات اور تجلیِ ذات بتاتے ہیں ع۲۲۲ ب

۱۲۳ - بر مقامِ خود رسیدن زندگی ست | ذات را بے پردہ دیدن زندگی ست
مردِ مومن در نسازد با صفات | مصطفیٰ راضی نشد اِلّا بذات

۱۲۵ - چیست معراج؟ آرزوئے شاہدے (۲۰) | امتحانے روبروئے شاہدے

۱۲۶ - شاہدِ عادل کہ بے تصدیقِ (۲۱) او | زندگی مارا چو گُل را رنگ و بُو

۱۲۷ - در حضورش کس نماند استوار | ور بماند ہست اُو کامل عیار

۱۲۸ - ذرّہ از کفِ مدہ تابے کہ ہست | پختہ گیر اندر گرہ تابے کہ ہست

تابِ خود را بر فزودن خوشتر است | پیشِ خورشید آزمودن خوشتر است

پیکرِ فرسودہ را دیگر تراش! | امتحانِ خویش کُن موجود باش

۱۳۱ - این چنیں موجود، محمود است و بس
ورنہ نارِ زندگی دود است و بس

حواشی و تعلیقات

شعر نمبر ۱۲۳، ۱۲۴

پردہ ہائے تعینات اٹھنے اور ذات کے دیدار سے فیض پانے کا نام ہی چونکہ زندگی ہے اس لئے مومن صفات پر قناعت نہیں کر سکتا۔ "پردہ ہائے تعینات" سے کسی اشراقی یا سریانی تصور کی غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے۔ یہ پردۂ صفات جیسے ذاتِ حق کا حجاب کہا گیا ہے بقول شاہ ولی اللہ "وجہ اللہ کا وہ نور ہے جس سے ساتوں آسمان و زمین جگمگا رہے ہیں (اصطلاحاً اسی کا نام وجودِ منبسط ہے یعنی پھیلا ہوا نور) یہی ذاتِ حق کا وہ حجاب ہے کہ اگر اس پردے کو اٹھالیا جائے تو خدا کے چہرے کی چمک دمک جلاکر ان ساری چیزوں کو رکھ دے گی جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔ یہی خدا کی رحمت کا وہ دریا ہے جو ہر چیز کو محیط ہے ..." ع۲۲۳ شاہ ولی اللہ کی کتاب

ع۲۲۲ الف - کلیات اقبال فارسی ص۶۰۱ (جاوید نامہ)
ع۲۲۲ ب - جاوید نامہ (تحقیق و توضیح) ص۶۱ ڈاکٹر محمد ریاض
ع۲۲۳ - عبقات ص۳ عبقہ ۱۱ اردو ترجمہ مولانا مناظر احسن گیلانی

صفات کا سلسلہ ہے اور مولانا سید مہر شمسی ہاشمی کے حاشیہ سے "وجودِ منبسط" کے شخصِ اکبر (کائنات) میں ایجاب بطریقِ نزولی" کی بحث سے یہ "پردۂ صفات" صرف "ارادۂ الٰہی" رہ جاتا ہے جسے وجودی صوفیا ذاتِ بحت جان کر شرک کے مرتکب ہوئے ___ تو پھر "ارادۂ الٰہی" سے متجلی ہونا ہی دراصل "مصطفیٰ رأنی لن رای الحق بذات" کا مفہوم رہ جاتا ہے۔ بقول صاحب رسالہ قشیریہ تمام تمکین ہے ۲۲۴ جہاں بندہ متلون ہونے کے باوجود اپنی اصلی حالت پر متمکن رہتا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آیا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ترجمہ: نہ آپ کی نگاہ میں کجی پیدا ہوئی نہ اپنے مرکز سے کسی طرف بھٹکی ۲۲۵ صاحب رسالہ قشیریہ نے لی مع اللہ وقت الخ کی یہی تاویل کی ہے (حوالہ مرحوالہ مذکور ۲۲۴) اس لئے کہ "خودی بالغیب العین یہ نہیں کہ کچھ دیکھے بلکہ یہ ہے کہ کچھ بن جائے" ۲۲۶

شعر نمبر ۱۲۵، ۱۲۶

فلسفۂ خودی میں آرزو، مقاصد اور آئین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ "اسرارِ خودی" میں پورا باب " دربیانِ اینکہ حیاتِ خودی از تخلیق و تولیدِ مقاصد است" کے عنوان سے موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم   از شعاعِ آرزو تابندہ ایم
لہٰذا
آرزو را در دلِ خود زندہ دار   تا نگردد مشتِ خاکِ تو غبار ۲۲۷

"رموزِ بیخودی" میں اجتماعی زندگی کے لئے قراردادِ مقاصد کے طور پر "آئین" کی اہمیت پر زور دیا ہے ___ اور "در معنیٔ اینکہ نظامِ ملت غیر از آئین، صورت نہ بندد، و آئینِ ملتِ محمدیہ قرآن است" کے عنوان سے باب باندھا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

ملتے را رفت چون آئین ز دست   مثلِ خاک اجزائے او از ہم شکست
ہستیٔ مسلم ز آئین است و بس   باطنِ دینِ نبی این است و بس
تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست   زیرِ گردون سرِّ تمکینِ تو چیست
آن کتابِ زندہ قرآنِ حکیم   حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات   بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
نوعِ انسان را پیامِ آخرین   حاملِ او رحمۃ للعالمین ۲۲۸

کتنی بدقسمتی ہے کہ "مفکرِ پاکستان" کی تعلیم کے برعکس، وطنِ عزیز، پہلے تو آئینِ اسلامی (قرآنی) سے محروم ہے اور دوسرے یہ کہ جو متفقہ آئین، نظامِ اجتماعی کی ضمانت ہے بار بار فوجی جبر و آمریت کا شکار ہو جاتا ہے اور نظریۂ پاکستان کے نام نہاد "محافظ" اُس کے معاون اور دست و بازو بن جاتے ہیں۔ کاش ملتِ اسلامیہ پاکستان اس طرف بھی متوجہ ہو سکے۔ ریاستِ مدینہ "میثاق" کی بنیاد پر استوار ہوئی۔ اور ریاستِ اسلام کا بے آئین رہنا کسی صورت بھی اسلامی عمل نہیں ہو سکتا۔ (آرزو سے متعلق علامہ کے افکار کی تفصیل مزید کے لئے شعر نمبر ۹۷ کے حواشی ملاحظہ ہوں)

---

۲۲۴ رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۳۶   ۲۲۵ شرح جاوید نامہ صفحہ ۲۹۲ (ترجمہ آیتِ مازاغ)۔
۲۲۶ تشکیل جدید صفحہ ۳۰۶
۲۲۷ کلیاتِ فارسی اقبال صفحہ ۱۶/۱۲ (اسرارِ خودی)   ۲۲۸ ایضاً صفحہ ۱۳۱/۲۲ (رموزِ بیخودی)۔

(٢٠) معراج ... **معراجِ رسولؐ** : ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ١٢ -

(٢١) **تصدیق** : جیسا کہ پیٹاول (Petavel) نے لکھا ہے

"...... دوامی زندگی کا تصور ... یعنی جو ہمارا خدا کے ساتھ ہے" ٢٤٩ "خدا کے ساتھ رہنا" صوفیانہ فنا نہیں بلکہ خود اپنے وجود کا اثبات ہے [رہنا] - یہ ہماری زندگی کے لئے اسی طرح ہے جس طرح گل کے لئے رنگ و بو ، رنگ و بو کے بغیر گل کا تصور نہیں ہو سکتا -

تصدیق اس طرح کے ادراک کو کہتے ہیں جو دو یا دو سے زیادہ تصورات پر مشتمل ہو ٢٥٠-١ یقین کو ظاہر کرے ٢٥٠-٢ ، یعنی روح و بدن ـ فنا نہیں ، وجود ـ (سلطان انا الموجود [انجمن ...] ... لاہور) میرا خیال ہے معنٰی ثانی "زندگی سارا جو گل ہے رنگ و بو" ہونا چاہئیے ـ بے تصدیق تو ہماری زندگی بے رنگ و بو پھول جیسی ہے -

شعر نمبر ١٢٧ ، ١٢٨ : یعنی

غافل از حفظ خودی یک دم مشو / ریزۂ الماس شو شبنم مشو ٢٥١

اگر خودی ز نور گیرد ... / فنا خواہی؟ بہ وجود نزدیک تر شو ٢٥٢

تو از نور خودی تابندہ ای / گر خودی محکم کنی پایندہ ای ٢٥٣

خودی را ... در آغوش کردن / فنا را با بقا ہمدوش کردن ٢٥٤

خودی اندر خودی ... زوال است / خودی را عین خود بودن کمال است ٢٥٥

خودی چون پختہ گردد لازوال است / فراق عاشقان عین وصال است ٢٥٦

گراں بہا ہے تو حفظ خودی سے ہے ورنہ / گہر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں ٢٥٦

غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی / شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ ٢٥٧

خودی کا سِرِّ نہاں لا الٰہ الا اللہ / خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ ٢٥٨

نمود جس کی فراز خودی سے ہو وہ جمیل / جو ہو نشیب میں پیدا قبیح و نامحبوب ٢٥٩

تری خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود / حیات کیا ہے؟ اسی کا سرور و سوز و ثبات

بلند تر مہ و پرویں سے ہے اسی کا مقام / اسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے ذات و صفات ٢٦٠

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات / کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات ٢٦١

شعر نمبر ١٣١ : یہی وہ مقام ہے جہاں بندہ مولا صفات بنتا ہے ـ تخلقوا باخلاق اللہ اس کا اشارہ ہوتا ہے - ایسا وجود ہی محمود ہوتا ہے ورنہ زندگی کا شعلہ ، دھواں ہی دھواں ، اور بے نوری ، نامحمودی -

"ہر خودی تربیت یافتہ ہو یا غیر تربیت یافتہ ہر حالت میں خودی رہے گی - اس کا جوہر ہے یکتائی - ہر خودی اپنی جگہ یکتا ہے ہر خودی کا ایک تشخص اور امتیاز ہے کہ جب تک قائم ہے خودی قائم ہے ورنہ اس کا وجود ختم ہو جائے گا - نہ خودی کسی دوسری خودی میں مدغم ہو سکتی ہے نہ اس کا ظہور کسی دوسری خودی کے توسط سے ہو گا" ٢٦٢

---

٢٤٩ منقول از خطبات اقبال صفحہ ٢١٠ بحوالہ ... پیٹاول (انگلش ٹرانسلیشن) صفحہ ٨٢٢

٢٥٠-١ قدیم ... منطق اردو ... مجلس ترقی ادب لاہور ... ١٩٥٩ء

٢٥٠-٢ ... ٢٥١ کلیات اقبال فارسی صفحہ ٥٥ (اسرار خودی)

٢٥٢ ایضاً ٥٢٣ ... ٢٥٣ ایضاً ٤٩٥ ... ٢٥٤ ایضاً ٥٥١ ٢٥٥ ایضاً ٥٦١

٢٥٦ ایضاً ٥٦١ ... ٢٥٦ کلیات اقبال اردو ٢٣٩ ... ٢٥٧ ایضاً ٣٢٦ (ایضاً ٣٢)

٢٥٨ ایضاً ٤٧٧ (ضرب کلیم ...) ٢٥٩ ایضاً ٥٢٣ (ضرب کلیم ...) ٢٦٠ ایضاً ٥٦٨ (ایضاً ...)

٢٦١ ایضاً ٤٦٩ (ارمغان حجاز ...) ٢٦٢ ... ٨٣ ایضاً -

۱۳۲- باز گفتم پیشِ حق رفتن چسان؟ ‏| کوہ خاک و آب را گفتن چسان؟

آمرِ و خالق بروں از امر و خلق | ما ز دستِ روزگاراں خستہ حلق

گفت اگر سلطاں ترا آید بدست | می تواں افلاک را از ہم شکست

باش تا عریاں شود این کائنات | شوید از دامانِ خود گردِ جہات

در وجودِ اُو نہ کم بینی نہ بیش | خویش را بینی ازو، او را ز خویش

نکتۂ اِلّا بسلطاں یاد گیر! | ورنہ چوں مور و ملخ در گل بمیر

از طریقِ زادن اے مردِ نکوے! | آمدی اندر جہانِ چار سُوے

ہم بروں جستن بزادن می تواں | بندہا از خود کشادن می تواں

لیکن این زادن نہ از آب و گل است | داند آن مردے کہ اُو صاحبدل است

آن ز مجبوری است این از اختیار | آن نہاں در پردہ ہا این آشکار

آن یکے با گریہ این با خندہ ایست | یعنی آن جوئندہ این یابندہ ایست

آن سکون و سیر اندر کائنات | این سراپا سیر بیرون از جہات

آن یکے محتاجِ روز و شب است | واں دگر، روز و شب اُو را مرکب است

زادنِ طفل از شکستِ اشکم است | زادنِ مرد از شکستِ عالم است

ہر دو زادن را دلیل آمد اذاں | آن بلب گویند و این از عینِ جاں

۱۴۶- جانِ بیدارے چو زاید در بدن | لرزہ ہا افتد دریں دیرِ کہن"

حواشی و تعلیقات

کفتن: یا کفیدن: چیرنا، پھاڑنا۔ کلیات میں گفتن درج ہے جو کتابت کی غلطی پر دلالت ہے۔ [فرہنگ عامرہ، لغات کشوری]

(۲۲) **آمرِ و خالق:** اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ [۲۶۳] یاد رہے عالم خلق اور عالم اَمر کا مالک وہی (اللہ) ہے۔

۲۶۳ عالم خلق و امر، روح اور مادے کا التقائی نقطہ ہے۔ خلق ناپ مقدار، لمبیت سے عبارت ہے اور امر، ترتیب و توازن کی کیفیت ہے [تشکیلِ جدید خطبہ چہارم ص ۱۵۴ تا ۱۵۵] خلق: کمیت میں اختلافِ صور ہے لیکن امر: ترتیب و توازن میں وحدت وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَۃٌ [القمر: ۵۰] یہی تخلیق و تسویہ زندگی کا کیف و کم ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی [الاعلیٰ ۲]

اور کوئی شے بے مقصد اور باطل تو پیدا نہیں ہوتی اس لئے ہر شے کے مقصدِ تخلیق (تقدیر) کا مالک بھی وہی جو خالق ہے۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۲۶۴ وہی ہے جس نے پیدا کیا، توازن و تسویہ بخشا تقدیر دی اور اس تقدیر کے مطابق زندگی کرنے کا طریقہ و سلیقہ سکھایا۔ ہدایت دی۔ چونکہ یہ مسئلہ جاوید نامہ میں آگے۔ فلکِ مشتری میں غالب و رومی کی زبانی۔ دوبارہ آئے گا اس لئے وہیں اس کی تفصیلات درج ہوں گی۔ یہاں صرف یہ لکھ دینا کافی ہوگا کہ "خالق و آمر" "خلق و امر" سے وراء الوریٰ ہے تو وجودی صوفیا کا وہ "سترِ بنیانِ وجود" جسے یوسف سلیم چشتی علامہ اقبال کی فکر پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اقبال سے کیا نسبت رکھتا ہے؟ —— جو "خلق و آمر" سے باہر ہے "خلق و امر" کے اسیر کا اس کے روبرو پیش ہونا کیسے ممکن ہے؟ اقبال کا یہی سوال ہے۔ نوٹ: خلق و امر کی بحث شعر نمبر ۱۲۹، شعر نمبر ۱۵۰ کے تحت بھی آئے گی۔ تفصیل وہیں ملاحظہ ہو۔

(۲۳) اِلَّا بِسُلْطَانٍ:

علامہ نے خود حاشیہ میں اس تلمیح کی توضیح فرمائی ہے کہ یہ سورہ الرحمٰن پارہ ۲۷ کی آیت ۳۳ کی طرف اشارہ ہے۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ ترجمہ: اے گروہِ جن و انس تم کو اگر یہ قدرت ہے کہ آسمان و زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو۔ مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے نہیں) ۲۶۵

سلطان: کے لغوی معانی، قوت، غلبہ اور ایسے اقتدار کے ہیں جو قوت اور طاقت کی بدولت حاصل کیا جائے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ۲۶۶ میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ حاصل نہیں۔ مَا كَانَ لَنَا عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۲۶۷ (شیطان دوزخ میں دوزخیوں سے کہے گا کہ اے ساتھی جہنمیو!) تم پر ہمیں اقتدار تو حاصل نہ تھا۔

سلطان: بمعنی سند بھی آیا ہے۔ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۲۶۸

معاملہ چونکہ زمین و آسمان کے اقطار سے باہر نکل جانے کا ہے اور اس کے لئے سلطان کی ضرورت کا اعلان کیا گیا ہے۔ پچھلے برسوں میں کششِ زمین کی حدود سے نکل کر چاند وغیرہ پر اترنے کا تاریخی واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ جس میں کششِ زمین کے حدود سے نکلنے کے لئے اتنی قوت استعمال میں لائی گئی جو کششِ زمین سے چھڑا سکے۔ یہ توانائی اگر سلطان سمجھ لی جائے تو قرآنی منشا کے خلاف نہ ہوگا۔

شعر نمبر ۱۳۲ تا ۱۳۶:

مراد یہ کہ مخلوق و مامور کا خالق و آمر کے روبرو کھڑا ہونا کیا مفہوم رکھتا ہے؟ جب کہ اول تو انسان اس مادی جسم کے ساتھ اور زمان و مکان کی قید میں ہے وہ خالق و آمر کے حضور پیش ہو، مگر کس طرح؟ ارشاد ہوا اس کے لئے "سلطان" کی ضرورت ہے۔ یہ کائنات تمام تر مادی وجود کے ساتھ گرد جہات چھوڑ کر (زمان و مکان) کی قید سے آزاد ہو جائے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کائنات کا مادی وجود فنا ہو جائے گا۔ ایسا نہیں، یہ کم یا زیادہ نہ ہوگی تو اسے اپنی خودی سے اور اپنی خودی اس سے دیکھے گا ۲۶۹ آسماں میں راہ کرتی ہے خودی

مرحلہ اول	فطرت کو خرد کے روبرو کر	تسخیرِ مقامِ رنگ و بو کر ۲۷۰
دوسرا مرحلہ	از ہمہ کس کنارہ گیر صحبتِ آشنا طلب	ہم ز خدا خودی طلب ہم ز خودی خدا طلب ۲۷۲
	خودی را از وجودِ حق وجودے	خودی را از نمودِ حق نمودے ۲۷۳

(سلطان بدر آمد [illegible])

---

۲۶۴ الاعلیٰ: ۲، ۳ ۲۶۵ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی ۲۶۶ الحجر: ۴۲ / ابراہیم: ۲۲ / النحل: ۹۹-۱۰۰ / بنی اسرائیل: ۶۵ - ۲۱: ۲۱ ۲۶۷ الصّٰفّٰت: ۳۰ ۲۶۸ الاعراف: ۷۱ / یونس: ۶۸ / ھود: ۹۶ / یوسف: ۴۰ / ابراہیم: ۱۰ / الکہف: ۱۵ / المومن: ۲۳، ۳۵، ۵۶ / النمل: ۲۱ / الصّٰفّٰت: ۱۵۶ / الذاریات: ۳۸ / الطور: ۳۸ / النجم: ۲۳ / الدخان: ۱۹ ۲۶۹ کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۲۷ [بالِ جبریل: بیراہن] ۲۷۰ ایضاً ص ۵۸۶ [ضربِ کلیم: معمور] ۲۷۱ ایضاً ص ۳۵۱ [بالِ جبریل: غزل ۳۷] ۲۷۲ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۵۰ [زبورِ عجم] ۲۷۳ ایضاً ص ۵۰۳ [ارمغانِ حجاز]

اگر شکست: بسم نظرت یار رہا تو شبک ورنہ مورد ملخ کی طرح بے نام و نشاں ہوکر مر جانا مقدر ہے۔

زندگی صرف یہ نہیں کہ ماں کے پیٹ سے جنم لے لیا اور بس۔ وہ جنم جبری تھا۔ اس جنم میں روتے ہوئے آنا کسی شے کی تلاش بتاتا ہے۔ ایک جنم یہ ہے کہ اس جہانِ چار سو سے باہر نکل جائے لیکن اس زندگی اور جنم سے صرف صاحبِ دل واقف ہو سکتا ہے کہ یہ جنم ارادہ و اختیار سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ روز و شب کے گھوڑے پر سوار۔ مکاں: عالم کی شکست و ریخت سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر دو جنم تکبیر و شہادت: اذاں کی صحبت رکھتے ہیں لیکن فرق صرف یہ کہ شکمِ مادر سے جنم کی اذاں زبان و لب سے ہوتی ہے اور اس جنم: بیداریٔ خودی کی اذاں اعماقِ جان سے۔ ایسی جان جب قالب بن بن جاگتی ہے تو اس پرانے صنم کدے: کنایہ: دنیا پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ نہ وہ اذاں جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا ۲۷۴

خود نگر گلہ ہائے جہاں چہ می گوئی | اگر نگاہ تو دیگر شود جہاں دگر است ۲۷۵
خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات | کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحانِ ثبات
خودی ہے مردہ تو مانندِ کاہِ پیشِ نسیم | خودی ہے زندہ تو سلطانِ جملہ موجودات ۲۷۶

۱۴۷ - گفتم این زادن نمی دانم که چیست | گفت شانے از شیونِ (۷۴) زندگی ست
۱۴۸ - شیوہ ہائے زندگی غیب و حضور (۷۵) | آں یکے اندر ثبات آن در مرور
۱۴۹ - کہ بجلوت می گدازد خویش را (۷۶) | گہ بخلوت جمع سازد خویش را
۱۵۰ - جلوتِ او روشن از نورِ صفات | خلوتِ او مستنیر از نورِ ذات
۱۵۱ - عقلِ (۷۷) او را سوئے جلوت می کشد | عشقِ او را سوئے خلوت می کشد
عقل بر خود را بریں عالم زند | تا طلسمِ آب و گِل را بشکند
می شود ہر سنگ رہ او را ادیب | می شود برق و سحاب او را خطیب
چشمش از ذوقِ نگہ بیگانہ نیست | لیکن او را جرأتِ رندانہ نیست
پس ز ترسِ راہ چوں کورے رود | نرم نرمک صورتِ مورے رود
تا خرد پیچیدہ تر رنگ و بوست | می رود آہستہ اندر راہِ دوست
۱۵۷ - کارش از تدریج می یابد نظام | من ندانم کے شود کارش تمام

حواشی و تعلیقات (۷۴) **شیونِ زندگی**: اصطلاحِ صوفیہ میں شیونِ صُوَرِ علمیہ اور حقائقِ عالم کو کہتے ہیں ۲۷۷ لیکن یہاں سیاق و سباق کے لحاظ سے شان (جمع ہا) کا ذکر بھی اصطلاحِ صوفیہ کی طرح بے محل ہوگا کیونکہ علامہ نے

* شیونِ زندگی، کہا ہے۔ یعنی زندگی کے مختلف مدارج کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مولانا رومیؒ نے مثنویِ معنوی میں "بیانِ اطوارِ منازلِ خلقتِ آدمی از ابتدائے خلقت" کے تحتِ عنوان درجِ ذیل مدارجِ حیات گنائے ہیں

آمدہ اول باقلیمِ جماد | وز جمادی در نباتی اوفتاد
سالہا اندر نباتی عمر کرد | وز جمادی یاد ناورد از نبرد ۲۷۸

ـــــــــــــــــــــــــ

۲۷۴ کلیاتِ اقبال اردو ص ۴۷۶ [ضربِ کلیم: صبح] ۲۷۵ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۴۸۳ [زبورِ عجم غزل ۲۸]
۲۷۶ کلیاتِ اقبال اردو ص ۶۹۷، ص ۶۲۸ [ارمغانِ حجاز اردو: مسعود مرحوم] ۲۷۷ اصطلاحاتِ صوفیہ ص ۸۳
۲۷۸ مثنوی معنوی دفتر چہارم ص ۳۲۴ اسلامی پبلشنگ کمپنی۔ لاہور۔ سن ندارد۔

در نباتی چوں بہ حیوانی فتاد — نامدش حالِ نباتی ہیچ یاد
باز از حیوان سوئے انسانیش — می کشد آن خالقے کہ دانیش
ہم چنیں اقلیم تا اقلیم رفت — تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت ؎ ۲۷۹

یہی شیونِ زندگی ہیں۔ انسانی زندگی میں ڈھلی۔ زندگی، جماری، نباتی، حیوانی (مراتبِ ثلاثہ) سے ہوتی ہوئی قالبِ انسانی میں ڈھلی اور بھی ارتقاء ہوتا ہے۔ مولانا کی زبانی علامہ بیان کرتے ہیں کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے بعد بھی جنم ہے اور وہ بھی شیونِ زندگی کی ایک شان ہے۔ عشق کے زیرِ عنوان اس کی وضاحت ہوگی کہ وہ جنم، طبعی تقاضوں کو رضائے الٰہی کے تابع کرنے کا نام ہے۔

شعر نمبر ۱۴۸۔ ⑳ شیوہ ہائے زندگی :۔ اصطلاحاتِ صوفیہ میں شیوہ سالک کا وہ جذب تعلیل ہے جو کبھی ہو کبھی نہ ہو۔ شیوہ ہائے زندگی، گویا زندگی کے بدلتے ہوئے اطوار ہیں یا مختلف منازل و مدارج۔ اہلِ فکر نے ان منازلِ حیات کو اسماء و صفاتِ باری تعالیٰ کے ظہورات سے تعبیر کیا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کا مرتبۂ احدیت الآن کما کان [غیر متبدل] ہے تخلیقی فعلیت میں ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات و اسماء کا ظہور کُلَّ یَومٍ ھُوَ فِي شَان کا مظہر۔ پس کامل واکمل ہے۔ جلوت و خلوت، حضور و غیب اور مظاہرِ حیات میں زندگی کا اول الذکر درجہ غیب اور ثانی الذکر مرتبہ حضور ہے۔ علامہ نے زندگی کی ایک کیفیت کو ثبات [تمکن] اور دوسری کیفیت کو مرور [تلوّن] کہا۔ مرور و ثبات میں لف ونشر ہے۔ مجازاً اسے ظہوراتِ الٰہیہ کہنا اور بات ہے اور وجودی تصور [تنزلاتِ ستّہ] کے زیرِ اثر اسے حقیقتاً ذاتِ مطلق سمجھ لینا اور بات۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اسی ثانی الذکر دلدل میں پھنسے ہونے کے باعث فکرِ اقبال سے انصاف نہیں کر سکے ؎ ۲۸۰

شعر نمبر ۱۴۹۔ ㉖ حیات، خودیٔ مطلق کی صفاتِ ذاتی میں سے ایک اور بنیادی صفت ہے۔ اس لئے علامہ مظاہرِ حیات کو خودی کے آثار سمجھتے ہیں وہ اسرارِ خودی میں لکھتے ہیں۔

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی ست — ہر چہ می بینی ز اسرارِ خودی ست
خویشتن را چوں خودی بیدار کرد — آشکارا عالمِ پندار کرد
صد جہاں پوشیدہ اندر ذاتِ او — غیرِ او پیداست از اثباتِ او
خود شکن گردید و اجزا آفرید — اندکے آشفت و صحرا آفرید
باز از آشفتگی بیزار شد — وز بہم پیوستگی کہسار شد ؎ ۲۸۱

یہی بات علامہ نے زندگی کے بارے میں زیرِ نظر شعر میں جلوت و خلوت کے حوالے سے "می گدازد" اور "جمع سازد" کہہ کر بیان کی ہے۔ اسرارِ خودی میں خودشکنی و آشفتگی کا متبادل "می گدازد" لائے ہیں اور آشفتگی سے بیزاری اور بہم پیوستگی کے لئے "جمع سازد" — یہ شیوہ ہائے زندگی ہیں۔ معلوم نہیں پروفیسر یوسف سلیم چشتی کیوں علامہ کو وجودی صوفیا کا متبع ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ علامہ جسے شیوہ ہائے زندگی کہتے ہیں چشتی صاحب اسے "ذاتِ حق" لکھتے ہیں حالانکہ یہاں علامہ کا موضوع نہ فلسفہ ہے نہ تصوف وہ صرف عمرانی زندگی پر غور کر رہے ہیں جناب چشتی لکھتے ہیں " یعنی ذاتِ حق اپنے بطون کے اعتبار سے جسے اقبال نے غیب سے تعبیر کیا ہے بحر متحد ہے لیکن اپنے ظہور کے اعتبار سے جسے اقبال نے حضور سے تعبیر کیا ہے اشکالِ مختلفہ (باران، قطرہ، صدف، گہر) اختیار کر لیتی ہے " ؎ ۲۸۲

؎ ۲۷۹ مثنوی معنوی دفتر چہارم ایضاً ص ۳۲۵
؎ ۲۸۰ ملاحظہ ہوں شرح جاوید نامہ صفحات ص ۳۲۱ تا ص ۳۲۷
؎ ۲۸۱ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۱۲، ص ۱۳، ص ۱۴ [اسرارِ خودی : در بیانِ اینکہ اصلِ نظامِ عالم از خودی است]
؎ ۲۸۲ شرح جاوید نامہ ص ۲۲

اس طرح حیات کو ذاتِ حق بنانے کے بعد "می گدازد" کے ذیل میں "ذاتِ حق" سے متعلق بعض وجودی صوفیاء کے ہاں "شمع کی مثال" سامنے رکھ کر شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی زبانی [جنہیں علامہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان لکھتے ہیں] الزام دیتے ہیں کہ "اس قسم کے خیالات رکھنے والوں نے درِ الحاد و زندقہ کھول دیا" ۲۸۳ ۲۸۴

لیکن آگے چل کر پھر لکھتے ہیں

" جلوت سے یہ کائنات مراد ہے اور صوفیہ کے عقیدہ کے مطابق یہ کائنات پرتوِ اسماء و صفات ہے۔ اور اقبال نے اس مصرع [کہ بجلوت می گدازد خویش را ناقل] میں اُن ہی کے مسلک کی ترجمانی کی ہے۔ یعنی عقیدہ کے لحاظ سے اقبال بھی وجودی حضرات کے متبع ہیں" ۲۸۵

معلوم نہیں جنتی صاحب وجودی صوفیاء کے غالی معتقد بھی ہیں اور اقبال کو "می گدازد" کے حوالے سے وجودی حضرات کا متبع بھی ثابت کرتے ہیں پھر انہیں درِ الحاد و زندقہ کھولنے کا بالواسطہ الزام دینے میں اتنے دلیر کیوں ہیں؟ کہ خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ پیکرِ ہستی کو آثارِ خودی نام دیتے ہیں اور ہر پیکرِ ہستی کی خودی کو "قوتِ خاموش و بے تابِ عمل" ثابت کرتے ہوئے شمع کو بھی خودی کا ایک مظہر لکھتے ہیں اور اس پیکرِ ہستی کے بارے میں بتاتے ہیں کہ

شمع ہم خود را بخود زنجیر کرد　　خویش را از ذرّہ ہا تعمیر کرد
خودگدازی پیشہ کرد از خود رمید　　ہم چو اشک آخر ز چشمِ خود چکید ۲۸۶

یہاں کوئی عقل کا دشمن ہی شمع سے ذاتِ مطلق مراد لے سکتا ہے۔ زیرِ نظر شعر میں تو مسئلہ خودی کا بھی نہیں ہے کھلے لفظوں میں "شیوہ ہائے زندگی" زیرِ بحث ہے جو اللہ کی ایک نعمت ہے۔ لہٰذا "می گدازد" کا مرجع زندگی ہے نہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ۔

شعر نمبر ۱۵۰ — زندگی کی جلوت [آفاق] نورِ صفات سے روشن ہے اور خلوت [اَنفُس] نورِ ذات سے۔ ذاتِ مطلق کی تخلیقی فعلیت اَنفُس و آفاق ہی میں ظاہر ہو رہی ہے۔ یہی غیب و حضور ہے اور یہی ثبات و مرور۔

شعر نمبر ۱۵۱ — عقل زندگی کو فطرت کے کائناتی مظاہر کی طرف رغبت دلاتی ہے اس لئے کہ عقلِ مادی، حواس ہی کی اسیر ہے۔ اور عشق [استغراق فی اللامر] زندگی کو نفس کی معرفت کی طرف راغب کرتا ہے اس لئے کہ عشق نام ہی اوامر کے جزوِ فطرت کرنے کا ہے۔ پہلے عقل کی حقیقت معلوم کرنا ضروری ہے

(۲۷) عقل : عقل اور عشق کی بحث فلسفۂ خودی میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ نے تعمیرِ خودی میں "اطاعتِ الٰہی" کو مرکزی حیثیت دی ہے۔ جس کا نتیجہ تسخیرِ فطرت اور ثمرہ نیابتِ الٰہی ہے ۲۸۷

---

۲۸۳ شرح جاوید نامہ ص ۳۲۶　۲۸۴ ایضاً　۲۸۵ ایضاً ص ۳۲۷
۲۸۶ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۱۲ [اسرارِ خودی: در بیانِ این کہ نظامِ عالم از خودی است ....]۔
۲۸۷ ایضاً ص ۲۰ تا ص ۲۶ [اسرارِ خودی: در بیانِ این کہ تربیتِ خودی را سہ مراحل است ...]۔

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ اطاعتِ الٰہی 'احکامِ الٰہی' [تقدیر و ہدایت] کی کماحقہٗ تعمیل کا نام ہے۔ احکامِ الٰہی کی دو اقسام ہیں ایک وہ امرِ کُن جو ہر شے کی تخلیق کے مرحلہ ہی میں اُس کی فطرت اور طبیعت کا جزو بنا دیا گیا۔ اسی "ہدایتِ فطرت" سے ہر شے کا تشخص قائم ہے اس لیے کہ دنیا کی ہر شے چار و ناچار بلاچون و چرا اس ہدایتِ فطرت کی مطیع و فرمانبردار ہے۔ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا ۲۸۸ اَسْلَمَ تفضیلِ کُل ہے اس سے بڑھ کر بندگی کا کوئی تصور نہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہائیڈروجن کو مرحلۂ تخلیق میں جلنے کا حکم دیا۔ جب تک نظامِ کائنات قائم ہے ہائیڈروجن اس امر [تقدیر و ہدایت] سے انحراف نہیں کر سکتی۔ یہی اثر اُس کی پہچان بھی ہے یعنی اسی امر [جلنا] میں کمالِ استغراق سے اس کا تشخص مسلم ہے۔ آکسیجن سے کہا جلنے میں مدد دے۔ وہ ایسا ہی کر رہی ہے۔ اور اسی سے اس کا تشخص قائم ہے۔ یہ تقدیر [مقصدِ وجود] طبیعات میں اشیاء کی خاصیت کہلاتی ہے۔ ہائیڈروجن کو کون سی قوت دیاسلائی دیکھتے ہی بھڑک اٹھنا سکھاتی ہے اور آکسیجن کو کون سی قوت دیاسلائی کو جلائے رکھنے میں مدد پر اکساتی ہے؟ — جواب سے پہلے ایک اور مثال دیکھتے ہیں

پانی [اجتماعِ قطرات] کی اب تک معلوم شدہ اجتماعی تقدیر ۲۸۹ [خاصیت] سطح ہموار رکھنا ہے۔ پانی کی سطح ہموار ہو تو پرسکون رہتا ہے ۲۹۰ سطح ناہموار ہو جائے تو آبادیاں بہہ جاتی ہیں، طوفان و طغیانی کا سماں برپا ہوتا ہے نہ خود سر ٹکرانے سے بچتا ہے نہ آگے آنے والوں کو بچاتا ہے۔ یہ نتیجہ ہے طبعی تقاضے [سطح ہموار رکھنا] کے اتباعِ عمل کا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر وہ کونسی قوت ہے جو پانی کو بتاتی ہے کہ تیری سطح ہموار ہے رک جا۔ اور تیری سطح ناہموار ہو گئی ہے دوڑ۔؟ — ان سوالوں کا ایک ہی جواب ہے وہ قوت ہے "مادی شعور" جو جمادات سے حیوانات [بشمولِ انسان] تک کارفرما اور جاری و ساری ہے جو ہر شے کی تقدیر [خاصیت] اور اس کا تشخص بھی ابھارتی ہے اور اسی سے اس کا شعور بھی پھوٹتا ہے۔

یہ مادی شعور جمادات میں عقلِ جماری، نباتات میں عقلِ نباتی اور حیوانات میں عقلِ حیوانی کہلاتا ہے۔ حکماء نے انسان کی اس مادی حیوانی عقل کے کئی نام گنائے ہیں جو دراصل اسی حیوانی عقل کے مدارج ہیں۔ اس لیے کہ انسان عالمِ صغیر ہے اس کے اندر جماری قوانین، کیمیائی اصول اور غذا اور نشوونما کے بہت سے نباتی قوانین کا بھی عمل دخل ہے ۲۹۱ اس کے ساتھ اسے قوتِ گویائی اور "ارادی عمل" کی صلاحیت سے بھی نوازا گیا ہے، اور یہی چیز انسانی عقل کو "عام حیوانی عقل" سے ممتاز کرتی ہے۔

جس طرح جمادات و نباتات کی تقدیرات [مقصودِ زندگی] خواص کہلاتی ہیں۔ اسی طرح وجودِ انسان میں کارفرما یہ جاری قوانین بصورتِ خواہش ظاہر ہوتے ہیں اور نفسیات انہیں طبعی تقاضے نام دیتی ہے۔ اگر عقلِ انسانی بھی دیگر حیوانات کی طرح طبعی تقاضوں [تقدیراتِ مادی] کی تابعِ عمل رہے

---

۲۸۸ آلِ عمران: ۸۳

۲۸۹ اس لیے کہ قطرہ [فرد] تو اپنی سطح گول رکھتا ہے۔

۲۹۰ گویا پرسکون معاشرتی زندگی کا فطری اصول اجتماعی ضابطہ [آئین] کی مکمل پابندی اور اجتماعی مقصد کے حصول ہی سے ممکن ہے۔ اجتماعی ضابطے ٹوٹتے رہنے سے ہیں۔

۲۹۱ تفصیل کے لیے حکمتِ رومی ص ۴۲ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور طبع دوم ۱۹۶۹ ملاحظہ ہو۔

تو اس کا وہ امتیاز کہاں باقی رہتا ہے جو اسے نطق و اندیشہ اور عقل و ارادے کی بدولت حاصل ہے؟ لازم تھا کہ انسانی عقل حیوانی سطح سے بلند ہو۔ انسانی عقل بلاشبہ نفسانی خواہشات اور جذبات کی شیرازہ بند ہے لیکن اس کی یہ قوتِ جامع بھی تو انہیں خواہشات اور طبعی تقاضوں سے پھوٹتی ہے

زندگی سرمایہ دار از آرزوست　　　عقل از زائیدگانِ بطنِ اوست ۲۹۲

یعنی وہی مقصد ہے وہی حصول مقصد کے لئے محرکِ ارادہ و عمل۔ اس طرح عقل اسباب و علل کے دائرے میں چلتی ہے علامہ نے اس حقیقت کو گلشن راز جدید میں اس طرح واضح کیا ہے

فروغِ دانش ما از قیاس است　　　قیاسِ ما ز تقدیرِ حواس است
چو حس دیگر شد این عالم دگر شد　　　سکون و سیر و بیش و کم دگر شد ۲۹۳

اگر محسوسات و معقولات کے علم کی ناپائیداری کا یہ عالم ہے کہ آنکھ یرقان زدہ ہونے کے باعث ہر شے کو زرد دیکھے اور زبان بوجہ بیماری میٹھے کو پھیکا بتائے تو عقل انکار نہ کر سکے اور کسی عضو پر فالج وغیرہ کا اثر ہو تو سرد اور گرم کی تمیز جاتی رہے تو ایسے علم اور ذرائع علم پر کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ اور ان مسلمین کی متعلم عقل "بے چاری" کا کیا اعتبار؟

اس میں بھی شک نہیں کہ یہ عقل ہی انسان کی جسمانی زندگی میں لازمی راہبری ہے۔ مادی عالم کی بہت کچھ تسخیرات کا کام یہی عقل کرتی ہے لیکن یہ عقل پا بگل ہونے کے باعث حقیقتِ عالم کو نہیں پا سکتی۔ زیر بحث اشعار نمبر ۱۵۲ تا ۱۵۴ - [عقل ہم خود را بدیں عالم زند تا لیکن او را جراتِ رندانہ نیست] کا یہی مفہوم تو ہے۔

کیا جا سکتا ہے کہ عقلِ انسانی نطق و اندیشہ اور ارادہ و عمل کی صلاحیتوں کی بدولت کائناتِ فطرت سے کچھ سیکھتی اور اس پر اثر انداز بھی ہوتی ہے اس لئے دیگر حیوانوں اور انسانی عقل کے درمیان بتدریج حدِ فاصل قائم ہو جاتی ہے ــــ یقیناً ایسا ہی ہے علامہ اقبال بھی اسے تسلیم کرتے ہیں لیکن اس پر کتنا عرصہ صرف ہوا اس کا اندازہ بھی ممکن نہیں هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ۲۹۴

زیر بحث اشعار نمبر ۱۵۵ تا ۱۵۷ [یس زتر بیں راہ چون کورے رود تا من ندانم کے شود کارش تمام] میں علامہ یہی کچھ کہتے ہیں اور قرآن کے مطابق ہے کہ انسان پر ان گنت صدیاں گزر گئیں وہ قابلِ ذکر شے نہ بن سکا پس کسی ایسے مسلم کی ضرورت تھی جو "کفایتِ فکر و انتخاب" کا باعث بنے - دیگر مادی علوم کی طرح اس علم کے لئے بھی کسی کامل العقل اور پختہ کار کی بہر حال ضرورت تھی ــــ بقول خلیفہ عبد الحکیم صاحب:

"انسان کی عقلی ترقی وہاں سے شروع ہوئی جہاں اس نے محسوسات کو محض اضافات اور استنادات سمجھ کر فطرت کے قوانینِ ثابتہ کی جستجو کی - حواس میں تو تغیر ہی تغیر ہے کبھی کچھ کبھی کچھ - ایک کے لئے اور، اور دوسرے کے لئے اور - لیکن فطرت کے مظاہر میں کچھ ثبات بھی ہے فطرت کی اس غیر اضافی اور مستقل مطلقیت کی تلاش کرنا ہے جس میں لمحہ بہ لمحہ تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ وہ حقیقتِ قائمہ ہے جس چیز کو طبعی سائنس کہتے ہیں وہ محسوسات کی بے اعتباری سے معقولات اور قوانین کی طرف بڑھنے کا نام ہے لیکن حرکت کا قانون خود غیر متحرک ہے - حرکت کا قانون ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت نہیں کرتا - معرفت کے اس پہلو میں حکمتِ طبیعی اور حکمتِ ملکوتی کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں - لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ کا اطلاق انفس و آفاق دونوں پر ہوتا ہے" ۲۹۵

---

۲۹۲ کلیات اقبال فارسی ص ۱۶ (اسرار خودی) : [درمیان این کہ حیات خودی از تخلیق و تولید مقاصد است]
۲۹۳ کلیات اقبال فارسی ص ۵۶۲ [گلشن راز جدید جواب سوال نمبر ۸]　　۲۹۴ الدھر : ۱
۲۹۵ حکمت رومی ص ۳ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم (عشق) ۔

158 می نداند عشق (۲۸) سال و ماه را — دیر و زود و نزد و دور راه را
عقل در کوهی شگافی می کند — یا بگرد او طوافی می کند
کوه پیش عشق چون کاهی بود — دل سریع السیر چون ماهی بود
عشق شبخونی زدن بر لامکان — گور را نادیده (۲۹) رفتن از جهان
زور عشق از باد و خاک و آب نیست — قوتش از سختی اعصاب نیست
عشق با نان جوین خیبر گشاد (۳۰) — عشق در اندام مه (۳۱) چاکی نهاد
کلهٔ نمرود (۳۲) بی ضرب شکست — لشکر فرعون (۳۳) بی حرب شکست
165 عشق در جان چون بچشم اندر نظر — هم درون خانه هم بیرون در
عشق هم خاکستر و هم اخگر است — کار او از دین و دانش برتر است
عشق سلطان است و برهان مبین — هر دو عالم عشق را زیر نگین
لازمان و دوش و فردای ازو — لامکان و زیر و بالای ازو

169 چون خودی را از خدا طالب شود
جمله عالم مرکب او راکب شود

حواشی و تعلیقات :

(۲۸) عشق : [illegible] اس سلسلے میں غور فرمائیے تمام کائنات کے مظاہر اپنی اپنی فطرت [تقدیر و ہدایت] کے بلا چون و چرا مطیع و فرمان بردار ہیں۔ ہر جاندار اپنے حواس سے ملنے والی معلومات کو بعینہٖ قبول کرتا ہے۔ اسی کا نام "عشق" ہے۔

جسم انسانی جن عناصر پر مشتمل ہے ان عناصر کے خواص طبعی، جسم انسانی میں، خواہشات اور آرزوؤں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہی طبعی تقاضے یہی خواہشات اور آرزوئیں انسانی زندگی کا سرمایہ ہیں۔ علامہ اقبال نے اسے "قوت خاموش" سے تعبیر کیا ہے جو اسباب عمل کی پابندی کے سبب بے تاب عمل ہے۔ (۱) موجب زندگی، (۲) محرک ارادہ و عمل، یہی ہے، ہر جاندار کی زندگی اور انفرادی تشخص یا خودی قائم و محکم ہے۔ قوت خاموش و بے تاب عمل از عمل پابند اسباب عمل [کلیات اقبال فارسی ص ۱۲]
عقل انسانی بھی دیگر جانداروں کی طرح ان نفسانی خواہشات، میلانات، آرزوؤں، طبعی تقاضوں یا

علم بالحواس کی متعلم ہے۔ کیا انگلی پانی کو گرم کہے تو عقلِ انسانی اس کے خلاف سمجھ سکتی ہے؟ —— یہ سرِ مو انحراف نہ کرنا اور من وعن ہر حکم کو قبول کرنا عشق ہے۔ حافظ شیراز"

عاشقی چیست؟ بگو بندۂ جاناں بودن ‏ ‏ دل بدستِ دگرے دادن و حیراں بودن

حافظ شیراز ہوں یا اور کوئی، عشق کے معاملے میں اقبال "حیراں بودن" سے متفق نہیں، اقبال کا بندہ جاناں وہ صاحبِ عشق ہے جو کامل شعور "محکم علم" کا مالک اور عناصر کا حکمران ہے اقبال کا بندۂ جاناں اپنی آرزوؤں، میلانات، طبعی تقاضوں، پر حاکم ہے۔ اس کا نفس راکب نہیں مرکب ہے —— وہ شرعی اور عرفی احکام ربانی کا مطیع و فرماں بردار ہے۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات ‏ ‏ مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند ۲۹۵

یہ بندۂ جاناں مومن ہے۔ اس کا ایمان یقینِ کامل پر مبنی ہے۔ اور یہی ایمان و یقین عشق ہے۔ یہی عشق حقیقی اسلامی بے خودی ہے۔ کہ یہ خواہشات کی تکمیل، خواہشات کے تحت نہیں، رضائے جاناں کے تحت کرتا ہے۔

"حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی میلانات، رجحانات و تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو جانا ہے، اس طرح پر کہ اس پابندی کے نتائج سے انسان بالکل لاپرواہ ہو جائے اور محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنائے یہی اسلامی تصوف کے نزدیک 'فنا' ہے" ۲۹۶

جب "عقل" حواس کے فراہم کردہ معلومات و محسوسات اور نفس کے جاری کردہ احکامات (بصورت خواہشات اور آرزو) کو من وعن قبول کرتی ہے تو وہ بھی "عشق" ہے مگر اس میں عقل ایک تابعِ مہمل آلہ رہ جاتی ہے، خیر و شر کی تمیز سے عاری بالکل آکسیجن اور ہائیڈروجن وغیرہ کی طرح "بے چارہ"

عقل ہم عشق است و از ذوقِ نگہ بیگانہ نیست ‏ ‏ لیکن ایں بیچارہ را آں جراتِ رندانہ نیست ۲۹۷

عالمِ انسانی میں، یہ 'علم بالحواس کی پابند عقل' عقلِ حیوانی سے آگے نہیں بڑھ پاتی۔ حیوانات میں اسی عقلِ حیوانی کی کارکردگی پابندِ تقدیرات ہونے کے باعث اسلام ہے —— لیکن عالمِ انسانی میں یہ طاغوت کی بندگی۔ اَرَءَیتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۲۹۸ تو نے اسے دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو الٰہ (حاکم اعلیٰ) بنا رکھا ہے۔ یہ تابعِ تقدیر، کافر ہے تو اس لیے کہ اس نے اللہ کی نعمت سے منہ موڑا ہوا ہے ورنہ وہ بھی اللہ کی بندگی سے تو باہر نہیں یہ خواہشات، یہ آرزوئیں یہ تمام آلاتِ عمل کس کے عطا کردہ ہیں؟ ان پر بلاچون وچرا عمل بھی تو اسی معطی کی بندگی ہے اسی لئے تو فرمایا گیا وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، علامہ نے اس کا ترجمہ کیا

کافر ہے تو ہے تابعِ تقدیرِ مسلماں

تو پھر اس "تابعِ تقدیر مسلمانی" کی حیوانی زندگی [اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۲۹۹] سے نکلنے کی سبیل کیا ہے؟ - ایسے "علم" کی ضرورت جس پر حواس و معقولات اور طبعی تقاضوں یعنی مادی عناصر کی تقدیرات کی پرچھائیں تک نہ پڑی ہوں لیکن وہ عناصر کو اپنے تصرف میں لانے کی قدرت سے بھی بہرہ ور ہو اور ہدایتِ فطرت [خواہشات اور طبعی تقاضوں] کی تکمیل کی ضمانت بھی ہو —— وہ علم، علم بالوحی ہے ——

---

۲۹۵ کلیات اقبال اردو ص ۵۲۶ [ضربِ کلیم : احکامِ الٰہی]- ۲۹۶ کلمات مکاتیب اقبال برنی ج ا ص ۲۳۰ (بنام کراچی آبادی ۲۰ جولائی ۱۹۱۸ء)
۲۹۷ کلیات اقبال فارسی ص ۵۵۷ (زبورِ عجم) ۲۹۸ الفرقان : ۴۳ ۲۹۹ الاعراف : ۱۷۹

صاحب الوحی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی صفت ہی یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے نہیں بولتا۔ غارِ حرا میں جب کہا گیا اقرأ، تو جواب تھا مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ میں تو خود سے نہیں پڑھتا۔ جب آگیا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ تو پھر کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اقتداء آئی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۲۹۶ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا صرف وحی کے مطابق بولتا ہے — هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا — إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ ۲۹۷ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۲۹۸ میں قابلِ ذکر شے بننے کے لئے اور دیگر حیوانات سے ممتاز کرنے کے لئے انسان کو اس کی تقدیر و ہدایات بذریعہ وحی سکھائی گئی — یہ علم، حواس سے ماوراء خواہشاتِ نفس کے جبر سے آزاد ہے — علم بالحواس کی اطاعت، عقل پر جبر ہے — یہ عقل کا مسئلہ ہے۔ علم بالوحی کی اطاعت ارادی ہے اس لئے عقل، حواس کے جبر سے آزاد ہو جاتی ہے۔ یہ عقلِ مسلمان ہے۔

جس طرح حواس و خواہشات جزوِ فطرت ہیں اور طبیعت کا حصہ ہیں اور اس سے بال برابر بھی عقل انحراف نہیں کر سکتی — اس اتباعِ عمل کو عشق کہتے ہیں ؎ عقل ہم عشق است و از ذوقِ نظر بیگانہ نیست — اگر علم بالوحی بھی اسی طرح جزوِ فطرت اور طبیعت کا حصہ بن جائے تو عقل حواس سے آزاد ہو جائے گی اور علم بالوحی (احکامِ ربانی) کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے گی۔ عقل اب بھی عقل ہی رہے گی لیکن نفس کی بجائے اللہ کی مطیع ہوگی — یہ عشق ہے علامہ اقبال جس کے وکیل ہیں — یعنی وہ عقل جو حواس کے بجائے احکام کی بلاچون و چرا مطیع ہو۔ یہ ہے ضبطِ نفس بذریعہ اطاعتِ الٰہی — یہ عقل دشمنی نہیں خرد افروزی ہے — خرد کو عناصر کی غلامی سے نکال کر عناصر پر حکمران بنانا ہے۔ یہ عقل اب "برائی" اور "بھلائی" میں امتیاز کے لائق ہے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ، الرُّشْدُ اور الغیّ میں تمییز کا آلہ ہے۔ جو عقل برائی سے نہیں روکتی وہ عقل ہے ہی نہیں ۲۹۹ یہ تو مادی شعور ہے جو نباتات و حیوانات سبھی کو میسر ہے۔ **عقل، عقال** سے مشتق ہے: رسی — **عِقَالُ الْبَعِيرِ**: اونٹ کی رسی اور رسی کسی خرابی، برائی، شر سے روکنے کا آلہ ہے۔ علامہ عقل کو صفتِ عقال سے متصف عقل دیکھنا چاہتے ہیں۔

مثال: زید کو بھوک ستا رہی ہے۔ راستے میں سیبوں کا باغ ہے۔ زید کا نفس فی الفور سیبوں کے پیڑ پر جھپٹنے اور سیب اتار کر کھانے کا حکم دیتا ہے۔ اگر زید جھپٹ پڑے تو اس میں اور دیگر حیوانات میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ زید حکمِ الٰہی (حلال و حرام میں تمیز) کے تحت ایسا نہیں کرتا بلکہ باغ کا دروازہ تلاش کرتا ہے مالک، باغبان یا چوکیدار کو ڈھونڈتا ہے ملنے پر اجازت سے خرید کر یا بغیر خریدے سیب کھاتا ہے۔ پہلی صورت میں زید کا نفس راکب (حکمران) تھا دوسری صورت میں زید نفس کا راکب ہے اور حکمران، الٰہِ حقیقی۔ نفس کا تقاضا ہر دو صورتوں میں پورا ہوا لیکن دوسری صورت میں نفس سرکش نہ رہا مطیع ہو گیا — اقبال کے عشق کا یہی حاصل ہے۔

---

۲۹۶ النجم: ۳، ۴ ۲۹۷ الدھر: ۱ ۲۹۸ العلق: ۵

۲۹۹ مقالاتِ اسلامیین ص ۲۵۸ علامہ ابوالحسن الاشعری اردو ترجمہ مولانا محمد حنیف ندوی [قول محمد بن عبدالوہاب الجبائی] ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور بار اول جون ۱۹۷۰ء

صوفیاء کے ہاں بھی عشق کے معنی ہیں کسی چیز کو اپنے اندر جذب کرنا یا جزوِ ذات بنانا۔ لیکن علامہ کے ہاں عشق ایمان ویقین کا نام ہے — یعنی اعمال وافعال کی قوتِ متحرکہ خواہشات نہ رہیں صرف اور صرف اللہ کا حکم اور مرضی قوتِ متحرکہ بن جائے [ملفوظاتِ اقبال۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صفحہ ۸] یہی حقیقی اسلامی بے خودی ہے [کلیات مکاتیب اقبال برنی۔ ج ۱ صفحہ ۳۰۷، اقبال نامہ دوم صفحہ ۴۱]۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے عشق کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ " جب مرغوب چیز کی طرف طبیعت مائل ہوجائے تو اس کو محبت کہتے ہیں اور جب میلان حدِ اعتدال سے بڑھ جائے اور محکم و مضبوط ہو جائے تو اسے عشق کہتے ہیں" ۳۰۱۔ یہی تو علامہ اقبال کا جنون ہے۔ لیکن یہاں 'چیز' نہیں تقاضا اور حکم ہے۔ تقاضائے عمل و تبائے کی نفی کو حدِ اعتدال سے بڑھانا اور اس کی جگہ حکمِ ربانی کو نفس پر محکم اور مضبوط کرنا۔ تو یہ وہ عشق ہے جو انسان کے اس تشخص کو قائم کرتا ہے جو فی احسن تقویم کہلانے کا حق ہے۔ مناسب ہوگا ایک نقشہ بناکر اس کی وضاحت کر دی جائے۔

	نوع	محرکِ عمل	ذرائعِ عمل (ہدایت)	محرکِ ارادہ	عمل	نتیجہ
۱	جمادات، نباتات، حیوانات بشمول انسان	احکامِ تکوینی مادی تقدیرات یا ذاتی طبعی تقاضے WANTS	فطرت کے مطابق خواہشات [فطری آزادی] ← WISH	فطری آزادی کے تحت ارادہ مجبور ← WILL	فطری آزادی کے مطابق — جبری عمل ← WORK	مادیت پرستی نفس کی مہمل بندگی ← مردہ ضمیر
۲	مسلمان	ذاتی طبعی تقاضے مادی تقدیرات یا احکامِ تکوینی WANTS	احکامِ تشریعی اللہ کی مرضی ← WISH	ارادۂ آزاد (فطری جبر سے) ← WILL	فطری جبر سے آزاد مگر حکمِ ربانی کے مطابق ارادی عمل - ← WORK -	ضبطِ نفس عناصر پر حکمرانی نائبِ حق ۳۰۲ اَلدِّین

علامہ اقبال کے نزدیک لذتِ حیات [نجات] انا کی انفرادی حیثیت اور اُس کے اثبات واستحکام اور توسیع سے وابستہ ہے۔ اس خودی کی تقویم بے خودی سے مشروط ہے اور بے خودی اپنے ذاتی وشخصی میلانات کو اللہ کے احکام کا پابند بنانا ہے — اسی کا نام عشق ہے — گویا عشق وہ قوتِ محرکہ ہے جس سے ایمان ویقین میں حرارت پیدا ہوتی ہے ۳۰۳ اس مقامِ بلند پر صرف النبیؐ بلا شرکت فائز ہیں جن کی صفت وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ الخ اور مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۳۰۴ ہے اس لیے حقیقی عشق، یعنی بے خودی، اُسی النبیؐ کے اتباع [بکمال استغراق پیرویٔ سنت] ہی ہوسکتی ہے اور یہی اقبال کی پہلی اور آخری محبت ہے ؎ لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب ۳۰۵
اس شرح کی روشنی میں زیرِ نظر اشعار جاوید نامہ نمبر ۱۵۸ تا ۱۶۹ - پر غور کرنے سے درج بالا مضامین واضح ہوں گے۔
یہ عشق امت کو حواس کی بندگی سے آزاد کرتا ہے اور ایسے اعمال کو تحریک دیتا ہے جو دولتِ سکینہ سے نوازتے ہیں امن لاتے ہیں۔

۳۰۰ شرح اسرارِ خودی صفحہ ۱۷ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اقبال اکادمی لاہور
۳۰۱ عزیز القلوب صفحہ ۶۵/۶۶ اردو ترجمہ مکاشفۃ القلوب۔ حجۃ الاسلام امام غزالی " دارالاشاعت کراچی باراول ستمبر ۱۹۹۰
۳۰۲ مزید وضاحت کے لئے دیکھئے "مذاکرۃ فی الدین" قسط نمبر ۶۳، ۶۲، ہفت روزہ قرطاس مالیرہ ۲۸ نومبر ۱۹۸۸
۳۰۳ تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ صفحہ ۲۴۹ اردو ترجمہ سید نذیر نیازی ۳۰۴ یونس : ۱۵
۳۰۵ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۲۰۵ [بالِ جبریل: ذوق وشوق]۔

" زورِ عشق از باد و خاک و آب نیست " اور " وہ بیٹھیں عشق چوں کا بے نوا " سے علامہ یہی بات بیان کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی " عقل " مادی شعور کا نام ہے اور عشق ، عقل کو مادے کی گرفت سے آزاد کر کے مادے پر حکمرانی کے لائق بناتا ہے۔

(۲۹) **مُوتوا قبل ان تموتوا :** کے صوفیانہ مسلک کی شرح کرتے ہوئے علامہ لکھتے ہیں

" زندگی عبارت ہے اغراض و مقاصد کی تشکیل ، ان کی پے در پے تبدیلی اور کارفرمائی سے ..... جوں جوں زندگی کا عمل بڑھتا اور پھیلتا ہے ، اسی اعتبار سے نئے نئے مقاصد وضع ہوتے ہیں ...... ہماری تکوین کی صورت ہی یہ ہے کہ ہم وہ کچھ نہ رہیں جو ہیں۔ زندگی کا راستہ گویا موت در موت سے گزرتا ہے مگر اس راستے کا تسلسل بے قاعدہ نہیں اس میں ایک نظم ہے " ع ۳۰۶

مولانا رومؒ نے بھی زندگی کے ارتقاء کی یہی نوعیت بیان کی ہے

از جمادی مُردم و نامی شدم   وز نما مُردم بحیوان سر زدم

تا آنکہ " آنچہ اندر وہم ناید آں شوم " ع ۳۰۷ خود رحم مادر میں پانی کے قطرے کا گوشت کا لوتھڑا بننا اس میں ہڈیوں کا پیدا ہونا ، چمڑا آنا — رحم مادر سے باہر آنے کے بعد بچپن جوانی بڑھاپا پھر " موت " ۔ " خودی " کا پہلا امتحان ہے تاکہ وہ دیکھ سکے اُسے اپنے اعمال و افعال کی شیرازہ بندی میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے ع ۳۰۸ " گور را نادیدہ رفتن از جہاں " دراصل مادے کے اثرات سے نجات اور مادی عناصر پر اسی تصرف سے عبارت ہے ۔ یہی اسلامی بےخودی اور استحکامِ خودی ہے۔ اس کا صوفیانہ تصورِ فنا سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اسے اسی تصورِ فنا کی جدید تفسیر و تعبیر کہنا چاہئے

(۳۰) تلمیح ہے - اور غزوۂ خیبر کے دوران میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں درِ خیبر اکھڑنے کے تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے — **خیبر :-** مدینے سے کوئی دو سو میل کے فاصلے پر شمال میں یہودیوں کی ایک اہم بستی تھی جہاں ان کے بہت مضبوط قلعے تھے ۔ آخر یہ بستی مسلمانوں کے خلاف سازش کا مرکز بن گئی اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مدافعت کرنا پڑی غزوۂ خیبر ۷ھ میں ۹۳ یہودی مارے گئے قلعۂ قموص کا سردار مرحب حضرت علیؓ کی شمشیر [ذوالفقار] کا شکار ہوا صرف ۱۵ مسلمان شہید ہوئے ع ۳۰۹

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ :- آپؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق چچا ابوطالب کے فرزند تھے ، عمر میں رسول اکرمؐ سے تقریباً تیس سال چھوٹے تھے ۔ آپؓ نے نبی اکرمؐ کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی اور کم سنی ہی میں نورِ اسلام سے مشرف ہوئے ۔ بڑے بہادر اور شجاع تھے کیوں نہ ہوتے دربارِ رسالت سے " اسداللہ " کا خطاب پایا تھا ۔ علمی فضیلت اسی سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقضاکم علی تم میں بہترین فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں ۔ حیدر اور فاتح خیبر القاب تھے ۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفۃ المسلمین

ع ۳۰۶ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ علامہ اقبال - اردو ترجمہ سید نذیر نیازی ص ۸۴ (خطبہ دوم)

ع ۳۰۷ مثنوی معنوی ، مولانا روم جلد چہارم ص ۳۲۲   ع ۳۰۸ تشکیل جدید الٰہیات ص ۱۸۰ [چوتھا خطبہ]

ع ۳۰۹ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد الٰہیات ص ۲۹۵   ع ۳۱۰ تلمیحات اقبال الٰہیات ص ۲۳۳ بال دائرہ معارف اقبال - ملک حسن اختر - مکتبہ عالیہ لاہور سال اقبال ۱۹۷۷ء

منتخب ہوئے۔ چار سال نو ماہ اور کچھ دن کے عرصۂ اقتدار میں غیر مسلم ریشہ دوانیوں نے آپؓ کو منافقات و تنازعات میں الجھائے رکھا۔ خوارج کے خلاف مہم جنگِ نہروان پر منتج ہوئی اور ایک خارجی عبدالرحمٰن ابن ملجم نے ۶۶۱ء میں شہید کر دیا ـــ علامہ کی شاعری میں حیدری، کراری اور حسین ابن علیؓ کے حوالے سے شبیری، کربلا، اور "خیبر" خودی کے استعارے اور علامات بن کر آئے۔ یہ علامہ کی علیؓ سے عقیدت کا بیّن ثبوت ہے۔ مثنوی اسرارِ خودی میں "در شرحِ اسرارِ اسمائے علی المرتضیٰ" کا عنوان باندھنا دلیلِ مزید کی حیثیت رکھتا ہے۔

مسلمِ اوّل شہِ مرداں علیؓ — عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ
مُرسلِ حق کرد نامش بوتراب — حق یداللہ خواند در امّ الکتاب
ہر کہ دانائے رموزِ زندگی ست — سرّ اسمائے علیؓ داند کہ چیست
مرتضیٰ کز تیغِ اُو حق روشن است — بوتراب از فتحِ اقلیمِ تن است
ذاتِ اُو دروازۂ شہرِ علوم — زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

خاک گشتن مذہبِ پروانگی ست
خاک را اب شو کہ این مردانگی ست ۳۱۱

(۳۱) **معجزۂ شق القمر:-** عشق در اندامِ مہ چاکے نہاد ـــ نبوت کے نویں سال اہلِ مکہ نے حضورؐ سے نبوت کا ثبوت، بطور معجزہ مانگا۔ حضورؐ نے انہیں چاند کا دو ٹکڑے ہونا دکھایا۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت صحیحین میں اس طرح نقل ہوئی ہے: اِنَّ اَھْلَ مَکَّۃَ سَأَلُوْا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ یُّرِیَھُمْ آیَۃً فَاَرَاھُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ شِقَّتَیْنِ حَتّٰی رَاَوْا حِرَاءَ بَیْنَھُمَا ۳۱۲

ترجمہ: اہلِ مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ ان کو کوئی بڑا نشان دکھایا جائے۔ نبیؐ نے انہیں چاند کا پھٹنا دکھایا اُس کے دو ٹکڑے تھے کوہ حرا اُن دونوں کے درمیان تھا ـــ حدیث کے دوسرے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت علی ابن ابی طالبؓ، جبیر بن مطعم نوفلی، انس بن مالکؓ مذکور، عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ ابن عمر فاروق رضوان اللہ اجمعین ہیں۔

قرآن مجید کی آیتِ کریمہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۳۱۳ وقت آ گیا اور چاند پھٹ گیا ہے .. اسی واقعہ کا بیان ہے۔ انشقاقِ قمر پر شبہ کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اِقْتَرَبَتْ اور اِنْشَقَّ ماضی کے صیغے ہیں۔ اس لیے اس خبر کا تعلق مستقبل (قیامت) سے نہیں ہو سکتا ہے ۳۱۴۔

(۳۲) کلۂ نمرود بے ضربے شکست: حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بادشاہِ فلسطین نمرود کے تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو بتوں کی اہانت اور توڑ پھوڑ کی سزا کے طور پر آگ میں ڈالا تھا لیکن حضرت ابراہیمؑ کئی دن اس آگ میں رہنے کے بعد زندہ سلامت نکلے اور زندگی بھر اُس آگ کے دنوں کو یاد کرتے مَا اَحْسَنَ الْاَیَّامِ فِی النَّارِ کیا مزے کے دن تھے آگ میں۔ نمرود اپنی شاہانہ قوت کے ساتھ شرمندہ ہو، ناکام رہا اور ایک لنگڑے مچھر کے ہاتھوں تڑپ تڑپ کر مرا۔ "بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق" اور "پشہ خارش دمیدہ روح را

---

۳۱۱ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۲۸/۴۶ — ۳۱۲ — ۳۱۳ القمر: ۱

۳۱۴ رحمۃ اللعالمین ص ۱۶۰ جلد ۳ سید سلمان منصور پوری شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، کراچی سن ندارد

(۳۳) ع لشکرِ فرعون بے حربے شکست ۔ ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۶۳ تعلیقہ نمبر ۱۵ ۔

شعر نمبر ۱۶۵ تا نمبر ۱۶۹ : "عشق" لازمان و لامکاں ہے ۔ یوں جیسے آنکھ میں نظر ، وہ اندرونِ چشم و بیرونِ چشم یکساں رہتی ہے ۔ عشق " کی قوت ، "سلطان" واضح تر دلیل ہے کہ دونوں عالم [انفس و آفاق] پر اُسے تصرف حاصل ہے ۔ یہ گویا وہ "محرکِ غیر متحرک" ہے [جیسے اہلِ یونان اور صوفی وجودیوں نے ذاتِ بحت ، بنا دیا] جو لازماں ہے لیکن گذشتہ و آئندہ ، ماضی و حال اُسی سے ہیں ، لامکاں ہے لیکن زیر و بالا — پست و بلند — جہات — اُسی سے ہیں ۔

"عشق" جب تشخص سازی کرتا ہے ۔ تو کائناتِ عُنصری ۔ اُس کے تصرف میں آجاتی ہے یعنی نفس : تقدیراتِ عناصر [الٰہیات] مادی خواص [طبیعیات] خواہشات اور میلانات (نفسیات) کی غلام عقل ، ان مؤثرات سے نہ صرف آزاد ہو جاتی ہے بلکہ ان سے کام لینے کی صلاحیت پا لیتی ہے یہی نیابتِ حق ہے ۔ برعناصر حکمراں بودن ۳۱۵ ۔ علامہ کے ہاں خبر و نظر ، عقل و دل و خرد و عشق ، علم و وجدان اور جیسی ترکیبات عام ہیں ۔ یہ سب اصطلاحات علم بالحواس — اور — علم بالوحی — کے تقابل کی آئینہ دار ہیں ۔ عقل اور عشق (گذشتہ تعلیقات) کے تحت جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسے اس باب کے آخری تعلیقات سے ملا کر پڑھنے سے مطالبِ کلامِ اقبال ان شاء اللہ واضح ہوں گے ۔

آشکارا تر مقامِ دل (۳۶) از و
عاشقاں خود را بہ یزداں (۳۵) می دہند
عاشقی؟ از سُو بہ بے سُوئی خرام
۱۷۳ - اے مثالِ مردہ در صندوقِ گور
در گلو داری نوا ہا خوب و نغز
بر مکان و بر زماں اسوار شو

جذبِ این دیرِ کہن باطل از و
عقلِ تاویلی بہ قرباں می دہند
مرگ را بر خویشتن گرداں حرام
می تواں برخاستن بے بانگِ صُور
چند از گِل بنالی مثلِ ہنر ؟
فارغ از پیچاکِ این زنار شو

حواشی و تعلیقات :

(۳۶) **دل :** اصطلاحاتِ صوفیہ میں وہ لطیفہ روحانی اور لطیفہ ربانی ہے ۔ وہی حقیقتِ انسانی ہے جس نے دل کو پہچانا اُس نے خدا کو پالیا اور جو دل تک پہنچ گیا خدا رسیدہ ہو گیا ۔ دل مظہرِ جمال و جلال ہے ۔ دل آشیانۂ ذاتِ لاالٰہ ہے ۳۱۶ دل کو قلب اور قوتِ قلبی کو فواد کہا گیا ، اور سمع و بصر کی طرح سرچشمۂ معلومات بتایا گیا ہے ۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۳۱۷ بے شک ، کان ، آنکھ اور فواد (دل) کے بارے میں پوچھا جائے گا ۔ عشق : احکامِ الٰہی میں کمالِ استغراق اور محویت ، ہی سے مراتبِ دل نمایاں ہوتے ہیں ورنہ حواس و مدرکاتِ نفس کی غلام عقل تو یہ صلاحیت پیدا نہیں کر سکتی ۔ **دیر** ۔ لغات میں ۔ مطلقاً وہ گنبد جو عبادت کے لئے بنایا جائے (غیاث اللغات) ترسا کا عبادت خانہ ، دیرانی ۔ صاحبِ دیر یعنی پادری کو کہتے ہیں (غیاث ، برہانِ قاطع) بت خانہ (نور اللغات ج ۳) ۔ کنایتہً دُنیا — اصطلاحاتِ صوفیہ میں خرابات کا مرادف ہے ۔ عالمِ ناسوت یا عالمِ انسانی ۳۱۸ علامہ نے **دیرِ کہن** استعمال کیا ہے مراد عالمِ ناسوت ہی ہے جو مادی تقدیرات ، نفسانی خواہشات کی جکڑ بندیوں کا اسیر ہے ۔ عشق اس جکڑ بندی یا جذب سے نجات دے کر سمع و بصر کی لحظہ متغیر معلومات کی بجائے دل کی "قلمِ اساس علمیت" سے نوازتا اور فواد (قوتِ متمیزہ) کو نمایاں کرتا ہے ۔

---

۳۱۵ ۔ نیابتِ حق در جہاں بودن خوش است برعناصر حکمراں بودن خوش است ۔ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۴۹ (مرحلہ سوم نیابتِ الٰہی) برکہ محسوسات را تسخیر کرد عالمے از ذرہ تعمیر کرد : ایضاً ص ۱۲۱ الخ (درمعنی این کہ توسیعِ حیاتِ ملیہ از تسخیرِ قوائے نظامِ عالم است)

۳۱۶ ۔ اصطلاحاتِ صوفیہ ص ۶۱ مرتبہ شاہ عبد الصمد ۳۱۷ ۔ بنی اسرائیل : ۳۶ ۳۱۸ ۔ اصطلاحاتِ صوفیہ ایضاً ص ۶۰ نیز تلمیحاتِ اقبال سید عابد علی عابد ص ۱۸۸

سید عابد علی عابد نے اقبال کے لطورمتن کے حوالے سے لارالاثل کا ایک قول نقل کیا ہے جو مفید مطلب ہونے کے باعث نقل کیا جاتا ہے۔

نارِ عشق سے نورِ مسلم اس طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح ماری آگ سے نور۔ عشق کی آگ ۳۱۹

ماسوا کے خس و خاشاک کو جلا دیتی ہے، لیکن اس سے اصل حقیقت خالص ہو کر نکھر جاتی ہے

(۳۵) اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ۳۲۰ بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین کے نفوس و اموال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں — یہ خریدنا یا بیچنا دراصل طبعی تقاضوں کو مرضیِ الٰہی کے اتباعِ کامل میں دینے کے نام ہے جس کے عوض دنیا و آخرت میں "سکینہ" کی دولت ملتی ہے — عقلِ تاویلی — [عقلِ استدلالی] یا وسیع معنوں میں عقلِ جزوی کو قربان کئے بغیر تو یہ "مقام" میسر نہیں آسکتا۔ حقیقی معنوں میں انسانی شخصیت [خودیِ مسلم] احکامِ الٰہی کو خواہشاتِ نفس پر غالب کرنے سے تعمیر ہوتی ہے۔ جو شخص یا جماعت یہ ایسا کر سکے کیا اُس عظیم شخصیت کا یہ حق نہیں بنتا کہ اُسے کہا جائے کہ بتا تیری رضا کیا ہے؟۔

حضرت نوحؑ کا خشکی میں کشتی تیار کرنا۔ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیلؑ اور اُس کی ماں بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو لق و دق صحرائے عرب میں چھوڑ جانا اور پھر اُسی پہلوٹے کی گردن پر چھری چلانا، حضرتِ یونسؑ کا مچھلی کے پیٹ میں جب کہ ہر طرح کی مایوسی کے اندھیرے تھے پکار اُٹھنا لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ کوئی بچانے والا نہیں لیکن تو اس کمزوری سے پاک ہے، حضرتِ موسیٰؑ کا بے دھڑک بحرِ قلزم میں اتر جانا کیا حضرت ابراہیمؑ کے آتشِ نمرود میں کود جانے سے مختلف ہے یہ سب اپنی خواہشات کو اللہ کی مرضی اور رضا کے عوض فروخت کر دینا نہیں تو کیا تھا کیا تقاضائے بشریت [عقلِ تاویلی کا عالم گومگو] قربان نہیں ہوا؟ غرض انبیاء و مرسلین علیہم السلام، علماء و علماد، مصلحین و مجاہدین، امت کا ایک ایک گروہ اور افراد اسی نعمتِ ربانی سے سرفراز ہوئے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو جہات سے ماورا، مکان و زمان سے بے نیاز، موت و حیات کے بکھیڑے سے مستغنی ہیں وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ۳۲۱ اسی راہِ عشق کے مدارج کا تکملہ تو ہے —

شعر نمبر ۱۷۳: بانگِ صُور: قیامت سے پہلے دو بار صور پھونکے جانے کا ذکر ہوا ہے۔ پہلی بار انتہائی مہیب آوازیں، جسے سن کر سب جاندار مرجائیں گے۔ دوسری بار ایسی آواز ہوگی کہ سب مردے قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے ۳۲۲ علامہ پہلے کہہ چکے ہیں "گور را نادیدہ رفتن از جہاں" اب اس سے اٹھنے والے غلط مبحث کو صاف کرتے ہیں کہ یہ زندہ درگور ہونا نہیں بلکہ مثالِ محشر اُس قوم کو جو "مُردہ" ہے بالکل "صندوقِ گور" کی طرح بے سکت، اُس قوم کو اسی جہان میں محشر آشنا کیا جاسکتا ہے۔ وہ قوم، قومِ مُسلم ہے۔ توحید کی امانت دار، وہ توحید جو کبھی زندہ قوت تھی، آج وہ فقط اک مسئلہ علمِ کلام ہے۔ ایسے میں "رنگ و نسب" کی تفریق تو ابھرنی تھی — صورِ سرافیل کی ایک تاثیر یہ بھی ہے کہ محشرستان فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ ۳۲۳ کی شان دکھا کر سب کو ایک کر دے گا۔ سید جمال الدین افغانی ؒ

---

۳۱۹ تلمیحات اقبال ص ۳۲۳ (سید عابد علی عابد) ۳۲۰ التوبہ: ۱۱۱ ۳۲۱ البقرہ: ۱۵۴

۳۲۲ الانعام: ۷۳ / الکہف: ۹۹ / المومنون: ۱۰۱ / النمل: ۸۷ / یٰسٓ: ۵۱ / الزمر: ۶۸ / قٓ: ۲۰ / الحاقۃ: ۱۳ / النباء: ۱۸

۳۲۳ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ۔ المومنون: ۱۰۱ (ترجمہ: صور پھونکا جائیگا تو ان میں نسب وغیرہ نہ رہیگا۔) یعنی اُن کے دنیوی رشتے نہ رہیں گے۔

ہوں ۳۲۴ یا علامہ اقبال امت کی پستی اسی ذات و قبیلہ، رنگ نسل، ملک و وطن اور مذہبی فرقہ واریت میں دیکھتے ہیں۔ اسی لئے کسی ایسی "لے" کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جو زمان و مکان پر سوار کرکے اس زنّار (تیز رنگ و نسل) سے گلو خلاصی بخش دے۔ ورنہ چغز [غوک: مینڈک] کی طرح کیچڑ میں پھنسے ہوئے رونا۔ ٹرانا۔۔۔ کس کام کا۔

۱۷۶۔ تیز تر کن این دو چشم و این دو گوش — ہر چہ بینی بنیوش از راہِ ہوش
"آن کسے کو بانگِ موران بشنود — ہم ز دوران سرِّ دوران بشنود"
آن نگاہِ پردہ سوز از من بگیر — کو بچشم اندر نمی گردد اسیر

"آدمی دید است باقی پوست است
دید آن باشد کہ دیدِ دوست است ۔۔۔ [مثنوی معنوی دفتر اول ص ۱۶۶]
جملہ تن را در گداز اندر بصر
در نظر رو، در نظر رو، در نظر" [مثنوی معنوی دفتر ششم ص ۹۳ کے آدمی دید است باقی پوست۔]

حواشی و تعلیقات شعر نمبر ۱۷۶ الخ:

جیسا کہ عقل و عشق کے تحتِ عنوان بیان ہوا، آنکھ، کان معلومات کے ذرائع ہیں۔ وہ علم جسے علامہ اقبال خبر سے تعبیر کرتے ہیں۔ محسوسات کا علم چونکہ کسی چیز کی حقیقت کلیتاً منکشف نہیں کرتا اس لئے اس میں ظن کا عنصر رہتا ہے۔ حقیقی علم تزکیۂ نفس سے حاصل ہوتا ہے۔ تزکیۂ نفس اطاعتِ الٰہی سے مشروط ہے۔ یہ علم وہ "نور" ہے جس سے حقیقتِ اشیاء کا کلی انکشاف ہوتا ہے۔ یہی "ہوش" ہے ۔۔۔ ایسی آنکھ، نگاہِ پردہ سوز رکھتی ہے وہ نگاہ جو آنکھ کی محتاج نہیں۔ یہی "نظر" ہے۔ پہلا طریقہ عقل اور بصارت کا ہے دوسرا طریقہ کشف اور بصیرت کا۔ اقبال اسے عشق کہتا ہے

ہر دو بمنزلے رواں، ہر دو امیرِ کارواں
عقل بحیلہ می برد، عشق برد کشاں کشاں

۔۔۔ رومی نے جو اقبال کا مرشدِ روحانی ہے یہ بات کہ حقیقتِ کبریٰ صرف عشق و نظر کے ذریعے دریافت ہوتی ہے یوں ادا کی ہے "آدمی دید است باقی پوست است الخ" ۳۲۵ تلمیحاتِ اقبال میں بھی سید عابد علی عابد نے "دید" کو مظہرِ عشق لکھا ہے ۳۲۶ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے بھی حکمتِ رومی میں عقلِ جزوی کے گفت و شنید اور نقل و تقلید سے گزر کر "مقامِ دید" تک پہنچنے کا ذکر کیا ہے ۳۲۷ یہ وہ مقام ہے جہاں چیونٹی کی آواز سنی جا سکتی ہے۔ وہاں کائنات کی حقیقت خود کائنات کھولتی ہے چیونٹی کی آواز شاید حضرت سلیمانؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے ۳۲۸ حضرت سلیمان کو جو تسخیرِ فطرت حاصل تھی محتاجِ بیان نہیں ہے۔ بالِ جبریل کی نظم پیر و مرید میں علامہ نے غایتِ آدم خبر ہے یا نظر؟ کے جواب میں "آدمی دید است الخ" نقل کیا ہے ۳۲۹ یہی نہیں علامہ نے مثنوی گلشنِ رازِ جدید میں خود بھی "دید" کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ ص ۲۸۵ تا ۱۱۱

۳۲۴ مجلہ آثارِ سید جمال الدین افغانی۔ عروۃ الوثقیٰ مقالہ "گذشتہ و حال امت اسلامی و علاج علتہائے آن"۔ انتشارات حجر۔
۳۲۵ مقالہ "اقبال اور عشق"۔ سید عابد علی عابد۔ مشمولہ اورینٹل کالج میگزین جشن اقبال نمبر ص ۳۸۶۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور
۳۲۶ تلمیحاتِ اقبال ص ۳۲۲ ۳۲۷ حکمتِ رومی ص ۶۸ خلیفہ عبدالحکیم مقالہ "عشق"۔
۳۲۸ النمل ۱۸: قالت نملۃ یاایھا النمل ادخلوا مسٰکنکم ...... فتبسم ضاحکا۔ ایک چیونٹی بولی چیونٹیو! بلوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان کے لشکر بے خبری میں تمہیں مسل نہ دیں۔ حضرت سلیمانؑ یہ سن کر مسکرائے۔
۳۲۹ کلیاتِ اقبال اردو ص ۴۲۹ [بالِ جبریل نظم پیر و مرید]۔

تب و تاب محبت را فنا نیست — یقین و دید را نیز انتہا نیست
کمال زندگی دیدار ذات است — طریقش رستن از بند جہات است
چنان با ذات حق خلوت گزینی — ترا او بیند و او را تو بینی
منور شو ز نور "من یرانی" — مژه برہم مزن تو خود نمانی
بخود محکم گذر اندر حضورش — مشو ناپید اندر بحر نورش
نصیب ذره کن آن اضطرابے — کہ تابد در حریم آفتابے
چنان در جلوه گاه یار می سوز — عیان خود را نہان او را بر افروز

کسے کو "دید" عالم را امام است
من و تو ناتمامیم او تمام است ۳۳۰

گویا صاحب دید ہی مرد تمام ہے ورنہ گوشت پوست کا مجسمہ۔ اور صاحب دید ہونا، فنا نہیں بلکہ "ترا او بیند و او را تو بینی" جیسا کہ "مازاغ البصر وما طغیٰ" سے ثابت ہے۔ وہی تو صاحب دید تھا جو اس طرح "انسانِ کامل" کے مقام پر فائز ہوا کہ "اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست"۔ یعنی اتباع کامل۔ اطاعت تمام۔

۱۸۱- تو ازیں نہ آسماں ترسی؟ مترس — از فراخائے جہاں ترسی؟ مترس
چشم بکشا بر زمان و بر مکاں — این دو یک حال است از احوال جاں
تا نگہ از جلوه پیش افتاده است — اختلافِ دوش و فردا زاده است
دانہ اندر گل بظلمت خانہ ئے — از فضائے آسماں بیگانہ ئے
ہیچ می داند کہ در جائے فراخ — می تواں خود را نمودن شاخ شاخ؟

جوہر او چیست؟ یک ذوق نمو است
ہم مقام اوست این جوہر ہم اوست

حواشی و تعلیقات: نظم "روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے" یہی مطالب رکھتی ہے۔ یعنی ایک طرف تو "بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ" ہے اور دوسری طرف تعمیر خودی سے آہِ رسا کا اثر، "ہے راکبِ تقدیر جہاں تیری رضا" میں ظاہر ہوتا ہے۔ ۳۳۱ یہاں بھی زمان و مکاں کو "احوالِ جاں" میں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اور "دانہ" کی مثال سے انسان کو "ذوقِ نمو" کی طرف رغبت دلائی ہے۔ ذوقِ نمو حیاتِ خوابیدہ کے بیدار ہونے کا نام ہے یہ وہ جوہر ہے جو دانے کے مقام کو متعین کرتا ہے۔ یہی ذوقِ نمو دانے کا تشخص بھی ہے اور اسے شاخ شاخ نمایاں ہونے کی صلاحیت بھی بخشتا ہے۔ اگرچہ زمین (ظلمت خانہ) میں دباتے وقت فضائے آسماں کا کوئی علم نہیں ہوتا لیکن "ذوقِ نمو" اسے فضا میں چھانے کے لائق بنا دیتا ہے۔ یعنی وجود کیا ہے فقط جوہرِ خودی کی نمود۔ تفصیل کے لئے شعر نمبر ۱۱۲ تا ۱۱۷ کے حواشی ملاحظہ ہوں۔

---

۳۳۰ کلیات فارسی اقبال ص۵۵۹ (گلشن راز جدید - جواب سوال نمبر ۲)۔

۳۳۱ کلیات اقبال اردو ص۴۲۹ [بال جبریل، پیر و مرید]۔

عقل و عشق کے مباحث کے لئے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ فکر اقبال، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم باب ۱۰ عقل پر اقبال کی تنقید باب ۱۱ عشق کا تصور

۲۔ تلمیحات اقبال۔ سید عابد علی عابد ص ۳۲ [عشق]

۳۔ اقبال اور عشق۔ ایضاً اورینٹل کالج میگزین جشن اقبال ۱۹۷۷ء نمبر۔

۴۔ اقبال اور عشق و خرد [تقویم خودی میں تقدیر اور عشق کی حقیقت]۔ ارشاد شاکر اعوان مجلہ صحیفہ جنوری فروری ۱۹۹۳ء شمارہ نمبر ۱۳۵

۵۔ حکمت رومی۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم باب ۲ عشق۔

۱۸۷ — ای که گوئی محمل جان است تن سرّ جان را در نگر بر تن متن
محملی نی حالی از احوال اوست محملش خواندن فریب گفتگوست
چیست جان؟ جذب و سرور و سوز و درد ذوق تسخیر سپهر گرد گرد
چیست تن؟ با رنگ و بو خو کردن است با مقام چار سو خو کردن است
از شعور است این که گوئی نزد و دور چیست معراج؟ انقلاب اندر شعور
انقلاب اندر شعور از جذب و شوق وارهاند جذب و شوق از تحت و فوق
این بدن با جان ما انباز نیست
مشت خاکی مانع پرواز نیست

حواشی و تعلیقات

"اسلام کے نزدیک ذات انسانی بجائے خود ایک وحدت ہے۔ وہ مادے اور روح کی کسی ناقابل اتحاد ثنویت کا قائل نہیں مذہب اسلام کی رو سے خدا اور کائنات، کلیسا اور ریاست، روح اور مادہ ایک ہی کل کے مختلف اجزا ہیں ---- اسلام کے نزدیک مادہ روح کی اس شکل کا نام ہے جس کا اظہار قید مکانی و زمانی میں ہوتا ہے" ۳۳۲

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی اگر بیزار ہو اپنی کرن سے ۳۳۳

جان و تن

عقل مدت سے ہے اس پیچاک میں الجھی ہوئی روح کس جوہر سے ہے؟ خاکِ تیرہ کس جوہر سے ہے
میری مشکل مستی و شور و سرود و درد و داغ تیری مشکل مے سے ہے ساغر کہ مے ساغر سے ہے
ارتباطِ حرف و معنی، اختلاطِ جان و تن
جس طرح اخگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے ۳۳۴

---

۳۳۲ حرفِ اقبال ص ۲۲ مترجمہ لطیف احمد خان شیروانی (خطبہ الہ آباد ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء) علامہ اقبال اردو ترجمہ سید نذیر نیازی بزم اقبال لاہور ۱۹۸۴ء

۳۳۳ کلیات اقبال اردو ص ۳۶۹ (بال جبریل قطعہ)

۳۳۴ ایضاً ص ۵۱۷ (ضرب کلیم)۔

خرد در لامکاں طرحِ مکاں بست
چو زنّار زماں را در میاں بست
زماں را در ضمیرِ خود ندیدم
مہ و سال و شب و روز آفریدم
مہ و سالت نمی ارزد بہ یک جو
بحرفِ کم نبشتم غوطہ زن شو
خود رس از سیر نگاہ برخیز
تو خود را در ضمیرِ خود فرو ریز
تن و جاں را دو تا گفتن کلام است
تن و جاں را دو تا دیدن حرام است
بجاں پوشیدہ رمزِ کائنات است
بدن حالے ز احوالِ حیات است
عروسِ معنی از صورت حنا بست
نمودِ خویش را پیرایہ ہا بست
حقیقت روئے خود را پردہ باف است
کہ او را لذتے در انکشاف است ۳۳۵

جس طرح انگارے کی راکھ، انگارے ہی کا حصہ ہے۔ جس طرح سورج اور اس کی کرن میں تفریق ممکن نہیں اسی طرح جان و تن میں تفریق عبث ہے۔ اس تصورِ حقیقت نے نظامِ اجتماعی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ یورپ میں ملک و دین کی علیحدگی اسی کا اثر ہے اور مشرق میں بدن کو فنا کرکے روح کو آزاد کرنے کا فلسفہ جس نے ترکِ علائق کی راہ دکھائی اسی روح و بدن کی تفریق کا شاخسانہ تھا۔ "معراجِ رسول" کے حوالے سے جسمانی و روحانی کے تنازعہ بھی اسی تصور کے نتائج ہیں ــــــ "جدید تحقیقات کی رو سے مادہ کی اصل غیر مادی ہے نظریہ اضافیت (کوانٹم تھیوری) کی رو سے مادہ توانائی کی کثیف شکل ہے۔۔۔ نظریۂ اضافیت نے زمان و مکان کے مستقل خارجی وجود کو (بھی) باطل کر دیا ہے۔۔۔ مختصر یہ کہ زمان و مکان اور مادہ تینوں ہمارے ذہنی اور فکری عوارض ہیں، جن کا خارج میں کوئی مستقل وجود نہیں"۔ ۳۳۶ "۔۔۔ اگر عشق کی بدولت ہمارے شعور میں انقلاب پیدا ہو جائے تو ہمارا شعور نزد و دور (مکان و زمان) کی قید سے آزاد ہو جائے۔ معراج کی حقیقت کیا ہے؟ یہ دراصل شعور میں انقلاب کا نام ہے"۔ ۳۳۷ شعور میں انقلاب سے مراد عشق (تخلیقی جذبہ، کردار کی مستی اور تکمیلِ انسانیت کی امنگ) سے سرشار ہونا ہے۔

"۔۔۔ کہا جاتا ہے کہ جسم روح کا محل و آلہ ہے، مگر دراصل جسم روح ہی کی ایک شان اور حالت ہے۔ روح اگر تسخیرِ کائنات کا جذبہ ہے تو جسم محدود کائنات میں محدود رہنے کا عزمِ سرد"۔ ۳۳۸ مگر شعور کا تغیر جسم و روح دونوں کو متحرک کر دیتا ہے۔ ۳۳۹ لہٰذا معراج شریف کے جسمانی اور روحانی ہونے کے اختلافات قابلِ توجہ نہیں۔ معراج انقلابِ شعور ہے۔ وہ جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی۔ خلاصہ یہ کہ واقعۂ معراج، زندگی کے لیے اصولِ حرکت اور تسخیرِ کائنات کا پیغام لیے ہوئے ہے"۔ ۳۴۰

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں ۳۴۱

---

۳۳۵ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۵۴۷ [گلشنِ رازِ جدید: جواب سوال نمبر ۳]
۳۳۶ شرح جاوید نامہ ص ۳۵۵/۵۶ [یوسف سلیم چشتی]
۳۳۷ ایضاً ص ۳۵۲
۳۳۸ ع لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی [غالب] ع حقیقت روئے خود را پردہ باف است [اقبال]
۳۳۹ فروغِ دانشِ ما از قیاس است
قیاسِ ما ز تقدیرِ حواس است
چو حس دیگر شد آں عالم دگر شد
سکون و سیر و بیش و کم دگر شد
کلیاتِ اقبال فارسی ص ۵۶۲ [گلشنِ رازِ جدید جواب سوال نمبر ۸]۔
۳۴۰ جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ص ۶۳ ڈاکٹر محمد ریاض - اقبال اکادمی طبع اول ۱۹۸۸ء
۳۴۱ کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۱۹ [بالِ جبریل: غزل]۔ نیز کلیات ایضاً ص ۲۲۹ [وہ بانگ کام ہے .....]
ناوک ہے مسلماں ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سرِ سراپردۂ جاں ــــ نکتۂ معراج
کلیاتِ اقبال اردو ص ۵۴۹ (ضربِ کلیم)

زروان کہ روحِ زمان و مکان است، مسافر را بسیاحتِ عالمِ علوی می بَرد (۳۶)

۱۹۴ — از کلامش جانِ من بیتاب شد / در تنم ہر ذرہ چون سیماب شُد
ناگہاں دیدم میانِ غرب و شرق / آسماں در یک سحابِ نور غرق
زاں سحاب افرشتۂ آمد فرود / با دو طلعت این چو آتش آن چو دُود
آن چو شب تاریک و این روشن شہاب / چشمِ این بیدار و چشمِ آن بخواب
بالِ اُو از رنگہائے سرخ و زرد / سبز و سیمین و کبود و لاجورد
چون خیال اندر مزاجِ اُو رمے / از زمیں تا کہکشاں اُو را دمے
۲۰۰ — ہر زماں اُو را ہوائے دیگرے / پَر کشادن در فضائے دیگرے
۲۰۱ — گفت زروانم جہاں را قاہرم / ہم نہانم از نگہ ہم ظاہرم
بستہ ہر تدبیر با تقدیرِ من / ناطق و صامت ہمہ نخچیرِ من
غنچہ اندر شاخ می بالد زِ من / مرغک اندر آشیاں نالد زِ من
دانہ از پروازِ من گردد نہال / ہر فراق از فیضِ من گردد وصال
ہم عتابم ہم خطاب آورم / تشنہ سازم تا شرابے آورم
من حیاتم من مماتم من نشور / من حساب و دوزخ و فردوس و حور
آدم و افرشتہ در بندِ من است / عالمِ شش روزہ فرزندِ من است
ہر گلے کز شاخ می چینی منم / دَم ہر چیزے کہ می بینی منم
در طلسمِ من اسیر است این جہاں / از دمم ہر لحظہ پیر است این جہاں
لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست (۳۷) / آن جوانمرد طلسمِ من شکست
۲۱۱ — گر تو خواہی من نباشم در میاں
لی مع اللہ باز خواں از عینِ جاں

حواشی و تعلیقات: (۳۶) **زُروان** - وقت کے اُس تصور ہے جس کا ادراک حواس کے ذریعے ہوتا ہے۔ مجرد وقت کو ممیز کرنے کے لئے دہر (فارسی: زُروان) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے [۲/۳۲]۔ گویا زروان فارسی، عربی دہر کا مترادف ہے۔ زُروانیت میں زرتشت کے اہورا مزدا اور اہرمن سے بالاتر حقیقت زُروان ہے جو اہورا مزدا اور اہرمن کا

۲/۳۲ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۱۹ ص ۲۲۲ دانش گاہ پنجاب لاہور ۳۰ ستمبر ۱۹۷۳ء

باب ۳ - ساسانیوں کے عہد میں زروانیت [آئینِ زروانی] کو بڑی مقبولیت ملی - اس عہد میں مختلف مورخوں اور[۳۲۳] اربابِ لغت نے زروان کو زرتشت ہی کا دوسرا نام لکھا - فرہنگ جہانگیری یہاں تک چلا گیا کہ زروان اور زرتشت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسمائے گرامی ہیں - اردشیر ساسانی کے ذکر کے سلسلے میں مجمل التواریخ کے مؤلف لکھتے ہیں کہ اس [اردشیر] نے اصفہان میں تین آتش کدے تعمیر کئے ان میں سے ایک آتش کدے کا نام وزوار اردشیر تھا، یہ وزوار، دوسری کتابوں میں زروان پڑھا گیا اور کوئی شک نہیں کہ یہ وہی زروان ہے کہ مزدیسنا کی تعلیمات کے مطابق آہورا مزدا کا آفریدہ ہے، لیکن جیسے بعد میں ساسانی مجانس نے آہورا مزدا کا پدر تسلیم کر لیا - یہ کہنا مشکل ہے کہ اس طرح زرتشت کے مسلک سے دوگانگی [ثنویت] رفع ہو گئی کہ ایک خدائے متعال کا تصور پیدا ہوا یا تثلیث کی صورت پیدا ہوئی کہ ایک رب کے نیچے دو طاقتیں خیر و شر کی، متحرک اور فعال یعنی آہورا مزد اور اہرمن -

بہرحال علامہ مرحوم زروان کو روحِ زمان و مکان کہتے ہیں جو انہیں جاوید نامہ میں اپنی عالمِ علوی کی سیاحت کے لئے ساتھ لے جاتا ہے - اس کی تصویر بھی انہوں نے نہایت خوبصورت کھینچی ہے[۳۲۴] البتہ اسے فرشتہ، لکھ کر، اس کی زبانی "لی مع اللہ" کی اہمیت جتلا کر علامہ نے خود کو زروانیت سے مبرا کر دیا ہے

شعر نمبر ۱۹۴ تا نمبر ۲۱۱ :

پیر رومیؒ کی گفتگو نے علامہ کو "زمان مکاں" پر سوار ہونے کا شوق دلا کر گویا پارے کی طرح بے قرار و مضطرب کر دیا - اچانک آسمان مشرق سے مغرب تک ابر نور سے بھر گیا اس ابر سے ایک فرشتہ نمودار ہوا، جس کے چہرے کا ایک حصہ آگ کی طرح دہکتا تھا تو دوسرا حصہ دھوئیں کی طرح تھا - ایک آنکھ بند دوسری کھلی تھی - پروں کے مختلف رنگ تھے - ڈاکٹر رضی الدین صدیقی لکھتے ہیں

اقبال نے اس فرشتے کی دو مختلف صورتیں بتلائی ہیں جن سے ان کی مراد یہ ہے کہ زمان و مکان کی اضافی خاصیت کا اظہار کیا جائے "[۳۲۵]

" زرتشتی مذہب میں اس فرشتے کو زمان و مکان کا نگران مانا گیا ہے "[۳۲۶] مزاجِ من خیال کی سی سرعت کہ زمین تا کہکشاں بیک دم رسائی ہے -

شعر نمبر ۲۰۱ الخ: " اس نے کہا میں زروان ہوں، اس جہان کے لئے قاہر، میں نگاہوں سے پوشیدہ بھی ہوں اور ظاہر بھی - ہر تدبیر میری تقدیر کے ساتھ بندھی ہوئی ہے - بولنے والے اور خاموش سب میرے شکار ہیں - شاخ کے اندر غنچہ میری وجہ سے بالیدہ ہوتا ہے اور آشیاں کے اندر طائر میری وجہ سے نالہ کرتا ہے - دانہ میری پرواز سے نہال بنتا ہے اور میرے فیض سے ہر فراق وصال ہو جاتا ہے - عتاب میری طرف سے اور عنایت بھی میری طرف سے - میں پیاس اس لئے پیدا کرتا ہوں کہ شراب فراہم کروں - میں حیات ہوں، میں موت ہوں، میں یوم نشور ہوں - - - "

---

۳۲۳ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا (مائیکرو پیڈیا - حروف انگریزی) جلد 18 صفحہ 1173 امریکہ سنہ 1975ء

۳۲۴ تلمیحات اقبال صفحہ ۲۶۸/۲۶۹ سید عابد علی عابد بحوالہ مزدیسنا محمد معین -

۳۲۵ اقبال کا تصورِ زمان و مکان صفحہ ۱۰۹ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول دسمبر سنہ 1973ء

۳۲۶ جاوید نامہ (تحقیق و توضیح) صفحہ ۱۴۲ ڈاکٹر محمد ریاض -

میں عذاب ہوں ، میں دوزخ ہوں ، میں فردوس ہوں ، میں حور ہوں ، آدم اور فرشتے میرے اسیر ہیں اور شش روزہ جہاں میرا فرزند ہے ۔ ہر گل جو تو شاخ سے توڑتا ہے وہ میں ہوں ۔ ہر چیز جو تو دیکھتا ہے اس کی ماں میں ہوں ،، ع ۳۴۷ زندگی از دہر و دہر از زندگی ست : لا تسبّوا الدھر فرمان نبی ست [ترف اقبال اسرار خودی ص ۴۲]

" یہ نورانی صفات ہیں جو وقت کو عطا کر دی گئی ہیں ۔ اس کی وجہ سے بعض اسلامی حلقوں میں اقبال پر الحاد اور دہریت کا الزام لگایا گیا ۔ ع ۳۴۸ لیکن ہوا صرف اتنا ہے ۔۔۔ کہ کائنات میں جو تخلیق کا عمل جاری ہے اقبال نے اپنی شاعری میں اس کا جشن منایا ہے اور یہاں اس شاعرانہ تخیل نے وقت کے نام سے گل کھلائے ہیں ۔

لیکن یہ گل کھلا چکنے کے بعد اقبال نے وحدانیت کی طرف قدم بڑھایا ہے چنانچہ جاوید نامہ میں زروان کی تقریر اس پر ختم ہوتی ہے کہ یہ دنیا میرے طلسم میں اسیر ہے لیکن جس دل میں لی مع اللہ ہے وہ جواں مرد میرے طلسم کو توڑ سکتا ہے یہ اشارہ ایک حدیث کی طرف ہے ۔ لی مع اللہ وقت ۔۔۔۔۔۔ اسی طرح اقبال نے وقت کے سارے فلسفیانہ [Serial Time] [Pure Duration] اور بوعلی سینا کے سرمدی وقت] اور شاعرانہ استعمال کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ خدا وقت سے باہر ہے ۔ اب اقبال کے تصور وقت کی وجہ سے اگر کوئی ان پر الحاد اور دہریت کا الزام عائد کرتا ہے تو یہ اس کی تنگ نظری ہے ،، ع ۳۴۹ فعل ، تصور زمانہ کے بغیر نہیں ہوتا اس لئے ہر تدبیر ، تقدیر زمان ہی سے وابستہ ہے ۔

" جاوید نامہ میں زمان و مکان کا فرشتہ اقبال پر یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ ہر انسانی تدبیر زمان کی تقدیر کے ساتھ وابستہ ہے ۔ زندگی ، موت اور حشر سب زمان ہی کی حرکتیں ہیں ، انسان ، فرشتے اور کائنات سب زمان میں واقع ہیں ۔ زمان حقیقت آخری کا ضروری جزو ہے ،، ع ۳۵۰

(۳۷) لِی مَعَ اللہِ وَقتٌ لَا یَسَعُنِی [فِیہِ] مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرسَلٌ ،

احادیث مثنوی ۔ ص ۳۹ بدیع الزمان فروزانفر [م ۱۳۴۹ ش] موسسہ چاپ و انتشارات امیر کبیر تہران ۱۳۴۷ ش ۔ بہ نقل از اللؤلؤ المرصوع ص ۶۶ ، احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۲ ، احادیث مثنوی ص ۳۸ اردو ترجمہ ڈاکٹر سید نفیث ایجنسی مدینہ بار دوم ۱۹۷۰ء

ترجمہ : میرا اللہ کے ساتھ ایک مقررہ وقت ہے جس کے دوران کوئی نبی مرسل یا فرشتہ مقرب بار نہیں پا سکتا ۔ ے تا کجا در روز و شب باشی اسیر رمز وقت از لی مع اللہ یاد گیر (تعلیقات فارسی اقبال ص ۳ اسرار خودی)

شعر نمبر ۲۱۱ : اگر تو خواہی من نباشم درمیان لی مع اللہ باز خواں از عین جاں

شاہ داعی الی اللہ شیرازی ، شارح گلشن راز محمود شبستری ۔ گلشن راز کے شعر

شراب و شمع و جام و نور اسریٰ ست ولی شاہد بیان آیات کبریٰ ست

کی شرح میں لکھتے ہیں ۔۔۔۔۔ " و چون ہر صاحب حالی بقدر مرتبۂ خود از تجلیات الٰہی شاہد و شمع و شرابی یافتہ و تجلیات را زوال نیست ، اخوان صفا کہ درین زمان باشند از طور ولایت کہ ختم نشدہ اگر فیضے بجویند و بیابند ،، ع ۳۵۱ شاید اسی حوالے سے ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے بھی لکھا ۔ " البتہ یہاں یہ نکتہ مضمر ہے

ع ۳۴۷ اقبال شناسی ص ۱۰۰/۱۰۱ علی سردار جعفری پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۹۱ء

۳۴۸ مثلاً اقبال کا تصور زمان ۔ شبیر الحسن خان نوری بحوالہ نور عابد [پیش کش بہ ڈاکٹر سید عابد حسین] مطبوعہ دہلی ۱۹۷۰ء اور دوسرے مضامین

۳۴۹ ایضاً اقبال شناسی ص ۱۰۱ ع ۳۵۰ اقبال کا تصور زمان و مکان ص ۱۳۰ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی ایضاً

۳۵۱ نسائم گلشن ص ۲۶۸ شرح گلشن راز ۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان مارچ ۱۹۸۳ء

"فیضِ ختمِ نبوت اور فیضِ ایمان سے بہرہ مند دوسرے مردانِ کامل بھی زمان و مکان پر ۳۵۳
غالب آسکتے ہیں" ۳۵۲ زمانِ ایزدی، زمانِ مسلسل پر غالب ہے اور صاحبِ ایمان زمانِ ایزدی میں رہتے ہیں۔

۲۱۲- در نگاہِ او نمی دانم چہ بود ... از نگاہم این کہن عالم ربود
یا نگاہم بر دگر عالم گشود ... یا دگرگوں شد ہماں عالم کہ بود
مُردم اندر کائناتِ رنگ و بو ... زادم اندر عالمِ بے ہاے و ہو
رشتۂ من زاں کہن عالم گسست ... یک جہانِ تازہ آمد بدست
از زبانِ عالمے جانم تپید ... تا دگر عالم ز خاکم بر دمید
تن سبک تر گشت و جاں سیار تر ... چشمِ دل بینندہ و بیدار تر

پردگی ہاے حجاب آمد پدید
نغمۂ انجم بگوشِ من رسید

حواشی و تعلیقات: شعر نمبر ۲۱۲ تا آخر۔

زروان نے کچھ اس انداز سے دیکھا کہ جیسے اس کی تاثیرِ نگاہ سے یہ جہانِ کہن آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ کائناتِ ارضی سے رشتہ کٹ گیا اور میں کسی اور جہان میں جا نکلا یا یہی عالم دگرگوں ہو گیا معلوم نہیں۔ البتہ یہ ہے کہ میں نے کائناتِ رنگ و بو [مادی] سے مر کر بے ہائے و ہو عالم میں جنم لیا۔ اس "حالت" کے زبان نے۔ مجھے جہانِ تازہ بخشا، میری جانِ بے تاب، نے میری خاک کو کسی اور عالم میں پہنچا دیا۔ تنِ خاکی، سبک تر اور جان سیار تر ہو گئی۔ دل کی آنکھیں بیدار و بینا ہو گئیں، حجابات اٹھ گئے۔ اتنے میں ستاروں کے خیر مقدمی گیت میرے کانوں میں رس گھولنے لگے۔

زمزمۂ انجم

(۴۸)

۲۱۹- عقلِ تو حاصلِ حیات، عشقِ تو سرِ کائنات ... پیکرِ خاک! خوش بیا این سوئے عالمِ جہات
زہرہ و ماہ و مشتری از تو رقیبِ یک دگر ... از پئے یک نگاہِ تو کشمکشِ تجلیات (۴۹)
در رہِ دوست جلوہ ہاست تازہ بتازہ نو بہ نو ... صاحبِ شوق و آرزو دل نہ دہد بکلیات (۵۰)

۲۲۲- (۵۱) صدق و صفاست زندگی، نشو و نماست زندگی
تا ابد از ازل بتاز، ملکِ خداست زندگی

---

۳۵۲ جاوید نامہ [تحقیق و توضیح] ص ۴۳ ڈاکٹر محمد ریاض
۳۵۳ شرح جاوید نامہ ص ۳۶۲ پروفیسر یوسف سلیم چشتی

۲۲۳ - شوقِ نغزسرائے را رخصتِ ہائے و ہو بدہ | باز بہ رند و محتسب بادہ سبو سبو بدہ
شام و عراق و ہند و پارس خو بہ نبات کردہ اند | خو بہ نبات کردہ را تلخیِ آرزو بدہ
تا بہ یم بلند موج معرکۂ بنا کند | لذتِ سیلِ تند رو با دلِ آبِ جو بدہ

۲۲۶ - مردِ فقیر آتش است میری و قیصری خس است
فال و فرِ ملوک را حرفِ برہنہ بس است

۲۲۷ - دبدبۂ قلندری (۲۲) طنطنۂ سکندری | (۲۳) آں ہمہ جذبۂ کلیم این ہمہ سحرِ سامری
آں بہ نگاہ می کشد این بہ سپاہ می کشد | آں ہمہ صلح و آشتی این ہمہ جنگ و داوری
ہر دو جہاں کشا ستند ہر دو دوام خواستند | این بہ دلیلِ قاہری آں بہ دلیلِ دلبری
(۲۴) ضربِ قلندری بیار سدِ سکندری شکن
رسمِ کلیم تازہ کن رونقِ ساحری شکن!

حواشی و تعلیقات :-

(۳۸) زندگی کے ارتقا [خوابیدگی تا بہ بیداری] کا مزاج عقل ہے اور کائنات کا حقیقی راز [حقیقتِ اشیاء] عشق [قضا و قدر کا جزوِ فطرت ہونا] انسان ان ہردو نعمتوں سے بہرہ ور ہے۔ عقل کاروبارِ حیات کے لئے سرمایہ ہے تو عشق عقل کو راہ میں بھٹکنے سے روکنے والی دیوار۔ عظمتِ انسان اسی میں ہے کہ وہ عقل کو عشق سے آمیز کرے۔ عقل، حواس و مدرکات کی اسیر نہ رہے بلکہ اوامر و نواہیٔ الٰہی کی اسی طرح پابند ہو جائے جس طرح کہ حواس و مدرکات کی تابع ہے تو یہ عقل، عقلِ سلیم ہے۔ یہ عقلِ استدلالی کو بامِ عروج بخشنے والی، فطرت کو تصرف میں لانے والی عقل ہے۔

(۳۹) **تجلیات** : تجلی شخصِ اکبر (کائنات) کی فضا میں مرتبۂ عقلی [صفاتِ ذاتی، حقائقِ ثابتہ یا دنیا] اور مرتبۂ تخیلی [صفاتِ ذات و کمالاتِ ذات کے انعکاس] کی تاثیر کا نام ہے ۳۵۴

زہرہ و ماہ و مشتری، تجلیاتِ باری ہی کے مظاہر ہیں وہ ایک سے ایک آگے بڑھ کر انسان کے تصرف میں آنے کو بے تاب ہیں۔

(۴۰) **کلیات** : کلی آں است کہ مفہوم او از شرکت ابا نکند۔ و جزئی آں است کہ مفہوم او از شرکت ابا کند۔ مثال کلی حیوان ۔ مثال جزئی زید ۳۵۵

لطیفہ یہ ہے کہ ہر کلی بالآخر جزئی اضافی ہو جاتی ہے مثلاً انسان : کلی زید : جزئی ہے۔ لیکن جب حیوان : کلی ہوگی تو انسان : جزئی اضافی ہو جائیگا جب جسمِ نامی : کلی ہوگا تو خود حیوان بھی جزئی اضافی ہو جاتا ہے ---- اس لئے صاحبِ شوق و آرزو کا دل جزرسی کے درپے رہتا ہے۔

---

۳۵۴ مسطعات ص ۵۷ تا ۶۲ شاہ ولی اللہ [جلد سطعہ ۱] اردو ترجمہ مولانا سید محمد متین ہاشمی ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع دوم ۱۹۹۰ ص ۱۴
۳۵۵ غیاث اللغات باب کاف عربی ص ۴۱۶ مولانا محمد غیاث الدین۔ ریچ ایم سعید اینڈ کمپنی۔ کراچی سنہ ندارد نیز تسہیل المنطق از مولانا صدیق احمد رنڈیا۔ مجلس ن ر شریات در سلام۔ پاکستان۔

(۲۱) صدق وصفا: بھی مظاہر ہیں عشق کے یعنی علم ولیقین اور عقیدہ و ایمان کے سارے مظاہر عشق ہی تو ہیں۔ منطق اور معانی کی رو سے صدق: مطابق واقعہ خبر کو کہتے ہیں لیکن الدین حقوق و فرائض اور عبادات و معاملات کے تمام دائروں کو صدق کا ماحصل بناتا ہے۔ یہی لوگ متقین ہیں جو صادق ہیں ۳۵۶

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق ۳۵۷

اور حق تو یہ ہے کہ عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات ۳۵۸ پس صدق اگر عشق ہی کا مظہر ہے تو پھر زندگی کے نشوونما کا حقیقی ذریعہ بھی صدق ہے۔ زندگی، نشوونما کا نام ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ ازل ابد اس کے تگ و تاز کے لئے کھلے ہیں

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے ۳۵۹

۳۶۰

شعر نمبر ۲۲۳ تا ۲۲۶: گرمائے غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سوزِ یقین، مردِ فقیر کو آگ اور مال و فرِ ملوک کو خس و خاشاک کر دیتا ہے۔ اگر حرف لا الٰہ الا اللہ واشگاف ہو تو ملوکیت کے در و دیوار ہلا سکتا ہے اور تہذیبِ نوی تو کارگہِ شیشہ گراں ہے۔

(۲۲) قلندری یا سکندری:

قلندری: فقیر اور قلندر، کلامِ اقبال میں بطور اصطلاح استعمال ہوئے ہیں۔ جو مردِ مومن کی اعلیٰ صفات کی جامع ہے۔ قلندر وہ ہے جو آسائش و آرام اور دولت و ثروت کو نگاہ میں نہ لائے اور بے زری کو اپنی کمزوری نہ بنائے۔ مسلمانوں کا زوال دولت کے پیچھے بھاگنے سے ہوا ۳۶۱ ظفر احمد صاحب کے نام اپنے مکتوب میں علامہ نے شاہین کی وضاحت کرتے ہوئے "اسلامی فقر" کی ذیل خصوصیات بیان کی ہیں، خودداری اور غیرت مندی، غیر کے ہاتھ کا مارا نہ کھانا کسی کا بے باک اور گداگر نہ ہونا۔ بے تعلق ہونا یہاں تک کہ آشیانہ نہ بنانا بلند پرواز ہونا، خلوت پسند ہونا، تیز نگاہ ہونا ۳۶۲

پس شاہین، مردِ مومن، قلندر، فقیر آپس میں اس طرح شیر و شکر ہیں کہ ان کا مطالعہ ہر پہلو پر نظر رکھے بغیر ممکن نہیں ۳۶۳ قلندری اسی فقر کا استعارہ ہے۔ افلاس اور تنگ دستی نہیں بلکہ استغنا اور دولت سے بے پروائی (ملفوظاتِ اقبال ص ۲۲۹) یہ ایک قلبی صفت اور دلی کیفیت کا نام ہے۔

میں ایسے فقر سے اے اہلِ حلقہ باز آیا تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری [کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۳۲، بالِ جبریل]

[تفصیلی مطالعہ کے لئے اسلامی تصوف اور اقبال، ڈاکٹر ابو سعید نور الدین ص ۳۲۷ تا ص ۳۵۳]۔

---

۳۵۶ البقرہ: ۱۷۷ ۳۵۷ کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۰۲ [بالِ جبریل: ذوق و شوق] ۳۵۸ ایضاً
۳۵۹ ایضاً ص ۴۱۹ [ساقی نامہ] ۳۶۰ ایضاً ص ۳۰۲ [وہاں حدا و نشوں ہے]
۳۶۱ دائرہ معارف اقبال ۲/۲۷۰ ملک حسن اختر ایضاً ۳۶۲ اقبال نامہ ج ۱ ص ۲۰۱/۲۰۲
۳۶۳ تلمیحاتِ اقبال۔ عابد ص ۲۲۲ ایضاً۔

سکندری: استعارہ ہے۔ جو تاریخی شخصیت مقدونیہ کے سکندر اعظم کی یاد دلاتا ہے سکندر ۳۵۶ قبل مسیح میں فلپ کے گھر پیدا ہوا۔ ارسطو جیسے مفکر نے اس کی تربیت کی/ ۳۳۶ میں تخت نشین ہوا اور کم عمری ہی میں پوری دنیا کو یونان کا غلام بنانے کا خیال لے کر نکلا ۳۳۲ میں ایران کو مسخر کیا۔ ہندوستان میں جہلم پار تک پہنچا پورس کو شکست دی اور واپس یونان لوٹ گیا اور راستے ہی میں مر گیا۔ نہ معلوم اس کے دوستوں نے آگے نہ جانے کی ضد کیوں کی اور سکندر کیسے مان گیا تاہم ان عظیم تاریخی فتوحات کی بدولت اسے سکندر اعظم کے تاریخی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن علامہ کو مرتبۂ بلالیؓ دس سے بھی بلند نظر آتا ہے کہ رومی ہُوا فنا حبشی کو دوام ہے ع ۳۶۳ سکندر کی ہندوستان آمد سے یونانی مجسمہ سازی کو فروغ ملا گندھارا آرٹ میں اُس کے اثرات اب بھی صاف دکھائی دیتے ہیں ع ۳۶۴ ۔ اس بادشاہ کی کامیاب حکومت اور لاجواب فتوحات کا استعارہ ہے سکندری، علامہ قلندری کو رشکِ سکندری بتاتے ہیں۔

اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں ع ۳۶۵-ب

(۴۳)

سامری: — حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت کے بعد جب قوم کو حضرت ہارون علیہ السلام کے سپرد کر کے کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے تشریف لے گئے تو پیچھے ایک شخص نے سونے کا بچھڑا بنایا جس کے اندر ہوا اس طرح داخل ہوتی تھی کہ وہ بولنے لگتا تھا۔ گائے پرست قوم نے اس بچھڑے کی پوجا شروع کر دی [اس قوم کی گائے پرستی کی بین دلیل قرآن کی رو سے بچھڑا ذبح کرنے کے الٰہی حکم پر بار بار سوالات کر کے معاملے کو ٹالنے کی کوشش ہے جس پر فرمانِ خمیر کا تبصرہ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ع ۳۶۶-الف : پس انہوں نے اسے ذبح کیا حالانکہ وہ ایسا کرنے والے نہ تھے۔ بھرپور تبصرہ کیا ہے}

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس تشریف لائے تو انہوں نے بچھڑے کو آگ میں ڈالا اور اُس شخص کو ایسی سزا ملی کہ زندگی بھر لامساس لامساس مجھے مت چھوؤ مجھے مت چھوؤ کا شور کرتا رہا ع ۳۶۶ اُس شخص کا نام قرآن میں السامری آیا ہے۔ کلمہ ال اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ نام نہیں بلکہ یہ کلمہ [سامری] شمرون کا معرّب ہے۔ بنو اسرائیل کا ایک قبیلہ اولادِ شمرون بھی تھا جنہیں شمرونی یا سامری کہتے

ع ۳۶۳ تلمیحات اقبال ص ۲۰۶ سید عابد علی عابد   ع ۳۶۵ کلیات اقبال اردو ص ۵۸۲ [ضربِ کلیم: مسلمان کا زوال]
ع ۳۶۶ دائرہ معارف اقبال ص ۲۵۰/ ملک حسن اختر   ع ۳۶۶-الف البقرہ : ۷۱ پس انہوں نے اسے ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے نہ تھے
ع ۳۶۴ کلیات اقبال اردو ص ۲۲۱ [بانگِ درا نظم بلالؓ].

تھے۔ جس سامری کا ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے وہ اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔
دجلہ و فرات کے گردونواح میں جو چھوٹی چھوٹی شہری مملکتیں قائم ہوئی تھیں
ان کے مجموعے کو سامرستان کہتے تھے۔ سامرستان میں مجسمہ سازی عروج پر پہنچی ہوئی تھی
یہی وجہ ہے کہ جب سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کرنا چاہا تو سونے کا گوسالہ بنایا۔ یوں بھی
ان ملکوں میں، جہاں کھیتی باڑی کا کام معاش کا محور ہوتا ہے، گائے بہت احترام اور عقیدت
کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے۔ بہرحال خلاصہ مطلب یہ کہ سامری نام نہیں ہے یعنی کسی شخص کا
نہیں بلکہ ایک قبیلے کا ہے نسبت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ بنو اسرائیل ہی کا ایک شاخ ہے اور غالباً
ایک ایسی شاخ ہے جس کے افراد کاہن اور شعبدہ گر تھے"۔ ۳۶۸ء

(۴۴) **سدِ سکندری**: "قرآنِ حکیم میں ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے جس نے مغرب و مشرق
کے ممالک فتح کئے اور ایک ایسے مقام تک پہنچا جہاں پہاڑی درہ تھا اور اس کے دوسری طرف سے
یاجوج ماجوج آکر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ ذوالقرنین نے وہاں نہایت محکم سد تعمیر کر دی
اور یاجوج ماجوج کی راہ بند ہو گئی۔
تمام عرب مؤرخین کا بیان ہے کہ نوشیروان نے یہ دیوار تعمیر کرائی
تھی۔ لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا
ہے کہ نوشیروان کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے
شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا۔
جوزیفس اور پروکوپیس (Procopius) دونوں یہ روایت نقل کرتے
ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا، حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ
تاریخ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس علاقے
میں آیا ہو یا یہاں کوئی جنگ کی ہو۔
اصل یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دو سو برس پہلے سائرس نے تعمیر
کئے تھے اور درہ داریال کی سد وہی ہے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے ۳۶۹ء۔ سائرس
۵۵۰ ق م میں تخت نشین ہوا اور ۵۲۹ ق م میں فوت ہوا۔ مذہباً زرتشتی تھا اور
زرتشت کا ہم عصر بھی تھا"۔ ۳۷۰ء
لیکن اس نے یہودیوں کو بابل کی اسیری سے نجات دلا کر، انہیں دوبارہ بیت المقدس

۳۶۸ء تلمیحاتِ اقبال ص ۳۸/۳۷ سید عابد علی عابد ۳۶۹ء الکہف: ۸۳ تا ۹۸
۳۷۰ء مطالعہ تلمیحات و اشارات اقبال ص ۲۳۸ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی۔ اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۸۶ء

میں آباد کیا تھا۔ اس سے اس کی وسعتِ ظرف اور انصاف پروری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اُس نے ہر جگہ کمزور قوموں کی حمایت کی اور انہیں بالادست قوموں کے ظلم وستم سے نجات دلا کر اُن کی حفاظت کا سامان بہم پہنچایا۔ اُس کے یہی جوہر امتیاز ہیں جن کی وجہ سے قرآن کریم نے اس کے تذکرہ کو اپنے دامن میں محفوظ کر کے اسے حیاتِ جاوداں عطا کر دی۔ اور اُس کی حکومت کو عطیہ ربانی قرار دیا" [۳۷۱] إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا [۳۷۲] بلاشبہ ہم نے اسے تمکن فی الارض عطا کیا اور ہر طرح کے سامان سے نوازا۔

مزید تفصیلات کے لئے

= ترجمان القرآن - مولانا ابوالکلام آزاد ج ۲ ص ۳۹۹ تا ۴۳۰
= قصص القرآن - مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی ج ۳ ص ۱۳۲ تا ص ۲۷۴
= انسائیکلو پیڈیا برطانیکا ج ۶ ص ۹۳۹/۹۴۰
= جیوش انسائیکلو پیڈیا ج ۴ ص ۴۰۲-۴۰۵

۳۷۱ تبویب القرآن ج ۲ ص ۴۲۸ غلام احمد پرویز ادارہ طلوع اسلام۔ لاہور بار اول ۱۹۷۷ء
۳۷۲ الکہف : ۸۴

٢٣

باب دوم ــــــ فلکِ قمر

تمہید

ـــــ عارفِ ہندی کہ بہ یکے از غارہائے قمر خلوت گرفتہ و اہلِ ہند اُو را جہان دوست می‌گویند

نُدتا سخن از عارفِ ہندی

جلوۂ سروش

نوائے سروش

ـــــ حرکت بہ وادیٔ یرغمید کہ ملائکہ اُو را وادیٔ طواسین می‌نامند

طاسینِ گوتم — توبہ آوردن زنِ رقاصۂ عشوہ فروش

طاسینِ زرتشت — آزمائش کردن اہرمن زرتشت را

طاسینِ مسیحؑ — رؤیائے حکیم طالسطائیؒ

طاسینِ محمدؐ — نوحۂ ابوجہل در حرمِ کعبہ

فلکِ قمر (۴۵)

تمہید

۲۴۱ - این زمین و آسمان ملکِ خداست / این مہ و پروین ہمہ میراثِ ماست
اندرین رہ ہرچہ آید در نظر / با نگاہِ محرمے او را نگر
چون غریبان در دیارِ خود مرو / اے ز خود گم اندکے بیباک شو
این و آن حکمِ ترا بر دل زند / گر تو گوئی این مکن، آن کن، کند
نیست عالم جز بتانِ چشم و گوش / اینکہ ہر فردائے او میرد چو دوش
در بیابانِ طلب دیوانہ شو / یعنی ابراہیم این بت خانہ شو! (۴۶)
۲۴۲ - چون زمین و آسمان را طے کنی / این جہان و آن جہان را طے کنی
از خدا ہفت آسمان دیگر طلب / صد زمان و صد مکان دیگر طلب
بے خود افتادن لبِ جوئے بہشت / بے نیاز از حرب و ضربِ خوب و زشت
گر فراغِ ما نجات از جستجو ست / گور خوشتر از بہشتِ رنگ و بوست

اے مسافر! جان بمیرد از مقام
زندہ تر گردد ز پروازِ مدام

۲۴۳ - ہم سفر با اختران بودن خوش است / در سفر یک دم نیاسودن خوش است
تا شدم اندر فضا ہائے سپہر / آنچہ بالا بود زیر آمد نظر
۲۴۴ - تیرہ خاکے برتر از قندیلِ شب / سایۂ من بر سرِ من اے عجب
ہر زمان نزدیک تر نزدیک تر / تا نمایان شد کہستانِ قمر
۲۴۵ - گفت رومی "از گمان بیباک شو / خوگرِ رسم و رہِ افلاک شو
ماہ از ما دور و از ما آشناست / این نخستین منزل اندر راہِ ماست

دیر و زود روزگارش دیدنی ست
غار ہائے کوہسارش دیدنی ست

حواشی و تعلیقات: قمر: چاند، اس کا مقام فلک اول ہے۔ پہلے تین دن تک ہلال، چودھویں شب کے چاند کو بدر اور آخری تین راتوں کو محاق کہتے ہیں جو ہلال کے کا ہونے کے لئے اچھے نہیں سمجھے جاتے ۲۷۳ فارسی میں ماہ اور ہندی میں سوم کہتے ہیں سوماناتھ اسی سے ہے۔ قمر کینہ ورزی بھی رکھتا ہے انوری نے اپنے مشہور قصیدہ ۲۷۴ میں قصد ماہ بمعنی قصید بد لکھا ہے ۲۷۵ اس کا جرم (بدن، دھڑ) نیلگوں ہے۔ بذاتِ خود اس میں کوئی روشنی نہیں بلکہ سورج سے اکتساب نور کرتا ہے اس لئے ہمیشہ صرف نصف حصہ روشن ہوتا ہے ۲۷۶ مزاجوں کا ترتیب وار رکھنا اور عنصر آتشی کے غلبہ

۲۷۳ غیاث اللغات (فارسی) ، نور اللغات ، بذیل قمر ۲۷۴ مطلع ہے اے مسلماناں فغان از جور چرخ چنبری از نفاق تیر و قصد ماہ و کید مشتری
۲۷۵ تلمیحات اقبال صفحہ ۲۷۰ سید عابد علی عابد ۲۷۶ انسان کامل الجیلیؒ، اردو ترجمہ فضل میراں ص ۲۷۵ نفیس اکیڈمی کراچی طبع دوم مئی ۱۹۶۷ء

اسے بچانا اور مولدات میں توانائے نشوونما کی ادلاد رنا قمر کی خاصیت ہے۔ ؏ ۳۷۷

شعر نمبر ۲۳۱ الخ - اشارہ ہے آدم کو خلافتِ ارضی سونپے جانے کی طرف وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؏ ۳۷۸ اللہ نے اپنے ملک [ــــــ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؏ ۳۷۹] کا وارث آدم و اولادِ آدم کو بنایا اور یہ اصول طے کر دیا کہ زمین کے حقیقی وارث نیک بندے ہوں گے اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ؏ ۳۸۰ اور صالح: کسی کام کے اہل اور مستحق کے لئے استعمال ہوتا ہے ؏ ۳۸۱ اس کائنات کی وراثت کا اہل وہ ہے جو اس کائنات کو اللہ کی آیات سمجھ کر ان کا مشاہدہ اور تجزیہ کرے ؏ ۳۸۲ - نہ اُن سے مرعوب ہو کر انہی کو اپنا مسجود و معبود بنائے نہ ان میں کھو کر اللہ سے غافل ہو جائے - علامہ اسی لئے اس کائنات کو اپنا وطن جان کر اس پر غور و تدبر کرنے اور اسے اپنے تصرف میں لانے کی طرف متوجہ کرتے ہیں - مشرقی صوفیا کی طرح اسے صرف سرائے جان کر بے نیازانہ گزرنا اور مغربی مادہ پرست وجودیوں کی طرح اللہ کو حرکت غیر متحرک بنا لینا اقبال کے تصورِ خودی کے خلاف ہے - کائنات کا ایک مظہر انسانی جسم کا منظر ہے ؏ ۳۸۳ یہ کائنات چشم و گوش کی طرح اصنام کا مجموعہ ہے -

چشم و گوش حواسِ خمسہ میں سے ہیں اور حواس ہمارے قیاس [علم و دانش] کا ذریعہ جن کی ناپائیداری محتاجِ وضاحت نہیں کہ چوں جس دیگر شد آن عالم دگر شد ، اسی طرح مادیت بھی ناپائیدار ہے ــــ اور اگر اگلے مصرعے "فردا و دوش" کے تلازمہ پر نظر ہو تو "عالم" ، یعنی زمانہ لیا جائے تو پھر اُس کی ہر صبحِ فردا اسی طرح صبحِ گذشتہ ہو جاتی ہے جس طرح چشم و گوش سے حاصل معلومات ہر آن بدلتے رہتے ہیں ــــ لہذا جس طرح "عشق" حواسِ خمسہ کی الوہیت سے نجات دلاتا ہے اسی طرح زمانے کی لگام بھی صاحبِ عشق کے ہاتھ میں تھماتا ہے -

یہی اس بت خانے کا ابراہیم ہوتا ہے - گویا ابراہیم، عشق سے کنایہ ہے -

(۲۶) ابراھیم علیہ السلام :

ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اقلیم بابل کے مقام کوثا میں اور بقولِ بعض کلدانیہ کے شہر اُر میں پیدا ہوئے اور حبرون میں مکفیلہ کے اُس غار میں دفن کئے گئے جسے اب الخلیل کہا جاتا ہے ؏ ۳۸۴ کتاب پیدائش (سترتویں) میں حضرت ابراہیمؑ کا سلسلہ نسب یوں مذکور ہے ۔ ؏ ۳۸۵

ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن سروج بن ارعو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح

آپ کا نام ابرام اور باب کی آیت میں اس تصریح کے ساتھ ابراہام لکھا گیا ہے " اور تیرا نام پھر ابرام نہیں کہلائے گا بلکہ تیرا نام ابراہیم ہو گا کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرایا۔" گویا ابرام یا ابراہیم کے معانی عالی مقام باپ یا ایسی شخصیت جن کی نسل سے بے شمار قومیں ہوں گی ۔ میرے خیال میں ابو الانبیاء مناسب مفہوم ہے

قرآن حکیم کے مطابق آپ کو بچپن ہی سے قلبِ سلیم کے ساتھ ساتھ الرُّشد سے نوازا گیا تھا [الانبیاء : ۵۱] - شرک ، کوکب پرستی اور بت سازی کے خلاف حضرت ابراہیم کا مجادلہ و محاجہ

---

۳۷۷ ذخیرۃ الملوک ص ۲۱۸ امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ طبع سنٹر حیدر معاذ راولپنڈی طبع ۱۹۸۶ء مترجمہ اردو: مولانا [illegible]
۳۷۸ البقرہ: ۳۰ ۳۷۹ المائدہ: ۱۷ نیز البقرہ: ۱۰۷ ، المائدہ: ۴۰ ، آل عمران: ۲۶، ۱۸۹ — البقرہ: ۲۰، ۱۲۰
الاعراف: ۱۵۸ ، التوبہ: ۱۱۶ بنی اسرائیل: ۱۱۱ ، النور: ۴۲ الفرقان: ۲ ، فاطر: ۱۳ ، الزمر: ۶، ۴۴ ، الشوریٰ: ۴۹ الجاثیہ: ۲۷
الفتح: ۱۴ ، الحدید: ۲ ، التغابن: ۱ ، الملک: ۱ ، البروج: ۹ ۳۸۰ الانبیاء: ۱۰۵ نیز البقرہ: ۳۰ ابراہیم: ۳۲ تا ۳۷
۳۸۱ [illegible]
یونس: ۶ ، الروم: ۲۲ ، الجاثیہ: ۳ تا ۵ ۳۸۳ انی جاعل فی الارض خلیفۃ ، البقرہ: ۳۰ — سخر لکم: ۱
ابراہیم: ۳۲ تا ۳۴ ——— ۳۸۴ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۱ دانش گاہ پنجاب اور لغات معجم البلدان ج ۲ ص ۳۱۷ ، تہذیب الاسماء الخ
ج ۱: ۹۸، ۱۰۲) — ۳۸۵ باب ۱۱ آیت ۲۶ کتاب مقدس مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۹۶ء ۔

تاریخِ مذہب کا معرکہ آرا مجادلہ ہے۔ جس کی پاداش میں آپؑ کو آگ میں ڈالا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو آپؑ پر گلزار کر دیا قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (الانبیاء: ۶۹)۔ نمرود ابن کنعان بن حام بن نوح ۳۸۶ اپنے حربے میں یہاں بھی ناکام رہا۔

آگ سے بچ نکلنے کے بعد آپؑ اپنے گھرانے مع لوطؑ ترکِ وطن کر کے عراق اور پھر شام تشریف لے گئے۔ آپؑ کا یہ عمل بھی مومنوں کے لئے اسوۂ حسنہ ٹھہرا (الممتحنۃ: ۴) —— قرآنِ حکیم سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کے والد کا نام آزر تھا لیکن بائبل کی کتاب پیدائش کے مذکورہ بالا شجرہ میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارخ مرقوم ہے۔

اب یا تو آزر اور تارخ دونوں ایک ہی شخص کے نام تسلیم ہوں گے یا آزر کو حضرت ابراہیمؑ کا چچا ماننا پڑے گا جسے وہ "اَبا" کہہ کر پکارتے تھے اور قرآنِ حمید نے اسی لفظ کو برقرار رکھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے عراق کی طرف ہجرت کرتے وقت آزر کو سلام رخصت کیا (مریم: ۴۷) جس سے ظاہر ہے کہ آزر وہیں رہ گیا اور ابراہیمؑ کا ساتھ نہیں دیا۔ معجم البلدان میں بھی یہی کچھ درج ہے (المعجم ج ا: ۲۸۰) - جب کہ ابنِ حبیب کے بقول تارخ کی وفات حران میں ہوئی جس سے تارخ اور آزر دو مختلف شخصیات ثابت ہوتی ہیں، اور خیال غالب یہی ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے تایا اور تارخ والد تھے جو آپؑ کے ساتھ نکلے۔ اس طرح تارخ کا حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ نکلنا اور حران میں وفات ہونا یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ تارخ بت پرستی اور اصنام سازی سے بیزار تھے۔ عقائدِ اسلامی کے مطابق کوئی پیغمبر مشرک کی صلب سے ہو نہیں سکتا۔

جگہ جگہ پھرتے ہوئے آپ بالآخر کنعان میں مقیم ہوئے اور کبرسنی میں اولاد کے لئے دعا کی۔ جناب سارہؑ کے ہوتے ہاجرہؑ سے نکاح کیا جن سے اللہ نے اسماعیلؑ عطا کیا۔ (ابراہیم: ۳۷)۔ حکم الٰہی سے آپؑ ماں بیٹے کو مکہ کے لق ودق میدان میں چھوڑ آئے —— جوان ہونے پر پھر خواب میں حکم ملا کہ اسماعیلؑ کو راہِ خدا میں ذبح کریں۔ آپؑ اس امتحان میں کامیاب ہوئے اللہ نے اسماعیل کو ذبح ہونے سے بچا لیا —— اور حضرت ابراہیمؑ کو سارہؑ سے بھی ایک بیٹے اسحٰقؑ کی بشارت سنائی۔ (الصٰفٰت: ۱۰۱)- بنو اسرائیل اسحٰق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوبؑ (اسرائیل ؛ بندۂ خدا) کے بارہ بیٹوں کی اولاد ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرزندِ ارجمند حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر کعبۃ اللہ کی بنیادیں از سرِ نو اٹھائیں اور مکہ والیِ مکہ کے لئے دعا فرمائی، رزق اور ثمرات کے علاوہ ایک رسول کی بعثت کی دعا بھی شامل تھی (البقرہ ۱۲۷ وبعد)۔ جو حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ پوری ہوئی ——

حضرت ابراہیمؑ بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے قرآن کا ہر پارہ آپؑ کے ذکر سے مملو ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا سلسلۂ نبوت آپؑ کے بعد حضرتِ اسحٰق علیہ السلام سے شروع ہو کر حجازی فرزند حضرت اسماعیلؑ کی آل، حضرت محمدؐ پر ختم ہو جاتا ہے اقبال نے لکھا

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی ۳۸۷

---

۳۸۶ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۱۲ بحوالہ المحبّر ابن حبیب حیدرآباد ۱۹۴۲ء۔ ۳۸۷ کلیاتِ اقبال اردو ص ۶۹۲ (ضربِ کلیم محراب گل افغان)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر قرآنِ حمید کے ذیل مقامات پر ملے گا -

البقرہ: ۱۲۴ تا ۱۳۱، ۲۵۸، ۲۶۰ آل عمران: ۳۳، ۶۵ تا ۶۸، ۸۴، ۹۵ تا ۹۷

النساء: ۵۴، ۱۲۵، ۱۶۳ الانعام: ۷۴ تا ۹۰، ۱۶۱ التوبہ: ۷۰، ۱۱۴

ھود: ۶۹ تا ۷۵ یوسف: ۶، ۳۸ ابراہیم: ۳۵ تا ۴۱ الحجر: ۵۱ تا ۶۱

النحل: ۱۲۰ تا ۱۲۳ مریم: ۴۱ تا ۵۰، ۵۸ الانبیاء: ۵۱ تا ۷۳ الحج: ۲۶، ۴۳، ۷۸

الشعراء: ۶۹ تا ۹۰ العنکبوت: ۱۶ تا ۲۷، ۳۱ الاحزاب: ۷ الصّٰفّٰت: ۸۳ تا ۱۱۳

ص: ۴۵ تا ۴۷ الشوریٰ: ۱۳ الزخرف: ۲۶ تا ۲۸ الذّٰریٰت: ۲۴ تا ۳۲

النجم: ۳۷ بعد القمر: ۳۷ بعد الحدید: ۲۶ الممتحنہ: ۴ تا ۶ الاعلیٰ: ۱۹

علامہ اقبال حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو عشق مجسم قرار دیتے ہیں۔ آتشِ نمرود کو تہذیبِ حاضر کا استعارہ بناتے اور یہ آگ گلزار کرنے کے لئے اس میں کود جانے کو ابراہیمی سے تعبیر کرتے ہیں۔ آدابِ فرزندی کے لئے اسماعیلؑ سے بڑھ کر کسی کو اسوۂ حسنہ نہیں دیکھتے۔ حجازی پیغامِ توحید کو برومندی کا نمونہ جانتے ہیں اور اہلِ اسلام کو موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا وارث یقین کرتے ہیں۔ ملتِ ابراہیمی سے محبت کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟ کلامِ اقبال میں حضرت ابراہیمؑ کا درجِ ذیل مقامات پر ذکر آیا ہے

کلیاتِ اقبال اردو: بانگِ درا: صفحہ ۱۱۴، ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۱۱، ۲۲۰، ۲۵۲، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۵، بالِ جبریل: ۳۵۵، ۳۶۰، ۳۶۴، ۳۷۳، ۴۰۴ -

ضربِ کلیم: ۴۷۷، ۴۸۰، ۴۸۸

کلیاتِ اقبال فارسی: اسرارِ خودی: صفحہ ۱۳، ۲۲، ۴۹، ۵۹، ۶۸، ۷۶، ۹۳، ۹۸، ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۳۵، ۱۴۰، ۱۶۲

پیامِ مشرق: ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۲، ۳۰۲، ۳۱۲، ۳۴۴، ۳۴۷، ۳۷۱، ۳۷۸

زبورِ عجم: ۴۸۰، ۵۷۸، ۵۸۰، جاوید نامہ: ۶۱۹، ۶۲۴، ۶۴۹، ۶۶۲، ۶۷۱، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۷۰۶، ۷۹۵

مثنوی پس چہ باید کرد: ۸۰۳، ۸۱۵ - ارمغانِ حجاز: ۸۹۴، ۹۳۴، ۹۵۷، ۱۰۲۲

شعر نمبر ۲۳۷ تا ۲۴۲: "آئینِ حیات کیا ہے؟ جہدِ مسلسل[۳۸۸]" "زندگی عبارت ہے اغراض و مقاصد کی تشکیل اُن کی پے در پے تبدیلی اور کارفرمائی سے" [۳۸۹] آرزو اور تخلیقِ مقاصد کے بغیر جد وجہد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ "کہ ابھی زندگی سے ہیں یہ فضائیں، اور بھی تیرے سامنے آسمان اور بھی ہیں" [۳۹۰] مثنوی اسرارِ خودی میں علامہ نے باقاعدہ "در بیانِ این کہ حیاتِ خودی از تخلیق و تولیدِ مقاصد است" کا عنوان باندھا ہے۔ یعنی ؎ ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم از شعاعِ آرزو تابندہ ایم [۳۹۱]

تفصیلی مطالعہ کے لئے حاشیہ شعر نمبر ۹۷، ملاحظہ ہو ---- کلیاتِ فارسی صفحہ ۲۵۷ نظم تسخیرِ فطرت کا حصہ ۲ "آدم از بہشت بیروں آمدہ می گوید" ؎ ہمہ سوز ناتمامم ہمہ درد آرزویم بگمان دہم یقیں را کہ شہیدِ جستجویم

---

۳۸۸ شذراتِ فکرِ اقبال (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۳۱ ۳۸۹ تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ (اردو ترجمہ) صفحہ ۸۴ (دوسرا ایڈیشن) -

۳۹۰ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۳۵۳ [بالِ جبریل غزل نمبر ۲] ۳۹۱ کلیاتِ اقبال فارسی صفحہ ۱۵ تا صفحہ ۱۷ (مثنوی اسرارِ خودی) -

منقریہ کہ شو دل عاشقاں بمیرد بہ بہشتِ جاودانے نہ نوائے دردمندے نہ غمے نہ غمگسارے [۳۹۲]

اور ہے زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے [۳۹۳]

شعر نمبر ۲۴۳: قندیلِ شب: چاند — سایۂ من بر سرِ من: قیاس کی غلطی ہے۔ سایہ وہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے جیسا کہ کرۂ ارضی پر ہے۔

شعر نمبر ۲۴۵: از گمانہا پاک شو: یعنی کن خیالات اور اندیشوں میں گم ہو، انہیں جھٹک کر اپنے سفر پر نظر رکھو دھیان دو۔

۲۴۸ - آن ملوت آن کہسارِ ہولناک — اندروں پرسوز و بیروں چاک چاک
۲۴۹ - صد جبل از خافطین و یلدرم — بر دہانش دود و نار اندر شکم
از درونش سبزہ سر بر نزد — طائرے اندر فضایش پر نزد
ابرہائے نم ہواہائے تند و تیز — با زمینِ مردہ اندر ستیز
عالمے فرسودہ بے رنگ و صوت — نے نشانِ زندگی در وے نہ موت
۲۵۲ - نے بنا فنش ریشۂ نخلِ حیات — نے بہ صلبِ روزگارش حادثات

۲۵۴ - گرچہ ہست از دودمانِ آفتاب
صبح و شامِ او نزاید انقلاب

گفت رومی "چیز و گامے پیش نہ — دولتِ بیدار را از کف مدہ
۲۵۶ - باطنش از ظاہرِ او خوشتر است — در قفارِ او جہانے دیگر است
ہر چہ پیش آید ترا اے حرو ہوش — گیر اندر حلقہ ہائے چشم و گوش
چشم اگر بیناست ہر شے دیدنی ست — در ترازوئے نگہ سنجیدنی ست
ہر کجا رومی برد آنجا برو — یک دو دم از غیرِ او بیگانہ شو

دست من آہستہ سوئے خود کشید
تند رفت و بر سرِ غارے رسید

حواشی و تعلیقات:

شعر نمبر ۲۴۹: خافطین و یلدرم: چاند کے دو آتش فشاں فرضی پہاڑ ہیں ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترکی نام ہیں۔

شعر نمبر ۲۵۲، ۲۵۴: جہاں زندگی اور موت نہ ہو وہاں زمانے کا کیا تصور اور حادثات و واقعات کیسے اور تغیر و تبدل کیسا۔ ہر چند کہ آفتاب ہی سے متعلق کیوں نہ ہو

۳۹۲ - کلیات اقبال فارسی صفحہ ۲۹۸ (پیام مشرق: خوروش...) ۳۹۳ - کلیات اقبال اردو صفحہ ۱۲۴ (بانگ درا: کوششِ ناتمام)

شعر نمبر ۲۵۶: قفار: وہ زمین جو پانی اور گھاس سے محروم ہو [غیاث اللغات بحوالہ منتخب اللغات] م

(۲۷)

عارفِ ہندی

کہ بہ یکے از غارہائے قمر خلوت گرفتہ، واہلِ ہند اُورا جہان دوست می گویند

من چو کوراں دست بر دوشِ رفیق — پا نہادم اندراں غارِ عمیق
ماہ را از ظلمتش دل داغ داغ — اندرو خورشید محتاجِ چراغ
وہم و شک بر من شبیخوں ریختند — عقل و ہوشم را بدار آویختند
راہ رفتم رہزناں اندر کمیں — دل تہی از لذتِ صدق و یقیں
تا نگہ را جلوہ ہا شرب حجاب — صبحِ روشن بے طلوعِ آفتاب
وادیٔ ہر سنگِ اُو زنار بند — دیوسار از نخلہائے سربلند
از سرشتِ آب و خاک است ایں مقام — یا خیالم نقش بندد در منام
در ہوائے اُو چو مے ذوق و سرور — سایہ از تقبیلِ خاکش عینِ نور
نے زمینش را سپہرِ لاجورد — نے کنارش از شفقہا سرخ و زرد
نور در بندِ ظلام آنجا نبود — دود گردِ صبح و شام آنجا نبود
زیرِ نخلے عارفِ ہندی نژاد — دیدہ ہا از سرمہ اش روشن سواد
موئے بر سر بستہ و عریاں بدن — گردِ اُو مارے سفیدے حلقہ زن
آدمے از آب و گِل بالاترے — عالمے از دیرِ خیالش پیکرے
وقتِ اُو را گردشِ ایام نے — کارِ اُو با چرخِ نیلی فام نے
۲۷۵- گفت با رومی کہ ہمراہِ تو کیست؟
در نگاہش آرزوئے زندگیست

حواشی و تعلیقات: (۲۷) عارفِ ہندی۔ وشوامتر [جہان دوست]۔

"قیاس جاتا ہے کہ اس سے مراد مشہور رشی وشوامتر ہو جس کی پرہیزگاری اتقاء اور اخلاقی سربلندی کی داستانیں اب تک مشہور ہیں۔ وشوامتر کا زمانہ ایک ہزار سال قبل مسیح سے پہلے پڑنا چاہیئے [یہ مؤرخوں کی رائے ہے] لیکن روایات کا بیان یہ ہے کہ وشوامتر کا زمانہ پانچ ہزار سال قبل مسیح ہے"، ۳۹۴ "ہندو افسانوں کی رو سے قنوج کا راجہ تھا وہ راجہ رام چندر جی کا اتالیق رہا شکنتلا اس کی بیٹی تھی۔ اسے رام رشی اور برہم رشی کے القاب عطا ہوئے تھے"۔ ۳۹۵ "اس کے باپ کا نام

۳۹۴ تلمیحات اقبال ص۲۸۹ سید عابد علی عابد بحوالہ منزل لینا: محمد معین ص۳۹۵ جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ص۲۸۱ ڈاکٹر محمد ریاض

وششٹھا ایک خدا رسیدہ ... گادھی تھا اور وہ نسلی اعتبار سے کھتری تھا۔ ایک روز وہ شکار کھیلتے کھیلتے ایک خدا رسیدہ وششٹھا نامی بزرگ کے پاس پہنچا۔ وششٹھا کے پاس ایک بہت دودھ دینے والی گائے تھی۔ وشوامتر نے اس گائے کو ایک زر کثیر کے عوض خریدنا چاہا لیکن وششٹھا نے بیچنے سے انکار کر دیا۔ وشوامتر نے بجبر لینا چاہا تو لڑائی ہو گئی جس میں وشوامتر کو بری طرح شکست ہوئی۔ اسے اس شکست سے تکلیف تو بڑی ہوئی لیکن اس سے وہ ایک برہمن کی غیر معمولی طاقت کا معترف بھی ہو گیا۔

اس نے عہد کیا کہ جب تک مجاہدات و ریاضت سے وہ راج رشی، مہارشی اور برہم رشی کے معزز القابات حاصل نہیں کر لیتا چین سے نہیں بیٹھے گا۔ وشوامتر نے اس عہد کو اس کمال سے پورا کیا کہ خود وششٹھا نے اسے برہم رشی کہہ کر پکارا۔ وشوامتر، رام کا استاد اور رفیق تھا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اقبال کو وشوامتر [کناد رشی] کا اثباتِ خودی پر اصرار کرنے کا رجحان پسند آیا اس لئے انہوں نے وشوامتر کا ذکر کیا ہے۔

وشوامتر کو اصرار ہے کہ برہمنیت کے تمام روحانی کمالات غیر برہمن کو بھی اپنی ذاتی جدوجہد ریاضات اور مجاہدات کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کے فلسفے کا یہی پہلو ہے جس کو مرکنڈیا پُران میں تلاش کیا جا سکتا ہے اور اس کی زندگی سے جو قصے کہانیاں وابستہ ہیں ان سے بھی یہ رجحان اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اقبال نے اسی پہلو کو اپنے نظریۂ خودی کی تائید میں کناد رشی کے حوالے سے پیش کیا ہے،، ۳۹۶

" وشوامتر ہندو مذہب کی افسانوی یا کم از کم نیم تاریخی شخصیت ہے وہ رامائن اور رگ وید کی روایات کے مطابق رام چندر جی کا دوست اور ان کا اتالیق رہا ہے۔ چونکہ وہ خود [قنوج کا حکمران ہوتے ہوئے بھی] متقی حکیم، عالم، مرتاض اور مذہبی مناظروں کا جویا تھا اس لئے اس کے دورِ حکومت میں قنوج علم و دانش کا گہوارہ بن گیا۔ رگ وید کے بعض الہامی حصے اس کی گفتار سے منسوب ہیں ---- راجہ اندر نے منیکا دیوی نامی حسینہ اس کی خدمت پر مقرر کی تھی اس نے منیکا کو اپنی زوجیت میں لے لیا اور مشہور کردار شکنتلا پیدا ہوئی،، ۳۹۷

رگ وید میں وشوامتر اور ولیشٹ میں منافقات کا حال کئی جگہ مرقوم ہے۔ وجہ منافقت یہ تھی [الوہیت وجہ مذکورہ بالا گائے کی خریداری کے واقعہ سے قطعاً برعکس اور مختلف ہے] کہ راجہ سوداس نے دونوں کو شاہی پروہت [راجگرو] مقرر کر دیا تھا لہٰذا دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے لگے ... رگ وید کے تیسرے منڈل کے تمام اشلوک وشوامتر ہی کے بنائے ہوئے ہیں،، ۳۹۸

" بتائے تمام انسان کا حق ہے اس کے حصول کا دار و مدار ہماری اپنی جدوجہد پر ہے شعر نمبر 75

[illegible]

۳۹۶ مطالعہ تلمیحات و اشارات اقبال ص ۱۴۸-۱۴۹ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی بحوالہ { The Encyclopaedia Indica [Hindi Edition] Calcutta 1930 Vol. 21 PP 637-646.
{ The Practical Sanskrit English Dictionary, Gopal Narayan & Co: Bombay 1912 PP 845-846.

۳۹۷ سرکاتِ اقبال ص ۱۱۳-۱۲۳ ڈاکٹر محمد ریاض مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۸۲

۳۹۸ شرح جاوید نامہ ص ۳۸۱ پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔

رُومی (۴۸)

مردے اندر جُستجو آوارۂ ؛ ثابتے با فطرت سیارۂ
۲۷۷- پختہ تر کارش زخامی ہائے او ؛ من شہید ناتمامی ہائے او
شیشۂ خود را بگردوں بستہ طاق ؛ فکرش از جبریل می خواہد صداق
چوں عقاب افتد بصید ماہ و مہر ؛ گرم رو اندر طواف نہ سپہر
حرف با اہل زمیں رندانہ گفت ؛ حور و جنت را بت و بتخانہ گفت
شعلہ ہا در موج دودش دیدہ ام ؛ کبریا اندر سجودش دیدہ ام
۲۸۲- ہر زماں از شوق می نالد چو نال ؛ می کشد اورا فراق و ہم وصال
۲۸۳- من ندانم چیست در آب و گلش
من ندانم از مقام و منزلش

حواشی و تعلیقات : (۴۸) مولانا محمد جلال الدین رومیؒ : ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۷ صفحہ نمبر ۶۹

شعر نمبر ۲۷۷ : فلسفۂ اقبال کے زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام ہے [۳۹۹]
ع وصل میں مرگِ آرزو ہجر میں لذتِ طلب [۴۰۰] کہ دوام ما ز سوزِ ناتمام است [۴۰۱]
ع رمزِ حیات جوئی جز در تپش نیابی در قلزم آرمیدن ننگ است آب جو را [۴۰۲]
نیز کلیات اقبال اردو ص ۲۵۴ ، ص ۲۵۹ (بانگ درا) بال جبریل ص ۳۳۹ ص ۱۷ ، ص ۱۸ ، ص ۱۹
کلیات اقبال فارسی ص ۲۷۴ ، ص ۲۷۶ ، ص ۳۲۳ (پیام مشرق)۔

"زندگی ایک ہے اور مسلسل اور اس لئے انسان بھی اس ذات کی لامتناہی نو بہ نو تجلیات کے لئے جس کی ہر لحظہ ایک نئی شان ہے ہمیشہ آگے ہی آگے بڑھتا رہے گا۔۔۔۔ خودی کی زندگی اختیاری زندگی ہے جس کا ہر عمل ایک نیا موقف پیدا کر دیتا ہے اور یوں خلاقی اور ایجاد و طباعی کے لئے نئے نئے مواقع پہنچاتا ہے" [۴۰۳] **صداق :** رونمائی، زوجہ کا مہر، مہر جراح

شعر نمبر ۲۸۲ : نال : نلی، نلکی، نے [فرہنگ عامرہ] وہ رشتہ، سوت، دھاگہ جو قلم تراشتے وقت نکلتا ہے۔ نرسل، اندر سے خالی نے [غیاث اللغات، نور اللغات]۔

شعر نمبر ۲۸۳ - مقام : سالک کا ہر ایک منزل کے لوازمات و مراسم کا پورا ادا کرنا اور اس منزل کی روحانیت کا مالک ہو جانا اور اس میں ایسا مضبوط و ثابت قدم ہونا کہ تنزل کا خطرہ بھی نہ رہے بلکہ اس کے بعد ایک اعلیٰ منزل میں ترقی کرے جیسے سالک کے واسطے یہ پانچ صبر، قناعت، توکل، تسلیم، رضا ابتدائی مقام ہیں چنانچہ سالک صبر میں پورا پختہ ہو کر قناعت حاصل کرتا ہے (علیٰ ہذا) ۔۔۔ اسی طرح

ع ۳۹۹ کلیات اقبال اردو ص ۱۲۴ [بانگ درا : کوشش ناتمام] ع ۴۰۰ ایضاً ص ۴۰۶ [بال جبریل : ذوق و شوق]
ع ۴۰۱ کلیات اقبال فارسی ص ۲۲۲ [پیام مشرق : لالہ طور نمبر ۱۱۷] ع ۴۰۲ ایضاً ص ۳۲۳ [پیام مشرق ...]
ع ۴۰۳ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۱۸۷ ، ص ۱۸۶

سالک کے لئے منازل عروجی ہیں وہ سو ہیں - ننانوے منزلیں اسماء حسنیٰ کا تلوین کی ہیں - ان کے بعد مقام تمکین ہے آخری منزل حیرت ہے عارفناک حق معرفتک سے یہی اشارہ ہے " ع۲۰۴ -
تمکین اور تلوین کے لئے حاشیہ شعر نمبر ۱۲۸ ملاحظہ ہو -

جہان دوست

۲۸۴ - عالم از رنگ است و بے رنگی ست حق
چیست عالم ؟ چیست آدم ؟ چیست حق ؟

رومی رح

۲۸۵ - آدمی شمشیر و حق شمشیر زن ‌ ‌ ‌ عالم این شمشیر را سنگِ فسن
شرق حق را دید و عالم را ندید ‌ ‌ ‌ غرب در عالم خزید از حق رمید
چشم بر حق باز کردن بندگی ست ‌ ‌ ‌ خویش را بے پردہ دیدن زندگی ست
بندہ چون از زندگی گیرد برات ‌ ‌ ‌ ہم خدا آن بندہ را گوید صلوات

۲۸۶ - ہر کہ از تقدیرِ (۷۹) خویش آگاہ نیست
خاکِ او باسوزِ جاں ہم راہ نیست

حواشی و تعلیقات : رنگ : کنایہ ہے قیدِ تعین و تشخص سے - ہر شے مقید ہے اور حقیقت ، مطلق اور بے رنگ ہے یعنی حق ، تعینات اور تشخصات سے بری اور بالاتر ہے اس کی نہ کوئی شکل ہے نہ صورت - کثافتِ عالم اور تنزیہِ حق کے لئے مولانا رومیؒ نے بڑی لطیف بحث فرمائی ہے - فرماتے ہیں " چنانکہ آن قالب ہا نسبت بمعنی اشخاصِ کثیف اند ، این معنی لطیف بے چون چگونہ نسبت بہ باری تعالیٰ اجسام و صورِ کثیف اند '
زیر پردہ ہا اگر آن روحِ قدس بنمودی عقول درروحِ بشر را بن شمرندے ع۲۰۵

جس طرح قالب معنی کی نسبت سے اشخاص کثیف ہیں اسی طرح یہ معنی باری تعالیٰ کی نسبت کثیف ہیں - ہم جسے معنی کہتے ہیں وہ بھی خدا کی نسبت سے جسم اور صورت ہی ہے '
تو پھر اندریں صورت عالم کیا ہے ؟ ، آدم کیا ہے ؟ اور حق کیا ہے ؟ فلسفہ و فکر کے یہی تین بنیادی سوالات ہیں جو مشرق و مغرب کے حکماء و فلاسفہ اور صوفیاء کے فکر کا محور رہے ہیں - علامہ نے بزبانِ رومی فلسفیانہ رنگ میں صوفیانہ توجیہہ بیان کی ہے جو زیادہ سے زیادہ فکرِ رومی کی تفہیم ہی کہی جا سکتی ہے ۔

[illegible]

ع۲۰۴ اصطلاحات صوفیہ صـ ۱۲۷ ناظر تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد صـ ۳۴۷
ع۲۰۵ فیہ ما فیہ - ملفوظات مولانا رومؒ صـ ۱۰۷ ناظر حکمت رومی - ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم باب ۶ صورت معنی کا تفصیلی مطالعہ ضروری ہے -

نہ کُلی طور پر ان کی نسبت فکرِ اقبال سے ہونی چاہیئے جیسا کہ بعض ماہرینِ اقبال اعتبار لیتے ہیں۔ دراصل یہ ایک تعبیر ہے رومی جیسے صوفیا رحمہم اللہ کے افکار کی اور بس۔

شعر نمبر ۲۸۵: خدا، کائنات اور انسان کا باہمی تعلق یہ ہے کہ اللہ خالق ہے کُل کائنات اور جن و ملائک اور انسان کا۔ اور اس تخلیق کا مقصد معرفتِ الٰہی ہے۔ انسان کو اللہ نے خلافتِ ارضی سونپ کر کُل کائنات کو اس کے تصرف میں دے دیا تاکہ وہ معرفتِ خداوندی سے کماحقہٗ بہرہ مند اور عہدہ برآ ہو۔ بطور سابقہ ہی اس فریضہ کو بھی پورا کرے جو اُسے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی[206] کے ازلی عہد و پیمان کے ذریعے سونپا گیا تھا۔ شیخ نجم الدین رازی رقمطراز ہیں۔

"مقصود و خلاصہ از جملگی آفرینش وجودِ انسان بود و ہر چیز را کہ وجود ہست از دو عالم، بہ تبعیتِ وجودِ انسانست، و اگر نظر تمام افتد باز بیند کہ خود ہمہ وجودِ انسان است۔ شعر

جہاں را بلندی و پستی توئی — ندانم چہ ای ہر چہ ہستی توئی

و مقصود از وجودِ انسان معرفتِ ذات و صفاتِ حضرتِ خداوندیست چنانکہ داؤد علیہ السلام پرسید کہ یارب لِمَاذَا خَلَقْتَ الْخَلْقَ قَالَ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ، و معرفتِ حقیقی جز از انسان درست نیاید اگرچہ در تعبّد ملک و جن با انسان شریکند اما انسان در تحمّل اعباءِ بارِ امانتِ معرفت از جملہ کائنات ممتاز گشت کہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ"[207]

مراد یہ کہ وجودِ انسانی خلاصۂ کائنات اور مقصودِ حیات ہے۔ ہر دو عالم میں جو کچھ موجود ہے وہ وجودِ انسان کی تبعیت میں ہے اور نگاہ گہرائی میں پڑے تو جو کچھ ہے وجودِ انسانی ہے۔ اس جہان کی بلندی و پستی تو ہی ہے میں نہیں جانتا کہ تو کیا ہے؟ جو کچھ بھی ہے، تو ہی ہے۔ اور وجودِ انسان، معرفتِ ذات و صفاتِ خداوندی کا مقصود ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پوچھنے پر کہ اے رب تو نے کائنات و مخلوقات کیوں تخلیق فرمائی [سببِ تخلیق کیا ہے] تو ارشاد ہوا میں ایک چھپا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں سو میں نے مخلوقات کو تخلیق کیا ۔۔۔ اور معرفتِ حقیقی بغیر انسان درست ہو ہی نہیں سکتی۔ اگرچہ جن و ملک بھی بندگی میں انسان جیسے ہیں لیکن اس نے بارِ امانت کے اٹھا لینے سے جملہ کائنات پر فوقیت پالی اور امتیاز حاصل کر لیا ۔۔۔ ہم نے اپنی امانت زمین آسمان پہاڑوں پر پیش کی مگر وہ لرز گئے اور انکار کیا الخ۔

---

[206] الاعراف: ۱۷۲

[207] الاحزاب: ۷۲ آیت کریمہ کا بقیہ حصہ یوں ہے۔ ۔۔۔ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔

۲ مرصاد العباد۔ شیخ نجم الدین رازیؒ م ۶۵۳ ہجری قمری از انتشارات کتابخانہ سنائی۔ چاپ سوم انتشار ۱۳۶۹۔

اُدھر بارِ خلافت ، حقیقتِ اشیاء کے علم کی بدولت ملا ۔ اب آدم و اولادِ آدم پر یہ دُہری ذمہ داری عائد ہوگئی کہ وہ کائنات کو اپنے تصرف میں لائے اور معرفتِ حق سے رہنمائی لینی بھی ہے ۔ وہ کاروبارِ حیات میں خدا اور کائنات کے درمیان واسطے کی حیثیت میں اللہ کی تخلیقی فعلیت میں شریک ہے ، یہی مطلب ہے دستِ حق میں شمشیر ہونے اور اس شمشیر کے لئے کائنات کا سنگِ فساں ہونے سے ۔

شعر نمبر ۲۸۶ تا ۲۸۹ : لیکن ــــ مشرق اہلِ دانش جہاں تعینات کے پردوں اور تنزلاتِ ستہ کے جھیڑوں میں الجھ کر "عالم" سے فرار اور "روح باعتبارِ تعین غیرِ حق اور باعتبارِ وجود عینِ حق" کی الجھنوں میں پھنس کر تعینات کے پردے اٹھانے یعنی ترکِ علائق کو شعار بنانے میں لگ گئے اور "خلافتِ ارضی" کی وہ بنیاد جو عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ [۲۰۸] سے روشن ہے اکھیڑ دی ــــ وہاں ، اہلِ مغرب مادیت میں ایسے گھُسے [خزیدن : گھُسنا] کہ حق سے غافل ہوگئے ، پس مغربی وجودی ہوں یا سائنس دان ــــ خدا کی ہستی کے تو قائل ہیں لیکن انہوں نے قوانینِ فطرت کے نفاذ کے بعد اور آدم کو خلافت سونپنے کے حوالے سے ، اسے کائنات سے لاتعلق کر دیا ہے ۔ یا علتُ العلل کہہ کر محرکِ غیر متحرک بنا دیا ہے جو کائنات کے اندر جاری و ساری ہو کر گم ہو گیا ہے یا غیر شخصی ذات ہونے کے حوالے سے ، اس سے کسی شخصی رابطے کی نفی کر دی ہے جیسا کہ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ [۲۰۹] اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ [۲۱۰] کے قرآنی ریکارڈ سے ثابت ہے ۔

مراد یہ کہ "اہلِ مشرق نے خدا شناسی کی طرف متوجہ ہو کر جہان کو بھلا دیا جب کہ مغرب والے جہان شناسی میں ایسے لگے کہ خدا کو بھلا دیا ، رہی خود شناسی تو وہ خدا شناسی کا مقدمہ ہے" [۲۱۱] یعنی اپنی شناخت زندگی ہے تو خدا شناسی بندگی ــــ یہی اپنا حقیقی مقام تو پاتا ہے ۔ بندہ جب زندگی کا مالک بنتا ہے تو خدا اس پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا [۲۱۲] جو اس تقدیر [مقصدِ زندگی اور وجہِ وجود] سے آگاہ نہیں وہ چلتا پھرتا لاشہ ہے بے جان بدن ۔

(۲۹) **تقدیر :** مادہ قدر [ق د ر] جس کے لفظی معانی اندازہ لگانے ، لکھنے یا توانا ہونے کے ہیں لیکن اصطلاح میں قدر سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ ارادۂ ذاتیہ ہے جو مختلف اشیاء کے تعلق میں مختلف اوقات میں ظاہر ہوتا رہتا ہے ۔ قضا اور قدر میں فرق یہ ہے کہ قضا تو اللہ تعالیٰ کا کلی اور ازلی حکم ہے جب کہ قدر اس

---

[۲۰۸] البقرہ : ۳۱ [۲۰۹] المائدۃ : ۶۴ [۲۱۰] یٰسٓ : ۱۵

[۲۱۱] جاوید نامہ [تحقیقی و توضیحی مطالعہ] ص ۳۵ ڈاکٹر محمد ریاض [۲۱۲] الاحزاب : ۵۶

حکم کی جزئیات کا نام ہے۔ اشاعرہ کے نزدیک اللہ کی قضا سے مراد اشیا کے متعلق اس کا ازلی ارادہ ہے، ؁۲۱۳ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قضا سے تمام موجودات کا وجود بالاجمال مراد ہے جو عالم عقل میں ہو اور قدر ان کا متمایز تفصیلی خارجی وجود ہے جو یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہوتا ہے ؁۲۱۴

قدر کے معنی ہیں کسی چیز کی مقدار کا واضح کردینا یا اس کا اندازہ کرنا، اس کا پہچاننا اور شناخت کرنا۔ تقدیر کے معنی ہیں قدر عطا کرنا، اور اقتضائے حکمت کے مطابق ایک خاص اندازہ اور خاص وجہ پر بنانا۔ قضا و قدر میں یہ فرق ہے کہ قدر اندازہ کرنا ہے اور قضا اس پر اجرائے حکم اور اس کا قطعی کردینا ؁۲۱۵ حکم الٰہی اجمالی، قضا ہے اور حکم الٰہی تفصیلی، قدر ؁۲۱۶۔

خلق و امر کے مالک نے ہر شے کو نہ صرف تخلیق و تسویہ ہی کے مرحلہ میں اس کے مقصدِ وجود سے آگاہ کردیا بلکہ اس مقصدِ زندگی [تقدیر] کو پورا کرنے کا طریقہ بھی سکھادیا۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی (الاعلیٰ ۸۷: ۲، ۳) [اس موضوع پر تفصیلی بحث ان شاء اللہ اپنے موقعہ پر آگے آئے گی] یہاں علامہ کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جو کوئی اپنا مقصدِ زندگی [تقدیر] بھلا بیٹھتا ہے وہ اپنا مقصدِ وجود کھو بیٹھنے کے باعث حقیقی زندگی سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ جانِ بے سوز سے محروم جسدِ خاکی ــــ اس لئے ہم بھی یہاں اسی حد تک وضاحت پر اکتفا کریں گے اور "جبر و قدر" کی بحث کو نہیں چھیڑیں گے ــــ مرحلۂ تخلیق ہی میں ہر جان دار و بے جان کو تقدیر سے نوازا گیا ہے لہٰذا ہر شے چار و ناچار اس تقدیر کی تابعِ عمل ہے وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا (آل عمران ۳: ۸۳) پس جس طرح کہ بے شمار علم ہیں اسی طرح بے شمار تقدیرات بھی ہیں۔ یہ تقدیرات طبیعیات میں خواص، نفسیات میں خواہشات یا طبعی تقاضے اور الٰہیات و دینیات میں تقدیرات کہلاتی ہیں۔ انہیں کو "ہدایتِ فطرت" نام دیا جاتا ہے۔ انسان کی تقدیر عناصرِ فطرت کو ملنے والی ہدایاتِ فطرت [مادی خواص] پر تصرف حاصل کرنا ہے۔ اس کے لئے اسے بھی "مقصدِ زندگی" [تقدیر و ہدایت] سے نوازا جانا لابدی تھا۔ ورنہ اس میں اور دیگر حیوانات میں کیا امتیاز ہوتا ــــ یہ تقدیر و ہدایت ــــ تعلیم کی گئی ہے۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (العلق: ۵) یہ تعلیمِ تقدیر و ہدایت ــــ علم بالوحی یا ہدایت بالوحی کہلاتی ہے۔ ہر شے اپنی تقدیر کی تابعِ عمل ہے اس لئے اس کا تشخصِ ذاتی قائم و دائم ہے۔ اگر انسان "احکامِ الٰہی" یعنی اپنی تقدیر سے غافل ہوگا تو وہ اپنا تشخص کھو بیٹھے گا ــــ آگے علامہ اس کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں۔ تقدیر کے لئے نیز ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۷۹

؁۲۱۳ اردو دائرہ معارف اسلامی ۱۴/۲ ص ۳۲۲ تحت قضا و قدر [بحوالہ دستور العلماء جلد ۳ ص ۵۹، ص ۷۳]

؁۲۱۴ ایضاً۔ بحوالہ کشاف اصطلاحات الفنون ص ۱۲۲۲ ببعد،

؁۲۱۵ مفردات

؁۲۱۶ اصطلاحاتِ صوفیہ شاہ محمد عبدالصمد ص ۱۱۶ تحت قضا و قدر

جهان دوست

۲۹۰ - بر وجود و بر عدم پیچیده است (۵۰) / مشرق این اسرار را کم دیده است
کار ما افلاکیان جز دید نیست / جانم از فردای او نومید نیست
دوش دیدم بر فراز قشمرود / ز آسمان افرشتهٔ آمد فرود
از نگاهش ذوق دیدارے چکید / جز بسوئے خاکدان ما ندید
گفتمش از محرمان رازے مپوش / تو چه بینی اندر آں خاک خموش
از جمال زهرهٔ بگداختی ؟ / دل به چاه بابلے انداختی (۵۱)
گفت " هنگام طلوع خاور است / آفتاب تازه او را در بر است
لعلها از سنگ ره آید برون / یوسفان او ز چه آید برون (۵۲)
رستخیزے در کنارش دیده ام / لرزه اندر کوهسارش دیده ام
رخت بندد از مقام آزری (۵۳) / تا شود خوگر ز ترک بت گری
اے خوش آں قومے که جان او تپید / از گل خود خویش را باز آفرید
عرشیاں را صبح عید آں ساعتے
چوں شود بیدار چشم ملتے "

پیر هندی اندکے دم درکشید ، / باز در من دید و بے تابانه دید
۳۰۳ - گفت مرگ عقل ؟ گفتم ترک فکر / گفت مرگ قلب ؟ گفتم ترک ذکر
۳۰۴ - گفت تن ؟ گفتم که زاد از گرد راه / گفت جاں ؟ گفتم که رمز لا اله
۳۰۵ - گفت آدم ؟ گفتم از اسرار اوست / گفت عالم ؟ گفتم او خود روبروست
۳۰۶ - گفت این علم و هنر ؟ گفتم که پوست / گفت حجت چیست ؟ گفتم روئے دوست
۳۰۷ - گفت دین عامیاں ؟ گفتم شنید / گفت دین عارفاں ؟ گفتم که دید
از کلامم لذت جانش فزود
نکته هائے دل نشیں بر من گشود

حواشی و تعلیقات : (۵۰) بر وجود و بر عدم پیچیدن :

وجود سے متعلق تفصیلات کے لئے تعلیقہ نمبر ۱۶ ملاحظہ ہو ۔ وجود ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے ماسوائے اس کے عدم ہے[۲۱۷] عدم کی تین اقسام ہیں (۱) عدم محض اس کو

---

[۲۱۷] اصطلاحاتِ صوفیہ ص ۱۶۰ شاہ محمد عبدالصمد ۔

ممتنع الوجود کہتے ہیں جیسے شریکِ باری تعالیٰ (۲) عدمِ اضافی اس سے مراد اعیانِ ثابتہ یعنی صُوَرِ علمیہ ہیں (۳) عدم العدم، اس سے مراد ذاتِ پاک ہے کیونکہ عدم کا عدم اثبات ہے اور حقیقت میں اثبات اور وجود بجز ذاتِ حق کے کسی شے کا نہیں ۲۱۸ لیکن صوفیاء کے ہاں عدم کی اصطلاح نفیٔ ہستی کے لئے نہیں بلکہ مصدرِ ہستی کے لئے استعمال ہوتی ہے ۲۱۹ اسی حوالے سے جہاں دوست نے رومیؒ کے اس ارشاد کے جواب میں کہا۔ آدم، دستِ حق میں شمشیر ہے اور عالم اس شمشیر کے لئے بمنزلہ فسان کے ہے۔ یہی انسان کی تقدیر ہے کہ وہ اپنی حیثیت کو دونوں طرف کی نسبت سے محروم ہونے نہ دے۔ جہاں دوست کا کہنا یہ تھا کہ مشرق والوں نے اس طرف توجہ ہی نہیں دی۔ وہ وجود و عدم کی بحثوں میں الجھ کر، پہلے ذاتِ مطلق کے منکر ہوئے پھر اپنی "ہستی" ہی کے منکر ہو گئے

آئینشٹروں کا حقیقی تصور جیسا کہ منڈن کی رائے ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ

"دکھائی دینے والے عالم کا کوئی وجود نہیں ہے۔ صرف انفرادی روحوں (جیو) کی جہالت کے سبب سے یہ نمود و نمائش معلوم ہوتی ہے " ۲۲۰

"عالمِ محسوس" کا یہ انکارِ وجود، خود "ذاتِ مطلق" کو ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ میں بکھیرنے ہی کا نتیجہ تھا۔ "خدا، روح، مادہ، تینوں ایک" نے بالآخر وجودِ خدا سے انکار کی راہ دکھائی [اس ارتقاء کے لئے ملاحظہ ہو شرح جاوید نامہ یوسف سلیم چشتی صفحہ نمبر ۲۰۲ تا صفحہ نمبر ۲۰۶ — خلاصۂ کلام یہ کہ

ہندوستان میں نو مذہب [سانکھیہ درشن، جین دھرم، بودھ دھرم اور چارواک دھرم ناستک (منکرِ خدا) اور نیائے درشن، ویشیشک درشن، یوگ درشن اور مما نسایہ (قائلینِ خدا) لیکن صرف بہ ہست بہ قدرت ... بے درد، اور خلافِ عقل] ... ویدانت نے لاموجود الّا اللہ کی تعلیم دی مگر اس کی تعبیر نے آ کے حلول و اتحاد اور بعض اوقات خدا کو سرے سے غائب یا کائنات کی شکل میں مبدل دکھایا " ۲۲۱

یعنی "ہندوستان کی اقوام کو یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ خدا، انسان اور کائنات میں باہمی رابطہ کیا ہے اسی لئے انہوں نے کائنات کو اپنا خادم بنانے کے بجائے یا تو اسے اپنا مخدوم بنا کر پوجنا شروع کر دیا یا اس سے قطع تعلق کر دیا " ۲۲۲

چونکہ علامہ نے یہ بیان وشوامتر: ایک ہندو مفکر کی زبانی درج کیا ہے اس لئے ہندو تفکر تک ہی اس کی تفصیلات کو محدود رکھا گیا اور شیخ ابن عربی اور دوسرے صوفیاء کے وجودی تصورات سے تعرض مناسب نہیں سمجھا گیا وہ بھی اپنے موقع پر زیرِ بحث آئیں گے ۔

---

۲۱۸ اصطلاحاتِ صوفیہ، شاہ محمد عبد الصمد ص ۹۹ ۲۱۹ حکمتِ رومی ص ۲۵ خلیفہ عبد الحکیم

۲۲۰ نقدِ اقبال ص ۶۴ حکیش اکبر آبادی ۔ آئینۂ ادب لاہور ۱۹۷۰ء ۲۲۱ شرح جاوید نامہ چشتی ص ۲۰۵/۲۰۶

۲۲۲ ایضاً ص ۲۱۰

(۵۱) جمالِ زُہرہ و چاہ بابل :

زُہرہ : [ناہید] صنمیاتِ انسانی میں قدیم ترین دیوی ہے ۔ عربی میں زُہرہ فارسی میں آہیتہ بمعنی ناپاک پلید ، اس دیوی کے مختلف نام اور روپ ہیں لیکن مشہور ترین یہ ہیں —— دستری ، الیستر ، افرودیتی ، زاسُرہ کفِ دریا ، زُہرہ ، وینس۔ پہلے یہ دھرتی ماتا کی علامت تھی زرخیز ، ثمرآور اور حیات بخش ۔ پھر تولید و تناسل اور عشق و محبت کی دیوی ہو گئی۔ کیوپڈ نے اُس کے احکام کے مطابق انسانوں کو اس جذبۂ پُراسرار سے آگاہ کیا ہے جس کے مختلف نام ہیں ۔ مشرق کی ادبی روایت میں زُہرہ زمین پر اُتری تھی ۔ ہاروت ماروت دو فرشتوں نے اُس کی محبت میں دنیا تیاگ دی تھی اور اس کی سزا یہ پائی کہ ایک کنوئیں [چاہ بابل] میں اُلٹے لٹک رہے ہیں اور ساری دنیا کا دھوآں اُن کے نتھنوں میں جاتا ہے ۔ زُہرہ کو پھر آسمان پر بُلا کر سیارہ بنا دیا گیا ۔ رقص و سرود ، عشق و محبت ، ناز و نیاز کے چونچلے اسی دیوی سے منسوب ہیں [۲۲۳]

"ہر چند کہ ہاروت و ماروت اور زُہرہ کا قصہ بعض احادیث میں مروی ہے مگر بہ اتفاق محدثین وہ احادیث شاذ و ضعیف ہیں ۔ تفسیر مظہری میں لکھا ہے ھٰذہ الاخبار لم یروِ منہا شیٔ بر صحیحٍ ولا سقیمٍ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی زُہرہ کے قصے میں کوئی بات درست و نادرست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے ۔ اس کے بعد لکھا ہے وھٰذہ الاخبار من کتب الیہود وافترائہم یعنی یہ قصے یہود کی کتابوں سے ہیں اور ان کے بہتانات ہیں ۔ مولانا رومی [یا علامہ اقبال رح ناقل] نے اس واقعہ کو دلیل کے لئے نہیں تمثیل کی غرض سے ذکر کیا ہے جیسے کہ خطابیات میں مشہور عام باتوں سے کام لیا جاتا ہے [۲۲۴] ملاحظہ ہو مزید تفصیلات کے لئے تفسیر معارف القرآن ج ۱ تحت سورہ بقرہ آیہ ۱۰۲

(۵۲) یوسفانِ او زِ چہ آید بروں :

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے ۔ باپ کو بہت پیارے تھے دوسرے بھائیوں نے یہ معاملہ دیکھا تو بہت جلے اور بھائی کو جنگل کی سیر کے لئے لے گئے اور وہاں مشورے کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کو اندھے کنوئیں میں ڈال دیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کو بھیڑئیے کے خون میں لت پت کر کے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لے گئے اور بہانہ بنایا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا اور ہم شکار کے پیچھے دُور جا نکلے تھے ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص دیکھی جو خون میں تر تھی لیکن پھٹی ہوئی نہ تھی سمجھ گئے لیکن چپ ہو رہے ۔ اِدھر ایک قافلہ اُس کنوئیں سے گزرا کسی نے ڈول ڈال کر پانی حاصل کرنے حضرت یوسف علیہ السلام باہر آ گئے ۔ قافلے والے انہیں اپنے ساتھ مصر لے گئے جہاں عزیزِ مصر نے ان کو خرید لیا ۔۔۔ بالآخر آپ مصر کی وزارتِ خزانہ تک پہنچے [۲۲۵]

---

[۲۲۳] تلمیحات اقبال ۔ سید عابد علی عابد ص ۲۹۵ بحوالہ Dictionary of words Origin Shipley N.Y.

[۲۲۴] مفتاح العلوم (شرح مثنوی مولانا روم) جلد اول ۔ مولوی مرزا نذیر برلاس نقشبندی مجددی —— شیخ غلام علی اینڈ سنز باشتراک ڈبلیو بک کمپنی لاہور فروری ۱۹۱۳ نیز مزید دیکھئے مولفہ محمد معین ۔ تہران

[۲۲۵] تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۳۶۱ ۲۲۵/۲۲۲

علامہ نے بھی بزبانِ جہانِ دوست ، اُس فرشتے کے حوالے سے جو چاند کے ایک پہاڑ قمشرود [فرضی نام] سے اترتے ہوئے "ہنگامِ طلوعِ خاور است" پکارتا چلا جارہا تھا، یوسفانِ ہند کو خصوصاً اور یوسفانِ مشرق کو عموماً غلامی کے چاہِ مذلت سے نکل آنے کی بشارت سنائی۔

(۵۳) **رخت بندد از مقامِ آزری :** جاوید نامہ کا زمانہ تصنیف وہی ہے جب علامہ خطبۂ الٰہ آباد کے ذریعے مسلمانوں کو وطنی قومیت کے "مقامِ آزری" سے نکل کر، "ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الٰہی" کی اطاعت کے وسیلے آزادی کا لائحۂ عمل دکھا چکے تھے اور تاریخ شاہد ہے کہ آل انڈیا کانگریس کی متحدہ و مخلوط قومیت کے رسیا بھی بالآخر کانگریس کی آل انڈیا قومی کانفرنس سے دل برداشتہ ہو کر اقبال کی لاہور لیگ کے پروگرام کے مؤید ہوتے گئے۔

شعر نمبر ۳۰۳ : ترکِ فکر: کورانہ تقلید، ترکِ ذکر: مقصدِ زندگی یا معرفتِ الٰہی سے غفلت۔

شعر نمبر ۳۰۴ : تن کے گردِ راہ سے پیدا ہونے سے یہ شبہ نہ پڑنا چاہیے کہ علامہ تن و جان کو الگ الگ سمجھتے ہیں۔ تن، زندگی کے بدن پر اسی طرح کی گرد ہے جس طرح کہ اخگر اپنی خاکستر سے قباپوش ہوتا ہے۔ البتہ جان کی بات ذرا گہری ہے کہ یہ رمز الا اللہ ہے۔ جان کی حقیقت "قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی" سے روشن ہے۔ ہر شے تقدیر رکھتی ہے۔ پانی کی اجتماعی تقدیر [امرِ ربی] سطح ہموار رکھنا ہے۔ جب پانی کی سطح ہموار ہوتی ہے تو وہ پرسکون ہوتا ہے جب اس کی سطح ناہموار ہو جاتی ہے تو وہ اُسی جگہ تک دوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے جہاں اس کی سطح ہموار ہو جائے۔ یہ "دوڑ پڑنا" اور "پرسکون ہو جانا" "تقدیر" ہی کا کرشمہ ہے۔ تو پھر "جان" "امرِ رب" ہی سے تو ہوئی ——— اسی لئے رومی کی زبانی علامہ نے کہلوایا جو تقدیر سے ناآشنا ہے اس کی خاک، سوزِ جاں سے محروم ہے۔

ہر کہ از تقدیرِ خویش آگاہ نیست
خاکِ او با سوزِ جاں ہمراہ نیست

ایسے انسان بمصداقِ "اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ" چوپائے بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں ——— ملّی تشخص یا اجتماعی خودی سے محروم۔

شعر نمبر ۳۰۵ : طلسمِ بود و عدم جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے قادر نہیں ہے جس پہ سخن
زمانہ صبحِ ازل سے رہا ہے محوِ سفر
مگر یہ اس کی تگ و دو سے ہو سکا نہ کہن
اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں
وجودِ حضرتِ انساں نہ روح ہے نہ بدن [۴۲۶]

شعر نمبر ۲ میں علامہ نے "آدم" کے حوالے سے ڈارونی فلسفۂ ارتقاء کو کتنی خوبصورتی سے رد کر دیا ہے۔

نوائے عشق را ساز است آدم
کشاید راز و خود راز است آدم [۴۲۷]
عشق اندر جستجو افتاد و آدم حاصل است
جلوۂ او آشکار از پردۂ آب و گل است [۴۲۸]

---

۴۲۶ کلیاتِ اقبال اردو ص ۵۲ [ضربِ کلیم: آدم]
۴۲۷ کلیاتِ فارسی ص ۱۹۸ [پیامِ مشرق، لالۂ طور: ۱۱]
۴۲۸ ایضاً ص ۵۰۰ [زبورِ عجم: ۲۱]۔

جہاں تک **"او خود رو بروست" کا تعلق ہے** تو اگرچہ ہمہ اوست جیسے تصورات کا گمان گزرتا ہے۔ بظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے لیکن یہ جانتے ہوئے کہ علامہ وحدت الوجود جیسے خیالات کو الحاد سمجھتے تھے علامہ کے ان الفاظ پر گہرے غور و خوض کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر میر ولی الدین مصنف "قرآن اور تصوف" کی ایک تحریر کا اقتباس اس حوالے سے مفید مطلب جان کر نقل کیا جاتا ہے۔

"یہ تو یقین ہے کہ حق تعالیٰ موجود ہیں اور عالمِ مطلق بھی ہیں۔ اب عالم کے لئے معلوم کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان تین اعتبارات میں ابتدا ہی سے صاف طور پر تمیز کی جاسکتی ہے۔ وہ اپنے ہی افکار و تصورات کے عالم ہیں۔ یہی ان کے علم کے معروض یعنی معلوم ہیں۔ علم بغیر معلومات کے ویسے ہی محال ہے جیسے قدرت بغیر مقدورات کے، سمع بے مسموعات کے اور بصر بے مبصرات کے۔ حق تعالیٰ چونکہ ازل سے عالم ہیں اور علم بغیر معلومات کے ناممکن ہے لہٰذا ان کے معلومات بھی ازلی ہیں یعنی معلومات غیر مجعول یا غیر مخلوق ہیں۔ علم حق تعالیٰ کی ایک صفت ہے اس کا اُن کی ذات سے انفکاک ناممکن ہے ورنہ حق تعالیٰ کو جہل لازم آئیگا۔ تعالی اللّٰہ عن ذالک،

چونکہ حق تعالیٰ غیر مخلوق ہیں ان کا علم بھی غیر مخلوق ہے۔ اسی طرح چونکہ ان کا علم کامل ہے لہٰذا اُن کے معلومات بھی کامل ہیں ____ اب حق تعالیٰ کے معلومات کو فلاسفہ ماہیاتِ اشیاء کہتے ہیں اور صوفیا اعیان یا صورِ علمیہ یا معلوماتِ حق یا حقائق الممکنات یا ازلی ممکن ۲۲۹ لہٰذا جیسا کہ علامہ نے یہاں لکھا، مجازاً "او خود روبروست" کہا جاسکتا ہے، لیکن اسے حقیقت سمجھ لینا غلط ہے"

شعر نمبر ۲۰۶/ ۲۰۷ - دیکھ کے لئے حواشی و تعلیقات شعر نمبر ۱۷۶ الخ ملاحظہ ہوں۔

---

۲۲۹ قرآن اور تصوف صفحہ ۱۵۸/۱۵۷ ڈاکٹر میر ولی الدین مکتبہ جلیل گلستان شریف ۲۵ لاہور ۲ سن طباعت ندارد

"نہ تا سخن از عارفِ ہندی"

(۱)

ذاتِ حق را نیست این عالم حجاب
غوطہ را حائل نہ گردد نقشِ آب

یہ ویدانتی نظریہ ہے "ایکو برہمہ دوئیتو ناستی" برہما کے سوا سب کچھ مایا یعنی "نقشِ آب" ہے جناب بلکش لکھتے ہیں "شری شنکر نے اودیا [جہالت] اور برہمہ [حقیقت] کا تعلق اور اس کی نوعیت کا اظہار نہیں کیا لیکن یہ ظاہر ہے کہ شنکر کے مسلک میں دو مقولے ہیں، ایک مقولہ حقیقت یا منور بالذات برہمہ اور دوسرا غیر معین مقولہ صورتِ عالم۔ اس اصول کی رُو سے غیر متغیر واحد برہمہ کثرت عالم کے اختلاف میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ غیر معین جو ہستی و نیستی کے مقولے سے مختلف ہے۔[۲۳۰] اس کا وجود ضروری ہے خواہ اضافی ہی سہی، جو حقیقی عالم کے نمودار ہونے پر غائب ہو جاتا ہے"[۲۳۱] یہی وہ مقولہ ہے جسے، محی الدین ابن عربیؒ نے لاموجود الا اللہ[۲۳۲] کا لباس پہنایا۔ لیکن ہندی عارف کے خیالات کو ہندی فلسفہ تک ہی رہنا چاہیے۔ تفصیل مزید کے لئے شعر نمبر ۳۰۵ کا حاشیہ دیکھا جائے۔ جاوید نامہ کے شارح پروفیسر محمد یوسف سلیم صاحب چشتی نے یہ بات آسان لفظوں میں تحریر کی ہے اس لئے وضاحت کے لئے وہ بھی درج ہے۔

"بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہر صفت کو دوسری صفات کے ساتھ خاص خاص نسبتیں ہیں (ان نسبتوں کو ترکیب سے بھی تعبیر کرتے ہیں) ان نسبتوں یا باہمی ترکیبوں سے بے شمار صورتیں علم الٰہی میں پیدا ہو گئیں (ان ہی صورتوں کا اصطلاحی نام اعیانِ ثابتہ ہے) وجودِ مطلق، ان ہی صورتوں اور ان کی قابلیتوں (استعدادوں) کے مطابق ظاہر ہوئے ہیں اسی ظہور کا دوسرا نام عالم ہے۔ بیدل نے کیا خوب کہا ہے۔

> بہ تحقیقش چہ پردازم کہ آن نیرنگِ دانش ہا
> دلیلِ وحدتِ خویش است ہر جا در نقابِ من ""[۲۳۳]

جب میرا نقاب اس کی وحدت کی دلیل ہے تو یہ حجاب تو نہ ہوا، التباس رہ گیا۔ یہی وہ فلسفہ ہندی ہے جسے علامہ نے عارفِ ہندی کی زبانی بیان کیا۔

۲۳۰؎ اس لئے کہ یہ محض نیستی نہیں، ہستی کہلاتا ہے ورنہ اس کا واقعی وجود نہیں۔ اس لئے یہ مقولہ ہستی و نیستی سے مختلف ہے [لغد اقبال۔ سیکش اکبر آبادی صفحہ ۶۲/۶۳]

۲۳۱؎ لغد اقبال۔ ایضاً صفحہ ۶۵۔ ۲۳۲؎ ابن عربیؒ لکھتے ہیں "یہ عالم کیا ہے ذات کی اعیانِ ثابتہ پر تجلی ہے۔ ان اعیانِ ثابتہ کا وجود بغیر وجودِ حق کیونکر ہو سکتا ہے" (فصوص الحکم صفحہ ۹۰ فص نمبر ۵ اردو ترجمہ مولانا عبدالقدیر صدیقی نفیس سنز پبلشرز اردو بازار لاہور ۱۹۸۸ء)

۲۳۳؎ شرح جاوید نامہ صفحہ ۲۳۵

(۲)

زادن اندر عالمے دیگر خوش است
تا شبابِ دیگرے آید بدست

زادن اندر عالمے دیگر۔ تمہید زمینی کے تحتِ عنوان پیرِ رومی کی روح اسرارِ معراج کی شرح میں شیئونِ زندگی کے بدلتے قالبوں (ارتقائے حیات) کی طرف توجہ دلاتے ہوئے۔ ماں کے شکم سے پیدا ہونے کی طرح — زندگی میں — دوسرے جنم لینے کی تلقین کرتے ہیں — یہ نیا جنم زمان و مکاں کی قید سے ماوراء ہے۔ یہ تسخیرِ زمان و مکاں، ایک اور شباب کے حصول کا راستہ ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے حواشی شعر نمبر ۱۳۲ تا شعر نمبر ۱۷۹ ملاحظہ ہوں۔

(۳)

حق ورائے مرگ و عینِ زندگی ست
بندہ چوں میرد نمی داند کہ چیست

(۱) بندہ نمی داند کہ حق چیست؟ اس لئے مرتا ہے۔ حق ورائے مرگ و عینِ زندگی ہے۔ عرفانِ حق سے حیاتِ جاوید حاصل کی جا سکتی ہے۔ (۲) بندہ نمی داند کہ او چیست؟ اس لئے مرتا ہے۔ یعنی
؎ زندگی مرگ است بے دیدارِ خویش ، اور اگر ؎ خدا خواہی؟ بخود نزدیک تر شو
جب آدم دستِ حق میں شمشیر ہے تو اسے اپنی اس حقیقت سے آگاہی حاصل کرنی چاہیئے۔

بندۂ حق وارثِ پیغمبراں
او نگنجد در جہانِ دیگراں
تا دلش سرے ز اسرارِ خداست
حیف گر از خویشتن ناآشناست
زندہ مرد از غیرِ حق دارد فراغ
از خودی اندر وجودِ او چراغ
تا جہانِ دیگرے پیدا کند
ایں جہانِ کہنہ را برہم زند ؎۴۳۴

"مثنوی اسرارِ خودی" میں علامہ نے یہ بات "مومن" کی بجائے "ہنود" سے مخاطب ہو کر کہی تھی۔ کہ تو آزری میں کامل نہیں رہا، میں ابراہیمی سے دور ہوں۔ اگر ہم دونوں اپنی اپنی "تقدیر" سے آشنا ہو جائیں تو آدم کے لئے ایک تازہ عالم تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں۔ تو پھر یہی تقدیر ہے کہ تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اے امانت دارِ تہذیبِ کہن
پشت پا بر مسلکِ آبا مزن
از گِلِ خود آدمے تعمیر کن
بہر آدم ، عالمے تعمیر کن ؎۴۳۵

؎۴۳۴ ——— کلیاتِ اقبال فارسی صد ۸۵۲ (مثنوی مسافر: خطاب بہ اقوامِ سرحد)۔

؎۴۳۵ اقبال بنام شاد صد ۸۲ مرتبہ محمد عبداللہ قریشی۔ بزم اقبال لاہور طبع دوم ۱۹۸۶ء۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "اقبال اور متحدہ قومیت" از شاد شاکر اعوان مطبوعہ مجلہ صحیفہ، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۰ء شمارہ نمبر ۱۲۶۔ مجلس ترقی ادب لاہور۔ خصوصاً "نیا شوالہ" کے حوالے سے ڈاکٹر سنہا اور ڈاکٹر وحید قریشی کے الزامات کے جواب کے لئے۔

گرچہ ما مرغانِ بے بال و پریم   از خدا در علمِ مرگ افزون تریم

بندہ چوں میرد؟ نمی دانم کہ چیست " کا تعلق حق سے ہو گیا۔ حق، ورائے مرگ ہے اس لئے "مرگِ بندہ" کی حقیقت سے ناآشنا ہے۔ دوسرا شعر اسی مفہوم کا تقاضا کرتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ایک "عالم" [زندگی کی ایک حالت جماد سے نبات، نبات سے حیوانات علیٰ ہذا] میں مرگ اور دوسرے عالم میں نمود کی یہ لذت جو آدم کو میسّر ہے حیؑ و قیّوم کو اس کی خبر کیا ہے؟۔ گویا حیؑ و قیوم نے آدم کو ایک بیش قیمت شے سے نوازا ہے۔ شاید علامہ نے ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی کا جواب پا لیا تھا اس لئے جنت جہاں موت نہ ہو ـ کا تصور اپنی پریشان کرتا تھا۔ مردِ آزادے کہ داند خوب و زشت می نگنجد روحِ او اندر بہشت ۴۳۶ اس لئے کہ ● کجا آں لذتِ عشقِ غلط سیر اگر منزل رہ پیچاں ندارد ۴۳۷ جہاں یزداں تو ہو شیطان نہ ہو۔

(۴)

وقت؟ شیرینی بزہر آمیختہ
رحمتِ عامے بقہر آمیختہ
خالی از قہرش نہ بینی شہر و دشت
رحمتِ او این کہ گوئی در گذشت

یہ انتہائی جمل تصور ہے۔ میرا خیال ہے عارفِ ہندی کی زبانی علامہ نے وہ تصورِ وقت پیش کرنا چاہا ہے جو قدیم عارف و شاعر ویاس نے پُران میں ایک کہانی میں بیان کیا ہے۔ وشنو بھگوان نے ایک زاہدِ مرتاض نارد کو اپنی مایا کا راز سمجھایا ہے۔ یہ کہانی علی سردار جعفری کی کتاب اقبال شناسی مطبوعہ پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۹۱ء صفحہ ۹۲ تا ۹۵ دیکھی جا سکتی ہے۔ جعفری صاحب نے یہ کہانی درج کرنے کے بعد یہ خاتمہ کیا ہے۔

(یہ ہے ہندو تصورِ وقت) ایک طرف یہ خالص ادویت واد اور خالص وحدانیت کی طرف لے جاتا ہے جو شنکر اچاریہ کے یہاں گوندم بھج گوندم کے نغمے میں ڈھل جاتا ہے اور اقبال کے یہاں " نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ " بن جاتا ہے۔ لیکن دوسری سطح پر دنیا کو ہیچ اور بے معنی اور غیر حقیقی قرار دے کر انسانوں سے ان کی قوتِ عمل چھین لیتا ہے " ۴۳۸

مراد یہ ہے کہ "وقت" بصورتِ تقدیر، قوم کو عمل کے ذوق سے محروم کر دے تو مزاجِ قومی کے لئے زہر ہے اس سے شمشیر تو شہر، دشت بھی خالی ہو جائیں اور اگر اسے اپنے ہاتھ شمشیر سمجھ کر لیں تو رحمتِ عام ہے۔ وقت: اِنّی انا الدّہر، کے مسلسل لمحے میں سے اپنا حصہ لینے کا نام ہے اور وہ عمل طلب، یہی وقت کا جلال (زہر و قہر) اور جمال [شیرینی و رحمت] ہے۔

---

۴۳۶ کلیات فارسی اقبال ص ۶۰۷ [جاوید نامہ: زبانِ حلاج]   ۴۳۷ ایضاً ص ۳۰۲ [پیامِ مشرق]
۴۳۸ اقبال شناسی ص ۹۵ علی سردار جعفری [اقبال کا تصورِ وقت]۔

(۵)

کافری مرگ است اے روشن نہاد
کے سزد بامُردہ غازی را جہاد
مردِ مومن زندہ و باخود بجنگ
بر خود افتد، ہمچو بر آہو پلنگ

علامہ نے رومیؒ کی زبان سے یہ رازِ حیات بیان کیا ہے کہ تقدیر سے ناآشنا، صرف جسدِ خاکی رہ جاتا ہے سوزِ جاں سے محروم۔ تقدیر سے ناآشنا تو کوئی نہیں ہوتا خصوصاً ابنِ آدم بحیثیت فرد اور بحیثیت قوم اپنی تقدیر بنانے کا اختیار رکھتا ہے اور یہی ابنِ آدم کی تقدیر ہے۔ لیکن "تقدیر" کوئی بھی ہو — اپنا لینے کے بعد اُس کی طرف سے بے پروائی، کفر ہے۔ یہ تقدیر چاہے کفر ہی کیوں نہ ہو اپنا لیا ہے تو اس سے مکمل اور بھرپور "کومٹ منٹ" لازمی ہے۔ اسرارِ خودی میں ہندو سے براہِ راست علامہ کے تخاطب کا حوالہ نکتہ نمبر ۳ کے تحت بیان ہو چکا ہے — علامہ نے ہندو سے کہا تُو آزری میں پختہ نہیں اس لیے درخورِ طوافِ حریمِ دل نہیں ہے، میں نہیں کہتا بتوں سے بیزار ہو جا۔ میں کہتا ہوں شائستۂ زنار ہو جا اپنی کافری میں پختہ تر ہو کہ ایسا کفر بھی سامانِ جمعیت ہوتا ہے۔ اسی کا نام خودی ہے مسلمان نہ سہی، کافر سہی، ہے تو خودی۔

مُردہ چوں شمعِ خودی اندر وجود   از خیالِ آسماں پیما چہ سُود
من نگویم از بتاں بیزار شو   کافری — شائستۂ زنار شو
رازِ جمعیت حیاتِ ملت است   کفر ہم سرمایۂ جمعیت است
تو کہ ہم در کافری کامل نہ ای   درخورِ طوفِ حریمِ دل نہ ای

ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دُور
تُو ز آزر من ز ابراہیم دور [۲۳۹]

یہی نہیں علامہ نے پیامِ مشرق کی ابتدا میں لالۂ طور کے عنوان سے سولھویں[۱۶] چومصرعے میں بڑی عجیب بات کہی ہے۔ حشر میں یزداں نے برہمن سے سوال کیا آدمی ایسے اشرف المخلوقات کو بتوں کی پوجا میں لگا دیا تو جواب بڑا دلچسپ اور، مزید عجیب تھا کہ صنم از آدمی پائندہ تر بود[۲۴۰] پتھر کا صنم اپنی تقدیر میں پختہ تر ہے اس لیے اُس اشرف المخلوقات سے محترم تر جو تقدیر سے بیگانہ

---

[۲۳۹] کلیاتِ اقبال فارسی ص ۵۹ [اسرارِ خودی: حکایت شیخ و برہمن ...]۔

[۲۴۰] ایضاً ص ۲۰۰

تھا۔ کافری مرگ ہے کی حقیقت شاید اب واضح ہوئی ہو اور بامردہ ، غازی کر جہاد سزاوار نہیں سے پیدا ہونے والا اشکال بھی رفع ہوگیا ہو ــــ مردِ مومن زندہ ہوتا ہے اور نفس کی نافرمانیوں کے مقابل اُن احکام پر ڈٹا ہوتا ہے جن پر وہ ایمان لا چکا ہے یعنی اپنی تقدیر کے طور پر منتخب اور اختیار کر چکا ہے۔ اُس کا اپنی تقدیر ــــ احکامِ دین پر ڈٹ جانا اور نفسی تقاضوں کو نفسی تقاضوں کے مطابق پورا کرنے کے بجائے ، رضائے الٰہی کے مطابق پورا کرنا اپنے آپ سے جنگ اور ہرن پر بھیڑیئے کی طرح جھپٹنے کے مترادف ہے۔ یہی عمل اقبال کے فلسفۂ خودی میں عشق کہلاتا ہے ۔ [۲۲۱] ورنہ نفس تو موت سے ڈراتا ہے بزدل بناتا ہے۔ اس سے جہاد کرنے والا ہی سر بلند مجاہد ہو سکتا ہے

اسی لئے عارفِ ہندی کا اگلا نکتہ دل پذیر ہے

(۶) کافرِ بیدار دل پیشِ صنم به ز دیندارے کہ خُفت اندر حرم

ذرا نکتہ ۵ — دوبارہ دیکھیے۔ اور پھر اگلے نکتہ

(۷) چشم کور است این کہ بیند ماسوا بیچگہ شب را نہ بیند آفتاب

جسے پر غور فرمائیے ـــــ

یہ باتیں جو نکتہ ۵ ، ۶ میں بیان ہوئی ہیں غلط نظر آتی ہیں وہ کور چشم ہے ـــ چشمِ آفتاب اگر رات کو نہیں دیکھ سکتی تو اس کا علاج نہیں ایسے ہی اس کور چشمی کا بھی علاج نہیں ہے۔

۸

(۵۴) صحبتِ گل دانہ را سازد درخت
آدمی از صحبتِ گل تیرہ بخت
دانہ از گل می پذیرد پیچ و تاب
تا کند صیدِ شعاعِ آفتاب

(۵۴)

مراد طبائع کے اثرات کا بیان ہے۔ عارف ، ہندی ہے اس لئے معلوم یہ ہوتا ہے صحبتِ گل سے آدمی کا تیرہ بخت ہونا۔ ترکِ دنیا اور ترکِ عمل کے ویدانتی تصورات کا اشارہ ہے۔ روح کو بدن کے پنجرے نے ہی تو تیرہ بختی [آواگون کی چکر] سے دوچار کر دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ لیکن اسی مٹی نے دانے کو شعاعِ آفتاب سے گرمی لے کر پھلنے پھولنے کی صلاحیت بھی بخشی۔ بقول سعدی ؒ

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

[۲۲۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقالہ "اقبال اور عشق و خرد (تقویم خودی میں تقدیر اور عشق کی حقیقت)" مجلہ صحیفہ جنوری مارچ ۱۹۹۳ء شمارہ نمبر ۱۳۵ از ارشاد شاکر اعوان ـــ مجلس ترقیٔ ادب لاہور۔

۹

من بہ گل گفتم بگو اے سینہ چاک
چوں بگیری رنگ و بو از باد و خاک

گفت گل اے ہوشمند رفتہ ہوش
چوں پیامے گیری از برقِ خموش

(۵۵) جاں بہ تن مارا ز جذب این و آں
جذبِ تو پیدا و جذبِ ما نہاں

(۵۵) حاشیہ شعر نمبر ۳۰۴ ملاحظہ ہو۔ باد و خاک (این و آں) کے جذب سے گل کے بدن میں جان آجاتی ہے اور وہ اسی کے زور پر رنگ و بو پاتا ہے۔ انسان کی روح جاذبہ پیدا و ظاہر ہے کہ انسان میں زندگی نہ صرف بیدار ہے بلکہ صاحبِ عقل و ارادہ بھی ہے۔ پھول کی زندگی۔ نشوونما سے تو آشنا ہے عقل و ارادہ سے محروم۔ یہ جذبِ نہاں ہے لیکن سوائے نشوونما کی موجودگی ارتقائی عمل کے مرحلۂ درمیاں کی خبر دیتی ہے۔ جمادات میں یہ زندگی خوابیدہ ہے، نباتات میں بیدار، حیوانات میں زندہ و متحرک اور انسان میں صاحبِ عقل و ارادہ ــــ

جلوۂ سروش (۵۶)

مردِ عارف گفتگو را در ببست — مستِ خود گردید و از عالم گسست
۳۲۳ ذوق و شوقِ او ز دستِ او ربود — در وجود آمد ز نیرنگِ شہود
۳۲۴ با حضورش ذرہ ہا مانندِ طور — بے حضورِ او نہ نور و نے ظہور
نازنینے در طلسمِ آں شبے — آں شبِ بے کوکبے را کوکبے
سنبلستانِ دو زلفش تا کمر — تاب گیر از طلعتش کوہ و کمر
غرق اندر جلوۂ مستانۂ — ز بش سرود آن مستِ پیمانۂ
۳۲۸ پیشِ او گردندہ فانوسِ خیال — ذو فنوں مثلِ سپہرِ دیر سال
اندر آں فانوس پیکر رنگ رنگ — شکرہ بر گنجشک بر آہو پلنگ
من بہ رومی گفتم اے دانائے راز — بر رفیقِ ہم نظر بکشائے راز

۳۳۱ - گفت این پیکر چو سیم تابناک ‏ زاد در اندیشۂ یزدان پاک
۳۳۲ - بازبے تابانہ از ذوق نمود ‏ در شبستانِ وجود آمد فرود
ہمچو ما آوارہ و غربت نصیب ‏ تو غریبی من غریبم او غریب
شانِ او جبریلی و نامش سروش ‏ ما بُرَد از ہوش و می آرد بہ ہوش
غنچۂ ما را گشود از شبنمش ‏ مردہ آتش زندہ از سوز دمش
زخمۂ شاعر باز دل از وست ‏ چاکہا در پردۂ محمل از وست
دیدہ ام در نغمۂ اُو عالمے
آتشے گیر از نوائے اُو دمے ،،

حواشی و تلیقات :

(۵۶) **سروش :** دراصل اَوِستا کا کلمہ ہے اور اس کے معانی اطاعت و فرمان برداری کے ہیں۔ خاص طور پر فرمانِ الٰہی کی اطاعت۔ اس کا مادّہ سرو ہے سرُود اسی سے مشتق ہے شنیدن و سرائیدن اسی مادہ کے مصدر ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں سروش ایک فرشتہ ہے جو حساب اور میزان پر مامور ہے لیکن ایران کی ادبی روایت میں اس کے معنی خدا کا قاصد اور حاملِ وحی ہو گئے چنانچہ ابوریحان نے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور برہانِ قاطع کا مصنف کہتا ہے سروش بضم اول بروزنِ خروش فرشتے کو کہتے ہیں اور جبرائیل کا نام ہے ۲۲۲

سروش قدیم پہلوی زبان کا لفظ ہے اور زرتشتی مذہب کی اصطلاح میں اُس بلند مرتبہ فرشتے کو کہتے ہیں جو یزداں کی طرف سے بندوں کے پاس پیغام لاتا ہے چنانچہ اقبال نے خود اس کی وضاحت کی ہے کہ شانِ او جبریلی و نامش سروش۔ بعدازاں یہ لفظ عقلِ اول یا عقلِ کلی کے معنی میں بھی مستعمل ہونے لگا۔ عقلِ اول سے مراد ہے وہ شے جو سب سے پہلے خدا سے صادر ہوئی۔ یونانی زبان میں اُسے لاگس [LOGOS] کہتے ہیں مسلمانوں نے اس کے لئے عقلِ اوّل کی اصطلاح وضع کی۔ یہ عقلِ اول چونکہ مخلوق ہے اس لئے حادث بالذات ہے مگر یہ ہمیشہ سے ہے اس لئے قدیم بالزمان ہے۔ نیز یہی عقلِ اول واسطہ ہے خالق اور مخلوق کے درمیان یعنی خدا نے اسی کے واسطہ سے دنیا پیدا کی یہ وضاحت اس لئے ہے کہ اقبال نے اس سے یعنی سروش سے بعض ایزدی صفات منسوب کی ہیں۔ یونانیوں نے جسے لاگوس سے تعبیر کیا، ہندوؤں نے اُسی واسطہ یا معلولِ اوّل کو پاروتی [زوجۂ شیو] کے روپ میں دیکھا چنانچہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ برہما نے سب سے پہلے پاروتی کو پیدا کیا۔ شاید عقلِ اول کو عورت تصور کرنے کا سبب یہ ہو کہ افزائشِ نسل کا دار و مدار عورت ہی پر ہے ،، ۲۲۳ نوٹ سروش کا آخری شعر اسے "حور" بتاتا ہے۔

[illegible]

شعر نمبر ۳۲۳/۳۲۴ ذوق و شوق : اصول و ضوابط سے قطع نظر فن کی تحسین و قدر آفرینی کا ملکہ ذوق کہلاتا ہے ۲۲۴ اصطلاحاتِ صوفیہ میں شہودِ حق بالحق کے تین مراتب میں سے پہلا مرتبہ ذوق ہے

---

۲۲۲ تلمیحات اقبال صفحہ ۳۹/۴۰ سید عابد علی عابد، بحوالہ مزدلیسنا، برہانِ قاطع محمد حسین، فرہنگ آنندراج
۲۲۳ شرح جاوید نامہ صفحہ ۲۲۲ پروفیسر محمد یوسف سلیم چشتی - ۲۲۴ کشاف اصطلاحات ملفہ صفحہ ۱۲۹ ڈاکٹر غنی عبدالقادر

اس میں شہودِ حق مالحق کی تجلیات شروع ہوتی ہیں اور پے در پے تجلیات آتی ہیں اور جلد جلد ختم ہو جاتی ہیں - دیرپا نہیں ہوتیں [۲۲۵]

شوق : دل میں طلبِ حق کا بڑھنا اور وصلِ یار حاصل ہونے پر بھی طلب میں کمی نہ آنا بلکہ زیادہ ہونا[۲۲۶] شوق کے معنی یہ ہیں کہ اپنے محبوب و مطلوب کی تلاش کی جائے یہاں تک کہ وہ نظروں کے سامنے آجائے - یہی لقا ہے جو شوق کا منتہا ہے [۲۲۷]

وجود : کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۶ ، تعلیقہ نمبر ۵۰ - **شہود :** اصطلاحِ تصوّف میں کہتے ہیں " مشاہدۂ حق در جمیع صُوَرِ موجودات " یعنی ہر شے میں حق کا مشاہدہ کرنا [۲۲۸] وجودِ حق کا عین وجودِ خلق ہے یعنی وجودِ واحد ہی اعیانِ خلق [صُوَرِ علمیہ] کی صُورتوں میں متجلّی ہے - اسی کو شہود کہتے ہیں - جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر اسے نیرنگِ شہود کہنا ہی پڑتا ہے -

حضور : کے لئے تعلیقہ شعر نمبر ۱۲ [شعر نمبر ۱۰ تا نمبر ۱۵ کے حواشی] حضور ، صوفی کا اپنے آپ کو فراموش کر دینا ہے - یوں کہ تجلیِ خداوندی کا مشاہدہ ہو - اسی لئے علامہ نے اس حضور کو جلوۂ طور کہا ہے - کیونکہ جیسے یہ مقام حاصل ہو سالک کے لئے ذرہ ذرہ کائنات طور ہے - **طور :** وہ پہاڑی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے سربردہ افراد کو ان کے اس اصرار پر لے گئے کہ وہ موسیٰ کے رب کو دیکھیں - رَبِّ اَرِنِی پر لَن تَرَانِی کا فرمان بھی ملا لیکن اصرار بڑھتا گیا تو اللہ نے فرمایا سامنے کی پہاڑی پر دیکھو - ایک تجلی سے پہاڑ پاش پاش ہو گیا - سردارانِ بنی اسرائیل مر گئے اور خَرَّ مُوسیٰ صَعِقًا [۲۲۹] حضرت موسیٰ بے ہوش ہو گئے - اسی حالت کو شاید علامہ نے اپنے شاعرانہ خیال میں نیرنگِ شہود سے " در وجود آمد " سے تعبیر کیا ہے - شاعر اس کو یہی تعبیر کرتے آئے ہیں - اسی حضور سے سب نورِ ظہور ہے -

شعر نمبر ۲۲۸ :— فانوسِ خیال : فانوس : شیشے کا ایسا برتن جس کے اندر چراغ جل رہا ہو - تاکہ روشنی چاروں طرف ہو اور شعلہ ہوا سے محفوظ رہے - فانوسِ خیال یا فانوسِ خیالی - ایسے فانوس کو کہتے ہیں جس کے چراغ کے گرد کاغذ پر مختلف تصاویر بنا کر لگا دیتے ہیں - جب چراغ کی گرمی اس دائرے کو حرکت دیتی ہے تو وہ رنگین تصویریں چکر لگاتی گھومتی پھرتی معلوم ہوتی ہیں [غیاث اللغات ، برہان ، سرمایۂ اللغات] یہاں کنایہ ہے — یعنی ساری کائنات گویا اس نازنین کی نگاہوں کے سامنے تھی جیسے کہ فانوسِ خیال میں لوگوں کے سامنے تصاویر چلتی ہیں -

شعر نمبر ۲۳۱/۲۳۲ : ہر شے معلوماتِ الٰہیہ کا پرتو ہے [۲۵۰] - یہی خیالِ یزداں میں جنم لینا اور اپنے ذوقِ نمود سے وجود میں آنا لکھا گیا - یہ نازنین جو شانِ جبرئیلی رکھتی ہے — شاید حیات ہے لیکن علامہ نے اسے " سروش " لکھا ہے - جس کی شبنم سے غنچۂ دل کھلتا ہے اور جس کی سانس کا سوز آتشِ زندگی کو مردہ ہونے کے بعد جلا بخشتا ہے - رومیؒ نے کہا تھوڑی دیر کے لئے اس کی آواز سے تپش حاصل کرو —— شعر نمبر ۲۳۳ کے لئے ملاحظہ ہو شعر نمبر ۳ تعلیقہ ۶

[۲۲۵] اصطلاحاتِ صوفیہ شاہ محمد عبد الصمد ص ۶۳ [۲۲۶] ایضاً ص ۸۳
[۲۲۷] قرآن اور تصوف ڈاکٹر میر ولی الدین ص ۹۶ حاشیہ نمبر ۳ -
[۲۲۸] شرح دیوانِ غالب چشتی ص ۵۲۸ عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور - سن ندارد
[۲۲۹] الاعراف : ۱۴۳ - [۲۵۰] علم ، معلومات اور ارادہ کی بحث کے لئے حضرت عبد الکریم الجیلی کی کتاب الانسانِ کامل ، کے ابواب سولہ ۱۶ تا باب انیس ۱۹ پڑھنے چاہئیں

نوائے سروش

ترسم کہ تو می رانی زورق بہ سراب اندر
زادی بہ حجاب اندر میری بہ حجاب اندر

چوں سرمہ رازی[۵۷] را از دیدہ فرو شستم
تقدیر امم دیدم پنہاں بہ کتاب اندر

بر کشت و خیاباں پیچ بر کوہ و بیاباں پیچ
برقے کہ بخود پیچد میرد بہ سحاب اندر

۲۴۱ - با مغربیاں بودم پرجستم و کم دیدم
مردے کہ مقاماتش ناید بہ حساب اندر

۲۴۲ - بے درد جہانگیری آں قرب میسر نیست
گلشن بگیر بیاں کش اے بو بہ گلاب اندر

اے زاہد ظاہر بیں گیرم کہ خودی خالی ست
لیکن تو نہ می بینی طوفاں بہ حباب اندر

ایں صوت دل آویزے از زخمۂ مطرب نیست
مہجور جناں حورے نالد بہ رباب اندر

حواشی و تعلیقات : ۵۷ امام رازی :

امام فخرالدین محمد بن عمر الرازی متوفی ۶۰۶ھ[۲۵۱]
۵۴۲ھ بمطابق ۱۱۴۹ء بمقام رے پیدا ہوئے۔ بعض مرتبین اسماء الرجال و دائرۂ معارف[۲۵۲] ابوبکر محمد زکریا
الرازی متوفی ۳۱۵ھ اور فخرالدین محمد بن عمر الرازی میں تمیز نہیں کرتے [ملاحظہ ہو دائرہ معارف اقبال،
ملک حسن اختر ص ۲۲۹] امام فخرالدین محمد بن عمر الرازی کثیر التصانیف بزرگ تھے براکلمین نے ان کی
۳۴ تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ براؤن نے انہیں فلسفیوں میں شمار کیا ہے شرح اشارات اور مباحث مشرقیہ
اس کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ سائنس کے متعلق دائرۂ معارف لکھ کر خوارزم شاہ کے نام معنون

بقیہ ص ۲۱۸ حاشیہ

ن ص ۲۲۹

۲۵۱ علوم القرآن - غلام احمد حریری (اردو ترجمہ) ڈاکٹر صبحی صالح لبنانی - ملک برادرز لائل پور ۱۹۶۲ء بحوالہ وفیات الاعیان ج
۲۵۲ شرح جاوید نامہ چشتی ص ۲۵۲

کیا - امام رازی کی شہرت عام اُن کی تفسیر کبیر، مفاتیح الغیب کی مرہونِ ہے - تفسیر میں حکماء کا طرز اختیار کیا اور اُن ہی کی طرح کلامی و منطقی دلائل و براہین کی راہ پر گامزن ہوئے - کونیات کی بحث میں انہوں نے خصوصی دلچسپی لی ہے - وہ آیات کی تفسیر کرتے وقت اُن کو چند مسائل میں تقسیم کر دیتے ہیں پھر اُن کی تاویل و تفسیر کرتے ہیں اور اہل السنت کی حمایت کرتے چلے جاتے ہیں ۔ ۲۵۳ء

علامہ کے روحانی مرشد، رومی، رازی کو رازدارِ دیں نہیں سمجھتے اور خود علامہ بھی قرآن حکیم کی ایسی کلامی طرزِ تفسیر کو پسند نہیں کرتے جو امام رازی کا طرۂ امتیاز ہے خصوصاً اس لئے بھی کہ امام موصوف نے "اکتساب" کے تصور کو رد کر دیا اور اپنی تفسیر میں علی الاعلان جبر کا نظریہ پیش کیا ۔ ۲۵۴ء ملاحظہ ہو علامہ نے کس کس طرح رازی کا ذکر کیا ہے -

اسی کشمکش میں گذریں مری زندگی کی راتیں ۔۔ کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تابِ رازی ۲۵۵ء

~~~

علاجِ ضعفِ یقیں اُن سے ہو نہیں سکتا ۔۔ غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق ۲۵۶ء

~~~

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو ۔۔ کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی ۲۵۷ء

~~~

نے مہرہ باقی، نے مہرہ بازی ۔۔ جیتا ہے رومی ہارا ہے رازی ۲۵۸ء

~~~

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب ۔۔ گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف ۲۵۹ء

~~~

جمالِ عشق و مستی نے نوازی
جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ
زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی ۲۶۰ء

~~~

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
جس فقر کی اصل ہے حجازی
روشن اُس سے خرد کی آنکھیں
بے سرمۂ بوعلی و رازی ۲۶۱ء

ص ۹۶

۲۵۳ء علوم القرآن، ڈاکٹر صبحی صالح اردو ترجمہ الیضاً ص ۲۱۹ ۔ ۲۵۴ء فلسفۂ عجم (مسائل ما بعد الطبیعیات) اقبال] اردو ترجمہ میر حسن الدین نفیس اکیڈمی کراچی چھٹا ایڈیشن ۱۹۶۹ء - ۲۵۵ء کلیات اقبال اردو ص ۳۰۹ (بال جبریل غزل ۱۲]
۲۵۶ء تا ۲۵۹ء کلیات اردو علی الترتیب ص ۳۲۶ بال جبریل نمبر ۱۱، ص ۳۲۸ نمبر ۳۲، ص ۳۶۳ غزل نمبر ۵۲، ص ۳۷۰ غزل نمبر ۶۰
۲۶۰ء الیضاً ص ۳۷۵ رباعی نمبر ۱۲ ۲۶۱ء الیضاً ص ۵۵۱ (ضرب کلیم: جاوید سے نمبر ۳] -

دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم   دلِ جنید و نگاہِ غزالی و رازی ؏۶۶۲

ز رازی حکمتِ قرآں بیاموز   چراغے از چراغِ او برافروز
ولے ایں نکتہ را از من فراگیر   کہ نتواں زیستن بے مستی و سوز ؏۶۶۳

ذوقِ جعفر کاوشِ رازی نماند   آبروئے ملتِ تازی نماند ؏۶۶۴

ز رازی معنیٔ قرآں چہ پرسی   ضمیرِ ما بآیاتش دلیل است
خرد آتش فروزد، دل بسوزد   ہمیں تفسیرِ نمرود و خلیل است ؏۶۶۵

بہر نرخے کہ ایں کالا بگیری سود مند افتد   بزورِ بازوئے حیدر بدہ ادراکِ رازی را ؏۶۶۶

دراں عالم کہ جزو از کل فزون است   قیاسِ رازی و طوسی جنون است ؏۶۶۷

عقل و دل را مستی از یک جام مے   اختلاطِ ذکر و فکرِ روم و رے ؏۶۶۸

خرد بیگانۂ ذوقِ یقین است
قمارِ علم و حکمت بدنشین است
دو صد بوحامد و رازی نیرزد
بہ نادانے کہ چشمش راہ بین است ؏۶۶۹

شعر نمبر ۳۴۱: مقام: ملاحظہ ہو حاشیہ شعر نمبر ۲۸۳ مقام: صوفیاء کے احوال میں وقت کے بعد دوسرا حال ہے۔ مقام مصدر ہے بمعنی اقامت جس طرح مدخل بمعنی ادخال اور مخرج بمعنی اخراج۔ مقام آدابِ صوفیہ کی اس منزل کو کہتے ہیں جسے بندہ خدا کی طرف سے حاصل کرتا ہے یعنی جہاں تک بندہ کسی قسم کے تصرف سے پہنچتا یا تلاش کر کے اسے حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کا وہ مقام ہے جہاں اس وقت اس کا قیام ہے اور جس ریاضت کی مشق وہ اس وقت کر رہا ہے۔ شرطِ مقام یہ ہے کہ سالک جب تک اس مقام کے احکام پورے نہ کرلے اس مقام سے آگے نہ جائے۔ اس لئے کہ جب کسی کے پاس قناعت نہیں ہے تو اس کا توکل درست نہیں اور جس کے پاس توکل درست نہیں تو اس کے لئے تسلیم درست نہیں علیٰ ہذا القیاس ؏۶۷۰

گم دیدم: نہ دیکھا ملاحظہ ہو شعر نمبر ۱۰۶ تا نمبر ۱۰۸ گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

؏۶۶۲ کلیات اردو ص ۶۸۵ [ارمغان حجاز - ملا ضیغم لولابی کا بیاض نمبر ۱۲]
؏۶۶۳ تا ؏۶۶۹ کلیات فارسی، علی الترتیب - ص ۹۵۱ [ارمغان حجاز کشور ملت نمبر ۱۲]، ص ۱۲۵ [رموز بیخودی: در معنی اینکہ در زمانۂ انحطاط تقلید از اجتہاد اولیٰ تر است]، ص ۲۶۲ [پیام مشرق: لالۂ طور نمبر ۱۳۲]، ص ۴۹۱ [زبور عجم حصہ دوم نمبر ۳۰]، ص ۵۱۸ [گلشن راز جدید جواب سوال نمبر ۳]، ص ۱۰۱۹ [ارمغان حجاز: بیاران طریق]۔

شعر نمبر ۳۴۲: قُرب: اصطلاحِ صوفیہ جو بُعد کی ضد ہے " حق سبحانہٗ وتعالےٰ اور بندے میں تعینات تنزلات اور اعتبارات غیریت کا حائل ہونا بعد ہے اور جب سالک ان حجابات کو اٹھادے اور سلوک پورا کرلے تو وہ قرب ہے۔ ع۲۶۲ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی (اودھی) (۶۷۵ – ۷۵۷ھ) ع۲۶۳ نے اپنے مشہور شعر کا غزل کے مصرعہ دوم " او درمن ومن در او چوں بو بہ گلاب اندر " کے مفہوم کو " معنیٰ تازہ " دیتے ہیں حضرت چراغ دہلوی رح نے ظاہربیں زاہد کو مخاطب کرکے اپنے قرب خداوندی کو " چون بُو بگلاب اندر " کہا لیکن علامہ نے " بو بہ گلاب اندر " کو " گلشن بگریبان کش " کی تعلیم دی ہے اور وہ بھی " درد جہانگیر " کی وساطت سے تسخیر کائنات کا وہ نسخہ جو اسرار خودی میں " اطاعتِ الٰہی اور ضبط نفس " کے حوالے سے سمجھایا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اور ڈاکٹر محمد ریاض نے جاوید نامہ کی شرح اور تحقیقی توضیحی مطالعہ میں حضرت چراغ دہلوی رح کے وہ دو شعر نقل کیے ہیں جن کو علامہ نے جزوی طور پر اپنے مقاصد و مطالب کے لیے استعمال کیا ہے۔ وہ شعر یہ ہیں۔

اے زاہد ظاہربیں از قرب چہ می پرسی — او درمن ومن در او چون بُو بہ گلاب اندر
در سینہ نصیرالدین جز عشق نمی گنجد — این طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر ع۲۶۴

علامہ اقبال کے شعر ملاحظہ ہوں

بے درد جہانگیری آن قرب میسر نیست — گلشن بگریبان کش ای بو بہ گلاب اندر
اے زاہد ظاہربیں گیرم کہ خودی فانی است — لیکن تو نمی بینی طوفان بہ حباب اندر

علامہ اقبال، تصور عشق کی بجائے، محبوب کو اپنے اندر جذب کرنے (رضائے محبوب کو اپنی رضا بنانے) کے داعی ہیں اسی کا نام ضبط نفس اور اطاعتِ الٰہی ہے۔

ع۲۶۲ اصطلاحاتِ صوفیہ ص ۱۱۶ ، رسالہ قشیریہ - عبدالکریم قشیری اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ص ۱۲۱ بحوالہ شرح تعرف جلد ۳ ص ۱۶۵ تا ص ۱۶۹ ۔ ع۲۶۳ سیر العارفین حامد بن فضل اللہ جمالی اردو ترجمہ محمد ایوب قادری ص ۱۲۵ – ص ۱۳۲ (ناشر) ۱۹۸۹ء

ع۲۶۴ شرح جاوید نامہ ص ۵۲۷ ، جاوید : تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص ۷۵ اقبال اکادمی پاکستان جدید طبع اول

حرکت بہ وادئ یرغمید (۵۸) کہ ملائکہ اورا وادئ طواسین (۵۹) می نامند

رومی آن عشق و محبت را دلیل — تشنہ کامان را کلامش سلسبیل
گفت آن شعرے کہ آتش اندروست — اصل او از گرمئ اللہ ھوست
آن نوا گلشن کند خاشاک را — آن نوا برہم زند افلاک را
آن نوا برحق گواہی می دہد — با فقیران پادشاہی می دہد
خون ازو اندر بدن سیارہ تر — قلب از روح الامین بیدار تر
اے بسا شاعر کہ از سحرِ ہنر — رہزنِ قلب است و ابلیس نظر
شاعرِ ہندی! خدایش یار باد — جانِ او بے لذتِ گفتار باد
عشق را خنیاگری آموختہ — با خلیلان آزری آموختہ
حرفِ او چاویدہ و بے سوز و درد — مرد خوانند اہلِ درد او را نہ مرد
زان نوائے خوش کہ نشناسد مقام — خوشتر آن حرفے کہ گوئی در منام
فطرتِ شاعر سراپا جستجوست — خالق و پروردگارِ آرزوست
شاعر اندر سینۂ ملت چو دل — ملتے بے شاعرے انبارِ گل
سوز و مستی نقشبندِ عالمے ست — شاعری بے سوز و مستی ماتمے ست

شعر را مقصود اگر آدم گری ست
شاعری ہم وارثِ پیغمبری ست"

گفتمش از پیغمبری ہم باز گوے ؔ — سرِ او با مردِ محرم باز گوے
۳۶۰- گفت "اقوام و ملل آیاتِ اوست — عصرہائے ما ز مخلوقاتِ او ست ؔ
از دمِ او ناطق آمد سنگ و خشت — ما ہمہ مانندِ حاصل او چو کشت
۳۶۲- پاک سازد استخوان و ریشہ را ؔ — بالِ جبریلی دہد اندیشہ را
۳۶۳- ہائے و ہوئے اندرونِ کائنات ؔ — از لبِ او نجم و نور و نازعات
۳۶۴- آفتابش را زوالے نیست نیست ؔ — منکرِ او را کمالے نیست نیست
۳۶۵- رحمتِ حق صحبتِ احرارِ او ؔ — قہرِ یزدان ضربتِ کرارِ او

٣٦٦ - گرچه باشی عقلِ کل از وے مرم — زان که او بیند تن و جاں را بہم
٣٦٧ - تیز تر نِہ پا براہِ پیرِ عمنید — تا نہ بینی آنچہ می بایست دید

کندہ بر دیوارے از سنگِ قمر
چار طاسینِ نبوت را نگر"

٣٦٩ - شوق راہِ خویش داند بے دلیل — شوق پروازے بہ بالِ جبرئیل
٣٧٠ - شوق را راہِ دراز آمد دو گام — این مسافر خستہ گردد از مقام

پا زدم مستانہ سوئے پیرِ عمنید — تا بلندی ہائے او آمد پدید
من چہ گویم از شکوہِ آن مقام — ہفت کوکب در طوافِ او مدام
قدسیاں از نورِ او روشن ضمیر — عرشیاں از سرمۂ خاکش بصیر
حق مرا چشم و دل و گفتار داد — جستجوئے عالمِ اسرار داد

٣٧٥ - پردہ را برگیرم از اسرارِ کل ،
با تو گویم از طواسینِ رسل ،

حواشی و تعلیقات :

(٥٨) **پیرِ عمنید :** چاند کی وادی کا فرضی نام

(٥٩) **طواسین :** طٰسٓ [طاسین] کی جمع ٤٦٥ یہ حروفِ مقطعاتِ قرآنی میں سے ایک ہے ٤٦٦ حسین ابن منصور الحلاج نے اپنی کتاب کا نام کتاب الطواسین رکھا تھا ۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے طٰسٓ کی تاویل "طورِ سینا" کی رعایت سے کرکے طواسینِ حلاج کو تجلیات سے تعبیر کیا ہے لیکن علامہ نے طواسین بمعنی تعلیمات لیا ہے ٤٦٧

خنیاگری : گلوکاری ، قوالی - خُنیا : بروزنِ دُنیا ، سرود ، نغمہ [غیاث اللغات بحوالہ برہان و سروری و سراج] ۔

چاویدن : فریاد کردنِ گنجشک (برہان) غیاث اللغات - چیاؤں پیاؤں کرنا - چڑیوں کا چوں چوں ۔ **منام :** نیند ، خواب

شعر نمبر ٣٧٠ : نبوت : نبوت کے دو اجزا ہیں

(١) خاص حالات و واردات جن کے اعتبار سے نبوت ، روحانیات کا ایک مقامِ خاص تصور کی جاتی ہے [مقام تصوف اسلام میں ایک اصطلاح] ۔

(٢) ایک Socio-Political Institution قائم کرنے کا عمل یا اس کا قیام گو [یا] ایک نئے اخلاقی فضا کی تخلیق ہے جس میں پرورش پاکر فرد اپنے کمالات تک پہنچتا ہے ٤٦٨

---

٤٦٥ — جیسا کہ مطالعہ تلمیحات و اشاراتِ اقبال از ڈاکٹر اکبر حسین قریشی [صفحہ ١٢٥] میں بحوالہ منیر نگ خیال : اقبال نمبر صفحہ ٢١٦ - لکھا گیا -

٤٦٦ النمل : ١ ٤٦٧ شرح جاوید نامہ صفحہ ٩٤٣ - ٤٦٨ انوارِ اقبال صفحہ ٢٦-٢٥ از بشیر احمد ڈار اقبال اکادمی لاہور مارچ ١٩٧٧ طبع دوم

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں

" ڈاکٹر اقبال کے نزدیک ایک قوم کا پیدا کرنا نبوت کا سب سے بڑا معجزہ ہے ۔ بالخصوص اس زمانے کے قومی ہنگامۂ رستخیز میں نبوت کے ثبوت میں اسی معجزے کو پیش کیا جا سکتا ہے ۔ ساحروں اور شعبدہ بازوں سے اگرچہ بہت سے حیرت انگیز واقعات سرزد ہو سکتے ہیں لیکن آج تک کسی ساحر اور شعبدہ باز نے کسی زندہ قوم کو نہیں پیدا کیا ۔ فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مقابلہ تو ضرور کیا لیکن وہ یہودیوں جیسی قوم نہ پیدا کر سکے " ع۲۶۹

شعر نمبر ۲۶۲ تا ۲۶۵: وحی کا فنکشن (Function) حقائق کا انکشاف ہے یا یوں کہیئے کہ وحی تھوڑے وقت میں ایسے حقائق کا انکشاف کر دیتی ہے جن کو مشاہدہ برسوں میں بھی نہیں کر سکتا ۔ گویا وحی ، حصول علم میں جو Time کا عنصر ہے اس کو خارج کرنے کی [کفایتِ فکر و انتخابِ عمل] اک ترکیب ہے ع۲۷۰

النجم ، النور ، النازعات قرآن حکیم کی سورتوں کے نام ہیں ۔

احرار: " نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غلامی ، غلامی نہیں بلکہ آزادی ہے ۔ کیونکہ اس کی نبوت کے احکام دینِ فطرت ہیں یعنی فطرتِ صحیحہ ان کو خود بخود قبول کرتی ہے ۔ فطرتِ صحیحہ کا انہیں خود بخود قبول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ احکام زندگی کی گہرائیوں سے پیدا ہوتے ہیں اس واسطے عین فطرت ہیں " ع۲۷۱
اسی لیے اس کے آفتاب کو زوال نہیں ۔ کہ یہ حریت کا نشان ہے ۔ اپنے نفسی تقاضوں کے تسلط سے بھی (داخلی) آزادی اور کسی بھی انسان کی بے دلیل غلامی سے (خارجی) آزادی کا دستور جس کا بلیغ اعلان لا اکراہ فی الدین ع۲۷۲ میں کیا گیا ہے (الدین کے اندر (احکام دین میں) کسی قسم کا جبر نہیں ۔

" جو فرد اس نظام کا ممبر نہ ہو یا اس کا انکار کرے وہ ان کمالات سے [جو اس نظام کو قبول کرنے والا پاتا ہے] محروم ہو جاتا ہے ۔ اس محرومی کو مذہبی اصطلاح میں کفر کہتے ہیں ۔" ع۲۷۳

" شعورِ نبوت کو تو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں زمانے کی ساری وسعتیں سمٹ کر ایک نقطے پر آ جاتی ہیں ، ماضی و حال اور مستقبل کا امتیاز قائم نہیں رہتا ۔ لہٰذا ہمارے لئے جو بات آنے والی ہوتی ہے شعورِ نبوت کو پہلے ہی سے اس کا علم ہوتا ہے ۔ اس طرح جیسے اس کا ظہور ہو چکا ہو یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر حقیقت اور ہر صداقت کو اپنے سامنے عیاں دیکھتے ہیں " ع۲۷۴

" انبیاء کی ذات میں زندگی کا متناہی مرکز اپنے لامتناہی اعماق میں ڈوب جاتا ہے تو اس لئے کہ پھر ایک تازہ قوت اور زور سے اُبھر سکے ۔ وہ ماضی کو مٹاتا اور پھر زندگی کی نئی نئی راہیں اس پر منکشف کر دیتا ہے ۔" ع۲۷۵

" مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" میں علامہ نے " نبوت و منصب نبوت پر حکمت کلیمی " کے تحت عنوان اس طرح اظہار خیال کیا ہے ۔

ع۲۶۹ اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں [ڈاکٹر اقبال کا علم الکلام] ص ۹۷-۹۶ مرتبہ اختر راہی ۔ بزم اقبال لاہور طبع اول مارچ ۱۹۷۸

ع۲۷۰ انوار اقبال ص ۲۸-۲۷ (نبوت) بشیر احمد ڈار ۔ اقبال اکادمی لاہور مارچ ۱۹۷۷ طبع دوم

ع۲۷۱ ایضاً ص ۲۷-۲۶ ع۲۷۲ ع۲۷۳ انوار اقبال ایضاً ص ۲۶

ع۲۷۴ اقبال کے حضور ص ۶۲

ع۲۷۵ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ۔ سید نذیر نیازی ص ۱۹۰ بزم اقبال لاہور طبع سوم مئی ۱۹۸۶ء

تا نبوت حکمِ حق جاری کند — پشتِ پا بر حکمِ سلطاں می‌زند
در نگاهش قصرِ سلطاں کہنہ دیر — غیرتِ او بر نتابد حکمِ غیر
پختہ سازد صحبتش ہر خام را — تازہ غوغائے دہد ایام را
حکمتش برتر ز عقلِ ذوفنون — از ضمیرش اُمتے آید بروں
اندر آہِ صبحگاہِ اُو حیات — تازہ از صبحِ نمودش کائنات
من نمی‌دانم چہ افسوں می‌کند — روح را در تن دگرگوں می‌کند
صحبتِ او ہر خزف را دُر کند — حکمتِ اُو ہر تہی را پُر کند ع ۷۷۶

شعر نمبر ۳۶۶ : اس لئے کہ نبوت ایک سیاسی سماجی ادارہ قائم کرنے کا عمل ہے یا اُس کا قیام گویا ایک نئی اخلاقی فضا کی تخلیق ہے۔ مثنوی 'رموزِ بے خودی' میں علامہ نے نظامِ اجتماعی کے لئے رسالت کو رکنِ دوم، بتاتے ہوئے مسلمانوں کو خصوصاً متوجہ کیا ہے۔ اور اولادِ ابراہیم خلیل اللہ کو عموماً یاد دلایا ہے کہ -

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید — وز رسالت در تنِ ما جاں دمید
حرفِ بے صوت اندریں عالم بدیم — از رسالت مصرعِ موزوں شدیم
از رسالت در جہاں تکوینِ ما — از رسالت دینِ ما آئینِ ما
از رسالت صد ہزار ما یک است — جزوِ ما، از جزوِ ما لاینفک است

معنیِ حرفم کنی تحقیق، اگر — بنگری با دیدۂ صدیقؓ، اگر
قوتِ قلب و جگر گردد نبیؐ — از خدا محبوب تر گردد نبیؐ
قلبِ مومن را کتابش قوت است — حکمتش حبل الوریدِ ملت است
دامنش از دست دادن مردن است
چوں گل از بادِ خزاں افسردن است ع ۷۷۷

شعر نمبر ۳۶۷ : تا نہ بینی: پروفیسر سلیم چشتی اسے "تا نہ بینی" پڑھنے کا حکم دیتے ہیں لیکن یہ درست نہیں
شعر نمبر ۳۶۹ : شعر کا ترجمہ یہ ہے " راہِ پر بیم میں تیز تیز چل یہاں تک کہ وہ سب کچھ دیکھ نہ لے جو دیکھنا چاہیئے"
شعر نمبر ۳۷۰ : شوق: ملاحظہ ہو حاشیہ شعر نمبر ۳۲۳/۳۲۴ — دلیل آنچہ لازم آید از دانستنِ وے دانستنِ چیزے دگر (غیاث اللغات)۔ وہ جس کا جاننا دوسری چیز سمجھنے کے لئے لازمی ہو۔ یہ اہلِ مناظرہ کی اصطلاح ہے۔ صوفیا کی اصطلاح میں دلیل، مراتبِ ثلاثہ کو محیط ہے فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ۔ یہاں پہلے معانی مراد ہیں
٭ تو ابھی رہگزر میں ہے قیدِ مقام سے گزر ع ۷۷۸ ٭ حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں ع ۷۷۹
٭ عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم ع ۷۸۰ 'فلسفۂ خودی' کی روح شوق ہے -
طواسین رسل : تناسل ادیان کا نادر نمونہ، مفکرانہ نابغیت اور شاعرانہ قابلیت کا شاہکار۔ کرشا مرتبہ دانا عط بانہ ناقد،

ع ۷۷۶ کلیات فارسی ص ۸۰۹/۸۰۸ ع ۷۷۷ الیضاً ص ۱۰۱ ملاحظہ ہو تا ص ۱۰۵ برائے تفصیل مزید -
ع ۷۷۸ کلیات اردو ص ۳۲۱ (بالِ جبریل غزل ۵) ع ۷۷۹ کلیات اردو ص ۳۳۹ [بالِ جبریل غزل ۲۲]
ع ۷۸۰ الیضاً ص ۳۲۲ (بالِ جبریل غزل ۹) -

طاسین گوتم (۶۰)

توبہ آوردن زن رقاصۂ عشوہ فروش

گوتم

۲۷۶ - مے دیرینہ و معشوق جواں چیزے نیست — پیش صاحب نظراں حور جناں چیزے نیست
ہر چہ از محکم و پایندہ شناسی گذرد — کوہ و صحرا و بر و بحر و کراں چیزے نیست
دانش مغربیاں، فلسفۂ مشرقیاں — ہمہ بت خانہ و در طوف بتاں چیزے نیست
۲۷۹ - از خود اندیش و ازیں بادیہ ترساں مگذر — کہ تو ہستی و وجود دو جہاں چیزے نیست
در طریقے کہ بنوک مژہ کاویدم من
منزل و قافلہ و ریگ رواں چیزے نیست

بگذر از غیب کہ ایں وہم و گماں چیزے نیست — در جہاں بودن و رستن ز جہاں چیزے ہست
آں بہشتے کہ خدائے بتو بخشد ہمہ ہیچ — تا جزائے عمل تست جناں چیزے ہست
راحت جاں طلبی؟ راحت جاں چیزے نیست — در غم ہم نفساں اشک رواں چیزے ہست
۲۸۴ - حسن رخسار دمے ہست و دمے دیگر نیست
حسن کردار و خیالات خوشاں چیزے ہست

حواشی و تعلیقات: (۶۰) **گوتم:** نام سدھارتھ، ساکیا منی بھی کہا گیا۔ نروان حاصل ہونے کے بعد بدھ کہلایا۔ بدھ عقل ہوش[۴۸۱] اور گوتم کے معانی روشنی کے ہیں[۴۸۲]۔ بانی مذہب ہونے کے باعث مہا آتما ٹھہرے مہاتما گوتم بدھ کا زمانہ ۵۲۳ ق م سے ۴۸۰ ق م کا درمیانی عرصہ ہے۔ راجہ سدھودھن کا بیٹا تھا جس کی شادی خوب صورت شہزادی یشودھرا سے ہوئی۔ انتیس سال کی عمر میں دنیا سے دل برداشتہ ہو کر جنگل کی راہ لی۔ دنیا کو تیاگنے کے واقعہ سے متعلق مشہور روایت یہی ہے کہ شہزادہ سدھارتھ نے اپنے والد کی لگائی قدغن توڑتے ہوئے رتھ پر بیٹھ کر شہر کی سیر کی۔ ایک سے زائد شب نوردی کے دوران ایک بوڑھے، ایک بیمار، اور ایک جنازے کو دیکھ کر شہزادے کو دنیا دکھوں کا گھر دکھائی دی اور زندگی کی بے ثباتی کا یقین دل میں جم گیا۔ ایک رات ایسی ہی شب نوردی میں شاہی لباس اتار کر رتھ بان کے حوالے کر کے خود ایک چرواہے کا لباس پہن کر زندگی کے ہر تعلق اور آسائش کو الوداع کہی اور جنگل کی تاریکیوں میں کھو گیا۔

اپنی روح کی پیاس بجھانے کی خاطر وقت کے بڑے بڑے علماء مثلاً الارا کلاما اور ادرکا رام پتر سے ان کے سارے علوم از بر کیے لیکن تشنگی بجھنے کی بجائے بڑھ گئی۔ مروجہ طریق نجات شدید ریاضتوں

۴۸۱۔ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۶۷
۴۸۲۔ دائرہ معارف اقبال ملک حسن اختر ص ۲۵۵

کو اپنایا۔ گھومتے پھرتے گیا کے پاس اراویلا نامی مقام پر ایک درخت کے نیچے عرفان حاصل ہوا۔
عمادالحسن آزاد فاروقی نے اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

"اسی شام جب گوتم بدھ نے [بڑوں کا تجربہ ہو جانے پر بغیر حصول مقصد موت کا دھیان کر کے اور ایک چرواہن کی نذر کردہ کھیر سے] اپنا برت توڑا اور جسم کی کم از کم ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے ایک معتدل زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ وہ ایک پیپل کے پیڑ کے نیچے گھاس کا آسن بنا کر اپنے مخصوص مراقبہ کے انداز میں بیٹھ گئے [کہ یا تو ابدی مسرت، کا راز کھلے گا یا موت آئے گی]۔ بدھ روایت کے مطابق رات کے پچھلے پہر سدھارتھ نے اپنے مراقبے کے دوران وہ علم حاصل کیا جو قدیم ہندوستان میں اعلیٰ روحانیت کا خاصہ سمجھا جاتا تھا یعنی انہیں اپنے پہلے تمام جنموں کا [جن میں کہ وہ مختلف صورتوں میں گزر اس دنیا میں رہ چکے تھے] علم حاصل ہو گیا۔ آدھی رات کے قریب ان پر چار عظیم حقائق کا انکشاف ہوا جن میں بدھ مت کا بنیادی فلسفہ مضمر ہے اور جن کا ایک حصہ سلسلۂ علت ومعلول، زندگی کی حقیقت کو عیاں کر دیتا ہے۔ رات کے آخری حصہ میں سدھارتھ نے نروان حاصل کر لیا اور وہ گوتم سدھارتھ سے گوتم بدھ ہو گئے"، ۲۸۳

"چار عظیم حقائق" [آریہ ستیہ: آریہ یا آرین بمعنی شریف، اچھا اور عظیم] کا حقیقی اور بنیادی ماخذ گوتم بدھ کی وہ پہلی تقریر ہے جو انہوں نے نروان پانے کے بعد آغاز تبلیغ کے لئے سارناتھ کے مقام پر کی ۲۸۴

(۱) پہلا عظیم سچ یہ ہے کہ ہر وجود لازمی طور پر (۱) دکھ (۲) بے ثباتی (۳) کسی مستقل عنصر سے عاری ہونے [نتیجتاً تغیر پذیری] کی صفات سے متصف ہے۔ اس لئے بالواسطہ یا بلاواسطہ دکھ ہی کا سبب ہے۔ اس طرح زندگی جیسا کہ عام آدمی گزارتا ہے سرتا پا دکھ، غیر اطمینان بخش اور ناقص ہے۔

(۲) دوسرا عظیم سچ یہ ہے کہ دکھ کا یہ ازلی ابدی کارواں کسی نہ کسی سبب پر بنیاد رکھتا ہے اور وہ ہے آرزو، خواہش، طلب [پالی: ترشنا، تنہا] ---- نہ انسان کے پہلے جنم کی ابتدا کسی کو معلوم ہے نہ اس کی کوئی انتہا نظر آتی ہے [تناسخ اور آواگونی تصور حیات کے پیش نظر] اس طلسم نیرنگ کے پیچھے طلب یا خواہش ہی کا بھوت کارفرما ہے۔ گوتم بدھ کہتے ہیں

"بھکشوؤ! میری نظر میں خواہش اور طلب جیسی کوئی اور زنجیر نہیں ہے
جس سے بندھی ہوئی مخلوقات ایک جنم کے بعد دوسرے جنم میں ایک طویل عرصہ
سے طلسم وجود کے چکر لگا رہی ہیں۔ یقین جانو بھکشوؤ! اسی خواہش
کی زنجیر میں گرفتار مخلوقات طلسم وجود میں سرگرداں اس کے گرد چکر لگاتی
ہیں"، ۲۸۵

(۳) تیسرا عظیم سچ یہ ہے کہ خواہش یا طلب کے استیصال سے دکھ کا یہ ازلی اور ابدی جال توڑا

---

۲۸۳ دنیا کے بڑے مذاہب صفحہ ۸۰/۷۹۔ عمادالحسن آزاد فاروقی۔ فیصل بکس اردو بازار لاہور بار دوم ۱۹۹۱ء
۲۸۴ ایضاً صفحہ ۸۵ بحوالہ تقابل ۱۱۹ ۲۸۵ ایضاً صفحہ ۸۷ بحوالہ دی بدھاز ایکٹنمنٹ پالٹھ صفحہ ۵۵ بیادستی تحیر اللہ ۱۹۶۲ء

جاسکتا ہے اور انسان جنم مرن کے چکر سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پاکر نروان حاصل کرسکتا ہے۔

(۴) چوتھا عظیم سچ وہ اشٹانگ مارگ [ہشت پہلو راستہ] ہے جس پر چل کر دکھوں کے سلسلے کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ گویا یہ ایک عملی اخلاقی ضابطہ ہے۔ جس کے آٹھ ارکان ہیں۔

(۱) سمیک درشٹی [صحیح نقطۂ نظر، صحیح نظریات، اعلیٰ العقب الیقین]

(۲) سمیک سنکلپ (صحیح نیت، صحیح ارادہ]

(۳) سمیک واک [صحیح قول، صحیح گفتار]

(۴) سمیک کرمانتا [صحیح عمل]

(۵) سمیک اجیوا [صحیح رزق، حلال روزی] بدھ نے پانچ پیشوں کو اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔

(۱) اسلحہ سازی یا اسلحہ کی خرید و فروخت (۲) جانوروں کی جان لینے اور ان کے گوشت اور کھال سے متعلق کاروبار (۳) نشہ آور چیزوں سے متعلق کاروبار (۴) غلاموں کی خرید و فروخت (۵) زہریات سے متعلق کاروبار

(۶) سمیک ویام [صحیح کوشش]۔

(۷) سمیک سمرتی [صحیح ہوشیاری، غفلت و لاپرواہی سے پرہیز]۔

(۸) سمیک سمادھی [مراقبہ]۔ بدھ نے خود بھی مراقبہ ہی سے نروان حاصل کیا تھا اس لئے مراقبہ کو سب سے اہم عبادت بتایا۔ لیکن مزید اخلاقی احکام پر بطور عمل کے بغیر مراقبہ نروان سے نواز نہیں سکتا ہے صحیح مراقبہ کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے انسان کو پہلے اخلاقی لحاظ سے بالکل درست اور پاک ہونا ہوگا۔ اور صحیح مراقبہ ہی وہ سبب ہے جو نروان کے حصول کو ممکن بناتا ہے اور جب بھی کسی کو نروان حاصل ہوگا صحیح مراقبہ ہی کی کیفیت میں حاصل ہوگا ع۴۸۶

نروان: بدھ مت میں نروان مذہبی زندگی کا مقصود ہے۔ نروان کس حالت کا نام ہے؟ اس پر بدھ مت کے علماء میں اتفاق رائے نہیں ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کرما [اعمال] یا پیدائش کے لامتناہی سلسلہ (آواگون) کا اختتام ہے۔ یہ ایک انسان کی پرسکون راحت (جنت) ہے جس کو دوبارہ جنم نہ لینا پڑے گا۔ جس کی خواہشات بالکل فنا ہو چکی ہوں گی اور جس کی خودی یکسر مٹ جائے گی۔۔۔۔ نروان کو فنائے کامل بھی کہا جاسکتا ہے۔۔۔۔ مہاتما بدھ نے اس بارے میں اپنے شاگردوں اور عقیدت مندوں کے سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا کہ آیا موت کے بعد کوئی زندگی ہوگی یا نہیں غالباً مہاتما بدھ کا سب سے زیادہ مکمل جواب یہ تھا:

"میرے شاگردو! [بھکشوؤ] ع۴۸۷! ایک حالت ایسی بھی ہوسکتی ہے جس میں نہ زمین ہو اور نہ پانی۔ نہ ہوا ہو اور نہ روشنی۔ نہ لامحدود مکان ہو نہ لامحدود زمانہ۔ جس میں نہ کوئی ہستی ہو اور نہ کوئی خلاقیت اور نہ جس میں فکر ہو نہ تصور نہ ان کا کامل فقدان۔ جس میں نہ یہ دنیا ہو نہ کوئی دوسری دنیا۔ ایسی حالت میں نہ تو کوئی شے وجود میں آسکتی ہے اور نہ کوئی چیز فنا ہوسکتی ہے۔ نہ کوئی علت باقی رہے گی نہ معلول۔ نہ تبدیلی اور حرکت ہوگی اور نہ کسی جمود اور ٹھہراؤ کا امکان ہوگا" ع۴۸۸

ع۴۸۶ دنیا کے بڑے مذاہب ایضاً ص۸۵ تا ص۹۹ ع۴۸۷ بدھ مت میں بھکشو: جو پوری زندگی نروان حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیتے تھے۔ ان سے کمزور لوگ جو دنیا تیاگ نہ سکیں اُپاسک کہلاتے ہیں اور بدھ مت کے لوگ بحیثیت جماعت سنگھ کہلاتے ہیں (دنیا کے بڑے مذاہب ایضاً ص۸۱)۔

ع۴۸۸ اسلام اور مذاہب عالم تقابلی مطالعہ ص۳۰ محمد مظہر الدین صدیقی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور طبع سوم ۱۹۶۸ء

یہی شاید وہ مبہم اور واضح کے بین بین منفی بیان ہے جو گوتم بدھ کے مختلف مثبت استعاروں میں پوشیدہ ہے جیسے محفوظ کنارہ، مسرت کا ٹھکانہ، آسانی کا گھر، شہر مقدس، ہر دکھ کا علاج، حقیقت کبریٰ، مسرت اعلیٰ، قدوس، مستقل بالذات "ازلی ابدی" جو پالی تری پیٹکا [پناہ یان بدھ مت کی مقدس کتابوں] میں بکھرے ہوئے مل جاتے ہیں۔[۲۸۹] خدا کی ہستی کے بارے میں خاموش گوتم بدھ کے مندرجہ ذیل الفاظ گوتم بدھ کے ماننے والوں کے لئے قطعی سند رکھتے ہیں۔

"پیدائش، بڑھاپا، بیماری، دکھ اور عیبوں کا مجموعہ ہوتے ہوئے اور ان چیزوں کا شکار جو بھی اشیاء ہیں ان کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے میں نے اس کی تلاش شروع کی جو کہ غیر مخلوق، غیر تغیر پذیر، بیروگ، بے غم، بے عیب اور ہر پابندی سے آزاد اور محفوظ ہے یعنی نروان اور میں نے اس کو پالیا۔"[۲۹۰]

"تمام تر دلائل سے یہ ثابت ہونے کے باوجود کہ بدھ مت، زندگی اور کائنات کی علت العلل کے بارے میں اور آئندہ زندگی سے متعلق کسی قسم کا دعویٰ نہ کر کے ایک اخلاقی نظام ہو سکتا ہے دینیاتی نظام نہیں لیکن یہ دعویٰ بھی غلط ہوگا کہ مہاتما بدھ نے خدا کا انکار کیا یا انہوں نے مادہ کو کائنات کی بنیاد قرار دیا .... جس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ ہمہ دان ہے یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے پیروؤں کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیں کہ وہ مافوق الفطرت امور میں کوئی درک نہیں رکھتے ہیں۔ ان کے جوابات کا مقصد یہ تھا کہ ان کے پیرو مصائب دنیوی سے نجات حاصل کرنے میں کسی خارجی طاقت کا سہارا نہ لیں بلکہ اپنے اندر اعتماد ذات پیدا کریں اور اپنی کوششوں کے نتیجہ خیزہ پر ایمان رکھیں؛ نیز یہ کہ خدا اور آخرت کا وجود ان واقعی پر موثر نہیں ہوتا جو انسان کو فوری طور پر اس عالم میں درپیش ہوتے ہیں۔ غالباً ان کا خیال تھا کہ یہ ماورائی حقائق انسان کی علمی اور اخلاقی زندگی کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ ان سے لوگوں میں ایک غیر ضروری جستجو اور روحانی تفتیش کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔"[۲۹۱]

یہ تصریحات ان الجھنوں کو دور تو نہیں کر سکتی ہیں جو بدھ کے تصور خدا کے بارے میں عام طور پر پائی جاتی ہیں لیکن اس حقیقت کو پانے میں ضرور معاونت کرتی ہیں کہ گوتم بدھ اگر پیغمبر نہ تھے تو اپنے مخصوص حالات میں ایک عظیم تر مصلح ضرور تھے جن کا مقام بلند تر لوگوں ہی کی صف میں رہا ہے اور رہے گا۔ کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ و محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح اپنی بشریت سے مساوات بشریت کا ڈنکا بجائے۔ علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں گوتم بدھ پر مفصل اظہار خیال اپنی منفرد نظم نانک میں کیا ہے۔ "گوتم بدھ کو تناسخ ارواح کا قائل نہ سمجھتے تھے۔"[۲۹۲]

---

[۲۸۹] دنیا کے بڑے مذہب الیضاً ص ۱۰۰ بحوالہ اے سروے آف بدھ ازم ص ۲۷ بھکشو سنگھرا کیشتا، بنگلور ۱۹۵۷ء

[۲۹۰] الیضاً ص ۱۰۱ بحوالہ دی بدھاز، اینڈ شنٹ پاتھ الیضاً ص ۱۶

[۲۹۱] اسلام اور مذاہب عالم۔ محمد مظہر الدین ص ۳۱/۳۰۔ [۲۹۲] کلیات مکاتیب اقبال ج ۳ ص ۱۰۲ مکتوب بنام راغب احسن

۲۹۳ء

قوم نے پیغامِ گوتم کی ذرا پروا نہ کی — قدر پہچانی نہ اپنے گوہرِ یک دانہ کی
آہ بدقسمت رہے آوازِ حق سے بے خبر — غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر
آشکار اس نے کیا جو زندگی کا راز تھا — ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شمعِ حق سے جو منور ہو یہ وہ محفل نہ تھی — بارشِ رحمت ہوئی لیکن، زمیں قابل نہ تھی
آہ شودر کے لئے ہندوستاں غم خانہ ہے — دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں — شمعِ گوتم جل رہی ہے محفلِ اغیار میں ۲۹۴ء

گوتم بدھ کا انتقال (پری نروان) سنہ ۴۸۳ء قبل مسیح میں ہوا۔ آج بدھ مت اس وقت جاپان، کوریا، منچوریا، منگولیا، چین، ویت نام، تھائی لینڈ، برما، تبت، نیپال اور سری لنکا میں ایک زندہ مذہب کی حیثیت رکھتا ہے۔

زیر نظر مضامینِ گوتم کی نظموں میں علامہ کا اندازِ بیان محض اشاراتی ہے تاہم گوتم بدھ کی بیان کردہ "عظیم حقائق" کا پرتو لئے ہوئے ہے۔

شعر نمبر ۳۷۶ تا ۳۷۸ ملاحظہ ہو پہلا سچ، دوسرا سچ، تیسرا سچ، چوتھا سچ۔ شعر ۳۷۹ تا شعر نمبر ۳۸۴۔
چوتھے عظیم سچ کے اشٹانگ مارگ یا ہشت پہلو راستہ کے آٹھ ارکان، صحیح نصب العین، صحیح قول و گفتار، صحیح عمل، صحیح رزق، صحیح کوشش، صحیح ہوشیاری اور صحیح مراقبہ، کی تفصیلات دنیا کے بڑے مذہب حوالہ بالا از ص ۹۳ تا ص ۹۸ دیکھنی چاہیئے۔ جب کوئی عنصر مستقل نہیں تو پھر "چیزے نیست"۔ یہی حفاظت ضروری ہے کہ بار بار کی پیدائش و موت کی دسواری سے نجات (مکتی) ملے۔

رقاصہ (۶۱)

۳۸۵ - فرصتِ کشمکش مدہ این دلِ بیقرار را — یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را
از تو درونِ سینہ ام برقِ تجلیٔ کہ من — با مہ و مہر دادہ ام تلخیٔ انتظار را
۳۸۷ - ذوقِ حضور در جہاں رسمِ صنم گری نہاد — عشق فریب می دہد جانِ امیدوار را
تا بفراغِ خاطرے نغمۂ تازہ زنم — باز بہ مرغزار دہ طائرِ مرغزار را
۳۸۹ - طبعِ بلند دادۂ، بند ز پائے من کشا — تا بہ پلاسِ تو دہم خلعتِ شہریار را
(۶۲) تیشہ اگر بہ سنگ زد این چہ مقامِ گفتگوست — عشق بہ دوش می کشد این ہمہ کوہسار را

۲۹۳ء کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ بدھ مت جو ہندوستان میں پیدا ہوا اور اپنی ابتدائی نشوونما کے بعد ہندوستان سے نکل کر ایشیا کے دوسرے ممالک میں پھیل گیا اس وقت خود ہندوستان میں ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے تقریباً ناپید ہے۔ ۲۹۴ء کلیاتِ اردو ص ۲۳۹ (بانگِ درا: نانک)۔

حواشی و تعلیقات : (41) **رقاصہ :** عوام میں گوتم بدھ اور ایک رقاصہ کا واقعہ خاصا مشہور رہا ہے جس نے ادبیات میں نظموں اور گیتوں کا روپ دھارا ٹیگور نے بھی اس حکایت کو نظم کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔ کسی مندر کی دیوداسی کو پروہتوں نے بدھ کی آزمائش کے لئے رقاصہ کے روپ میں بھیجا رقاصہ نے بدھ کو اپنے حسن اور جوانی سے لطف اندوز ہونے کی دعوت دی۔ اور بلا بھیجا۔ گوتم بدھ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ میں ہر دکھی کی آواز سنتا ہوں اور اس کے پاس چل کر جاتا ہوں لیکن تمہارے پاس آنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بدھ نے اس موقع پر اسے ماتا کہہ کر پکارا جو اسے سخت ناگوار گزرا۔ رقاصہ کچھ عرصہ بعد بیمار ہو گئی یا کوئی ایسی بیماری لاحق ہوئی کہ حسن و خوبصورتی جاتی رہی اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ اب اس کے چاہنے والا کوئی بھی نہ رہا۔ اور وہ خستہ و زار و بیمار سڑک کے کنارے لیٹ رہی۔

اتفاق سے بدھ کا گزر وہاں سے ہوا (بدھ مت کے پیروؤں کے عقیدہ میں ایسا اتفاقاً تو نہ تھا) بدھ اس کے قریب گیا اور باوجود اس کے کہ رقاصہ کا چہرہ بیماری اور مصیبتوں نے مسخ کر دیا تھا بدھ نے اسے پہچان لیا اس کے چرن چھوئے اور کہا ماتا! میں نے وعدہ کیا تھا کہ جب تمہیں میری واقعی ضرورت پڑی میں حاضر ہو جاؤں گا (ایسے میں اس ملاقات کو اتفاقی نہیں کہا جا سکتا)۔ ٹیگور نے نظم یہیں ختم کر دی ہے۔

لیکن روایت میں ہے کہ رقاصہ نے توبہ کی اور اسے صحت مل گئی۔ بدھ نے اسے بھکشوؤں کے گروہ میں شامل کر دیا۔ پہلے اگرچہ بدھ اس بات کے خلاف تھا کہ عورتوں کو بھکشو بننے کا موقع دیا جائے لیکن (شاید اس واقعہ کے بعد) وہ بتدریج اس بات کی طرف مائل ہو گیا کہ عورتوں کو بھی اس نظام میں شامل ہونے اور بدھ بننے کا موقع اور اجازت ملنی چاہیئے۔۔۔

----- علامہ اقبال نے واقعہ کی جو صورت نقل کی ہے اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ رقاصہ نے بدھ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسی وقت توبہ کر لی تھی ۹۵؎

جاوید نامہ کے شارح مرحوم پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے رقاصہ کی تعبیر میں اس طرح کی ہے

"۱۔ گوتم بدھ کی اخلاقی تعلیمات جب یا اس کے مواعظ سن کر "رقاصہ" نے جو در اصل انسان کی مادی یا بہیمانہ زندگی (نفس امارہ) کی مظہر (نمائندہ) ہے۔ اپنے افعال بد سے توبہ کر لی۔

۲۔ چونکہ بودھ دھرم رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے اس لئے اقبال نے اس کے مقابلے میں زنِ رقاصہ کو پیش کیا ہے جو مسلکِ رہبانیت کی ضد ہے یعنی دنیاوی عیش اور جسمانی لذات کی نمائندہ ہے ۹۶؎

۹۵؎ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد صفحہ ۸۴ تا صفحہ ۸۶ بحوالہ تاریخ ہندوستان مور لینڈ، اور بدھ ازم (انگریزی) ہمفریز - پول یکس ۱۹۵۲ء۔

۹۶؎ شرح جاوید نامہ چشتی صفحہ ۹۶۷/۹۷۴ اور صفحہ ۹۹ علی الترتیب

یہ غزل بھی زبورِ عجم حصہ اول میں شامل ہے غزل نمبر ۴۸ - غزل کے کسی شعر کو رباعی کی طرح سے تعبیر کرنا مشکل ہے جیسا کہ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے لکھا لیکن گوتم کے وعظ پر نظر ہو تو رباعی کا "فرصتِ کشمکش مدہ" ایک طرح کی التماس نظر آتی ہے کہ جو لطف طلب کیا جا رہا ہے " اس کا حصول اُدھر سے بھرپور توجہ " ہی سے حاصل ہوگا۔ لہٰذا زلفِ دوتا کو ایک دو شکن اور دے کر دلِ بیقرار کی حالتِ کشمکش، ختم کی جائے۔ دل کو مزید کسا جائے اور اپنی نگاہِ توجہ سے نوازا جائے۔ یہ التجائیں توجہ ہی کی غماز ہیں۔

شعر نمبر ۳۸۷: خوئے انساں بت پرست و بت گرے — ہر زماں در جستجوئے پیکرے

اسی لئے کہ یہ "محسوس" سے تسکین پاتا ہے۔ علامہ نے کعبۃ اللہ کو "مرکزِ محسوس" اسی لئے لکھا [رموزِ بے خودی میں]۔ **شعر نمبر ۳۸۸: مرغ زار:** سبزہ زار، مرغ: دوب، تازہ ہری گھاس

شعر نمبر ۳۸۹: پلاس: ٹاٹ۔

(۶۲) تلمیح ہے عشقِ **فرہاد** سے۔ شہنشاہ خسرو پرویز کی بیٹی شیریں کا عاشق فرہاد، وصلِ شیریں کی کڑی شرط، کوہِ بیستون کو کاٹ کر نہر بہانا، صرف تیشے سے پوری کر دی۔ گل زمان عاجز لنگوی فرماتے ہیں ~

بے پناہ قوت ہے عشقِ بے سر و ساماں میں — ہاتھ میں تیشہ نظر میں سینۂ کہسار ہے

پرویز نے جھوٹی خبر پھیلا دی کہ شیریں مر گئی۔ فرہاد نے سنی تو اسی جگہ تیشے سے سر پھوڑ کر مر گیا۔ غالب نے کہا ~

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ — سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

علامہ اقبال نے فرہاد اور پرویز کو مختلف معنوں میں استعمال کیا اور کہیں کہیں تیشۂ فرہاد کو بھی استعارہ کیا ہے اور شیریں کو مقصد سے تہذیب کا استعارہ کیا ہے۔

فرہاد کی خارا شکنی زندہ ہے اب تک — باقی نہیں دنیا میں ملوکیتِ پرویز ع۴۹۷

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو — طریقِ کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی ع۴۹۸

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ — جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی ع۴۹۹

خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرتِ پرویز — خدا کی دین ہے سرمایۂ غمِ فرہاد ع۵۰۰

گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما — لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ ع۵۰۱

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا — روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد ع۵۰۲

گلہ ہے مجھ کو زمانے کی کور ذوقی سے — سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فرہاد ع۵۰۳

ہر زمانہ بہ اسلوبِ تازہ می گویند — حکایتِ غمِ فرہاد و عشرتِ پرویز ع۵۰۴

حقِ کوہکن دادی اے نکتہ سنج — بہ پرویزِ پیرکار و نابردہ رنج ع۵۰۵

نہ ماند نازِ شیریں بے خریدار — اگر خسرو نباشد کوہکن ہست ع۵۰۶

ع۴۹۷ کلیاتِ اقبال صفحہ ۶۹۱ (ضربِ کلیم: سلطانیِ جاوید) ع۴۹۸ ایضاً صفحہ ۳۲۲ (بالِ جبریل غزل نمبر ۱۷) ع۴۹۹ ایضاً صفحہ ۲۵۹ (بانگِ درا: زندگی)
ع۵۰۰ ایضاً صفحہ ۳۹۲ (بالِ جبریل قطعہ نمبر ۵۰) ع۵۰۱ ایضاً صفحہ ۲۰۹ [بانگِ درا: تعلیم اور اس کے نتائج] ع۵۰۲ ایضاً صفحہ ۵۹۳ (ضربِ کلیم ایجاد)
ع۵۰۳ ایضاً ۶۸۸ (ارمغانِ حجاز۔ ملا ضیغم کا بیان) ع۵۰۴ کلیاتِ فارسی صفحہ ۳۳۹ (پیامِ مشرق) ع۵۰۵ ایضاً (ایضاً مزدور)
ع۵۰۶ ایضاً (پیامِ مشرق: قیصر ولیم)۔

طاسینِ زرتشت (۶۳)

آزمائش کردنِ اہرمن زرتشت را

اہرمن (۶۴)

۳۹۱- از تو مخلوقاتِ من نالاں چو نے — از تو ما را فرودیں مانندِ دے

۳۹۲- در جہاں خوار و زبونم کردہٴ — نقشِ خود و رنگیں ز خونم کردہٴ

۳۹۳- زندہ حق از جلوہ سینائے تست
مرگِ من اندر یدِ بیضائے تست

۳۹۴- تکیہ بر میثاقِ یزداں ابلہی ست — بر مرادش راہ رفتن گمرہی ست

۳۹۵- زہرہا در بادہٴ گلفام اوست — ارّہ و کرم (۶۳) و صلیب (۶۴) انعام اوست (۶۵)

۳۹۶- جز دعا با نوح تدبیرے نداشت — حرفِ آں بیچارہ تاثیرے نداشت

۳۹۷- شہر را بگذار و در غارے نشیں
ہم بہ خیلِ نوریاں صحبت گزیں

۳۹۸- از نگاہے کیمیا کن خاک را — از مناجاتے بسوز افلاک را

۳۹۹- در کہستاں چوں کلیم آوارہ شو — نیم سوزِ آتشِ نظارہ شو

۴۰۰- لیکن از پیغمبری باید گذشت — از جہاں ملّا گری باید گذشت

۴۰۱- کس میانِ ناکساں ناکس شود — فطرتش گر شعلہ باشد خس شود

۴۰۲- تا نبوت از ولایت کمتر است (۶۶) — عشق را پیغمبری دردِ سر است

۴۰۳- خیز و در کاشانہٴ وحدت نشیں
ترکِ جلوت گوے و در خلوت نشیں

حواشی و تعلیقات :

زرتشت (۶۳) : زرتشت ایران قدیم کا پیغمبر جس کا مسکن اصلاً ع میں مزدلیسنا کہلاتا ہے۔ زرتشت کے صحیفوں میں قدیم ترین کتاب گاتھا ہے۔ یہ وہی کلمہ ہے جس نے کتھا کی صورت اختیار کی ہے، اور جو گیتا کی شکل میں بھی نظر آتا ہے۔ گاتھا میں زرتشت کا نام زرتواشترہ درج ہے۔ یہ کلمہ بظاہر دو اجزا کا مرکب ہے یعنی زرت اور اشتر۔ محمد حسین صاحب مزدلیسنا اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس کلمہ کے معنی ہیں دارندۂ شتر زرد یعنی زرد اونٹوں کا مالک ہے ۵۷؎

۵۷؎ تلمیحاتِ اقبال، سید عبدالعلی عابد ص ۶۵۶، ص ۶۵۷

اس کے خسر کا نام فراشاستر تھا۔ اس کے سرپرست بادشاہ ، وشتاسپ یا گشتاسپ کے نام میں اسپ کا لاحقہ اس بات کی دلیل ہے کہ زرتشت ایک ایسے معاشرے میں پیدا ہوا تھا جس کا غالب پیشہ گلہ بانی تھا۔[۵۰۸] انسائیکلو پیڈیا برطانیکا میں زرتشت کو چھٹی صدی قبل مسیح کا بتایا گیا ہے۔[۵۰۹] محمد مظہر الدین صدیقی ساتویں صدی قبل مسیح بتاتے ہیں۔[۵۱۰] جب کہ سید عابد علی عابد قریباً گیارہ سو سال قبل مسیح ثابت کرتے ہیں۔[۵۱۱] وہ مغربی ایران (میڈیا) میں پیدا ہوا۔ لیکن اس کا مذہب بلخ کے علاقے میں پھیلا جہاں کا بادشاہ گشتاسپ اس کا پیرو ہو گیا بلخ سے زرتشت کا مذہب سارے ایران پر چھا گیا۔ ہخامنشی دور حکومت (۳۳۰ - ۵۵۰ ق م) اور ساسانی عہد (۶۴۲ - ۲۲۶ء) زرتشتیت ایک بڑی سلطنت کا سرکاری مذہب رہے ہے۔ اس دوران میں انسانوں کی ایک بڑی تعداد کے لئے فلسفۂ زندگی فراہم کرنے اور ان کی زندگی کا رخ متعین کرنے میں اس کا براہ راست حصہ رہا۔ اس کے علاوہ اپنے دور عروج میں ایک بااثر مذہبی تحریک ہونے کے لحاظ سے اپنے آس پاس کے علاقوں میں رائج مذاہب اور مکاتیب فکر پر اس کے اثرات محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ فلسفۂ زندگی اور مذہبی فکر سے متعلق بعض بہت بنیادی موضوعات مثلاً کائنات میں شر کا وجود، خیر و شر کی کشمکش انسان کی خود مختاری، اعمال کی انفرادی ذمہ داری، قیامت اور اس سے متعلق حساب کتاب اور جنت دوزخ کا تصور وغیرہ کو زرتشتیت نے خصوصی اہمیت دی اور اس سلسلے میں منطقی اعتبار سے سلجھے ہوئے اور واضح تصورات پیش کئے۔ زرتشتیت کا یہ گوناگوں خصوصیات نیز اس کے پیغمبر زرتشت کی سامی النسل پیغمبروں سے مماثلت، اس کو دنیا کی مذہبی تاریخ میں وہ اہمیت دیتی ہے کہ اس مذہب کے دور عروج کو تمام ہوئے صدیاں گزر جانے کے بعد بھی (جب کہ اس کے ماننے والے قلیل تعداد میں ہندوستان کے پارسیوں اور ایران کے گبر کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتے) اس کا مطالعہ مذاہب عالم کے طالب علم کے لئے ضروری ہے۔[۵۱۲] اور علامہ نے اپنی وقیع ترین تصنیف میں اسے دوسرے نمبر پر رکھا۔

زرتشت ۶۲۸ ق م میں پیدا ہوا اور ۵۵۱ ق م میں قتل کیا گیا[۵۱۳] اسے ایک تورانی نے جس کا نام تاریخ میں براتروک اس درج ہے قتل کیا۔[۵۱۴] اسدی نے لغت فرس میں اوستا کو زند کی تفسیر اور زند کو حضرت ابراہیم کا صحیفہ بتایا ہے شہرستانی نے بھی الملل والنحل میں اس طرف اشارے کئے ہیں۔[۵۱۵] لیکن یہ سب غلط ہے حضرت ابراہیم سامی ہیں اور زرتشت آریائی

---

۵۰۸ اسلام اور مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ محمد مظہر الدین صدیقی ایضاً ص ۴۱ ۵۰۹ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا جلد ۱۸ صفحہ ۱۱۶۹
۵۱۰ اسلام اور مذاہب عالم تقابلی مطالعہ ایضاً ص ۴۳ ۵۱۱ تلمیحات اقبال عابد ص ۴۵۸ لیکن خود زرتشتی روایت میں زرتشت کا جو عہد بتایا جاتا ہے اس کو اب عام طور پر قرین صحت سمجھا جانے لگا ہے۔ اس روایت کی رو سے زرتشت کا زمانہ سکندر یونانی سے ۲۵۸ سال قبل تھا۔ سکندر نے شہنشاہ ایران دارائے سوم کو ۳۳۰ ق م میں شکست دی اس طرح زرتشت کا زمانہ ۵۵۸ ق م کے لگ بھگ ہو گا — دنیا کے بڑے مذہب۔ عماد الحسن آزاد فاروقی ص ۱۵۸ ۵۱۲ ایضاً ص ۱۵۶ بار اول ۱۹۹۱ء ۵۱۳ ایضاً ص ۱۵۹
۵۱۴ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۴۵۸ ۵۱۵ تلمیحات اقبال عابد ص ۴۵۸

ہیں۔ حضرت ابراہیم کلدانیوں کی مملکت میں پیدا ہوئے اور زرتشت آذربائیجان میں۔ پھر حضرت ابراہیم ؑ کو حضرت موسیٰ ؑ پر تقدم زمانی حاصل ہے اور حضرت موسیٰ ؑ کا زمانہ پندرہ سو سال قبل مسیح ہے (حضرت ابراہیم ؑ کی تاریخ تولد ۱۹۹۶ ق م بتائی جاتی ہے) آخر میں یہ کہ حضرت ابراہیم طبعی موت مرے اور زرتشت کو ایک تورانی نے موت کے گھاٹ اتارا ۵۱۶

ایک مدت دراز تک جنگلوں اور بیابانوں میں بھٹکتے رہنے اور ایمان و ہدایت کی تلاش کے بعد تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں زرتشت کو خدائے واحد "اہورامزد" کا مکاشفہ حاصل ہوا دنیا کے مذہبی رہنماؤں میں یہ زرتشت کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے کلام میں بار بار خدا کے ساتھ اپنے روبرو مکاشفہ اور مکالمہ کا ذکر کرتے ہیں۔ گاتھاؤں میں زرتشت کے کلام کا کثیر حصہ خدائے واحد اہورامزد کے ساتھ ان کے سوال و جواب [دعاؤں] پر مشتمل ہے۔ اہورامزد کے ساتھ مکاشفانہ ملاقات اور اس سے براہ راست ایمان و ایقان کی دولت کے حصول کے ساتھ ہی زرتشت کے پیغمبرانہ دور کا آغاز ہوتا ہے۔ خدائے واحد کی معبودیت اور اس کی برتری پر ایمان کے ساتھ ساتھ زرتشت کو یہ ایقان بھی حاصل ہوا تھا کہ وہ خدا کے منتخب اور برگزیدہ بندے ہیں تاکہ لوگوں کو دوسرے دیوتاؤں سے موڑ کر خدائے برتر اہورامزد کی عبادت کی طرف متوجہ کریں ۵۱۷

گاتھاؤں کا محفوظ رہ جانا اوستا کے ذریعے پھیلی ہوئی بعد کی بدعات سے محفوظ تعلیمات سامنے آتی ہیں۔ زرتشت کی دینی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے متعدد اہوراؤں میں سے جن کو ایرانی پہلے سے مانتے چلے آرہے تھے اہورامزد (معبود حلیم و دانا) ہی کے معبود حقیقی اور خدائے واحد ہونے کا اعلان کیا اور اس کی ایسی صفات اور خصوصیات پیش کیں جن سے صرف اسی ایک ہستی کے مالک دو جہان اور بندگی کے لائق ہونے کا تصور بالکل واضح ہو گیا۔ گاتھا میں ایک جگہ زرتشت کہتے ہیں

"ابتداء ہی سے جب سے مجھے تیری معرفت حاصل ہوئی اے مزد! مجھے یقین کامل
حاصل ہو گیا کہ تو ہی کائنات میں فاعل مطلق ہے۔ تو ہی نیک خیال
(وہومنہ) کا مالک اور نظم کائنات (آشا وہشتا) کا خالق ہے
اور تو ہی انسانوں کے افعال کا نگران ہے" [بحوالہ آر پی مسانی دی ریلیجن آف دی گڈ لائف لندن ص ۵۲]

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں۔

---

۵۱۶ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۴۵۹

۵۱۷ دنیا کے بڑے مذہب۔ عماد الحسن آزاد فاروقی ص ۱۶۸

"میں اس کا بیان کرتا ہوں جو سب چیزوں سے بلند و بالا ہے اور نظم کائنات (ارشا وہیشتا) کے ذریعہ اسی کی حمد گاتا ہوں - وہی ہے جس کی رحمت کے سہارے تمام مخلوقات اپنی زندگی گزار رہی ہے -

اے اہورامزد! روح القدس کے واسطے سے ہماری طرف متوجہ ہو - تیری حکمت نے ہی ہمیں تیری حمد کرنا سکھایا ہے اب تو ہی ہمیں ہدایت کا راستہ دکھا" ع۵۱۸

"ایک ایسے زمانے میں جب کہ ساری انسانیت خیالی ہستیوں کی عبادت میں مبتلا تھی زرتشت نے انسان کو ایک معبودِ حقیقی کی طرف بلایا اس کا نام خالق اکبر تھا اور اس کی صفات تعداد میں چھ تھیں" ع۵۱۹

(۱) اسپنتا مینیو (روح القدس)
(۲) وہو منہ (نیک خیال)
(۳) آشا وہیشتا (راستی، نظم کائنات)
(۴) خشترا ویریہ [حکمِ اختیار اور سلطان الٰہی]
(۵) آرامیتی (عقیدت اور اخلاص)
(۶) ہوروتیات (درجۂ کمال اور بے عیبی)
(۷) امیرتتیات (بقائے دوام)

ع۵۲۰

یہ وہ اوصافِ حسنہ ہیں جو کہ بعد کو دینِ اسلام کے وہ مقرب فرشتے لگتے ہیں جن کے سپرد مختلف وظائف ہیں اور کبھی وہ خود انسانوں میں دیکھنے کی خواہش کا مظہر نظر آتے ہیں۔ گاتھا کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو

"اہورا مزد! ہم کو بھی روح القدس، اور نیک خیال کے ذریعے اور ان اعمال و اقوال کے ذریعہ جو راستی کے مطابق ہوں اور سلطانِ الٰہی اور عقیدت و اخلاص کے ذریعہ درجۂ کمال اور بقائے دوام عطا کرے" ع۵۲۱

اوستا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان زرتشتی عقائد نے جو زرتشت کے بعد رائج ہو گئے، یہودی اور عیسائی عقائد کو بھی متاثر کیا ۔۔۔۔۔۔۔۔ خصوصاً انسان کے مرنے کے بعد کی زندگی اور آخرت سے متعلق تصورات کے علاوہ ایک نجات دہندہ کا تصور۔ پل صراط ۔۔۔ روح کی ابدیت اور موت کے بعد اس کا ارضی روح سے مل جانا اور جزا و سزا کے حوالے سے دوزخ اور جنت کا تصور ع۵۲۲

ع۵۱۸ دنیا کے بڑے مذہب ایضاً ص ۱۶۳ بحوالہ آر پی مسانی دی ریلیجن آف دی گڈ لائف لندن ص ۵۵ ۱۹۳۸ء
ع۵۱۹ اسلام اور مذاہب عالم ایضاً ص ۲۲/۲۳ ع۵۲۰ دنیا کے بڑے مذہب ایضاً ص ۱۶۵ بحوالہ
ع۵۲۱ ایضاً ص ۲۶۵ بحوالہ آر سی زینر دی ڈان اینڈ ٹوائلائٹ آف زورواسٹرازم لندن ۱۹۶۱ ص ۲۷/۲۸
ع۵۲۲ اسلام اور مذاہب عالم ص ۲۶/۲۵

زرتشت کی تعلیمات کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ
خدائے حقیقی اہورا مزدا ہے۔ خیر و شر کی قوتیں دنیا میں برسرِ پیکار ہیں۔ انسان خیر کی قوتوں کی مدد سے شر پر فتح پا سکتا ہے اور اپنی روح کو ہمیشہ حیاودان عطا کر سکتا ہے انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ زندگی کی تمام نعمتوں سے بہرہ یاب ہو۔ پھلے پھولے پروان چڑھے۔ شادی بیاہ کرے۔ ایک چھوٹا سا نظام خانوادگی قائم کرے اور بڑے معاشرتی نظام کے قیام میں معاون ہو۔ ترکِ دنیا بیکار ہے اس سے انسان کی قوتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ اس کے بجائے انسان کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ دنیا کی تسخیر کرے"۔ ۵۲۳

(۶۲) اہرمن :

زرتشت کے فلسفۂ تکوین کے مطابق خیر و شر کی قوتیں دائماً برسرِ پیکار رہتی ہیں۔ خیر کے قوای امشاسپندان اور ایزدان کہلاتے ہیں۔ یزدان، ایزدان ہی کی ایک صورت ہے [دراصل جیسا کہ ظاہر ہے ایزدان، ایزد کی جمع ہے لیکن اب واحد استعمال ہوتا ہے]۔

اہرمن شر کا روپ ہے اور اس کے لغوی معنی خرد خبیث کے ہیں یعنی وہ عقل جو راہ سے بھٹک گئی۔ (ٹھیک ابلیس اور شیطان کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھٹکی ہوئی قوتِ تخلیق اور حدود و قیود سے ماورا خودی ہے]۔

مقدر ہے کہ محاربۂ خیر و شر میں اہرمن کو شکست ہو اس کا وجود اس لئے ضروری ہے کہ انسان مکلفاتِ جسم و جاں سے آگاہ ہو اور جہد و جہدِ پیہم سے خودی کی تادیب و تہذیب کرے کہ یہی اصل خیر ہے ۵۲۴

شعر نمبر ۳۹۱ : **فروردیا :** آفتاب کی برجِ حمل میں رہنے کی مدت۔ فارسی کا پہلا شمسی مہینہ جو اکتیس روز کا ہوتا ہے۔ اس کے مطابق تقریباً ہندی میں بیساکھ اور انگریزی میں ماہ مارچ ہوتا ہے [جدید لغات کشوری، سراج اللغات] **دی :** فارسی کا دسواں شمسی مہینہ جب کہ آفتاب برجِ جدی میں رہتا ہے۔ ہندی ماہ یا ماگھ اور چونکہ اس ماہ حد درجہ سردی ہوتی ہے اس لئے اس سے سرما (جاڑہ) بھی مراد لیا جاتا ہے۔ [جدید لغات کشوری، سراج اللغات] غیاث اللغات ص ۲۲۲]

شعر نمبر ۳۹۲ : بالِ جبریل کی نظم "جبریل و ابلیس" میں ابلیس، جبریل سے اس طرح مخاطب ہوتا ہے

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو ۵۲۵

نگار: علامہ [illegible] نمبر: مدیر: نیاز فتح پوری [illegible] ص ۲۲۹

---

۵۲۳ تلمیحاتِ اقبال مرتبہ عابد علی عابد ص ۶۶۶/۶۶۷ بحوالہ مزدیسنا محمد معین (فارسی) نیز زرتشت: ایران قدیم کا پیغمبر، ولیم جیکسن (انگریزی)

۵۲۴ ایضاً ص ۶۷ بحوالہ ایضاً نیز برہان قاطع۔ ۵۲۵ کلیات اردو ص ۴۳۶ (بالِ جبریل: جبریل و ابلیس)۔

اس سے یہ قیاس غلط نہیں کہ سرگزشت کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن مراد آدم و اولادِ آدم ہے۔ آگے بھی مختلف حوالوں سے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کے تاریخی واقعات کا ذکر آتا ہے۔ لہذا یہ اشارہ ہے خلافتِ آدم کی طرف جب ملائکہ نے بھی آدم کی خلافت تسلیم کر لی لیکن ابلیس اکڑ گیا اور ھٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ کیا اسے تو نے مجھ پر فضیلت دی؟ ۵۲۶ - یہ آبیٰ و استکبار اسے فَاخْرُجْ فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ کی پھٹکار کا باعث ہوا اسی کو قصۂ آدم کو رنگین کر گیا کس کا لہو؟ کہا گیا ہے -

جلوۂ سینا: سینا اس پہاڑ کو کہتے ہیں جہاں مدین سے واپسی پر حضرتِ موسیٰؑ کو روشنی نظر آئی اہلِ خانہ سے کہا ٹھہرو میں وہاں سے آگ لیتا آؤں ممکن ہے اللہ ہمیں ہدایت سے نوازے۔ لیکن جب حضرتِ موسیٰؑ وہاں پہنچے تو آواز آئی فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی: جوتے اتار دیں آپ وادی مقدس طویٰ میں ہے - میں تیرا رب ہوں۔ فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت بڑا بن بیٹھا ہے اور مخلوقِ خدا کو طبقات میں بانٹ دیا ہے — یہ جلوۂ سینا ہے - اور یہ وادی بحیرۂ قلزم کے دو شاخوں کے درمیان مصر کو جاتے ہوئے واقع ہے اسی کو وادیٔ ایمن بھی کہتے ہیں ۵۲۷

یدِ بیضا: یہیں حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کی صداقت کے ثبوت میں پیش کرنے کو دو نشانیاں بھی عطا کی گئیں پہلی نشانی [معجزہ] عصا تھا جسے زمین پر پھینکتے تو وہ اژدھا بن جاتا اور نہ صرف صورت اژدھے کی ہوتی بلکہ اس کی سیرت بھی اژدھے کی ہوتی اسی لئے تو ساحرین موسیٰ کے رب پر فی الفور ایمان لے آئے تھے وہ اہلِ حکمت و دانش تھے فوراً سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں نہ موسیٰ ساحر ہے اس لئے کہ ڈنڈا بنانے والا ہی اسے سچ مچ سانپ بنا سکتا ہے اور وہی رب ہے۔ دوسرا معجزہ یہ ملا کہ آپؑ اپنا دایاں ہاتھ بغل میں لے جاتے اور پھر نکالتے تو اس سے ضو و روشنی پھوٹنے لگتی۔ فرمانِ حمید میں اس کا ذکر یوں کیا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ فرعون کے روبرو کھڑے ہو گئے تو اس نے نشانیاں طلب کیں۔ قَالَ اِنْ کُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۞ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ۞ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ۞ ۵۲۸ بولے اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو دکھا اگر تو سچا ہے - پس (یہ سن کر) اس نے اپنا عصا پھینکا فی الفور وہ ایک کھلا اژدھا بن گیا - ہاتھ (بغل سے) کھینچا تو دیکھنے والوں کو روشن دکھائی دیا -

---

۵۲۶ الاسراء: ۶۲ ۔ ۵۲۷ قصص القرآن حصہ اول ص ۳۶۰ مولانا سیوہاروی

۵۲۸ الاعراف: ۱۰۶ تا ۱۰۸ -

شعر نمبر ۳۹۵ : **آرّہ [حضرت زکریا علیہ السلام]** حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے معزز کاہن تھے۔ قرآنِ حکیم میں آپؑ کا ذکر انبیائے بنی اسرائیل کی صف میں کیا گیا ہے۔ آپؑ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور آپؑ کی زوجہؓ حضرتِ ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں آپ بلحاظ پیشہ نجار تھے۔ حضرتِ مریم علیہا السلام آپؑ ہی کے خاندان سے تھیں اور آپؑ ہی کی کفالت میں۔ حضرت مریمؑ کے ہاں بے موسم میوے دیکھ کر رب سے اپنے لئے اولاد کی دعا کی ایک فرشتہ نے اجابتِ دعا کی خوش خبری سنائی اور حضرت یحیٰ علیہ السلام آپؑ کے ہاں پیدا ہوئے ——— اساطیر اور بنی اسرائیل کی روایات میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو آرے سے چیر دیا گیا۔ رشید الدین سلیم نے مضمون تلمیحات میں توضیح یہ بات کہی ہے علامہ نے بھی اسی مشہور ادبی تلمیح سے کام لیا ہے [529] پروفیسر چشتی نے آرّہ کو غلطی سے حضرت یحیٰ سے منسوب کیا ہے

[illegible]

(۶/۶۵) کرم [حضرت ایوب علیہ السلام] [530] حضرت ایوب علیہ السلام (۱۵۰۰ سے ۱۲۰۰ ق م) عربی النسل جلیل القدر پیغمبر تھے۔ آپؑ ایسے بیمار ہوئے کہ سب آپؑ کو چھوڑ (گئے) سوائے وفا شعار بیوی کے جو مسلسل خدمت میں مصروف رہی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے جس صبر و رضا کا مظاہرہ اس علالت کے زمانہ میں کیا وہ تاریخ انسانی میں ضرب المثل بن گیا۔ عبری زبان میں سفر ایوب نہایت عمدہ کی کتاب ہے اور گوئٹے نے فاؤسٹ لکھتے وقت اس کتاب کے مطالب سے استفادہ کیا۔ آپؑ یمن میں مدفون ہیں [531]

(۲/۶۵) صلیب [حضرت عیسیٰ علیہ السلام] ۔ انبیائے بنی اسرائیل (یہوداہ) کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے کنواری مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے آپؑ نے جھولنے ہی میں اپنی نبوت اور اپنے عبداللہ ہونے کا اعلان کیا۔ اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ آتَانِیَ الْکِتَابَ [532] آپؑ نے کچلے ہوئے عوام کے حقوق کے لئے مانگ کی۔ دین کو ایک قبیلے سے نکالا، اور بنو اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں (مظلوموں) کی تلاش میں نکلے۔ آپؑ نے یہودیوں کی بہت سی رسوم اور ظاہر پرستی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی یہودیوں نے رومی بادشاہ کو علوی بغاوت کا خوف دلا کر حضرتِ عیسیٰؑ کو مصلوب کرنے کا حکم دینے پر مجبور کر دیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری وعظ جو پہاڑی کا وعظ کہلاتا ہے آپؑ کے تبلیغی مشن کو عوام دوستی کی تحریک ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ رومی حکمران نے تو صلیب دینے کا حکم دے دیا اور یہودی مورخین سمجھتے تھے کہ ان کا دشمن مصلوب ہوا لیکن قرآنِ حکیم کا ارشاد مختلف ہے۔ **وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا**

---

[529] تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۲۲۶-۲۲۸ بحوالہ قصص القرآن حصہ دوم تاریخ امادات سلیم : تلمیحات از رشید الدین سلیم

[530] قصص القرآن سیوہاروی

[531] تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۳۷۷ بحوالہ مطالب اقبال مقبول الٰہی فیروز سنز لاہور ۱۹۸۲

[532] مریم : ۳۰

صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۵۳۳ نصاریٰ نے اسی کو نجات دہندہ قرار دے کر اس کے واپس آنے کو سہارا بنایا اور آپ کی مفروضہ موت کو [جیسے وہ مردوں میں سے جی اٹھنے کی صورت دیتے ہیں] گناہگاروں کے طرف سے کفارہ بنادیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول ثانی پر اہل اسلام بھی اسی طرح یقین رکھتے ہیں دمِ عیسیٰ ہو یا معجزات جن کی رو سے آپؑ اللہ کے حکم سے اندھوں کو بصارت دیتے تھے۔ کوڑھیوں کو شفا بخشتے تھے اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اردو فارسی عربی ادبیات کا جزو بن گئے ہیں ۵۳۴ **نوح** علیہ السلام کی دعوتِ توحید کو عوامی اقتدار سے تعبیر کیا گیا اکابرینِ قوم عوام الناس کو سمجھاتے کہ تمہارے طبقے کا [عوامی] آدمی تم پر بڑا بننا چاہتا ہے اس کی آواز پر کان مت دھرنا ورنہ انتہائی نقصان اٹھاؤ گے بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ [المؤمنون:۲۴] حضرت نوح علیہ السلام پریشان ہوئے تو اللہ نے تسلی دی پریشانی کی ضرورت نہیں جو ایمان لانے والے تھے ایمان لاچکے باقی ہدایت پر آنے والے نہیں سلئے اب حضرت نوحؑ نے بددعا فرمائی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۵۳۵ میرے رب زمین پر ان کی ایک بستی بھی نہ چھوڑ اس لئے کہ پھر تو یہ کافر و فجار ہی کو جنم دیں گے۔ اللہ نے عالمگیر طوفان سے سب کا صفایا فرمایا۔ علامہ کے زیر بحث شعر میں انہوں نے اسی بددعا کی طرف اشارہ کیا ہے

شعر نمبر ۳۹۷ تا ۴۰۱ :

در غار نشیں: زرتشت میں " انسان کے اپنے اعمال کے مطابق مرنے کے بعد اچھے یا برے بدلہ کا تصور بھی زندگی میں اس کے اچھے یا برے کام کرنے کی آزادی کے ساتھ وابستہ تھا پھر دوسری طرف زرتشت کا رویہ زندگی کی طرف سرتاسر منفی نہیں ہے۔ وہ اس دنیا کو شر یا مصائب کی آماجگاہ کہہ کر دنیا سے فرار کی تعلیم نہیں دیتے۔ آہورا مزد کی پرستش کے ساتھ ساتھ زرتشت اس خیر و شر کی رزمگاہ یعنی دنیا میں انسان کو خیر کا حامی بن کر شر کے ساتھ جنگ میں پورا حصہ لینے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس طرح زرتشت کے نزدیک انسان اپنی دنیاوی زندگی میں اخلاقی اعتبار سے اچھی زندگی گزار کر ہی اہورا مزد کی خوشنودی اور مرنے کے بعد سعادت کی زندگی (بہشت) حاصل کر سکتا ہے " ۵۳۶

" زمین کی کاشت اور جانوروں کی پرورش زردشتی تعلیم میں بہت بڑی نیکیاں شمار ہوتی ہیں۔ وشتاسپا کو زردشتی عقیدہ سے جو مناسبت پیدا ہوئی اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ زردشت نے کاشتکاری کو مذہبی اہمیت دی اور محنت و کارگزاری کو ثواب کے کاموں میں شمار کیا۔ اس طرح اس نے ایک محنتی، دیانتدار اور خوشحال معاشرہ کی تخلیق کے لئے راہ ہموار کر دی تھی " ۵۳۷

---

۵۳۳ النسآء: ۱۵۷ — ۵۳۴ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۲۶۳

۵۳۵ نوح: ۲۶ — ۵۳۶ دنیا کے بڑے مذاہب (زرتشت) ص ۱۷۸/۱۸۰

۵۳۷ اسلام اور مذاہب عالم تقابلی مطالعہ ص ۶۴

جب ایک طرف خیر و شر کی کشمکش میں خیر کی حمایت میں شر کے خلاف جنگ دستورِ حیات ہو اور محنت، کارکردگی کھیتی باڑی مذہب کا جزو قرار پائیں جو پیغمبرانہ زندگی کا خاصہ ہیں دوسرا رخ — رہبانیت۔ ترکِ دنیا، گوشہ نشینی اور

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند — آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند ؟

جیسے راہبانہ نسخہ ہائے کیمیا ہے اور بے عمل زندگی کی خشک اور بے مغز دعاؤں سے افلاک کو ہلا دینے کی نصیحتیں کیوں نہ کرے؟ بلاشبہ موسیٰ کلیم اللہؑ کی طرح [قوم کو لے کر] کہستانوں میں آوارگی کی زندگی گزارو اور جلوۂ ربانی سے نیم سوختہ جانی سے رہو — لیکن پیغمبرانہ روش اور ملّا گری سے دور رہو۔ معاشرتی زندگی میں ناکسوں کی کثرت، کس کو بھی ناکس کر دیتی ہے

شعر نمبر ۴۰۲ : نبوت وولایت (۶۶) : اُس میں بھی تصوف کے نکتۂ خاص کی طرف اشارہ ہے جو مرتبۂ نبوت کو ولایت سے بغایت کمتر دکھاتا ہے۔ علامہ نے اس نظریے کو اہرمنی عقیدہ بتایا ہے۔ شاید اسی خاطر شارحِ جاوید نامہ پروفیسر محمد یوسف چشتی مرحوم نے اس بند کو انتہائی سرسری لیا ہے کہ وہ تو قدم قدم پر اس کوشش میں مصروف نظر آتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر علامہ کو اُس وحدت الوجود کا قائل ثابت کریں جس نے ولایت کو نبوت پر فوقیت دینے کی جرأت کی اور لکھ دیا اَلْوِلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ —— اس لئے کہ نبوت و رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی اور وہ اسم باقی نہ رہا جو صرف عبدِ کامل پر کہا جاتا ہے اور حق تعالیٰ پر اس کا اطلاق نہیں کیا جاتا [یعنی اللہ کو رسول یا نبی نہیں کہا جا سکتا] لیکن وَلِیّ تو اللہ کا بھی اسم ہے۔ اللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوا - اللہ ایمانداروں کا ولی ہے۔ ھُوَ الوَلِیُّ الحَمِید وہ لائقِ تعریف ولی ہے ----- پس اگر کسی اہل اللہ سے سنو یا کسی سے یہ قول نقل کیا جائے اَلوِلَایَۃُ اَعلیٰ مِنَ النُّبُوَّۃِ تو اس کے معنی وہی ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں" ۵۳۸

یعنی پیغمبر کی حیثیتِ قرب و معیت اور علم و معرفت، حیثیتِ تبلیغ و ناموس و احکام سے اعلیٰ ہے۔ اس سے ایک ہی شخص کی دو حیثیتیں، دو اعتبار مراد ہیں۔ یعنی رسول اس لحاظ سے کہ وہ ولی مقربِ درگاہِ عزت ہیں، اس لحاظ سے کہ نبی و رسول ہیں اعلیٰ و افضل ہیں" ۔ ایضاً -

یہ تاویل بجائے خود مصداق ہے عذرِ گناہ بدتر از گناہ کہ خود نبیؐ کی شخصیت کو دولخت کر دیا گیا اور اس سے بھی افضلیتِ درجۂ ولایت واضح اور بیّن ہے۔ اسی حوالے سے تو ایک فرقہ کے لوگ حضرتِ خضرؑ کو حضرت موسیٰؑ پر تفوق دے کر، اول الذکر کی ولایت ثابت کرتے اور رسالتِ موسوی پر اس کی فضیلت کو مثال بناتے ہیں

---

۵۳۸ فصوص الحکم، شیخ ابن عربی ص ۲۲۵/۲۲۴ [فص عزیریہؑ] اردو ترجمہ مولانا عبدالقدیر صدیقی - نذیر سنز پبلشرز لاہور ۱۹۸۸ء - نیز خصوص الکلم فی حل فصوص الحکم - مولانا اشرف علی تھانوی ص ۸۶ مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون (نذیر سنز پبلشرز - لاہور) بار اول اگست ۱۹۲۸

اور اسی خاطر علامہ نے اسے "اہرمنی عقیدہ" کے طور پر پیش کیا ۔ اور اسی لئے
شعر نمبر ۴۰۳: اہرمن زرتشت کو "کاشانۂ وحدت" [وحدت الوجود] میں
خلوت نشین ہو کر معاشرتی زندگی کے بجائے ۔ تجرد و تفرید اختیار کرنے کی راہ دکھاتا ہے۔

زرتشت

۴۰۴ — نور دریائے ست ظلمت ساحلش — ہم چو من سیلے نزاد اندر دلش
اندرونم موجہائے بے قرار — سیل را جز غارت ساحل چہ کار؟
نقش بے رنگے کہ او را کس ندید — جز بخون اہرمن نتواں کشید

۴۰۷ — خویشتن را وا نمودن زندگی ست
ضرب خود را آزمودن زندگی ست

۴۰۸ — از بلاہا پختہ تر گردد خودی — تا خدا را پردہ در گردد خودی
مرد حق بیں جز بحق خود را ندید — لا الہ می گفت و در خوں می تپید
عشق را در خوں تپیدن آبروست — ارہ و چوب و رسن عید من اوست

۴۱۱ — در رہ حق ہر چہ پیش آید نکوست
مرحبا نامہربانیہائے دوست

۴۱۲ — جلوۂ حق چشم من تنہا نخواست — حسن را بے انجمن دیدن خطاست
۴۱۳ — چیست؟ خلوت سوز و درد و آرزوست — انجمن دید است خلوت جستجوست
عشق در خلوت کلیم اللّہی است — چوں بجلوت می خرامد شاہی است
خلوت و جلوت کمال سوز و ساز — ہر دو حالات و مقامات نیاز
چیست آں؟ بگذشتن از دیر و کنشت — چیست ایں؟ تنہا نہ رفتن در بہشت
گرچہ اندر خلوت و جلوت خداست — خلوت آغاز است و جلوت انتہاست
گفتہ ای پیغمبری درد سر است — عشق چوں کامل شود آدم گر است

۴۱۹ — راہ حق با کارواں رفتن خوش است
ہمچو جاں اندر جہاں رفتن خوش است

حواشی و تعلیقات: شعر نمبر ۴۰۴ تا شعر نمبر ۴۰۷: مراد یہ کہ زندگی اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا نام ہے ۔ حق (نور) کی مثال دریا کی ہے اور ظلمت اس دریا کا ساحل ہے ۔ اور مرد کامل دریا کی طغیانی ہے ۔ اگر سیل دریا کنارے نہ بہا کر لے جائے تو اسے کون سیلاب کہے گا ۔ مرد کامل دریائے حق کا سیل ہے جس کے اندر موجیں بے قرار رہتی ہیں ۔ وہ نقش جس کا کوئی رنگ نہیں خون اہرمن سے

سے کھینچا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اپنی "ضربِ براہمن" کو آزمانا زندگی ہے۔ گوشہ نشینی نہیں۔

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی ۵۳۹

چو موج مستِ خودی باش و سر بطوفاں کش
ترا کہ گفت کہ بنشیں و پا بہ داماں کش ۵۴۰

چوں حیاتِ عالم از زورِ خودی ست
پس بقدرِ استواری زندگی ست ۵۴۱

شعر نمبر ۴۰۸ تا شعر نمبر ۴۱۱:

خودی میں ڈوب زمانے سے نا امید نہ ہو
کہ اس کا زخم ہے درپردہ اہتمامِ رفو ۵۴۲

غلامِ ہمتِ آں خود پرستم
کہ با نورِ خودی بیند خدا را ۵۴۳

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ ۵۴۴ (مرصاد العباد صفحہ ۱۰۹) انبیاء کرام علیہم السلام کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ اجمعین بھی میدانِ جہاد میں جب مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہونے والے ہوتے تو خونِ شہ رگ چہرے پہ مل کر پکار اٹھتے فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ ۵۴۵ ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ عاشق فرہاد و مجنوں بھی ہوں تو جھیل لیتے ہیں جن کے سر جیسی بھی آن پڑے۔ لیکن گروہ انبیاء کو تو یہ سب مصائبِ عید کی خوشیوں جیسی خوشی دیتے ہیں کہ از سہ رشتہ ای در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست ان کا شعار ہوتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو ان سے زیادہ رس فرمان باری تعالیٰ کو جاننے اور ماننے والا اور کون ہو سکتا تھا۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَلْتَمِسْ رَبًّا سِوَائِیْ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو انسان میرے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اور میری بھیجی ہوئی مصیبت پر صبر نہیں کرتا اسے میرے سوا کوئی اور رب تلاش کر لینا چاہیئے ۵۴۶

---

۵۳۹ کلیات اقبال اردو صفحہ ۲۵۹ [بانگِ درا، خضرِ راہ: زندگی] ۵۴۰ کلیات اقبال فارسی صفحہ ۴۶۲ [زبورِ عجم غزل نمبر ۱۱]
۵۴۱ ایضاً صفحہ ۱۵ [اسرارِ خودی: در بیان اینکہ حیات خودی از تخلیق و تولید مقاصد است] ۵۴۲ کلیات اقبال اردو صفحہ ۵۲۶ [ضربِ کلیم: ...]
۵۴۳ کلیات فارسی صفحہ ۲۳۷ [پیامِ مشرق: نمبر ۱۲۸]۔ ۵۴۴ شرح نہج البلاغہ ج۲، کتب حضرت علی سے منسوب، کنوز الحقائق ...
۵۴۵ حکایات صحابہ صفحہ ۱۲۶، فتح الودیت ... ۵۴۶ احادیث مثنوی: ڈاکٹر بدیع الزمان فروزانفر صفحہ ۱۱۰ بحوالہ جامع صغیر ج ۲ صفحہ ۸۰، شرح تعرف ج ۲ صفحہ ...، کنوز الحقائق، صفحہ ۸۹

موضوع ہے۔ لیکن مؤلف اللؤلؤ المرصوع (صفحہ ۸۶) نے ابن تیمیہ کی روایت سے اسے موضوع قرار دیا ہے (احادیث مثنوی۔ بدیع الزمان فروزانفر صفحہ ۲۲۴) [تحت شعر مثنوی معنوی: بہر ایں پیغمبر آن را شرح ساخت کہ ہر کہ خود بشناخت یزدان را شناخت]

شعور نمبر ۲۱۲ پروفیسر صغیر احمد جان دہلوی مرحوم نے کس سادگی سے کہا ہے۔

۵۲۷

تنہا نہ پی کہ مشربِ رنداں میں ہے حرام   دو چار بندگانِ خدا کو بلا کے پی

علامہ اقبال نے پانچواں خطبہ (اسلامی ثقافت کی روح) "محمد عربی بر فلک الافلاک رفت و باز آمد۔ واللہ اگر من رفتمے باز نہ آمدے"، پر تنقید سے شروع کیا ہے جس میں شعور ولایت اور شعور نبوت کا فرق واضح کیا ہے۔ اہرمن نے زرتشت کو ورغلاتے ہوئے ولایت کو نبوت پر فوقیت جتائی اور تجرید و تفرید کی راہ دکھائی تو زرتشت کی زبانی علامہ یہ جواب نقل کرتے ہیں وہ اپنے خطبہ میں لکھتے ہیں

"صوفی کے لیے تو لذتِ اتحاد ہی آخری چیز ہے لیکن انبیاء کے لیے اس کا مطلب ہے، ان کی اپنی ذات کے اندر کچھ اس قسم کی نفسیاتی قوتوں کی بیداری جو دنیا کو زیر و زبر کر سکتی ہیں اور جن سے کام لیا جائے تو دنیائے انسانی دگرگوں ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انبیاء کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان واردات کو ایک زندہ اور عالمگیر قوت میں بدل دیں گویا اُن کی بازآمد ایک طرح کا عملی امتحان ہے۔ ..... لہٰذا انبیاء کے مذہبی مشاہدات اور واردات کی قدر و قیمت کا فیصلہ ہم یہ دیکھ کر بھی کر سکتے ہیں کہ اُن کے زیر اثر کس قسم کے انسان پیدا ہوئے۔ علیٰ ہذا یہ کہ تہذیب و تمدن کی وہ کیا دنیا تھی جس کا ظہور ان کی دعوت سے ہوا" ۵۲۸

ایسے میں "دیر" بے انجمن ہو تو اثر پذیری معلوم!۔

شعور نمبر ۲۱۳ تا ۲۱۹: علامہ نے خلوت کو اپنی ذات کے اندر کچھ اس قسم کی نفسیاتی قوتوں کی بیداری سے تعبیر کیا ہے جو دنیا کو زیر و زبر کر سکتی ہیں۔ یہی جستجو ہے یہی سوز و دردِ آرزو ہے اور جلوت کو ذاتی مشاہدات و واردات کو حقائق کی دنیا میں خارجاً مشہود و متشکل دیکھنے کی عملی کوشش کہا ہے۔ پس خلوت اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے تو جلوت کلیم الٰہی کی بادشاہت اور حکمرانی ــ خلوت اگر دیر و کنشت سے ورا ہوتا ہے تو جلوت سب کو اپنے ساتھ بہشت میں لے جانا۔ یہ دونوں حالات و مقامات نیاز و عجز ہیں۔ کسی ایک کا ہو رہنا ناکمل اور ناقص رہ جاتا ہے۔ خلوت ابتدا ہے تو جلوت انتہائے کمال۔ اور عشق کا یہی مظہر کمال ــ آدم گری کی صفات سے متصف ہوتا ہے۔ اس لئے تیرا پیمبری کو دردِ سر کہنا نامناسب ہے۔ مقام بلند کو دردِ سر نہیں کہا جا سکتا ــ راہِ حق میں سب کو لے کر چلنا ہی پر لطف ہے۔ جہاں ترکِ دنیا کا تعلق ہے جان میں روح کی طرح ــ اس جہان میں رہنا زیادہ مناسب ہے ــ حقیقت یہ ہے کہ کہ دینی رہنماؤں کی تاویلات سے قطع نظر، انبیائے برحق علیہم السلام کی تعلیمات میں ترکِ دنیا اور زاویہ گیری کا کوئی تصور نہ تھا۔ نبوت تو معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کا نام ہے۔ توحید کا عقیدہ

---

۵۲۷ [مجلہ کاغان فروری ۱۹۵۹ء گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد جان پہچان (صغیر احمد جان صغیر دہلوی) شناسا کے قلم سے]

۵۲۸ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۱۸۹ [اردو ترجمہ سید نذیر نیازی]

[illegible] تو کار نبوت دیا۔ حضرت نوح ؑ کو جب ایک عامی شخص کہہ کر ہوس اقتدار و اختیار کا طعنہ دیا گیا اور [illegible] بھی کہا گیا کہ تیرے ساتھ ہمارے اراذل والفقار کے علاوہ ہے اور کون تو جواب صرف اتنا ملا میں اہل ایمان کو اپنی چھوڑ سکتا اور نہ تمہاری یہ بات اور نظریہ مان سکتا ہوں کہ تمہارے ان اراذل (عوام الناس) کو اللہ نے خیر " (اختیار) سے محروم رکھا ہے۔ اگر میں تمہارا موقف مان لوں تو اسی وقت ظالموں میں شامل ہو جاؤں گا ع ۵۴۹ حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا منصب نبوت ان مستضعفین (عوام الناس) کو وارث اختیار بنانا تھا ع ۵۵۰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو سزائے موت (مصلوب کئے جانے) کا حکم پہاڑی کے جس آخری وعظ کے بدولت سنایا گیا وہ عوام کے لئے بنیادی حقوق کے مطالبہ پر مبنی تھا۔ (۶۷) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاق مدینہ کو مشاورت عامہ پر اور معاشرتی زندگی کو مساوات پر استوار فرما کر اس دینی ضابطہ حیات کو معاشرتی و معاشی ہر پہلو سے عملی زندگی میں نافذ کر کے دکھایا۔ اس نے "مذہب اور دین" کی جدائی ناقابل تسلیم ہے۔ اسلام نے جہاں لَا رَهْبَانِيَّةَ وَلَا تَبَتُّلَ فِي الْإِسْلَامِ ۵۵۱ کہہ کر زاویہ گیری کی [illegible] ختم کر دیا وہاں جہاد کو اس امت کی رہبانیت ۵۵۲ بنا کر۔ کام کام اور صرف کام کو دو حیات قرار دے دیا لہٰذا اسلام کا نظام ہر حوالے سے برحق اور منشائے ربانی کے مطابق ہے۔ [illegible] راہ حق با بکاروان رفتن خوش است ❊ ہمچو جاں اندر جہاں رفتن خوش است
[illegible] عشق کامل کا ثبوت ہے کہ ❊ [illegible] چوں کامل شود آدم گر است

مسلمات جوابی (۶۷) پہاڑی کا وعظ :

"جب ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئیں گے تب وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا۔ اور سب قومیں اس کے سامنے جمع ہوں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا جیسے چرواہا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے۔ بھیڑوں کو اپنے داہنے اور بکریوں کو بائیں کھڑا کرے گا۔ اس وقت بادشاہ اپنی داہنی طرف والوں سے کہے گا آؤ میرے باپ کے مبارک لوگو! جو بادشاہی بنائے عالم سے تمہارے لئے تیار کی گئی ہے اسے میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اتارا۔ ننگا تھا۔ تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ بیمار تھا تم نے میری خبر گیری کی۔ قید میں تھا تم میرے پاس آئے۔ تب راستباز جواب میں اس سے کہیں گے" اے خداوند! ہم نے تجھے بھوکا دیکھ کر کھانا کھلایا پیاسا دیکھ کر پانی پلایا۔۔۔۔۔۔۔ بادشاہ جواب میں ان سے کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی کے ساتھ یہ سلوک کیا تو میرے ساتھ ہی کیا۔ پھر وہ بائیں طرف والوں سے کہے گا اے ملعونو! میرے سامنے سے اس ہمیشہ کی آگ میں چلے جاؤ جو ابلیس اور اس کے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ پردیسی تھا تم نے مجھے گھر میں نہ اتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔۔۔۔۔۔۔ تب وہ بھی جواب میں کہیں گے اے خداوند! ہم نے کب تجھے بھوکا یا پیاسا یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قید میں دیکھ کر تیری خدمت نہ کی؟ اس وقت وہ ان سے جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے ان سب چھوٹوں میں سے کسی کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا تو میرے ساتھ نہ کیا اور یہ ہمیشہ کی سزا پائیں گے مگر راستباز ہمیشہ کی زندگی ۔۔۔۔۔۔۔۔ اس وقت سردار کاہن اور قوم کے بزرگ کائفا نام سردار کاہن کے دیوان خانہ میں جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ یسوع کو فریب سے پکڑ کر قتل کریں ۔۔۔۔" ۵۵۳ پھر یسوع کے لئے صلیب تجویز ہوئی انہوں نے رومی حکمران کی وساطت سے ذلت کی موت دینا چاہی۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۔ لیکن اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔ ابن آدم ۔ وہ نجات دہندہ ہے جس کا وہ قوم انتظار کر رہی تھی اور آج بھی جس کا انتظار حضرت عیسیٰ کے نزول ثانی کے نام پر کیا جاتا ہے۔ اہل اسلام بھی ایک مہدی موعود کے منتظر ہیں جس کا یَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا [illegible] (دولت کی منصفانہ مساویانہ تقسیم) جس کی پہچان بتائی جاتی ہے تاہم اس منشور کو [illegible] نکلا [illegible] مطلوب ہوا [illegible] آدم گری کے اسی مشغلہ میں حقیقی [illegible] نظام [illegible] [illegible] قرآن نے پیغمبر کی زبانی مسلمانوں نے اسی حقیقت کو واضح کیا ہے۔

ع ۵۴۹ ھود : ۳۱ ع ۵۵۰ القصص : ۵ ع ۵۵۱ احادیث مثنوی، بحوالہ مرقات روز مرہ ص ۲۷۵ بحوالہ نہایہ ابن اثیر ج ۲ ص ۵۹
۵۵۲ علیکم بالجہاد فانہ رہبانیۃ امتی : ایضاً بحوالہ نہایہ ابن اثیر ج ۲ ص ۱۱۳ بحوالہ سفینۃ البحار ج ۱ ص ۵۲۰۔
۵۵۳ کتاب مقدس۔ نیا عہد نامہ متی کی انجیل۔ باب ۲۵۔ آیات ۳۱ تا باب ۲۶ آیات ۴ ۔

طاسینِ مسیحؑ (۶۸)

رؤیای حکیم طالسطائی (۶۹)

۲۰۴ - درمیان کوهسار هفت مرگ ، ا ‌ ‌ وادیی بی طایری بی شاخ و برگ
تابِ مه از دودِ او گردد چو قیر ‌ ‌ آفتاب اندر فضایش تشنه میر
رودِ سیمابی اندران وادی روان ‌ ‌ خم بخم مانندِ جوی کهکشان
پیشِ او پست و بلندِ راه هیچ ‌ ‌ تند سیر و موج موجش پیچ پیچ
غرق در سیماب مردی تا کمر ‌ ‌ با هزاران ناله‌های بی اثر
تهمتِ او ابر و باد و آب نی ‌ ‌ تشنه و آبی بجز سیماب نی
برکران دیدم زنی نازک تنی ‌ ‌ چشمِ او صد کاروان را رهزنی
کافری آموزِ پیرانِ کنشت ‌ ‌ از نگاهش زشت خوب و خوب زشت
گفتمش تو کیستی نامِ تو چیست؟ ‌ ‌ این سراپا ناله و فریاد کیست؟
گفت در چشمم فسونِ سامری ست ‌ ‌ نامم افرنگین و کارم ساحری ست
ناگهان آن جوی سیمین یخ ببست ‌ ‌ استخوانِ آن جوان در تن شکست
بانگ زد ای وای بر تقدیرِ من! ‌ ‌ وای بر فریادِ بی تاثیرِ من!
گفت افرنگین "اگر داری نظر ‌ ‌ اندکی اعمالِ خود را هم نگر!
پورِ مریمؑ آن چراغِ کائنات ‌ ‌ نورِ او اندر جهات و بی جهات
(۷۰) آن ملاطوس آن صلیب آن روی زرد ‌ ‌ زیرِ گردون تو چه کردی او چه کرد!
ای بجانت لذتِ ایمان حرام ‌ ‌ ای پرستارِ بتانِ سیمِ خام

قیمتِ روح القدس نشناختی
تن خریدی نقدِ جان درباختی

طعنهٔ آن نازنینِ جلوه مست ‌ ‌ آن جوان را نشتر اندر دل شکست
گفت ای گندم نمای جو فروش! ‌ ‌ از تو شیخ و برهمن ملت فروش

عقل و دیں از کافری ہائے تو خوار — عشق از سوداگری ہائے تو خوار!
مہر تو آزار و آزار نہاں — کین تو مرگ است و مرگ ناگہاں
صحبتے با آب و گل ورزیدۂ — بندہ را از پیش حق دزدیدۂ
حکمتے کو عقدۂ اشیاء کشاد — با تو غیر از فکر چنگیزی نداد
وائے آن مردے کہ صاحب جوہر است — جرم تو از جرم من سنگین تر است
از دم او رفتہ جاں آمد بہ تن — از تو جاں را دخمہ می گردد بدن
آنچہ ما کردیم با ناسوت او — ملت او کرد با لاہوت او

مرگ تو اہل جہاں را زندگی ست!
باش! تا بینی کہ انجام تو چیست!''

حواشی و تعلیقات :

(۶۸) مسیح [حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام] ملاحظہ ہو حاشیہ شعر نمبر ۳۹ تعلیقہ نمبر ۶۵ —

(۶۹) لیو ٹالسٹائی LEO TOLSTOY ۔ روس کا وہ عظیم افسانہ نگار جس کو پوری دنیا میں یکساں طور پر تسلیم کیا گیا۔ بحیثیت مصلح وہ تعلیم کے ذریعے انقلاب اور ترقی کا خواہشمند تھا۔ وہ غیر طبقاتی نظام معاشرہ کا داعی تھا لیکن مارکسزم کے برعکس ایسا معاشرتی نظام جس میں تشدد کو جڑ سے اکھیڑ کر محبت کو بویا گیا ہو[۵۵۴] وہ یہی "عالمگیر محبت کی پیاس" تھی جس نے نظام کائنات میں 'الفت' کا عنصر دیکھنے والے مفکر علامہ اقبال سے ان الفاظ میں خراج وصول کیا۔

"ٹالسٹائی بن جانا آسان نہیں ہے۔ زمین سورج کے گرد لاکھوں چکر لگاتی ہے
تب کہیں جا کر ایک ٹالسٹائی پیدا ہوتا ہے"[۵۵۶]

حکیم ٹالسٹائی، یسنایا (Yasnaya) [ملک روس] میں ایک متمول خاندان کے فرد کاؤنٹ ٹالسٹائی کے ہاں ۲۸ اگست ۱۸۲۸ء یا ۹ ستمبر کو پیدا ہوا۔ یہ گاؤں ماسکو سے ۱۶۰ کلومیٹر دور جنوب میں واقع ہے۔ بچپن ہی میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور قریبی رشتہ داروں نے پرورش کی سولہ سال کی عمر میں قازان یونیورسٹی میں داخلہ لیا ۱۸۵۱ء میں خاندانی دستور کے مطابق فوج میں ملازمت اختیار کی اور ۱۸۵۵ء کی جنگ کریمیا میں حصہ لیا۔ جنگی واقعات پر مبنی ڈائری بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے۔

---

۵۵۴ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۸ ص ۲۸۶ مطبوعہ ۱۹۷۵ء
۵۵۵ مثلاً شعر: ریاض ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا — حقیقت گل کو تو جو سمجھے تو وہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا (کلیات اردو علامہ ص ۱۲۷)
۵۵۶ خطوط اقبال ص ۹۱ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (بنام مولوی انشاء اللہ خان ایڈیٹر "وطن" ۲۵ نومبر ۱۹۰۵ء از کیمبرج) نیز مقالات اقبال

جنگ کے خاتمہ پر ٹالسٹائی نے ماسکو اور پھر پیٹرزبرگ میں سکونت اختیار کی ۔ علمی ادبی سوسائٹی نے ٹالسٹائی کو وہ قدر و اہمیت دی جس کا وہ مستحق تھا ۔ ۱۸۵۷ء میں فرانس، سوئٹزرلینڈ اور جرمنی کا سفر کیا۔

۳۴ سال کی عمر [۱۸۶۲ء] میں اس نے صوفیانہ طور پر سونیا برز سے شادی کی ۔ سونیا با صوفیانہ مڈل کلاس کی ذہین خاتون تھی ۔ آخری عمر میں ٹالسٹائی کی گھریلو زندگی البتہ تلخ رہی ۔ اس نے بہت سی کتابوں کی رائلٹی بھی صرف اس وجہ سے رکوا دی کہ رائلٹی کے معاملے میں بیوی سے جھگڑا نہ ہو جائے ۔

ٹالسٹائی ڈرامہ میں آگے نہ جا سکا لیکن جو کچھ لکھا وہ "امن و جنگ" اور "اینا کیرے نینا" جیسا نہ ہی ضخیم و وسیع بھی نہیں ۔ امن و جنگ اور "اینا کیرانینا" دو ناولوں نے اسے بین الاقوامی شہرت بخشی یہ ناول عالمی سطح کے دو تین ناولوں میں سے ہیں ۔ ناول امن و جنگ ۱۸۶۶ء میں چھپا اور اینا کیرانینا ۱۸۷۷ء میں ۔

۱۸۸۰ء میں ٹالسٹائی کو سکونِ قلب کی تلاش، مذہب کی طرف راغب کرنے میں کامیاب ہو گئی اور اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا ۔ اور انجیل کی صحیح تعبیر کے شوق میں عہد نامہ جدید کا روسی زبان میں قدیم یونانی نسخوں کی مدد سے ترجمہ کیا ۔ یہ ترجمہ ونگز پریس امریکہ سے (۱۹۴۰ء) میں شائع ہوا ۔ جسے دیگر تمام تراجم پر باعتبار صحتِ تعبیر فوقیت حاصل ہے ۔

زندگی کے آخری دور میں اس کے اندر کاشتکاروں اور مزدوروں کی ہمدردی کا شدید جذبہ پیدا ہو گیا چنانچہ اس نے اپنی تمام جائداد تقسیم کر دی اور خود درویشانہ زندگی اختیار کی ۔ اسی عرصہ میں اس نے دو کتابیں لکھیں "خدا کی بادشاہت تمہارے اندر ہے" اور "مذہب کیا ہے" علامہ نے پیام مشرق [ص ۱۹۰ / ۳۶۶] صحبت رفتگاں میں گفتگو کرائی ہے ۔ ۱۹۱۰ء، ۲۰، ۷ نومبر کو نمونیہ سے وفات پائی مرتے وقت اس کے پاس تن ڈھانپنے کو دو کپڑوں کے سوا کچھ نہ تھا ۔ ٹالسٹائی کا شمار بلا شبہ آج ، انیسویں صدی کے نابغہ مفکرین میں ہوتا ہے ۔ <u>۵۵۷</u>

شعر نمبر ۲۰۴ : کوہسارِ ہفت مرگ : فلکِ قمر کا ایک مفروضہ سلسلۂ کوہ ۔ علامہ نے جس طرح ٹالسٹائی کا خواب نقل کر کے اس وادیٔ لق و دق میں دریائے سیماب میں جوڈس اسقروطی کو تا کمر ڈوبا ہوا دکھایا ہے اور تہذیبِ مغرب کو ایک نازنین کی صورت میں اسقروطی سے محو گفتگو دکھایا ہے ۔ انہیں کا حصہ ہے لیکن جس طرح یہودیت و نصرانیت کے تقابل میں وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ <u>۵۵۸</u> میں قرآنی اطلاع کو واضح کیا ہے ۔ اس سے "کوہسارِ ہفت مرگ" اور وادیٔ بے طائر و بے شاخ و برگ کی صفات لانا ۔ ہر دو سے توارد خیال کا ثبوت ہے ۔ **مضمون شاعری** : ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۳۳

افرنگین : وہ یورپی تہذیب جس نے حکمتِ اشیاء سے تو خوب خوب کام لیا لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا ۔ حکمتِ اشیاء نے بھی انہیں چنگیزی ہی سکھائی ۔ چنگیزی سے ، انسان دشمنی بھی مراد لی جا سکتی ہے اور دین و سیاست میں جدائی بھی ۔

(۲۰) **فلاطوس** : ۲۶ء سے ۳۶ء تک یہ رومی سردار ، یہودیہ کا حاکم تھا اور قیصر روم کی نیابت اسی کے سپرد تھی ۔ نئے عہد نامہ میں اس کا نام پلاطیس بتایا گیا ہے ۔ انجیل کے بیان کے مطابق حضرت

<u>۵۵۷</u>۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۔ ۱۸۲ ایضاً ، شرح جاوید نامہ، یوسف سلیم چشتی صفحہ ۵۱۱ تا صفحہ ۵۱۶ ، دائرہ معارف اقبال کلاسکس لاہور صفحہ ۱۲۱

<u>۵۵۸</u>۔ سورہ البقرہ : ۱۱۳

عیسیٰ علیہ السلام اسی کے عہد میں مصلوب ہوئے۔ [انجیل متی باب ۲۷ آیت ۲]
وہ حضرت عیسیٰؑ کو سزا دینے پر آمادہ نہ تھا اور سمجھتا تھا کہ وہ بے قصور ہیں لیکن یہودیوں [ایضاً آیت ۱۸]
کا دباؤ اتنا زیادہ تھا کہ وہ ان کی گرفتاری کا حکم دینے پر مجبور ہوا۔ اناطول فرانس نے اپنے ایک مختصر افسانے
میں پلاطوس کی زندگی کے آخری سالوں کے متعلق ایک واقعہ قلمبند کیا ہے۔ اُسے ایک قدیمی دوست ملتا ہے
گزرے ہوئے زمانے کی باتیں ہونے لگتی ہیں تو وہ اسے یاد دلاتا ہے کہ یسوع مسیح نامی ایک شخص کو یہودیوں
کے کہنے پر اس کے عہد میں مصلوب کیا گیا۔ پلاطوس اپنے ذہن پر بہت زور ڈالتا ہے لیکن اسے
یہ واقعہ بالکل یاد نہیں آتا۔ طنز کے اعتبار سے یہ افسانہ اپنی مثال آپ ہے، اور اس اعتبار سے بہت حیرت انگیز
ہے کہ ایک عیسائی مصنف کا تحریر کردہ ہے۔ علامہ نے بھی افرنگین کی زبانی اسقروطی کو اپنے اعمال
یاد کرنے کا طنز کیا ہے ۵۵۹۔ اسقروطی وہ شخص تھا جس نے حضرت عیسیٰؑ کے خلاف سازش کی اور آپؑ کو
گرفتار کروایا حالانکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کا حواری تھا۔

بعض مؤرخ لکھتے ہیں ۵۶۰ کہ پلاطوس نے خودکشی کر لی تھی ۵۶۱

آن صلیب آن روئے زرد: اشارہ ہے یہودیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب کیے جانے
کے بعد ان کے زرد چہرے کی طرف۔ **عقدہ اشیاء کشاد:** اشارہ ہے آدمؑ کی خلافت سے متعلق علمِ اشیاء
کے معاملے کی طرف: ملاحظہ ہو تلمیح نمبر ۱۰۔ **از دمِ او:** حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے معجزہ کی طرف اشارہ ہے
آپ علیہ السلام پھونک مار کے مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ **دخمہ:** وہ تہ خانہ جس میں گبر [پارسی] اپنے مُردوں کو رکھتے ہیں۔
گورخانہ گبراں۔ **ناسوت:** علامہ نے خود اس سے مراد جسم لی ہے حاشیہ کلیات فارسی اقبال ص ۷۶۱ **لاہوت:**
علامہ نے خود اس کے معانی روح لکھے ہیں حاشیہ کلیات فارسی اقبال ص ۷۶۱ ـــــ اصطلاح تصوف میں لاہوت سے
ذاتِ احدیت مراد لی جاتی ہے ۵۶۲ عالم ذات الٰہی جس میں سالک کو مقام فنا فی اللہ حاصل ہوتا ہے ۵۶۳
اور **ناسوت** عالم اجساد کہ مراد اس سے دنیا اور یہ جہان ہے اور کبھی مجازاً بمعنی شریعت اور عبادتِ ظاہری کے بھی
آتا ہے ۵۶۴

شعر نمبر ۴۴۶: علامہ نے تہذیب مغرب پر کھلی تنقید کی ہے بعض ماہرینِ اقبال نے علامہ کے اس تصور کو پسند
نہیں کیا ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم سے جناب علی عباس جلالپوری مرحوم تک سبھی کو یہ تہذیب دشمنی نظر آئی
لیکن انہوں نے محض لفظ پر بھروسہ کیا اور مغربی طرز تمدن اور طرز فکر کی تخریب کا پہلو ان کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔
ٹالسٹائی کا خواب جسے علامہ نے "طاسین مسیح" عنوان دیا دراصل مغرب و مشرق کے یہودی و نصرانی
طرز تمدن اور طرز فکر پر کڑی تنقید ہے۔ اس لئے کہ علامہ کے نزدیک "صرف نظریوں کی بنا پر کوئی پائیدار تمدن قائم نہیں
ہو سکتا" ۵۶۵ تہذیبیں عقائد سے اپنے اوضاع کی تشکیل کرتی ہیں۔ عقیدے کی کمزوری، عمل میں اور عقیدہ میں تضاد
سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً علامہ نے مارچ ۱۹۰۷ء کے تحت عنوان نظم یا غزل میں لکھا

---

۵۵۹ متی باب ۲۶: ۱۴، ۱۵، ۴۷ تا ۵۰ ۵۶۰ جیمز ہیسٹنگز۔ ڈکشنری آف دی بائبل ص ۷۵۵/۷۶۹ ہن. چیمبر بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۴۳
۵۶۱ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۲۹۳/۲۹۲ بح. مطالعہ تلمیحات و اشارات اقبال۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی
۵۶۲ اصطلاحات صوفیہ۔ خواجہ شاہ محمد عبدالصمد ص ۱۲۳ ۵۶۳ جدید لغات کشوری سراج اللغات ص ۳۸۲
۵۶۴ ایضاً ص ۴۷۷ ۵۶۵ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۲۲

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا ۵۶۶؎

اسے بھی تہذیب دشمنی سمجھا گیا حالانکہ یہ ایک کھلی حقیقت تھی جسے دیدۂ بینائے قوم نے دیکھا، سمجھا، قوم کو آگاہ کیا اور وقت نے اسے سچ کر دکھایا۔ یہ نظم "زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا" کے طبل جنگ سے آغاز ہوتی ہے۔ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ قائم ہوئی اور اس کے قیام کا اصل سبب شملہ وفد کو وائسرائے کی طرف سے یہ یقین دہانی تھا کہ اصلاحات کرتے وقت مسلمانوں کو قوم کے اندر قوم تسلیم کرکے ان کے حقوق کو آئینی تحفظ دیا جائے گا۔ علامہ کی نگاہ نے "قومِ مسلم" کو مسلم لیگ کے نام پر جمع ہوتے دیکھا تو "متحدہ قومیت" کا کانگریسی خواب بکھرتا نظر آیا۔ اور "پارلیمانی جمہوریت" کی یہ شرط پوری ہونے کی صورت میں "شہنشاہیت" کو تحلیل ہوتے دیکھا۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ۱۹۴۶ء کے جداگانہ انتخابات نے جب مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرا لیا تو ۱۹۴۷ء برطانوی شاہی تاج کی تحلیل کی نوید لایا؟ — یہ تہذیب کا اپنے ہی خنجر [پارلیمانی جمہوریت] کے ہاتھوں خودکشی نہ تھی تو اور کیا تھا؟

یہاں افرنگین اور استروطی کا مکالمہ بھی یہود دلفلرای کے ایسے ہی "عقیدہ سبکارڈ" سے متعلق ہے۔ ایسے نظامات کی موت ہی سے جہاں زندہ ہوتا رہا ہے اور ہوا اور ہوگا۔ علامہ نے انتظار کی تلقین کی ہے دیکھئے گردشِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا۔

یورپ کی قوموں نے ایک کلچر کی بنیاد رکھی ہے مگر افسوس کہ
ان کا عمل اس کلچر کے مقتضیات کے خلاف ہے۔ اس واسطے
اغلب ہے کہ یہ کلچر بے کار ہو کر یورپ میں فنا ہو جائے ۵۶۷؎

اس سے مکمل تبصرہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ "تہذیبِ حاضر" کے تحت عنوان اس کے متوالوں پیروانوں کو مخاطب کرکے کہا گیا

حیاتِ تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی، ہوسناکی ۵۶۸؎

یہی تو ہے مراد کا چہرہ روشن اندروں تاریک تر ہے

۵۶۶؎ کلیات اقبال اردو ص ۱۲۱
۵۶۷؎ اقبال نامہ ج ۲ ص ۳۲۹/۳۲۸
۵۶۸؎ کلیات اقبال اردو ص ۲۲۵
۵۶۹؎

طاسینِ محمدؐ [71]

نوحهٔ روحِ ابوجهل [72] در حرمِ کعبه [73]

۴۴۷ — سینهٔ ما از محمدؐ داغ داغ!
از دمِ او کعبه را گل شد چراغ
از هلاکِ قیصر و کسریٰ [74] سرود
نوجوانان را ز دستِ ما ربود
[75] ساحر و اندر کلامش ساحری ست
این دو حرفِ لا اله خود کافری ست
تا بساطِ دینِ آبا [76] در نورد
با خداوندانِ ما کرد آنچه کرد
پاش پاش از ضربتش لات و منات [77]
انتقام از وے بگیر اے کائنات
دل بغائب [78] بست و از حاضر گسست
نقشِ حاضر را فسونِ او شکست
دیده بر غائب فرو بستن خطاست
آنچه اندر دیده می ناید کجاست
پیشِ غائب سجده بردن کوری است
دینِ نو کور است و کوری دوری است
خم شدن پیشِ خدائے بے جہات
بنده را ذوقے نبخشد این صلوٰت [79]
۴۵۶ — مذهبِ او قاطعِ ملک و نسب
از قریش [80] و منکر از فضلِ عرب
در نگاهِ او یکے بالا و پست
با غلامِ خویش بر یک خوان نشست
قدرِ احرارِ عرب نشناخته
با کلفتانِ حبش در ساخته
احمران با اسوداں آمیخته
آبروئے دودمانے ریخته
این مساوات این مواخات اعجمی ست
خوب می دانم که سلمان [81] مزدکی [82] ست
ابنِ عبداللهؐ فریبش خورده است
رستخیزے بر عرب آورده است
عترتِ هاشم ز خود مهجور گشت
از دو رکعت چشمِ شان بے نور گشت
۴۶۳ — اعجمی را اصلِ عدنانی [83] کجاست
گنگ را گفتارِ سحبانی [84] کجاست
چشمِ خاصانِ عرب گردیده کور
بر نیائی اے زهیر [85] از خاکِ گور

۴۶۵ - اے تو مارا اندریں صحرا دلیل!
بشکن افسونِ نوائے جبرئیل (۸۶)

بازگو اے سنگِ اسود باز گوے (۸۷)
آنچہ دیدیم از محمدؐ باز گوے
اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر (۸۸)
خانۂ خود را ز بے کیشاں بگیر
گلہ شاں را بہ گرگاں کن سبیل
تلخ کن خرمائے شاں را بر نخیل
صرصرے دہ با ہوائے بادیہ
(۸۹) اَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَة
اے منات اے لات ازیں منزل مرو
گر ز منزل می روی از دل مرو

۴۷۴ - اے ترا اندر دو چشمِ ما وثاق!
(۹۰) مہلتے اِن کُنْتِ اَزْمَعْتِ الفراق!

حواشی و تعلیقات: (۷۱) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: پیغمبر اسلام النبیؐ الخاتم ۲۰ اپریل ۵۷۰ء

بروز سوموار بمطابق ۹ ربیع الاول، مکہ معظمہ میں مسجد حرام کے باب السلام سے تین گز کے فاصلہ پر سوق اللیل [رات کا بازار] سے متصل گلی کے اندر خواجہ عبدالمطلب کے گھر آپ کے فرزند عبداللہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے فرزند سے نوازا جسے دنیا قیامت تک احمدؐ و محمدؐ کے نام نامی سے جانے گی۔ آمنہ بی بی کے اس ارجمند فرزند کو دودھ پلانے کا شرف آمنہ کے علاوہ سات خواتین کو ملا، حضرت حلیمہ سعدیہ البتہ سب میں ممتاز ہیں ۵۷۰ء ان کی بستی نجد کے شاداب علاقے میں تھی آج کل اس کا نام شمطہ ہے۔

والد خواجہ عبداللہ آپؐ کی ولادت سے پہلے فوت ہو گئے تھے چھٹے برس کی عمر میں اماں آپؐ کو مدینہ [یثرب] لے گئیں اور واپسی پر موضع ابوا میں فرشتہ اجل کو لبیک کہتے ہوئے آپؐ کو اللہ کے حوالے کیا۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کا شاہد ہے اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۵۷۱ء چالیس سال جس معاشرے میں بسر کئے اس کی حالت مولانا الطاف حسین حالیؒ نے مسدس مد و جزر اسلام میں بڑی خوبی سے کھینچا ہے۔ وہی پیش خدمت ہے

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا
جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانہ سے پیوند جس کا جدا تھا
نہ وہ غیر قوموں پہ چڑھ کر گیا تھا
نہ اس پر کوئی غیر فرمانروا تھا

تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایہ
ترقی کا واں تک قدم تھا نہ آیا

۵۷۰ء سیرت النبیؐ البم ص۲۳ - شاہ مصباح الدین شکیل - پاکستان سیٹ آئل کراچی ۱۹۹۲ء
۵۷۱ء الضحیٰ: ۶

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی — نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پہ طبع بشر تھی — خدا کی زمیں بن جتی سر بسر تھی
پہاڑ اور صحرا میں ڈیرا تھا سب کا
تلے آسماں کے بسیرا تھا سب کا

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا — کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا — بتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا
کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا — خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا — کہ اس گھر سے ابلے گا چشمہ ہدیٰ کا
وہ اک بت پرستوں کا تیرتھ بنا تھا
جہاں تین سو ساٹھ بت پج رہا تھا

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

جوا ان کی دن رات کی دل لگی تھی — شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی — غرض ہر طرح ان کی حالت بری تھی
بس اس طرح رہتی ان کو گزری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں ۵۷۲

ایسے میں آپ نے "توحید کامل" کا نعرہ بلند کیا۔ غار حرا میں آپ پر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ [۵۷۳] سے ساتھ جو وحی نازل ہوئی وہ بتیس [۳۲] برس میں رفتہ رفتہ مکمل ہوئی۔ وہ قوم جو آپ کو صادق اور امین تسلیم کرتی تھی توحید کامل کے تحت وحدت بشریت [قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ [۵۷۴]] اے پیغمبر اعلان کر دیجئے کہ اولاد آدم ہونے کی حیثیت میں تو ہم سب آپ جیسے بشر ہیں، میں اس کے باوجود کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے تمہاری طرح بشر ہوں اور مجھے وحی کے ذریعے یہ بتایا گیا ہے تمہارا الٰہ الٰہ واحد ہے ــــ یہ ترجمہ اِنَّمَا کے حصر کے حوالے سے کیا گیا ــــ واحد ـ فاعل ہے ۔ ایک کرنے والا ـ إلٰہ بھی ایک کرنے والا ہے ـ الرسول ہی بشر مثلکم کا اعلان کر رہا ہے پھر بعض کا بعض کی گردنوں پر خصوصی اختیارات اپنا کر سوار ہو جانا کس طرح ممکن تھا

---

۵۷۳ العلق : ۱

۵۷۴

ایسے میں منڈیوں میں اپنے جیسے انسانوں کی خرید و فروخت کرنے والے سرداران قریش اپنے ہی بھتیجے کی اس تحریک کی حمایت کس طرح کر سکتے تھے؟ انہوں نے راستے میں کانٹے بچھائے، سر پر کوڑا کرکٹ پھینکنے کے بعد شعب ابوطالب میں اسیر کر کے سوشل بائیکاٹ کا حربہ استعمال کر کے بھی دیکھ لیا لیکن سچائی کی چٹان برابر ڈٹی رہی تو تمام قبیلوں کے سرداروں نے مل کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دوران میں یثرب والوں سے یثرب آنے کا وعدہ بھی کر چکے تھے۔ ادھر اتمام حجت کے بعد اللہ نے الرسولؐ کو مکہ معظمہ چھوڑنے کی اجازت بھی دے دی۔ آپؐ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر گھر سے نکلے۔ ۱۶ ربیع الاول بروز جمعہ بمطابق ۲ جولائی ۶۲۲ء کو آپؐ مدینے میں داخل ہوئے۔ بچیوں نے دف بجا بجا کر آپؐ کا استقبال کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے آپؐ کو اہل یثرب نے اپنا مطاع تسلیم کر لیا۔ یثرب اب مدینۃ الرسولؐ تھا اور عبداللہ ابن ابی تاجِ شاہی زیبِ سر کرنے سے محروم رہا (۹۵)۔ یہی محرومی اس کے نفاق کی اصل تھی ——— اہلِ مدینہ مہاجرینؓ و انصارؓ اور یہود اور ان کے حلیفوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باقاعدہ آئینی حکمران تسلیم کر لیا تو حضورؐ نے بحیثیت اولی الامر منھم سب لوگوں کے درمیان مواخاۃ کرا دی جس تاریخی نظام کی مثال نہ ماضی میں کہیں تھی نہ آج تک چشمِ فلک نے دیکھی۔ میثاقِ مدینہ نے ریاست کو معتدد ریاستی کی بجائے عمرانی معاہدے کے تحت کر دیا۔ تاریخِ عرب، مہاجر و انصارؓ کے بھائی چارے کی روشن مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ حضورؐ نے بحیثیت الرسول اولی الامر منھم، قیصری و کسرائی طور طریقے مٹا دیئے۔ اور "کُلُّکُم رَاعٍ وَّکُلُّکُم مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ" [575] کے فرمان نے ہر فرد کو ملت کے مقدر کا ستارہ کی حقیقی اور سچی روایت کو جنم دیا۔ اجتماعی مشاورت، اصل الاصول زندگی ٹھہرا۔ ریاست آئین پر قائم تھی آئین اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا ضامن اور حکومت آئین کی امین اور محافظ۔ جہاد بالنفس سے جہاد بالسیف تک کہیں رضائے الٰہی اور اطاعتِ رسالت پناہی کی بادشاہی تھی۔ یہ وہ دستور تھا جس نے قلیل عرصہ میں مشرق و مغرب پر اسلامی پرچم لہرا دیئے۔ اس دستور سے غفلت نے وہ دن دکھائے کہ کہیں مسلمان غلامی کی زنجیروں میں جکڑا تھا۔ وہ جو آزادی دلانے آئے تھے محکوم ہو گئے۔ علامہ اقبال کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا وہ جواب شکوہ میں دو ٹوک اعلان کرتے ہیں [اور رب وعدۂ الٰہی بتاتے ہیں]۔

[576]
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

وہ دانائے سُبل ختم الرُسل مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ [577]

چوں بنامِ مصطفیٰؐ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود
عشق می ورزی و اے محکومِ غیر
سینۂ تو از بتاں مانندِ دیر
تا نداری از محمدؐ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ او [578]

---

[575] مسلم ج ۲ ص ۱۲۲، بخاری ج ۱ ص ۱۲۲، ج ۲ ص ۱۰۵۷، ج ۱ ص ۳۹۱ بالکفر [576] کلیات اردو ص ۲۰۸ [بانگِ درا: جواب شکوہ]
[577] ایضاً ص ۳۱۷ [بالِ جبریل جز ۱] [578] کلیات فارسی ص ۸۲۲ [مثنوی پس چہ باید کرد: سیاسیات حاضرہ]۔

از رسالت در جہاں تکوینِ ما — از رسالت دینِ ما آئینِ ما

از رسالت صد ہزار ما یک است — جزو ما از جزوِ ما لا ینفک است

ما ز حکم نسبتِ او ملتیم — اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم ؏ ۵۷۹

از رسالت ہم نوا گشتیم ما — ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما

دینِ فطرت از نبی آموختیم — در رہِ حق مشعلے افروختیم

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسولِ ما رسالت ختم کرد ؏ ۵۸۰

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بمطابق ۸ جون ۶۳۲ء بروز سوموار رفیق الاعلیٰ ؏ ۵۸۱ سے جا ملے۔ آپ کا مزار مقدس آپ کے شہر مدینہ المنورہ میں ہے۔ صلّی اللہ علیہ وسلم بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ اَلْفَ اَلْفَ مرۃ ۵۔ سیرتِ رسول کا بیان "بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی ست" کا مصداق ہے ـــــ

(۷۲) **ابوجہل**: ابوالحکم عمرو ابنِ ہشام المغیرہ، عرب کا بہادر اور جنگجو سردار تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریکِ دعوتِ توحیدِ مطلق کے خلاف آخر دم تک ڈٹا رہا اور کفر اور اسلام دشمنی کی علامت بن گیا شاعرِ اسلام سید امین گیلانی کا شعر یہاں مفیدِ مطلب ہے۔

یار، یاروں میں نہ صدیق سے بڑھ کر کوئی — کوئی دشمن نہ ابوجہل کمینے جیسا

سردارانِ قریش کا یہی وہ بدبخت سردار تھا جس نے مختلف قبائل کو مشورہ دیا کہ سب مل کر، اپنے دینِ آبا کے دشمن حضرت محمدؐ کو شہید کر دیں۔ اس طرح بنو ہاشم کو سب قبائل سے ٹکر لینے کی جرأت نہ ہوگی۔ خدا کی شان غزوۂ بدر میں یہ ناری دو بچوں معوذ اور معاذ رضوان اللہ کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا ؏ ۵۸۲

علامہ اقبال نے دینِ محمدؐ کی صفاتِ عالیہ کے بیان کے لیے اسی کو چنا کہ وہ حرمِ کعبہ میں اپنے مشرکانہ دینِ آباد کی بربادی پر ماتم کرتے ہوئے۔ بت پرستی کے نظام کو درہم برہم کرنے، قبیلوں کی عصبیت سے پیدا ہونے والے تعصب کو مٹانے۔ حسب و نسب کی مصنوعی فضیلت کو ٹھکانے لگانے اور حبشیوں اور عربوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے خاندانی آبرو کو مٹی میں ملانے پر واویلا کرے ؏ ۵۸۳ دین دشمنی کے سبب ابوجہل کہلایا تو اس نے خود کو ابوالحکم کہلوانا شروع کیا۔ تاہم اس کے لڑکے عکرمہ کو اسلام لانے کی سعادت نصیب ہوئی اور وہ مع اپنے بھائی کے [۱۲ھ بمطابق ۶۳۳ء] مارا گیا ؏ ۵۸۴

(۷۳) **حرمِ کعبہ : حرم**: ایرانی ادبیات میں اس لفظ کے مختلف معنی ہیں مثلاً مکان کا وہ حصہ جہاں عورتیں اقامت پذیر ہوں۔ لیکن یہاں کعبہ کے اندر واقع چوکور عمارت ہے اور اس کے ارد گرد کے حصے کو بھی حرم ہی کہا جاتا ہے۔ حرمِ محترم میں کسی بھی جاندار کا قتل حرام ہے ؏ ۵۸۵ **کعبہ**: آدم سے پہلے، فرشتے تھے۔ اللہ کی بلاچون و چرا بندگی پر مامور ہیں۔ ان کی عبادت کے لئے ساتویں آسمان پر ایک مسجد ہے جسے ابن کثیر (التفسیر سورہ طور) نے "البیت المعمور" بتایا ہے۔ ایک حدیث میں ہے روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور پھر ان کی دوبارہ

؏ ۵۷۹ کلیاتِ فارسی ص ۱۰۱ [مثنوی رموزِ بے خودی : رکنِ دوم رسالت] ؏ ۵۸۰ ایضاً ص ۱۰۲

؏ ۵۸۱ دائرہ معارف اقبال ص ۲۶۷ از ملک حسن اختر مآخذ حضرت محمد صاحب شروع پرکاش دیو۔ نرائن دت سہگل اینڈ سنز تاجرانِ کتب اندرون لوہاری گیٹ لاہور۔ بار دوم ۱۹۰۷ء [بہتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں]۔

؏ ۵۸۲ مطالب اقبال ص ۱۹/۲ مقبول انور داؤدی ؏ ۵۸۳ تلمیحاتِ اقبال ص ۲۳۰/۲۳۹ سید عابد علی عابد

؏ ۵۸۴ دائرۃ المعارف تلمیحات و اشارات اقبال ص ۲۷۶ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی - ؏ ۵۸۵ تلمیحاتِ اقبال ص ۲۸۸/۲۸۷ سید عابد علی عابد

باری نہیں آتی۔ زمین پر رہنے والے فرشتوں کو زمین پر اسی طرح کا بیت المعمور تعمیر کرنے کا حکم ہوا تو فرشتوں نے اس تعمیر کردہ عمارت کا نام "ضراح" رکھا۔ بیت المعمور سے اگر کوئی پتھر لڑھکائے تو ٹھیک اُس عمارت پر گرے وہ "ضراح" اب کعبۃ اللہ کہلاتا ہے۔ فرشتے بیت المعمور کی طرح یہاں بھی طواف کرتے ہیں ع ۵۸۶

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام خلافت ارضی کا جائزہ لینے زمین پر آئے تو دعا کی۔ "اے اللہ میں آسمان پر جنت میں تھا تو وہاں فرشتوں کی مسجد تھی۔ یہاں کچھ نہیں کیا کروں؟ تو اللہ کے حکم سے فرشتوں نے بیت المعمور کے نیچے یہ عمارت تعمیر کی۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ساتوں آسمانوں پر ایک ایک کعبہ ہے جو متعلقہ آسمانوں کے رہنے والوں کی عبادت گاہ ہے ع ۵۸۷

طوفان نوحؑ کے بعد اُس کے آثار باقی نہ رہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خداوندی کعبے کا مقام تلاش کیا اور وہاں پرانے پائے پر مکرر بیت اللہ کی تعمیر کی اور حج کا ادارہ قائم کیا۔ بائبل کے مطابق حضرت ابراہیم جہاں بھی جاتے ایک بیتِ ایل (بیت اللہ) تعمیر کرتے تاہم دوسری تعمیریں تو باقی نہ رہیں لیکن میدانِ بکہ کا کعبہ اب تک موجود ہے ——— خانۂ کعبہ کی تعمیر دس بار ہوئی

۱: تعمیر ملائکہ ۲: تعمیر آدم علیہ السلام ۳: تعمیر شیث علیہ السلام ۴: تعمیر ابراہیم علیہ السلام ۵: تعمیر عمالقہ

۶: تعمیر بنی جرہم ۷: تعمیر مضر ۸: تعمیر قریش (۵ قبل نبوت) ۹: تعمیر عبداللہ ابن زبیرؓ ۶۴ھ ۱۰: تعمیر حجاج بن یوسف ۷۴ھ ع ۵۸۸

مکۃ المکرمہ نافِ زمین میں ہے اسی لیے اُم القُریٰ کہلاتا ہے تین براعظموں کے وسط میں واقع ارضِ حجاز کے باسیوں کو اسی لئے اُمیین کہا گیا اور ان اُمیوں سے اندر ایک اُمّی رسولؐ کی بعثت، ہی ختم نبوت کی کافی دلیل ہے کہ آپؐ کسی ایک قوم یا قبیلہ اور شہر کے درمیان نہیں بلکہ وسطِ زمین میں مبعوث ہوئے اور "یاقوم" کی بجائے "یا ایھاالناس" سے مخاطب ہوئے۔ حرمِ کعبہ کا اہم رکن حجرِاسود ہے جسے نبوت سے ۵ سال قبل رسول اکرمؐ محمد الامین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے موجودہ مقام پر نصب فرمایا۔ پانچ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایت کردہ متواتر حدیث کے مطابق حجرِاسود زمین میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے الحجرُ الاسودُ یمینُ اللہ فی الارض۔ کائنات کے خالق مالک اور حکمران جلّ جلالہٗ کی گویا بیعت ہے اس پتھر کو چھونا ع ۵۸۹ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بار بار تجدید بیعت کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ اہورا مزد کی روح کعبہ میں حلول کر گئی ہے۔ چنانچہ وہ بھی پرانے وقتوں سے بیت اللہ کا طواف کرتے چلے آئے ہیں۔ مسعودی نے مُروجُ الذّہب میں لکھا ہے کہ صابئین بھی کعبہ کی بہت تعظیم کرتے تھے کہ یہ خانۂ زحل ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ بلادِ مشرق کے لوگ بھی بیشتر بیت اللہ کو محترم گردانتے تھے۔ صدرالدین [بلاغی] کا بیان تو یہ ہے کہ ہندو سمجھتے تھے شیو کی روح حجرالاسود میں حلول کر گئی ع ۵۹۰ مکہ اہلِ اسلام کا مرکز و محور ہے کاش اہلِ اسلام اس کی اہمیت کو زبانی کلامی نہیں، عملاً اپنی تہذیبی ثقافتی، سیاسی سماجی زندگی کا فیزولاینفک بنا سکیں۔ علامہ نے کعبۃ اللہ کو امتِ اسلامیہ کا مرکزِ محسوس بیان کیا ہے ع ۵۹۱

معاون کتب: ۱- مطالب اقبال - بقول الزرد لودی
۲- دائرہ معارف اقبال - محمد حسن اختر

ع ۵۸۶ سیرت النبی الیم ص ۱۱ شاہ مصباح الدین شکیل للعنآ۔ ع ۵۸۷ چودہ صدیاں بر سیارہ ڈائجسٹ نومبر ۱۹۸۱ء صلواۃ و السلام ص ۱۹۸/۱۹۰ مقالہ اولین مساجد - از ڈاکٹر حمید اللہ۔ ع ۵۸۸ سیرت النبی الیم للعنآ ص ۱۲/۱۱ ع ۵۸۹ چودہ صدیاں بر للعنآ ص ۱۹۸

ع ۵۹۰ تلمیحات اقبال ص ۶۰ سید عبدعلی عابد بحوالہ معارف القرآن صدرالدین بلاغی

ع ۵۹۱ کلیات اقبال فارسی ص ۱۳۳ [رموز بےخودی]۔

(۲۴) **قیصر و کسریٰ** : قیصر روم کے بادشاہوں کا خطاب ہے اور کسریٰ ایران کے بادشاہوں کا۔ قیصر رومی زبان میں اُس بچے کو کہتے ہیں جس کی ماں زچگی میں مر جائے اور بچے کو ماں کا پیٹ چاک کر کے نکالا جائے۔ چونکہ روم کا بادشاہِ اول اغسطوس اسی طرح پیدا ہوا تھا اس لئے اسے قیصر کہا گیا۔ تب سے رومی بادشاہ قیصر کہلانے لگے ۵۹۲۔ کسریٰ معرب ہے خسرو کا فارس اور عراق کے بادشاہ یہی لقب رکھتے تھے۔ بعد میں صرف شہنشاہ کہلواتے تھے اور اب فقط منتیا میں خسرو {خا پر زیر پڑھنا مناسب ہے: بہار عجم}۔ (از خُسرو: خاء پر پیش ڈالنا خُرسو کا قلب (خور بمعنی خورشید، سو بمعنی چہرہ) لیکن کسریٰ میں کاف کی زیر خاء کی زیر پر دلالت کرتی ہے۔ اور اسی کے معانی بھی قرین ہیں: غیاث اللغات فارسی)} خسرو کے معانی واسع الملک بھی بتائے گئے ہیں ۵۹۳۔ علامہ اقبال نے کیخسرو، کے کے، خسروی، قیصری و سکندری البتہ بطور علامت بادشاہی و مراتبِ عُلیا، استعمال کئے ہیں ۵۹۴۔

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے ۵۹۵

(۲۵) ★ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۵۹۶
★ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۵۹۷
★ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۵۹۸
★ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ۝ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ ۵۹۹
وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ ۶۰۰
فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۝ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ ۶۰۱

جہاں تک مصرعۂ دوم کا تعلق ہے علامہ نے لا الٰہ ، دو حرف سے بالکل صحیح معانی درج کئے "کوئی الٰہ نہیں" بجائے خود الحاد و دہریت ہی تو ہے۔ اور اگر اس سے مراد پورا کلمۂ طیبہ مراد ہو تب بھی ۳۶۰ بتوں کا انکار بھی تو مشرکین کے دین سے انکار اور مشرکین کی نگاہ میں کفر کا ارتکاب ہے۔

(۲۶) قرآنِ حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ ہیں جو منکرینِ اسلام و نبوت کے جواب کا ریکارڈ ہیں۔ مثلاً وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝ ۶۰۲
وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ وَقَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ مُفْتَرًى ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۶۰۳

---

۵۹۲ غیاث اللغات [فارسی] ص ۳۹۹ ۵۹۳ سراج اللغات (جدید لغات کشوری) ص ۳۲۵ ۵۹۴ دائرہ معارف اقبال ص ۲۹۷
۵۹۵ کلیات اردو ص ۳۲۷ (بالِ جبریل: غزل نمبر ۲۵) ۵۹۶ الانعام: ۷ ترجمہ: اور اگر ہم آپ پر کتاب صفحات پر لکھی بھی اتارتے اور یہ اسے چھوتے، تب بھی یہ انکار کرنے والے کہتے۔ نہیں یہ مگر کھلا جادو۔ ۵۹۷ ھود: ۷ ترجمہ: اور آپ کہتے کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے تو جو لوگ کافر ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو نرا جادو ہے [قرآن یا دوبارہ اٹھایا جانا]
۵۹۸ الانبیاء: ۳ ترجمہ: ان کے دل متوجہ نہیں ہوتے۔ اور یہ چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں [ظالم لوگ] یہ [محمدؐ] تم جیسے ایک آدمی ہیں۔ تو کیا تم جادو کی بات سننے بھی اسی [البشر] کے پاس جاؤ گے؟
۵۹۹ الصّٰفّٰت: ۱۳ تا ۱۵ ترجمہ: اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو نہیں سمجھتے۔ اور جب کوئی معجزہ دکھایا جاتا ہے تو ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ تو صریح جادو ہے۔ ۶۰۰ الاحقاف: ۷ ترجمہ: اور جب ہماری کھلی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں۔ تو یہ منکر لوگ حق بات کی نسبت جو ان تک پہنچی کہتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے
۶۰۱ المدثر: ۲۴، ۲۵ ترجمہ: پھر بولا یہ تو جادو ہے۔ منقول۔ پس یہ تو آدمی [البشر] کا کلام ہے۔
۶۰۲ البقرہ: ۱۷۰ ترجمہ: اور جب کوئی ان سے کہتا ہے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے حکم پر چلو۔ تو کہتے ہیں۔ کہ (نہیں) بلکہ ہم تو اسی (طریقہ) پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ تو کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ کوئی آسمانی ہدایت ۶۰۳ سبا: ۴۳ ترجمہ: اور جب ان کے سامنے ہماری روشن آیات پڑھی جاتی ہیں۔ تو یہ لوگ کہتے ہیں یہ آدمی نہیں مگر ایسا شخص جو تمہیں انہیں چیزوں سے جن کو تمہارے باپ دادا پوجتے تھے ان سے روکنا چاہتا ہے۔ اور کہتے ہیں (یہ قرآن) محض تراشا ہوا جھوٹ ہے۔ اور یہ منکر جب ان کے پاس حق پہنچا ہے کہتے ہیں نہیں یہ مگر کھلا جادو

(۷۷) **لات و منات :** لات خاص طور پر اہلِ طائف کا بُت تھا اور اُس کی صورت سنگِ چہار گوشہ کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لات کا کلمہ اصلاً نبطی ہے یہ بت بابل سے آیا تھا۔ منات کا بت قبائلِ ہذیل اور خزاعہ سے متعلق تھا۔ یہ بھی بت بھی بابل سے آیا تھا اور اس کا بابلی نام "مامناتو" تھا ۶۰۴

(۷۸) دینِ اسلام نے یُؤمِنُونَ بِالغَیبِ کی شرطِ ایمان سے شرک و بت پرستی کی جڑ کاٹ دی اور ایمانِ بالغیب کو فلاح اور ہدایت اور تقوٰی کی بنیادی شرط بنایا ہے۔ علامہ نے "مہدی" جیسے عقائد کے حوالے سے "ایمانِ بالغیب" کی شرط سے کافی فائدہ حاصل کیا ہے۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے ۶۰۵

(۷۹) **صلات :** صلوٰۃ، ص ل و یا ص ل ی مادہ ہے واؤ اور یاء مبدّل بہ الف ہو کر صلا مصدر التصلیۃ، القعال باہمی۔ لفظ ماؤل ہے۔ بمعنی دعا و نماز از بندہ، بمعنی رحمت از خدائے تعالیٰ، و بمعنی درود بر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم و فرشتگاں ــــ صلا۔ سُرینوں کے بیچ کے حصوں میں بھی آتا ہے اور سُرینیں اٹھانے کے معانی میں بھی مستعمل ہے اور نماز میں چونکہ یہ سب اعمال رکوع سجود، قعدہ و قیام میں واقع ہوتے ہیں اس لئے اصطلاح میں اسے اللہ کے حکم اور الرسول کے طریقے کے مطابق عبادت [نماز] قرار دیا گیا ہے۔ جمع اس کی صلوات ہے اور لام ساکن بھی مستعمل ہے جس کے معنی عالمِ ظلمات سے نکالنا ــ چراغِ ہدایت سے۔ مجازاً عبادت گاہ کو بھی کہتے ہیں۔ علامہ نے صلوٰۃِ الوسطیٰ سے مراد خانۂ کعبہ بھی لیا ہے جو بہ مجازِ مرسل کے طریق پر درست ہے۔ خانۂ کعبہ کی حفاظت گویا اپنی حفاظت ہے ورنہ یہود کی طرح دیوارِ گریہ انجام ہے ۶۰۶

دنیا کے بُت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا ہم اُس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

(۸۰) **قُریش :** منسوب بہ نضر بن کنانہ جن کا لقب تھا قریش، قرش کی تصغیر ہے۔ قرش، قاف پر زبر کے ساتھ ہو تو اس کے معانی ہیں وہ عظیم الجثّہ جانور جو سمندر کے تمام جانوروں پر غالب ہے۔ قبیلہ قریش کو بھی قبائل پر یہ حیثیت حاصل تھی۔ صاحب غیاث نے صراح کے حوالے سے قریشی بمعنی سلامت داشتن بھی لیا ہے ۶۰۷ و یہ نبی اکرم حضرت محمد ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ ہے۔

(۸۱) **سلمان رض فارسی :** ان کا اسلام لانے سے پہلے روزبہ نام تھا اور لقب سلمان ~~ہوا~~ بعد از اسلام۔ اسی نام سے مشہور ہوئے ۶۰۷ ب۔ اصفہان کے نزدیک ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ باپ مجوسی تھا اور ایک آتشکدہ کا منتظم بھی۔ سلمان روحانی سکون کے متلاشی تھے اس لئے عیسائیت کو قبول کیا۔ شام میں ایک راہب نے مرتے وقت وصیت کی۔ ملکِ عرب میں نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لانا۔ چنانچہ آپ بہزار دقت حجاز پہنچے راہ میں بنو کلب نے غلام بنا کر یثرب کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اسی سال حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت فرما ہوئے تھے۔ سلمان نے حاضرِ خدمت ہو کر اسلام قبول کیا۔ حضور ص نے صحابہ رض کو حکم دیا کہ وہ آپ رض کو یہودی آقا سے خرید کر آزاد

---

۶۰۴ تلمیحات اقبال سید عبد الغنی۔ ایم صفحہ ۳۲۸ بحوالہ تقصص القرآن۔ سعد الرحمٰن ... ۶۰۵ کلیات اقبال اردو صفحہ ۵۱۱ [ضربِ کلیم: امامت]
۶۰۶ غیاث اللغات فارسی۔ المفردات، راغب اصفہانی، کلیات اقبال اردو صفحہ ۱۵۹ [بانگِ درا: ترانۂ ملی]۔
۶۰۷ الف غیاث اللغات فارسی، ۶۰۷ ب بحوالہ اکمال فی اسماء الرجال (اردو) صفحہ ۵۰۲ تذکرہ سلمان فارسی رض حصہ اول صفحہ ۱۱۱ مرتبہ مولوی محمد الدین فوق مطبوعہ حاجی محمد نذیر انٹرپرائزز مانسہرہ فروری ۱۹۷۶ء

کردیں۔ سلمانؓ نے حضورؐ کو اور حضورؐ نے سلمانؓ کو جب قدر محبت تھی۔ سلمان فارسیؓ سے جب ان کے خاندان کے بارے میں پوچھا جاتا تو کہتے سلمان ابن اسلام۔ حضورؐ نے بھی "اَلسَّلْمَانُ رَجُلٌ مِنَّا وَاَهْلُ الْبَیْت" کا اعزاز بخشا [اسرار الانبیاء صفحہ ۲۳۰] غزوۂ احزاب کو آپؐ نے آپ کے مشورہ پر مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کے باعث غزوہ خندق کہا جاتا ہے یہ ایرانی دستور تھا عرب اس سے ناواقف تھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کو قرب رسولؐ حاصل تھا اس لئے علم و فضل میں بھی اعلیٰ مقام ملا۔ ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں ۷۶ برس کی عمر میں ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں وفات پائی۔ ۶۰۹

(۸۲) **مزدکیت:** ایران کے پہلے ایرانی مفکرؔ کی اشتراکی فکر۔ یہ فلسفہ، زن، زر، زمین کو فتنہ و شر کی بنیاد بناتا تھا اس لئے اسے ذاتی ملکیت کی بجائے مشترک سرمایہ بنانے کا داعی تھا۔ ہر چیز کی ملکیت کو مملکت کے ہاتھ میں دے دینے کی تعلیم دیتا تھا۔ مزدکیت کو نوشیروان عادل کے دور میں فنا کی نیند سلا دیا گیا۔ قباد نوشیروان کے والد نے مزدکیت کو بطور مذہب تسلیم کر رکھا تھا لیکن نوشیروان نے مزدکیوں کو (۵۲۸ یا ۵۲۹ء میں) ایک دعوتِ شاہانہ پر بلا کر ہلاک کر دیا۔ مزدک بھی مارا گیا۔ جو بچ گئے نوشیروان نے ۵۲۹ء میں برسرِ اقتدار آنے کے بعد انہیں بھی چن چن کر ہلاک کیا اور اس طرح یہ مذہب نیست و نابود ہوا۔ ۶۱۰ مزدکیت، مانویت [زن زر زمین کے شر سے بچنے کا ذریعہ یہ قرار دیتی ہے ترک دنیا و علائق] کی ترمیم شدہ صورت تھی جس کا مقصد بعض برائیوں کا خاتمہ تھا۔ مزدکیت آخر آخر میں ایک سیاسی تحریک بن گئی تھی جو نوشیروان کے اقتدار پر قبضہ چاہتی تھی ۔۔ مزدکیت، مزدک کی موت کے بعد خفیہ خفیہ رہی اور عہدِ اسلام میں اس تحریک نے کئی روپ دھارے ۶۱۰

علامہ نے پیامِ مشرق میں اسے بھی صحبتِ رفتگاں میں شامل کیا ہے۔ اور مزدکیت کے سیاسی عزائم کی طرف اشارے کئے ہیں۔ خصوصاً نعتِ گم گشتہ خود را زخسرو باز گیر ۶۱۱ علامہ نجم میں لکھتے ہیں۔

"اسی (مزدک) نے مروجہ زروانی نظریہ کے خلاف ایک دوسرا ثنویتی ردعمل کیا۔ مانی کی طرح مزدک نے بھی یہ تعلیم دی کہ اشیاء کا اختلاف و تنوع دو مستقل و ازلی قوتوں کے امتزاج و اتحاد کا نتیجہ ہے۔ جن کو اس نے شد (نور) اور تار (ظلمت) کے ناموں سے موسوم کیا۔ لیکن وہ اپنے پیشرو (مانی) سے اس امر میں اختلاف رکھتا تھا کہ ان کے اتحاد اور ان کے آخری انفصال کے واقعات بالکل اتفاقی ہیں نہ کہ کسی اختیار و انتخاب کا نتیجہ۔ مزدک کے خدا میں احساس کا ودیعت ہے۔ اس کی ازلی ہستی میں چار قوتیں، قوتِ امتیاز، حافظہ، فہم اور سعادت، موجود ہیں۔ ان چار قوتوں کے چار شخصی مظاہر ہیں جو اور چار اشخاص کی مدد سے کائنات کے نظم و نسق پر نگرانی کرتے ہیں۔ اشیاء اور اشخاص کے اختلاف و تنوع کی علت ابتدائی قوتوں کے مختلف امتزاجات ہیں۔

لیکن مزدک کی تعلیم کے مخصوص خط و خال میں اس کی اشتراکیت ہے جو براہِ راست مانی کے فلسفہ کی ہمہ گیر روح کا نتیجہ ہے۔ مزدک کہتا ہے کہ تمام انسان مساوی ہیں اور انفرادی جائداد کا تصور معاند دیوتاؤں کا پیش کردہ ہے۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی کائنات کو لامحدود تباہی کا منظر بنا دیں۔ اس نے زرتشتی ضمیر کو سخت صدمہ پہنچایا اور زرتشت کے کثیر التعداد پیشوا رموز ترک کردیا" ۶۱۲ اسی مساوات کے حوالے سے ابوجہل کو سلمان فارسیؓ مزدکی نظر آتے ہیں۔

۶۰۸ دائرہ معارف اقبال صفحہ ۲۶۵ مرتب حسن اختر ۶۰۹ تلمیحاتِ اقبال طبع ۲۲/۲۱ ادارہ معارف اقبال لاہور ۱۹۶۹ء شرح جاوید نامہ چشتی صفحہ ۵۳۰

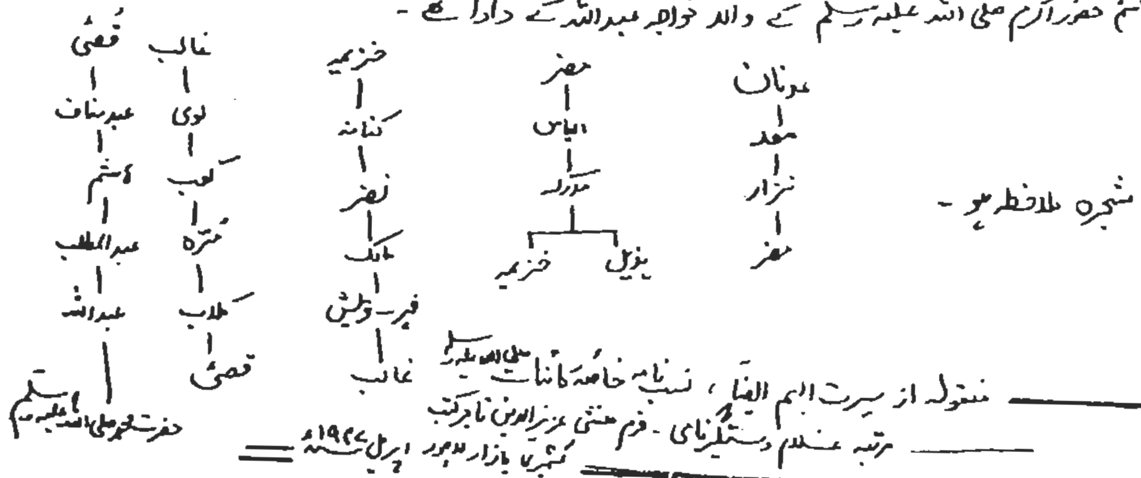
۶۱۰ ادب نامہ ایران صفحہ ۱۱ مرزا مقبول بیگ بدخشانی یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور سن ندارد

۶۱۱ کلیاتِ فارسی صفحہ ۲۹۷ [پیامِ مشرق: صحبتِ رفتگاں] ۶۱۲ فلسفۂ عجم صفحہ ۳۹/۳۸ اردو ترجمہ میر حسن الدین نفیس اکیڈمی کراچی

لیکن ابلیس کو مزدکیت ہیں اسلام فتنۂ فردا نظر آیا ۶۱۳ اس فرق پر نظر رہنی چاہیئے۔

(۸۳) **عدنانی :** جناب معد کے والد عدنان کی اولاد عدنانی کہلاتی ہے۔ معروف نام اس نسل کا بنی اسمٰعیل ہے۔ نضر بن کنانہ کی اولاد قریش کہلانے لگی۔ قریش میں ہاشم کی اولاد ہاشمی کہلائی۔ ہاشم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد خواجہ عبداللہ کے دادا تھے۔

شجرہ ملاحظہ ہو۔



منقولہ از سیرت النبی المختار، نسب نامہ خاصۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
مرتبہ علامہ دستگیر نامی۔ فرم منشی عزیزالدین تاجر کتب
کشمیری بازار لاہور اپریل ۱۹۲۷ء

شو نمبر ۵۶۴ تا ۵۶۳ : جیسا کہ تعلیقہ نمبر ۔ میں لکھا گیا پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ وحی ترجمان سے قرونِ اولیٰ سے یہودی و نصرانی مذہبی بگاڑ اور ربوبیت باری میں آمیزش کے از سرِ نو احیا کو روکنے کی خاطر، اعلان کروایا گیا۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ، اس اعلان نے جہاں تقسیم بشریت کے جاہلی تصور کا قلع قمع کیا وہاں اولادِ آدم میں ملک و ملت، حسب و نسب، رنگ و نسل، غلام اور آزاد، حاکم و محکوم کے حوالے سے قائم کردہ ہر حد بندی کو مسمار کرتے ہوئے اَیُّھَا النَّاسُ کہہ کر دعوتِ توحید دی اور اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ کہہ کر احکامِ دین سکھائے۔ مومن کو مومن کا بھائی بتایا ہی نہیں بنا کر دکھایا۔ مکۃ المکرمہ میں صرف مہاجرین کے درمیان مواخاۃ تھی تو مدینہ میں انصار و مہاجرین کے درمیان مواخاۃ نے ملک و نسب کے تمام بت گرادیئے اور یوں ازلاً ابداً اعلانِ الٰہی کے لئے زمین ہموار کردی۔ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ــــ فَلَیْسَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ فَضْلٌ وَّ لَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَّ لَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَبْیَضَ وَ لَا لِاَبْیَضَ عَلٰی اَسْوَدَ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰی اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ .... اَیُّھَا النَّاسُ کُلُّ مُسْلِمٍ اَخُو الْمُسْلِمِ ---- اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ لَکُمْ عَلٰی نِسَآئِکُمْ حَقًّا وَّ لَھُنَّ عَلَیْکُمْ حَقًّا ۶۱۴ یہ خطبۂ حجۃ الوداع کے منتخبات ہیں ــــ سارا خطبہ اختصار اور جامعیت، فصاحت و بلاغت کا شہکار اور تعلیماتِ اسلامیہ کا خلاصہ ہے ــــ اس میں بھی اَیُّھَا النَّاسُ کا تخاطب خصوصی توجہ چاہتا ہے ــــ کہ آج کے بعد سلسلۂ رسالت کے انقطاع کی نوبت ہے اور رہتی دنیا تک کا انسان مخاطب کیا گیا ــــ ابوجہل چلا چلا کر اس تعلیم مساوات و اخوت کے خلاف ماتم کر رہا ہے اور

---

۶۱۴ ملٹری رمپارٹمنٹ ریڈر لیسنز آف دی ہولی پرافٹ صلی اللہ علیہ وسلم (بحروف انگریزی) ص 14، ص 16، ص 18 شعبۂ دعوۃ و ارشاد ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد 1980ء

۶۱۳ کلیات اقبال اردو ص ۶۵۴ (ضرب کلیم: ابلیس کی مجلس شوریٰ)۔

علامہ دنیا والوں کو دینِ اسلام کی وہ برکات بغیر واسطے پہنچا رہے ہیں، دنیا والے جن کی تلاش میں ہیں۔ اور جن کے نفاذ و اجراء کا سلسلہ تحریک و عمل حضرت نوحؑ سے آغاز ہو کر حضرت محمدؐ کے ذریعے ریاستِ مدینہ کے قیام سے تکمیل کو پہنچا ہے۔ ابوجہل نے اس مساواتِ انسانی و مواخاتِ اسلامی کو سلمانِ فارسیؓ کے اسلام حوالے سے مزدکیت [اشتراکی نظام] کا الزام دیا اور یہ ثابت کرنا چاہا کہ عترتِ ہاشم [عترت: عزیز، اقارب اولاد] نے اپنی حقیقت بھلا دی اور غائب سے دل لگا کر [از دو رکعت] حاضر و موجود سے آنکھیں بند کر دیں [چشم شاں بے نور گشت]۔ علامہ کا کہنا ہے "وہ ایک سجدہ" جو غائب کے حضور سر بزمین ہو کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہزار سجدے سے آدمی کو نجات دیتا ہے۔ قریشی سردار اسی "ہزار سجدے" سے محروم ہونے کا رونا روتا ہے۔ یعنی ابوجہل کو انسان کا غائب کے حضور سجدہ ریز ہو کر دنیا میں سربلند ہونا مزدکیت نظر آیا۔ — سلمانِ فارسیؓ کے حوالے سے عجم و عرب کا تقابل ہوتا ہے۔ عجم بمعنی گونگا، لیا جاتا ہے اور عرب کا ایک مفہوم فصیح و بلیغ بھی ہے۔

(۸۴) **سحبان ابن وائل:** حضرت سحبان ابن زُفر الوائلی، باہلہ قبیلے کے نامور خطیب ہوئے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ عرب میں ان کا نام فصاحت میں ضرب المثل تھا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "گلستان" میں اُن کی فصاحت کے حوالے سے گفت و گو میں تکرار کا عیب ظاہر کیا ہے۔ ع۶۱۵ وہ لکھتے ہیں

"سحبان وائل را در فصاحت بے نظیر نہادہ اند بحکم آنکہ سالے بر سرِ جمع سخن
گفتے لفظ مکرر نہ کردے و اگر ہماں اتفاق افتادے بعبارتِ دیگر بگفتے
و از جملۂ آدابِ ندمائے حضرت ملوک یکے این است"۔ ع۶۱۶

ترجمہ: سحبان بن وائل کو فصاحت میں بے مانند کہتے ہیں اس واسطے کہ برابر ایک سال وہ ایک جماعت کے روبرو باتیں کرتا اور کوئی لفظ دوبارہ نہ لاتا اور اگر کسی بات کے کہنے کا اتفاق پڑتا تو عبارت دوسری کہتا۔ اور ملوک کے ندماء کے آداب سے ایک ادب یہ بھی ہے۔

حضرت سحبانؓ حضرت امیر معاویہؓ کے مصاحبین میں بھی شامل رہے۔ خراسان کے وفد کے سامنے مسلسل کئی گھنٹے تقریر کرنے پر حضرت امیرؓ نے حیرت زدہ ہو کر کہا "اَنْتَ اَخْطَبُ الْعَرَب"، تو سحبانؓ نے فوراً کہا "وَالْعَجَمِ وَالْجِنِّ وَالْاِنْسِ"۔ حضرت سحبانؓ نے ۵۴ھ میں وفات پائی۔ ع۶۱۷

(۸۵) **زہیر ابنِ ابی سلمیٰ:** زہیر اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ غطفان کا رہنے والا تھا۔ محققین نے اسے غطفانی اور قیسی ہونے کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ زہیر کے ماموں بشامہ بن الغدیر غطفانی بھی شاعر تھے زہیر کی بیٹی، بیٹے، پوتے تک سب شاعر تھے۔ ع۶۱۸ کعب ابن زہیر جو قصیدہ "بانت سعاد" لکھ کر حضور کی خدمت

---

۶۱۵ مطالعہ تلمیحات و اشارات اقبال ص۲۴۲ ڈاکٹر اکبر حسین
۶۱۶ گلستانِ سعدی باب ۱ ص۶۲ مکتبہ حنیفی کا لاہور ۱۳۲۱ھ
۶۱۷ شرح جاوید نامہ چشتی ص۵۲۲ [حاشیہ]۔
۶۱۸ تنقیدات طٰہٰ حسین ص۱۹۹ اردو ترجمہ عبدالصمد صارم مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۴۴ء

میں پیش کرنے لایا مگر اس کی بدقسمتی کہ بے نیلِ مرام واپس لوٹ گیا اور قصیدہ پیش کرنے اور اسلام لانے کی سعادت سے محروم رہے۔ صدیق اکبر رضی کی رائے میں زہیر امراء القیس سے بڑے شاعر تھے۔ ع ۶۱۹ اور عمر ابن الخطاب رضی زہیر کو ایک بہترین شاعر سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ وہ نہ تو بار بار ایک بات کو دہراتا ہے نہ نامانوس الفاظ لاتا ہے۔ وہ شاعری میں سست رفتار تھا اس لئے اس کے قصیدے حولیات (پورا پورا سال جن پر صرف ہوا) کہلائے وہ شاعرانہ ترکیبیں اور تصویریں پیش کرنے میں حواس سے کام لیتا ہے اور خیالات کو محسوسات کے ساتھ جوڑ کے دکھاتا ہے۔ سوچ بچار کا شیدائی ہے۔ اس نے شعر کو ایک ہنر اور ایک صنعت گری بنا لیا ہے۔ وہ اعتدالِ طبع کے ساتھ رہتا ہے۔ اس کی زبان زیادہ آسان ہے اور اس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور اخلاقی تعلیم اور زہیر کے اشعار سے زیادہ تر مثالیں پیش کی جاتی ہیں ع ۶۲۰

ابوجہل کے نالہ و فریاد اور پکار کے لئے علامہ نے بھی زہیر کو ہی لئے چنا ہے

شعر نمبر ۶۵م : "زہیر اور نابغہ اہلِ حجاز اور اہلِ بادیہ کے نزدیک زیادہ با اثر شاعر سمجھے جاتے تھے گویا یہ دونوں صحرائی مزاج کی کھلی ترجمانی کرنے والے شاعر تھے۔ جب آپ اس سلسلۂ شاعری کو دیکھیں گے جو شاگردی کے اعتبار سے زہیر تک پہنچتا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ سلسلہ ایسے شعرا سے مرکب ہے جو تمام کے تمام حجاز و صحرا کے سربرآوردہ شاعر تھے۔" ع ۶۲۱

ابوجہل کی زبانی علامہ نے بھی اسی لئے اسے "زندریں صحرا دلیل" کہلوا دیا ہے۔

(۸۶) **نوائے جبرئیل :** مراد وحی (قرآن) ہے۔ لیکن قریش مکہ تو وحی و جبریل سے مراد شاعر اور جن کی فراہم کردہ معلومات لیتے تھے ان کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر مجنون ع ۶۲۲ کہنا ان کے اسی عقیدے کا مظہر تھا۔ جو انہوں نے شعراء کے بارے میں گھڑ رکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ہر شاعر کے پاس ایک جن ہوتا ہے۔ جو اسے غیبی امور سے آگاہ کرتا ہے۔ حضور پر وحی لانے والے "جبریل" سے متعلق بھی ان کا یہی خیال تھا اسی لئے نوائے جبرئیل کا فسوں توڑنے کے لئے "شاعر صحرا" زہیر کو پکارا گیا۔

(۸۷) **حجرِ اسود :** کعبۃ اللہ المکرمہ کی دیوار میں لگا ہوا سیاہ پتھر جس کا چومنا حجاج کے لئے اور زائرین اور طواف کرنے والوں کے لئے ضروری ہے۔ یہ زمین پر مالک الملک جل شانہٗ کا دایاں ہاتھ ہے جس کو چھونا گویا حکومتِ الہیہ پر بیعت کرنا ہے۔ کہتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی یہ پتھر جنت سے اتارا گیا تھا۔ طوفانِ نوح میں جبل ابوقبیس میں محفوظ رہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔" دورِ جاہلیت میں ایک بار کعبہ کو خوشبو کی دھونی دی گئی تو غلافِ کعبہ کو آگ لگ گئی جس سے حجرِ اسود بھی جھلس گیا

ع ۶۱۹ شرح جاوید نامہ چشتی ص ۵۳۱ ع ۶۲۰ تنقیدات طٰہٰ حسین صفحات ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۲
ع ۶۲۱ ایضاً ص ۱۹۹، ص ۲۰۰ ع ۶۲۲

۶۴ھ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور اموی افواج کی لڑائی میں ایک بار پھر خوفناک آگ سے حجر اسود تین ٹکڑوں میں بٹ گیا تو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے چاندی کے موٹے خول میں ان ٹکڑوں کو محفوظ کر کے دیوار میں لگا دیا۔ ۱۸۶ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے حجر اسود کے ان ٹکڑوں میں سوراخ کروا کر چاندی سے مربوط کر دیا۔

۳۱۷ھ میں قرامطہ مکہ پر قابض ہو گئے۔ ان کا مقصد میزاب رحمت [سونے کا پرنالہ] مقام ابراہیم اور حجر اسود چوری کرنا تھا۔ ابوطاہر کے حکم سے جعفر بن علاج معمار نے ۱۴ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو کدال مار کر حجر اسود کو اکھاڑ لیا اور لے گیا۔ تقریباً بائیس ۲۲ سال تک رکن اسود پر یہ جگہ خالی رہی۔ حجاج صرف خالی جگہ کو ہاتھ لگا کر بوسہ دیا کرتے تھے۔

۱۵ ذی الحجہ ۳۳۹ھ کو فرین سے سنبر بن حسن قرامطی حجر اسود واپس لایا اور دوبارہ کعبہ کی زینت بنا دیا گیا۔ ۳۶۳ھ میں ایک رومی نے بھی اسے چرانے کی کوشش کی مگر پکڑا گیا۔ ۴۱۳ھ میں ایک اور مجمی نے کوشش کی وہ قتل ہوا۔ ۹۱۶ھ میں ایک عجمی نے کدال سے اس پر حملہ کیا۔ ۱۳۵۱ھ میں ایک رافضی نے اس کا کچھ حصہ [ٹکڑا] توڑ لیا۔ اب یہ تیس ۳۰ سنٹی میٹر کا غیر منظم شکل دار سیاہ سرخی مائل رنگ کا بیضوی پتھر ہے جو چاندی کے مضبوط بیضوی حلقہ میں ہے جس پر زائرین حرم اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں بے اختیار بوسہ دیتے ہیں۔ اسی سے خانہ کعبہ کے طواف کی ابتدا ہوتی ہے اور اسی پر شوط [چکر] مکمل ہوتا ہے۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ کی نشانی [شعائر اللہ میں سے ایک] قرار دیا گیا ہے ؎ ۶۲۳

(۸۸) **ہُبَل** : بروزن زُحل قریش کا سب سے بڑا بت تھا۔ اس کی صورت انسان کی تھی اور عقیق سرخ کا بنایا گیا تھا۔ کسی مرحلہ پر اس کا دایاں بازو ٹوٹ گیا تھا تو قریش نے سونے کا بازو لگا دیا۔ سب سے پہلے جس شخص نے اس بت کو نصب کر کے اس کی پرستش کی ہے وہ مدرکہ بن الیاس بن مضر قبیلہ خزیمہ کا ایک فرد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس بت کو ہبل خزیمہ بھی کہتے ہیں۔

اس بت کے سامنے سات تیر پڑے رہتے تھے۔ ہر تیر پر ایک طرف صریح کا کلمہ منقش ہوتا تھا اور دوسری طرف ملصق کا کلمہ تھا۔ جب کسی بچے پر شک ہوتا تھا کہ آیا یہ بچہ حلال زادہ ہے؟ تو پہلے بت پر چڑھاوا چڑھاتے اس کے بعد ان تیروں سے شگون لیتے تھے اگر تیر کا وہ حصہ سامنے آئے جس پر صریح لکھا ہوتا تھا تو فیصلہ صادر کرتے تھے کہ بچہ صریحاً حلال زادہ ہے۔ اگر ملصق والی طرف سامنے آتی تھی تو بچے کے دعوے کو مسترد کر دیتے تھے۔ اسی طرح دوسرے

؎ ۶۲۳ سیرۃ النبی ﷺ الیم شاہ مصباح الدین شکیل الفا ص ۹؟

معاملات میں بھی ان تیروں کے ذریعے فیصلے صادر کرتے تھے۔

جب مکہ فتح ہوا تو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے حضرت علی رضؓ نے ہُبل کو زمین پر گرا دیا اور پھر آپؐ ہی کے فرمان سے اُسے بابِ بنی شیبہ میں دفن کر دیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بت کی پرستش قریش سے مخصوص تھی کیونکہ دوسری قوموں کی سنمیاتی داستانوں، یا دیومالا میں اس بت کا ذکر نہیں ملتا"۔ ۶۲۴

پوزش پذیر، معذرت قبول کرنے والا۔ معافی دینے والا۔ **خانۂ خود** سے مراد کعبۃ اللہ ہے۔

(۸۹) **کَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ اَلآیۃ** ۶۲۵ اور وہ جو عاد تھے سو برباد ہوئے ٹھنڈی سناٹے کی ہوا سے، نکلی جائے ہاتھوں سے۔ مقرر کر دیا اُس کو ان پر سات راتوں اور آٹھ دن تک برابر، پھر تو دیکھے کہ وہ لوگ اس میں بچھڑ گئے گویا کھوکھلے تنے ہیں کھجور کے درختوں کے جو گرے پڑے ہیں۔

شعر نمبر ۱۷۴: وِثَاق گھر، مکان۔ [غیاث اللغات، فارسی] لات و منات کے فراق کا رونا روتے ہوئے جاہلی شاعر اور سبعہ معلقات کے سرخیل اِمرأ القیس (۹۱) کے قصیدہ کے ایک شعر کا ٹکڑا ٹانکا گیا ہے۔ اس ترمیم کے ساتھ کہ اِمرأ القیس فراق کے فیصلے کو باوقار طریق سے رُو بہ عمل لانے کی تدبیر دیتا ہے اور ابوجہل مہلت مانگتا ہے:

اَفَاطِمَ مَهْلاً بَعْضَ هٰذَا التَّدَلُّلِ
وَ اِنْ كُنْتِ قَدْ اَزْمَعْتِ صَرْمِي فَاَجْمِلِي

ترجمہ: اے فاطمہ! اپنے اشوہ وادا میں کچھ کمی کر دے۔ اور اگر جدا ہونے ہی کا فیصلہ کر لیا ہے تو شریفانہ طور پر انجام دے۔ [سبعہ معلقات صگ محمد سعید اینڈ سنز کراچی سنہ ندارد]۔

متعلقاتِ حواشی:

(۹۰) **جنگِ بُعاث:** ۶۱۷ عیسوی کے ادھر اُدھر، یثرب کے دو قبیلوں اوس و خزرج کے درمیان ایک جنگ ہوئی۔ اس جنگ نے بہت سارے قبائل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اس لئے اسے جنگِ بُعاث کہا جاتا ہے۔ اس جنگ نے اہلِ یثرب میں باہمی نفرت اور بغض کی نہ بجھنے والی آگ بھڑکا دی۔ عقبہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعتِ اسلام کرنے والوں میں سے جب کسی کو امامتِ نماز کے لئے مقرر کیا گیا تو سبھی نے اسے امام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ بھیجا گیا۔ ۶۲۷ ان لوگوں نے حضورؐ کی دعوتِ توحید کو اپنے ہاں کے نفاق کا تدارک جان کر حضورؐ کو یثرب آنے کی دعوت دی۔ یہ لوگ ایک طرف تو کسی متوقع خطرناک جنگ کے حوالے سے اندرونی طور پر قبائل کو اپنا حلیف بنانے نکلے تھے تو دوسری طرف وہ مدینہ کے اندر کسی غیر جانبدار سردار

---

۶۲۴ تلمیحاتِ اقبال صفحہ ۵۱۲/۵۱۳ عابد علی عابد بحوالہ قصص القرآن حفظ الرحمن سیوہاروی ۱۹۸۸
۶۲۵ الحاقہ: ۷ ۶۲۶ تاریخ اللادب العربی از احمد حسین الزیات صفحہ ۹۹ دار الکتاب مزنگ روڈ لاہور
۶۲۷ سیرۃ ابن ہشام حصہ اول باب ۶۶ [انصار اور عقبۂ اولیٰ] صفحہ ۴۴۶ مترجمہ مولانا عبد الجلیل صدیقی، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز اشاعت سوم ۱۹۹۷ء

کر دینا امیر اور بادشاہ بنانے پر بھی غور کر رہے تھے جو کسی ایسے تنازع میں ان کے درمیان امن و امان کے ساتھ صلح کرا سکے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ عبداللہ ابن ابی پر اتفاق رائے کے امکانات پیدا ہو رہے تھے تاج شاہی تیار ہو چکا اور رسم تاجپوشی ادا ہونے والی تھی کہ بیعت عقبہ کی رُو سے[۶۲۸] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے آپؐ اہل یثرب کے "مُطاع" ہو گئے۔ عبداللہ ابن ابی کا سر تاج شاہی سے محروم رہ گیا۔ ساری زندگی وہ اس محرومی کی آگ میں تڑپتا رہا۔ جنگ اُحد کے بعد اس کا یہ قول لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا هٰهُنَا[۶۲۹] اگر ہماری اطاعت کرتے (ہمیں رہنما حکمران بنا لیتے) تو اس طرح قتل نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری ہمدردی کو يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِم مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ[۶۳۰] کے بلیغ الفاظ سے واضح کیا کہ دل میں چھپی بات تم پر ظاہر نہیں ہونے دیتے، تم سے چھپاتے ہیں ـــ یہ چھپی بات اقتدار سے محرومی کا صدمہ تھا جو اُسے قوم کو حضورؐ (الرسول اولی الامر منھم) کے خلاف بھڑکانے پر مجبور کرتا رہا تھا یہی اس کا نفاق تھا ورنہ وہ صفِ اول میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتا تھا اور حضورؐ سے پہلے خطبہ بھی دیا کرتا تھا جس میں حضور اکرمؐ کی موجودگی کو اللہ کی بڑی نعمت بتایا کرتا تھا۔

(۹۱) **امرأ القیس**: چھٹی صدی عیسوی کا نامور عرب شاعر۔ جس کے نام میں اختلاف ہے بعض علماء بتاتے ہیں بعض مُلیکہ لیکن درست یہی ہے کہ اس کا نام حُندج بن حُجر تھا۔ وہ قبیلہ کندہ کے سردار کا بیٹا تھا جس کے مورث اعلیٰ حُجر نے 480ء کے قریب زمانہ میں نجد میں اپنی ریاست قائم کی تھی۔ احمد حسن الزیات نے امرأ القیس کا نام الملک الضلیل ذوالقروح بن حجر الکندی الیمانی[۶۳۱]

امرأ القیس کے باپ نے اُسے بیس برس کی عمر میں عشقبازی کے جرم میں گھر سے نکال دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حُجر نے اپنے مولیٰ ربیعہ کو اس کے قتل کا حکم دے دیا تھا لیکن ربیعہ ایک نیل گائے کا بچہ ذبح کر کے اس کی آنکھیں حُجر کے پاس لے آیا[۶۳۲] بنو اسد کے ساتھ جنگ میں حُجر کے قتل ہو جانے کے بعد امرأ القیس دشمنوں سے چھپتا پھرتا تیماء پہنچا اور وہاں کے والی سموئیل ابن عادیا کی پناہ حاصل کی جو اَبلق نامی قلعہ میں رہتا تھا۔ 530 عیسوی کے قریب اپنے قبیلے کے ایک سردار حارث ابن ابی شمر غسانی کی وساطت سے قیصر یوستینیانوس (Justinian) کے دربار میں باریابی ہوئی اس نے

---

۶۲۸ میں بیعت عقبہ کی روداد بڑی دلچسپ ہے، لوگوں نے حضورؐ سے مدینہ نہ چھوڑنے کا اقرار لیا تو حضورؐ کے چچا نے لوگوں سے شدائد و مصائب میں آپؐ کا ساتھ دینے کا اقرار لیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب ۶۲ صفحات ۲۵۰ (بعنوان "قرآن کیا ذمہ دار ہے") = سیرۃ ابن ہشام۔ ۲۳۵ تا ۲۳۶

۶۲۹ آل عمران: ۱۶۸ ۶۳۰ آل عمران: ۱۵۴ ۶۳۲ اردو دائرہ معارف اسلامیہ

۶۳۱ تاریخ الادب العربی صفحہ ۲۶ دار الکتاب بیروت لبنان ۱۹۸۸ — بحوالہ کتاب الشعر والشعراء ابن قتیبہ صفحہ ۲۸ سطر ۷ تا ۱۱

امراؤ القیس کو مقدم کو لقب دے کر فلسطین اور سرحدی قبائل کا والی مقرر کر دیا۔
بدقسمتی سے وہ راستے ہی میں مر گیا۔
بعض کہتے ہیں کہ اس نے قیصر مذکور کی لڑکی سے عشقبازی شروع کر دی تھی
جس پر اسے زہر آلود کپڑے (خلعت) دے کر والی بنا کر بھیج دیا گیا۔ راستے میں اس زہر
کے اثر سے اس کے جسم پر پھوڑے نکل آئے اور مر گیا۔ لیکن بعض دوسروں
کے نزدیک یہ غلط ہے قیصر نے اس کی قبر پر اس کا مجسمہ بنا کر لگوایا جو مامون الرشید
کے زمانے تک موجود تھا۔ دراصل اسے چیچک نکل آیا تھا اور اسی سے مر گیا۔
امراؤ القیس پہلا شاعر ہے جس نے عربی شاعری میں باقاعدہ فن قصیدہ
کی بنیاد رکھی اور قافیے کے اصول متعین کئے۔ نقادوں نے اس کے کلام کی سحر کاری کا
اعتراف کیا ہے۔ اس کے اشعار کی تازگی اب بھی قائم ہے۔ اس کی شاعری میں
بنو نجد کے جن دیار و امصار کے آثار کا ذکر آیا وہ واقعہ میں حقیقی ہیں۔ لیکن
طٰہٰ حسین اسے مجہول الاسم اور مجہول الحال لکھتے ہیں اور اس کے عمدہ اشعار کو الحاقی بتاتے
ہیں۔ حالانکہ لبید جیسا منجھا ہوا شاعر اسے سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتا ہے۔ سبعہ معلقات[۶۳۳]
میں اس کا قصیدہ بھی شامل ہے۔ جس کے ایک شعر کا ایک ٹکڑا علامہ نے استعمال کیا
ہے۔ قد ازمعت الفراق۔ بعض نسخوں میں ایسا بھی درج ہے۔

۶۳۳۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ج ۳ ص ۲۳۶ تا ص ۲۴۱۔ ایضاً

باب سوم ـــــ فلکِ عطارد ص ۲۳۵ تا ص ۳۰۵

فلکِ عطارد (۹۲)

زیارتِ ارواحِ جمال الدین افغانی (۹۳) و سعید حلیم پاشا (۹۴)

تمہید

۴۷۷- مشتِ خاکی کارِ خود را بردہ پیش ،
در تماشای تجلی ہای خویش
یا من افتادم بدامِ ہست و بود ،
یا بدامِ من اسیر آمد وجود
اندریں نیلی تتق چاک از من است ؟
من ندانم کہ افلاک از من است ؟
یا ضمیرم را فلک در بر گرفت ،
یا ضمیرِ من فلک را در گرفت !
اندرون است این کہ بیرون است چیست ؟
آن کہ می بیند نگہ چون است ، چیست ؟
پی زنم بر آسمانی دیگری
پیشِ خود بینم جہانی دیگری
عالمی با کوہ و دشت و بحر و بر
عالمی از خاکِ ما دیرینہ تر
عالمی از ابرکی بالیدہ ،
دستِ تعمیرِ آدمی نادیدہ
۴۸۰- نقشہا نابستہ بر لوحِ وجود
خردہ گیرِ فطرت آنجا کس نبود

۴۸۱- من بہ رومی گفتم این صحرا خوش است
در کہستان شورشِ دریا خوش است
من نیابم از حیات این جا نشان
از کجا می آید ؟ آوازِ اذان ؟
گفت رومی این مقامِ اولیاست
آشنا این خاکدان با خاکِ ماست
بوالبشر چون رخت از فردوس بست
یک دو روزی اندرین عالم نشست
این فضاہا سوزِ آہش دیدہ است
نالہ ہای صبحگاہش دیدہ است
زائرانِ این مقامِ ارجمند
پاک مردان از مقاماتِ بلند
پاک مردان چون فضیل (۹۵) و بوسعید (۹۶)
عارفان مثلِ جنید (۹۷) و بایزید (۹۸)
۴۸۸- خیز تا ما را نماز آید بدست
یک دو دم سوز و گداز آید بدست

۴۸۹- رفتم و دیدم دو مرد اندر قیام
مقتدی تاتار (۹۹) و افغانی (۱۰۰) امام
پیرِ رومی ہر زمان اندر حضور
طلعتش برتافت از ذوق و سرور
گفت مشرق زین دو کس بہتر نزاد
ناخنِ شان عقدہ ہای ما گشاد
سید السادات مولانا جمال
زندہ از گفتارِ او سنگ و سفال
ترک سالار آن حلیمِ دردمند
فکرِ او مثلِ مقامِ او بلند
۴۹۴- با چنین مردان دو رکعت طاعت است ،
ورنہ آن کاری کہ مزدش جنت است ،،

۴۹۵ - قرأت آن پیر روحنت کوش! سورهٔ والنجم و آن دشت خموش! (۱۰۱)
قرأتے کز وے خلیل (۱۰۲) آید بوجد روح پاک جبرئیل (۱۰۳) آید بوجد
دل ازو در سینه گردد ناصبور شورِ الا اللّٰه (۱۰۴) خیزد از قبور!
اضطراب شعله بخشد دود را سوز و مستی می دهد داؤد (۱۰۵) را
۴۹۹ - آشکارا ہر غیاب از قرأتش بے حجاب (۱۰۶) ام الکتاب از قرأتش
من ز جا برخاستم بعد از نماز دستِ او بوسیدم از راهِ نیاز
گفت رومی "ذره گردون نورد در دلِ او یک جہان سوز و درد
چشم مجز بر خویشتن نکشاده دل بکس نا داده آزاده
تند سیر اندر فراخای وجود من ز شوخی گفتمش او را زنده رود (۱۰۷)

حواشی و تعلیقات :

(۹۲) عُطارد :

عُطارد دوسرے آسمان پر ایک ستارہ ہے جسے دبیرِ فلک اور منشیٔ فلک بھی کہتے ہیں۔ علم اور عقل اس سے متعلق ہے۔ اصطلاحِ کیمیاگران میں جست کو عطارد کہتے ہیں، عُطاردِ منش: نہایت تیز طبع ذکی۔ اس ستارے کا شرف برجِ سنبلہ میں ہے ۶۳۴ بخارِ خشک کا بخارِ مرطوب میں ملا کر نباتات اور حیوانات کے اجسام میں اعتدال پیدا کرنا عُطارد کی خاصیت ہے ۶۳۵ عُطارد کا محل فلکِ دوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اسمِ قدیر کا مظہر بنایا ہے اور اس کا آسمان اپنے اسم علیم و خبیر کے نام سے پیدا کیا ہے۔ پھر وہ فرشتے جو اہلِ صنعت کو مدد دینے والے ہیں وہ تمام خدا تعالیٰ نے اسی آسمان میں رکھے ہیں۔ چونکہ جن عالمِ ارواح ہیں اس لیے وہ اس عالمِ اجسام کو کثافت میں ہیں وہ اوپر چڑھتے ہیں حتیٰ کہ عالم روحی کی طرف پہنچتے ہیں اور وہ آسمانِ دنیا کا کنارہ ہے۔ اس ارتقاء کی بدولت وہ آسمانِ دوم کے فرشتوں کا کلام سنتے ہیں۔ (بعثتِ محمدیؐ سے پہلے) وہ یہ باتیں چرا کر اپنے مشرکوں کے پاس لاتے تھے لیکن اب (بعد از بعثتِ محمدیؐ) ایک روشن شہاب ان پر گرتا ہے اور وہ زیاں کار اور پشیمان ہو کر لوٹتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالکریم الجیلیؒ نے اپنے مکاشفہ میں بتایا ہے کہ انہوں نے اس آسمان پر حضرت نوح علیہ السلام سے ملاقات کی انہوں نے شیخ کو بتایا کہ " یہ آسمان معارف کے موتیوں کی لڑی ہے کہ عوارف کی کنواریاں اس میں متجلی ہوتی ہیں .... خدا نے اس آسمان میں جو فرشتے پیدا کیے ہیں ان کی صرف یہی عبادت ہے کہ خلق کو انوارِ حق کی طرف راہنمائی کرتے ہیں ۶۳۶ انگریزی میں Mercury فارسی میں تیر کہتے ہیں ۶۳۷

---

۶۳۴ بزم صوفیات ج ۳ ص ۱۲۷ ایضاً۔ ۶۳۵ ذخیرۃ الملوک، امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ ص ۲۱۸ ایضاً نیر

۶۳۶ 'انسان کامل' حضرت سید عبدالکریم الجیلیؒ ترجمہ اردو فضل میراں ص ۳۷۶ تا ص ۳۷۸ لاہور ۶۳۷ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۳ ص ۳۷۳ بذیل عُطارد۔

(۹۲) سید محمد بن صفدر جمال الدین افغانی رح :

محمد جمال الدین سید محمد صفدر مشیر امیر کابل
دوست محمد خان کے ہاں ۱۲۵۴ ہجری / ۱۹۳۸-۳۹ عیسوی میں کنار کے قریب قصبہ سعد آباد میں اور
بعض دوسرے ذرائع کے مطابق ہمدان کے نزدیک اسد آباد، میں پیدا ہوئے۔ اول الذکر قصبہ کا ضلع کابل
سے تعلق ہے اور مؤخر الذکر قصبہ کا تعلق ایران سے ہے یہ بات البتہ یقینی ہے کہ امیر کابل کے مشیر کا
فرزند افغانی ہی تھا اور اس کا بچپن اور جوانی کابل میں بسر ہوئی۔

اٹھارہ سال کی عمر میں تمام متداول علوم کے حصول سے
فارغ ہو جانا ان کی طبعی و فطری صلاحیتوں کا مظہر ہے۔ ایک برس ہندوستان میں بھی رہے اور ۱۲۷۳ھ
میں حج بیت اللہ کے لئے نکلے۔ ذہانت و فطانت نے کابل اور ایران کے بادشاہوں کو
متاثر کیا اور امور مملکت میں دخیل ہونے کا موقع بھی دیا لیکن ملوکیت دشمن خیالات نے کہیں
ٹکنے نہ دیا۔ شہنشاہ ایران نے تو شاہ عبدالعظیم کی درگاہ کا آئینی اور اخلاقی لحاظ بھی نہ کیا اور وہاں گوشہ
نشین افغانی کو پناہ کے حق سے محروم کر کے گھوڑ سوار فوجیوں کے ذریعے وہاں سے نکالا اور پاپیادہ، پابجولاں
ایرانی سرحد، خانقین تک لے گئے یہ ۱۸۹۱ء کے آغاز کا واقعہ ہے۔ ہر دانشمند سربراہ مملکت
مصر، ایران، افغانستان نے انہیں پہلے چاہا مگر پھر اس کی ملوکیت دشمنی، اتحاد عالم اسلامی اور
معاشی و معاشرتی نظریات نے دشمن پیدا کیے اور ملک بدر کرایا۔

حیدرآباد دکن ہو کابل ہو، مصر ہو، فرانس ہو، یا لندن
علامہ افغانی رح جہاں پہنچے پہلے تو قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے اور پھر یہ "خرابی" کی جڑ ہی سمجھے گئے۔ اور
حقیقت بھی یہی ہے کہ سلفی تحریک ہو یا اخوان المسلمین کا قیام، فکر اقبال ہو یا تحریک خلافت
ہر کہیں افغانی کے دم گرم کی تپش نمایاں ہے۔

افغانی رح نے کرشماتی اور سحر انگیز شخصیت پائی تھی جس سے
ایک بار ملے وہ عمر بھر کے لئے معترف ہو گیا۔ فرانس کا مشہور مصنف ارلینسٹ رینان اس حقیقت کا یوں
اعتراف کرتا ہے۔

"ان کی آزادیٔ فکر اور ان کے شریف اور پروقار کردار نے
گفتگو کے دوران میں مجھے ایسا متاثر کہ گویا میرے سامنے میرے
ان قدیم شناساؤں، یعنی، ابن سینا، ابن رشد یا
ان مسلمانوں میں سے کوئی ایک زندہ ہو کر میرے سامنے موجود
ہے جنہوں نے انسانی جذبات کی پانچ صدیوں تک ترجمانی کی" ع۶۲۸

علامہ افغانی رح کے تحریری اثاثے "عروۃ الوثقیٰ" کے چند مضامین ہی ہیں لیکن اس کی تقریر و تعلیم نے
اسلامی ممالک کے روسی میں آزادی کی لہر دوڑانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ پشتو، فارسی، انگریزی اور
ترکی و فرانسیسی زبانوں پر انہیں کمال دسترس حاصل تھی اس لئے جہاں گئے " داستاں چھوڑ آئے "۔
علامہ اقبال کو ان کی سیر و سیاحت پر مبنی زندگی ہجرت کے اسلامی رکن کا عکس لگی، اور

ع۶۲۸ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج۷ ص ۳۲۲ تا ص ۳۲۶ (الیضاً فلسفہ عجم بدیہ کے تنویر اقبال ص ۳۶۷ مرتبہ [illegible]
نگارشات لاہور بار اول ۱۹۸۶

اور معلماتِ دین مثلاً دین و وطن، اشتراکیت و ملوکیت، خلافت و حکومت الٰہی، ملکیتِ زمین اور حکمت و سائنس سے متعلق افکارِ افغانی نے علامہ کو متأثر کیا۔ وہ مسئلۂ قادیانیت کے ضمن میں پنڈت جواہر لال نہرو کے سوالات (مطبوعہ ماڈرن ریویو کلکتہ) کا جواب دیتے ہوئے ضمناً سید افغانی رح کی شخصیت پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں،

"مولانا سید جمال الدین افغانی کی شخصیت کچھ اور تھی۔ قدرت کے طریقے بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ مذہبی فکر و عمل کے لحاظ سے ہمارے زمانہ کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ مسلمان افغانستان میں پیدا ہوتا ہے۔ جمال الدین افغانی دنیائے اسلام کی تمام زبانوں سے واقف تھے۔ ان کی فصاحت و بلاغت میں سحر آفرینی و دلیعت تھی۔ ان کی بے چین روح، ایک اسلامی ملک سے دوسرے اسلامی ملک کا سفر کرتی رہی اور اس نے ایران، مصر اور ترکی کے ممتاز ترین افراد کو متأثر کیا۔ ہمارے زمانے کے بعض جلیل القدر علماء جیسے مفتی محمد عبدہٗ اور نئی پود کے بعض افراد جو آگے چل کر سیاسی قائد بن گئے۔ جیسے مصر کے زاغلول پاشا وغیرہ انہیں کے شاگردوں میں سے تھے۔ انہوں نے لکھا کم اور کیا بہت اور اس طریقے سے ان تمام لوگوں کو جنہیں ان کا قرب حاصل ہوا چھوٹے چھوٹے جمال الدین بنا دیا۔ انہوں نے کبھی نبی یا مجدد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا پھر بھی ہمارے زمانے کے کسی شخص نے روحِ اسلام میں اس قدر تڑپ پیدا نہیں کی جس قدر کہ انہوں نے کی تھی۔ ان کی روح اب بھی دنیائے اسلام میں سرگرم عمل ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کی انتہا کیا ہوگی"[۶۳۹]

علامہ اقبال اور جمال الدین افغانی کے خیالات میں بڑی مماثلت ہے، افغانی کا خیال تھا کہ تمام مسلمان سلطنتیں ایک ہو جائیں اور اقبال بھی یہی کہتے ہیں کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر[۶۴۰]

فرانس کے ایک تنظیم "گرانڈ اورینٹ" سے الحاق پر مبنی تنظیم قوم پرست مصری نوجوانوں کی ذہنی تربیت کے لئے قائم کی، اس تنظیم کے تین سو ارکان کا گروہ، اس حلقے میں سیاست پر گفتگو کرتا، اصلاحی تجاویز کا خاکہ مرتب کرتا اور پارلیمانی جمہوریت کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیتا[۶۴۱]

اس حوالے سے بھی علامہ اقبال اور افغانی رح کا ذہنی اشتراک نمایاں ہے۔ سید افغانی رح نے "ایک تو مسلمانوں کو اپنی اخلاقی اور ثقافتی عظمت کا احساس دلایا، دوسرے یہ کوشش کی کہ مغربی ممالک کے عزائم جو ہمیشہ تدبر کے نقابوں میں ملفوف ہوتے ہیں ان کا صحیح مطلب مسلمانوں پر عیاں ہو جائے تیسرے انہوں نے کم و بیش ہر اسلامی ملک میں جا کر اصلاح کی تحریک کی بنیاد رکھی۔ ایک طرح کہا جا سکتا ہے کہ بیسوی صدی میں اسلامی ممالک نے جو مغربی استعمار سے چھٹکارا حاصل کیا ہے تو یہی فصل کاٹی گئی ہے جس کے بیج افغانی نے انیسویں صدی میں بوئے تھے۔

کوئی شک نہیں کہ بیسویں صدی میں جو دو بڑی لڑائیاں ہوئیں انہوں نے مغربی استعمار کے تابوت میں

---

[۶۳۹] حرفِ اقبال مرتبہ لطیف احمد خان شروانی ص ۱۳۶/۱۳۷ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اشاعت اول اگست ۱۹۸۲ء۔
[۶۴۰] دائرہ معارف اقبال ملک حسن اختر الیضاً ص ۱۵۶ [۶۴۱] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۷ ص ۳۲۹ ایضاً۔

تبدیلیں عمومی رونما ہیں، لیکن حریت اور آزادی خواہی کی جتنی تحریکات اسلامی ملکوں میں شروع ہوئیں اور پنپیں ان کے موسس ایک طرح سے جمال الدین افغانی ہی تھے۔ ع ۶۲۲

فکر افغانی کا خلاصہ ان کے ایک رسالہ مطبوعہ "عروۃ الوثقیٰ" کے اقتباس سے واضح ہے۔

" اگر امتی در موقع ضرورت به [دین] فداکاری تن در ندهد و سرنوشت خود را بدست حاکم نادان و مستبد بدهد که هر چه دلش بخواهد بکند، پس باید خود را برائے بردگی و بندگی آماده سازند و رنج و مذلت را تحمل کنند و داغ ننگ و عار را در میان ملتها به پیشانی خود بزنند ـ بمکافات آنکه در انجام امور ملی خویش، سستی و کاہلی کردہ اند نه اینکه خداوند به آنہا ستم کردہ است" ع ۶۲۳

جو امت (جماعت، گروہ اہلِ ریاست) ضرورت کے وقت عملی بدنی قربانی دینے کے بجائے اپنی تقدیر نادان اور جابر حکمران کے ہاتھوں دے دیتی ہے کہ جو وہ چاہے کرے۔ چنانچہ ایسی جماعت لازم ہے کہ خود کو تباہی اور غلامی کے لئے تیار ہو۔ اور دکھوں اور ذلت کو برداشت کرے، اور دیگر قوموں کے درمیان ننگ و عار کا داغ اپنی پیشانی پر سجائے۔ اس سزا میں کہ اپنی ملی معاملات کی انجام دہی میں سستی و کاہلی کی نہ اس وجہ سے کہ خداوند نے ان پر ستم کیا۔

یہ "فکر" جہاں افرادِ قوم کو ملی معاملات میں مکمل دخیل کرتی ہے وہاں، غلامی و ادبار سے بچنے کے لئے "حکمرانوں" کے محاسبے کی کھلی تبلیغ سے متعلق "جہاد" میں معروف نظر آتی ہے ایسے میں اس مفکر کا جو انجام ہونا چاہئے تھا ہوا ـ ترکی کے سلطان عبدالحمید نے /متوفی ۱۹۱۸ء/ افغانی کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کی خاطر اپنے سفیر لندن کی وساطت سے دو دفعہ اپنے ہاں آنے کی دعوت دی پہلے تو افغانی نے انکار کر دیا مگر بالآخر رضامند ہو گئے۔ اس "طلائی قفس" میں بھی ان کے انداز وہی رہے جو تھے، نہ "شیخ الاسلام" کے منصب کا لالچ اس کوہِ ثبات کو لغزش دے سکا نہ حاسدوں کی حسد رانی و منافقت اور بااثر لوگوں کی بزدلی اسے راہِ صواب سے ہٹا سکی۔ ۱ مارچ ۱۸۹۶ء کو شاہِ ایران کا قتل بھی ان کے کھاتے میں ڈال دیا۔ آخر ۹ مارچ ۱۸۹۷ء کو اس آزادی پسند کی روح کا طائر اس طلائی قفس اور قفسِ عنصری سے بیک وقت پرواز کر گیا ان کی موت گردن کے سرطان سے ہوئی یا سلطانِ ترکی کے ایما پر ایک معمولی دانے پر زہر آلود نشتر سے عمل جراحی کے باعث، بہر حال عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔

جمال الدین افغانی رح کی جو تحریریں دستیاب ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو بالخصوص اور ہر قوم کو بالعموم یقین دلانے میں مصروف رہے کہ "قرآنِ حکیم سے بڑھ کر کوئی صحیفہ، کوئی ضابطہ، کوئی نظام بنی آدم کی روحانی، اخلاقی، سیاسی اور مادی ترقی کا ضامن نہیں ہے۔

ع ۶۲۲ تلمیحات اقبال عابد ص ۲۵۳ [بحوالہ مشاہیرِ اسلام ـ مولانا غلام رسول مہر]

ع ۶۲۳ مجلہ ہائے سید جمال الدین اسد آبادی. جلد اول مقالات ترجمہ فارسی ـ زین العابدین ـ کاظمی شیخانی. انتشارات حجر سن اشاعت ندارد

علامہ افغانیؒ نے ۹ مارچ ۱۸۹۷ء کو وفات پائی اور استنبول میں دفن ہوئے لیکن چالیس سال بعد دسمبر ۱۹۴۴ء میں ان کی نعش کو افغانستان لے جاکر علی آباد [کابل] میں دفنا دیا گیا۔ مفتی محمد عبدہ نے انہیں " بلند حوصلہ اور زبردست قوتِ ارادی کا مالک " کہہ کر خراج پیش کیا ۶۲۴ یہی وہ صفات ہیں جو اقبال کے مردِ خودی کا زیور ہیں۔ اقبال نے فلک عطارد میں ملاقات کے لئے انہیں چنا اس لئے کہ بقول عبدالکریم الجیلانیؒ " وہ تمام معارف کے موتیوں کی لڑی اور انوارِ حق کی طرف خلق کی ہدایت کرنے والے فرشتوں کا مقام ہے جہاں فضیل بن عیاضؒ، ابو سعید الوالجزؒ، ابو یزید البسطامیؒ، سید الطائفہ جنید بغدادیؒ جیسے لوگ جاتے ہیں وہیں جمال الدین افغانیؒ اور سعید حلیم پاشاؒ بھی معروفِ عبادت ہیں۔

(۴۴) سعید حلیم پاشا :

عہدِ عثمانی کا یہ ترک مدبر اور مصلح محمد علی پاشا کے فرزند ابراہیم حلیم پاشا کے ہاں ۱۸۶۵ء میں بمقام قاہرہ پیدا ہوا۔ ترکی اور سوئٹزرلینڈ میں تحصیلِ علم کا کام مکمل کیا۔ ۱۸۸۹ء میں ترکی کے سلطان عبدالحمید کے وزیر ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں انہیں پاشا کا خطاب ملا۔ ۱۹۰۵ء میں فرقہ نوجوانوں کی تنظیم " انجمن اتحاد و ترقی " کی سرپرستی کی وجہ سے سلطان نے وزارت سے معزول کردیا۔ ۱۹۰۸ء میں جب انجمن مذکور نے سلطان کو مجوزہ اصطلاحات کے نفاذ پر مجبور کردیا گیا تو سعید حلیم پاشا کو مصر سے بلا کر انجمن کا رہنما بنا دیا گیا۔ ۱۹۱۱ء میں کونسل آف سٹیٹ کے صدر ہوئے ۱۹۱۲ء میں انجمن مذکور کے صدر منتخب ہوئے اور وزارتِ خارجہ کا عہدہ پیش کیا گیا۔ ۱۹۱۳ء میں مارشل محمود شوکت پاشا کی شہادت کے بعد ترکی کے وزیرِ اعظم مقرر ہوئے۔ ۶۲۵ ۱۹۱۶ء میں وزارتِ عظمیٰ سے مستعفی ہوگئے۔ جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء میں غیر جانبدار رہنے کی بجائے انگریزوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے کے نتیجے میں ۱۹۱۹ء میں انگریزوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کیا اور پاشائے موصوف اور ان کے رفقاء کو مالٹا میں نظر بند کردیا۔

ایک سال بعد رہائی ملی وہ روم [اٹلی] میں سکونت پذیر ہوگئے۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۲۱ء کو ایک ارمنی نے شہید کردیا۔ شاہی خاندان کا فرد ہونے کے باوجود وہ ان تمام عیوب سے پاک رہے جو ایسے خاندانوں کا خاصہ ہوتے ہیں۔ قدرت نے انہیں ایک بلند پایہ مفکر کا دماغ اور سچے مسلمان کا دل عطا کیا تھا۔ " اسلام یا شمق " میں عقلی و نقلی دلائل سے اسلام کی حقانیت اور مکمل ضابطۂ حیات ہونے کا ثبوت دیا۔ اس کتاب کو حیرت انگیز مقبولیت حاصل ہوئی۔ عربی فارسی کے علاوہ یورپ کی کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ شہادت سے چند ہفتے قبل انہوں نے اس کتاب کا خلاصہ ایک فرانسیسی رسالے میں شائع کرایا۔ اور اس اہم نکتہ کو خصوصیت سے واضح کیا

---

۶۲۴ ۔ مقالاتِ خطباتِ اقبال - مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ صفحہ ۸۹۔ اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء

۶۲۵ ۔ سید عابد علی عابد نے تلمیحاتِ اقبال میں " مصر کا وزیر اعظم لکھا ہے " ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷۷۔ جو غلط ہے۔

"اسلامی دنیا کے موجودہ انحطاط کا سبب، اصولِ اسلام کی غلط یا ناقص عملی تعبیر ہے۔ لہٰذا اس انحطاط کے ازالے کی صحیح صورت یہی ہے کہ ہم اصولِ اسلام کی صحیح تعبیر کریں۔ یورپ کی کورانہ تقلید ہمارے مرض کا ازالہ کرنے کی بجائے اس میں اضافہ کردے گی۔" ع ۶۲۶ حقیقت تو یہ ہے کہ آج بھی اسلامی تحریکوں کی تمام تر ناکامی کی اصل وجہ یہی "تعبیر کی غلطی" ہے۔ علامہ نے اسی فکر سے طبعی مناسبت کی بدولت اپنی فلکِ عطارد پر جمال الدین افغانیؒ کی اقتدار اور اپنی ملاقات کے لئے اپنی چنا ہے۔

تمہید شعر نمبر ۷۷۴ تا شعر نمبر ۷۸۰: علامہ نے جس طرح "انسانِ کامل" کے درج بالا اقتباس کے زیرِ اثر فلکِ عطارد کو "مقامِ اولیا" بتایا ہے اور افغانی و پاشا جیسے رہنماؤں کو ملاقات کے لئے منتخب کیا ہے اسی طرح شاہد الجیلیؒ کے ذیلی اقتباس کی روشنی میں یہ تمہیدی شعر لکھے ہیں۔ اقتباس یہ ہے۔

"میں نے اس آسمان میں قدرتِ رحمٰن کے عجیب و غریب کرشمے اور موجودات کے اسرار ملاحظہ کئے ہیں جن کا اس زمانے کے لوگوں میں شائع کرنا گنجائش نہیں رکھتا پس جس چیز کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اس میں تأمل کر اور اس بات میں فکر کر جسے ہم نے چیستان کے رنگ میں بیان کیا ہے **تیرے وجود سے یہ تجھ سے خارج نہیں ہے**۔ ہماری اس رمز کو حل کر۔" ع ۶۲۷

علامہ نے جو استفہامیہ انداز اپنایا ہے وہ دراصل اسی "رمز" کا لطیف ایما و استفہام حل ہے یعنی **کارِ خود را پیش بردن**، بروئے کار لانا، کامیاب ہونا۔ اپنی ہی تجلیات کے تماشا ہے۔ علامہ کے نزدیک:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق ع ۶۲۸

بندۂ حق وارثِ پیغمبراں
او نگنجد در جہانِ دیگراں
فطرتِ او بے جہات اندر جہات
او حریم و در طوافش کائنات ع ۶۲۹

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مومن کا مقام ہر کہیں ہے ع ۶۵۰

معلوم نہیں کیا ہے، فلک میرے ضمیر کے آغوش میں ہے یا میری آغوش نے فلک کو لے لیا ہے لیکن یہ واقعہ ہے میں کسی اور آسمان میں محوِ پرواز تھا اور میرے سامنے ایک اور ہی عالم تھا۔ ایسا جہان جو دستِ بردِ آدم سے محفوظ رہا۔ نہ کسی زندگی کے آثار ہیں اور نہ کسی نے اس فطری صورت کو اپنی ضرورت کے تحت صورت گری کی۔

ع ۶۲۶ شرح جاوید نامہ: چشتی ص ۵۲۰ نیز متعلقاتِ خطباتِ اقبال ص ۱۰۶ "ایضاً"
ع ۶۲۷ انسانِ کامل، ص ۳۲۸ ایضاً ع ۶۲۸ کلیاتِ اقبال اردو ص ۵۰۶ (ضربِ کلیم: کافر و مومن)
ع ۶۲۹ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۸۵۵ (مثنوی مسافر: خطاب باقوامِ سرحد) ع ۶۵۰ کلیاتِ اقبال اردو ص ۲۹۵ (بالِ جبریل: سرزمینِ اندلس میں) عبدالرحمٰن اول...

۸۱ مرتبہ : اس لئے زیر دوبن کا معاملہ کچھ اور قسم کا ہے

زیر گردوں می نیا آساید دلش   بر فلک گیرد قرار آب و گلش ۶۵۱

اس مقام نے آدم کو ھبوط کے بعد آہیں بھرتا نالہ کرتا دیکھا ہے ۔ اب یہ اُن پاک مردوں اور عارفوں کا مقام ہے جو دلوں کو "آہِ صبحگاہی" سے گرماتے ہیں مثلاً فضیل ابن عیاضؒ ابوسعید ابن ابوالخیرؒ، سید الطائفہ جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ ۔

(۹۵) **فضیل ابن عیاضؒ** : کنیت ابو علی ، اصل وطن بقول بعض کوفہ اور بقول بعض بخارا ۔ آپ کا وطن اصلی خراسان میں مرو کے مزاح میں ایک مقام ہے ۔ ولادت سمرقند میں ہوئی اور نشوونما باورد میں ۔ خواجہ عبد الواحد بن زید کے مرید اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید ہیں ۔ ابراہیم ادہمؒ ، بشر حافیؒ ، سفیان ثوریؒ اور داؤد طائیؒ کے ہم عصر تھے ۔ معارف و حقائق میں یکتائے روزگار رسالہ قشیریہ آپؒ کے ملفوظات سے پر ہے ۔ ۶۵۲

دارا شکوہ لکھتے ہیں نہایا ★ جس طرح بہشت میں رونا قابلِ تعجب ہے اس سے زیادہ قابلِ تعجب یہ ہے کہ دنیا میں ہنسا جائے ۔

★ جو اپنے آپ کو قیمتی جانتا ہے تواضع سے اس کو کوئی حصہ نہیں ملتا ۔

★ حق تعالیٰ جب بندے کو دوست کہتا ہے اُسے بہت رنج و غم دیتا ہے اور جب کسی کو دشمن رکھتا ہے دنیا اس پر کشادہ کر دیتا ہے ۔

۶۵۳

آپ کی وفات محرم ۱۸۷ھ میں ہوئی مزار مبارک مکہ شریف میں حراتِ معلّی میں واقع ہے

(۹۶) **ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیرؒ** : (سلطان) ابوسعید ابوالخیرؒ قرن چہارم و پنجم کے اکابر صوفیا میں سے ہیں ۔ یکم محرم ۳۵۷ھ / ۷ دسمبر ۹۶۷ء کو خراسان کے ایک قدیم قصبہ میہنہ (ابیورد اور سرخس کے درمیان) میں پیدا ہوئے ۔ ابوسعید کے والد دوا فروش تھے اور بابو (بابا) ابوالخیر کے نام سے مشہور تھے ۔ ابتدائی تعلیم میہنہ ، مرو اور سرخس میں حاصل کی ۔ والد کے ساتھ رقص و سماع کی محفلوں میں شرکت اور ابوالقاسم بشر یاسین (متوفی ۳۹۰ھ) سے طریقت کا درس لینے سے میلان تصوف کی طرف بڑھ گیا ۔ شافعی فقہ کی تعلیم ابو عبد اللہ حصری اور ابوبکر القفال سے حاصل کی ۔ امام الحرمین کے والد ابو محمد الجوینی بھی اُن کے ہم سبقوں میں تھے تفسیر قرآن اور عقائد اسلام اور حدیث نبوی کی تعلیم ابو علی ظاہر الشبکی سے پائی جنہوں نے سرخس سے معتزلہ عقائد کا کامیابی سے استیصال کیا تھا ۔

مشہور صوفی ابوالفضل محمد بن حسن سرخسی سے تعارف ہوا تو ادھر کے ہو کر رہ گئے ۔ اُن کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے وفات کے بعد بھی قبض کی صورت میں ذہن

---

۶۵۱ کلیات فارسی اقبال ص ۱۶۵ (رموز بے خودی : ولم یکن لہ کفواً احد) ۔

۶۵۲ ملاحظہ ہو رسالہ قشیریہ ص ۲۲ ، ص ۲۵ ، ص ۲۲ ، ص ۲۷ ، ص ۱۹۶ ، ص ۲۰۲ ، ص ۲۰۶ ، ص ۲۲۶ ، ص ۲۳۶ ، ص ۲۳۷ ، ص ۲۷۰ ، ص ۳۱۲ ، ص ۳۳۳ ، ص ۳۲۳ ، ص ۳۲۹ ، ص ۵۰۱ ، ص ۵۲۳

۶۵۳ سفینۃ الاولیاء : شہزادہ دارا شکوہ قادری ۔ ترجمہ : محمد علی لطفی ص ۱۲۰/۱۲۱ نفیس اکیڈمی کراچی طبع دوم نومبر ۱۹۶۱ء
حضرت فضیلؒ کے حالات مفصل جاننے کے لئے کشف المحجوب ۱۲۰ ، نفحات الانس : ۳۸ ، ترجمہ تذکرۃ الاولیاء : ۱۰۷ ، شرح التعرف : ج ۱ ص ۱۲ اور طبقات الصوفیہ ص ۶

کے مزار پر (سرخس) جایا کرتے تھے۔ شیخ ابوالفضل کے حکم کے مطابق مشہور صوفی السُلمی سے خرقہ حاصل کیا۔ ابوالفضل کی وفات کے بعد آمل کے ابوالعباس قصاب کی صحبت میں بھی رہے اور خرقہ حاصل کیا۔ میہنہ واپس لوٹنے پر خانقاہ قائم کی اور پورے ذوق شوق سے ریاضتوں میں مشغول ہو گئے۔ طہارت کا اہتمام، حجرے کے درو دیوار کے غسل تک بڑھ گیا تھا فاقہ معمول تھا۔ ذکر کے وقت کانوں میں روئی ٹھونس کر خود کو حجرے میں بند کر لیتے۔ بعض اوقات ہم جنس انسانوں کو دیکھنے سے بھی وحشت ہوتی اور کئی کئی ماہ قریبی پہاڑوں یا صحرا میں گم رہتے۔
بالآخر نفس کشی کی اس مشق نے "خدمت" کا روپ دھار لیا۔ درویشوں اور مسکینوں کے لئے بھیک مانگنا، مسجدوں میں جھاڑو دینا، عام سا کام ہو گیا فرماتے تھے "اللہ تک پہنچنے کا نزدیک ترین راستہ مسلمان کے دل کو راحت پہنچانا ہے۔ (راحتے بادلِ مسلمانے رسانیدن، اسرار التوحید صفحہ ۲۴۳)۔ کشف قلوب کی صلاحیت نے اکثر مخالفین کو بھی پیروکار بنا لیا۔ مسرفانہ حد تک فراخدلی تھی مریدوں کی ضیافتوں میں اس کا اظہار ہوتا تھا۔ ھاؤ ھو، رقص کا خاصہ تھا جس کے دوران قیمتی جبے پھاڑ دیئے جاتے اور بانٹ دیئے جاتے۔ صوفی نے کہا یہ زمانہ زاہدانہ زندگی میں سلطانی شان دکھاتا تھا ــــ شیخ ابوسعید نے بھی ابن حلاج کی طرح ایک شطحیہ زبان سے نکالا دورانِ رقص اپنے جبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لَیْسَ فِی الْجُبَّۃِ اِلَّا اللّٰہ (اس جبے میں اللہ کے سوا کوئی نہیں)۔
شیخ سے بہت سی فارسی رباعیات منسوب ہیں لیکن ان کے پوتے نے اسرار التوحید میں صراحت کے ساتھ شیخ کے یادِ الٰہی میں استغراق سے عدم فرصت کا ذکر کر کے شعر گوئی سے انکار کیا ہے وہ جو شعر پڑھتے تھے وہ ان کے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن کے ہوتے تھے۔ سوائے ایک رباعی کے جو حوراء کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ جو انہوں نے اپنے معلم قرآن ابوصالح کی بیماری کا علاج کیا تھا۔ اس کی شرح میں عبداللہ بن محمود الشاشی نے رسالہ حورائیہ لکھا تھا۔ (اسرار التوحید صفحہ ۳۲۲ تا صفحہ ۳۲۵) [۶۵۴]
۱۲ جنوری ۱۰۴۹ء / ۴ شعبان ۴۴۰ھ کو میہنہ ہی میں فوت ہوئے۔
وہ ان قدیم ترین عارفوں میں سے ہیں جنہوں نے اصول تصوف کی خراسان میں اشاعت کی، شیرین گفتار واعظ تھے اور تصوف کی حقیقت کے بارے میں ان کا یہ قول بہت مشہور ہے

"دل میں جو خواہشات ہیں انہیں نکال دو اور ہاتھ میں جو کچھ ہے دے ڈالو جو کچھ تم پر گزرے اسے اللہ کی رضا سمجھو اور حرف شکایت لب پر نہ لاؤ"،

خدا اور بندے کے درمیان نہ زمین پردہ ہے نہ آسمان بلکہ وجودِ انسان پردہ ہے۔ جب اس پردہ کو ہٹا دو گے تو خدا کو پا لو گے [illegible]

---

[۶۵۴] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۸۲۱ تا صفحہ ۸۲۵ بحوالہ اسرار التوحید، لطف اللہ طبع سینٹ پیٹرز برگ ۱۸۹۹ء نیز الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۳ صفحہ ۱۰ نیز Studies in Islamic Mysticism by RA Nicholson مطبوعہ کیمبرج ۱۹۲۱ء صفحہ ۱ تا صفحہ ۷۶ [illegible] مرتب سید مظفر حسین برنی۔ اردو اکادمی دہلی اشاعت دوم ۱۹۹۴ء صفحہ ۷۵۹

۹۷ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ :

ابو القاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ شہرہ آفاق صوفی بزرگ سری سقطیؒ کے بھتیجے (یا بھانجے) اور انہیں کے مرید، بغداد کے باشندے تھے۔ فقہ کا مطالعہ ابو ثور کی شاگردی میں کیا اور حارث المحاسبی کی صحبت اختیار کی۔ تبع تابعین سے تعلق ہے۔ شیخ ہجویریؒ [م ۱۰۷۲ء] نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں انہیں طریقت میں شیخ المشائخ اور شریعت میں امام الائمہ لکھا ہے [ص ۱۰۳] جنید بغدادیؒ کی وفات ۲۹۸ھ/۹۱۰ء میں ہوئی۔ محاسبی کے ساتھ انہیں بھی صاحب صحو اور راسخ العقیدہ صوفیہ کا سب سے بڑا امام شمار کیا گیا ہے۔ اور بعد میں جو القاب انہیں دئے گئے یعنی سید الطائفہ، طاؤس الفقراء، شیخ المشائخ، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ الفہرست (ص ۱۸۶) میں ان کے رسائل کا ذکر ہے جن کی بڑی تعداد ایک رسالے کے نامکمل قطعات پر مشتمل مخطوطے کی صورت میں ابھی تک محفوظ ہے۔ یہ خاص خاص اشخاص کے نام مرسلہ خطوط، اور تصوف کے موضوعات پر مختصر رسالوں پر مشتمل ہیں۔ آخر الذکر میں سے بعض آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر کی شکل میں ڈھالے گئے ہیں۔ ان کا اسلوب تحریر ابہام کی حد تک الجھا ہوا ہے۔ حلاج پر ان کا اثر نمایاں ہے ۶۵۶۔ سب سے پہلے انہیں کے مقولات و ملفوظات میں وحدتِ وجود کا وہ تصور نمایاں دکھائی دیتا ہے جس کو بعد کے اکابر نے چمکایا ۶۵۷ مثلاً

"چونکہ سب چیزوں کی اصل ذاتِ خدا ہے اس لئے علیحدگی [تفریق] کے بعد آخر کار وہ پھر اسی ذات کی طرف عود کریں گی تاکہ پھر اس سے مل جائیں [جمع] اور صوفی مقام فنا میں یہی درجہ حاصل کرتا ہے" [رسائل، ورق ۳ الف - ب]

زبان کی ان جسارتوں سے بچتے رہے جنہوں نے ابو یزید البسطامی اور حلاج جیسے اصحاب سکر کی زبان پر جاری ہو کر راسخ الاعتقاد لوگوں کو ان کی طرف سے بدگمان اور خوف زدہ کر دیا۔ جنیدؒ نے اپنے واضح تصورات اور مکمل ضبطِ نفس کی بدولت ایک ایسی بنیاد قائم کر دی جس کے اوپر بعد کے سلسلہ ہائے صوفیہ کی عمارتیں کھڑی کی گئیں۔ ۶۵۸

۹۸ ابو یزید [بایزید] البسطامیؒ :

منصور بن عیسیٰ بن سروشان المعروف بہ بایزید بسطامیؒ معروف ترین اسلامی صوفیاء میں سے ایک تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ ولایت قومس کے شہر بسطام میں گزارا اور وہیں ۲۶۱ھ/۸۷۴ء یا

---

۶۵۶ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ ص ۴۸۴، ص ۴۸۵ ایضاً۔ ۶۵۷ تلمیحاتِ اقبال سید عابد علی عابد ص ۲۱۳

۶۵۸ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷ ص ۴۸۵ ایضاً۔

۲۶۱ھ/ ۸۷۷ - ۸۷۸ء میں وفات پائی ۔ ابویزیدؒ ذوالنون مصریؒ کے دوست تھے ۔ ابویزیدؒ کی زندگی اور ان کے اقوال کے بارے میں سب سے زیادہ مفصل حافظ ابوالفضل محمد بن علی الطاہر بن الحسین بن سہیل السہلگی البسطامی کی تالیف کتاب النور فی کلمات ابی یزید طیفور ہے (شطحات الصوفیہ 1/2 قاہرہ ۱۹۴۹) ۔

بایزید بسطامیؒ نے کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن ان کے تقریباً پانچ سو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ۔ ان میں سے بعض پہ نہایت دلیرانہ ہیں اور ایک ایسی نفسیاتی کیفیت کا اظہار کرتے ہیں جس میں صوفی اپنے متعلق یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ایک ہے بلکہ وہ خود معبودِ حقیقی میں تبدیل ہو گیا ہے ۔ ("عین الجمع") ۔ یہ اقوال بایزیدؒ کے حلقے کے لوگوں اور ملنے والوں نے جمع اور منتقل کئے ۔ معروف صوفی حضرت جنیدؒ نے اس قسم کے اقوال اس سے فارسی زبان میں سنے اور ان کا ترجمہ عربی میں کر دیا تھا لتصوف میں بایزید کے استاد ابوعلی السندھی تھے جنہوں نے اسے وحدت الوجود سے متعارف کیا ۔ یہ بات غیر ممکن نہیں کہ ابویزید ان کی وساطت سے ہندی اثرات سے متاثر ہوئے ہوں ۔

ان کے نزدیک دنیا، زہد (ترک دنیا) عبادت، کرامات، ذکر حتیٰ کہ مقاماتِ سلوک بھی سب کے سب صرف ایسے حجابات ہیں جو انہیں اللہ سے دور رکھتے ہیں ۔ "فنا" کے مقام میں "سبحانی ما اعظم شانی" جیسے شطحیات ان کی زبان سے جاری ہو جاتے ۔ "میں ہی عرش ہوں میں ہی کرسی کا پایہ ہوں" "میں لوحِ محفوظ ہوں" "میں نے کعبہ کو اپنے گرد طواف کرتے ہوئے دیکھا ہے" وغیر ذالک

مراقبات میں انہوں نے ماورائے ادراک فضاؤں میں پرواز کی ۔ جس کی رو سے ان پر یہ الزام وارد ہوا کہ وہ معراج کے تجربے کا دعا کرتے ہیں جیسی کہ رسول اکرمؐ کی تھی ۔ ان کے اقوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تصوف کے انتہائی عقیدے تک پہنچ گئے تھے ۶۵۹ ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام غزالیؒ نے ان کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا ۔ لیکن آج کل ان کی تالیفات نہیں ملتیں ۔ ابتدائی دور کے صوفیا میں ان کا مقام بہت بلند ہے وہ بھی وحدت وجود کے علمبردار تھے ۔ ۶۶۰ ۶۶۱ ان کے متعلق جنید بغدادیؒ نے فرمایا ابویزید منا بمنزلۃ جبرئیل من الملائکۃ ہم میں ابویزید کو وہ درجہ حاصل ہے جو جبرئیلؑ کو فرشتوں میں ہے ۔ بایزید کی شطحیات نے آگے چل کر حسین بن منصور حلاج (متوفی ۳۰۹ھ / ۹۲۱ء) کے زمانے میں انتہائی شکل اختیار کی ۶۶۲ ۔

---

۶۵۹ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد اول ص ۹۳۲، ص ۹۳۳ ، متعلقات خطبات اقبال ص ۲، ایضاً

۶۶۰ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۲۱۰ ایضاً ۶۶۱ اسلامی تصوف اور اقبال ص ۱۰۱ ڈاکٹر ابوسعید نور الدین اقبال اکادمی پاکستان لاہور اشاعت دوم ۱۹۷۷ء بحوالہ کشف المحجوب ص ۸۵ ۔

۶۶۲ اسلامی تصوف اور اقبال ۔ ایضاً ص ۱۰۱، ص ۱۰۲ ۔

(۹۹) نا تار: سعید حلیم پاشا - ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۹۴ (۱۰۰) افغانی: ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۹۳

شعر نمبر ۴۹۴: علامہ نے "اطاعتِ خداوندی" اور ہوسِ جنت کی خاطر عبادت کو ایک طرح کی ریاکاری اور کاروبار سمجھا۔ وہ فرماتے ہیں

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے   اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے ۶۶۳

مرزا غالب نے کہا -

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ   دوزخ میں ڈال دے کوئی لا کر بہشت کو ۶۶۴

ڈاکٹر ابو سعید نورالدین نے "اسلامی تصوف اور اقبال" میں "بی بی رابعہ عدویہ" کی ایک گفتگو نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ صوفیا کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں (رابعہ) نے ایک سے سوال کیا " خدا کی عبادت تم کس لئے کرتے ہو؟ "

" دوزخ کے سات طبقے نہایت ہیبت ناک ہیں، ہر متنفس کو ان میں سے ہو کر گزرنا پڑے گا میں ان کے خوف سے عبادت کرتا ہوں " دوسرے سے بھی یہی سوال کیا، تو اس نے جواب دیا، " حصولِ جنت کی خاطر " اس کے بعد انہوں (رابعہؒ) نے فرمایا،

" خدا کا وہ بندہ کس قدر بدنصیب ہے۔ جو کسی شے کے خوف سے یا طمع کی خاطر اس کی عبادت کرتا ہے " .... میرے لئے تو یہی کافی ہے کہ اس نے عبادت کے لئے حکم دیا ہے۔ اگر دوزخ اور بہشت نہ ہوتے تو کیا ہم پر یہ حق عائد نہ ہوتا کہ اس کی عبادت کریں؟ " ۶۶۵ یہ تو صوفیانہ عشق ہے لیکن رومی نے مولانا افغانی اور سعید حلیم پاشا کے ساتھ، علامہ کو دو رکعت میں شریک ہونے کی دعوت دے کر اسے سچی عبادت و اطاعت بتایا تو اس لئے کہ ان بزرگوں نے مسلمانوں کی معاشرتی اجتماعی زندگی کے سدھار کی جدوجہد کی - وہ کہتے ہیں

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا ۶۶۶

شعر نمبر ۴۹۵ و بعد: سخت کوشی: فلسفۂ خودی میں سخت کوشی، اقبال کے مردِ خودی کی ایک اعلیٰ صفت ہے۔ اور سید افغانی کی زندگی اس کا مرقع ہے۔ لہٰذا اقبال نے ایسی صفت کا ذکر کیا جو تمام صفات کی اُم ہے اصل بے ترکت ہے -

مرد ہمت آں رہروم کہ پا نگذاشت   بجادۂ کہ درو کوہ و دشت و دریا نیست ۶۶۷

یہی وہ "ہنر سوزِ جاں" جو علامہ کی فکر میں "خیر کار روان" کا حقیقی زادِ راہ ہے -

---

۶۶۳ کلیاتِ اقبال اردو ص ۱۰۸ (بانگِ درا: غزل)   ۶۶۴ دیوانِ غالب اردو (ردیف واؤ)
۶۶۵ اسلامی تصوف اور اقبال ص ۹۳ ایضاً   ۶۶۶ کلیاتِ اقبال اردو ص ۱۲۱ (بانگِ درا: مارچ ۱۹۰۷)
۶۶۷ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۶۰۰ (جاوید نامہ: نوائے حلاج) - ایضاً ص ۳۲۹ (پیامِ مشرق: غزل) -

کجا آن لذتِ عشقِ غلط سیر — اگر منزل رہِ پیچاں ندارد
مزی اندر جہانِ کور ذوقے — کہ یزداں دارد و شیطاں ندارد ۶۶۸

حدیثِ بے خبران است با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز ۶۶۹

درحقیقت سید جمال الدین افغانی کی زندگی اسی "تصوریات" کا نمونہ تھی۔ زمانے نے ان سے کبھی اور کہیں مصالحت نہیں کی لیکن افغانی نے بھی ہتھیار نہیں ڈالے۔

(۱۰۱) **سورۃ والنجم**: وَالنَّجْمِ اسی قسم میں نظیر ہے مضمون جوابِ قسم مَا ضَلَّ وَمَا غَوٰی کی یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے غروب تک اس تمام مسافت میں اپنی معمولہ رفتار سے اِدھر اُدھر نہیں ہوا اسی طرح آپ اپنی عمر بھر میں ضلال (بالکل راستہ بھول کر کھڑا ہو جانا) اور غوایت (غیر راہ کو راہ سمجھ کر چلنے) سے محفوظ رہے ۶۷۰ جاوید نامہ کے شارح پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی رائے ہے کہ "دوسرے مصرع میں اقبال نے قصداً سورۃ والنجم کا انتخاب کیا ہے کیونکہ اس سورت میں معراجِ نبویؐ کی طرف اشارات ہیں اور جاوید نامہ کا بنیادی تصور یہی ہے کہ ......" ۶۷۱

ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے بھی جاوید نامہ تحقیقی و توضیحی مطالعہ میں لکھا،

"رومی اور اقبال شریکِ نماز ہوتے ہیں۔ رومی قرأت میں [حالانکہ افغانیؒ] سورۃ والنجم اس سوز سے پڑھ رہے تھے کہ حضرت خلیل (ابراہیمؑ) اور حضرت جبریلؑ بھی سرشارِ وجد ہو جاتے اور صاحبِ زبور حضرت داؤدؑ بھی سوز و مستی کے حامل بن جاتے۔ یاد رہے سورۃ والنجم (نمبر ۵۳) میں معراجِ رسولؐ کا خصوصی ذکر ہے" ۶۷۲

میرا خیال ہے "والنجم" کا درجِ بالا تصریحی نوٹ از اشرف علی صاحب تھانویؒ زیادہ مناسب ہے کہ اسے تشبیہ بلا مشبہ لیا جائے یعنی افغانی و تاتاری پاشا کی زندگیاں فکرِ اقبال سے یہ خراج پاتی ہیں۔

(۱۰۲) **حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام** کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۳۲

(۱۰۳) **جبرئیلِ امین علیہ السلام**: یہ عبرانی و عربی زبان کا لفظ ہے چار مقرب فرشتوں میں سے ایک ہیں۔ انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر حضرت جبرئیل ہی کے ذریعے وحی نازل ہوتی تھی۔ کلامِ الٰہی کو من وعن اور بجنسہٖ انبیاءؑ تک پہنچانے کی وجہ سے امین کہلائے۔ عقلِ فعال، عقلِ کل، عقلِ اول بھی انہی کو کہا جاتا ہے (اور بقول بعض، عقلِ اول اور عقلِ کل سے نورِ محمدی بھی مراد لیتے ہیں) اور عرشِ اعظم بھی عقلِ کل کہلاتا ہے۔ قرآن حکیم میں سورہ البقرۃ: ۹۷ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ ...... اور یہ کہہ دو کہ جبریل کا دشمن ہو سکتا ہے انہوں نے یہ قرآن آپ کے قلب پر اتارا حکمِ خداوندی سے۔ جو تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو تمہارے ہاتھوں میں ہے اور خوشخبری سناتا ہے اہلِ ایمان کو ...... فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ

---

۶۶۸ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۲۰۲ پیامِ مشرق — ۶۶۹ — ۶۷۰ حاشیہ سورۃ والنجم: حکیم الامت حضرت تھانویؒ
۶۷۱ شرح جاوید نامہ ص .... — ۶۷۲ جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ڈاکٹر محمد ریاض ص ۸۴/۸۵

ذَالِكَ ظَهِيرٌ ○ (التحریم: ۴) پس یقیناً اللہ، جبریل اور نیک مسلمان اور فرشتے، آپ ہو کے رفیق ہیں اور آپ ہی کے مددگار ہیں۔

(۱۰۴) **الا اللہ**: [کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ] کے جزو اول کا دوسرا حصہ اثبات باری تعالیٰ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ کوئی نہیں بچے گا۔ کیا موت کی ضربت سے مگر صرف اللہ تعالیٰ کی پیرورتے۔

(۱۰۵) **داؤد علیہ السلام**: حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت جالوت پر غالب آنے اور دولت، سکینہ لوٹانے کے باوجود۔ بنی اسرائیلی علماء (لاویوں) ماموریں اللہ حکمران طالوت کے خلاف "حکومت الٰہی" [علماء کا بطور نائبین حق اختیار واقتدار] کی بحالی کی تحریک چلائی جناب طالوت، ایک جرنیل یوآب کے ہاتھوں شہید ہوئے اور ان کے بیٹوں کی لاشیں بیت الشان کی دیواروں سے لٹکا دی گئیں۔ لیکن اللہ نے پھر بھی انہیں اقتدار سے محروم رکھا اور جناب طالوت کے ایک مرد کو (جسے نوح پیکسلہ دریں) مانبیوں کو اقتدار ملا۔ یہ دوسری آسمانی بادشاہت بھی جناب طالوت، ماموریں اللہ حکمران تھے۔ لوگوں نے اپنی ضرورت کے تحت پیغمبر وقت حضرت سموئیل کی وساطت سے حکمران طلب کیا۔ اللہ نے طالوت کو نامزد کر دیا۔ اور اسے خود ملک کیا۔۔۔

اس لئے کہ طالوت صرف حکمران تھے رسول نہ تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام رسول تھے اس لئے آپ کو خلیفہ کہا گیا۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، الرسول بھی تھے اور عوام کے کامل سواد اعظم سے منتخب حکمران بھی اس لئے آپ کو اولی الامر منہم کہا گیا اور بحیثیت اولی الامر منہم بھی آپ کی اطاعت رسول کی طرح واجب قرار دی گئی۔ الرسول کی حیثیت سے آپ کی اطاعت گویا قرآن (اللہ) کی اطاعت ہے لیکن اولی الامر منہم کی حیثیت سے آپ کی سنت کو بھی واجب الاطاعت کر دیا گیا۔ تاکہ آئندہ کوئی بھی امیر، امام، خلیفہ، حکمران اولی الامر بن کر مسلمانوں کی گردنوں پر سوار نہ ہو سکے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔ بہرحال حضرت داؤدؑ دوسرے آسمانی حکمران تھے۔

آپ کا اس طرح حکمران ہو جانا گویا نائبین کا حق فائق سلب کرنا ٹھہرا اس لئے لوگوں کے خلاف اسرائیلیات میں بے شمار، بے سروپا من گھڑت اور خالصتاً دروغ گوئی پر مبنی کہانیاں شامل کر دی گئیں۔

قرآن حکیم نے حضرت علیہ السلام کا ذکر کم از کم دس بار کیا ہے اور عطائے نبوت کی طرح عطائے خلافت کی نعمت کا بار بار ذکر کیا ہے۔

آپ کے بعد آپ کے فرزند حکمران ہوئے تو آپ [سلیمانؑ] کے لئے ملکہ سبا کی زبانی ایک بار پھر ملک کے خطاب کا ذکر ہوا۔ گویا طالوت: ملک، سلیمانؑ: ملک داؤد: خلیفہ لیکن حضرت محمدؐ: اولی الامر منہم۔ خلافت اسلامیہ پر لکھنے والوں نے ان چار آسمانی حکومتوں کے سربراہوں کے لئے ان بدلتے ہوئے القابات پر کبھی غور نہیں کیا حالانکہ خلافت آدمؑ کے ازلی منصوبے میں عطا کردہ اصول ان چار موقعوں پر بتدریج روبعمل آئے۔ اور بالآخر حضرت محمدؐ پر اپنی مکمل صورت میں بر سرزمین نافذ العمل ہو گئے۔ آج ان اصولوں

۶۷۳ یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ طالوت کی شہادت نے لاویوں کو نعمت نبوت سے محروم کر کے یہ منصب سونپ دیا حضرت داؤدؑ یہوداہ سے تھے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی شہادت کی منصوبہ بندی سے بنی حیثیت القوم بنی اسرائیل سے یہ نعمت چھین لی گئی اور بنو اسماعیل کو اسے سرفراز کیا گیا حضرت محمدؐ کا تعلق بنو اسماعیل سے تھا۔

پر مبنی نظامِ حکومت وحکمرانی ہی مسلمانوں کی مشکلات کا حل اور اہلِ عالم کی مصیبتوں اور آرزوؤں کا مداوا بن سکتی ہے ۔ اللّٰھم اِھدِنا الصّراطَ المستقیم ۔ آمین

شعر نمبر ۴۹۹ : قرآنِ حکیم کا ایک معجزہ یہ ہے کہ تلاوت کرنے والوں کی استطاعت واستعداد کے مطابق تاثیر پیدا کرتا ہے ۔ بچے کی معصوم آواز اپنی تاثیر رکھتی ہے ۔ عالم کی آواز اپنی تاثیر رکھتی ہے ۔ عالم باعمل کی آواز کی تاثیر ہی اور ہوتی ہے ۔ سید جمال الدین جیسے صاحب الرائے اور ثابت قدم مصلحِ قوم کی آواز ، مفاہیم قرآنی کو خود بخود واضح کرتی چلی جاری تھی ۔ گویا کہ اُمّ الکتاب دلوں پر اتر رہی ہو ۔ قرآنِ حکیم کی ایسی ہی تلاوت کی تعلیم اقبال کو بچپن سے ملتی رہی اور وہ اہلِ ایمان (صاحبِ خودی) کو ایسا ہی قرآن خواں دیکھنے کے متمنی تھے

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن ... قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن ۶۷۴

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب ... گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف ۶۷۵

(۱۰۶) **اُمّ الکتاب :** سورۃ فاتحہ لیکن مجازاً ، قرآنِ حکیم [جزو کہہ کر کل مراد لینے کی رُو سے] یہاں دونوں مفاہیم مراد لئے جا سکتے ہیں نماز میں فاتحہ کی تلاوت کے بعد ہی والنجم تلاوت کی گئی لیکن دونوں ہی قرآن کے حصے ہیں اس لئے یہ اور وہ دونوں کے مفاہیم ومطالب روشن ہونا واضح ہے ۔ چنانچہ علامہ نے نماز ختم ہونے کے بعد علامہ افغانی رح کے ہاتھ چومے اور پیر رومیؒ نے افغانی رح سے علامہ کا تعارف کرایا اور تعمیرِ خودی اور حفاظتِ خودی کے فلسفہ کا علمبردار ہونے ، سے آگاہ کرتے ہوئے آپ کو "زندہ رود" کہہ کر پکارا ۔

(۱۰۷) **زندہ رود :** اس خیالی سفر میں ظاہر ہے ، علامہ کا معاملہ ، رہبر سمیت تمام افراد کی ارواح سے ہے صرف علامہ اقبال عالمِ ارواح سے باہر زندہ فرد ہیں اس لئے "زندہ رو" لیکن ، علامہ نے رومی کی زبانی "من زشوخی گفتم" کا اضافہ بھی کیا ہے اس لئے اس کے معانی "زندہ بیدار" کئے جا سکتے ہیں جو ابن طفیل کی تمثیل "حیّ ابن یقظان" سے حاصل کیا ہوا لگتا ہے ۔ یہ مفہوم "ذرہ گردوں نورد" سے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ عارفِ ہندی ۔ سے تعارف کراتے ہوئے "رومی" نے علامہ کو "بافطرتِ سیارہ ، ثابت ، ظاہر کیا تھا ۔

مردے اندر جستجو آوارۂ ... ثابتے بافطرتِ سیارۂ ۶۷۶

یہ ثابت بافطرتِ سیارہ ، "ندی" کی صفت ہو سکتی ہے ۔ علامہ نے اپنی تمام شاعری میں "ندی" سے زندگی کو تشبیہ دی ہے ۔۔۔ آگے چل کر اسی کتاب (جاوید نامہ) میں علامہ نے سلطان ٹیپو شہید رح کی زبانی دریائے کاویری کو زندہ رود کہلوایا ہے

در جہاں تو زندہ رود او زندہ رود ... خوشتر آید سرود اندر سرود ۶۷۷
اے من وتو موجے از رودِ حیات ... ہر نفس دیگر شود این کائنات ....

---

۶۷۴ کلیات اقبال اردو صـ ۵۲۲ (ضرب کلیم : مرد مسلمان) ... ۶۷۵ ایضاً صـ ۳۷۰ (بالِ جبریل : غزل نمبر ۶۰)
۶۷۶ کلیات اقبال فارسی صـ ۶۲۳ (جاوید نامہ) ... ۶۷۷ ایضاً صـ ۶۷۰ (ایضاً) ... ۶۷۰ صـ ۶۷۲ (ایضاً)

ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ۲۶-۱۲۷ میں اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ ان کی تحقیق مقدمہ مجموعہ ہذا میں ملے گی۔

افغانی

۵۰۲- زندہ رود! از خاکدانِ ما بگوے — از زمین و آسمانِ ما بگوے
خاکی و چون قدسیاں روشن بصر! — از مسلماناں بدہ مارا خبر!

زندہ رود

در ضمیرِ ملتِ گیتی شکن — دیدہ ام آویزشِ دین و وطن
روح در تن مردہ از ضعفِ یقیں — نا امید از قوتِ دینِ مبیں
ترک و ایران و عرب مستِ فرنگ — ہر کسے را در گلو شستِ فرنگ
مشرق از سلطانیِ مغرب خراب — اشتراک از دین و ملت بردہ تاب

افغانی

دین و وطن

لردِ مغرب آں سراپا مکر و فن — اہلِ دیں را داد تعلیمِ وطن
او بفکرِ مرکز و تو در نفاق — بگذر از شام و فلسطین و عراق
تو اگر داری تمیزِ خوب و زشت — دل نہ بندی با کلوخ و سنگ و خشت
چیست دیں؟ برخاستن از روے خاک — تا ز خود آگاہ گردد جانِ پاک
می نگنجد آنکہ گفت اللہ ھو — در حدودِ ایں نظامِ چار سو
پرّہ کہ از خاک و برخیزد ز خاک — حیف اگر در خاک میرد جانِ پاک
گرچہ آدم بردمید از آب و گل — رنگ و نم چوں گل کشید از آب و گل
حیف اگر در آب و گل غلطد مدام — حیف اگر برتر نپرد زیں مقام
گفت تن در شو بخاکِ رہگذر — گفت جاں، پہناے عالم را نگر
جاں نگنجد در جہات اے ہوشمند — مردِ حر بیگانہ از ہر قید و بند
حر ز خاکِ تیرہ آید در خروش
زاں کہ از بازاں نیاید کارِ موش
آں کفِ خاکے کہ نامیدی وطن — ایں کہ گوئی مصر و ایران و یمن
با وطن اہلِ وطن را نسبتے ست — زانکہ از خاکش طلوعِ ملتے ست
اندریں نسبت اگر داری نظر — نکتہ بینی ز مو باریک تر

گرچہ از مشرق برآید آفتاب — با تجلی ہائے شوخ و بے حجاب
در تب و تاب است از سوز درون — تا ز قیدِ شرق و غرب آید بروں
بر دمد از مشرقِ خود جلوہ مست — تا ہمہ آفاق را آرد بدست
فطرتش از مشرق و مغرب بری است
گرچہ او از روئے نسبت خاوری است

حواشی و تعلیقات :

افغانیؒ کی زندگی مہاجرت میں گذری یہاں تک کہ مولد بھی مسکن کی طرح بٹ کر رہ گیا۔ کوئی کنارڑ کے قریب سعد آباد بتاتا ہے اور کوئی ہمدان کے قریب اسد آباد — ایسی شخصیت ہی علامہ کے مولد دین و وطن (۱۰۸)، پر کچھ کہنے کا حق رکھتی تھی اور علامہ نے موزوں ترین شخصیت کو چنا — افغانی نے جب مسلمانوں اور اہل اسلام کے احوال و مقامات کے بارے میں استفسار کیا تو علامہ نے "ضمیرِ ملت" میں "دین و وطن" کی کشمکش اور لرد (لارڈ) کا بتایا — علامہ نے بتایا روح جسم میں کمزوریٔ یقیں سے مر چکی ہے — ملت، دینِ مبین کی "قوتِ جاذبہ" سے ناامید ہے، ترک، افغان، عرب سب فرنگی نظریہ قومیت : وطنیت کا شکار ہیں — بلادِ مشرق، مغربی سیاسی تسلط ہی کے صید زبوں نہیں بعض دوسرے خیالات مثلاً اشتراکیت نے بھی دینِ اسلام کی "تاب و تواں" چھین لی ہے۔ مثلاً مسلمان اپنے دستورِ زندگی سے محروم ہیں جہاں افرادِ قوم اعضائے بدن کی طرح حقوق و فرائض میں مساوی و یک جان تھے وہاں ہر کسی کو اپنے اغراض و مقاصد میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ کہیں افراد نے ملی مقاصد پسِ پشت ڈال دیئے ہیں تو کہیں ملی مقاصد نے افراد کو بے بس اور لاچار کر کے رکھ دیا ہے۔ ملت بیضا، اپنے دین کی برکات سے بیگانہ ہو رہی ہے۔

لرد : لارڈ کا معرب یا مفرس ہے — مغربی لارڈ نے اہلِ دین کو وطن کی تعلیم دی — جن کی قوتِ جامع دین تھا وہ وطنیت کا شکار ہو گئے۔ وہ خود تو بلاشبہ مرکزیت کی تلاش میں وطن تک پہنچے ہیں لیکن مسلمانوں کو نفاق و تفرقہ، میں مبتلا کر دیا — خوب و زشت میں تمیز کا تقاضا ہے **کلوخ :** مٹی کے ڈھیلے۔ اور اینٹ پتھر سے دل نہ لگایا جائے — دین : خاک سے بلند ہو کر جانِ پاک کو خود آگہی سے نوازنے کا نام ہے۔ اللہ ھو کا قائل اس جہانِ چارسو میں نہیں سما سکتا — ملحوظ رہے کہ علامہ کا یہ کلمہ خواجہ میر درد کے اس وجودی تصور سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا جس کے زیر اثر انہوں [درد] نے یہ شعر کہا

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئینے کے سامنے جب آ کے ہو کریں

لفظ پرست، علامہ کے ان فلسفہ و تصوف کی ایسی اصطلاحوں اور ترکیبوں کو ان کے معروف فلسفیانہ یا صوفیانہ مفاہیم و مطالب پر منطبق کر کے برعکس مقاصد کے اخذ سے دوچار ہو جاتے ہیں یہ خالصتہً، سماجی، سیاسی عمرانی بحث ہے — اللہ ھو گویانی سے مراد ترکِ دنیا کر کے دل پر ضربیں لگانے والے بزرگ نہیں بلکہ وہ مسلمان ہیں جو لا الہ

اِلّا اللہ کے تمام تر تقاضوں کو محمدؐ رسول اللہ کے نقشِ قدم پر چل کر پورا کرنے کا عہد و پیمان کئے ہوئے ہیں۔
گھاس تو خاک سے ہو کر خاک سے اوپر اٹھ آتی ہے (۱۰۹) آدم بھی بلاشبہ آب و گِل ہی سے ہوتا ہے لیکن اس پر افسوس ہے اگر وہ ہمیشہ آب و گِل میں مقیّد رہے یہ تن پروری کا تقاضا آب و گِل سے دل لگاتا ہے لیکن روح، بلندتر اڑنا چاہتی ہے۔ مردِ حُر (۱۱۰) کسی جگہ قید نہیں رہتا اُس کا تقاضا ہے کہ

تُو ابھی رہگزر میں ہے قیدِ مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گزر، پارس و شام سے گزر ؎۶۷۸

بازوں اور مار و مُوش میں فرق تو ہے ـــ وطن سے اہلِ وطن کو نسبت ہوتی ہے کہ اُسی خاک سے طلوعِ ملت بھی وابستہ ہے۔ لیکن ذرا توجہ سے غور کیا جائے تو سورج ـــ خورشیدِ خاوری، کہلاتا ہے کہ خاور: مشرق سے وہ طلوع ہوتا ہے لیکن اس کا سوزِ دروں اسے قیدِ مشرق و مغرب سے آزاد کر دیتا ہے ـــ اس کے جلوے آفاق گیر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آدم اور خصوصاً مومن کو مردِ آفاقی ہونا چاہیے۔

متعلقاتِ حواشی:

(۱۰۸) **معرکۂ دین و وطن**: [جغرافیائی حدود اور مسلمان] اسے سوئے اتفاق ہی کہنا چاہیے کہ حضرت علامہ "دین و وطن" کے حوالے سے عمومی بحث کرتے کرتے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد این چہ بوالعجبی ست
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی ست
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست ؎۶۷۹

ہُوا یہ کہ ۸ جنوری ۱۹۳۸ء کو شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ نے صدر بازار دہلی میں پل بنگش کے پاس رات کے وقت ؎۶۸۰ تقریر کرتے ہوئے کہہ دیا "موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں"۔ ؎۶۸۱ ۹ جنوری کے "تیج" اور "انصاری" دہلی میں اس بیان کی رپورٹیں شائع ہوئیں۔ چند روز بعد "الامان" اور "وحدت" دہلی نے اس تقریر کے خاص خاص نکات [بقولِ بعض قطع و برید] شائع کئے۔ ان پرچوں سے "زمیندار" اور "انقلاب" لاہور نے اس تقریر کو نقل کیا ؎۶۸۲

حضرت علامہ چونکہ "اتحادِ وطن" کے حوالے سے ہر قوم کے جداگانہ تشخص، خصوصاً مسلمانوں کے بحیثیت ملت، وجود، کے بارے میں ہمیشہ سے حساس تھے اس لئے ایک انتہائی بلند مرتبہ عالمِ دین کا یہ بیان اُن کے جذبۂ ملی پر گراں گزرا۔ اُن کے اس روحانی کرب کا اظہار درجِ بالا قطعہ کی صورت میں ہونا فطری تھا ؎۶۸۳ علامہ کے جذبۂ ملی کا یہ شہ پارہ اخبار میں چھپا تو ہر طرف ۱۱ کا رن پڑ گیا۔ یہ بھی فطری تھا۔

؎۶۷۸ کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۲۱ [بالِ جبریل: غزل نمبر ۵]
؎۶۷۹ ایضاً ص ۶۹۱ [ارمغانِ حجاز: حسین احمد]
؎۶۸۱ فیضِ الاسلام، اقبال نمبر ص ۱۸۱ راولپنڈی
؎۶۸۲ مکتوباتِ شیخ الاسلام۔ سوم ص ۱۲۳ مرتبہ نجم الدین اصلاحی مکتبہ دینیہ دیوبند اکتوبر ۱۹۶۴ء۔
؎۶۸۳ اس لئے کہ مغرب میں بھی وطنیت نے مذہب کی جگہ لی تھی۔ اور وطنیت کا ہندوستان میں ورود بھی، اہلِ ہند کو اُن کے ذاتی انفرادی تشخصاتِ قومی و ملی سے محروم کر کے ایک نئی "ہندوستانی قوم" کا تقاضا تھا جیسا کہ "تمدنِ ہند" کے ذہین مصنف نے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو اعتالم اقبال اور متحدہ قومیت، مطبوعہ صحیفہ ـــ اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۰ شمارہ ۱۲۶ صفحات ۲۶ تا ۳۰ خصوصاً، اور ص ۲۶ تا ص ۵۸ عموماً

علامہ اس بحث میں اس حد تک آگے چلے گئے کہ انہوں نے وطنیت کو قادیانیت کی پیروی سے تعبیر کیا۔ دراصل وہ شروع دن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے "مرکزِ ملت" ہونے کے داعی تھے "رموزِ بے خودی" میں فرد اور جماعت کے تعلق اور اسلامی بین الاقوامیت [ملیّت] کا راز انہوں نے رسالت سے نسبتِ محکم ہی کو بتایا تھا۔ جس کے بغیر توحید باری تعالیٰ کے روحانی عقیدہ کا مادی استشہاد ـــ وحدت ـــ ہاتھ آ ہی نہیں سکتا۔

حرفِ بے صوت اندریں عالم بدیم — از رسالت مصرعِ موزوں شدیم

از رسالت در جہاں تکوینِ ما — از رسالت دینِ ما آئینِ ما

حلقۂ ملت، محیط افزا ستے — مرکزِ او وادیٔ بطحا ستے

ما ز حکمِ نسبتِ او ملتیم

اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم ۶۸۴

اب کوئی عام آدمی نہیں حسین احمد مدنیؒ جیسی شخصیت "رسالت" کی جگہ "وطن" کو دے رہی ہو تو علامہ اقبال کا غیظ و غضب ناقابلِ فہم نہیں رہتا۔

بھلا ہو جناب طالوت کا، عین اس زمانہ میں جب کہ جذباتی مسلمان حضرت مدنیؒ کے حق میں اور علامہ کے خلاف ناروا کلمات پر مشتمل خطوط اور مضامین لکھنے میں مصروف تھے، جناب طالوت نے "مصالحانہ کردار" اپنایا ــــــ اپنے ایک وضاحتی خط بنام طالوت محررہ ۱۸ رفروری ۱۹۳۸ء میں علامہ نے لکھا۔

(i) معلوم ہوتا ہے مولوی صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ "آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں" اگر ان کا مقصود ان الفاظ سے صرف امرِ واقعہ کو بیان کرنا تھا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فرنگی سیاست کا نظریہ ایشیا میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔

(ii) البتہ اگر ان کا مطلب یہ تھا کہ ہندی مسلمان بھی اس نظریے کو قبول کر لیں تو پھر بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے، کیونکہ کسی نظریے کو اختیار کر لینے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا وہ اسلام کے مطابق ہے یا منافی۔ اس خیال سے کہ بحث تلخ اور طویل نہ ہونے پائے اس بات کا صاف ہو جانا ضروری ہے کہ مولانا کا مقصود ان الفاظ سے کیا تھا۔

(iii) اگر مذکورہ بالا الفاظ سے ان کا مقصود وہی تھا جو میں نے اوپر (ii) درج کیا ہے تو میں ان کے مشورے کو اپنے ایمان اور دیانت کی رو سے اسلام کی روح اور اس کے اساسی اصولوں کے خلاف جانتا ہوں۔ میرے نزدیک، ایسا مشورہ مولوی صاحب کے شایانِ شان نہیں اور مسلمانانِ ہند کی گمراہی کا باعث ہوگا"۔ ۶۸۵

جناب طالوت نے یہ خط حضرت مدنیؒ تک پہنچایا جس کا جواب (محررہ فروری ۱۹۳۸ء بمطابق ۵ ذی الحجہ) یوں مسلہ

---

۶۸۴ کلیاتِ اقبال فارسی صفحہ ۱۰۱ (رموزِ بے خودی)۔ ۶۸۵ مکتوباتِ شیخ الاسلام۔ سوم صفحہ ۱۴۰/۱۳۶۔ مسئلہ قومیت اور سید حسین احمد مدنی صفحہ ۲۴/۲۳۔ المحمود اکیڈمی لاہور بار سوم ۱۹۸۸ء۔

" میں عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں - یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے - یہاں یہ نہیں کہا جاتا کہ تم کو ایسا کرنا چاہیئے - خبر ہے انشأ نہیں ہے - کسی ناقل نے مشورہ کو ذکر بھی نہیں کیا - نہ امر اور انشأ کا لفظ ذکر کیا ہے - پھر اس سے مشورہ کو نکال لینا کس قدر غلطی ہے " ع۶۸۶

ظاہر ہے کہ یہ وضاحت حضرت علامہ کے مکتوب درج بالا کی شق نمبر ۱ کے عین مطابق تھی - لہٰذا آپ کے نزدیک جیسا کہ اُن کے مکتوب کے شق نمبر ۳ اور نمبر ۱ سے ظاہر ہے اعتراض کی گنجائش نہ رہی تھی —— لیکن حضرت مدنی رح نے علامہ کے جواب کا انتظار کیئے بغیر قطعہ مذکورہ کے جواب میں مضمون لکھ ڈالا —— اور وطنیت کو انگریز دشمنی کے تحت لازمی قرار دے دیا، علامہ نے بھی اس کا جواب لکھا اور بحث بڑھتی گئی —— تاہم، حضرت علامہ کو جناب طالوت کی طرف سے حضرت مدنی کا مذکورہ بالا وضاحتی مکتوب ملا تو انہوں نے بغیر کسی توقف کے اپنا بیان جاری کر دیا جو احسان [۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء] میں شائع ہو گیا -

" مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانانِ ہند کو جدید نظریۂ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے - لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا ہے ---- میں اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیتِ دینی کے احترام میں، میں اُن کے عقیدت مندوں سے [جنہوں نے مجھے گالیوں سے نوازا] پیچھے نہیں ہوں " ع۶۸۷

جب حضرت مدنی نے صاف صاف لکھ دیا " یہ نہ انشأ تھی، نہ مشورہ تھا بلکہ خبر تھی " تو حضرت علامہ نے جو کچھ لکھا اُن کی صداقت و دیانت کا اظہار تھا —— لیکن ایک تو حضرتِ مدنی رح نے علامہ کا یہ خط ملنے سے پہلے ہی " انگریز دشمنی کے جذبے کے لئے وطنیت کو لازمی " قرار دے کر اپنے مکتوب درج بالا میں " انشأ کی نفی " کی تردید کر دی —— دوسرے جب علامہ اپنے مکتوب مذکورہ لکھنے کے ۲۳ دن بعد — دنیا ہی سے اٹھ گئے تو حضرت مدنی رح نے اپنا بیان " متحدہ قومیت اور اسلام " کے عنوان سے از سرِ نو مرتب فرمایا — ان کا تازہ بیان حیرت انگیز تھا — انہوں نے جناب طالوت کے ذریعے علامہ کے نام اپنے مولہ بالا خط کے مندرجات سے کھلم کھلا انحراف برتا -

" ڈاکٹر اقبال کے بیان سے اگرچہ دہلی کی تقریر کے متعلق ہیجان رفع ہو گیا مگر نفسِ مسئلہ اور اس کے لئے جد و جہد اور عملی جامہ پہنانے کی سعی کے متعلق جو میرا نہ صرف مشورہ ہی ہے بلکہ اس موجودہ احوال و ادوار میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے فرض سمجھتا ہوں، ہیجان بڑھ گیا ع۶۸۸ ---- اس پہلی حیثیت سے یقیناً بحث کا خاتمہ ہو جاتا ہے مگر دوسری حیثیت سے کہ جناب ڈاکٹر صاحب موصوف مسلمانانِ ہند

ع۶۸۶ ایضاً ص۱۰، ایضاً ص۲۴ ع۶۸۷ ایضاً ص۱۲، ایضاً ص۲۸

ع۶۸۸ متحدہ قومیت اور اسلام ص۱۰ نیز مسئلہ قومیت اور اسلام ص۳۲ ایضاً

کو قومیتِ متحدہ کا مشورہ دینا خلافِ دیانت سمجھتے تھے اور یہ امر چونکہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے اس لئے مجھ کو کچھ عرض کرنا ضروری ہے ''۶۸۹ؑ

اب اگر حضرت مدنیؒ کے عقیدت مند، علامہ کے مکتوب بالا کے مندرجات کو "معافی مانگنے" سے تعبیر کریں اور "قطعہ مذکور کو ارمغانِ حجاز میں درج کرنے پر معترض ہوں ـــ لیکن "متحدہ قومیت اور اسلام" کے مندرجات سے اغماض برتنے پر بضد ہوں تو اس کا کیا علاج۔ وطنیت کا بھوت اسی قسم کے تعصب کو ابھارنے والا ـــ عظیم جنگیں برپا کرانے والا ـــ عراق ایران، ترکی حجاز کی لغزش کرانے والا ہی تو تھا۔ اللہ سمجھنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

(۱۰۹) علامہ نے اپنی نظم "ہمالہ" [اپریل ۱۹۰۰ء] میں "ہمالہ" کو "فصیلِ کشورِ ہندوستاں" لکھا ـــ اُس کے سر برف کی دستارِ فضیلت کا ذکر کیا، اور عہدِ کہن کو اُس کی عمرِ رفتہ کی اک آن بتایا ـــ اُس کا بنیادی سبب صرف اور صرف یہ لکھا کہ تو زمیں پر ہے "پہنائے فلک تیرا وطن ہے۔ اقبال ہمالہ کی زمیں پیوستگی پر معترض نہیں ہوا لیکن اُسے پہنائے فلک کو اپنا وطن بنانا پسند آیا یہاں بھی۔ " باوطن اہلِ وطن را نسبت است " کہہ کر ـــ اور مذکورہ بالا تعلیقہ نمبر ۱۰۸ کے حوالے سے جغرافیائی حدود اور مسلمان میں بھی واضح کیا تھا

" مولانا کا یہ ارشاد کہ اقوام اوطان سے بنتی ہیں قابلِ اعتراض نہیں اس لئے کہ قدیم الایام سے اقوام اوطان کی طرف اور اوطان اقوام کی طرف منسوب چلے آتے ہیں۔ ہم سب ہندی ہیں اور ہندی کہلاتے ہیں کیونکہ ہم سب کرۂ ارض کے اس حصے میں بود و باش رکھتے ہیں جو ہند کے نام سے موسوم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، چینی، عربی، جاپانی، ایرانی وغیرہ وطن کا لفظ جو اس قول میں مستعمل ہوا ہے۔ محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے ۶۹۰ؑ اور اس حیثیت سے اسلام سے متصادم نہیں ہوتا ...... مگر زمانہ حال کی سیاسی اصطلاح [لٹریچر میں] وطن کا مفہوم محض جغرافیائی نہیں بلکہ ایک اصول ہے ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کا اور اسی اعتبار سے ایک سیاسی تصور ہے چونکہ اسلام بھی ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کا ایک قانون ہے اس لئے جب لفظ وطن کو ایک سیاسی تصور کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ اسلام سے متصادم ہوتا ہے ...... اسلام ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں "۶۹۱ؑ

علامہ افغانیؒ کی زبانی علامہ اقبال جاوید نامہ کے زیرِ نظر اشعار میں یہی مضمون، گھاس اور خورشید کے حوالے سے لکھ چکے تھے۔

۶۸۹ؑ مسئلہ قومیت اور اسلام ص ۳۱ ایضاً ۶۹۰ؑ علامہ نے انہی معنوں میں "ترانۂ ہندی" اکتوبر ۱۹۰۴ء میں کہا تھا: "ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا " ملی ترانہ میں "چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا " بھی کوئی الگ مفہوم نہ رکھتا کہ وطن سے قوم مسلم کی نسبت تو بہر حال ہے لیکن "ملتِ اسلامیہ " کا مرکزِ محسوس ارضِ رسول اور کعبۃ اللہ ہے۔ ۶۹۱ؑ مقالاتِ اقبال ص ۲۶۲

(۱۱۰) **مردِ حُر:** کلامِ اقبال میں مردِ حُر کی بڑی اہمیت ہے اور یہی اُن کا مردِ مومن ہے۔ زیرِ نظر حصۂ نظم میں بھی پیرِ رومیؒ کی زبانی اقبال کے لئے "دل بکس ناداده آزاده" سے مراد مردِ حُر ہی تو ہے — حر، حریت، تحریر، کے یہی معانی ہیں "مریمؑ" کو اجتماعی مقاصد کے تحت "مسجد" کی خدمت کے لئے دیتے وقت بھی "مریمؑ" کی ماں نے جو الفاظ قرآن نے ریکارڈ کئے ہیں اُن میں "محرّراً" انہیں معنوں میں آیا ہے — "جب تک مسلمان اللہ کے سوا کسی اور طاقت کا محکوم اور مغلوب رہتا ہے وہ بندۂ حُر نہیں کہلاتا ع۶۹۲ اس لئے کہ اختیار اسی تعمیلِ احکامِ شریعت کے جبر سے پیدا ہوتا ہے — ورنہ فطرت تو ایک اٹل جبر ہے، احکام و قوانین کی پاسداری کے بغیر کسی فطری آزادی کا تصور ہی ممکن نہیں۔ اور سچی فطری آزادی تو الدین کے احکام کی تعمیل سے حاصل ہوتی ہے یہی مفہوم ہے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا — یعنی الدین میں کسی طرح کا کوئی جبر نہیں "فی الدین" دین کے اندر — احکامِ دین کی پابندی میں — انسان کی سچی حریت مضمر ہے۔ "دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں" قطعاً غلط، لغو، مہمل بلکہ برعکس نتائج پیدا کرنے والے معانی ہیں۔ بہر حال ہم علامہ کے فلسفۂ خودی میں جہاں حیدری کرداری اور شبیری جیسی علامات دیکھتے ہیں وہاں "حُر" بھی ایک زندہ تاریخی علامت بن کر سامنے آتا ہے — "حُر" نے نفس کو الٰہ ماننے سے انکار کر دیا اور الٰہ العالمین کے احکام کی تعمیل میں جامِ شہادت نوش کر دیا۔ یہی وہ زندہ علامت ہے جو "مردِ حُر" کی صورت میں کلامِ اقبال کو زینت بخشے ہوئے ہے۔

مردِ حُر از لَا اِلٰہ روشن ضمیر
می نہ گردد بندۂ سلطان و میر
سرِّ دیں ما را خبر اُو را نظر
اُو درونِ خانہ، ما بیرونِ در
ما کلیسا دوست، ما مسجد فروش
اُو ز دستِ مصطفیٰؐ پیمانہ نوش ع۶۹۳
شکوہ کم کن از سپہرِ گرد گرد
زندہ شو از صحبتِ آں زندہ مرد ع۶۹۴

ع۶۹۲ تلمیحاتِ اقبال سید عابد علی عابد ص۱۲۱/۱۲۰ ع۶۹۳ ایضاً — ع۶۹۴ کلیاتِ اقبال فارسی ص۸۲۲، ۸۵۶ [مثنوی پس چہ باید کرد / مردِ حُر / خطاب به اقوامِ مشرق]

اشتراک (۱۱۱) و ملوکیت (۱۱۲)

۵۲۸ــ صاحب سرمایه از نسل خلیل (۱۱۳) — یعنی آن پیغمبر بے جبرئیل
زانکه حق در باطل او مضمر است — قلب او مومن دماغش کافر است
غربیان گم کرده اند افلاک را — در شکم جویند جان پاک را
رنگ و بو از تن نگیرد جان پاک — جز به تن کارے ندارد اشتراک
دین آن پیغمبر حق ناشناس — بر مساوات شکم دارد اساس

تا اخوت را مقام اندر دل است
بیخ او در دل نه در آب و گل است

هم ملوکیت بدن را فربهی ست — سینهٔ بے نور او از دل تهی ست
مثل زنبورے که بر گل می چرد — برگ را بگذارد و شهدش برد
شاخ و برگ و بوئے گل بجا همان — بر جمالش نالهٔ بلبل همان
از طلسم رنگ و بوئے او گذر — ترک صورت گوے و در معنی نگر!

مرگ باطن گرچه دیدن مشکل است
گل مخوان او را که در معنی گل است

هر دو را جان ناصبور و ناشکیب — هر دو یزدان ناشناس آدم فریب
زندگی این را خروج آن را خراج — در میان این دو سنگ آدم زجاج
این به علم و دین و فن آرد شکست — آن برد جان را ز تن نان را ز دست
غرق دیدم هر دو را در آب و گل — هر دو را تن روشن و تاریک دل

زندگانی سوختن با ساختن
در گلے تخم دلے انداختن

حواشی و تعلیقات :

(۱۱۱) **اشتراکیت** : انسائیکلوپیڈیا برطانیکا میں اشتراکیت کا تعارف یوں کرایا گیا ہے

" ایک ایسی حکمتِ عملی یا نظریہ ہے جو ایک مرکزی جمہوری حکومت کے اختیار کے ذریعے حالتِ موجودہ کی نسبت بہتر طریق پر دولت کی تقسیم یا پیداوار کو عمل میں لانا چاہتا ہے " ۶۹۵

---

۶۹۵ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا جلد ۲ ـ 1975 (اردو ترجمہ نقل شدہ از تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۸۵)

موجودہ اشتراکیت کی ابتدا ۱۷۹۲ء میں ہوئی اس تحریک کا مرکز فرانس تھا۔ یہودی مفکر کارل مارکس نے اقتصادی نظام پیش کیا، اینگلز اور لینن اس کے شارحین میں سے ہیں۔ اس کا فلسفہ جدلی مادیت اور میکانکی تصورِ حیات پر مبنی ہے۔

★ اس فکر کا پہلا عنصر: تاریخ کی مادی تعبیر ہے۔ مارکس کے نزدیک کسی عہد کا معاشی نظام ہی اس عہد کی معاشرتی زندگی کی اصل بنیاد ہے۔ مذہب، تہذیب، فلسفۂ حیات، فنونِ لطیفہ، سب اسی کا عکس ہیں۔ فکرِ معاش کی جستجو ہی انسان کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کو متحد و مربوط کرتی ہے۔ صرف پیٹ کا تقاضا ہی بنیادی تقاضا ہے۔ چونکہ ایجادات ہر آن ہوتی رہتی ہیں، اس لئے پیداوار کے طریقے بدلتے رہتے ہیں چنانچہ اس کے ساتھ اخلاقی تصورات بھی بدل جاتے ہیں اور یوں اخلاقیات ایک اضافی قدر بن کر رہ جاتی ہے، صداقتیں اپنا وجود کھو بیٹھتی ہیں اور یوں نیک و بد اور حق و باطل کی تمیز بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

★ اشتراکیت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر معاشی نظام جب ترقی کر کے ایک خاص منزل پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے اندر سے بعض نئی پیداواری قوتیں نمودار ہو کر اپنے زمانے کے حالاتِ پیداوار سے متصادم ہو جاتی ہیں اس نزاع کو طبقاتی کشمکش کا نام دیا گیا ہے۔ ہر انقلاب اسی کشمکش کا نتیجہ ہے۔

★ اشتراکیت کا تیسرا اصول یہ ہے کہ کسی شے کی اصل قدر محنت کی وہ مقدار ہے جو اسے پیدا کرنے میں صرف ہو۔ چنانچہ اس شے کی قیمت کا واحد حق دار صرف مزدور ہے ..... ایک شے کی اصل قیمت مزدور کو دی جانے والی اجرت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جسے قدرِ زائد کہتے ہیں، حقیقتاً یہ مزدور کا حصہ ہے ---- یہ اصول عین اسلام ہے اَن لَّيْسَ لِلْاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۳۹) تاہم معاملہ عملی نفاذ کا ہے اشتراکی نظام ان کا سکھ آپس میں بانٹیں اور اسلام ---- اپنا سکھ اوروں میں بانٹو ---- ہے

★ اشتراکیت کا چوتھا اصول ریاست سے متعلق ہے۔ جو بہ حیثیتِ المجموعی عوام کے نام پر ریاست کی ملکیت پر قبضۂ عوام ہے۔ اس لئے کہ ہر معاشرتی ادارے کی طرح ہر سیاسی ادارہ بھی اس کے نزدیک مروجہ نظامِ معیشت کا خارجی اظہار ہے ----

اشتراکیت کے ان اصولوں سے ایک بات واضح ہے کہ عالمِ مثال (تصور) کی کوئی حقیقت نہیں مادہ اور صرف مادہ ہی حقیقتِ اولیٰ و حقیقتِ آخری ہے، اس لئے انسان کو چاہیئے کہ مذہب اور تصوریت کا خاتمہ کر کے خالص مادی بنیادوں پر معاشرے کا نظام اپنے ہاتھ میں لے کیونکہ یہ مسائل زمین کے ہیں اور زمین ہی پر حل ہونے چاہئیں نہ کہ آسمان پر ع ۶۹۶

مختصراً یہ کہ ایک نظام فکر کے اعتبار سے دو چیزیں ہر اشتراکی نظام میں ضرور موجود ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ ریاست کی تمام ملکیت پر من حیثِ المجموع عوام متصرف ہوں اور دوسرے یہ کہ دولت کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ حق دار کا جو حق چھین کر سرمایہ دار کو دے دیا جاتا ہے وہ اُسی کے پاس رہے ---------- دنیا میں سرمایہ داری کا جو نظام قائم ہے آخر کار کوئی اور نظام اس کی جگہ ضرور لے گا اور قیاس یہی کہتا ہے کہ وہ اشتراکیت ہی کی ایک شکل ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اشتراکیت میں ایسے محرکات موجود ہیں کہ عوام دنیا کے کاموں کی انجام دہی پر آمادہ ہوں بلا ذاتی منفعت کا خیال ترک کر دیں" ع ۶۹۷ روس میں اس نظام کے پچھتر سالہ تجربے نے جذبۂ مسابقت کے مفقود ہو جانے کا ثبوت اس بوزنی اقتصادی بدحالی میں دے دیا ہے جس نے "سوویٹ روس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ---- اسی لئے علامہ اقبال ---- اس نظام کے مخترع کو "پیغمبرِ بے جبرئیل" کہہ کر حق ناشناس بھی لکھتے ہیں لیکن اس کے اس تصور کو "حق در باطلِ او مضمر است" سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی حرفِ قل العفو کی پوشیدہ حقیقت کی نمود

ع ۶۹۶ شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا صد ۱۶۹ مرتبہ سید قاسم محمود شاہکار بک فاؤنڈیشن

ع ۶۹۷ تلمیحاتِ اقبال سید عابد علی عابد ص ۸۵، ص ۸۶ (بحوالہ جدید سیاسی نظریہ۔ جلد ۲، مجلس ترجمہ لاہور)۔

(۱۱۲) ملوکیت : ملوکیت یا Imperialism، اس حکمتِ عملی کا نام ہے جس کے مدِنظر سلطنت کی توسیع ہوتی ہے۔ بالعموم ملوکیت میں یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں نوآبادیاں قائم کر دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ شاہنیت کا تسلسل اور تواتر بھی ملوکیت کے تصور میں شامل ہے۔ قرآن حکیم میں ملکۂ سبا کی زبانی حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط پر غور کرنے کے لئے ملاء القوم سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے اپنے طاقتور ہونے اور جنگجو ہونے کا حوالہ دیا اس پر ملکۂ سبا نے کہا قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً[۶۹۸] بولی۔ والیانِ ملک جب کسی بستی پر چڑھائی کرتے ہیں تو اس کو تہ و بالا کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔

ملوکیت کی اصطلاح انگلستان میں ۱۸۹۰ء میں وضع کی گئی تھی۔ ملوکیت کے حامی یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ وہ دراصل پسماندہ اقوام میں سیاسی شعور بیدار کرتے ہیں لیکن جو لوگ ملوکیت کے تصور کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ ملوکیت کے ذریعے فقط اقتصادی غارت گری وقوع میں آتی ہے یہاں تک کہ بعض ماہرینِ اقتصادیات پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کو حریف ملوکیتوں کی جنگ آزمائی کا نام دیتے ہیں۔

موجودہ ملوکیت کے تصور پر سب سے پہلے ہابسن نے اعتراض کئے جس کی کتاب ملوکیت (مطبوعہ ۱۹۰۲ء) اپنے موضوع پر کلاسیک کا درجہ رکھتی ہے وہ کہتا ہے ملوکیت پسند ہمیشہ جنگ کے خواہاں ہوتے ہیں اور اس لئے دنیا کے ان مقامات پر متصرف ہونا چاہتے ہیں جو حرب و ضرب کی تدابیر میں کام آسکیں۔ ہابسن کہتا ہے ملوکیت دراصل ایک اقتصادی نظام ہے جو سرمایہ داری پر مبنی ہے۔ چنانچہ دنیا کے مختلف حصوں میں بڑے بڑے سرمایہ دار اپنے بینک بناتے ہیں اور روپے کے ذریعے ملکوں کی خارجہ حکمتِ عملی کو متاثر کرتے ہیں۔ ہابسن کے خیال میں جب تک سرمایہ دارانہ نظام قائم ہے ملوکیت قائم رہے گی۔ دولتِ اشتراکیہ روس نے ایک نئے اقتصادی نظام کا تصور بیدار کر کے ملوکیت کو ضرب کاری لگانے کی کوشش کی اور یوں بھی نوآبادیات کے آزاد ہو جانے کی وجہ سے ملوکیت کے تصور کو خاصہ ضعف پہنچا ہے[۶۹۹] البتہ اس کی جگہ امریکہ نے لے لی ہے اور اب اس کا رخ بدل گیا۔ علامہ اقبال نے اشتراکیت و ملوکیت کی یکساں مذمت کی ہے۔ دونوں کو ایک ہی عنوان کے تحت لانا بجائے خود خاصی اہمیت رکھتا ہے۔

(۱۱۳) صاحبِ سرمایہ (کارل مارکس) :

کارل مارکس کمیونزم کا بانی ہے اور اشتراکی ممالک میں اسے پیغمبر کا درجہ حاصل ہے۔ ۱۸۱۸ء میں جرمنی میں پیدا ہوا، وہیں تعلیم حاصل کی فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری برلن یونیورسٹی سے لی۔ پیرس آیا تو وہاں اینگلز کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ ۱۸۴۸ء میں دونوں نے مل کر کمیونسٹ مینی فسٹو لکھا۔ عمر کے آخری حصے میں کمیونسٹ انٹرنیشنل قائم کی ۱۸۸۳ء میں وفات پائی (سید عابد علی عابد نے ۱۸۸۲ء لکھا ہے)

---

۶۹۸ النمل: ۳۴

۶۹۹ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۱۹۸/۱۹۹ (بحوالہ قاموس سیاسیاتِ عالم: فیبر اینڈ فیبر (لندن)۔

مارکس کی زندگی طوفانوں میں گھری رہی ۔ وہ جرمنی سے جلاوطن ہوا تو پیرس پہنچا ۔ وہاں سے نکالا گیا تو برسلز میں پناہ لی ۔ برسلز سے ملک بدر ہوا تو پھر پیرس آیا ۔ وہاں سے کولون گیا ۔ وہاں سے نکالا گیا تو پھر پیرس آیا اور پیرس سے دوبارہ سہ بارہ نکالے جانے کے بعد لندن پہنچ گیا ۔

خانہ تلاشی ، گرفتاری ، مقدمے ، ان ملک بدریوں اور دربدریوں پر مستزاد تھے ۔ ایسے میں مالی پریشانیوں کا طوفان بلا ۔ کبھی گھر کا فرنیچر بکا ، کبھی بیوی کا جہیز گروی ہوا ۔ کبھی دوستوں سے ادھار رقم لے کر کام چلایا لیکن اپنی "دھن" کا پکا تھا ۔ خوش قسمتی سے بیوی ایسی ملی تھی جس نے ہر جگہ ہر حالت میں ساتھ دیا اور ایک دوست اینگلز جس نے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا ۔

لندن میں مارکس کے دو بچے ہوئے بھی اور مرے بھی ۔ دوسرا بچہ مرا تو گھر میں کفن کے لئے بھی پیسے نہ تھے ۔ ایک دفعہ تو اپنا کوٹ پتلون رہن رکھنا پڑے ـــ ان پریشانیوں کے باوجود مارکس اپنی کتاب اقتصادیات ، جو "سرمایہ" نام ملا ، کی تیاری میں مصروف رہا ـــ ۱۸۵۱ء میں "نیویارک ڈیلی ٹریبیون" نے مارکس کو اپنا نامہ نگار مقرر کر دیا ہفتہ میں دو پونڈ معاوضہ طے ہوا ۔

لطف یہ کہ یہ نامہ نگاری کمزور انگریزی خود مارکس کی بجائے اینگلز کرتا تھا ۔ مارکس اس کا میں ضروری ردوبدل کے بعد شائع کرواتا ـ ۱۸۵۳ء میں وہ اپنے مکتوبات خود لکھ کر اینگلز کو دکھا کر بھیجنے لگا ۔ یہ مکتوبات ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی حکومت کے درمیان ہندوستان کی حالت زار پر مبنی تھے ۔ برطانوی سامراج نے جس جس طرح ہندوستان کو لوٹا تھا ان مکتوبات میں ان کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا گیا تھا ـــ اپنی کتاب میں بھی وہ ہندوستانیوں کے اقتصادی مسائل کا ذکر انتہائی دیدہ ریزی سے کرتا ہے ۔ ہندوستانی معاشرے میں تقسیم کار اور ذات پات ، برطانوی صنعتی ترقی اور ہندوستانی مزدور کے مسائل متعلق فصلیں لکھا " انگریز سرمایہ دار صنعت میں انقلاب لاتا اور ہندوستان کو سیاسی طور پر غلام بناتا چلا جا رہا ہے ـــ انگلستان میں اگر کوئی نئی صنعتی مشین ایجاد ہوتی ہے تو بے شمار ہندوستانی اور چینی دست کار روزی روزگار سے محروم ہو جاتے ہیں "[۱۰۰] علامہ نے "پیام مشرق" کی نظم "صحبتِ رفتگان" کے تحت ، کارل مارکس کے عنوان سے لکھا

رازدانِ جزو و کل از خویش نامحرم شد است

آدم از سرمایہ داری قاتلِ آدم شد است [۱۰۱]

حاشیہ میں لکھا کارل مارکس : جرمنی کا مشہور اسرائیلی ماہر اقتصادیات جس نے سرمایہ داری کے خلاف علمی جہاد کیا ۔ اس کی مشہور کتاب موسوم بہ "سرمایہ" کو مذہب اشتراک کی کی بائیبل تصور کرنا چاہئے [ایضاً]

ضربِ کلیم میں جہاں روسی اشتراکی انقلاب سے حرفِ قل العفو کی پوشیدہ حقیقت کے نمودار ہونے کی توقع باندھی ۔ وہاں کارل مارکس

---

۱۰۰ ۔ "موسیٰ سے مارکس تک" ۔ سبط حسن ۔ ص ۲۱۶ (بحوالہ سرمایہ ص ۵۳ ، ص ۶۱ ، ص ۲۱۰) مکتبہ دانیال کراچی ۱۹ واں ایڈیشن ۱۹۸۱ء

۱۰۱ ۔ کلیات اقبال فارسی ص ۳۶۶ (پیامِ مشرق : صحبتِ رفتگاں) ۔

کی آواز کے تحتِ عنوان" مایوسی کا اظہار بھی کیا — اور پرانے افکار سے مایوسی اور جہانِ پیر کی موت بھی دیکھی

جہانِ مغرب کے بت کدوں میں کلیساؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خوں ریزیاں چھپاتی ہیں، عقلِ عیار کی نمائش ۲۰۲

دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا
قریب آگئی شاید جہانِ پیر کی موت ۲۰۳

خلاصۂ اشعار:

یہاں (جاوید نامہ میں) بھی — دونوں طرح کے احساسات و مدرکات کا اظہار ہوا ہے۔ مارکس کو پیغمبر بھی لکھا کہ ہر پیغمبر کا پیغامِ توحید، وحدتِ آدم و مساواتِ انسانی کا علمبردار رہا ہے — لیکن یہ پیغمبر بے جبرئیل تھا کہ "نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب"۔ لیکن یہ "حق" باطل میں چھپا ہے اس لئے کہ اس کی اساس صرف "پیٹ پر ہے"، اور یہ مادی اساس، حق ناشناسی کی دلیل ہے۔ مساواتِ حقیقی نہ تو برادری میں برابری کے اشتراکی کمیونزم سے حاصل ہو سکتی ہے نہ جذبۂ مسابقت کو کچلنے والی شکم پرور مساوات سے — یہ نعمت — صرف اور صرف اخوت کے اس الٰہی نظام سے مل سکتی ہے۔ جو "برادری اور برابری" کا نقیب اور داعی ہی نہیں ریاستِ مدینہ اس کا عملی نمونہ بھی ہے — جسے اپنوں کی نادانی اور غیروں کی ریشہ دوانی نے "ہوس" کا شکار کر کے ملوکیت کے حوالے کر دیا — اس طرح کہ وہ نظام ہمیشہ کے لئے نسیاً منسیاً ہو گیا — اس کی واپسی کی ہر سبیل — جہانِ مغرب ہی نہیں مسلم مکاتبِ فکر میں بھی عقلِ عیار کی زد میں آجاتی ہے کہ اخوتِ اسلامی — دلوں کی زمین سے پھوٹتی ہے — کہ بیخ او در دل نہ در آب و گل است۔

علامہ نے ہندوؤں کو دلوں کے اندر جو نیا شوالہ "تعمیر کرنے کی دعوت دی تھی وہ بھی نظامِ اخوت" کی تجدید کی دعوت تھی۔ میثاقِ مدینہ میں یہود کو بھی امۃ مع المؤمنین تسلیم کیا گیا تھا — اقبال بھی اکثریتی ہندو قوم کو دعوت دے رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کو امۃ مع الهنود ہندو کے ساتھ ایک قوم و جماعت — یعنی قوم کے اندر قوم — تسلیم کریں — نہرو رپورٹ نے اس تصور کو خواب و خیال سے بھی بڑھ کر ناقابلِ یقین ثابت کر دیا لیکن ہمارے دینی رہنما اب بھی امۃ مع الملین کے حوالے دے کر "متحدہ وطنیت اور اتحاد" پر بضد تھے — کیا اکثریت نے اس جذبہ کو فنا کے گھاٹ اتار نہ دیا تھا؟ پھر اسی پر اڑا رہنا کس حد تک "صواب دید" کہلا سکتا ہے؟ اور اس پر کس دل سے بھروسہ کیا جانا چاہیے — ؟۔

اسی طرح ملوکیت بھی اپنا بے نور سینہ دل سے خالی رکھتی ہے۔ پھول — رس سے محروم ہے۔ نرے برگ و بو اور رنگ سے کیا ملے گا۔ اس پر چہکنے والے بلبل — نامراد و ناکام ہی رہے ہیں اور محروم و مطرود ہی رہیں گے۔ ملوکیت اور بے خدا اشتراکیت چکی کے دو پاٹوں کی طرح آدم کو پیس رہے ہیں۔ ایک فریبِ شکم دے کر بن سے جان، دوسرا ہاتھ سے روٹی چھین لینے کے درپے ہے۔

---

۲۰۲ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۶۹۹ [ضربِ کلیم: کارل مارکس کی آواز] ۲۰۳ ایضاً ص ۶۰۰ [ایضاً: انقلاب]۔

دونوں ہی تن پرور لیکن تاریک دل ہیں۔ اور زندگی سوز و ساز چاہتی ہے۔ جو "دل" کی کاشت کے بغیر ہاتھ نہیں آسکتے۔ اگر ایسا نہیں تو آدم کے لئے عالمِ دیگر کی تعمیر بھی ممکن نہیں — "نیا شوالہ" ایسا ہی عالمِ دیگر — تھا جس کی تعمیر کی دعوت کو ہندو نے ٹھکرا دیا — اقبال نے تو مثنوی "اسرارِ خودی" میں بھی ہندو سے تخاطباً کہا تھا۔

من نگویم از بتاں بیزار شو — کافری، شائستۂ زنار شو
گر ز جمعیت حیاتِ ملت است — کفر ہم سرمایۂ جمعیت است
تو کہ ہم در کافری کامل نہ ای — در خورِ طوفِ حریم دل نہ ای
ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور — تو ز آزر من ز ابراہیم دور
اے امانت دارِ تہذیبِ کہن — پشتِ پا بر مسلکِ آبا مزن

از گلِ خود، آدمے تعمیر کن
بہر آدم، عالمے تعمیر کن [۲۰۴]

حیرت ہے ماہرینِ اقبالیات اسے "وطنیت" کا نام دینے میں کتنے دلیر ہیں، اور اسے دعوتی پوجا کہتے نہیں شرماتے [۲۰۵] یہاں بھی علامہ کو ملوکیت اور اشتراکیت، دونوں ہی تاریک دل ہونے کے باعث "عالمِ دیگر" کی تعمیر کے لائق نظر نہیں آتے۔

سعید حلیم پاشا (۱۱۴)

شرق و غرب

(۱۱۵)

۵۴۴۔ غربیاں را زیرکی سازِ حیات
زیرکی از عشق گردد حق شناس
عشق چوں با زیرکی ہمسر شود
خیز و نقشِ عالمِ دیگر بنہ
۵۴۸۔ شعلۂ افرنگیاں نم خوردہ ایست
زخمہا خوردند از شمشیرِ خویش
۵۵۰۔ سوز و مستی را مجو از تاکِ شاں

(۱۱۶)

شرقیاں را عشق رازِ کائنات
کارِ عشق از زیرکی محکم اساس
نقشبندِ عالمِ دیگر شود
عشق را با زیرکی آمیز دہ
چشمِ شاں صاحب نظر، دل مردہ ایست
بسمل افتادند چوں نخچیرِ خویش
عصرِ دیگر نیست در افلاکِ شاں

۲۰۴۔ اقبال بنام شاد ص ۸۲/۸۳
نیز باقیاتِ اقبال ص ۲۳۶

۲۰۵۔ اقبال اور پاکستانی قومیت ص ۲۹/۵۰ ڈاکٹر وحید قریشی مکتبہ عالیہ ایبک روڈ لاہور ۱۹۷۷ء نیز ابتدائی کلامِ اقبال ص ۲۷۶ (بحوالہ اقبال (انگریزی) سچدانند سنہا) اقبال کہتا ہے من نگویم از بتاں بیزار شو — وہ پرواردل سے آوازۂ اذان اور ناقوس کا شور — برداشت کرنے والی فضا چاہتا ہے۔ مگر آپ کو یہ دعوتِ پوجا نظر آتی ہے اور دوسرا مولوی پکار ہندوؤں کو اپنی مذہبی رسمیں ترک کرنے کی دعوت ہوئی نامہ لگی ہے — ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من

۵۵۱ — زندگی را سوز و ساز از نار تست
عالم نو آفریدن، کار تست

۵۵۲ — مصطفیٰ کو از تجدد می سرود (۱۱۷) | گفت نقش کهنہ را باید زدود
نو نگردد کعبہ را رخت حیات | گر ز افرنگ آیدش لات و منات
ترک را آہنگ نو در چنگ نیست | تازہ اش جز کہنۂ افرنگ نیست
سینۂ او را دمِ دیگر نبود | در ضمیرش عالم دیگر نبود
لاجرم با عالم موجود ساخت | مثل موم از سوز این عالم گداخت
۵۵۷ — طرفگیہا در نہاد کائنات | نیست از تقلید تقویم حیات
زندہ دل خلاق اعصار و دہور | جانش از تقلید گردد بے حضور
۵۵۹ — چون مسلمانان اگر داری جگر | در ضمیر خویش و در قرآں نگر
صد جہان تازہ در آیات اوست | عصرہا پیچیدہ در آنات اوست
یک جہانش عصر حاضر را بس است | گیر اگر در سینہ دل معنی رس است
۵۶۲ — بندۂ مومن ز آیات خداست | ہر جہان اندر برِ او چوں قباست

چون کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانِ دیگرش

حواشی و تعلیقات :

(۱۱۴) **سعید حلیم پاشا :** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۹۴ (۱۱۵) **زیرکی** [عقل] - ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۷ (۱۱۶) **عشق :** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۸

شعر نمبر ۵۴۴ تا ۵۵۰ : جیسا کہ حولہ بالا تعلیقات نمبر ۲۷، نمبر ۲۸ میں واضح کیا گیا ہے۔ عقلِ مادی، حواس کی تابع ہوتی ہے کہ "چوں حس دیگر شد آں عالم دگر شد، حس بدلی تو عالم دیگر"[۲۱۶] مگر اس کی ناپائیداری و ناقصی کے علاوہ اور اس پر مستزاد، خود حواس کی غیر اعتباری کیفیات ہیں — آنکھ پانی کے اندر سیدھی لاٹھی کو ٹیڑھا میڑھا دیکھتی ہے۔ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ طبیعت کی ناگواری، خوشگوار موسیقی کو بھی ناخوشگوار بنا دیتی ہے۔ ایک افسردہ دل ساری محفل کو افسردہ کر سکتا ہے۔ یہ سب علم بالحواس کی ناقصی کے ثبوت ہیں — اس پر نفس کے اندر موجود "فجور و تقوای" کی طرف رغبت دلانے والی قوتوں کے اثرات ایک الگ موضوع ہے۔ انسانی عقل اور زیرکی پر خارجی مؤثرات [والدین، ماحول، معاشرہ، تعلیم] کی اثر اندازی، ناقابلِ تردید ہے۔

---

۲۱۶ کلیات اقبال فارسی ص ۵۶۲ [گلشن راز جدید : جواب، سوال نمبر ۸]۔

چنانچہ ایسے میں کسی اصول، ضابطہ، قانون کی ضرورت و اہمیت از خود واضح ہو جاتی ہے ۔ وہ عقل اور زیرکی جن کا مبداء و منشاء مادی تقدیرات (خواہشاتِ نفس، طبعی تقاضے اور علم بالحواس) ہوں، انہیں کسی ایسی اخلاقی و روحانی تقدیر یا تقدیرات (قوانین) کا پابند بنا دینا، جس کا اطلاق، ہر طرح کی طبیعت کو بھی راس آئے اور طبعی تضادات کو ہم آہنگ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو ـــ ایک ایسے "عالمِ دیگر" کی تخلیق کر سکتا ہے جس میں ہر کوئی تمام تر فطری ضرورتوں کے مطابق زندگی گزار سکے ـــ اس اخلاقی روحانی تقدیر یا قوانین کو مادی تقدیرات (فطری تقاضوں اور نفسی خواہشات) کی طرح جزوِ فطرت بنانا، عشق ہے ۔ یہ عشق، فطری تقاضوں کے عین مطابق، مگر فطری تقاضوں کے جبر سے آزاد، قوانین ـــ کی روشنی میں عقل، کو چلائے گا ۔ یہ عشق اور زیرکی کی ہم مزی و ہم بری ہے ۔

مادیت پرست مغرب، اس عشق سے محروم ہے ـــ کہا جا سکتا ہے کہ قوانین کی جتنی پاسداری مغرب میں مجلسی اور معاشرے میں ہیں ۔ برطانیہ غیر تحریر شدہ آئین [Un-written constitution] پر صدیوں سے عمل پیرا ہے اور اسلامی نظریاتی پاکستان میں نت آئین، منسوخ، معطل اور ترمیمات کی زد میں رہتے ہیں ۔ پھر مغرب کو ایسا الزام دینا کہ وہ اپنی ہی شمشیر کے زخم خوردہ اور اپنے شکار ہو کر تڑپ رہے ہیں "کہاں تک درست ہے؟

جواب یہ ہے کہ وہ آئین اور وہ قوانین بنانے والے بھی انسان تھے ـــ وہ انسان جو دیگر انسانوں کی طرح ـــ عقلِ مادی سے سوچتے تھے ۔ اُن کے بھی طبعی تقاضے تھے، نفسی خواہشات تھیں، حالات اور زمانے کا دباؤ تھا ـــ وہ ان تمام تر مؤثرات کے تابع مہمل تھے ـــ اُن کے بنائے ہوئے ضابطے قوانین، اصول و قواعد اور آئین ـــ اُن کے تناقضات کو تو ہم آہنگ تھے مگر ان لاکھوں کروڑوں انسانوں کے طبعی تضادات اور تناقضات سے تو ہم بستر تھے ـــ اس لئے ان پر جبر تھے اور ہیں ـــ روس کی ٹوٹ پھوٹ، مغرب کی عظیم جنگوں، نو آبادیوں کی آزادی کی جنگ اور عظیم تاریخی سلطنتوں کا زوال ـــ اپنے ہی خنجر سے خودکشی اور اپنی ہی شمشیر سے زخم کھا کر تڑپنے والی بات ہی تو ہے ـــ اہلِ مغرب کی تسخیرِ فطرت ـــ چونکہ نفس کی تسخیر سے ماورا ہے اس لئے فسادات، ہلاکتوں اور اولادِ آدم کی تباہی و بربادی ہی کا باعث رہی ہے ۔ چنانچہ ایسا معاشرہ جو خود ہی عدمِ تحفظ کا شکار بے پناہ میں ہوتا ہے ـــ ایسے معاشرے سے کسی عالمِ نو، کی تعمیر کی امید نہیں کی جا سکتی ۔

شعر نمبر ۱۵۵ ۔ نارِ تو: پروفیسر سلیم چشتی نے اسے مسلکِ عشقِ الٰہی لکھا ہے ع۸۰ لیکن ـــ رسمی پس منظر میں آگے چل کر علامہ نے مسلمانوں کو بالواسطہ مخاطب کر کے لکھا ہے کہ ذوقِ تخلیق آتشے اندر بدن ـــ میدا زندگی را سوز و ساز از نارِ تست ، کا صاف مطلب تیرے ذوقِ تخلیق سے ہے البتہ میرا خیال دو معنی راجح ہے کہ علامہ نے رابطہ و ضبطِ ملت بیضا ، کو مشرق کی نجات لکھا ہے ع۸۰۸ اور اسی نظم میں مسلمانوں کو نیل سے تا بخاکِ کاشغر ایک ہونے کی تلقین بھی کی ہے ۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے ۔ نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر ع ایضاً

ع۸۰۷ شرح جاوید نامہ ص ۱۰۶ ۔ ع۸۰۸ کلیاتِ اقبال اردو ص ۲۶۵ (بانگِ درا : خضرِ راہ : دنیائے اسلام)

یہ ایک ہونا روحانی اعتبار سے توحید کا عقیدہ ہے اور اس کا اولین اظہار الصّلوٰۃ میں ہوتا ہے۔ جو مسلم اجتماعیت کا شہکار ہے۔ علامہ لکھتے ہیں۔

"۔۔۔۔ بہرحال اسلام نے عبادت کو اجتماعی شکل دے کر روحانی تجلیات میں بھی جو اجتماعی شان پیدا کر دی ہے اس پر بہیں ضرور توجہ کرنی چاہیئے[۱۰۹]۔۔۔۔۔۔ اسلام نے صلوٰۃ میں نفی و اثبات دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی ہے[۱۱۰]۔۔۔۔۔۔ اسلام میں صلوٰۃ حصول معرفت ہی کا سرچشمہ نہیں، اس کی قدر و قیمت کچھ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ صلوٰۃ با جماعت سے اس تمنا کا اظہار بھی مقصود ہے کہ ہم ان سب امتیازات کو مٹاتے ہوئے جو انسان اور انسان کے درمیان قائم ہیں، اپنی اس وحدت کی ترجمانی (جو گویا ہماری خلقت میں داخل ہے) اس طرح کریں کہ ہماری عملی زندگی میں اس کا اظہار سچ مچ ایک حقیقت کے طور پر ہونے لگے[۱۱۱]"

صلوٰۃ میں نفی کی رعایت "ان باہمی امتیازات کو مٹانا ہے جو انسان اور انسان کے درمیان قائم ہیں۔ صلوٰۃ کا مادہ ص ل و یا ص ل ی ہے واؤ اور ی الف میں بدلے جاتے ہیں ــــ اس کے جتنے معانی بھی از روئے لغت ہوں یا از روئے اصطلاح دینی ہیں۔ ان کا ایک مشترک مفہوم آگ بھی ہے ــ جو ان امتیازات کو جلاتی ہے ــــــ یہ صلوٰۃ کی رعایت نفی ہے ــــ صلوٰۃ کا مصدر التَّصْلِيَة ہے ــــ یہ اس کا اثباتی پہلو ہے ــ اتصال باہمی ــ اجتماعی شان ــ ایک "عالم نو" ــ عصرِ دیگر ـــــ علامہ کا شور "نار" سے یہی مفہوم چاہتا ہے ــ عقیدہ توحید کی روحانی تجلی ـ نماز ــ کا عملی زندگی میں بصورت اتحاد و اخوت استشہاد اور تخلیقی صلاحیتوں کا نمود ــــ زندگی را سوز و ساز از نار تست ـــ عالم نو آفریدن کار تست ــــــــــــــ

(۱۱۲) **مصطفیٰ کمال اتاترک:** مصطفیٰ کمال پاشا جنہیں قوم نے "اتاترک" (اتا بمعنی باپ یعنی بابائے قوم) کہا۔ ۱۸۷۸ء میں یا ۱۸۸۱ء میں، سلونیکا کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے۔ مدرسہ حربیہ کی تعلیم ختم کر کے وہ ارکان حرب کے درجے میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں بی اے کرنے کے بعد جنرل سٹاف کالج پہنچے۔ پانچویں رسالہ میں شامل کر کے انہیں شام بھیج دیا گیا۔ دمشق میں انہوں نے "مادر وطن اور آزادی" کے نام سے ایک خفیہ تنظیم بنائی۔ ۱۹۰۷ء میں وہ سلونیکا میں افسروں کی تربیت گاہ میں کمانڈر مقرر ہوئے۔ جنگ بلقان کے ختم ہونے کے بعد انہیں ابا صوفیہ (SOFIA) میں ملٹری اتاشی لگا دیا گیا۔ اور لفٹیننٹ کرنل بنایا گیا۔ ۱۹۱۶ء میں انہیں جنرل کے عہدہ پر ترقی مل گئی۔ ۱۹۱۸ء میں جرمنی کی شکست کے بعد ان کو وزارت میں شامل کیا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں ملی کانگریس قائم کر کے اس کے صدر بنے۔ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۳ء کو ترکی کے جمہوریہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا اور مصطفیٰ کمال پاشا پہلے صدر بنے۔ ۳ر مارچ ۱۹۲۴ء کو خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور شاہی خاندان کو ترکی چھوڑنا پڑا ــ قریب قریب پندرہ سال حکومت کی اور ۱۰ر نومبر ۱۹۳۸ء کو وفات پائی[۱۱۲]۔

---

[۱۰۹] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (اردو ترجمہ سید نذیر نیازی) ص ۱۳۸، [۱۱۰] الیضاً ص ۱۳۹
[۱۱۱] الیضاً ص ۱۴۱ [۱۱۲] اردو دائرہ معارف اقبال ملک حسن اختر ص ۳۱۵، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد دوم۔ ص ۲۵۵ تا ص ۲۵۷ ۱۹۷۵ء

آتاترک بحیثیت فوجی افسر: پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۸ء کے آخر میں ختم ہوئی۔ جرمنی اور ترکی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اتحادی افواج (برطانیہ، فرانس، اٹلی)۔ حجاز، فلسطین، شام، عراق پر قابض ہو چکی تھیں۔ ترک افواج غیر مسلح اور منتشر کر دی گئیں اور اتحادی افواج نے استانبول کا کنٹرول سنبھال لیا تھا۔ سلطان ترکی — خلیفۃ المسلمین معاہدۂ سیورے کی ذلت آمیز شرائط کے ساتھ اتحادیوں کے عملاً قیدی بن چکے تھے۔ یورپ کا مردِ بیمار (ترکی) اب نزع کے عالم میں تھا۔ ایشیائے کوچک کے ساحلی علاقوں پر بھی اتحادیوں کا کنٹرول تھا۔ مشرق میں ارمنی عیسائی شورش پر آمادہ تھے — اس عالم میں استنبول کی شکست خوردہ حکومت نے گیلی پولی اور درۂ دانیال کے ہیرو جنرل مصطفیٰ کمال پاشا کو مشرقی صوبجات کا نظم و نسق بحال کرنے کے لئے وہاں کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا —
اسی اثنا میں برطانوی جہازوں پر یونانی افواج ایشیائے کوچک کے ساحل پر اتریں۔

اور ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء کو یونان نے سمرنا (ازمیر) پر قبضہ کر کے قتلِ عام شروع کر دیا۔ ۱۹ مئی کو مصطفیٰ کمال نے بحیرۂ اسود کے ساحلی شہر سمسون میں یہ خبر سنی تو شکست و ریخت کی راکھ سے کچھ چنگاریاں اٹھیں۔ مجلسِ ملی قائم کی۔ فوج کی تنظیم نو کی اور عزت کی موت یا آزادی کی راہ — جہادِ حریت کا آغاز کر دیا — استنبول کے مقدم حکمران نے مصطفیٰ کمال کی معزولی کے احکام صادر کیے مگر اب تیر نکل چکا تھا۔ بے سرو سامان — موت یا فتح کے علمبردار، سپاہی اور کسان میدانِ جہاد میں کود پڑے تھے — یونانی افواج کو انونو کے درے میں روکا گیا۔ اور سقاریہ میں فیصلہ کن شکست دی۔ اور ۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کو سمرنا میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ یونانیوں نے استنبول پر یلغار چاہی تو سرفروش ترکوں نے وہاں بھی ان کا استقبال کیا — اس طرح مجلسِ ملی کے تعین کردہ حدودِ ترکی سے نہ صرف یونانی افواج خارج کر دی گئیں اتحادی فوجوں کو بھی نکال دیا گیا۔
ترکوں کی اس عظیم الشان کامیابی کا نتیجہ، معاہدہ سیورے کی گئی ذلت کی سیاہی کا دھلنا تھا۔ لوزان کانفرنس کی طویل گفت و شنید کے بعد مساوی شرائط پر صلح نامہ کی تکمیل ہوئی — تاریخ کا یہ عجیب و غریب فیصلہ تھا جسے جانباز ترکوں نے اپنی شمشیرِ خارا شگاف کے ذریعے فاتح اتحادیوں سے منوایا — اتاترک کے ناقابلِ شکست عزم اور ارادے کا مرہونِ منت تھا — صلح نامہ لوزان کی تکمیل (۲۴ جولائی ۱۹۲۳) کے بعد حزبِ جمہوری نے جدید ترکی آئین منظور کیا۔ مجلسِ ملی کی ترمیم کے مطابق ترکی کا سرکاری مذہب اسلام قرار پایا۔ ۱۴
اس تمام عرصہ میں عالمِ اسلام کا بیدار مغز اور بصیرت رکھنے والا ہر شخص غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا مداح تھا — اور امید کے روشن دیپ ہر سو جلنے لگے تھے مایوسی کے اندھیرے چھٹ رہے تھے — اسی عرصہ میں علامہ نے مصطفیٰ کمال پاشا کو بھرپور خراج پیش کیا — ترکانِ احرار کی بظاہر بے یقینی کے حالات میں یقینی فتح نے اقبال سے یوں خراج وصول کیا۔

ہوئے احرارِ ملت جادہ پیما کس تجمل سے — تماشائی شگافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی ۱۵
عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے — شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی ایضاً
ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دنیا میں — کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی ایضاً
حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے — جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے ایضاً

---

۱۴ اقبال ایک مطالعہ صفحہ ۱۷۹/۱۸۰ - ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار - اقبال اکادمی پاکستان لاہور طبع اول ۱۹۷۹ء
۱۵ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۲۷۰ (بانگِ درا: طلوعِ اسلام) ایضاً صفحہ ۲۶۹ — ایضاً صفحہ ۲۷۱ — ایضاً صفحہ ۲۷۲

مصطفیٰ کمال اتاترک بحیثیت سربراہ مملکت: علامہ اقبال کو ترکی کا جمہوریہ ہونا نہ صرف قبول و منظور تھا بلکہ وہ ہندوستان میں تحریکِ خلافت کے زمانے ہی سے جمہوریت کے حق میں لکھ رہے تھے ۔۔ حضرتا شیخ الاسلام جیسی بالادست ملائیت کو تو وہ اسلامی نظام خلافت کے اصولاً خلاف سمجھتے تھے۔ منتحسن اختر نے دائرہ معارف اقبال میں علامہ کی ایک تحریر یوں نقل کی ہے۔

"قوم کی مذہبی زندگی سے ملاؤں کو الگ کرکے اتاترک نے وہ کام کیا جس سے ابن تیمیہ رح یا شاہ ولی اللہ رح کا دل مسرت سے لبریز ہو جاتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مشکوٰۃ میں درج ہے جس کی رو سے وعظ کرنے کا حق صرف اسلامی ریاست کے امیر یا اس کے مقرر کردہ شخص یا اشخاص کو حاصل ہے" ۱۶؎

"الاجتہاد فی الاسلام" میں علامہ نے اس کی کھلی وضاحت کی ہے کہ

"۱۹۰۶ء کے ایرانی دستور (اثناعشری شیعی دستور) میں تو اس امر کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ جہاں تک امور دینی کا تعلق ہے ایسے علماء کی جو معاملاتِ دنیوی سے بھی خوب واقف ہوں ایک الگ مجلس قائم کر دی جائے تاکہ وہ مجلس (پارلیمنٹ) کی سرگرمیوں پر نظر رکھے ۔۔۔۔ بہرحال ایرانی نظریۂ دستور کچھ بھی ہو یہ انتظام بڑا خطرناک ہے ۔۔۔" ۱۷؎

غازی مصطفیٰ کمال سے علامہ کی مایوسی کے اسباب دوسرے تھے جمہوری نظام کا رواج نہیں۔ علامہ تو مؤتمر عالم اسلامی کے حامی تھے۔ علامہ غازی مصطفیٰ کے جن کارناموں سے مایوس ہوئے وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) مجلس ملی کی دستوری ترمیم کے مطابق ترکی کا سرکاری مذہب اسلام تھا۔ پاشا نے اسے حذف کرکے ریاست کو سیکولر قرار دیا اور مملکت اور سیاست سے مذہب کو خارج کر دیا۔

(۲) ترکی زبان کا رسم الخط عربی کے بجائے لاطینی قرار دیا بلکہ نماز، اذان کو بھی ترکی زبان دی۔

(۳) پردہ خلافِ قانون ٹھہرا

(۴) تعدد ازدواج کو بھی جرم قرار دیا گیا۔ ۱۸؎

علامہ کو یہ سب کارروائیاں ناگوار گزریں کوئی بھی انہیں گوارا نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ طلسمِ افرنگ کی اسیری کی علامت تھا۔

لادینی و لاطینی! کس پیچ میں الجھا تو

دارو ہے ضعیفوں کا لا غالبَ الّا ھُو ۱۹؎

شعر نمبر ۵۱۲ الخ: مصطفیٰ کمال پاشا نے تجدد کی راہ اپنائی اور ہر پرانی شے کو مٹانا چاہا۔ گویا کعبہ کیلئے

۱۶؎ دائرہ معارف اقبال ص ۳۸

۱۷؎ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۲۷۱/۲۷۰ ایضاً

۱۸؎ شرح جاوید نامہ چشتی ص ۶۰۵ ایضاً

۱۹؎ کلیات اقبال اردو ص ۴۳۲ (ضرب کلیم: نمبر ۱۲)۔

نئے لات ومنات، افرنگ سے درآمد کرنا۔ اگر یہ تجدید ہے اس سے تو کعبہ نیا نہ ہوگا۔ ترکوں کو جو جدید نظر آیا وہ یورپ کا قدیم ہے۔ "دنیا جدید ترکی ہنس" ریاستہائے بلقان میں ایک اور یورپی ریاست کا اضافہ ہوا ۲۰ یہ تو موم کی طرح اپنا وجود کھو دینے کے مترادف ہے۔ ایسی اندھی تقلید کی زندگی کی تعمیر و تقویم میں کوئی گنجائش نہیں۔ عصرِ نو کی تخلیق تقلید سے ممکن نہیں۔ قومی زندگی۔ اجتماعی خودی کا نام ہے اور خودی نہ تو کسی دوسری خودی میں مدغم ہو سکتی ہے نہ اُس کا ظہور کسی دوسری خودی کے ذریعہ ممکن ہے ۲۱ اور بندۂ مومن تو بغل میں جہانِ نو بہ نو لیے پھرتا ہے اس لئے اس کی ہستی سراپا قرآن ہے [یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن۔ کلیات اردو صفحہ ۵۲۲] اور قرآن کی ہر آیت جہانِ تازہ کی نقاب کشا ہے۔ اس لئے کہ یہ قرآن ہے جو یہ بتاتا ہے کہ یہ کائنات ایک بے جان ڈھیر کی طرح مکانِ مطلق میں نہیں پڑی جس میں زمانے کا کوئی عمل دخل نہیں (تشکیل ص ۸۴) شریعت اسلامی حالات اور زمانے کی بخوبی رعایت رکھتی ہے۔ تو پھر غیروں کی تقلید۔ اسلام یا مسلمانوں کی ترقی تو نہ ہوئی "غیر" کی ترقی ہوئی۔ جسے ترقی کہنا۔ ترقی کے معانی ومفہوم سے نابلد ہونے کا ثبوت ہے۔

زندہ رود ؒ

۵۶۲۔ زورقِ ما خاکیاں بے ناخداست
کس نداند عالمِ قرآں (۱۱۸) کجاست

افغانی

عالمے در سینۂ ما گم ہنوز
عالمے در انتظارِ قُم ہنوز

عالمے بے امتیازِ خون و رنگ
شام او روشن تر از صبحِ فرنگ

عالمے پاک از سلاطین و عبید
چون دلِ مومن کرانش ناپدید

عالمے رعنا کہ فیضِ یک نظر (۱۱۹)
تخمِ او افگند در جانِ عمر (۱۲۰)

لازوال و واردانش نو بہ نو
برگ و بارِ محکماتش (۱۲۱) نو بہ نو

باطنِ او از تغیر بے غمے
ظاہرِ او انقلابِ ہر دمے

اندرون تست آں عالم نگر!
می دہم از محکماتِ او خبر!

حواشی وتعلیقات:

(۱۱۸) **عالمِ قرآں:** وہ معاشرہ جو قرآن کی تعلیمات کے مطابق ہوگا۔ وہ ضمیرِ مسلم کے اندر ہے۔ وہ معاشرہ خارج سے درآمد نہیں ہو سکتا نہ اُس کے لئے کسی اور کا دست نگر ہونا پڑتا ہے

۲۰۔ اقبال ایک مطالعہ۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ص ۱۹۳ ایضاً

۲۱۔ اقبال کے حضور۔ سید نذیر نیازی ص ۸۳ اقبال اکادمی پاکستان کراچی ۱۹۷۱ء

اس قرآنی معاشرے کی صفات درج ذیل ہیں

(۱) امتیاز رنگ وخوں سے پاک　　(۲) نہ کوئی آقا نہ کوئی بندۂ ناچیز

یعنی، حریت، اخوت اور حفظِ بنی نوعِ انساں کا ضامن

(۳) دلِ مومن کی طرح لامحدود، جغرافیائی حدود سے ماورا یعنی آفاقی معاشرۂ لازوال،

(۴) باطن [بنیادی اصول و قواعد] غیر متبدل لیکن وضعات حالات و زمانہ سے مطابقت کی صلاحیت سے مملو ــــ دورِ فاروقی رضؓ اس کا عملی نمونہ اور مثالی شہکار ــــــ

نہ قرآن اس معاشرت کی تخلیق سے بانجھ ہوا ہے نہ ضمیرِ مسلم اس صلاحیت سے محروم ہوا ہے۔ بس کسی مسیحا صفت کے "حرفِ قُم" کا انتظار ہے۔

(۱۱۹) **فیض یک نظر:** سے مراد تربیتِ مصطفویؐ کا اثر ہے۔ ایک تو حضورؐ نے آپؓ کو اللہ سے خود مانگا اللّٰهُمَّ اَیِّدِ الْاِسْلَامَ مِنْ اَحَدِ الْعُمَرَیْنِ : اے اللہ کسی ایک عمر (ابوجہل اور عمر ابن الخطاب) سے اسلام کی تائید ونصرت فرما۔ دوسرے آپؐ نے فرمایا۔ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے لیکن لا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ باقی حالات تعلیقہ نمبر ۱۲۰ کے تحت۔

(۱۲۰) **حضرت عمر رضی اللہ عنہ:** دوسرے خلیفۂ راشد، فاروق اعظم، عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکۂ مکرمہ میں ۵۸۳ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ شروع میں آپؓ اسلام کے شدید مخالف تھے لیکن قبول اسلام کے بعد آپؓ سے اسلام اور اہل اسلام کو بڑی تقویت ملی۔ صدیق اکبرؓ کے بعد آپؓ کو خلیفۃ المسلمین چنا گیا۔ آپؓ نے نظم ونسق مملکت کو درست کیا۔ آپؓ کا عدل، مثالی اور آپؓ کی عوام پروری بے نظیر تھی علاوہ ازیں فتوحات نے مملکت کو چاروں اور پھیلایا۔ آپؓ نے مملکت کو مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مربع میل، مشرق کی جانب ۱۰۸۷، جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تک پھیلایا البتہ مغرب کی جانب صرف جدہ تک حدِ حکومت تھی۔ اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، عراق، عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں کچھ حصہ بلوچستان کا بھی آجاتا ہے شامل تھے۔

ایشیائے کوچک جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں پر بھی ۲۰ھ میں حملہ ہوا ــ یہ سب فتوحات فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت سے تعلق رکھتی ہیں جن کا کل عرصہ صرف دس برس کچھ زیادہ برس تھا۔ ۲۲

یکم محرم الحرام ۲۴ ہجری کو ایک پارسی غلام ابولؤلؤ فیروز نے آپؓ کو شہید کر دیا ــ

علامہ اقبال عصرِ حاضر کے لیے کسی عمرؓ کی ضرورت کا اظہار کرتے ہیں۔ کلیات اقبال اردو، فارسی میں کم از کم اٹھارہ بار علامہ نے فاروق اعظمؓ کا حوالہ دیا ہے۔ جس سے ان کی فاروقِ اعظم سے عقیدت بخوبی معلوم ہوتی ہے۔ آپؓ کا دور خلافت ۱۳ھ سے ۲۳ھ تک ہے۔

۲۲۔ الفاروق حصہ دوم ص ۲۴۰/۲۴۱ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی، حامد اینڈ کمپنی۔ لاہور سن ندارد
اشاریہ ابیات اقبال۔ ملک حسن اختر ص ۲۲، تلمیحات اقبال۔ سید عابد علی عابد ص ۵۵

عصرِ حاضر بنگر اے صاحب نظر!
در برون باز آفریں روحِ عمر رضی ﷲ عنہ ع ۲۳

ز افرنگی صنم بیگانہ تر شو
کہ پیمانش نمی ارزد بہ یک جو
نگاہے وام کن از چشمِ فاروق رضی ﷲ عنہ
قدم بے باک نہ در عالمِ نو ع ۲۴

جہانگیری بخاکِ ما سرشتند
امامت در جبینِ ما نوشتند
درونِ خویش بنگر آن جہاں را
کہ تخمش در دلِ فاروق رضی ﷲ عنہ کشتند ع ۲۵

(۱۲۱) محکمات:

محکم متشابہ کی ضد ہے۔ محکم وہ ہے جو اپنے معنی و مفہوم پر دلالت کرنے میں واضح ہو اور اس میں کوئی خفاء و اشتباہ نہ ہو۔ نص اور ظاہر بھی اس میں شامل ہیں کیونکہ نص وہ ہے جس کو راجح اور متبادر معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو اس لئے نص کا مفہوم بالکل واضح ہوتا ہے۔

متشابہ: وہ ہے جو اپنا معنی و مفہوم ظاہر کرنے میں واضح نہ ہو۔ مجمل، مؤول اور مشکل سب متشابہات میں داخل ہیں، اس لئے کہ مجمل کے لئے تفصیل درکار ہوتی ہے۔ مؤول تاویل کے بعد اپنے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ مشکل اپنے معنی پر دلالت کرنے میں واضح نہیں ہوتا بلکہ اس میں التباس و ابہام پایا جاتا ہے۔ محکمات پر بحث و تحقیق کی حاجت نہیں ہوتی اور متشابہات کے درپے ہو جانا دل کی کجی پر دلالت کرتا ہے ع ۲۶ علامہ نے عالمِ قرآن سے متعلق چار محکمات کا ذکر کیا ہے۔
حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی / یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسمِ افلاطون [کلیاتِ اردو ص ۵۲۰ ضربِ کلیم]

۱: خلافتِ آدم ۲: حکومتِ الٰہی ۳: الارض للّٰہ ۴: حکمت خیرِ کثیر ہے۔

ع ۲۳ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۸۳۲ [پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق با ملتِ عربیہ]۔
ع ۲۴ ایضاً ص ۹۴۴ (ارمغانِ حجاز) ع ۲۵ ایضاً ص ۹۶۲ - مقدمہ سر اوزر یونیورسٹی ۱۹۶۶ ص ۱ تا ص ۲۹
ع ۲۶ علوم القرآن: ڈاکٹر صبحی صالح اردو ترجمہ غلام احمد حریری ص ۲۰۲/۲۰۱، الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ تینتالیسویں نوع
علامہ جلال الدین سیوطی اردو ترجمہ محمد حلیم انصاری - ادارہ اسلامیات لاہور طبع اول اگست ۱۹۸۲

محکماتِ عالمِ قرآنی (۱۲۲)

۱. خلافتِ آدم

۵۷۲- در دو عالم ہر کجا آثارِ عشق / ابنِ آدم سرّے از اسرارِ عشق
سرِّ عشق از عالمِ ارحام نیست / او ز سام و حام و روم و شام نیست
کوکبے بے شرق و غرب و بے غروب / در مدارش نے شمال و نے جنوب
حرفِ انی جاعل (۱۲۳) تقدیرِ او / از زمین و آسمان تفسیرِ او
مرگ و قبر و حشر و نشر احوالِ اوست / نور و نارِ آں جہاں اعمالِ اوست
او امام و او صلوٰت و او حرم / او مداد و او کتاب و او قلم
خردہ خردہ غیب او گردد حضور / نے حدود او را نہ فلکش را ثغور
از وجودش اعتبارِ ممکنات / اعتدالِ او عیارِ ممکنات
من چہ گویم از یمِ بے ساحلش / غرق اعصار و دہور اندر دلش
آنچہ در آدم بگنجد عالم است / آنچہ در عالم نگنجد آدم است
آشکارا مہر و مہ از جلوتش / نیست رہ جبریل را در خلوتش

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصلِ تہذیب احترامِ آدم است

حواشی و تعلیقات :

(۱۲۲) **محکمات** : ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۲۱ **خلافتِ آدم** : مراد دلنوازی تمنائی آدم ہے۔

شعر نمبر ۵۷۲ الخ اصلِ آدم : کائناتِ فطرت کا ہر عنصر عشق کے آثار سے ہے لیکن ابنِ آدم اسرارِ عشق میں سے ایک سر ہے۔ اور سرِّ عشق نہ عالمِ ارحام سے ہے نہ اس کو روم شام یا سام و حام سے نسبت ہے۔ ایک ایسا ستارہ جس کا مدار شمال و جنوب نہیں رکھتا نہ وہ بے غروب، مشرق و مغرب رکھتا ہے۔ گویا وہی بات کہ وجودِ حضرتِ انسان نہ روح ہے نہ بدن چنانچہ

طلسمِ بود و عدم جس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے قادر نہیں ہے جس پہ سخن ؏ [۲۷۰]

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اس موضوع پر شیخ ابنِ عربیؒ کی فصوص الحکم کی پہلی فصل فصِ آدمیہ کے حوالے سے خاصی تفصیل لکھی ہے۔ جس کی یہاں چنداں ضرورت نہ تھی۔ وہ دین و وطن کی بحث میں تو دبے پاؤں گزر گئے لیکن اقبال کو ابنِ عربیؒ کا خوشہ چین ثابت کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

[۲۷۰] کلیاتِ اقبال اردو ص ۵۱۹ (ضربِ کلیم : آدم)۔

لکھتے ہیں اقبال نے یہ نکتہ کہ آدم خدا کا راز ہے یا سِرِّ ذات ہے شیخ اکبرؒ کی تعلیمات سے لیا ہے ـ ۲۸

حام، سام: عالم گیر طوفانِ نوحؑ سے اُن کے تین فرزند بچے یافث، سام، حام، یافث کی اولاد یورپ میں ہے۔ سام کی عرب، فارس میں، حام کی افریقہ میں۔ نمرود حام کی اولاد سے تھا (دائرہ معارف اقبال حسن اختر صـ ۱۶۹)

(۱۲۳) **حرفِ الیٰ جاہل":** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۰۔ **موت، قبر** [عالم برزخ] اور **حشر و نشر** انسان کے احوال ہیں اور اُس جہاں کے "نور و نار" جنت، دوزخ خود اعمالِ انسان ہیں ———

اہلِ دنیا یہاں جو آتے ہیں اپنے انگارے ساتھ لاتے ہیں ـ ۲۹

وہی امام وہی صلوات وہی حرم وہی مِدَاد (سیاہی) وہی قلم اور کتاب، یعنی سب کا وجود ابنِ آدم کے وجود کی بدولت ہے۔ یہی تو جانِ عالم ہے۔ احسنِ تقویم پر ابنِ آدم ہی تو فائز ہوا۔

جس طرح یہ شرقی و غربی نہیں ایسے ہی اس کا ملک و وطن بھی جغرافیائی حدود سے ماورا ہے۔ یہ خودی جس کا نام آدم ہے "بحرِ بے کنار ہے" عالمِ اکبر، اس عالمِ اصغر میں پوشیدہ ہے لیکن عالمِ اکبر (کائنات) عالمِ آدم سے بے خبر ہے۔ ظہورِ آدم ہی سے ہر و مہ کا ظہور وابستہ ہے اور اس کی خلوت میں جبرئیل کا داخلہ بھی نہیں ——— معراج کی رات مقامِ سدرہ پر روح الامین بھی پیچھے رہ گئے۔ یا اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہو "لی مع اللّٰہ وقت" لَا یَسَعُنِی فِیہِ نَبِیٌّ مُرسَلٌ او مَلَکٌ مُقَرَّبٌ: [ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۳۷]

مختصر یہ کہ مقامِ آدم گردوں سے بھی بلند تر ہے۔ جو نظام احترامِ آدم سے محروم ہو اسے تہذیب نہیں جاہلی معاشرت [جاہلیت] ہی کہا جائے گا ——— حقیقت یہ ہے کہ جہانِ قرآن سے باہر تہذیبیں خود کو کتنی ہی مہذب سمجھیں انہیں مہذب جاہلیت سے بہتر نام نہیں دیا جا سکتا۔

۵۸۲- زندگی اے زندہ دل جانی کہ چیست؟ عشق یک بیں در تماشائے دوئی ست
مرد و زن وابستۂ یک دیگر اند کائناتِ شوق را صورت گر اند
زن نگہ دارندۂ نارِ حیات فطرتِ او لوحِ اسرارِ حیات
آتشِ ما را بجانِ خود زند جوہرِ او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی از تب و تابش ثباتِ زندگی
شعلۂ کز وے شرر را در گست جان و تن بے سوزِ او صورت نبست
ارجِ ما از ارجمندیہائے او ما ہمہ از نقشبندیہائے او
حق ترا داد است اگر تابِ نظر
پاک شو قدسیتِ او را نگر

ـ ۲۸ شرح جاوید نامہ صـ ۶۱۸ ـ ۲۹ کلیاتِ اقبال اردو صـ ۱۲۶ [بانگِ درا: سیر فلک]۔

حواشی و تعلیقات شعر نمبر ۵۸۰ تا [illegible]: اللہ نے آدم کو نفسِ واحدہ سے پیدا کیا اور "مرد و زن" بنائے ـ یوں بھی ہر شے زوج زوج، جوڑا جوڑا پیدا کی گئی ہے ـ یہی زندگی کا تماشائے دوئی میں عشقِ یک بیں ہونا ہے ـ **نارِ حیات:** ذوقِ تخلیق ہے۔ ذوقِ تخلیق آتشے اندر بدن ـ **کائنات:** وہ جو حرفِ کُن سے وجود میں آئی ـ وہی ممکن بھی ہے ـ اس جذبہ کو صورت بخشنے کی صلاحیت عورت میں ودیعت کی گئی ہے ـ حمل اور وضع حمل ـ کی جو صلاحیت اور تکلیف عورت کو ملی ہے وہی حملاتِ حیات کی امین اور تب و تابِ حیات کو ثبات بخشتی ہے ـ اُسی کا "سوز" [جذبۂ تخلیق] شعلہ و شرر اور شرر کو شعلہ بناتا ہے ـ اُسی کی عزت سے ہماری عزت وابستہ ہے ـ اس لئے مرد کی پاکیزگی اُسی کی تقدیس ہے ـ علامہ نے رموزِ بے خودی میں کہ "اجتماعی زندگی" اور جہانِ مرد و زن کا گویا مینی فیسٹو ہے امومت کے حفظ و احترام کو بقائے نوعِ انسان کی بنیادی شرط قرار دیا ہے ـ "درمعنیٔ این کہ بقائے نوع از امومت است و حفظ و احترامِ امومت اسلام است"

نغمہ خیز از زخمہ زن سازِ مرد — از نیازِ او دو بالا نازِ مرد
از امومت پختہ تر تعمیرِ ما — در خطِ سیمائے او تقدیرِ ما
ہست اگر فرہنگِ تو معنی رسے — حرفِ امت نکتہ ہا دارد بسے
گفت آں مقصودِ حرفِ کن فکاں — زیرِ پائے امہات آمد جناں
از امومت گرم رفتارِ حیات — از امومت کشفِ اسرارِ حیات

ملت از تکریمِ ارحام است و بس
ورنہ کارِ زندگی خام است و بس [30]

۵۹۲- اے ز دینت عصرِ حاضر بُردہ تاب — فاش گویم با تو اسرارِ حجاب
ذوقِ تخلیق آتشے اندر بدن — از فروغِ او فروغِ انجمن
ہر کہ بردارد ازیں آتش نصیب — سوز و سازِ خویش را گردد رقیب
ہر زماں بر نقشِ خود بندد نظر — تا نگیرد لوحِ او نقشِ دگر
مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزید — مدتے جز خویشتن کس را ندید
نقشِ ما را در دلِ اُو ریختند — ملتے از خلوتش انگیختند
می توانی منکرِ یزداں شدن — منکر از شانِ نبی نتواں شدن

---

[30] کلیاتِ اقبال فارسی ص ۱۲۹ تا ص ۱۵۱ ـ

گر چہ داری جانِ روشن چوں کلیم ۔۔۔ ہست افکارِ تو بے خلوت عقیم

از کم آمیزی تخیل زندہ تر
زندہ تر جویندہ تر تابندہ تر

حواشی تعلیقات شعر نمبر ۵۹۲ دین کا حسن، عصرِ حاضر کی بے پردگی نے لوٹ لیا ہے۔ لیکن، ذوقِ تخلیق، ہون کی آگ ہے تپش ہے، جسے اس تپش کا مالک بنایا گیا ہے اسے اپنا نگران خود ہونا ہوتا ہے۔ تاکہ نقشِ اول، نقشِ ثانی کی آمیزش سے محفوظ رہے۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل میں ملت کا نقش خلوتِ حرا میں ڈھالا گیا۔ اللہ کا انکار کرنے والا بھی مصطفیٰ[م] کی اس شان کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے بھی کہ اللہ کو بھی مصطفیٰ نبی[م] کے ذریعے پہچانا) ۔ کلیم[م] کی جانِ روشن نے بھی وادیٔ سینا کی تنہائیوں میں کلیم اللّٰہی کا مرتبہ پایا۔ خلوت کے بغیر فکر بانجھ رہتی ہے اور کم آمیزی ترکِ دنیا کا نام نہیں جویندہ تر ہونا ہے، تخیل اسی سے بیداری زندگی اور پائندگی پاتا ہے۔ **خلاصہ** یہ کہ احترامِ آدمی، کا تحفظِ اولیٰ۔ عصمت وعفتِ نسواں کی حفاظت ونگہبانی ہے، بے پردگی اس کی دشمن ہے اور عصرِ حاضر بے پردگی کا مشتاق ہے۔ تحفظِ نسواں، مرد کی پاکبازی سے مشروط ہے "پاک شو" اور قدسیتِ او را نگر ــــــ

۶۰۰- علم و ہم شوق از مقاماتِ حیات ۔۔۔ ہر دو می گیرد نصیب از واردات
علم از تحقیق لذت می برد ۔۔۔ عشق از تخلیق لذت می برد
صاحبِ تحقیق را جلوت عزیز ۔۔۔ صاحبِ تخلیق را خلوت عزیز
چشمِ موسیٰ[م] خواست دیدارِ وجود ۔۔۔ این ہمہ از لذتِ تحقیق بود
لن ترانی نکتہ ہا دارد دقیق ۔۔۔ اندکے گم شو دریں بحرِ عمیق
ہر کجا بے پردہ آثارِ حیات ۔۔۔ چشمہ زارش در ضمیرِ کائنات
در نگر ہنگامۂ آفاق را ۔۔۔ زحمتِ جلوت مدہ خلاق را

حفظِ ہر نقش آفریں از خلوت است
خاتم او را نگین از خلوت است

حواشی وتعلیقات شعر نمبر ۶۰۰ خلوت، تخلیقی جوہر کی حفاظت کا نام ہے اور جلوت تحقیقی جذبہ کے فروغ کا سبب۔ حضرت موسیٰ[م] نے ربِّ اَرِنی کہا کہ اطمینانِ قلب کے تحقیقی جذبہ کا مطالبہ تھا لیکن

لن ترانی، تخلیقی فعلیت کی خلوت پسندی کا اظہار — یہ دقیق نکتے ہیں — عشق [فاحببت ان اعرف] تخلیق اور علم تحقیق کی قوت ہے — ابن آدم کے لیے دونوں ہی اہم ہیں — مرد کے لیے تحقیق اور عورت کے لیے تخلیق — ایک کو جلوت زیبا ہے تو دوسرے کو خلوت شایانِ شان — رموزِ بے خودی میں علامہ نے "خطاب بہ مخدراتِ اسلام" کے تحت لکھا

حافظِ سرمایۂ ملت توئی — آب بندِ نخلِ جمعیت توئی ۳۱؎

۲۔ حکومتِ الٰہی (۱۲۴)

۶۰۸۔ بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام — نے غلام او را نہ او کس را غلام
بندۂ حق مرد آزاد است و بس — ملک و آئینش خداداد است و بس
رسم و راہ و دین و آئینش ز حق — زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق
عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر — سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر
وحیِ حق بینندۂ سودِ ہمہ — در نگاہش سود و بہبودِ ہمہ
عادل اندر صلح و ہم اندر مصاف — وصل و فصلش لا یراعی لا یخاف
غیرِ حق چوں ناہی و آمر شود — زور ور بر ناتواں قاہر شود
زیرِ گردوں آمری از قاہری ست
آمری از ماسوا اللہ کافری ست
قاہر آمر کہ باشد پختہ کار — از قوانیں گردِ خود بندد حصار
جرّہ شاہینِ تیز چنگ و زود گیر — صعوہ را در کارہا گیرد مشیر
قاہری را شرع و دستورے دہد — بے بصیرت سرمہ با کورے دہد
حاصلِ آئین و دستورِ ملوک؟
دہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک

حواشی و تعلیقات: شعر نمبر ۶۰۸ تا:

(۱۲۴) حکومتِ الٰہی کے لیے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۲۵

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے — نے کوئی فغفور و خاقاں نے گدائے رہ نشیں ۳۲؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے — حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری ۳۳؎

بندۂ حق: مردِ مومن — مقام و مرتبہ کی قید سے آزاد، نہ کسی کا غلام نہ کوئی اس کا غلام۔ اس کا ملک خداداد، اس کی مملکت کا آئین خداداد، اس کے تمام آدابِ زندگی و مملکت داری من جانب اللہ خود غرضی اور ذاتی فائدہ کی بجائے دوسروں کا فائدہ ڈھونڈنے والے علم بالوحی کا پاسدار۔ جنگ اور امن ہر موقع پر کسی رو رعایت سے ماورا اور خوف سے بری۔ انسانی قوانین [Man made laws] کمزور ل

۳۱؎ کلیاتِ فارسی اقبال ص ۱۵۵ [رموزِ بے خودی: خطاب بہ مخدراتِ اسلام] ۳۲؎ کلیاتِ اردو ص ۶۵۵ [ارمغانِ حجاز: ابلیس کی

۳۳؎ ایضاً ص ۲۶۱ [بانگِ درا: خضرِ راہ]۔

کو دبانے والا ہوتا ہے۔ دانشمند ماہر و آمر اپنے گرد قوانین کا قلعہ تعمیر کر کے، ہاں میں ہاں ملانے والوں کو اپنا مشیر بناتا ہے صَعْوَہ : ممولہ جو ایک دم ہلانے والا ابلق موسمی پرندہ ہے [فرہنگ عامرہ] ـــ آمریت کا سرچشمہ قوت ہوتی ہے اور آمریت کافری ہے۔ اس لئے کہ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ[۳۴] امر بھی اسی کا حق ہے جو خالق ہے۔ ذاتی خواہشات پر مبنی قانون سازی کفر ہے۔ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ[۳۵] اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں ـــ ایسے خود پرست، آمروں کی قانون سازی، گویا بصیرت سے محروم سرمۂ بصارت بانٹنے والا وہ بھی اندھوں میں۔ یہ ہے شرعِ ملوکیت جسمیں کسان تنکے کی طرح سوکھے ہوئے اور زمیندار اور جاگیردار موٹے تازے، یعنی مراعات یافتہ طبقات خوشحال اور عوام الناس تباہ حال۔

۶۲۰۔ وائے بر دستورِ جمہورِ فرنگ (۱۲۵)
مردہ تر شد مردہ از صورِ فرنگ

حقہ بازاں چوں سپہرِ گرد گرد
از امم بر تختۂ خود چیدہ نرد

شاطراں این گنج ور آں رنج بر
ہر زماں اندر کمینِ یک دگر

فاش باید گفت سرِ دلبراں
ما متاع و این ہمہ سوداگراں

دیدہ ہاے نم ز حبِ سیم و زر
مادراں را بارِ دوش آید پسر

وائے بر قومے کہ از بیمِ ثمر
می برد نم را ز اندامِ شجر

تا نیارد زخمۂ از تارش سرود
می کشد نازادہ را اندر وجود

گرچہ دارد شیوہ ہاے رنگ رنگ
من بجز عبرت نگیرم از فرنگ

اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو
دامنِ قرآں بہ گیر آزاد شو

حواشی و تعلیقات : شعر نمبر ۶۲۰ الخ : حقہ باز : مداری، بجاز اً عیار، مکار [لغات کشوری] **نرد :** شطرنج وغیرہ کی گوٹ : (۱۲۵) **دستورِ جمہورِ فرنگ :** ـــ جمہوریت دراصل ایک یونانی کلمہ ہے ـــ ہے۔ جس کے معنی ہیں ریاست پر عوام کا تصرف۔ ابراہیم لنکن نے اس کی بڑی عمدہ تعریف کی ہے۔ عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لئے ـــ جمہوریت یونان کی شہری ریاستوں کا دستور تھا۔ ایتھنز کی جمہوریت پر یونانی فلسفی افلاطون نے یہ اعتراض کیا کہ یہ "مستحق و غیر مستحق" میں مساوات کرتی ہے افلاطون جس جمہوریت کا وکیل تھا وہ جمہوریت ریاست کے اندر "برادری میں برابری" کے اصول کی علمبردار تھی۔ افلاطونی جمہوریہ دراصل "اشرافی کمیونزم" تھا۔ جس نے جمہوریت کی روح کو مسخ کر دیا۔

---

[۳۴] الاعراف : ۵۴ [۳۵] المائدہ : ۴۴، ۴۵، ۴۷۔

آج دنیا بھر میں اختیار کی ابلیسی جنگ کے شکار معاشرے اور قومیں جمہوریت کو وہی الزام دینے میں پیش پیش ہیں، جو افلاطون نے اس پر لگائے اور لطف یہ کہ وہی لوگ جمہوریت کے اس ناقد کو جمہوریت کا بانی کہہ کر رد بھی کرتے ہیں ۔۔ حالانکہ جمہوریت کی ابتداء حضرت داؤد علیہ السلام کے انتخاب سے ہوئی جو طالوت کے انتخاب کے بعد کا مرحلہ تھا اور جس کی تکمیل اہل مدینہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، عبداللہ ابن ابی کے مقابلے میں منتخب کر کے کی ۔ وہ اسلام ہے جس نے ریاستی آئین اور اجتماعی مشاورت کو رواج دیا اور اس طرح حاکم و محکوم کے ساتھ ساتھ ریاست کے اقتدار اعلیٰ کے رومی تصور کو مٹایا ۔ یورپ میں بھی کلیسا کی خدائی سے انکار کے بعد جمہوریت ہی نے حاکم و محکوم کے تصور کو مٹایا ۔ مگر ہوس اقتدار نے خوب و نوآبادیاتی نظام سکھا کر، اپنی نوآبادیوں میں جمہوریت کے نام پر چند باحیثیت لوگوں کا ضمیر خرید کر اپنی بادشاہت کو دوام بخشنے کا گر سکھایا ۔ یہی وہ جمہوریت تھی جسے علامہ دستور جمہور فرنگ کہہ کر تف بھیجتے ہیں اور اس جمہوریت کے پارلیمان کو " سرمایہ داروں کا کلب " لکھتے ہیں ۔ جہاں تک حقیقی جمہوریت کا تعلق ہے علامہ اسے اسلامی روح کی واپسی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ یہی نہیں برطانیہ جیسی کچھ جمہوریت ہندوستان میں لا رہا تھا وہ تب بھی وہ کام سمجھتے تھے جو مسلم ۲۳۶ حکمرانوں کے کرنے کا تھا مگر انہوں نے نہیں کیا، برطانیہ وہ کام کر کے ہندوستان کو مسلم ریاست بنا رہا ہے اور یہ مسلمانوں پر اس کا احسان ہے صاحب اخلاق جلالی جس مدینۂ فاضلہ کے داعی ہیں وہ کسی صورت بھی غیر جمہوری ریاست نہ تھی ۔ شرط یہ تھی کہ وہاں برادری اور برابری ہو اور اللہ کا حکم رسولؐ کی سنت کا رواج ہو ۔۔ یعنی اجتماعی مشاورت، نہ کہ کسی فرد واحد کے طبعی تقاضوں اور نفسی خواہشات پر مبنی احکامات اور آرڈی ننس ۔ دور ملوکیت کے فقہاء نے بھی ایسے ظالم کو معزول کرنے کو واجب قرار دیا ہے لا خلاف فی وجوب عزلہ من لا یستشیر ۔۔ (فتح القدیر، علامہ شوکانی) ۔

لیکن ہمارے ہاں کے سیاسی مجاہدین کا یہ حال ہے کہ ذاتی اغراض کے تحت شخصی احکامات کے نافذین کے دست و بازو بن کر سنتِ رسولؐ سے روگردانی کے ارتکاب پر فخر کرتے ہیں ۔ ایسے ہی لوگ برطانوی ہند میں معمولی سیاسی مراعات کے عوض حکمرانوں کے دست و بازو بن جاتے تھے ۔ لیکن شہنشاہیت اور جمہوریت کا جوڑ ممکن ہی نہ تھا ۔ یہ مراعات کی سیڑھی، برطانوی تولیت کو طول دینے کا ایک دلچسپ فن حربہ تھا ۔۔ بعینہٖ مسلم ممالک میں جہاں جمہوریت کا رواج ہو گیا ہے ۔ وہاں اغوا کا ابلیسی کاروبار مقدس ناموں سے جاری ہے ۔۔ یہود کے ورثۃ الانبیاء (لاویوں کے علماء الناس) نے بطور نائبین حق، آسمانی بادشاہت کو حکومتِ الٰہی نام دیا تھا ۔ اس حکومتِ الٰہی میں، اللہ کا اختیار نائبین حق کو منتقل ہو گیا تھا ۔ اور دیگر انسان خدا کی طرح بے اختیار کر دیئے گئے تھے ۔ اسی حکومتِ الٰہی میں جالوت نے ان کے ملک کا بیشتر حصہ قبضہ میں لے کر، تبرکات حتیٰ کہ چھین لی تھیں اور بنی اسرائیل سے وہی برتاؤ کرتا تھا جو مصر میں فرعون نے روا رکھا ہوا تھا ۔۔ قوم نے وقت کے پیغمبر سے درخواست کی کہ اللہ سے ان کے لئے بادشاہ مانگے ۔ لاویوں کی حکومتِ الٰہی کی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے جب وہ نبی (سموئیلؑ) کی زبان وحی ترجمان سے اللہ کے نامزد طالوت کا نام سنتے ہیں ۔۔ چلاتے ہیں اَنّٰی یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۲۳۷ یہ (طالوت) ہم پر کیسے حکمران ہو سکتا ہے، حق فائق تو ہم ورثۃ الانبیاء کو حاصل ہے اور تو مالی حیثیت بھی نہیں رکھتا ۔ گویا لاویوں کی حکومتِ الٰہی اہل ریاست کو تین طبقات میں تقسیم کئے ہوئے تھی ۔

۱: علماء الناس ۔۔ جنہیں حق نائبین حاصل تھا بحیثیت نائبین حق، بوجہ ورثۃ الانبیاء ہونے کے ۔ ان کے علاوہ تورات کو کوئی چھو بھی نہ سکتا تھا

۲ - رؤساء الناس ۔۔ وہ اہل ثروت ۔ جنہیں ورثۃ الانبیاء (علماء الناس) سیاسی اقتدار کی خاطر [illegible] سے نوازتے تھے

۳ - عوام الناس ۔۔ جنہیں ہر دو مذکورہ بالا طبقات کی دست بستہ بندگی کرنا تھی ۔۔ طالوت کا تعلق اسی طبقہ سے تھا ۔ اسی لئے محتاج ہوا تھا

---

۲۳۶ = Thoughts and Reflections of Iqbal P. 52 S.A. Sheikh Mohammad Ashraf Lahore. 1964.

۲۳۷ البقرۃ ، ۲۴۷ ۲ -

یہ وہ نظام تھا جس کی بحالی کی تحریک (اس کے باوجود کہ طالوت دولت سکینہ واپس لانے میں کامیاب ہؤا) طالوت کے خلاف برپا ہوئی اور اُسے "اللہ کی حکمرانی سے انکار" کا الزام دیا گیا ع٣٨ حالانکہ طالوت ہی اُس سلطنت کا بانی تھا جس کے حکمرانوں کو اللہ نے نبوت سے بھی سرفراز کیا ——— اور اللہ نے ان کی حکمرانی کو خلافت سے بھی تعبیر کیا۔ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ ع٣٩ لیکن حکومتِ الٰہی کے اُن داعیوں کا یہ حال تھا کہ طالوت کے انتخاب کو چیلنج کیا حالانکہ وہ نبی کی زبانِ وحی ترجمان سے من جانب اللہ مقرر ہؤا تھا ——— وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ع

حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے بعد ایک بار پھر حکومتِ الٰہی کی بحالی کی تحریک چلی اور فلسطین دو ریاستوں میں بٹ گیا۔ شمالی ریاست اسرائیل میں یہ حکومتِ الٰہی نافذ ہوئی جو بالآخر آشوریوں کے ہاتھوں ملیست و نابود ہوئی ——— تاریخ کے نفسیاتی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایتھنز میں حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کی ریاست کا دستور بغیر کسی مذہبی حوالے کے نافذ تھا ——— جس کو شمالی ریاست بنی اسرائیل کے اشرافی طرز کے رسیا افلاطون نے تنقید کا نشانہ بنایا۔ مستحق و غیر مستحق کے نام پر برادری میں برابری کا اصول دیا۔ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کا جانشین آخری حکمران یوسیا تھا جو ٢۔ تواریخ کے مطابق "آخری بادشاہ تھا جو داؤد کی راہوں پر چلا" ع٤١ یہود کا آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے چھوٹوں (عوام الناس) کے لئے بنیادی حقوق مانگنے کی سزا میں صلیب کا حق دار ٹھہرایا گیا ——— نصرانیوں نے افلاطون کے اشرافی نظام کو اپنایا جو دراصل شمالی ریاست بنی اسرائیل کی لاویانہ حکومت الٰہی (بطور نائبین حق، ورثۃ الانبیاء کے اختیار و اقتدار) کی طرف رجعت تھی۔ جس میں طالوت سے ماقبل کی ثنویت (دین و سیاست میں جدائی) کے وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ کا عنصر غالب تھا ع٤٢

وہ حکومت الٰہی جس میں امور مذہب پر علماء الناس کا قبضہ ہو اور سیاسی امور پر علماء الناس کے رعنا دولتمند سے رؤساء الناس قابض ہوں فی الحقیقت دین و سیاست کی جدائی پر مبنی نظام ہوتا ہے۔ طالوت کی عوامی حکومت میں پہلی بار یہ تفریق مٹی۔ عوامی اختیار کی نفی پر مبنی حکومتِ الٰہی برائے نام، اللہ کا ذکر کرتی ہے وہاں اللہ بھی عوام کی طرح بے اختیار ہوتا ہے جیسا کہ یہود کے احتجاج سے ظاہر ہے اللہ کی حکومت تھی لیکن اللہ کو یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ طالوت کو حکمران نامزد کرے۔ قرآن نے یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (المائدہ: ٦٤) اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے جیسے کفریہ کلمات اُس حکومتِ الٰہی کے مدعیوں ہی کی زبانی ریکارڈ کئے ہیں۔ ایسی حکومتِ الٰہی میں۔ اختیار حکمرانی ——— ایک ایسے امام کو مل جاتا ہے جو خدا اور رسول دونوں کا منصب سنبھال لیتا ہے بغیر کسی شرعی جواز کے۔ یوں حضرت شارع بانٹنے سے امت فرقوں میں بٹتی ہے اور قوم مذہب سے بیزار ہو کر خدا سے باغی ہو جاتی ہے۔ نصرانیوں میں آٹھویں صدی کے آغاز سے سولہویں صدی کے وسط تک شاہ و کلیسا کے ٹکراؤ نے یہی کیفیت پیدا کر دی۔ چنانچہ اختیار و اقتدار کے ہر دو مراکز محروم ہوئے اور اختیار و اقتدار عوام الناس کو منتقل ہو گیا۔ ملکی آئین نے ریاست کے اقتدار اعلیٰ کا تصور بھی مٹا دیا۔ کلیسیا نے اپنے بزرگ (لاویوں) کی طرح اسے بھی خدا کی بادشاہت سے انکار قرار دیا حالانکہ نہ وہاں پہلے خدا کی بادشاہت تھی نہ اب اس بادشاہت سے کسی نے انکار کیا تھا۔ صرف اختیار کا مرکز بدل گیا ——— اور

ع٣٨ سموئیل اول باب ٨ آیت ٦-٧ ع٣٩ ص: ٢٦ ع٤٠ البقرہ: ٢٤٧ ع٤١ اقبال اور دو قومی نظریہ۔ ارشاد احمد ... ع٤٢ طالوت کی حکومت۔ جمع اللہ له الامرین ونعم ... قبل ذالک کان النبوت فی سبط و الملک فی سبط بینات کراچی ... ع٨٢ ... معاد الوقاید عن الملائلہ ... [illegible]

قانون سازی کا حق، اہلِ کلیسا کی خواہشاتِ نفسی کے اثرات سے نکل کر عوام الناس کی ضروریات کے زیرِ اثر آ گیا تھا۔ یہ وہ دستورِ جمہورِ فرنگ ہے علامہ اقبال جس پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ وگرنہ اقبال داعیٔ توحیدِ الٰہی ہے۔ اقبال داعیٔ عشقِ رسول [کامل اتباعِ رسالت] ہے، اقبال مساوات کا داعی ہے۔ اقبال مُلّاؤں کی خصوصی کمیٹی کے وجود کا بھی روادار نہیں —— وہ قائدِ اعظمؒ کو خط لکھ کر یاد دلاتا ہے کہ مسلم لیگ کو سروں اور نوابوں کی جماعت رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ عوام کی طرف جانے کی ضرورت ہے ۲۴۳؎ یہی نکتہ انہوں نے اپنے ایک قطعہ میں واضح کیا۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے ۲۴۴؎

مسلم لیگ جب "عوامی جماعت" بنی تو مسلمانوں کو محفوظ اور اسلام کو مضبوط بنانے کے لئے پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا —— یہ عوامی گنتی تھی —— نوابوں سروں کا وزن نہ تھا، جس نے ہندوستان کو آزاد اور پاکستان کو وجود دلایا —— ہاں! پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لئے مملکتِ خداداد کے دستور میں ایک شق ترمیم طلب ہے۔ اور وہ یہ کہ کوئی قانون قرآن و سنت کی روشنی میں زیرِ بحث لائے بغیر منظور نہ ہوگا چاہے ساری کی ساری پارلیمنٹ اس قانون کے حق میں ووٹ دے۔ تاکہ غیر قانونی امور غلط یا بے معنی نہ ہونے پائیں [مثنویات فکرِ اقبال ص ۱۲۶] یہ جمہوریت دستورِ جمہورِ فرنگ کے الزام سے بری اور یہی ملوکیتِ الٰہی کے جرم سے پاک ہوگی۔

—— لیکن مطلقاً جمہوریت کے خلاف اس الزام کو چسپاں کرنا فکرِ اقبال کے ساتھ کسی صورت بھی انصاف نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جمہوریت کی مخالفت —— آج صرف آمریت ہی کی تقویت کا باعث ہو سکتی ہے (ہوتی رہی ہے اور ہوگی) اور علامہ آمریت کو عملاً حقیقی کافری قرار دے رہے ہیں۔ ملائیت کی تو عصرِ موجود میں کوئی گنجائش نہیں کہ خلافتِ علیؓ میں عوامی ثالثی پر آمادگی کو بھی کفر اور شرک کہنے والا "تصورِ امامت" بھی ایران میں کامیاب ہونے کے بعد منتخب جمہوری پارلیمنٹ جیسے قیام سے شہنشاہیت کے آثار مٹا سکا ہے ——

دستورِ جمہورِ فرنگ —— فی زمانہ شہنشاہی کا نیا روپ ہے —— جو عوام کو اختیار نہیں سونپتا عوام کو شریکِ اقتدار کرتا ہے —— کیا اس میں اقتدار کا سرچشمہ وہی نہیں رہتا جو شریک کرنے کی بات کرتا ہے —— عوام کا اختیار تو شرک کہلائے مگر ان کا اقتدار نہ صرف توحید رہے بلکہ عوام کو اس اختیار میں شریک کرنے کی بات کر کے بھی ان کی توحید بے داغ رہے جگر مرادآبادی کے بقول —

مزے سے چھیڑتی ہے ہر کلی غنچے کو گلشن میں
مگر بادِ صبا کی پاک دامانی نہیں جاتی

۲۴۳؎ اقبال کے خطوط جناح کے نام ص ۲۷ ترجمہ و ترتیب محمد جہانگیر عالم ایونیورسل بکس لاہور ۱۹۸۶ء [مکتوب مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء]

۲۴۴؎ کلیاتِ اقبال اردو ص ۶۱۱ (ضربِ کلیم: جمہوریت بحوالہ سٹنڈل]

علامہ نے اس "طرزِ سیاست" کو شاطری سے تعبیر کیا ہے شاطر جن کے تختۂ شطرنج کے مہرے اور پیادے قومیں ہیں انسانیت ہیں ——— یہ ایک دوسرے کے بھی دشمن ہیں — جنگِ عظیم اول ہو یا دوم روس کے خلاف امریکہ کی سرد جنگ ہو یا گرم جنگ — اس کا ثبوت ہے ———

جس طرح اس تہذیب میں مائیں بچوں کو بوجھ سمجھتی ہیں — اسی طرح یہ تہذیب اپنے اثرات سے خوف زدہ ہے۔ جیسے کوئی درخت کے بن سے تم نچوڑ لے تاکہ وہ پھل نہ لا سکے یا جیسے کوئی مطرب، زخمہ و مضراب سے چھیڑنے کے باوجود "تار" کو ایسے دبا دے کہ سُر نازادہ ہی مر جائے ——— اس کی رنگا رنگی سے، میں صرف درسِ عبرت لیتا ہوں — اس کے اسیر کار بننے والوں کو حقیقی آزادی دامانِ قرآن تھامنے سے ملے گی۔ یعنی قرآن و سنت کی روشنی میں "اجتماعی مشاورت" ——— لہٰذا علامہ کی "مثنوی رموزِ بے خودی" کا وہ حصہ جو "در معنیٔ این کہ نظامِ ملت غیر از آئین صورت نہ بندد و آئینِ ملتِ محمدیہ قرآن است" کامل توجہ سے اور سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت ہے

آن کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم ح۲۲۳
می برد پابندہ را آزاد آورد — صیدِ بندان را بفریاد آورد
نوعِ انسان را پیامِ آخرین — حاملِ او رحمۃ للعالمین
ارج می گیرد ازو نا ارجمند — بندہ را از سجدہ سازد سربلند ح۲۲۴

اے گرفتارِ رسومِ ایمانِ تو — شیوہ ہائے کافری زندانِ تو
قطع کردی امر خود را در زبر — جادہ پیمائی الیٰ شیءٍ نکر

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن ح۲۲۵

(۱۲۶) ۳۔ ارض ملکِ خداست

۶۲۹۔ سرگذشتِ آدم اندر شرق و غرب — بہر خاکے فتنہ ہائے حرب و ضرب
یک عروس و شوہرِ او ما ہمہ — آن فسونگر بے ہمہ ہم با ہمہ
عشوہ ہائے او ہمہ مکر و فن است — نے از آنِ تو نہ از آنِ من است
۶۳۲۔ در نسازد با تو این سنگ و حجر — این ز اسبابِ حضر، تو در سفر
اختلاطِ خفتہ و بیدار چیست — ثابتے را کار با سیار چیست
حق زمین را جز متاعِ ما نگفت — این متاعِ بے بہا مفت است مفت
دہ خدایا نکتۂ از من پذیر — رزق و گور از وے بگیر او را مگیر

ح۲۲۳، ح۲۲۴، ح۲۲۵ کلیات اقبال فارسی صہ ۱۲۱، صہ ۱۲۲، صہ ۱۲۳

صحبتش تا کے؟ تو بود و او نبود — تو وجود و او نمود بے وجود
تو عقابی طائفِ افلاک شو — بال و پر بکشا و پاک از خاک شو

باطنِ الارض للہ ظاہر است
ہر کہ این ظاہر نہ بیند کافر است

۶۲۹- من نگویم درگذر از کاخ و کو — دولتِ تست این جہان رنگ و بو
دانہ دانہ گوہر از خاکش بگیر — صید چوں شاہیں ز افلاکش بگیر
تیشۂ خود را بکہسارش بزن — نورے از خود گیر و بر نارش بزن
از طریقِ آزری بیگانہ باش — بر مرادِ خود جہانِ خود تراش
دل بہ رنگ و بو و کاخ و کو مدہ — دل حریمِ اوست جز با او مدہ
مردن بے برگ و بے گور و کفن — گم شدن در نقرہ و فرزند و زن
ہر کہ حرفِ لا الٰہ از بر کند — عالمے را گم بخویش اندر کند

فقر جوع و رقص و عریانی کجاست
فقر سلطانی ست رہبانی کجاست

حواشی و تعلیقات:

(۱۲۶) **الارضُ للہ:** علامہ معاشرتی مساوات کی طرح معاشی انصاف کو بھی "شرفِ انسانیت" کے تحفظ کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ اور یہ ان کی اپنی سوچ ہی نہیں قرآن حکیم کی تعلیم ہے۔ جاگیردارانہ نظام نے غیر حاضر مالکوں وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۲۶ کے الہٰی دستور کی نفی و انکار پر لگایا اور صنعتی مزدوروں کے خون پسینے کی کمائی [دولتِ فاضلہ] صنعت کار کھا جاتا ہے۔ علامہ کے دور میں صنعتی مزدوروں کی تنظیموں نے جب "لا سلاطین لا ملکیا لا الٰہ" کو دستور بنایا تو علامہ نے اسلام کے معاشی نظامِ عدل کو واضح کرنے کی سعیِ بلیغ فرمائی — مالک و مزارع کے ان جھگڑوں کے جواب میں علامہ کا مختصر جواب تھا

مالک ہے یا مزارعِ شوریدہ حال ہے — جو زیرِ آسماں ہے وہ دھرتی کا مال ہے ۲۷

ایک قدم آگے بڑھایا اور اعلان کیا کہ کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو، اور جس کھیت میں دہقاں کے لئے فقط بھوک اگتی ہے اُس کے خوشے خوشے کو جلا ڈالنا بہتر ہے ۲۸۔ یہی نہیں یہاں تک کہہ گئے

خواجہ نانِ بندۂ مزدور خورد — آبروئے دخترِ مزدور برد
در حضورش بندہ می نالد چو نے — بر لبِ او نالہ ہائے پے بہ پے
نے بجامش بادہ و نے در سبو ست — کاخہا تعمیر کرد و خود بکوست
اے خوش آں منعم کہ چوں درویش زیست
در چنیں عصرے خدا اندیش زیست ۲۹

۲۶ النجم ۳۹ ۲۷ کلیات اردو ص ۲۹۰ ۲۸ ایضاً ص ۴۰۲ [بالِ جبریل: فرشتوں کا گیت [فرمانِ خدا]
۲۹ کلیات اقبال فارسی ص ۸۲۵ [پس چہ باید کرد: در اسرارِ شریعت]۔

ءَاَنتُم تَزرَعُونَہُ اَم نَحنُ الزَّارِعُونَ ع۵۰ پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟

دہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں تیری نہیں   تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں ع۵۱

آدم و حوّا اور ان کی وساطت سے اولادِ آدم کو خطاب ربانی ہوا وَلَکُم فِی الاَرضِ مُستَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِین ع۵۲

علامہ ابلیس کی زبانی "نظامِ اسلام" کی فوقیت تمام نظام ہائے زندگی پر واضح کرتے ہیں۔ ابلیس کہتا ہے۔

الحذر آئینِ پیغمبر سے سوبار الحذر   حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے   نے کوئی فغفور و خاقاں نے گدائے رہ نشیں

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف   منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب

پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں ع۵۳

وَالاَرضَ وَضَعَھَا لِلاَنَامِ [الرحمٰن : ۱۰] = اور زمین، اسے [اللہ نے] وضع کیا خلقت کے لئے —

علامہ کی اس نظم کو سمجھنے کے لئے آپ کا مکتوب [محررہ ۱۱ دسمبر ۱۹۳۲] بنام راغب احسن پڑھ لینا کافی ہے

حرب لکھتے ہیں

" قرآن میں تو ارض کے متعلق کئی دفعہ آیا ہے اَلاَرضُ لِلّٰہ، اور حضرت آدمؑ سے بھی یہی کہا گیا ہے تمہارے لئے ارض مستقر اور متاع یعنی فائدہ کی چیز ہے۔ اسلام کے نزدیک ملکیت صرف اللہ کی ہے۔ مسلمان صرف اس چیز کا امین ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔ میری رائے میں اگر کوئی مسلمان اپنی پرائیویٹ زمین وغیرہ کا غلط استعمال کرے ع۵۴ تو حاکمیتِ اسلامیہ کا حق ہے کہ وہ اس سے باز رکھے۔ یہی وہ نکتہ ہے اسلام کا جس کو یورپ میں مسولینی نے خوب سمجھا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ امام مالکؒ کے نزدیک زمین کا مالک وہی ہے جو حقیقت میں اپنی محنت سے اسے کاشت کرتا ہے ع۵۵ نہ وہ شخص کہ گھر میں بیٹھا بٹائی لیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حیوانوں پر بھی شفقت کی اور حکم دیا ہے " اَلمَرعٰی لِلّٰہِ وَرَسُولِہٖ " یعنی چراگاہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی ملکیت ہیں کسی شخص کی پرائیویٹ ملکیت نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس معاملہ میں مفصل بحث اور ریسرچ کی ابھی ضرورت ہے اس پر آج تک کسی نے نہیں لکھا ع۵۶ مسلمان علماء اپنی غفلت سے اسلامی عقائد پر بحث مباحثے کرتے رہے اور اسلام کے معاشرتی نظام کی طرف کسی نے [شاید سوائے شاہ ولی اللہؒ کے] توجہ نہیں کی۔ اب اس زمانے میں

ع۵۰ الواقعہ : ۶۴   ع۵۱ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۴۱۱ [بالِ جبریل : الارض للہ]

ع۵۲ البقرہ : ۳۶   ع۵۳ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۶۵۵ [ارمغانِ حجاز : ابلیس کی مجلسِ شوریٰ] ع۵۴ یعنی بنجر چھوڑ رکھتا ہے یا بٹائی وغیرہ اور رہین پر دیتا ہے ع۵۵ ع۵۶ وسیع فقہی حلقہ حنفی المسلک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے بھی زمین کے بارے میں وہی کچھ کہا جو قرآن و سنت اور امام مالکؒ کا مسلک ہے۔ بدقسمتی سے صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد شاگردانِ امام ابو حنیفہؒ) کا مسلک استاد کے خلاف تھا اور وہ بااثر بھی تھے — ادھر ہندوستان و پاکستان میں جاگیردارانہ نظام کو انگریزی تسلط نے تقویت دی اور ہمارے دور کی ایک قوی آواز مسئلہ ملکیت زمین کے نام پر جاگیرداری کو اسلامی نظام سے سند دینے والے علماء ... [illegible]

معاشرتی نظام اسلام کی تفصیلات کی ضرورت ہے۔ کیونکہ لوگ موجودہ زمانے کے اقتصادی
سوالات کی وجہ سے عقائد مابعد الطبعی میں دلچسپی نہیں لیتے۔ بحیثیت مذہب کے اسلام کی کامیابی کا دارومدار اس پر
ہے کہ اس کے معاشرتی نظام کی افضلیت زمانۂ حال کے ذہنوں پر ثابت کی جائے۔ یورپ اور اسلام کی رقابت
ہمیشہ رہی ہے مگر اس سے پہلے اس کا انتہائی نقطہ، حروب صلیبیہ تھا۔ اب یورپ اور اسلام کی جنگ تلواروں
کی نہیں بلکہ معاشرت کے نظاموں کی ہوگی۔ یعنی مسیحائیت، بالشویزم اور اسلام وغیرہ Plains
(میدانوں) پر دو کر آراء ہوں گے۔ مسلمانوں میں تو اس وقت اس مطلب کے آدمی موجود نہیں کیا عجب کہ
یورپ کے مفکر خود اس نظام کا انکشاف کریں۔ یہ امر بہت مشکل ہے کیونکہ مذہب اسلام پر قرون اولیٰ سے
ہی مجوسیت اور یہودیت غالب آگئی یعنی اسلام کے اصل افکار کو یہودی اور مجوسی افکار نے، عوام کی نگاہوں سے
چھپا لیا۔ میری رائے ناقص میں اسلام آج تک بے نقاب نہیں ہوا۔۔۔۔۔۔ جاوید نامہ کے متعدد مقامات پر
اس مسئلہ کے مختلف پہلو آئے ہیں۔ اس کو شروع سے آخر تک پھر پڑھئے۔ آپ کی آگاہی کے لئے یہ بھی
لکھ دیتا ہوں کہ قرآن نے تقسیم جائداد کے متعلق جو قاعدہ دیا ہے اس کا اطلاق (میری ناقص رائے میں) زمین
پر نہیں ہوتا۔ یہ قاعدہ صرف جائداد منقولہ کے لئے ہے، مگر علماء کی رائے مختلف ہے اور مسلمانوں
کی پریکٹس بھی اس بارے میں مختلف ہے (جیسا کہ آپ کو معلوم ہے) " ۵۷

شعر نمبر ۶۳۲ تا شعر نمبر ۶۳۸ : وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ [الحدید ۲۰، آل عمران: ۱۸۵] دنیا کی
زندگی اسباب ہے دھوکہ کا ___ انسان کن گنت صدیوں تک اس حالت میں رہا جسے
عالم جمادات، عالم نباتات اور عالم حیوانات کہا جاتا ہے ___ اس کی حالت تب بدلی جب اس کے خالق نے اسے
راستہ بتایا ___ زمین عالم خفتہ ہے اور انسانی عالم، عالم بیدار ___ جس حالت سے نکل کر احسن تقویم پر
فائز ہوئے اسی سے پھر دل لگایا ___ عقل منزل نہیں ___ " اَلْاَرْضُ لِلّٰهِ " کا مفہوم کسی تاویل و ثبوت کا
محتاج نہیں نہ ماننے والے کافر ہیں ___ دنیا ___ مال و دولت اور فرزند و زن کا نام نہیں یہ دنیاوی زندگی کی زینت ہے (یہی ہے)

شعر نمبر ۶۳۹ الخ : وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا [قصص: ۷۷] دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو۔
لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ (ولا تبتل) [نہایہ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳] ترک دنیا اور رہبانیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ [الحدید ۲۷] اور انہوں [یہود و نصاریٰ] نے رہبانیت کو خود سے ایجاد
کرلیا ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا ___ تسخیر فطرت ___ تیشہ ___ فرہاد کے عشق بلاخیز
کا معروف آلہ جس سے پہاڑ کھود کر نہر بہادی بے پناہ قوت عشق کی علامت ___ نور خود ___ نور خودی
خودی ___ تسخیر فطرت کے بغیر تعمیر خودی ممکن نہیں ___ ضبط نفس بذریعہ اطاعت الٰہی ___
یہ ہے نفس کو اِلٰہ ماننے سے انکار ___ طبعی تقاضوں کو خواہشات نفس کی بجائے رضائے الٰہی
کے مطابق پورا کرنا ___ کیا ایک عالم کو اپنے اندر گم کرنا نہیں ___ یہی فقر ہے ___ یہ فقر
نہ رقص و عریانی ہے۔ نہ رہبانی ہے ___ یہ تو سلطانی ہے اپنے اوپر فتح ___ نفس کا مالک، نائب حق ___ نائب حق در جہان بودن خوش است، بر عناصر حکمران بودن خوش است ___ نہ کہ مرکب۔

[illegible]

---

۵۷ کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم ص ۶۹۲ تا ص ۶۹۵ سید مظفر حسین برنی۔ اردو اکادمی دہلی ۱۹۹۳ء

۴- حکمت خیرِ کثیر است

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر (۱۲۷)
ہر کجا این خیر را بینی بگیر (۱۲۸)

علم حرف و صوت را شہپر دہد
پاکیٔ گوہر بہ ناگوہر دہد

علم را بر اوجِ افلاک است رہ
تا ز چشمِ مہر برکند نگہ

نسخۂ او نسخۂ تفسیرِ کل
بستۂ تدبیرِ او تقدیرِ کل

دشت را گوید حبابے دہ، دہد
بحر را گوید سرابے دہ، دہد

چشمِ او بر وارداتِ کائنات (۱۲۹)
تا بہ بیند محکماتِ کائنات

دل اگر بندد بہ حق، پیغمبری ست
ور ز حق بیگانہ گردد کافری ست

علم را بے سوزِ دل خوانی شر است
نورِ او تاریکیٔ بحر و بر است

عالمے از غازِ او کور و کبود
فرودینش برگ ریزے بیش بود

بحر و دشت و کوہسار و باغ و راغ
از بمِ طیارۂ او داغ داغ

سینۂ افرنگ را نارے ازوست
لذتِ شبخون و یلغارے ازوست

سیرِ واژونے دہد ایام را
می برد سرمایۂ اقوام را

قوتش ابلیس (۱۳۰) را یارے شود
نور نار از صحبتِ نارے شود

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است

خوشتر آن باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

از جلالِ بے جمالے الاماں
از فراقِ بے وصالے الاماں

علمِ بے عشق است از طاغوتیاں (۱۳۱)
علم با عشق است از لاہوتیاں (۱۳۲)

بے محبت علم و حکمت مردۂ
عقل تیرے بر ہدف ناخوردۂ

کور را بینندہ از دیدار کن
بولہب را حیدرِ کرار کن

حواشی و تعلیقات: (۱۲۷) حکمت: انصاف، دانائی، علم، بردباری، فلسفہ، حق کے موافق گفتگو، کام کی درستی۔ غیاث اللغات میں ہے " حکمت دانائی و درست کرداری و نام علمیست کہ درآن بحث کردہ شود باحوالِ اشیائے موجوداتِ خارجیہ بر آنکہ در نفس الامر بقدرِ طاقتِ بشری ---- بعض محققان چنیں تفصیل کردہ اند کہ حکمت

دانستن چیزے باشد چنانکہ ہست وقیام نمودن بکارے چنانکہ باید۔ پس حکمت منقسم می شود بہ دو قسم یکے علمی و دیگرے عملی، حکمت علمی را، حکمت نظری نیز گویند — علم نظری سہ قسم است علم مابعد الطبیعت، علم ریاضی، علم طبیعی، ب — علم عملی نیز سہ قسم است، تہذیب الاخلاق، تدبیر منازل، سیاست مدن ع ۵۸
ع ۵۹ علامہ ہر جگہ علوم مراد لیتے ہیں۔ لفظ حکمت قرآن حکیم میں کم وبیش بیس بار اور کلام اقبال میں اکیس بار آیا ہے۔

حکمت خیر کثیر است: وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ؕ ع ۶۰ جسے حکمت دی گئی اسے بڑی خیر دی گئی۔

الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا [بحر العلوم] دانائی (حکمت) مومن کی گم شدہ شے ہے جہاں کہیں اسے پائے وہ اسے حاصل کرنے کا زیادہ مستحق ہے۔

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْحَكِيمِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا [مشکوٰۃ المصابیح، بحر جامع صغیر ج ۲ ص ۹۷] — دانائی کی بات دانا کا گم شدہ سرمایہ ہے جہاں کہیں اسے پائے اسے حاصل کرنے کا حقیقی (سب سے زیادہ) حقدار وہی ہے — اور مومن سے بڑھ کر دانا و حکیم اور کون ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اللہ کے نور علم سے دیکھتا ہے ————

(۱۲۸) **خیر:** وہ شے جو ہر کسی کو ہر حال میں مرغوب ہو أَنْ يَكُونَ مَرْغُوبًا بِكُلِّ حَالٍ وَعِنْدَ كُلِّ أَحَدٍ: صاحب شرح جاوید نامہ نے اس پر شرح و بسط سے کام لیا ہے — اور لکھا ہے "اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اسی بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ حکمت (حکیم) کی طرح اس صفت کو بھی اللہ نے اپنی ذات سے منسوب فرمایا"ع ۶۱ مجھے یہ تشریح پسند آئی اس طرح علامہ نے بھی کائنات فطرت" کی ہر شے کو کام میں لانے (انفس و آفاق پر تصرف) اور اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ سے مستفید ہونے تک "حکمت" کو پھیلایا ہے — وہ علم ہر شے کی تقدیر بتاتا ہے — سنکھیا کی تقدیر جو کھائے مر جائے — لیکن اسے اس کام میں لانے کی راہ — علم سکھاتا ہے: علم ہی سنکھیا کا ترکیب تریاق سکھاتا ہے جو سنکھیا کی تقدیر پر غالب آتا ہے — لیکن یہ "علم" جہاں خیر کثیر وہاں "بے خدا" ہونے کی صورت میں شر عظیم بھی ہوتا ہے ؎ علم را برق زنی مارے شود — افرنگ کی قوت تحقیق اسی حکمت و علم کا ثمر ہے لیکن اس کی صلاحیت تخریب بھی اسی کا پھل ہے۔ یہ بیمار، بہت جھڑتے ہے — ایسے علم کی قوت، ابلیس کی رفیق ہے۔ اسے مسلمان بنانا ضروری ہے — ابلیس کو قتل کرنا مشکل ہے (جیسا کہ نفس کشی محض وہم ہے — اصل شے ضبط نفس ہے) اسی طرح ابلیس کو مسلمان بنانا آسان ہے۔ اور وہ شمشیر قرآن سے ممکن ہے۔ قرآن — محبت کا پیغام ہے — پیغام محبت عام کرو — وہ علم جو بولہب تھا اب حیدر کرار ہو جائے گا

ع ۵۸ غیاث اللغات (فارسی) مولانا محمد غیاث الدین [برحاشیہ منتخب اللغات، چراغ ہدایت]۔ ص ۱۵۷ تحت لفظ حکمت۔

ع ۵۹ البقرہ: ۱۲۹، ۱۵۱، ۲۳۱، ۲۵۱ ، ۲۶۹، آل عمران: ۴۸، ۸۱، ۱۶۴ النساء: ۵۴، ۱۱۳
المائدہ: ۱۱۰، النحل: ۱۲۵ بنی اسرائیل: ۳۹ لقمان: ۱۲ الاحزاب: ۳۴ ص: ۲۰
الزخرف: ۶۳ القمر: ۵ الجمعہ: ۲

کلیات اقبال اردو ص ۶۰۶ [ضرب کلیم: ملاؤں کے لئے]۔ ص ۲۶۴ (بانگ درا: خضر راہ (دنیائے اسلام)) ص ۲۸۹ (ایضاً: طلوع اسلام)۔
کلیات اقبال فارسی ص ۸۱۱ (پس چہ باید کرد: حکمت (عنوان)) ص ۸۷ (ایضاً) ص ۸۱۱ (ایضاً)۔ ص ۶۶۶ [جاوید نامہ: آں سوئے افلاک (ابدالی)]
ص ۸۸۰ (پس چہ باید کرد — مثنوی مسافر: خطاب بہ بادشاہ اسلام اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ)۔ ص ۸۱۷ (پس چہ باید کرد (فقر))۔
ص ۴۹۱ (زبور عجم: ۳۳) ص ۳۵۸ (پیام مشرق: نقش فرنگ) ص ۴۲۱ (زبور عجم: ۲۳)۔ ص ۸۰۸ (پس چہ باید کرد: حکمت)
ص ۳۰۵ (پیام مشرق، غزل) ص ۸۳۵ (پس چہ باید کرد: حرفے چند با امت عربیہ)۔ ص ۸۳۶ (ایضاً) ص ۱۱۲ (رموز بے خودی)
ص ۸۲۷ (پس چہ باید کرد: در اسرار شریعت) ص ۶۹۱ (جاوید نامہ: طاسین مسیح)۔ ص ۶۶۲ (ایضاً حکمت خیر کثیر است: آنکہ حکمت)۔

ع ۶۰ البقرہ: ۲۶۹ ع ۶۱ شرح جاوید نامہ چشتی ص ۱۲/۴۷

(۱۲۹) پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے واردات بمعنی جزئیات اور محکمات بمعنی کلیات لئے ہیں یعنی جزئیات کا استقصاء کرکے قوانین قدرت [محکمات] سے واقف ہو سکتے ہیں [۶۲]

(۱۳۰) ابلیس :

ابلیس کے لغوی معانی ناامید رحمت [غیاث اللغات بحوالہ منتخب] عربی، فارسی اور اردو میں یہ لفظ شیطان کا مترادف ہے جو کبھی تو ایک شخص کے طور پر پیش کیا گیا ہے کبھی علامت شر کے طور پر۔ جب اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کریں [بحیثیت خلیفہ اعتماد کا ووٹ دیں] تو ابلیس نے انکار کیا — یہ انکار اس کے نسلی (سید التی حوالے) تفاخر پر مبنی تھا۔ [هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ [۶۳] — خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ [۶۴]] - اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون و مردود قرار دیا فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ [۶۵]۔ تب اس نے اعلان کیا — لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ [۶۶] لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ [۶۷] میں تیرے صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا اور سب کو گمراہ کردوں گا — میں ان کی اولاد کو جڑ سے نکالوں گا وغیرہ اللہ نے اسے اس کاروبارِ اغوا کی سزا کا حکم سناتے ہوئے اِلٰى وَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (۳۸:۸۱) مہلت دے دی — علامہ نے اسی لئے کہا اس کا قتل مشکل ہے کہ کشتن ابلیس کارے مشکل است۔ مناسب یہ ہے کہ اسے مسلمان کردیا جائے اور اس کا مسلمان ہونا "قرآنی تلوار" ہی سے ممکن ہے — کہ تاویلات کرنا بجائے خود — کارِ اغوا ہے — "ابلیس" کا تمام تر علامہ نے فلسفہ میں کیا تھا یہ انشاء اللہ فلک مشتری کے تحت آئے گا

(۱۳۱) طاغوت :

سید عابد علی عابد صدرالدین بلاغی مصنف قصص القرآن کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی پرستش خدا کی جگہ کی جائے" [۶۸] صاحب منتخب کے مطابق لات و عزیٰ و کاہن و شیطان و ہر کہ سردار و مقتدائے گمراہان باشد و بت و ہر چہ غیر خدا را پرستند ماخوذ است از طغیان [۶۹] قرآن حکیم کی آیت لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَىِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ [۷۰] میں "طاغوت" سے مراد ہر غیر خدا ہے — جو لوگ خواہشات نفس کے اسیر ہیں ان کے لئے بھی کہا گیا ہے انہوں نے اپنی خواہشات کو الٰہ بنایا [اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ [۷۱]] پس اللہ کے سوا کسی کی بھی بندگی اسے الٰہ بنانا ہے اور یہی حد سے گزرنا اور طاغوت کی بندگی کرنا ہے۔

(۱۳۲) لاہوت :

ذاتِ احدیت کو لاہوت، مرتبہ صفات کو جبروت اور مرتبہ وسماء کو ملکوت کہتے ہیں اور بعض مرتبہ صفات والسماء کو جبروت اور عالم ارواح کو ملکوت کہتے ہیں [۷۲]

علامہ اقبال نے خود لاہوت کے معانی روح لئے ہیں [۷۳] غیاث اللغات میں لکھا ہے

" عالم ذات الٰہی ست کہ سالک را در آں مقام فنا فی اللہ حاصل می شود ..... و بعضے گویند کہ لاہوت دراصل لاھُو اللاھُو ست ..... لاہوت دراصل مصدر است بروزن فعلوت مشتق از لاہ چنانکہ رہبوت و رحموت و لاہ دراصل بلفظ الہ است ماخوذ از لیہ بمعنی پوشیدن و در پردہ رفتن کذا فی الفراح [۷۴]

---

[۶۲] شرح جاوید نامہ صہ ۱۴۳ [۶۳] بنی اسرائیل: ۶۲ [۶۴] الاعراف: ۱۲ [۶۵] ص: ۷۷، ۷۸ [۶۶] الاعراف: ۱۶ [۶۷] بنی اسرائیل: ۶۲
[۶۸] تلمیحات اقبال صہ ۵۶۳ [۶۹] منتخب اللغات (برحاشیہ غیاث اللغات صہ ۲۸۵) ، ایضاً [۷۰] البقرہ: ۲۵۶
[۷۱] فرقان: ۴۳ [۷۲] اصطلاحات صوفیہ از محمد عبدالعزیز صہ ۱۲۳ ایضاً [۷۳] کلیات اقبال فارسی صہ ۶۱۲ (جاوید نامہ) کلیات
[۷۴] غیاث اللغات صہ ۴۳۲ ایضاً -

(۱۳۳) **بولہب :** رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، نام عبدالعزّیٰ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کے باعث بولہب مشہور ہوا۔ شرح نصاب میں مولانا یوسف بن مالک نے لکھا ہے کہ دیکھنا ہوا سرخ رنگ تھا اس لیے کنیت ابولہب ٹھہری ۷۷۵ اللہ تعالیٰ نے ابولہب کی مذمت میں باقاعدہ سورہ نازل فرمائی تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۷۷۶ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو — استغفراللہ معاذ اللہ — عدم بولہبی سے مراد خلافِ سنتِ رسول اور عداوتِ دین لیتے ہیں۔

(۱۳۴) **حیدرِ کرّار رضؓ :** حیدر بمعنی شیر۔ آپؓ کو اسد اللہ کا لقب بہادری کے باعث ملا۔ خلفائے راشدہ میں آپؓ کا چوتھا نمبر ہے۔ حضورؐ خاتم الانبیاء ہیں تو آپؓ خاتم الخلفاء ہیں ۳۵ھ میں مسلمانوں کے خلیفہ ہوئے اور ۴۰ھ میں ایک بدبخت عبدالرحمٰن ابن ملجم خارجی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ آپؓ کے علم و تقویٰ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا اقضاکم علیؓ : تم میں بہترین فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔ نہج البلاغۃ، آپؓ کی خطابت، بلاغت اور فصاحت کا نمونہ ہے آپؓ سے ایک دیوانِ شعر بھی منسوب ہے۔ آپؓ ہی نے فرمایا

لَیْسَ الْجَمَالُ بِاَثْوَابٍ تُزَیِّنُهَا ۔۔۔ اِنَّ الْجَمَالَ جَمَالُ الْعِلْمِ وَالْاَدَبِ

لَیْسَ الْیَتِیْمُ الَّذِیْ قَدْ مَاتَ وَالِدُهٗ ۔۔۔ اِنَّ الْیَتِیْمَ یَتِیْمُ الْعَقْلِ وَالْحَسَبِ ۷۷۷

زندہ رود

۶۶۶- محکماتش وانمودی از کتاب ۔۔۔ هست آن عالم هنوز اندر حجاب

پردہ را از چهره بکشاید چرا ۔۔۔ از ضمیر ما برون ناید چرا

۶۶۸- پیش ما یک عالم فرسوده ایست (۱۳۵) ۔۔۔ ملت اندر خاک او آسوده ایست

رفت سوز سینهٔ تاتار و کرد (۱۳۶) ۔۔۔ یا مسلمان مرد یا قرآن بمرد

حواشی و تعلیقات : شعر نمبر ۶۶۸ :

عالمِ فرسودہ : مشاید ملوکانہ دور کے فقہی اختلافات اور اور جامد فقہی احکام کی طرف اشارہ ہے۔ ملت اُن کے دماغ پر میٹ مر رہی ہے لیکن اجتماعی زندگی میں ان کے نفاذ کی کوئی صورت ہی نہیں رہی — یہی اس خاک میں آسودہ ہونا ہے " ماضی قریب میں " نفاذِ شریعت بل " کے تحت جو کچھ ہوا علامہ کے خیال کی تائید کے لئے کافی ہے۔ نہ صرف یہ کہ نفاذِ شریعت ایک خواب ہوا بلکہ ایک خون آشام سلسلہ بھی فقہی اختلافی بنیادوں پر چل نکلا — اس نامرادی کی اصل وجہ علماء السوء کا مذہبی اختیار و اقتدار پر اور سرمایہ داروں (جاگیرداروں، صنعت کاروں اور سفید اور خاکی وردی والوں) کا سیاسی اختیار و اقتدار پر حق فائق جتانا ہے — حلقے کسی بھی طور پارلیمنٹ کو بے اختیار بنانا چاہتے ہیں اور پارلیمنٹ اپنی بے اختیاری پر دستخط کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتی — علامہ اس " عالمِ فرسودہ " اور اس جمہورِ فرنگ کے دستور سے بیک وقت نجات اس میں دیکھتے ہیں کہ پارلیمنٹ کو اجتہاد کا حق دیں اور کسی بالادستی کے خیال کو جھٹک کر پارلیمنٹ کی رہنمائی کریں۔ تاکہ غیر قانونی، اور غلط کو ہم معنی بنانے

---

۷۷۵ غیاث اللغات ص ۸۷ ایضاً ۷۷۶ لہب ۱ ۷۷۷ دیوانِ علیؓ ص ۱۹ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی

۷۷۸ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۲۲۲، ۲۲۳، نیز ص ۲۶۸

جمہوری فکر کو مسلمان کیا جا سکے ۔۔۔ فرنگی دستورِ جمہوری ، کی یہی ایک روش غیر اسلامی ہے ۔ ورنہ علامہ اقبال کے نزدیک " جمہوری طرزِ حکومت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے ۔ ثانیاً اگر ان قوتوں کا لحاظ رکھ لیا جائے جو اس وقت عالمِ اسلام میں کام کر رہی ہیں [یعنی خاندانی نسلی علمی تفوق کی بجائے سیاسی جماعتوں کا رواج] تو یہ طرزِ حکومت اور بھی ناگزیر ہو جاتا ہے ،، [۷۹]

(۱۳۵) **تاتار :** دریائے جیحون کے اس پار جو ممالک ہیں ان کے رہنے والے تاتاری اور تورانی کہلاتے ہیں وسطِ ایشیا کی ان اقوام نے بہ مرورِ زمان یا بہ اختلافِ وطن مختلف نام اختیار کیے ، فردوسی انہیں تورانی کے نام سے پہچانتا ہے ۔ سفید ہُن بھی یہی لوگ ہیں ، یاجوج ماجوج بھی انہیں کے القاب یا نام ہیں ۔ ان نیم وحشی قبیلوں اور ملتی نسلوں کی نظریں ہمیشہ ایران کے زرخیز میدانوں پر للچائی ہوئی پڑتی تھیں ۔ چین کے دولت مند شہروں کو بھی یہی لوگ لوٹنے کی تاک میں رہتے تھے ۔ ان لوگوں کے حملوں سے بچنے کے لئے ہمسایہ قوموں نے سدیں تعمیر کی تھیں ۔ سدِ نوشیروانی ، سدِ ذوالقرنین ، دیوارِ چین یہ سب ان کی دست برد سے بچنے کے ذرائع ہیں ۔ ان اقوام و قبائل کی سینکڑوں شاخیں ہیں ۔ ترکانِ چغتائی ، ترکانِ غز ترکانِ سلجوق ، منگول اور قراختائی البتہ بہت مشہور رہیں [۸۰]

۶۱۸ھ میں خوارزم پر چنگیز خان کے قبضہ کے بعد منگول (تاتاریوں) کا اقتدار مسلم ممالک پر بھی قائم ہو گیا ۔ چنگیز خاں کی یورش کی وجہ سے دنیا کی تاریخ کا رخ بدل گیا ۔ مغرب اور مشرق میں تجارتی اور سفارتی روابط قائم ہوئے ۔ چینی فن کاروں اور صنعت کاروں کا اثر ہر ملک میں کم و بیش ظاہر ہوا ۔۔۔ مسلمان روس سے لے کر چین کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل گئے اور آخر منگولوں کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے عالمِ اسلامی کو ایک ایسی مضبوط مرکزی حکومت حاصل ہوئی جس نے " بغداد " کو " باغ داد " بنا کر چھوڑا ۔ منگولوں ہی کے دودمان کا ایک فرد تیمور تھا جس کے اخلاف نے ہندوستان میں ایک تمدن کی بنیاد رکھی یہ تمدن وسطِ ایشیا کی معاشرت ، ہندوستانی رنگ ، ایرانی جمال ، مختصر یہ کہ مختلف تمدنوں کے میل جول سے ہندوستان کا مغلیہ تمدن ایک بے نظیر ادارہ بن گیا [۸۱] علامہ نے " سینۂ تاتار کے سوز " کا ذکر کر کے منگولوں کے رسمی تمدنی اثر کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

(۱۳۶) **کُرد :** یہ خانہ بدوش مسلمان قبیلہ ہے ۔ یہ لوگ ایران ، عراق اور ترکی میں آباد ہیں ۔ مختلف حکومتوں کے ساتھ ان کی چپقلش جاری رہتی ہے کیونکہ وہ آزاد زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں [۸۲] شاید علامہ کو [illegible] کے نام ، یہی پیغام آزادی دیا تھا ۔ کُرد ، ترکی ، ایران اور عراق میں وسیع رقبے میں آباد ہیں عرصہ دراز سے یہ لوگ " کُرد ، کُردوں کا " کا خواب دیکھتے آئے ہیں اور ایران ، ترکی ، عراق کے خلاف بغاوتوں اور کشت و خون میں مصروف رہتے ہیں [illegible]

---

[۷۹] ایضاً ص ۲۷۳

[۸۰] تلمیحاتِ اقبال سید عابد علی عابد ص ۳۸۲ / ۳۸۳ بحوالہ تاریخِ مفصل ایران ، عباس اقبال و

[۸۱] ایضاً ص ۱۱۴ تا ص ۱۱۶ بحوالہ ایضاً ۔

[۸۲] دائرہ معارفِ اقبال ملک حسن اختر ص ۴۳۸ ایضاً ۔

میں کردوں اور عراقی حکومت میں مفاہمت ہوگئی اور کردوں کے بعض مطالبات منظور کر لئے گئے۔ ایران عراق کے درمیان شط العرب کے مسئلہ پر مفاہمت (۱۹۷۵ء) کے بعد عراقی کردوں کی رہی سہی مزاحمت بھی ختم ہوگئی ہے۔۶۸۳ کردوں کی داستان طویل بھی ہے دلچسپ بھی، حیرت انگیز بھی ہے اور المناک بھی۔ زمانے نے انہیں کبھی آرام سے بیٹھنے نہیں دیا۔

سعید حلیم پاشا (۱۳۷)

۶۷۹ - دین حق از کافری رسواتر است | زانکہ ملا مومن کافر گر است
شبنم ما در نگاہِ ما یم است | از نگاہِ او یم ما شبنم است
از شگرفیہائے آن قرآن فروش | دیدہ ام روح الامیں را در خروش
زانسوئے گردوں دلش بیگانہ ئے | نزدِ او ام الکتاب افسانہ ئے
بے نصیب از حکمت دین نبی | آسمانش تیرہ از بے کوکبی
کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد | ملت از قال و اقولش فرد فرد
مکتب و ملا و اسرار کتاب | کورِ مادر زاد و نور آفتاب

دین کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

مردِ حق جانِ جہانِ چار سوئے | آن بخلوت رفتہ را از من بگوے
اے ز افکارِ تو مومن را حیات | از نفسہائے تو ملت را ثبات
حفظ قرآن عظیم آئینِ تست | حرف حق را فاش گفتن دین تست
تو کلیمی چند باشی سرنگوں | دستِ خویش از آستیں آور بروں
سرگذشتِ ملتِ بیضا بگوے | با غزال از وسعتِ صحرا بگوے

۶۸۳ - فطرت تو مستنیر از مصطفیٰؐ است
باز گو آخر مقام ما کجاست

۶۸۴ - مردِ حق از کس نگیرد رنگ و بو | مردِ حق از حق پذیرد رنگ و بو
۶۸۵ ہر زماں اندر تنش جانے دگر | ہر زماں او را چو حق شانے دگر
۶۸۶ - رازہا با مرد مومن باز گوے | شرحِ رمز کل یوم باز گوے
۶۸۷ - جز حرم منزل ندارد کارواں | غیر حق در دل ندارد کارواں

---

۶۸۳ - اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۷، طبع اول ۱۹۷۸ء تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۲ تا صفحہ ۲۲۵

۶۸۸ - من نمی گویم کہ راہش دیگر است
کارواں دیگر نگاہش دیگر است
سعید حلیم پاشا:

حواشی و تعلیقات:

(۱۳۷) ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۹۲ - مُلّا: بڑا عالم، فاضل بزرگ، ماخوذ از مَولٰی، علم سے پُر - چوتھی صدی اور پانچویں صدی ہجری میں قرآن، حدیث، فقہ، عقائد، منطق، فلسفہ، کلام، ادب، معانی و بیان اور الٰہیات غرض جملہ علوم میں یکساں طور پر غیر معمولی قابلیت کے حامل افراد کو مُلّا کہا جاتا تھا۔ مُلّا جلال الدین دوانی، مُلّا سعد الدین تفتازانی، مُلّا محب اللہ بہاری [ہندوستان] مُلّا عبد الحکیم سیالکوٹی - ملا وجیہ الدین گجراتی اور مُلّا عع۸۲ نظام یحییٰ بہاری وغیرھم ایسے نام ہیں جو ہمیشہ افق علم پر سورج چاند کی طرح روشن رہیں گے - یہ لوگ ملکی سیاست سے بے نیاز علمی کاموں میں مصروف رہے۔ لیکن اٹھارہویں صدی سے علماء ملکی سیاست میں بھی دخیل ہو گئے۔ آزادی کی تحریکوں میں علماء کی قربانیوں کی اپنی ایک تاریخ ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ لیکن غیر ملکی نظریات، اور سیاسی داؤ، پیچ سے ناواقف، یہ سیدھے سادے بعض مسلمان، نادانستہ اور غیر شعوری طور پر انگریز دشمنی کے جذبہ کے زیر اثر ایسی تحریکوں سے وابستہ ہو گئے جن کے ظاہر و باطن میں بعد المشرقین تھا۔ ہندو، چاہے انگریز کا، صدق دل سے دشمن ہو، مسلمان کا دوست ہرگز ہرگز نہ تھا نہ ہو سکتا تھا۔ خصوصًا نہرو رپورٹ کے بعد تو کسی بھی مسلم رہنما کا آل انڈیا کانگرس کا ساتھ دینا کسی بھی طور "صواب دید" کہلانے کا مستحق نہیں رکھتا تھا۔ شدھی سنگھٹن جیسی مسلم کش تحریکوں کے ہوتے ہندو سے خیر کی توقع اہل علم کی روشن ضمیری سے لگا نہیں کھاتا تھا۔ علاوہ ازیں ــــ تاویلات ــــ کا وہ طوفان ہے جس نے عقل و دانش کو روشن کرنے کی بجائے امت کو فرقوں میں بانٹ کر اور فرقہ واریت کو "تحفظ دین" سمجھ کر امت کو لڑانے میں مصروف رکھا ــــ یہی ان کی "کم نگری" ہے جس کا رونا علامہ نے رویا ہے۔ گویا فکر و تدبیر جہاد میں مصروف ہے لیکن مُلّا۔ فی سبیل اللہ فساد، جیسا کہ اوپر کہا گیا "فرقہ واریت" کو تحفظ دین سمجھ کر فتنوں کو ہوا دینے میں لگا ہوا ہے ــــ ظاہر ہے یہ مُلّا ــــ کوئی ایک شخص یا طبقہ نہیں بلکہ ذہنیت کا نام ہے ــــ علامت ہے ــــ ادھر مردانِ حق: حقیقی علماء، اور صوفیائے کرام، ماحول سے بیزار الگ تھلگ خلوت نشین ہیں ــــ علامہ ــــ ان علمائے حق اور صوفیائے عظام کو - بحوالہ سعید حلیم پاشا یہ پیغام دینا چاہتے کہ خاموشی اور زاویہ نشینی ترک کر کے "کلیمی" اختیار کریں شعوری ۶۸۳ نورِ مصطفوی سے مستنیر فطرت ہیں تو ہمیں اپنے مقام سے آگاہ کریں۔ مردِ حق کسی غیر سے رنگ و لو: شناخت، انفرادی و اجتماعی تشخص حاصل نہیں کرتا بلکہ حق سے یہ تشخص پاتا ہے "رنگ دیو صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (ع۸۵) کی رعایت سے لایا گیا ہے۔ یہ علامہ کے فلسفہ خودی کا بنیادی عنصر ہے کہ "نہ خودی کسی دوسری خودی میں مدغم ہو سکتی ہے نہ اس کا ظہور کسی دوسری خودی کے محور پر ہوگا ع۸۶ مردِ مومن کا اپنا تشخص ہے ــــ وہ "حق" کی طرح ایک نئی شان سے ظہور کرتا ہے "کُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ع۸۷ مردِ مومن کو اس رمز سے آشنا کرنے کی ــــ

ع۸۲ شرح جاوید نامہ چشتی ص۱۲۷ ایضاً ع۸۳ ع۸۵ ع۸۴ حضور اقبال ص۸۳ ایضاً ع۸۷ الرحمٰن: ۹
شعر ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان، گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان (کلیات اقبال اردو ضرب کلیم ص۵۲۲)

ضرورت ہے۔

علامہ نے واضح کیا کہ مسلمان (کارواں) حرم کے علاوہ کسی اور منزل کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ نہ غیرحق (باطل) کو دل میں بٹھا سکتے ہیں ــــ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ان کی راہ مختلف ہے ــــ ہاں! ــــ وہ جس کارواں (آل انڈیا نیشنل کانگریس) کا حصہ ہیں وہ مختلف ہے ــــ اس کی نگاہ (راہنما) اور ہیں ــــ

متعلقاتِ حواشی:

(۱۳۸) **کلیمی:** ــــ علامہ کے ہاں کلیمی، مستضعفینِ مصر کی نجات کا استعارہ ہے وہ مستضعفین جو کنعان سے آکر مصر میں حضرتِ یوسف علیہ السلام کی وزارت کے زمانے میں آباد ہوئے ــــ وقت نے انہیں غیرمصری بناکر فراعنہ کی بندگی اور مصری قبطیوں کی غلامی میں دے دیا تھا۔ حضرتِ موسیٰؑ انہیں کو لے کر مصر سے نکلے تھے اور بالآخر ریاستِ فلسطین کا قیام عمل میں آیا۔ تورات میں سادُل بمعنی غیر قومی استحصال ہوا۔

مثنوی اسرارِ خودی (۱۹۱۵ء) میں تو علامہ نے اعلان کیا تھا

در دلِ حق سرِ مکنونیم ما
وارثِ موسیٰؑ و ہارونیم ما ۲۸۸

لیکن ۱۸۹۸ء کی ایک منسوخ غزل کا ایک شعر اس "وراثت" کے پسِ پردہ، کارفرما "تخیل" کی خبر بھی دیتا ہے۔

دیکھئے ذوقِ تکلّم! یاں کوئی موسیٰؑ نہیں
بری آنکھوں میں جو پھرتا ہے وہ نقشہ اور ہے ۲۸۹

نظم ہلال (۱۹۰۱ء) میں علامہ "ایک بار پھر ــــ طورِ سینا کے جلوے" کا ذکر کرنے کے بعد "گردشِ ایام" کے پیچھے کی طرف دوڑنے کی آرزو کرتے ہیں۔ مثنوی اسرارِ خودی (۱۹۱۵ء) میں اپنے آپ کو کھلے عام وارثِ موسیٰؑ و ہارون علیہما السلام، بتاتے ہیں ــــ ۱۹۳۰ء کے خطبۂ الٰہ آباد میں within or without British Empire "ایک الگ شمال مغربی مسلم ریاست" کا تصور دیتے ہیں ــ اب جاوید نامہ (۱۹۳۲ء) میں وہ "کلیمی" کے ساتھ "نورِ مصطفوی" کا ذکر بھی کرتے ہیں ــــ کھلے عام یہ "ہجرت" کے اشارے ہیں۔ پروفیسر ایڈورڈ تھامپسن نے دی ٹائمز ۳ / اکتوبر ۱۹۳۱ء میں علامہ کے اس "تصور" کو اپنی طرف سے "ہندوستانی فیڈریشن کے اندر یا باہر (مسلم صوبوں) کی کنفیڈریشن" بنا دیا ــــ علامہ نے اس تبصرے کو رد کرتے ہوئے تھامپسن کو لکھا۔

In this passage I do not put forward a demand of A muslim state outside the British Empire, but only a guess of the possible outcome in the dim future of the mighty forces now shapping the destiny of the Indian Sub-Continent. ۲۹۱

۲۸۸ـ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۴۵ (اسرارِ خودی: الوقت السیف) ۲۸۹ـ باقیاتِ کلامِ اقبال ص ۶۱ ڈاکٹر صابر کلوروی، شائستہ پبلشنگ ہاؤس کراچی

۲۹۰ـ لیٹرز اینڈ رائٹنگز آف اقبال ص ۱۱۸ (مرتبہ: بی اے ڈار) اقبال اکیڈمی پاکستان کراچی ۱۹۶۷ء

۲۹۱ـ ایضاً ص ۱۱۹۔

چوہدری رحمت علی نے ۱۹۳۳ء میں تھامپسن کے منصوبے کو اپنی سکیم بنا کر۔ اسے ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تجویز سے خود ہی مختلف سکیم بتایا ہے ۹۲؎ ـــ فی الواقعہ چوہدری صاحب کی سکیم مختلف تھی۔ یہ ایک طویل بحث ہے۔ علامہ نے ۴ مارچ ۱۹۳۴ء کو تھامپسن کے نام اپنے مکتوب میں چوہدری صاحب کی سکیم کو "پاکستان سکیم" لکھ کر اس سے برأت کا اظہار کیا ۹۳؎۔ اس لئے کہ وہ "انڈین فیڈریشن یا برطانوی تولیت" کے خیال کو اب جھٹک چکے تھے ۹۴؎۔ جاوید نامہ کے زیر نظر شعر نمبر ۶۸۴ تا شعر نمبر ۶۸۸ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ مسلم رہنماؤں کے متحدہ قومیت کے تصور یا چوہدری رحمت علی کی "پاکستان سکیم" اور تقسیم کے کسی بھی دوسرے منصوبے یا خاکوں سے متفق نہ تھے اور وہ اس لئے کہ ان سکیموں اور خاکوں میں مسلم ریاستوں کی کنفیڈریشن کے علاوہ برطانوی تولیت، جزوِ لازم تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمان کے ضمیر سے کسی بزدلی کے اظہار کی بجائے "کاروانِ دیگر نگاہش دیگر است" پر اکتفا کی ـــ پس کلیمی، جہاں مسلم تشخص کی بحالی کا استعارہ ہے وہاں "ہجرت" کے "نور نقشہ" کی مجاز بھی ـــ کلیم اللہ علیہ السلام بحکمِ الٰہی بنی اسرائیل کو مصر سے باہر لے جا کر ارضِ موعود کا وارث بنایا ـــ اقبال کا "نور نقشہ" "مصرِ ہند" میں سے "ارضِ پاک" ملتا دیکھتا تھا ـــ

افغانی

۶۸۹۔ از حدیثِ مصطفیٰ داری نصیب؟ ‏ دینِ حق اندر جہان آمد غریب (۱۳۹)

۶۹۰۔ با تو گویم معنیٔ این حرفِ بکر ‏ غربتِ دیں نیست فقرِ اہلِ ذکر

بہرِ آں مردے کہ صاحب جستجو ست ‏ غربتِ دیں ندرتِ آیاتِ اوست

غربتِ دیں ہر زماں نوعِ دگر ‏ نکتہ را دریاب اگر داری نظر

دل بآیاتِ مبیں دیگر بہ بند ‏ تا بگیری عصرِ نو را در کمند

کس نمی داند ز اسرارِ کتاب ‏ شرقیاں ہم غربیاں در پیچ و تاب

روسیاں نقشِ نوی انداختند ‏ آب و ناں بردند و دیں در باختند

حق بہ بیں حق گوے و غیر از حق مجوے
یک دو حرف از من بآں امت بگوے

حواشی و تعلیقات: (۱۳۹) بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَءَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ ۹۵؎
اسلام کی ابتدا اجنبیت تھی اور پھر اسی طرح اجنبی ہو جائے گا۔ اجنبیوں کے لئے خوش خبری ہے ـــ علامہ نے اسی "اجنبیت" کو کہا ہے یہ "اہلِ ذکر"

Iqbal, His Political Ideas ۹۳؎ , Now or Never P. 6 National Muzeum ۹۲؎
at Cross road P. 80 S. Hassan Ahmad Paul wall Aligarh 1988 | Karachi No 245/6

۹۴؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ "علامہ اقبال اور پاکستان سکیم" از [illegible] مطبوعہ صحیفہ ـ مجلس ترقی ادب لاہور جنوری تا مارچ شمارہ ۱۹۹۲ء ۹۰

۹۵؎ سنن ترمذی جلد دوم ص ۹۱ (عن عبداللہ ابن مسعود) سعید ایچ ایم کمپنی، ادب منزل پاکستان چوک کراچی اشاعت ۱۹۸۵ء

کا فقر (جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ غریبًا سے مراد افلاس زدہ عوام ہیں) نہیں - بلکہ غربتِ دین سے مراد "ندرتِ آیاتِ دین" ہے - یہ ندرت ہر دور میں بطرزِ نو وارد ہوتی ہے پس عصرِ نو کی تسخیر، آیاتِ دینِ مبین سے دل لگا کر ہی ممکن ہے — مشرق ہو کہ مغرب اسرارِ کتاب (روحِ تعلیمِ قرآنی) سے نابلد ہیں — روسی نقشِ نو کی طرح ڈال رہے ہیں لیکن وہ بھی آب و نان کے بدلے دین کو ہار گئے - حق بینی، حق گوئی کو شعار بناؤ اور سیح کے بغیر کچھ نہ کہو اس امت (روسیوں) تک میری یہی ایک دو باتیں پہنچا دو،
اہلِ ذکر: سے مراد وہ بزرگ ہیں جو نفس کشی کی خاطر بھوکے پیاسے رہنے کو عبادت سمجھتے ہیں - لہذا غریبًا سے مراد بھوکا ذاکر سا فقر نہیں —

پیغامِ افغانی با ملتِ روسیہ

697 منزل و مقصود قرآں دیگر است
رسم و آئینِ مسلماں دیگر است
در دلِ او آتشِ سوزندہ نیست
مصطفیٰ در سینۂ او زندہ نیست
بندۂ مومن ز قرآں برنخورد
در ایاغِ او نہ مے دیدم نہ درد
خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست
خود سرِ تختِ ملوکیت نشست
تا نہالِ سلطنت قوت گرفت
دینِ او نقش از ملوکیت گرفت
از ملوکیت نگہ گردد دگر
عقل و ہوش و رسم و رہ گردد دگر

حواشی و تعلیقات نمبر ۶۹۷ مراد یہ کہ مسلمان منزل و مقصودِ قرآں سے بے بہرہ ہے - اس کا ایاغ (پیالہ) شراب تو خیر تلچھٹ تک نہیں رکھتا - ایسا کیوں نہ ہوتا خود قیصری و کسرائی کا خاتمہ کیا اور خود ہی ملوکیت کا تخت سجایا - سلطنت کا پودا قوی ہو تو دین ملوکیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور ملوکیت کا انداز ہی اور ہوتا ہے ملوکیت کی بصیرت بھی اپنی ہوتی ہے اور طور طریقے عقل و دانش بھی مخصوص ہوتی ہے - **قیصر و کسریٰ**: ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۷ **ملوکیت**: کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۱۲ **سلطنت**: قہر و غلبہ (غیاث اللغات) اسلام رحمۃ للعالمین ہے مگر مسلمان قاہر و جابر بن گئے اس لئے زاویہ نگاہ بھی بدل لیا

تو کہ طرحِ دیگرے انداختی !
دل ز دستورِ کہن پرداختی
(۱۴۰)
ہمچو ما اسلامیاں اندر جہاں
قیصریت را شکستی استخواں
تا برافروزی چراغے در ضمیر
عبرتے از سرگذشتِ ما بگیر
پائے خود محکم گذار اندر نبرد
گردِ ایں لات و ہبل دیگر مگرد
ملتے می خواہد ایں دنیائے پیر
آنکہ باشد ہم بشیر و ہم نذیر
باز می آئی سوئے اقوامِ شرق
بستہ ایامِ تو با ایامِ شرق

تو بجاں انگندہ ای سوز دگر! ‎ ‎ در ضمیر تو شب و روز دگر

کہنہ شد افرنگ را آئین و دیں ‎ ‎ سوئے آں دیر کہن دیگر مبیں

کردہ کار خداونداں تمام ‎ ‎ بگذر از لا جانب اِلّا خرام

در گذر از لا اگر جویندۂ ‎ ‎ تا رہِ اثبات گیری زندۂ

اے کہ می خواہی نظامِ عالمے!

جستۂ اورا اساسِ محکمے؟

حواشی و تعلیقات : (۱۲۰) **ہمچو ما اسلامیاں — طرحِ دگر انداختی۔ :** اس باب کی ابتدا جن محکماتِ قرآنی کے تذکرے سے ہوئی وہ درجِ ذیل ہیں۔

۱: ابنِ آدم کا شرفِ خلافت ‎ ‎ ۲: حکومتِ الٰہی ‎ ‎ ۳۔ الارض للہ

۴۔ حکمت

روسی انقلاب ، ان محکمات کے تین اجزا یا ارکان پر مشتمل تھا۔ بدقسمتی سے یہود و نصاریٰ کی انسان دشمن حکومتِ الٰہیہ (اہلِ کلیسا اور ورثۃ الانبیاء کے بطور ناشین حق اقتدار و اختیار) نے عوام الناس کو اہلِ مذہب کے ساتھ مذہب اور الٰہِ حقیقی سے بھی بدظن کردیا تھا — اسلام وہی انقلاب لایا تھا جو روسی انقلاب کا منزل تھا سوائے حکومتِ الٰہی کے "زبانی کلامی" دعوے کے جو آج مسلمانوں کا وطیرہ ہے — علامہ نے روسیوں کو مسلمانوں کی اس حالت سے درسِ عبرت لینے کی تلقین کی۔ اور ساتھ ہی قیصریت و چنگیزیت کے **جدیدات و ہبل کے گرد** دوبارہ طواف سے بچنے کے لئے دو تجویزیں دیں۔ یورپ کے دستورِ زندگی سے اجتناب اور لَا کے گرداب سے اِلّا کی فضائے دلکشا کی طرف خرام — یہی وہ **اساسِ محکم** ہے جس کی طرف علامہ اقبال افغانی کے حوالے سے روسیوں کو دعوت دینا چاہتے ہیں۔ انقلاب روس کے خیر سے متعلق پہلو اسی طرح محفوظ رہ سکتے تھے۔ یہ گویا اس قرآنی انتباہ کا اعادہ ہے جو اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْن کے بلیغ انداز میں ہوا تھا۔ مسلمانوں کا عظیم انقلابی دور ابلیس کی رسی رہزنی کے ہاتھوں زوال پذیر ہوا۔ طریقِ کہن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی کہہ کر بھی علامہ نے اسی حقیقت کو واضح کیا تھا۔ طریق: راستہ — کیا طرزِ کہن رہنے ہی تیشے سے سر پھوڑ کر نہیں مرا؟ مثنوی پس چہ باید کرد میں دوبارہ یہی پیغام دیا ہے ^{۹۶ے}

داستانِ کہنہ شستی باب باب ‎ ‎ (۱۲۲) فکر را روشن کن از اُمّ الکتاب

با سیہ فاماں یدِ بیضا (۱۲۱) کہ داد؟ ‎ ‎ مژدۂ لاقیصر و کسریٰ کہ داد؟

۹۶ے

۱۔ ہم چناں بینی کہ در دورِ فرنگ ‎ ‎ بندگی با خواجگی آمد بجنگ

۲۔ روس را قلب و جگر گردیدہ خوں ‎ ‎ از ضمیرش حرفِ لا آمد بروں

۳۔ آں نظامِ کہنہ را برہم زد است ‎ ‎ تیز نیشے بر رگِ عالم زد است

۴۔ کردہ ام اندر مقاماتش نگہ ‎ ‎ لا سلاطین، لا کلیسا، لا الٰہ

۵۔ فکرِ او در تند بادِ لا بماند ‎ ‎ مرکبِ خود را سوئے اِلّا نراند

۶۔ آیدش روزے کہ از زورِ جنوں ‎ ‎ خویش را زیں تند باد آرد بروں

۷۔ در مقامِ لا نیاساید حیات ‎ ‎ سوئے اِلّا می خرامد کائنات

۸۔ لا و اِلّا سازو برگِ امتاں ‎ ‎ نفی بے اثبات مرگِ امتاں

۹۔ در محبت پختہ کے گردد خلیل ‎ ‎ تا نگردد لا سوئے اِلّا دلیل

۱۰۔ اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن ‎ ‎ نعرۂ لا پیشِ نمرودے بزن

۱۱۔ ایں کہ می بینی نیرزد با دو جو ‎ ‎ از جلالِ لا الٰہ آگاہ شو

۱۲۔ ہر کہ اندر دستِ او شمشیرِ لاست ‎ ‎ جملہ موجودات را فرماں رواست

کلیاتِ اقبال فارسی صفحہ ۸۱۱/۸۱۲ (پس چہ باید کرد: لا الٰہ الا اللہ)

در گذر از جلوہ ہائے رنگ رنگ ‫ | ‬ خویش را دریاب از ترکِ فرنگ
گر ز مکرِ غربیاں باشی خبیر ‫ | ‬ روبہی بگذار و شیری پیشہ گیر
چیست روباہی تلاشِ ساز و برگ ‫ | ‬ شیرِ مولا جوید آزادی و مرگ
جز بقرآں ضیغمی روباہی است ‫ | ‬ (۱۲۳) فقرِ قرآں اصلِ شاہنشاہی است
فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر (۱۲۴) ‫ | ‬ فکر را کامل ندیدم جز بہ ذکر
ذکر؟ ذوق و شوق را دادن ادب ‫ | ‬ کارِ جان است ایں نہ کارِ کام و لب
خیزد از وے شعلہ ہائے سینہ سوز ‫ | ‬ با مزاجِ تو نمی سازد ہنوز

اے شہیدِ شاہدِ رعنائے فکر
با تو گویم از تجلی ہائے فکر

حواشی و تعلیقات :

(۱۲۱) **ید بیضاء :** مراد ہے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو ثبوتِ نبوت کے لئے دیا گیا معجزۂ ربانی جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح آیا ہے۔ اللہ نے آواز دی وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ؏۹۷ اور تم اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں بغل میں دے دو اور پھر نکالو، وہ بلا کسی عیب (مرض برص وغیرہ) کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا۔ یہ دوسری نشانی ہوگی (پہلی نشانی عصا تھا جو سانپ (اژدہا) بن جاتا تھا۔ مزید توضیحات کے لئے ملاحظہ ہو شعر نمبر ۳۹۲

(۱۲۲) **مژدۂ لا قیصر و کسریٰ :** اشارہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کی طرف جسے مخبرِ صادق ؐ کی زبانی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ، قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هَلَكَ كِسْرَىٰ ثُمَّ لَا يَكُونُ كِسْرَىٰ بَعْدَهُ، وَقَيْصَرُ لَيَهْلِكَنَّ ثُمَّ لَا يَكُونُ قَيْصَرٌ بَعْدَهُ وَلَتُقْسَمَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ۔ ؏۹۸ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب کسریٰ (فارس کا بادشاہ) ہلاک ہوگا اور اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر وہ بھی ہلاک ہوگا اور پھر کوئی قیصر نہ ہوگا۔ ان دونوں کے خزانے (فارس و روم) خدا کی راہ میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

روبہی : روباہی مجازاً منافقانہ ڈپلومیسی۔ **شیری :** حق گوئی و بے باکی

آئینِ جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی ؏۹۹

یہاں علامہ نے روباہی کے معانی حیلے بہانے اور اسباب کی تلاش کئے ہیں حالانکہ شیرِ مولا [مردِ مومن: حُر]

؏۹۷ طٰہٰ : ۲۲
؏۹۸ مشکوٰۃ المصابیح صـ ۴۶۶
؏۹۹ کلیاتِ اقبال اردو صـ ۳۴۹ [بالِ جبریل : ۳۲ غزل]

آزادی یا موت پر یقین رکھتا ہے ۔ حضرت حسین ابن علیؓ سے سلطان ٹیپو شہید تک شہدائے اسلام نے اسی یقین کی روشنی میں عمل کیا — اور شیری بھی بغیر قرآنی رہنمائی کے رُوباہی ہے۔

(۱۴۳) **فقرِ قرآں :** فقر، مفلسی، تم جمع فُقر۔ فَقُرَ فَقَارَۃً وَاِفْتَقَرَ، مفلس ہونا اِفْتَقَرَ اِلَیْہِ محتاج ہونا (مصباح)" "فقرِ اہلِ ذکر" کا حوالہ شعر نمبر ۶۹۰ میں آیا ہے وہاں فقر بمعنی مفلسی لیا گیا ہے۔ یہاں بمعنی محتاجی لیا گیا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں مستعمل ہے یَاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ؁۸۰۰ : لوگو! تم خدا کے محتاج ہو اور اللہ، وہی بے نیاز اور تمام خوبیوں والا ہے ظاہر ہے جو اِلَی اللّٰہ محتاج ہو وہی تو غیر اللہ سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ اور غیر اللہ سے یہی بے نیازی ہے جسے علامہ فقرِ قرآں، یا قلندری اور فقری سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی لئے اصطلاح صوفیہ میں سالک کا تمام مراتب نزول و عروج طے کر کے ذاتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ میں فانی ہو جانا اور دونوں عالم سے بے نیاز ہو جانا فقر ہے ؁۸۰۱

سید عابد علی عابد لکھتے ہیں " یہ مردِ مومن کا مال دنیا سے استغناء ہے اور ساتھ ہی زمانہ ستیزی کا معلم بھی ہے" اقبال کا صاحبِ فقر یعنی مردِ قلندر صرف اپنی ذات کو کثافتوں (تلاش سازو برگ) سے محفوظ نہیں رکھتا بلکہ ایجاباً اپنے زمانے سے ٹکر لیتا ہے اور اقدارِ مروجہ کی جگہ بزورِ قوت نئے اقدار قائم کرنے کی جدوجہد کرتا ہے" ؁۸۰۲ کلامِ اقبال میں فقری، درویشی، قلندری، مردِ مومن کے مترادفات ہیں۔

مردِ درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصابِ زر و سیم ؁۸۰۳

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے
ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلبِ سلیم ؁۸۰۴ [یراق = ہتھیار، سامان، ساز۔ فرہنگِ عامرہ —]
سکون پرستیِ راہب سے فقر ہے بیزار
فقر کا ہے سفینہ ہمیشہ ، طوفانی ؁۸۰۵

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر — جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا — اللہ کی شانِ بے نیازی
یہ فقرِ غیور جس نے پایا — بے تیغ و سناں ہے مردِ غازی

مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری ؁۸۰۶

جیست فقر اے بندگانِ آب و گِل — یک نگاہِ راہ بیں یک زندہ دل ؁۸۰۷

الغرض یہ فقرِ قرآں احتسابِ ہست و بُود ؁۸۰۸

؁۸۰۰ فاطر: ۱۵ ؁۸۰۱ اصطلاحاتِ صوفیہ شاہ محمد عبد الصمد ۱۰۶/۲۵ - ایضاً -
؁۸۰۲ تلمیحاتِ اقبال سید عابد علی عابد صـ۲۵۳ ایضاً — ؁۸۰۳ کلیاتِ اقبال اردو (بالِ جبریل غزل ۳۹)
؁۸۰۴ ایضاً صـ۴۹۲ (ضربِ کلیم : فقر و ملوکیت) ؁۸۰۵ ایضاً صـ۵۱۲ (ایضاً : فقر و راہبی)
؁۸۰۶ ایضاً صـ۵۵۰/۵۵۱ (ایضاً : جاوید سے ۳) ؁۸۰۷ -

(۱۲۴) **ذکر و فکر :** علامہ نے چونکہ فقرِ قرآن کو ، اختلاطِ ذکر و فکر بتایا ہے اس لئے مناسب ہے کہ پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا جائے۔ اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ع۸۰۹ بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہلِ عقل کے لئے ۔ جن کی یہ حالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی ''لیٹے بھی'' اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا۔ ذَکَرَ ذِکْرًا وَ تِذْکَارًا ۔ اللہ : تسبیح و تحمید ، الشَّیْءَ : دل میں یاد کرنا۔ الذِّکْرُ : شہرت ۔ [مصباح اللغات]۔ **فکر :** اِحْضَارُ الْمَعْرِفَتَیْنِ اَوِ الْمَعَارِفِ لِاِسْتِنْتَاجِ مَعْرِفَةٍ اُخْرٰی ع۸۱۰ - دو یا زیادہ معلوم حقائق کو مدِنظر رکھنا تاکہ ان کی مدد سے دوسری نئی معرفت حاصل کی جا سکے — جیسا کہ درجِ بالا آیتِ کریمہ میں اولی الالباب کے فکر فی تخلیق السموات والارض کا نتیجہ ربنا ما خلقت ھذا باطلا — بتایا گیا ہے ۔ پس ، ذکر و فکر کے اختلاط کا نتیجہ "یادِ حق" نکلا ۔ اور علامہ کا فرمانا کہ فکر را کامل ندیدم جز بہ ذکر اسی حوالے سے ہے — جیسا کہ اصطلاحاتِ صوفیہ کی شرح میں واضح کیا گیا ہے۔

"ذکر وہ شے ہے جس کے توسّل سے مطلوب کی یاد ہو۔ لہٰذا انسان کے جملہ افعال و اقوال و حالات بشرطِ یادِ حق ، ذکر ہیں اور بصورتِ غفلت کے ضلالت اور گمراہی" ع۸۱۱

اسی لئے علامہ ذکر کے معنی ذوق و شوق کو ادب سکھانا بتاتے ہیں ۔ **اَدَب :** اَدَبًا و آدَابَ ایدابًا کیا جاتا ہے اَدَبَہُمْ عَلَی الاَمْرِ : اس نے ان سب لوگوں کو کام پر جمع کر دیا — ذوق و شوق کو یکجا کرنا ادب ہے اَلْاَدَبُ : وہ اخلاق ملکہ جو ناشائستہ باتوں سے روکتا ہے — پس ادب سکھانا ، شائستگی کے ساتھ جمع کرنا ہوا — گویا یہ ذکر صرف لسانی ذکر نہیں — اعماقِ قلب و جاں — سے تعلق رکھتا ہے "خطاب بہ جاوید" میں اسی لئے علامہ نصیحت کرتے ہیں

لا الٰہ گوئی بگو از روئے جاں   تا ز اندام تو آید بوئے جاں ع۸۱۲ ملاحظہ ہو واشرح نمبر ۱۲۹ -

یہی اختلاطِ ذکر و فکر ہے ۔ بقول مولانا رومی ۔ ع۸۱۳

ذکرِ لفظی غیرِ عارف بیش نیست   ذکرِ روحی جز زفنِ درویش نیست ع۸۱۴

اسی ذکر کی آمیزش فکر کو اس قابل بناتی ہے کہ دل کو مظہرِ انوارِ جلال کر دے ۔ آگے اس اجلال کی توضیح ہوتی ہے۔

(۱۲۵)

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ
۷۲۵- ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو!
۷۲۶- از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!
از ربا جاں تیرہ ، دل چوں خشت و سنگ
۷۲۸- رزقِ خود را از زمیں بردن رواست
۷۲۹- بندۂ مومن امیں ، حق مالک است

(۱۲۶)

دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ
لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا
کس نداند لذتِ قرضِ حسن
آدمی درندۂ بے دندان و چنگ
این متاعِ بندہ و مِلکِ خداست
غیرِ حق ہر شے کہ بینی ھالک است

ع۸۰۹ آل عمران : ۱۹۰ ، ۱۹۱ ع۸۱۰ شرح جاوید نامہ یوسف سلیم چشتی صفحہ ۵۰ ع۸۱۱ اصطلاحاتِ صوفیہ صفحہ ۶۲ ایضاً

ع۸۱۲ کلیاتِ اقبال فارسی صفحہ ۸۷ [جاوید نامہ : خطاب بہ جاوید] ۔ ع۸۱۳ ذکرِ روحی ۔ اقسامِ ذکر میں سے ایک ہے ۔ اقسامِ ذکر درج ذیل ہیں ۱- ذکرِ لسانی ۲- ذکرِ قلبی ۳- ذکرِ روحی ۴- ذکرِ سرّی ۵- ذکرِ خفی ۶- ذکرِ اخفیٰ ۷- ذکرِ اخفی الاخفیٰ (اصطلاحاتِ صوفیہ ایضاً صفحہ ۶۲)

ع۸۱۴ مثنوی مولانا روم ۔ دفترِ ششم صفحہ ۵۱۷ اسلامک پبلشنگ کمپنی لاہور ۔

۲۳۰۔ رایتِ حق از ملوک آمد نگوں ؎ قریہ ہا از دخلِ شاں خوار و زبوں

۲۳۱۔ آب و نانِ ماست از یک مائدہ
دودۂ آدم کنفسٍ واحدہ

نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست ؎ نقش ہائے کاہن و پاپا شکست
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است ؎ ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود (۱۲۷) ؎ جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود
مثلِ حق پنہان و ہم پیداست ایں ؎ زندہ و پایندہ و گویاست ایں
اندرو تقدیرہائے غرب و شرق ؎ سرعتِ اندیشہ پیدا کن چو برق،
با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ ؎ (۱۲۸) ہرچہ از حاجت فزوں داری بدہ
آفریدی شرع و آئینِ دگر! (۱۲۹) ؎ اندکے با نورِ قرآنش نگر

از بم و زیرِ حیات آگاہ شو
ہم ز تقدیرِ حیات آگاہ شو

حواشی و تعلیقات :

(۱۲۵) لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [البقرہ : ۱۰۷] وَلِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [آلِ عمران : ۱۸۹] وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ [الفرقان : ۲] ۔ اُسی کی حکومت و سلطنت ہے آسمان اور زمین میں ۔ اس کی حکومت و سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں ۔ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ [الاعراف : ۵۴] اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ [آلِ عمران : ۱۵۴] حکم اسی کا ہے جو خالق ہے ۔ کسی اور کا نہیں ۔ ~~اسی~~ خواجگی کی جڑ کٹتی ہے ۔ (۱۲۶) حضرت نوحؑ سے جب قوم کے بڑوں نے کہا تیرے ساتھ ہمارے ہاں کے اراذل و انفار اور کم عقل اور بے رائے لوگوں کے علاوہ ہے کون ؟ تو حضرت نوحؑ نے (ظاہر ہے اللہ کے حکم سے) اعلان فرمایا لَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُکُمْ لَنْ یُّؤْتِیَھُمُ اللّٰہُ خَیْرًا ط اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِھِمْ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ [ھود : ۳۱] اور جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں [تیرے درجے کے شہری عوام کالانعام] میں ان کی نسبت (تمہاری طرح) یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز "خیر" نہ دے گا ۔ اللہ اُن کی نفسی صلاحیتوں سے اچھی طرح واقف ہے ۔ میں اگر (تمہاری بات مان لوں) تو اسی وقت (تمہاری طرح) ظالموں میں سے ہو جاؤں گا ——————

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا منصب نبوت ہی اِن مستضعفین [تیرے درجے کے شہریوں] کو صاحبِ اختیار بنانا تھا وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ [الاعراف : ۱۳۷] اور ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے مالک بنا دیا —— جب حضرت موسیٰؑ ان کمزوروں کو مصر سے نکال لے گئے اور اس مقدس زمین پر اختیار و اقتدار کے لئے جہاد کی ترغیب دی تو وہ مکر گئے الٹا لہسن پیاز وغیرہ طلب کرنے لگے تو جواب دیا گیا اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ [البقرہ : ۶۱] کیا تم "خیر" کے بدلے یہ ادنیٰ چیزیں لینا چاہتے ہو —— یہ "خیر" کیفے عام وہ اختیار تھا جس کے لئے انہیں مصر سے نکال لایا گیا اور "خیر" کے بغیر تو اختیار کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ۔

شعر نمبر ۷۲۵: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۵ [آل عمران: ۹۲] - تم خیر کامل کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے جب تک کہ اپنی محبوب شے خرچ نہ کر دو اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اسے بھی خوب جانتا ہے -

شعر نمبر ۷۲۶: اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا — [البقرہ: ۲۷۵] اور جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنا دے (یعنی حیران و مدہوش) یہ سزا اس لئے ہوگی کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام کر دیا ہے - فتنہ میں فساد معاشرے کے ساتھ یہ دوائمی بیماری ہے۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا [البقرہ: ۲۷۶] اللہ تعالیٰ ربٰو کو مٹاتا ہے ... آخرت تو آخرت دنیا میں بھی سود خوار مغضوب الورٰی ٹھہرتے ہیں۔
ممانعت سود کے لئے ملاحظہ ہو مزید آل عمران: ۱۳۰، النساء: ۱۶۰، ۱۶۱، الروم: ۳۹

شعر نمبر ۷۲۸: متاع: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور اُس کے ظاہر و پوشیدہ خزانوں کو "متاع انسانی" قرار دیا ہے ملکیت نہیں بنایا مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ [عبس: ۳۲] اس لئے کہ وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود: ۶) گویا یہ متاع، سب کے لئے ہے مساوی - اس لئے کہ اس کی مالکیت، رب العالمین کے پاس ہے - مالکیت کے بغیر حاکمیت قائم بھی نہیں ہو سکتی — خدا کی زمین پر خدا کا نظام — کہہ دینا تو آسان ہے لیکن خدا کی زمین کو خدا کی زمین تسلیم کرنا اور کرانا بے حد مشکل کام ہے — بندۂ مومن خصوصاً امین ہے

شعر نمبر ۷۲۹: ھالک: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [القصص: ۸۸] سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں - بجز ذات باری کے اُسی کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹتے ہو —

شعر نمبر ۷۳۰: یا اللہ کی بادشاہی یا غیر اللہ کی بادشاہی — غیر اللہ کی حکمرانی کے ساتھ اللہ کی مالکیت کا دعویٰ کوئی لگا نہیں کھاتا — یہ پرچم حق کی سرنگونی کا خطرہ ہے - مرد مومن، نہ کسی کا غلام ہوتا ہے نہ کوئی اس کا غلام — قریہ ۔۔۔ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا [النمل: ۳۴] - ملکہ سبا بولی والیانِ ملک جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہ و بالا کر دیتے ہیں — اگرچہ یہ حوزشہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے ظاہر کیا گیا ہے — جو "نبوت" کی شان نہیں — لیکن عام طور پر یہ رنگ و اصول بنتا ہے - وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ [یونس: ۸۳] فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا (بڑا بن بیٹھا تھا) اور یہ بات بھی تھی کہ وہ حد الضاف سے باہر ہو گیا تھا - اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى [طٰہٰ: ۲۵] - (یہ نبی بیان لے کر) فرعون کے پاس جاؤ وہ حد سے نکل گیا ہے — دراصل یہ حد سے نکلنا ہی پرچم الٰہی کو سرنگوں کرنا ہے اور اسی ظلم کے باعث مملکتیں اجڑتی اور شہر تباہ ہوتے ہیں -

شعر نمبر ۷۳۱: مائدہ: دسترخوان: مائدۂ مسیح: ایک مدت تک حضرت عیسیٰؑ پر زبر کی رسالت سے آسمان سے خوان اترتا تھا جس پر سب غریب مل کر کھاتے تھے - جب امیروں نے کھانا شروع کیا تب وہ خوان آنا موقوف ہو گیا [غیاث اللغات، نزاع اللغات]

کَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ [لقمٰن: ۲۸] تم سب کا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا — هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ [الانعام: ۹۸] اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا - هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ [الاعراف: ۱۸۹] [الزمر: ۶] وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا ہے۔

(۱۲۷) **جاں دیگر شود :** قرآن کا جزو جاں ہو جانا ، جان کو بدل دیتا ہے اور جان بدل لینے سے جہان بدل جاتا ہے۔ **یعنی** ۔ احکام قرآنی کی اس درجہ اطاعت جس طرح کہ خواہشاتِ نفس کی اطاعت کی جاتی ہے ___ یقیناً ___ جان کو بدل کر رکھ دیتی ہے ___ اور جیسے بدلنے سے عالم بدلنے کی طرح جان بدلنے سے بھی عالم بدل جاتا ہے ۔ تکرار سے بچنے کے لئے رجوع فرمائیں تعلیقہ نمبر ۲۸ ، بذیل شعر نمبر ۱۵۸ ______

(۱۲۸) **العفو :** يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۭ قُلِ الْعَفْوَ ۭ [البقرہ : ۲۱۹] ۔ اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں کہہ دیں جو فاضل بچے ۔ انفاق کے حکم کا یہی تقاضا ہے **لفظ** عفو وہ تھیلی جس کے دونوں طرف منہ کھلا ہو ۔ یہاں ارتکاز واحتکار کی گنجائش کہاں ہے ؟

(۱۲۹) علامہ نے انقلاب روس سے جو توقعات وابستہ کر رکھی تھیں ___ اُس کا ذکر بار بار کیا ہے ___ دراصل وہ یہ دیکھتے تھے کہ اسلامی تعلیمات وہی ہیں جو روس ملوکیت کے خاتمے ، اور معاشی معاشرتی مساوات کے حوالے سے چاہتا ہے ___ لیکن محض نفی فطرتِ انسانی کو تادیر راس نہیں آئے گی اور روس اِلّا کی طرف بڑھے گا ۔ اور یہ راہ قرآن کی راہ ہے ۔ وہ سر فرانسس ینگ ہسبینڈ کے نام مکتوب ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء میں لکھتے ہیں ۔

" میرا ذاتی خیال ہے کہ روسی لوگ فطرتاً لامذہب نہیں ہیں بلکہ میری رائے میں وہاں کے مرد اور عورتوں میں مذہبی میلان بدرجہ اتم پایا جاتا ہے ۔ روس کے مزاج کی موجودہ منفی حالت غیر معینہ عرصہ تک نہیں رہے گی ۔ یہ اس لئے کہ کسی سوسائٹی کا انتظام دہریت کی بنیاد پر دیر تک قائم نہیں رہ سکتا ۔ حالات اپنے معمول پر آ جانے کے بعد جونہی لوگوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع ملے گا اُنہیں یقینی طور پر اپنے نظام کی مثبت بنیاد کی تلاش کرنا ہوگی ۔

اگر بالشوزم میں خدا کی ہستی کا اقرار شامل کر دیا جائے تو بالشوزم اسلام کے قریب تر آ جائے گا [بالکل اسلام نہیں ہو جائے گا ۔ ناقل] ۔ اس لئے میں متعجب نہیں ہوں گا اگر کسی زمانے میں اسلام روس پر چھا جائے یا روس اسلام پر ۔ اس چیز کا انحصار زیادہ تر اس حیثیت پر ہوگا جو نئے آئین میں ہندوستان کے مسلمانوں کی ہوگی " ۔ ح ۸۱۵

چنانچہ جاوید نامہ میں افغانیؒ کی زبانی رُوس کو قرآنی نور کی روشنی میں اپنے دستور کو پرکھنے کی دعوت دیتے ہیں ۔ تاکہ روسی انقلابی مدبرین " تقدیرِ حیات " سے آگاہ ہوں ___ ضرب کلیم میں حرف قل العفو کے حوالے سے اشتراکیت کے تحت عنوان بعد یہی توقع ظاہر کی ہے ۔

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمیٔ رفتار

اندیشہ ہوا شوخیٔ افکار پہ مجبور
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار

انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار ح ۸۱۶

افسوس ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت نئے آئین کے تحت ۔ اقبال کی خواہشات کے مطابق طے ہوگئی لیکن وہ خواب پورا نہ ہو سکا جو " قرآن میں ہو غوطہ زن ہونے کے نتیجے میں " حرفِ قل العفو " کی حقیقت کو نمودار کرنے کے حوالے سے دیکھا گیا ۔ پوری دنیا میں ایک بھی مسلم ریاست ایسی نہیں جو " محکماتِ قرآنی " کے مطابق ہو تو جواب وہی مل سکتا ہے ۔ جو سٹالن نے دیا تھا ___ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو ___ وہ لکھتے ہیں سٹالن نے دریافت کیا ۔ کیا کسی اسلامی ملک میں اس وقت اسلامی نظام مروج ہے ؟ تو میں نے شرمندگی کے ساتھ نفی میں جواب دیا ۔ اس کے سوا اور کرتا بھی کیا ! چنانچہ علامہ نے بھی

ح ۸۱۵ حرف اقبال ص ۱۵۴/۱۵۶ بذیل ملا فظ ہو { مکتوب اقبال بنام ایڈیٹر زمیندار مورخہ ۲۳ جون ۱۹۲۳ء ۔ کلیات مکاتیب اقبال جلد ۲ ص ۵۹۔ } ح ۸۱۶ کلیات اقبال اردو ص ۵۹۸ (ضرب کلیم : اشتراکیت) ۔

مسلمانوں ہی کو قرآن میں غوطہ زن ہونے اور "حرفِ قل العفو" کی حقیقت کے عملی انکشاف کی طرف متوجہ کیا ہے۔
افسوس اس طبقے نے قل العفو کو سرمایہ دارانہ استحصال کے خلاف ہے، زکوٰۃ تک محدود کر دیا حالانکہ زکوٰۃ ابتدائی درجے پر ہے۔ ... بعض مسلم مفکرین نے بھی بحث کے حوالے سے اس پر غور و فکر کرنا اور عمل میں لانا مناسب نہیں سمجھا۔ اقبال کا خواب، خواب و خیال ہی رہا۔

۲۰۷۔ محفلِ ما بے مے و بے ساقی است | سازِ قرآں را نواہا باقی است
۱۴۷۔ زخمۂ ما بے اثر افتد اگر | آسماں دارد ہزاراں زخمہ ور
ذکرِ حق از امتاں آمد غنی | از زمان و از مکاں آمد غنی
ذکرِ حق از ذکرِ ہر ذاکر جداست | احتیاجِ روم و شام او را کجاست
حق اگر از پیشِ ما برداردش (۱۵۰) | پیشِ قومے دیگرے بگذاردش
از مسلماں دیدہ ام تقلید و ظن | ہر زماں جانم بلرزد در بدن
ترسم از روزے کہ محرومش کنند
آتشِ خود بر دلِ دیگر زنند

حواشی تعلیقات

شعر نمبر ۱۴۷: "اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو ذہنِ انسانی کو نسل و وطن کی قیود سے آزاد کر سکتی ہے۔"[817]

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی | ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی!
تین سو سال سے ہیں ہند کے مے خانے بند | اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی
شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی | رہ گئے صوفی و ملّا کے غلام اے ساقی!
عشق کی تیغِ جگردار اڑا لی کس نے | علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!
تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ | ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی![818]

شعر نمبر ۱۴۷ الخ: یہ "یا مسلماں مُرد یا قرآں بمُرد" کا جواب ہے۔ "سازِ قرآں" نوا سے محروم نہیں ہو سکتا۔
البتہ "زخمہ ور" کوئی نہیں — اب انتباہ کرتے ہیں کہ ہمارا مضراب اگر بے اثر ہو جائے تو آسمان کے پاس بعد زخمہ ور بھی بہت ہیں۔ (اس کی تفصیل آگے تعلیقہ نمبر ۱۵۰ کے تحت آ رہی ہے)۔
جاوید نامہ کے تصنیفی عرصہ میں علامہ نے خطبہ الٰہ آباد کے علاوہ آل انڈیا مسلم کانفرنس لاہور، میں صدارتی خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں وہ واضح کرتے ہیں۔

"تم اپنے اندر جو اعتقاد رکھتے ہو وہ فرد کی اہمیت کا قائل ہے اور اس چیز کے لئے ساعی ہے کہ تم خدا اور انسان کی خدمت کر سکو۔ اس کے امکانات ابھی پوری طرح وجود میں نہیں آئے وہ اب بھی ایک نئی دنیا پیدا کر سکتا ہے، جہاں ذات، رنگ یا دولت کے پیمانہ سے اس کی عظمت کو ناپا نہیں جاتا بلکہ اس کی طرزِ زندگی سے۔

817۔ حرفِ اقبال ص ۲۲ (خطبۂ الٰہ آباد ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء) مرتبہ لطیف احمد خان شروانی۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد
818۔ کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۰۲ (بالِ جبریل ۵۰)

جہاں غریب امیروں پر ٹیکس عائد کرتے ہیں، جہاں انسانی مساوات شکم کی مساوات پر نہیں بلکہ روحوں کی مساوات پر قائم ہو۔ جہاں ایک اچھوت بادشاہ کی لڑکی کو عقد میں لا سکتا ہو۔ جہاں ذاتی ملکیت ایک امانت ہو۔ جہاں اس طور پر ارتکازِ دولت کا امکان نہ ہو کہ وہ دولت پیدا کرنے والے پر ہی چھا جائے۔ لیکن تمہارے عقیدے کا یہ معراج، نشاۃِ وسطیٰ کے فقیہوں کی نازک خیالیوں سے پاک ہونا چاہیے۔ روحانی طور پر ہم ان تخیلات اور احساسات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں جو ہم نے پچھلی صدیوں کے دوران میں اپنے گرد لپیٹ لی ہیں اور یہ ہم بڑوں کے لئے باعثِ شرم ہے کہ ہم نے نئی پود کو ان اقتصادی، سیاسی اور مذہبی انقلابات کے لئے تیار نہیں کیا جو موجودہ دور میں انہیں پیش آئیں گے .... ایک مدتِ مدید سے ہمارا مسلمان نے اپنی اندرونی کیفیات کی گہرائیوں کو ٹٹولنا چھوڑ رکھا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ زندگی کی پوری تابندگی اور آب و تاب کو دیکھ نہیں پاتا اور اسی لئے یہ اندیشہ ہے کہ وہ ان قوتوں کے ساتھ کسی بزدلانہ صلح پر تیار ہو جائے گا جو اس کے نزدیک ناقابلِ عبور ہیں۔" ع ۸۱۹

یہ ہے "ہر زماں جانم بلرزد در بدن" کی حقیقت — یعنی ترسم از روزے کہ محرومش کنند کا اندیشہ — جو نتیجہ ہے جدید مسائلِ زندگی کے دینی حل کے فقدان کا — بقول علامہ "تقلیدِ ظن" کا۔ **تقلید**: کے بغیر اگرچہ کوئی چارہ نہیں لیکن — عالمانِ کم نظر کے اجتہاد سے تقلیدِ ماضی کو علامہ بھی خوب تر سمجھتے تھے — لیکن اجتہاد کے دروازوں کا بند ہو جانا — بے دلیل تقلید اور جدید مسائلِ زندگی سے اغماض — حیاتِ ملی کے لئے جمود اور اقوامِ عالم میں اپنے حقیقی مقام سے محرومی کا سبب ہو رہا تھا — اب بھی وہی عالم ہے کبھی اگر اس طرف توجہ کی فرصت پائی بھی تو حکماتِ قرآنی کے برعکس نتائج پیدا کئے خصوصاً حکومتِ الٰہی، خلافتِ آدم اور الارض للہ پر سال ۱۹۴۷ء کے جدید اجتہادی افکار، حکمتِ قرآنی سے غیر متعلق بلکہ بیشتر بر عکس ہیں اسی لئے باون برس گزر گئے اور ہم نفاذِ اسلام کے اول قدم ہی سے محروم ہیں۔ یہی وہ روش ہے جو قوموں کو آزادی، امن، خوشحالی اور قومی اجتماعی ترقی سے روکتی ہے — اس کا تاریخی تذکرہ تعلیقہ نمبر ۱۵۰ (درجِ ذیل) میں ہو گا۔

(۱۵۰) پیش قومے دیگرے بگذاردش: هُوَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ع ۸۲۰ اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج۔ اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہارے علاوہ کسی اور قوم کو لے آئے گا (بدل دے گا) پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے ——

یہ سنتِ اللہ ہے دین پر کسی قوم کی اجارہ داری نہیں ہے۔ جو قوم دین کا کام کرے گی وہی برتر اور کامیاب ہو گی۔ بنی اسرائیل کو "خیمۂ اجتماع" دے کر ارضِ مقدس میں متمکن کیا گیا۔ لیکن انہوں نے فراعنۂ مصر کی طرح امت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ورثۃ الانبیاء، رؤسا، اور عوام — حالانکہ سبھی ایک ہی جدِ امجد کی اولاد تھے۔ پھر اللہ نے طالوت کے ذریعہ ان آفات سے نجات دی جو انہیں اس فرعونی معاشرتی تقسیم کی بدولت ان پر بصورتِ جالوت مسلط تھیں — تو انہوں نے اپنے اختیار و اقتدار کی بحالی کی خاطر طالوت کو قتل کر دیا — پس اللہ نے لاویوں (ورثۃ الانبیاء) کو نعمتِ نبوت سے محروم کر کے یہودا کو یہ منصب سونپ دیا۔ حضرتِ داؤدؑ سے حضرت عیسیٰ علیہما السلام تک انبیاء کرامؑ کا تعلق یہودا سے تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے "چھوٹوں" کے لئے حقوق کی تحریک چلائی تو انہیں بھی قابلِ دار گردانا گیا — ولٰکن شُبِّهَ لَهُمْ — غلط فہمی میں مبتلا تھے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ نے اٹھا لیا لیکن یہودا ہی نہیں سب بنی اسرائیل من حیث القوم منصبِ نبوت سے محروم کر دیئے گئے اور بنو اسماعیل کو اس نعمت کے لئے چنا

ع ۸۱۹ حرفِ اقبال صفحہ ۶۶/۶۵ (خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم کانفرنس لاہور ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء)
ع ۸۲۰ سورۂ محمد: ۳۸

گیا — امتِ محمدیہ، آخری امت ہے، نبوت کا سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا ہے — اور دین کا کام امتِ محمدیہ پر من حیث القوم عائد کر دیا گیا — اب اگر یہ کام نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں کسی اور کے ہاتھوں تہس نہس کرا کے خود انہیں کو خادمِ دین بنانے پر قادر ہے یورشِ تاتار، ہماری تاریخ کی بڑی واضح مثال ہے۔ اللہ نے ان کو بغداد پر مسلط کیا پھر دین کی خدمت سونپ دی۔ اس لئے علامہ کا تاریخی شعور اس بے عمل مگر اسلام کا پرجوش نام لیوا قوم کو سنتِ اللہ کی یاد دلاتا ہے۔ واضح رہے یہ تاریخ کا دَوری تصور نہیں۔ عقیدۂ جزا و سزا پر مبنی تصور ہے جو اعمال کے مطابق سزا و جزا کی اٹل تقدیر کا مسئلہ ہے۔

پیرِ رومی بہ زندہ رود می گوید کہ شعرے بیار!

۷۵۳۔ پیرِ رومی آں سراپا جذب و درد — این سخن دانم کہ با جانش چہ کرد

از دروں آہے جگر دوزے کشید — اشکِ او رنگیں تر از خونِ شہید

آنکہ تیرش جز دلِ مرداں نہ سُفت — سوئے افغانی نگاہے کرد و گفت

دل بخوں مثلِ شفق باید زدن — دست در فتراکِ حق باید زدن

جاں ز امید است چوں جوئے رواں — ترکِ امید است مرگِ جاوداں

باز در من دید و گفت اے زندہ رود — یاد و بیتے آتش انگن در وجود

ناقۂ ما خستہ و محمل گراں — تلخ تر باید نوائے ساربان

۷۵۴۔ امتحانِ پاک مرداں از بلاست — تشنگاں را تشنہ تر کردن رواست

۷۵۵۔ درگذر مثلِ کلیم (۱۵۱) از رودِ نیل — سوئے آتش گام زن مثلِ خلیل (۱۵۲)

نغمۂ مردے کہ دارد بوئے دوست
ملتے را می برد تا کوئے دوست

حواشی و تعلیقات: امید: ناامیدی کا متضاد ہے جس کے معنی مایوسی ہیں۔ اللہ نے مایوس نہ ہونے کا حکم دیا ہے لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۸۲۱؎ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو — زندگی میں حرکت و حرارت امید سے ہے اور ناامیدی زندگی کی موت ہے۔ اگر قافلے والوں کی اونٹنی تھکی ہو اور محمل بھاری ہو تو ساربان کو "حدی" کو مزید تلخ کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے امتِ محمدیہ کی طرف سے اتنی مایوسی نہ چاہیئے۔ علامہ نے عرفی کے شعر سے فائدہ اٹھایا ہے یہ شعر انہوں نے "عرفی" کے تحتِ عنوان بانگِ درا میں بھی استعمال کیا ہے۔ مراد نوا کو مؤثر بنانا ہے۔

نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی ۸۲۲؎

۸۲۱؎ الزمر: ۵۳
۸۲۲؎ کلیاتِ اقبال اردو ص ۲۳۸ — قصائدِ عرفی ص ۹۸ مطبع نامی نولکشور کانپور

شعر نمبر ۷۵۴ : فرمانِ باری ہے " وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ " ۸۲۳ اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے — اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف ہم کو پھرنا ہے - یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درود اور رحمت ہیں - اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ہیں ———— " وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ " ۸۲۴ اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے تاکہ ہم ان لوگوں کو معلوم کرلیں جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور جو ثابت قدم رہنے والے ہیں اور تاکہ تمہاری حالتوں کی جانچ کرسکیں - گویا کہ مرد راہ روز بلا روز ضیافت ———— صورتِ حال یہ ہے تو پھر ایسے میں پیاسے کی پیاس بڑھانا ہی بہتر ہے ———— علامہ نے ابلیس کی زبانی بھی یہ نکتہ واضح کیا ہے اگرچہ علامہ کا " تصورِ ابلیس " بھی منفرد ہے لیکن شعر موقع کی مناسبت سے لکھ دینے میں کوئی قباحت نہیں جو کہ تشنگاں را تشنہ تر کردن روایست کے مفہوم کے مطابق ہے

جس کی نومیدی سے ہو سوزِ درونِ کائنات
اس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لا تقنطوا ۸۲۵

شعر نمبر ۷۵۵ :- جب یہ بات حتمی ہے کہ مومن اپنا مال اور جان جنت کے عوض اللہ پر بیچنے والے کا نام ہے ۸۲۶ تو پھر ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اہلِ ایمان ، مثلِ کلیمؑ ، قلزم میں اترنے والے اور مثلِ خلیلؑ آگ میں کود جانے والے بنیں

(۱۵۱) **کلیم :** کلیم اللہ ، حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے اس لئے کہ آپ براہِ راست (اگرچہ من وراءِ حجاب) اللہ سے ہم کلام ہوئے - آپؑ کو اللہ نے جن معجزات و آیاتِ نبوت سے نوازا ان میں ایک آپؑ کے عصا کا اژدہا بن جانا بھی تھا وہی عصا آپؑ نے قلزم پر مارا تو وہ پھٹ گیا اور پانی بڑے بڑے تودوں کی صورت کھڑا ہو گیا - آپؑ کا منصبِ نبوت بنی اسرائیل کو لے کر کفرزارِ مصر سے نکلنا تھا - جب آپؑ انہیں لے کر نکلے تو فرعون کے مشیروں نے اسے موسیٰؑ کا پیچھا کرنے کا مشورہ دیا ——— حضرتِ موسیٰؑ جب سمندر کے کنارے پہنچے تو پیچھے سے فرعون اور اس کے لشکر بھی پہنچ گئے ——— کہنے کو تو بڑا آسان ہے مگر کرنا معنی دارد ایسے میں حضرتِ موسیٰؑ کا سمندر میں اتر جانا حسنِ یقین فی اللہ و ایمان باللہ کی عظمتوں کو چھوتا ہے وہ ہر کسی کو کہاں نصیب ۸۲۷ دورِ ابتلا میں ایسے ہی ایمان و یقین کی ضرورت پر علامہ یہاں زور دے رہے ہیں -

دوسری طرف ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ ہیں جنہیں پے درپے آزمائشوں میں کامیاب ہونے کی بدولت

(۱۵۲) **خلیل اللہ** لقب ملا ، نارِ نمرود میں بے تامل کود پڑنا اور پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آنا آپؑ کی شانِ نبوت پر دلیل ہے ۸۲۸ علامہ تہذیبِ مغرب کو بھی آگ سے تعبیر کرتے ہیں جسے اپنی قوتِ ایمانی سے بصورتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام گلزار بنانا ، اہلِ اسلام سے ، خلیل جیسے ایمان و یقین

---

۸۲۳ البقرہ : ۱۵۵ تا ۱۵۷ ۸۲۴ محمد : ۳۱ ۸۲۵ کلیاتِ اقبال اردو ص ۱۳۶ [بالِ جبریل : جبریل و ابلیس]

۸۲۶ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ [ ]

۸۲۷ فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعَانِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ۝ ----- وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ۝ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ [الشعراء: ۶۱ تا ۶۶]

۸۲۸ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ ونز [الانبیاء ۶۸ تا ۷۰]

کا مطالبہ کرتا ہے یعنی وہ "مردانہ اقدام" ہے جو ایک "بوئے دوست" کی توقع کی جاسکتی ہے اور جو کوئے دوست کی طرف آدمی کو لے جا سکتا ہے ۔ مراد یہ کہ نجاتِ ذنوب راذرن (دوامی) کی راہ ایمان و یقین ہی سے مل سکتی ہے ۔

غزلِ زندہ رود

این گل و لالہ تو گوئی کہ مقیم اند ہمہ — راہ پیما صفتِ موجِ نسیم اند ہمہ
معنیٔ تازہ کہ جوئیم و نیابیم کجا ست — مسجد و مکتب و میخانہ عقیم اند ہمہ
حرفے از خویشتن آموز و دراں حرف بسوز — کہ دریں خانقہ ، بے سوز کلیم اند ہمہ
از صفا کوشیٔ این تکیہ نشیناں کم گوے — موئے ژولیدہ و ناشستہ گلیم اند ہمہ
۱۷۶۱ - چہ حرمہا کہ درونِ حرمے ساختہ اند — اہلِ توحید یک اندیش و دو نیم اند ہمہ

مشکل این نیست کہ بزم از سرِ ہنگامہ گذشت
مشکل این است کہ بے نقل و ندیم اند ہمہ

حواشی و تعلیقات : **گل و لالہ :** مجازاً ، ساز و سامانِ دنیا ۔ **راہ پیما :** موجِ نسیم کی رعایت سے ، مجازاً ، فانی ، **عقیم :** ع ق م : بانجھ ۔

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک — نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ ۸۲۹

اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق — نخرد بادہ کس از کارگہِ شیشہ گراں ۸۳۰

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا — کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ ۸۳۱

شعر نمبر ۱۷۶۱ - إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۸۳۲ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ۔ ان کا معاملہ بس اللہ کے حوالے ہے پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلائیں گے ۔

مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۸۳۳

(وہ مشرکین) وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور بہت سے گروہ ہو گئے ہر گروہ اپنے اس طریقہ پر نازاں ہے جو اُن کے پاس ہے ۔ **نقل :** شراب کے بعد کھائے جانے والی شے مثل کباب میوہ گزک

۸۲۹ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۳۳۵ {بالِ جبریل : ۲۳ ۔ ۸۳۱ ، ۸۲۹ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۳۳۸ {بالِ جبریل : ۲۳}
۸۳۰ کلیاتِ اقبال فارسی صفحہ ۲۱۲ {پیامِ مشرق} ۸۳۲ الانعام : ۱۵۹ ۸۳۳ الروم : ۳۲ ۔

باب چہارم فلک زُہرہ

ص ۳۰۶ تا ص ۳۳۰

تمہید

مجلس اقوام قدیم

نغمۂ بعَل

فرو رفتن بدریائے زہرہ و دیدن

ارواحِ فرعون وکِشنر را

نمودار شدن درویش سُوڈانی

فلک زہرہ (۱۵۳)

تمہید

۷۶۳۔ درمیانِ ما و نورِ آفتاب ‌ ‌ ‌ از فضائے تو بتو چندیں حجاب
پیشِ ما صد پردہ را آویختند ‌ ‌ ‌ جلوہ ہائے آتشیں را بیختند
تا ز گرمی دزی شود دل سوز تر ‌ ‌ ‌ سازگار آید بشاخ و برگ و بر
از تبِ او در عروقِ لالہ خوں ‌ ‌ ‌ آب جو از رقصِ او سیماب گوں
۷۶۷۔ ہم چناں از خاک خیزد جانِ پاک ‌ ‌ ‌ سوئے بے سوئی گریزد جانِ پاک
در رہِ او مرگ و حشر و مرگ و حشر ‌ ‌ ‌ جز تب و تابے ندارد ساز و برگ
۷۶۹۔ در فضائے صد سپہرِ نیلگوں ‌ ‌ ‌ غوطہ پیہم خوردہ باز آید بروں
خود حریمِ خویش و ابراہیم خویش ‌ ‌ ‌ چوں ذبیح اللہ (۱۵۴) در تسلیم خویش
پیشِ او نہ آسماں نہ چنبر است ‌ ‌ ‌ ضربتِ او از مقامِ حیدر است
ایں ستیزِ دمبدم پاکش کند ‌ ‌ ‌ محکم و سیار و چالاکش کند
۷۷۳۔ می کند پرواز در پہنائے نور ‌ ‌ ‌ مخلبش گیرندۂ جبریل و حور
۷۷۴۔ تا ز مازاغ البصر گیرد نصیب ‌ ‌ ‌ بر مقامِ عبدہٗ گردد رقیب

حواشی و تعلیقات:

(۱۵۳) **زہرہ:** ایک ستارے کا نام جسے سوک کہتے ہیں، بمعنی سفیدی، رنگ اور حسن، نام قبیلۂ قریش۔ نام ایک عورت کا جس پر ہاروت و ماروت فرشتے مائل ہوئے [۸۳۴] ستارہ ناہید جو کہ تیسرے آسمان پر ہے [۸۳۵] لطائف میں ہے کہ زہرہ کے دو گھر ہیں ایک ثور دوسرا میزان اور اس کا فلک سوم ہے [۸۳۶] صنمیات الیونانی کی قدیم ترین دیوی ہے۔ اس دیوی کے مختلف نام ہیں اور سب لیکن مشہور ترین یہ ہیں۔ استرلی الستار فرودیتی، زائیدۂ کفِ دریا، وینس، زہرہ — ناہید کلمہ کی فارسی اصل آن آہیتہ ہے جس کے معنی پلید و ناپاک کے ہیں [۸۳۷] شاید علامہ

۸۳۴۔ سراج اللغات، لغات کشوری ‌ الیضاً ص۲۱ ‌ ۸۳۵۔ نور اللغات ‌ الیضاً ج ۳ ص۳۲۲
۸۳۶۔ غیاث اللغات (فارسی) ‌ الیضاً ص۲۵۱ ‌ ۸۳۷۔ تلمیحاتِ اقبال سید عابد علی عابد ص۳۹۵ ـ الیضاً ـ

نے اسی خاطر اسے فرعون اور لارڈ کیچنر کے لئے منتخب کیا ہے ۔ کیمیا میں لفظ زہرہ سے تانبا مراد ہے ۔ زہرہ ، زہ سے مشتق ہے بمعنی چکنا، شگفتہ ہونا ، شمارات مرطوب کا اکٹھا ہونا اور مینہ کا برسانا قوتِ زہرہ کے سپرد ہے ۸۳۸ —— زہرہ کا آسمان تیسرا ہے —— اور اس کے رہنے والے تمام ، اوصاف میں متلون ہیں ۸۳۹ ——

شعر نمبر ۷۶۴ تا شعر نمبر ۷۶۹ : تو بتو : تہہ بہ تہہ **پیچتن :** لپیٹنا ، پیچد مضارع بمعنی پیچیدن مستعمل ہے ۔ [فرہنگِ عامرہ ، سراج اللغات ، غیاث اللغات وغیرہ]۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے ۸۴۰

جس طرح سورج کی راہ مرگ و حشر مسلسل ہے اسی طرح " ہماری تکوین کی صورت ہی یہ ہے کہ ہم وہ کچھ نہ رہیں جو ہیں ۔ زندگی کا راستہ گویا موت در موت سے گزرتا ہے مگر اس راستے کا تسلسل بے قاعدہ نہیں " ۸۴۱

(۱۵۲) ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام : اُم المؤمنین حضرت ہاجرہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کے جلیل القدر فرزند ۔ جنہیں بحکمِ ربانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام حجاز کے لق و دق صحرا میں چھوڑ آئے تھے تاکہ نمارد کی مشرکانہ تہذیب کے اثر سے باہر ایک معاشرے کی تشکیل ممکن ہو سکے —— لطف یہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام اور آپؑ کی والدہ سارہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کو بھی کنعان کی پہاڑیوں میں فراعنہ کے مشرکانہ تہذیبی اثرات سے بچانے کی خاطر آباد کیا ۔ علامہ نے بندۂ صحرائی اور مردِ کہستانی کا حوالہ ان دونوں کو بنایا جو فطرت کے مقاصد کے نگہبان ہوئے ۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی ۸۴۲

خواب میں اللہ تعالیٰ کا حکم پا کر حضرت اسماعیلؑ سے والد نے کہا میں نے ایسا خواب دیکھا ہے تیرا خیال کیا ہے ؟ تو جواب آیا یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۸۴۳ اباجی جو کچھ دیکھا ہے کر گزریئے انشاء اللہ آپ مجھے مستقل مزاجوں میں سے پائیں گے —— اللہ نے آپؑ کو ذبح ہونے سے بچا لیا ، اور اس عظیم قربانی کے صلے میں آپؑ ہی کے گھرانے کو تاج و تختِ ختمِ نبوت کا —— امین بھی بنا دیا —— " فطرت کے مقاصد " کے درج بالا حوالہ کے تحت کہا جا سکتا ہے ۔ کہ وہ جانِ پاک ، جو صورتِ خورشید جیتی ہے اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہونے کے باعث اس مقام کو پہنچتی ہے —— وہ نہ آسمان کو ضربِ حیدریؓ سے خیبر کے قلعہ کی طرح فتح کر جاتی ہے ۔ یہ دم بدم کی جنگ و جہاد اسے پاک ، محکم ، ستار (وجود سے بے نیاز) اور مستعد کرتی ہے ۔ ابراہیمؑ و ذبیحؑ خویش ہونا —— اپنے نفس پر تصرف ہے ۔

شعر نمبر ۷۷۳ : سورج کی شعاعوں کا جال زمین و آسمان کو گھیر لیتا ہے تو جانِ پاک کا چنگل —— جبریل و حور کو شکار کرتا ہے ۔ **مخلب :** شکاری پرندے ، باز و جرہ اور شیر کا پنجہ جمع مخالب

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ ۸۴۴

۸۳۸ ذخیرۃ الملوک ۔ سید علی ہمدانی ص ۲۱۸ ۔ الفاً اردو دائرہ معارف ج ۱۰ ص ۵۲۲ ۸۳۹ انسان کامل ، الجیلی ص ۲۷۸ ۔ الیفاً ——
۸۴۰ کلیاتِ اقبال اردو ص ۲۷۳ [بانگِ درا : طلوعِ اسلام] ۸۴۱ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۸۴ ۔ الیفاً ——
۸۴۲ کلیاتِ اقبال اردو ص ۶۲۰ [ضربِ کلیم : ۲۰] ۸۴۳ الصّٰفّٰت : ۱۰۲ ۸۴۴ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۳۳۶ [پیامِ مشرق غزل]

شعر نمبر ۸۰: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ۸۲۵ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی ــــ مراد کھلے عام انسان کے اس مقام تک پہنچنے سے ہے جہاں وہ "آفتابِ غیر محسوس" کو دیکھنے کے باوجود بھٹکا، بہکا نہیں ــــ اشارہ ہے واقعہ معراج کی طرف۔ "دیدارِ باری تعالیٰ ــــ امرِ محال یا نا ممکن نہیں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے ۸۲۶ فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ یعنی آخرت میں انسان کی نگاہ تیز اور قوی کر دی جائے گی اور پردے ہٹا دیئے جائیں گے ... صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تقریباً تصریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں وَاعْلَمُوا اَنَّكُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّكُمْ حَتّٰی تَمُوتُوا ۸۲۷ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید تو نہیں کہ وہ زندگی ہی میں [آیاتِ الکبریٰ دکھانے کے اعلان سے واضح ہے] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے درمیان حائل پردے ہٹا دے اور آپؐ کی نگاہ کو وہ قوت بخش دے کہ آپؐ دیدارِ باری کر سکیں ــــــــ

"آفتابِ محسوس" اور ہمارے درمیان پردوں کا ذکر کرنے کے بعد علامہ کا "مازاغ البصر" لانا واضح طور پر یہ ثابت کرتا ہے کہ علامہ انسان سے یہ توقع امید اور آرزو کرتے ہیں کہ وہ "مازاغ البصر" کی لذت سے نصیب پائے اور "مقامِ عبدہٗ" کی حفاظت و نگہبانی کرے ــــ "عبدہٗ" کی تشریح کے لیے فلکِ مشتری تعلیقہ نمبر ۱۹۸ نیز تحقیقات نمبر ۱۹۲ تا ۱۹۸ مع حاشیہ شعر نمبر ۱۱۳۳ [النبیؐ المنتظر صلی اللہ علیہ وسلم] ــــ

از مقامِ خود نمی دانم کجاست — این قدر دانم کہ از یاراں جداست
اندرونم جنگ بے خیل و سپہ — بہر آں کو ہم چو من دارد نگہ (۱۵۲)
بے خبر مرداں ز رزمِ کفر و دیں — جانِ من تنہا چو زین العابدین رضؓ
از مقام و راہ کس آگاہ نیست — جز نوائے من چراغِ راہ نیست
غرقِ دریا غلطد و برنا و پیر — جاں بساحل بردہ یک مردِ فقیر
بر کشیدم پردہ ہائے ایں وثاق — ترسم از وصل و بنالم از فراق
۸۱ـ وصل اگر پایانِ شوق است الحذر — اے خنک آہ و فغانِ بے اثر!
۸۲ـ راہ رو از جادہ گم گیرد سراغ — گر بجانش ساز گار آید فراغ
۸۳ـ آن دلے دارم کہ از ذوقِ نظر — ہر زماں خواہد جہانِ تازہ تر
رومی از احوالِ جانِ من خبر — گفت "می خواہی دگر عالم؟ بگیر!
عشق، شاطر ما بدستش مہرہ ایم — پیش بنگر در سوادِ زہرہ ایم
عالمے از آب و گل اورا قوام — چوں حرم اندر غلافِ مشک فام
بارگاہِ پردہ سوز و پردہ در — از درونِ میغ و ماغ او گذر!

ــــــــــ
۸۲۵ النجم : ۱۷ ۸۲۶ قٓ : ۲۲ ۸۲۷ معارف القرآن ج ۸ صفحہ ۲۰۵ بحوالہ فتح الباری ج ۸ صفحہ ۴۹۳ کراچی ۱۹۸۳ء

اندرو بینی خدایانِ کہن   می شناسم من ہمہ را تن بتن

(۱۵۶) بعل و مردوخ و یعوق و نسر و فسر
رم حن و لات و منات و عسر و غنسر
بر قیامِ خویش می آرد دلیل
از مزاجِ این زمانِ بے خلیل "

حواشی و تعلیقات :

(۱۵۵) **امام زین العابدین رضؓ :** [۶۵۶ء تا ۷۱۳ء] نام، علی، کنیت ابوالحسن، لقب علی اوسط، امام حسین ابن علی رضؓ کے فرزند اور ایران کے آخری فرمانروا یزدگرد کے نواسے تھے۔ واقعہ کربلا کے موقع پر علیل تھے اس لئے جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ بعد میں گرفتار ہو کر عورتوں کے ہمراہ یزید ابن معاویہ رضؓ کے سامنے پیش ہوئے۔ یزید نے رہا کر دیا [یزید کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۴۷] اہل بیت کی شہادت کے بعد ایسے شکستہ دل ہو چلے تھے کہ عبداللہ بن زبیر رضؓ اور یزید کی جنگ میں غیر جانبدار رہے، مختار ثقفی کی دعوت بھی قبول نہ کی — مدینہ میں گوشہ نشینی اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ آپ رضؓ عالم دین اور متعدد احادیث کے راوی ہیں۔ فقہی مسائل کے سات مشہور فقہائے مدینہ کے بعد آٹھواں نمبر آپ کا ہے ع۸۴۸

علامہ نے ہندوستان کے کارزار سیاست میں خود کو امام زین العابدین کی طرح تنہا کہا ہے۔ معرکۂ "دین و وطن" میں فی الواقعہ علامہ تنہا تھے۔ "اقبال کوئی محرم ملتا نہیں جہاں میں تنہا ہے گر جانِ من تنہا چو زین العابدین" تک — علامہ جس دردِ نہاں کو عام کرنا چاہتے تھے وہ ۱۹۴۰ء تک صرف چند ایک ہم دردوں تک محدود تھا البتہ قرارداد لاہور نے اسے ہمہ گیر کر دیا۔

شعر نمبر ۷۸۱ تا ۷۸۳ : علامہ نے بارہا اس نکتہ کو دہرایا ہے کہ وصل میں مرگِ آرزو، ہجر میں لذتِ طلب

مرا صاحبدلے این نکتہ آموخت   ز منزل جادۂ پیچیدہ خوشتر ع۸۴۹

من از ذوقِ سفر آنگونہ مستم   کہ منزل پیشِ من جز سنگِ رہ نیست ع۸۵۰

ز جوئے کہکشاں بگذر، زنیلِ آسماں بگذر   ز منزل دل بمیرد گرچہ باشد منزلِ ماہ ع۸۵۱

بلکہ   عالمِ سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق   وصل میں مرگِ آرزو، ہجر میں لذتِ طلب
گرمیِ آرزو فراق، شورشِ ہائے و ہو فراق
موج کی جستجو فراق، قطرے کی آبرو فراق ع۸۵۲

ع۸۴۸ شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا ص ۹۱، مرتبہ منصور ریاض، محمد ناصر، شعاع ادب، لاہور بار اول ۱۹۸۷ء
ع۸۴۹ کلیات فارسی اقبال ص ۲۱۹ [پیامِ مشرق] ع۸۵۰ الفاً ص ۲۱۵ ع۸۵۱ الفاً ص ۹۲، ۲ [زبورِ عجم]
ع۸۵۲ کلیات اقبال اردو ص ۴۱۶ [بالِ جبریل: ذوق و شوق]۔

علامہ اقبال کے تصورِ عشق کا یہ وہ پہلو ہے جو فلسفۂ عشق کے کسی بھی مکتب کے پاس نہیں ملتا خصوصاً مشرق کا صوفیانہ عشق جا ہے وہ فلاطینوسی فلسفہ سے ماخوذ ہو یا ویدانت اور بدھ مت سے ـــ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ

"صوفیہ کے ہاں خدا کے پاس واپس لوٹنے کے عام ظاہری اور شرعی معنی نہیں بلکہ ذاتِ الٰہی میں واصل اور یک رنگ و یک آہنگ ہونا ہے جو تمام جنتوں اور تمام اجروں سے افضل کیفیات اور ہر ہستی کی منزل مقصود ہے فزلِ ماکبریایست" ۸۵۳

لیکن علامہ کے تصورِ خودی میں "ہر خودی اپنی جگہ یکتا ہے، ہر خودی کا ایک تشخص اور ایک انفرادیت ہے کہ جب تک قائم ہے خودی قائم ہے ورنہ اس کا وجود ختم ہو جائے گا۔ نہ خودی کسی دوسری خودی میں مدغم ہو سکتی ہے نہ اس کا نمود کسی دوسری خودی کے نمود پر ہوگا" ۸۵۴

لہٰذا اُن کے تصورِ عشق میں "حلول" نام کی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ یہاں "مازاغ البصر" ہی مقام عبدہٗ کی تجلیاں کا نام ہے۔ ورنہ عبدہٗ کا تصور باقی نہیں رہتا۔ جب شہود و شاہد و مشہود ایک ہو گئے تو ہم شاہد ہے کس حساب میں؟۔ اس لئے ان کے نزدیک ہے وصل اگر با یاں شوق رہت الحذر، چنانچہ ان کا کہنا یہ ہے کہ جاہ "ترسم از وصل و بنالم از فراق"۔ **مینغ و ماغ**: کیرا، دھند، سیاہ (فرہنگ عامرہ)

(۱۵۶) **بعل**: بعل کے لغوی معنی آقا، خدا اور شوہر ہیں۔ یہ عبرانی لفظ سورج دیوتا کا لقب ہے۔ قرآن حکیم میں حضرت الیاسؑ کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں اَتَدْعُونَ بَعْلاً وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ۸۵۵ کیا تم لوگ ایسے بے خوف ہو گئے۔ کہ بعل بُت کو پوجتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے (اللہ) کو چھوڑتے ہو؟ ـــ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعل حضرت الیاسؑ کی قوم کا بت تھا۔ حضرت الیاسؑ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں اور شہر بعلبک شام کی طرف مبعوث ہوئے۔ شاید بعلبک بعل بت ہی کے حوالے سے نام رکھا گیا۔ یہ بت بیس گز لمبا تھا ۸۵۶ عربوں کا مشہور دیوتا ھُبَل جو قریش کا خدائے اعظم تھا اسی بعل کی تحریف ہے۔ عبرانی میں ھ کلمۂ تعریف ہے بعل کو وہ ھبعل کہتے تھے عمرو بن لحی شام کے دیوتاؤں کو جب عرب لے کر چلا تو مکہ پہنچتے پہنچتے ھبعل کی صورت ھُبَل سے بدل گئی۔ ایک غیر مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ (تمام عرب کے) بُت گزشتہ بزرگوں کے مجسمے تھے جن کو اہلِ عرب نے بعد میں پوجنا شروع کر دیا۔ لیکن زیادہ صحیح خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ مختلف ستاروں کی خیالی صورتیں تھیں ۸۵۷ ـــ یہودی اسی خدا کو یہودا کہتے تھے ۸۵۸ اور چونکہ تمام دیوتاؤں کی صفات اسی میں جمع کر دی گئی تھیں اس لئے علامہ نے بتانِ عرب کے نمائندہ و وکیل کے طور پر اسی کو چنا۔ **مرووخ**: اسی مذکورہ بعل کا نام ہے۔ ۸۵۹

---

۸۵۳ فکرِ اقبال ص ۳۵۵ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم بزم اقبال لاہور طبع ششم جون ۱۹۸۸ء
۸۵۴ اقبال سے حضور ص ۸۳ ـ الفاً ـ ۸۵۵
۸۵۶ مقدمۃ القرآن ص ۲۰ علامہ آغا رفیق بلند شہری ناشر ریڈیئر پیشوا اردو بازار جامع مسجد دہلی سنہ ۱۳۵۷ھ
۸۵۷ تاریخ ارض القرآن ص ۲۲۶ تا ص ۲۳۱ جلد دوم ـ سید سلیمان ندوی۔ معارف پریس دار المصنفین اعظم گڑھ طبع چہارم ۱۹۵۶
۸۵۸ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۲۲۶ بحوالہ قصص القرآن بلاغی ۸۵۹ ایضاً ص ۲۲۸

یعوق : قرآن حکیم میں ہے قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا ۸۶۰ نوحؑ نے کہا اے رب انہوں نے مری نافرمانی کی اور ایسے لوگوں کی اطاعت کی جن کے مال و اولاد نے انہیں نقصان ہی دیا۔ انہوں نے بہت بڑا داؤ چلا۔ بولے ہرگز نہ چھوڑو اپنے خداؤں کو ہرگز نہ چھوڑنا وُدّ کو سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو، اور بےشک انہوں نے بہتوں کو بہکایا۔ اس آیت کریمہ میں یعوق کا ذکر بھی ہے۔ جس کی شکل گھوڑے کی تھی عہد نبوت محمدیہ میں عرب پوجتے تھے یہ ہمدان اور بنو مُراد کا بت تھا ۸۶۱ اور یمن کے پایۂ تخت صنعاء میں صاحب اقتدار تھا ۸۶۲ یعوق: عوق سے (روکنا) مضارع کا صیغہ ہے۔ یمن والے صیغۂ مضارع کو بطور عَلَم استعمال کرتے تھے چنانچہ یعرب، یشجب، یکرب، یعفر، یحرش یرتھمن وغیرہ اصلی نام کے ساتھ صفت کے طور پر مستعمل ہوتے ہیں۔ اسی طرح یعوق، یعنی مصیبتوں کو روکنے والا ہے ۸۶۳ **نسر :** اس کے لغوی معانی گِدھ کے ہیں۔ اسی شکل کا ایک مجموعۂ کواکب آسمان میں ہے جس کو نسر کہتے ہیں۔ نسر دیوتا کی حیثیت سے سامی قوموں میں بہت مدت سے پوجا جاتا تھا اہل بابل کے دیوتاؤں میں ایک نسروک تھا جس کے مجسمے بابل میں ملے ہیں ۸۶۴ عہد رسالت محمدیہ میں ذوالکلاع (حمالی) اس کی پرستش کرتے تھے ۸۶۵ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں سرزمین سبا کا بت تھا۔ حمیری اور دوسرے لوگ بھی اسی بت کی پوجا کرتے تھے ۸۶۶ **فسر :** کا ذکر کہیں نہیں ملتا، سید عابد علی عابد کے مطابق شاید فرضی نام ہے، علامہ نے رعایت شعری کے تحت خود ہی گھڑ لیا ۸۶۷ **رمحن، غسر، فسر** تینوں فرضی نام ہیں ۸۶۸ **لات :** لات کا کلمہ اصلاً نبطی ہے اور یہ بت بھی بابل سے آیا ہے ۸۶۹ عرب کا یہ قدیم ترین بت تھا حضرت شعیبؑ کی قوم بھی اس کی پرستش کرتی تھی ستارہ زہرا کے مشابہ اس کی شکل تھی اور حجر اسود کی طرح اس کی عزت و عظمت تھی۔ طائف میں رکھا ہوا اور قبیلہ بنو ثقیف کا معبود تھا۔ حضورؐ کے حکم سے مغیرہ بن شعبہؓ نے اسے توڑا ۸۷۰ لات کا نام نبطی کتبات میں ایلات کی صورت میں ملا ہے ۸۷۱ **منات :** یہ کئی ایک ماخذ سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ کمزور ترین ماخذ منیٰ ہے جس کے معنی بہانے کے ہیں اسی سے مکہ کے مقام منیٰ کا نام ماخوذ ہے۔ سب سے صحیح یہ ہے کہ وہ منا سے مشتق ہے اس کے معنی تقدیر کے ہیں اور معنی ثانی موت کے ہیں۔ ہ علامت تانیث ہے گویا منات تقدیر اور موت کی دیبی (دیوی) تھی۔ نبطی کتبیات میں یہی منات، منوت کی صورت میں ہے قرآن مجید میں بھی املاء منوۃ ہے ۸۷۲ یہ بت بھی منیٰ میں نصب تھا اوس و خزرج اور بنو خزاعہ اس کی پرستش کرتے تھے ۸ھ میں حضرت سعیدؓ نے اسے توڑا ۸۷۳ **غسر :** Orisis مصریوں کا معبود اعظم

(مطالعہ تلمیحات و اشارات اقبال ص ۲۷۲)

---

۸۶۰ نوح: ۲۱ تا ۲۷ ۸۶۱ مقدمۃ القرآن الیضاً ص ۱۰۲ ۸۶۲ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۵۱۵

۸۶۳ تاریخ ارض القرآن جلد دوم ص ۲۲۹ الیضاً ۸۶۴ الیضاً ص ۲۲۹ ۸۶۵ مقدمۃ القرآن ص ۱۰۲

۸۶۶ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۵۱۰ الیضاً - ۸۶۷ تلمیح اقبال الیضاً ص ۲۹۱

۸۶۸ الیضاً ص ۲۸۹، ۲۶۹، ص ۲۹۱ ۸۶۹ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۳۳۹ ۸۷۰ مقدمۃ القرآن ص ۱۰۲

۸۷۱ تاریخ ارض القرآن جلد دوم الیضاً ص ۲۲۷ ۸۷۲ الیضاً ۲۲۸/۲۲۳ ۸۷۳ مقدمۃ القرآن ص ۱۰۳

یہ بُت، جو کبھی "الٰہ" تھے مٹی اور پتھر کے پُتلے رہ گئے — اس لئے کہ اللہ اکبر کی اذانوں نے زبانی کلامی نہیں عملاً بندوں پر بندوں کی حکمرانی کو ملیامیٹ کر دیا تھا اپنی ربوبیت عُلیا کا ڈنکا بجانے والے "عزمِ خلیلی" کو شکست نہ دے سکے اور دفن ہو گئے۔ مگر دورِ اقبال عجیب نمارده و فراعنہ کا دور تھا، نہ صرف سارے جعلی الٰہ زندہ ہو رہے تھے بلکہ بدقسمتی یہ بھی تھی کہ زمانہ بےخلیل تھا ——

مجلسِ خدایانِ اقوامِ قدیم

آن هوائے تند و آن شبگون سحاب — برق اندر ظلمتش گم کرده تاب
قلزمے اندر هوا آویخته — چاک دامان و گهر کم ریخته
ساحلش ناپید و موجش گرم خیز — گرم خیز و با هوا ها کم ستیز
رومی و من اندر آن دریائے قیر — چون خیال اندر شبستانِ ضمیر
او سفرها دیده و من نوسفر — در دو چشمِ ناصبور آمد نظر
هر زمان گفتم نگاهم نارساست — آن دگر عالم نمی بینم کجاست
تا نشانِ کوهسار آمد پدید — جوئبار و مرغزار آمد پدید
کوه و صحرا صد بهار اندر کنار — مشکبار آمد نسیم از کوهسار
نغمه هائے طائرانِ هم نفس — چشمه زار و سبزه هائے نیم رس
تن ز فیضِ آن هوا پاینده تر — جانِ پاک اندر بدن بیننده تر
از سرِ کوه پارهٔ کردم نظر — خرم آن کوه و کمر آن دشت و در
وادیٔ خوش بے نشیب و بے فراز — (۱۵۷) آبِ خضر ارزد بخاکِ او نیاز
اندرین وادی خدایانِ کهن — آن خدائے مصر و این ربِ الیمن
آن ز اربابِ عرب این از عراق — (۱۵۸) این الٰهُ الوصل و آن ربُ الفراق
این ز نسلِ مهر و دامادِ قمر — (۱۵۹) آن به زوجِ مشتری دارد نظر
آن یکے در دستِ او تیغِ دو رو — (۱۶۰) وان دگر پیچیده مارے در گلو
هر یکے ترسنده از "ذکرِ جمیل" — هر یکے لرزنده از ضربِ خلیل
گفت مردوخ "آدم از یزدان گریخت — از کلیسا و حرم نالان گریخت
تا بیفزاید بادراک و نظر — سوئے عهدِ رفته باز آید نگر!

می برد لذت ز آثارِ کہن — از تجلی ہائے ما وارد سخن
روزگار افسانۂ دیگر گشاد — می وزد زاں خاکداں بادِ مراد
لعل از فرطِ طرب خوش می سرود — بر خدا ابواب رازہائے ما کشود

حواشی و تعلیقات :

(۱۵۷) **آبِ خضر : آبِ حیواں** [فرہنگِ عامرہ] — فارسی تلمیحات کے ذخیرے میں جو تلمیحات موجود ہیں ان میں یہ تلمیح بہت پہلودار اور معنی خیز ہے - روایت یہ ہے کہ ظلمات میں [یہ بھی ایک دنیائے پُراسرار ہے جو معلوم نہیں کہاں واقع ہے] ایک چشمہ بہتا ہے جسے چشمۂ حیواں یا چشمۂ آبِ حیات کہتے ہیں، اس کے متعلق مشہور ہے کہ جو شخص اس چشمہ کا پانی پی لے وہ زندۂ جاوید یا امر ہوجاتا ہے - تلمیحی روایات کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام دریاؤں اور چشموں کے نگراں ہیں اور عالمِ ظلمات پر بھی انہیں کی عملداری ہے وہ بھی اسی لئے عمرِ جاوداں رکھتے ہیں کہ آبِ حیات پی چکے ہیں — مشہور ہے کہ سکندر نے آبِ حیواں پینے کی خواہش ظاہر کی تھی اور خضر اسے عالمِ ظلمات میں لے بھی گئے تھے لیکن عین وقت پر چشمہ نظروں سے غائب ہوگیا — [بعض دوسری روایات میں سکندر نے چشمہ میں ایک ایسے پرندے کا عکس دیکھ لیا تھا جو درخت کی شاخ پر بیٹھا تھا جس کی عمر گزرنے سے سب جھڑ چکے تھے محض ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ سکندر نے خضر سے پوچھا یہ آبِ حیات کیوں نہیں پیتا۔ حضرت نے بتایا اس نے آبِ حیات ہی تو پیا ہے تبھی تو یہ عالم ہے - سکندر نے کہا باپ رے باپ میں تو یہ پانی پینے سے رہا]— اور تشنہ کام لوٹا —— اس سلسلہ میں فارسی اور اردو شعراء نے بہت انیس اور نادر مضامین پیدا کئے ہیں ع۸۲۴

خدائے مصر : خدیوِ مصر : مصر کے بادشاہوں کا لقب [فرہنگِ عامرہ] — مخفف خداوند کہ امالہ خدا وند است یا امالہ خدای، الف بقاعدہ امالہ یای شد، اجتماعِ دو یا ثقیل است لازم آمد یائے دوم را بہ واؤ بدل کردند خدیو شد [غیاث اللغات فارسی] —

رب الیمن : یمن کے بادشاہ، رب بمعنی پرورش کنندہ، مثلاً رب النوع، مختلف انواع، نباتات، حیوانات، جمادات کی پرورش کے لئے مقرر کردہ الگ الگ فرشتے [غیاث اللغات] مصر کے فراعنہ نے "انا ربکم الاعلیٰ" کا اعلان کر کے رب الارباب ہونے کا دعویٰ کیا ——

(۱۵۸) **الٰہ الوصل** : ہوسکتا ہے کہ عشق و محبت کے دیوتا کیوپڈ یا کامدیو کی طرف اشارہ ہو لیکن تحقیق سے نہیں کہا جاسکتا ع۸۲۵ **رب النواق** : گمان ہوتا ہے کہ یہ اس بت کی طرف اشارہ ہو جس کو صدر الدین [بلاغی، صاحب قصص القرآن] ذات الوداع کا نام دیتے ہیں کلمہ کے معانی ہیں جدائی والی/والا - لیکن یہ خیال ہے ع۸۲۶

(۱۵۹) **نسلِ مہر و واماد قمر** : ویدک آریہ کے سورج ونشی اور چندر ونشی [سورج بنسی، چندر بنسی] کے تصورات پر مبنی خاندان و قبائل کی طرف اشارہ ہے - ہندوستان کے راجپوت اپنا تعلق ان خاندان و قبائل سے جوڑتے تھے بعض ہندو مؤرخ ان کے اس دعوے کو اس بنا پر تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے خط و خال اور چہرہ مہرہ پرانے زمانے کے آریوں سے ملتا جلتا ہے ع۸۲۷ مغربی صنمیات میں اپالو سورج دیوتا ہے اس کی اولاد نسلِ مہر

ع۸۲۴ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص۵۸۱ — ایضاً — ع۸۲۵ ایضاً ص۳۹ ع۸۲۶ ایضاً ص۶۵
ع۸۲۷ بینو گولڈن تاریخ پاکستان و ہند ص — کتابستان پبلشنگ کمپنی لاہور سنہ ندارد

ہرا - یونانی صنمیات میں دیوی دیوتا انسانوں سے بھی شادیاں رچاتے ہیں - ہندو صنمیات میں بھی سورج دیوتا کی اولاد حکومت کرتی ہوئی دکھائی گئی ہے - جیسے سورج بنسی خاندان [۸۲۸] ایسے ہی چندر بنسی ہیں ـــــ

زوجِ مشتری : مشتری کو بابلی بعل کہتے تھے - یونانی زیوس اور رومی ژوپیٹر یا جوپیٹر یہ گویا رب الارباب ہے - دیوتاؤں کا دیوتا ہے سیلکٹ میں [Twelve Olympians میں]۔ زیوس یا مشتری کی تین صفات کا ذکر کیا ہے۔ (۱) کہ وہ قادرِ مطلق ہے (۲) کہ وہ خالق ہے (۳) کہ ابدی اور ازلی ہے، یہ تین کا عدد بڑا پراسرار ہے ۔

مشتری کی بیوی کا نام ہیرا ہے - روایات کہتی ہیں کہ یہ اس کی بہن بھی تھی [۸۲۹] زوج - جوڑا - شوہر - زوجہ - بیوی ـــ ہمتا) برابری کے معانی ہونے چاہئیں

(۱۶۰) **دروستِ تیغ :** اشارہ ہے ہندو تریموری کے تیسرے خدا کی طرف جو ہر وقت فنا کرتا رہتا ہے

مارے درگاو : جیسے کہ مہادیوجی [۸۸۰] **ذکرِ جمیل :** بھلائی کا بیان - تذکرہ جو نیکی کے ساتھ کیا جائے (لغات ج ۳) ذکر : وحی و تنزیل کے لئے آیا ہے ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ [۸۸۱] ایسے ہی ہم تم پر پڑھتے ہیں آیتیں اور حکمت کی باتیں - **ضربِ خلیلؑ** تلمیح ہے - حضرت ابراہیمؑ کے بتوں کے توڑنے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے - فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ [۸۸۲] اور پھر ان پر پوری قوت سے پل پڑے اور مارنے لگے ـــ اسی بت شکنی کی سزا نارِ نمرود میں پھینک کر دی گئی۔

می بُرد لذت ز آثارِ کہن : عہدِ ماضی کے آثار اور نشانیاں اگر عبرت انگیز ہوں تو ان کی تلاش و دریافت مفید ہے - لیکن جو انسان مغرب میں کلیسا سے متنفر اور مشرق میں حرم سے نفور ہو کر اللہ سے بیزار ہو چکا اس کا عہدِ ماضی کے خداؤں سے یہ شغف، ابلیس کے لئے مسرت کا باعث ہو سکتا ہے - لہٰذا بعل یا مردوخ کا خوشی سے نغمہ سرا ہونا بے محل نہیں ۔

(۱۶۱) نغمۂ بعل

۸۱۳ - آدم این نیلی تتق را بر درید   آں سوئے گردوں خدائے را ندید
۸۱۴ - در دلِ آدم بجز افکار چیست؟   ہمچو موج این سر کشید و آں رمید
۸۱۵ - جانش از محسوس می گیرد قرار   بو کہ عہدِ رفتہ باز آید پدید
زندہ باد افرنگیِ مشرق شناس   آنکہ ما را از لحد بیروں کشید
اے خدایانِ کہن وقت است وقت

---

[۸۲۸] تلمیحاتِ اقبال صفحہ ۵۱۰ سید عابد علی عابد - الفنا - [۸۲۹] ایضاً صفحہ ۲۶۹/۲۲۰
[۸۸۰] شرح جاوید نامہ چشتی صفحہ ۱۹۵ [۸۸۱] آلِ عمران : ۵۸ [۸۸۲] الصّٰفّٰت : ۹۳

در نگر آن حلقۂ وحدت شکست — آل ابراہیم بے ذوقِ الست
۸۱۸- صحبتش پاشیدہ جامش ریز ریز — آن کہ بود از بادۂ جبریل مست
مردِ حر افتاد در بندِ جہات — با وطن پیوست و از یزداں گسست
خون او سرد از شکوہ دیریاں — لاجرم پیرِ حرم زنار بست
اے خدایانِ کہن وقت است وقت!

۸۲۱- در جہاں باز آمد ایامِ طرب — دیں ہزیمت خوردہ از ملک و نسب
از چراغ مصطفیٰ اندیشہ چیست — زاں کہ او را پف زند صد بولہب
گرچہ می آید صدائے لا الٰہ — آنچہ از دل رفت کے ماند بہ لب
اہرمن را زندہ کرد افسونِ غرب — روزِ یزداں زرد رو از بیمِ شب
اے خدایانِ کہن وقت است وقت!

۸۲۵- بندہ را از گردش باید گشود — بندۂ ما بندۂ آزاد بود
تا صلوٰۃ او را گراں آید ہمے — رکعتے خواہیم و آن ہم بے سجود
جذبہ ہا از نغمہ می گردد بلند — پس چہ لذت در نمازِ بے سرود
از خداوندے کہ غیب او را سزد — خوشتر آں دیوے کہ آید در شہود
اے خدایانِ کہن وقت است وقت!

حواشی و تعلیقات:

(۱۶۱) بعل: ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۵۶ -

تتق: سراپردہ، چادر، نیلی تتق: آسمان۔ نیلی چھت۔ سراپردۂ افلاک [- فرہنگ عامرہ، سراج اللغات]

زمانۂ حاضر کا انسان

عشق ناپید و خرد می گزدش صورتِ مار — عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا ۸۸۳

خاکدانے با فروغ و بے فراغ — چہرۂ او از غلامی داغ داغ
آدمِ او صورتِ ماہی بہ شست — آدمے یزداں کشے، آدم پرستے ۸۸۴

"روحانی اعتبار سے دنیا کی حالت کبھی ایسی پست نہیں تھی جیسی اب ہے۔ تاریخ سے اتنا تو ضرور پتا چلتا ہے کہ بعض قوموں اور ملکوں پر اخلاقی موت طاری رہی لیکن بحیثیت مجموعی آج کا انسان کہیں زیادہ گر گیا ہے۔" ۸۸۵

---

۸۸۳ کلیات اقبال اردو ص ۵۳۱ [ضرب کلیم]
۸۸۴ کلیات اقبال فارسی ص ۵۷ (مثنوی بندگی نامہ)
۸۸۵ اقبال کے حضور ص ۱۳۰ - ایضاً

فطرت کا یہ شہکار جب خدا بینی سے محروم ہوا — بعل کے لئے دوزخ ہوا۔

افرنگی: ضرورتِ شعری کے تحت الف بڑھایا گیا ہے۔ اس کلمے کے لغوی معنی ہیں فرانسیسی لیکن رفتہ رفتہ تمام مغربی اقوام کو فرنگی کا لقب دے دیا گیا۔ ہماری زبان میں غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے ہم لوگ مغرب کے لوگوں میں سے فرانس کے باشندوں ہی سے آشنا ہوئے تھے [یہ جنگ ہائے صلیبی کی طرف اشارہ ہے] [ہندوستان میں بھی سب سے پہلے فرانسیسی تجارتی کمپنیاں آئیں — ناقل]۔ اقوام کا جو ہجوم مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بڑھا چلا آتا تھا اس میں اہلِ فرانس قابلِ توجہ، قابلِ التفات اور قابلِ قدر تھے ان حالات میں یورپ سے آنے والے سب کے سب ---- اسی نام سے مشہور ہو گئے ۸۸۶

شعر نمبر ۸۱۴: کہ عقلِ عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے ۸۸۷

"فلسفہ عبارت ہے حقائق کے عقلی ادراک سے لہٰذا وہ کسی ایسے تصور سے آگے نہیں بڑھتا جو ہمارے محسوسات و مدرکات کی گوناگوں دنیا کو ایک نظام میں مدغم کر دے وہ گویا دور ہی سے حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے" ۸۸۸ ایسے ہی سائنس کی نظر محسوس کے مشاہدے میں اٹکی ہوئی ہے — یعنی دونوں "عقلِ محض" کے اسیر ہیں۔ اور "جس حق و صداقت کا انکشاف عقلِ محض کی وساطت سے ہو اُس سے ایمان و یقین میں وہ حرارت پیدا نہیں ہوتی جو وحی و تنزیل کی بدولت ہوتی ہے" ۸۸۹

افرنگی نے مشرق شناسی کا ثبوت دیا ہے اسے "محسوس" کا گرویدہ کر کے عہدِ رفتہ [جب "ایمان بالغیب" سے آدم کی اولاد نا واقف تھی] کے از سرِ نو احیاء کی راہ کھول دی ہے۔

بود کہ: شاید، مگر [ڈھنگ عامرہ] بایدکہ کا مخفف ہے۔ **آلِ ابراہیم:** اسماعیل و اسحٰق علیہما السلام کی اولاد، بحوالہ عہدِ الست، یہود و نصاریٰ عموماً اور ملتِ اسلامیہ محمدیہ خصوصاً۔ **ذوقِ الست:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۹ — لادینی نے قالوا بلیٰ کی جبلّی قوت کو کمزور کر دیا ہے۔ **عہدِ رفتہ باز آید پدید:** جب "محسوس" کی پرستش ہوتی تھی اجرامِ فلکی سے لے کر بادشاہوں اور پاپاؤں تک — سب محسوس ہی تو تھے — اور یہی وہ بنیاد پرستی ہے جس سے آج مغرب لرز رہا ہے۔ مسلمانوں کی "توحید" اور "ایمان بالغیب" کو وہ بنیاد پرستی کہہ ہی نہیں سکتے۔ کہ اس بنیاد نے تو انہیں بھی انسان بنایا ہے۔ ہاں "نائبینِ حق کے الٰہی اختیار" کے محسوس حاکمیتِ الٰہی کے علمبردار، قربانیاں دینے والے اس عذاب کو پھر گلے لگانے کو تیار نہ ہو سکیں گے۔ وہ محسوس کے اسیر ہو کر ذوقِ الست سے محروم ہو گئے یہ مذہب کے غالی عشق میں "نائبینِ حق" کو پھر تخت نشین کرنے کے در پے ہیں مشرق شناس فرنگی نے کیسی چال چلی — شاباش — اب وقت ہے۔

شعر نمبر ۸۱۸ تا آخر۔ پاشیدن بکھیرنا۔ **بادۂ جبریل:** وحی و تنزیل۔ **مردِ حُر:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۱۰

با وطن پیوست و از یزداں گذشت: مغربیوں نے کلیسا کی جگہ وطنیت کو دے دی یہ کوئی بڑی تبدیلی نہ تھی۔ خدا کو پہلے اہلِ کلیسا کے خود ساختہ نائبینِ حق نے بے اختیار کر رکھا تھا۔ اب بے جان وطن اس کی جگہ آ گیا — اور اختیار کلیسا کے بجائے عوام [عوامی نمائندوں] کو مل گیا — وطنیت نے حقیقی نقصان اہلِ توحید کو پہنچایا۔ اہلِ حرم کا خدا حی و قیوم بھی تھا اور قادر و قدیر بھی، انہوں نے وطنیت کا دم بھر کر زناری اختیار کی اور یزداں سے دور ہو گئے — کہ در حرم زاد و کلیسا را مرید۔ یہی تو خدا یان کہن کی خدائی

---

۸۸۶ تلمیحات اقبال عابد ص ۳۲۷ ۔ ۸۸۷ الیضاً ۔ کلیات اقبال اردو ص ۳۵۱ [بالِ جبریل : ۳۸]
۸۸۸ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (سید نذیر) ص ۹۲/۹۳ ۔ الیضاً ۸۸۹ الیضاً ص ۲۷۶

کو احیاء دینا تھا۔

شعر نمبر ۸۲۱ الخ : حال یہ ہے تو پھر دینِ مصطفیٰ کی طرف سے بے فکر ہوجانا ہی چاہیئے ظلمت پھیلانے کے لئے زبانی کلامی کلمہ توحید کہنے والے سینکڑوں بولہب، چراغِ مصطفوی کو پھونکیں مار رہے ہیں۔ یہ احیائے ابولہبی کا دور، دورِ مسرت ہے اے خدایانِ کہن اب پھر وقت آگیا۔ ملک ونسب کی پرستش اس زبانی کلامی وردِ لا الٰہ الا اللہ کو بھی چھین لے گی۔

شعر نمبر ۸۲۵ الخ : یہ بند، ہندومت اور نصرانیت کے طریقِ عبادت کو علامتی زبان میں "مسجد" کے مقابلے میں عام کرنے یا عام ہونے کے اندیشہ کو ظاہر کرتا ہے ۔ بے سجدہ رکعت، نمازِ بے سرود کے مقابلے میں نغمہ سرائی ۔ اور ہستیٔ غائب کے بجائے سامنے نظر آنے والے دیوتا (مشہود الٰہی) کلمہ گو مگر بے عمل اور لادین اسلام پرستوں کا مستقبل گویا ۔۔۔ یہی وقت ہے کہ ایسا ہوجائے۔

کہن ہنگامہ ہائے آرزو سرد — کہ ہے مردِ مسلماں کا لہو سرد
بتوں کو میری لادینی مبارک — کہ ہے آج آتشِ اللہ ہو سرد ۸۹۰

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی ست
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست ۸۹۱

فرو رفتن بدریائے زُہرہ (۱۶۲) و دیدن ارواحِ فرعون (۱۶۳) و کشنر را

۸۲۹ پیرِ رومؒ آں صاحبِ ذکرِ جمیل — ضربِ اُو را سطوتِ ضربِ خلیل
ایں غزل در عالمِ مستی سرود — ہر خدائے کہنہ آمد در سجود

غزل

باز بر رفتہ و آئندہ نظر باید کرد — ہلہ برخیز کہ اندیشہ دگر باید کرد

---

۸۹۰ کلیات اقبال اردو ص ۶۷۳ [ارمغانِ حجاز] ۸۹۱ ایضاً ص ۶۹۱ (ایضاً)

۸۳۴- عشق بر ناقهٔ ایام کشد محمل خویش　　عاشقی؟ راحله از شام و سحر باید کرد
پیر ما گفت جهان بر روشی محکم نیست　　از خوش و ناخوش او قطع نظر باید کرد
۸۳۴ - تو اگر ترک جهان کرده سر او داری　　پس نخستین ز سر خویش گذر باید کرد

گفتمش در دل من لات و منات است بسی
گفت این بت کده را زیر و زبر باید کرد

باز با من گفت برخیز ای پسر!　　جز بدامانم میاویز ای پسر!
آن کهستان آن جبال بے کلیم[۲]　　آنکه از برف است چون انبار سیم
در پس او قلزم الماس گون　　آشکارا هر درونش از برون
نے بموج و نے بہ سیل او را خلل　　در مزاج او سکون لم یزل
این مقام سرکشان زورمست　　منکران غائب و حاضر پرست
آن یکی از شرق و آن دیگر ز غرب　　هر دو با مردان حق در حرب و ضرب
آن یکی برگردنش چوب کلیم[۲]　　وان دگر از چوب درویشی دونیم
هر دو فرعون این صغیر و آن کبیر　　هر دو در آغوش دریا تشنه میر
۸۴۴- هر کسی با تلخی مرگ آشناست　　مرگ جباران ز آیات خداست
در پی من پا بنه از کس مترس　　دست در دستم بده از کس مترس

سینهٔ دریا چو موسی[۱] بر درم
من ترا اندر ضمیر او برم

بحر بر ما سینهٔ خود را گشود[۴]　　یا هوا بود و چو آب وانمود
قعر او یک وادی بی رنگ و بو　　وادیی تاریکی او تو به تو
۸۴۸- پیر رومی سورهٔ طٰهٰ[۱] سرود　　زیر دریا ماهتاب آمد فرود
کوه‌های شسته و عریان و سرد　　اندر آن سرگشته و حیران دو مرد[۲]
سوی رومی یک نظر نگریستند　　باز سوی یکدگر نگریستند
گفت فرعون این سحر این جوی نور　　از کجا این صبح و این نور و ظهور

رومی رح

هرچه پنهان است ازو پیدا ستی
اصل این نور از ید بیضا ستی

فرعون

آه نقد عقل و دین در باختم — دیدم و این نور را نشناختم
ای جهانداران سوی من بنگرید — ای زیانکاران سوی من بنگرید
وای قومی از هوس گردیده کور — می برد لعل و گهر از خاک گور
پیکری کو در عجائب خانه ایست — بر لب خاموش او افسانه ایست
از ملوکیت خبرها می دهد — کور چشمان را نظرها می دهد
۸۵۸ - چیست تقدیر ملوکیت؟ شقاق — محکمی جستن ز تدبیر نفاق
۸۵۹ - از بد آموزی زبون تقدیر ملک — باطل و آشفته تر تدبیر ملک
باز اگر بینم کلیم الله را
خواهم از وی یک دل آگاه را

حواشی و تعلیقات:

(۱۶۲) **فرعون:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۴۱ -

(۱۶۳) **کشنر: لارڈ کچنر:** برطانوی جنرل جو اپنے زمانے میں جنگی چالوں کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۸۵ء میں جنرل گارڈن کی امداد کے لیے سوڈان بھیجا گیا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی مجاہدین نے خرطوم فتح کر لیا تھا۔ وہ مصر چلا گیا جہاں مصری افواج کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ مصریوں کو زیر کرنے کے صلہ میں میجر جنرل کا عہدہ ملا۔ ۱۸۹۸ء میں اس نے خرطوم کو فتح کر لیا اور لارڈ کا خطاب پایا اور بیس ہزار پونڈ نقد انعام بھی ملا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف سول لاز D.C.L کی اعزازی ڈگری دی۔

۱۹۰۰ء میں جنوبی افریقہ کو برطانوی سلطنت میں شامل کرنے میں کامیاب ہوا۔ پارلیمان نے پچاس ہزار پونڈ انعام اور وائی کاؤنٹ کا رتبہ عطا کیا۔ ۱۹۰۲ء میں اسے جنرل کا منصب دے کر ہندوستانی افواج کا کمانڈر انچیف بنایا گیا ـــــ یہاں اس نے لارڈ کرزن سے یہ تنازعہ کھڑا کر دیا کہ گورنر جنرل کی انتظامیہ کونسل میں فوجی ممبر کون ہو؟ لارڈ کچنر اس بات کے حق میں تھا کہ کمانڈر انچیف ہی ممبر ہونا چاہیے۔ وائسرائے کسی سول محکمے کے آدمی کو رکھنا چاہتا تھا۔ سیکرٹری آف سٹیٹ نے فیصلہ لارڈ کچنر کے حق میں دے دیا اس پر لارڈ کرزن نے (۱۹۰۵ء میں) استعفیٰ دے دیا ۸۹۲ سید عابد علی عابد نے تلمیحات اقبال میں یہ کہانی کسی اور طرح بیان کی ہے۔ ۸۹۳ یہ کہ

---

۸۹۲ نیو کورٹن تاریخ پاکستان و ہند صہ ۳۱۵ ۔ ایضاً ۔

نظم و نسق سلطنت میں آیا کمانڈر ان چیف نائب السلطان یعنی وائسرائے کا محکوم ہے؟ برطانوی حکومت نے کرزن کے حق میں اور کچنر کے خلاف فیصلہ سنا دیا ۸۹۳ ۔ یہی بیان سید مظفر حسین برنی نے کلیات مکاتیب اقبال جلد اول ص ۱۰۲۷ پر تلمیحات اقبال سے نقل کر دی ہے اور ساتھ میں یہ اضافہ بھی کر دیا ہے کہ اس پر" اس (کچنر) نے ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر لی ۸۹۴ "

یہ غلط ہے اس لئے کہ کچنر ۱۹۰۹ء تک ہندوستانی افواج کا کمانڈر انچیف رہا ہے اور سید عابد علی عابد خود بھی یہ تسلیم کرتے ہیں ۸۹۵ اور لارڈ کرزن ۱۹۰۵ء میں ہندوستان سے جا چکے تھے ان کی جگہ لارڈ منٹو دوم نے لی جو ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۰ء تک رہا ۸۹۶

بہر حال علامہ کو اس کی زندگی کا وہ واقعہ ستا رہا تھا جو اس نے خرطوم میں مہدی سوڈانی محمد بن احمد عبداللہ کے جانشین عبداللہ کو شکست دینے کے بعد تاریخ کے سینے میں ثبت کیا۔ اور وہ یہ کہ اس نے مہدی سوڈانی کی تربت کھدوا کر اس کی ہڈیاں سمندر میں بہا دیں۔ خدا کا انتقام بھی عجیب اور شدید ہوتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم چھڑی تو وہ وزیر جنگ مقرر ہوا انگریزوں نے اس سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں لیکن آغاز جنگ ہی میں (۱۹۱۶ء) وہ زار روس سے ملاقات کے لئے جس جہاز میں روانہ ہوا، اسے جرمنوں نے غرق کر دیا اور لارڈ کچنر سمندر کی لہروں کا رزق ہو گیا ۸۹۷ علامہ نے اسی واقعہ کو موضوع بنایا ہے۔

ضرب خلیل: ایک دن جب مصری ایک ثقافتی میلے پر تھے حضرت ابراہیمؑ موقع پا کر معبد میں گھس گئے فَرَاغَ اِلٰی اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ ۸۹۸ تب وہ ان کے معبود بتوں تک پہنچ گئے، کہنے لگے کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ پھر ان پر پوری قوت سے جھپٹ پڑے اور مارنے لگے۔

غزل: باز بر رفتہ و آئندہ الخ — زبور عجم حصہ دوم کی ۲۱ ویں غزل ہے۔ جسے اقبال نے بزبان رومی یہاں دہرایا ہے۔

شعر نمبر ۸۳۴ - محبوب سے لئے ترک دنیا؟ نہیں سر کی بازی لگانے کی ضرورت ہے۔ یعنی

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری ۸۹۹

" زمانہ حال میں عجمیت (وجودی تصوف اور ترک دنیا ہر استوار زندگی) سے اجتناب لازم ہے اس وقت مسلمان کا فرض ہے کہ جو قوت خدا تعالٰی نے اسے عطا کی ہے اسے گوشہ نشینی میں ضائع کرنے کی بجائے اسلام کی خدمت اور اقوام و ملل اسلامیہ کے احیاء و بیداری میں صرف کرے " ۹۰۰

سکون لم یزل: لازوال سکون، مستقل ٹھہراؤ - **دو مردان حق:** حضرت موسٰی علیہ السلام اور محمد احمد مہدی سوڈانی مہدی سوڈانی کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

---

۸۹۳ تلمیحات اقبال ص ۲۹۹ سید عابد علی عابد الیضاً ۸۹۴ کلیات مکاتیب اقبال جلد اول ص ۱۰۲۷ سید مظفر حسین برنی
۸۹۵ تلمیحات اقبال ص ۲۹۹ الیضاً ۸۹۶ نیوگولڈن تاریخ پاکستان و ہند ص ۳۶۵ - الیضاً
کرزن کے استعفیٰ کے ثبوت میں اکبر الٰہ آبادی کا مرقوم یہ قطعہ بلا خطہ ہو۔ کرزن و کچنر کے جھگڑے میں جو تک کہہ دیا میں نے یہ اس سے صاف تھا وہ صنم الطاف کا ملا دیکھ کر تم زن یہ نرغا
۸۹۷ تلمیحات اقبال الیضاً ، کلیات مکاتیب اقبال جلد اول الیضاً - ۸۹۸ الصّٰفّٰت : ۹۱ - ۹۳ -
۸۹۹ کلیات اقبال اردو ص ۶۸۰ (ارمغان حجاز نمبر ۲) - ۹۰۰ انوار اقبال ص ۱۹۲ بشیر احمد ڈار اقبال اکادمی لاہور ۔ مکتوب بنام بشکریہ یا مین ہاشمی - ۳۰ جون ۱۹۴۳ء

شعر نمبر ۸۴۴ — مرگِ جبّاراں ز آیاتِ خداست: اشارہ ہے قرآن کی ذیل آیات کی طرف جن میں "انا ربکم الاعلیٰ" کے مدعی فرعونِ مصر کے غرقِ آب و گرداب ہونے کو آیاتِ خدا بتایا گیا ہے

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰیٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ○ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ○ ع ۹۰۱

اور ہم نے بنی اسرائیل کو (اس) دریا سے پار کر دیا۔ پھر اُن کے پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر کے ظلم اور زیادتی کے ارادے سے (دریا میں) چلا۔ یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا۔ تو (سراسیمہ ہو کر) کہنے لگا۔ میں ایمان لاتا ہوں کہ بجز اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں۔ (جواب دیا گیا) اب ایمان لاتا ہے اور پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا۔ سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے۔ تاکہ اُن کے لئے موجبِ عبرت ہو جو تیرے بعد (موجود) ہوں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ (پھر بھی) بہت سے آدمی ہماری ایسی ایسی عبرتوں سے غافل ہیں۔

وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِیْنَ ○ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ○ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ ع ۹۰۲ اور (ہنجام قصہ یہ ہوا) ہم نے موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا۔ پھر دوسروں کو غرق کر دیا۔ اور اس واقعہ میں بھی بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے ان (کفار) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

شعر نمبر ۸۴۸: طٰهٰ ○ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ○ قرآن حکیم کی بیسویں سورہ پارہ ۱۶ ہم نے آپ پر قرآن حکیم اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں ——

ایک تو اس آیتِ کریمہ سے مترشح ہے کہ دریائے زہرہ میں اترتے وقت تکلیف نہ ہو —— دوسرے اس سورہ شریف میں حضرتِ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بیان ہوا ہے۔ سورہ نازعات کی طرح طٰہٰ کا حوالہ بھی علامہ کے تدبر فی القرآن کا ثبوت ہے۔ **پیکرے تُو** —— بدن، ممی، فرعون کی لاش **یدِ بیضا:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۸۱۔ **ملوکیت:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۱۲۔

شعر نمبر ۸۵۸ — تقدیر: ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۹۴ **تقدیرِ ملوکیت:** تقدیر کسی شے کا مقصدِ وجود بھی ہے اور کسی عمل کا نتیجہ بھی۔ ملوکیت کی تقدیر یعنی نتائج سوائے تفریق باہمی اور اللہ سے دوری کے اور کچھ بھی نہیں۔ جیسا برطانیہ کی حکومت کے حوالے سے مشہور ہے کہ ان کی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" ہے۔ یہی وہ نکتہ خاص ہے جو موسیولی بان نے اپنی کتاب تمدنِ ہند میں پروفیسر سیلی کے حوالے سے درج کیا ہے۔

"جس روز ہند میں قومیت کا احساس پیدا ہونے لگا۔ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اور گو یہ احساس اس حد تک نہ بھی بڑھے کہ غیر قوم کو عملی طور پر ملک سے باہر نکال دینے کا جوش پیدا کر سکے بلکہ اسی قدر خیال پیدا کر دے کہ غیر قوم کی اعانت شرم کی بات ہے تو اسی

ع ۹۰۱ یونس ۱۰: ۹۰ تا ۹۲ ع ۹۰۲ الشعراء: ۶۵ تا ۶۷

روز گویا ہماری حکومت ختم ہوجائے گی، کیونکہ ہماری فوج میں دوتہائی
[illegible] ہیں“ ۹۰۳

حالانکہ اگر یہ سب [illegible] ”[illegible] قومیت“ چاہے کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو ہندوستان سے تاج برطانیہ کو نکال دینے کا سبب بن سکتا تھا تو پھر ان کی طرف سے ”متحدہ قومیت“ کا تصور اور آل انڈیا نیشنل کانگریس جیسی تنظیموں کا قیام باہمی سر پھٹول کے علاوہ اور کیا مقاصد رکھتا تھا؟ ــــ یعنی ملوکیت کی عملی، نفاق کی کامیاب تدبیروں سے ہی ممکن رہی ہے۔

قرآن حکیم نے نظام فرعونی کی بنیادی خصوصیت ہی معاشرے کو طبقات میں بانٹنے کی حکمت بتائی ہے۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ ۹۰۴ فرعون سرزمین مصر میں بہت بڑھ چڑھ گیا ہے اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا (طبقات بنائے تھے) اور ان میں سے ایک طائفہ (طبقہ) کو کمزور کر رکھا تھا ــــ بنی اسرائیل کو ”خیمہ اجتماع“ دیا گیا تھا لیکن ارض موعود میں [illegible] ہی انہوں نے فرعونی نظام طبقات کو احیاء بخشا تو ان پر پہلے [illegible] (اہل غزہ) اور پھر جالوت کو مسلط کر دیا گیا۔ اسی اولین طبقاتی نظام کو [illegible] کے [illegible] نے حکومت الٰہی نام دیا تھا جیسے طالوت کی من جانب اللہ بطور [illegible] سے لے کر مدینۃ المنورہ کی ”[illegible] ریاست اسلامی“ کے قیام تک، مسلسل رد کیا جاتا رہا ہے۔ اہل اسلام میں اس طبقات پسند حکومت الٰہیہ کو خوارج نے ازسرنو احیاء دیا۔ ۹۰۵ حالانکہ اللہ نے اس نظام کے منتظمین کو فسادی کہا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ بے شک وہ (فرعون) واقعی بڑا مفسد تھا۔

شعر نمبر ۸۵۹: جیسا کہ خود فرعون و آل فرعون اور مصر کے ساتھ ہوا۔ جیسا کہ لاویوں کی ارض مقدس پر جالوت کے قبضہ سے دور شمالی ریاست بنی اسرائیل پر نینوا، بابل اور رومیوں کے تسلط سے ہوا جیسا کہ روما اور فارس کی سلطنتوں پر ہو ہوئی ــ دور کیوں جائیں برصغیر ہند ٹکڑوں میں تقسیم ہوا اور ارض پاکستان چودہ سالہ آمریت (ایوب و یحییٰ خانی) کے زیر اثر دو ٹکڑوں میں بٹی ــ اور جیسا کہ آمریت ضیاء نے مسلمانان پاکستان کو علاقائیت، قومی فرقوں اور فرقہ وارانہ فساد کے حوالے کیا ــ یہ سب حکمران تمام تر نیک نیتی سے چونکہ اپنے اقتدار کے استحکام کے درپے رہے اس لئے ”نفاق پھیلانے“ کی لعنت سے نہ بچ سکے ”عملی جستن بہ تدبیر نفاق“ تقدیر ملک رہی اس لئے ”باطل و آشفتہ تر تدبیر ملک“ مقدر ہوا۔

دل آگاہ: کنایہ ہے نور بصیرت سے، یعنی آغاز ہی سے انجام کو پالینے کی صلاحیت۔ اور یہ شے بغیر قوت ربانی کے ہاتھ نہیں آتی۔ اس لئے کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ۹۰۶ مومن کی فراست سے ڈرنا چاہیئے کیونکہ وہ خدائے بزرگ و برتر کے نور سے دیکھتا ہے۔

---

۹۰۳ تمدن ہند، ص ۲۳۴ گستاؤلی بان - اردو ترجمہ سید علی بلگرامی۔ مقبول اکیڈمی لاہور سنہ ۱۹۶۲ء۔
۹۰۴ القصص: ۴ ۹۰۵ ایضاً۔ ۹۰۶ احادیث مثنوی از بدیع الزمان فروزانفر، ص ۲۴
بحوالہ جامع صغیر جلد ۱ ص ۸

رومی رح

حاکمی بے نور جاں خام است خام — بے ید بیضا ملوکیت حرام
حاکمی از ضعف محکوماں قوی ست — بیخش از حرمان محکوماں قوی ست
تاج از باج است و از تسلیم باج — مرد اگر سنگ است می گردد زجاج
فوج و زندان و سلاسل رہزنی ست — او ست حاکم کز چنیں ساماں غنی ست

ذوالخرطوم

مقصد قوم فرنگ آمد بلند — از پئے لعل و گہر گورے نہ کند
سرگذشت مصر و فرعون و کلیم — می تواں دیدن ز آثار قدیم
علم و حکمت کشف اسرار است و بس — حکمت بے جستجو خوار است و بس

فرعون

٨٦٨ - قبر ما را علم و حکمت بر کشود
لیکن اندر تربت مہدی چہ بود؟

(١٦٧) نمودار شدن درویش سوڈانی

برقی بے تابانہ رخشید اندر آب — موجہا بالید و غلطید اندر آب
بوئے خوش از گلشن جنت رسید — روح آں درویش مصر آمد پدید
در صدف از سوز او گوہر گداخت — سنگ اندر سینۂ کشنر گداخت
گفت اے کشنر اگر داری نظر — انتقام خاک درویشے نگر!
٨٧٣ - آسماں خاک ترا گورے نداد ، — مرقدے جز در یم شورے نداد
باز حرف اندر گلوے او شکست — از لبش آہ جگر تابے گسست
٨٧٥ - گفت اے روح عرب بیدار شو — چوں نیاگاں خالق اعصار شو

(۱۶۵) اے فوادِ اے فیصل اے ابنِ سعود
تا کجا بر خویش پیچیدن چو دود
زندہ کن در سینہ آن سوزے کہ رفت
در جہاں باز آور آن روزے کہ رفت

۸۶۸- خاکِ بطحا خالدِ (۱۶۶) دیگر بزاے
نغمۂ توحید را دیگر سراے
اے نخیلِ دشتِ تو بالندہ تر
بر نخیزد از تو فاروقِ (۱۱۷) دگر؟
اے جہانِ مومنان مشکِ فام
از تو می آید مرا بوئے دوام
زندگانی تا کجا بے ذوقِ سیر
تا کجا تقدیرِ تو در دستِ غیر
بر مقامِ خود نیائی تا بکے؟
استخوانم در نئے نالد چو نے

(۱۱۸) از بلا ترسی؟ حدیثِ مصطفےٰ است
"مرد را روزِ بلا روزِ صفا ست"

حواشی و تعلیقات: حقیقی حاکمیت زنجیروں فوجیوں اور جیلوں سے بے نیاز ہوتی ہے کیونکہ عدل و انصاف سے بر اشوں کی جڑ سوکھ جاتی ہے پھر ان اسباب امن کی حاجت ہی کیا رہ جاتی ہے — تاج یعنی بادشاہت: مجاز مرسل، خراج سے بے کیں خراج دینے سے، مرد بیفکر کا بھی ہو تو تاج کا ہو جاتا ہے۔ حاکمیت تو محکوم کی کمزوری توانا کرتی ہے۔ محکوموں کی محرومیاں حاکمیت کی جڑ کو قوت بخشتی ہے۔

ذوالخرطوم: مراد لارڈ کچنر ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۶۳۔

شعر نمبر ۸۶۸ جب کچنر نے کہا محکمہ آثار قدیمہ کا قیام کسی قبر سے لعل و گہر جمع کرنے کے لئے نہیں ہوا — اس کے ذریعے مصر و فرعون و کلیمؑ کی سرگذشت بھی معلوم ہوتی ہے۔ حکمت و دانائی — فلسفہ اور سائنس چھپے رازوں کا انکشاف کرتے ہیں۔ اور یہ انکشاف بغیر جستجو کے ہو نہیں سکتا — تو فرعون بولا چلو ایسا ہی سہی تربت مہدی اکھاڑنے میں آخر کیا حکمت تھی؟ کچنر لاجواب ہو گیا اور مہدی سوڈانی ظاہر ہو گئے۔

(۱۶۷) **درویش سوڈانی [محمد احمد بن عبداللہ مہدی]** — محمد احمد مہدی سوڈانی [ولادت ۱۸۴۸ء] نے سوڈان کے مشہور بزرگ شیخ محمد شریفؒ کے زیر تربیت سات سال کے اندر خلافت حاصل کی اور ایک جامع مسجد و خانقاہ تعمیر کی تاکہ مسلمانوں میں جہاد فی سبیل اللہ کی روح بیدار کرے۔ بائیس ۲۲ سال کی عمر میں مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ عوام کی طرف سے مقبولیت کا تاثر ملتے ہی باضابطہ امامت کا اعلان کیا ۱۸۸۵ء تک اس کی سلطنت مغرب تک پھیل چکی تھی۔ اس کی وفات کے بعد انگریزوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ اس کا جانشین (خلفاء) ہیں مصر پر قابض نہ ہو جائیں انھوں نے لارڈ کچنر کو مصر بھیجا۔ ۲ ستمبر ۱۸۹۸ء کو کچنر نے مہدی کے جانشین عبداللہ کو شکست دی اور بحیرہ کو بحیثیت فاتح خرطوم میں داخل ہوا — اور پہلا کام یہ کیا کہ مہدی کی ہڈیاں قبر

سے نکال کر جلا ڈالیں اور راکھ سمندر میں بہا دی - اس کے بعد سوڈان کو مصری مقبوضات کا جزو بنا دیا گیا۔ ۹۰۷

علامہ نے مہدی سوڈانی کی تحریک کو خالص سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھا ہے ۹۰۸ - اور وحدتِ ملی کے لئے کسی خالدؓ و فاروقؓ کی آمد کی آرزو کی ہے۔

جنت : ایسے باغ کو کہتے ہیں جس کے درختوں نے زمین چھپالی ہو۔ عربی کا ہر وہ لفظ جس میں جیم نون آئے اُس کے معانی میں "پوشیدگی" کا تصور رہتا ہے - پری کو جنّ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ نظر سے غائب ہے [شرح نصاب یوسف بن مالح] ۹۰۹

شعر نمبر ۸۷۳ - ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۶۳ الجیرز کے حالات میں

روحِ عرب : وہ نفسیاتی ساخت اور نسلی خصائص جو آدابِ اسلامی سے جلا پاکر ایسے چمکے کہ چار دانگ عالم کو منور کر دیا۔ علامہ کا کلام اُس کے ذکر سے بھرا پڑا ہے - یہاں "پس چہ باید کرد" سے چند شعر لکھنا کافی ہوگا - ملتِ عربیہ سے مخاطب ہیں

حق ترا بُراں تر از شمشیر کرد — ساربان را راکبِ تقدیر کرد
بانگِ تکبیر و صلوٰت و حرب و ضرب — اندراں غوغا گشاد شرق و غرب
اے خوشا آں مجذوبی و دل بُردگی — آہ زیں دلگیری و افسردگی
کارِ خود را امتاں بردند پیش — تو ندانی قیمتِ صحرائے خویش
اے ز افسونِ فرنگی بے خبر — فتنہ ہا در آستینِ او نگر

مصرِ خود را بنگر اے صاحب نظر — در بدن باز آفریں روحِ عمرؓ
بگذر از دشت و در و کوہ و دمن — خیمہ را اندر وجودِ خویش زن

طبع از بادِ بیاباں کردہ تیز — ناقہ را سر دہ بمیدانِ ستیز
عصرِ حاضر زادۂ ایامِ تست — مستئ او از مئے گلفامِ تست
شارحِ اسرارِ او تو بودۂ — اولیں معمارِ او تو بودۂ

مردِ صحرا! پختہ تر کن خام را
بر عیارِ خود بزن ایام را ۹۱۰

(۱۶۵) **فواد :** [۲۶ مارچ ۱۸۶۸ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء] قصرِ جنید میں پیدا ہوا، جنیوا اور تورین میں تعلیم پائی ۹ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو اپنے بھائی شہزادہ حسین کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا - ۱۹۲۲ء میں بادشاہِ مصر کا لقب اختیار کیا - تہذیب شائستگی اور اسلامی روایات کا بڑا احترام کرتا تھا - مصر کی بیداری کی تاریخ میں احمد فواد کا عہد بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

قومی تحریک کے رہنماؤں اور وفد پارٹی کی قیادت نے مصر پر انگریزوں کے قبضے کے خلاف تحریک شروع کی تو احمد فواد نے مطلق العنان بادشاہت کی خاطر دستور کو کھلونا بنا دیا —— اس کے عہد کے آخر میں حبشہ کی جنگ کی وجہ سے اطالوی خطرے کے پیشِ نظر، انگریزوں سے معاہدہ ناگزیر ہو گیا مگر فواد نے ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء کو انتقال کیا یہ معاہدہ اس کے بیٹے فاروق کے

---

۹۰۷ شرح جاوید نامہ چشتی صہ ۸۰۹ ایضاً
۹۰۸ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد صہ ۵۰۵
۹۰۹ غیاث اللغات فارسی صہ ۱۵۵
۹۱۰ کلیات اقبال فارسی صہ ۸۲۶/۸۲۷ (مثنوی پس چہ باید کرد)

ذریعے طے پایا۔[911] علامہ نے اسی شاہ فواد کا ذکر کیا ہے۔ ترکی کے فواد پاشا کی یہ اہمیت نہ تھی۔

فیصل :[۱۸۸۵ء تا ۱۹۳۳ء] امیر فیصل اول شریف مکہ (شاہ حسین) کے تیسرے بیٹے تھے۔ قسطنطنیہ میں تعلیم پائی۔ ۱۹۱۶ء تک جنگ عظیم اول میں ترکی فوج کے ساتھ شام میں خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد کرنل لارنس کی قیادت میں شامل ہو گئے۔

۱۹۲۰ء میں شام کی قوم پرست کانگریس نے ان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا مگر فرانس نے اسے پسند نہ کیا وہ عراق چلے گئے اور ۱۹۲۱ء میں عراق کے بادشاہ بن گئے۔ ان کی امارت کے معاملے پر پبلک کی رائے لی گئی ۹۶ فیصد لوگوں نے ان کے حق میں ووٹ دیا اور اس کے ساتھ ان کی سیادت تسلیم کر لی گئی۔ وہ ہر معاملے میں انگریزوں کے حامی رہے۔ ۱۹۳۳ء میں وفات پائی۔[912]

ابن سعود :[۱۸۸۰ء تا ۱۹۵۳ء] موجودہ مملکت السعودیہ عربیہ کے بانی عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن فیصل المعروف بہ ابن سعود ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد ابن سعود فرمانروائے نجد کو ۱۹ویں صدی میں ترکوں نے بے دخل کر دیا اور وہ کویت میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں ابن سعود نے شیخ مبارک کی مدد سے صرف چالیس سپاہیوں کے ساتھ نجد کے صدر مقام ریاض پر قبضہ کر لیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد عربوں میں ترکوں کے خلاف آزادی کی تحریک کو فروغ ہوا تو ابن سعود نے نجد کی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۱۷ء میں شریف مکہ کو شکست دے کر حجاز کو نجدی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو بادشاہِ حجاز ہونے کا اعلان کیا اور ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء کو برطانیہ نے ایک معاہدے کے تحت مملکت نجد و حجاز کی مکمل آزادی کو تسلیم کر لیا۔ ابن سعود نے ۱۹۳۲ء میں مملکت کا نام المملکۃ السعودیۃ العربیۃ رکھا۔ ۱۹۵۳ء میں وفات پائی۔

وہ اتحادِ عرب کے بڑے حامی تھے اس لئے عرب لیگ قائم کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہیں کے عہدِ حکومت میں تیل کے چشمے دریافت ہوئے۔ علامہ اقبال کی نظر میں وہ ایک روشن خیال آدمی تھے۔ اسی حوالے سے اور خصوصاً مؤتمر عالم اسلامی کی موجودگی میں سابق خلیفہ عثمانی کو حجاز کا انتظام سپرد کرنے کی تجویز کی مخالفت کی۔[913]

شعر نمبر ۸۷۵ : نیاگاں : نیا کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں آباواجداد، لیکن قواعد کی رو سے اس کی جمع نیایاں آنی چاہیئے تھی جیسے خدا کی خدایاں ہوتی ہے۔ نیا کو ان کلمات میں شمار کر لیا گیا ہے جن کے آخر میں ہ ہوتی ہے اور جمع نیاگان کر دی گئی (اس لئے کہ قاعدہ یہی ہے کہ جن کلمات کے آخر میں ہ آئے

911۔ دائرہ معارف اقبال۔ ملک حسن اختر ص ۳۷۷ الفاً ، تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۶۹۳ الفاً

912۔ شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا ص ۵۳۷ الفاً
دائرہ معارف اقبال ص ۳۸۰ الفاً ، شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا ص ۵۲۶ ، تلمیحات اقبال عابد ص ۶۹۳

913۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ا ص ۵۵۱ الفاً ، کلیات مکاتیب اقبال جلد ۲ ص ۸۱ الفاً ، دائرہ معارف اقبال ص ۳۲۱
شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا ص ۵۲ الفاً۔

ان کی جمع "گان" سے کی جاتی ہے۔ جیسے مژہ سے مژگان۔ اس میں ذی روح اور غیر ذی روح کی کوئی تخصیص نہیں] دراصل اصل کلمہ نیاک تھا اس پر علامت جمع آن کا اضافہ کرنے سے نیاکان یا نیاگان ہاتھ آتا ہے۔ جب پہلوی متون عربی رسم الخط میں لکھے گئے تو نیاک کو نیا پڑھا گیا۔ فارسی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ نیا کی جمع نیاگان ہے صرف و نحو کے علماء اس کی توجیہہ نہ کر سکے۔ اور یہ کہہ کے چپ ہو جانا پڑتا ہے کہ اہل زبان اسی طرح بولتے ہیں ورنہ حقیقت وہی ہے جو عرض کی گئی ہے"۔ ع ۹۱۴

شعر نمبر ۸۷۸ : غیاث اللغات میں کنز اور کشف و لطائف کے حوالے سے لکھا ہے کہ **بطحا** - بمعنی زمین فراخ کہ گذرگاہ آب سیل باشد و دراں سنگریزہ بسیار باشد — یعنی پتھریلا نالہ یا وادی — مکۃ المعظمہ بھی سنگلاخ وادی ہے اس لیے وادی مکہ کو بھی بطحا کہا جاتا ہے۔

(۱۶۶) **خالد ابن ولید** رضؓ**:** پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی رضؓ اور نامور سپہ سالار اسلامی پورا نام خالد بن ولید بن مغیرہ المخزومی تھا۔ ۸ ہجری، ۶۲۹ عیسوی میں اسلام قبول کیا۔ غزوۂ احد میں مشرکین مکہ نے جس گردن؛ احد کی گھاٹی سے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا اور جیتی ہوئی جنگ کو بظاہر شکست میں بدل دیا تھا اس کی کمانڈ خالد ابن ولید کے ہاتھ میں تھی۔ اسلام لانے کے بعد جذبہ و جوش میں اور بھی اضافہ ہوا۔ جنگ موتہ کے دوران میں بے خوفی و بہادری دکھانے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضؓ کو "سیف اللہ" کا خطاب عطا فرمایا۔

۸ ہجری (فتح مکہ) سے لے کر وفات (۲۱ ہجری، ۶۴۲ عیسوی) تک جتنے غزوات اور جنگیں ہوئیں حضرت خالد رضؓ نے ان میں سپہ سالار کی حیثیت میں حصہ لیا۔ ایران کے بیشتر محاذوں پر سپہ سالار کے فرائض انجام دیئے۔ مراد یہ کہ زندگی کا بیشتر حصہ میدانِ جنگ میں بسر ہوا۔ شوقِ شہادت میں ناقابلِ یقین کارنامے انجام دیئے لیکن شہادت کی موت نصیب میں نہ تھی، کیسے ہوتی؟ سیف اللہ جو ہوئے۔

حضرت عمر رضؓ کے زمانۂ خلافت میں چند یوم بیمار رہ کر وفات پائی۔ تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلام کے دور اول میں خالد بن ولید رضؓ سے بڑھ کر کسی اسلامی سپہ سالار میں ایسا بے پناہ عسکری تدبر نہ تھا ع ۹۱۵

حضرت ابوبکر رضؓ نے یمامہ میں مسیلمہ الکذاب کے خلاف معرکہ کی کمان ان کو سونپی، ۱۲ ہجری میں انہیں عراق کے محاذ پر اسلامی فوج کی قیادت سونپی گئی۔ چنانچہ آپ رضؓ عراق فتح کرتے صحرا کو پار کرتے ہوئے شام میں افواجِ اسلام کی مدد کو جا پہنچے۔ خلیفہ دوم امیر المؤمنین فاروق اعظم رضؓ نے انہیں اپنے عہدے سے معزول کر دیا تھا وجہ یہ بتائی کہ لوگ فتوحات کو ان سے منسوب کر کے کہیں اللہ تعالیٰ کی طاقت و قدرت سے غافل نہ ہو جائیں ع ۹۱۶ سبحان اللہ — معزولی بھی اعزاز بن گئی۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

ع ۹۱۴ تلمیحات اقبال، عابد ص ۵۲۸/۵۲۷ بحوالہ دستور فارسی، محمد دین، مزید دیکھیے: محمد معین، سبک شناسی: ملک الشعراء بہار

ع ۹۱۵ شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا ص ۲۵۳ ایضاً، ع ۹۱۶ کلیات مکاتیب اقبال جلد ۲ ص ۸۵، اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸، دائرہ معارف اقبال کلاسیکی ص ۱۸۸/۱۸۷ -

(۱۶۷) فاروقِ اعظم، امیر المؤمنین عمر ابن الخطابؓ : ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۲۰ ———

حضرت خالدؓ کی سخت جانی اور فاروق اعظمؓ کی اسلام میں قوّآوری کے حوالے سے علی الترتیب فلکِ بطحا اور اے نخیلِ دشتِ تو بالندہ تر، کے لفظی تلازمے قابلِ توجہ ہیں۔

(۱۶۸) مرد را روزِ بلا روزِ صفاست : اشارہ ہے اس حدیثِ رسولؐ کی جانب۔ عن سعد قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس اشد بلاءً قال الانبیاء ثم الامثل فالامثل یبتلی الرجل علی حسب دینہ فان کان دینہ صلبا اشتد بلاءہ وان کان فی دینہ رقۃ ھون علیہ فما زال کذلک حتی یمشی علی الارض مالہ ذنب ع ۹۱۷

حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، کون لوگ زیادہ بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا انبیاء، پھر وہ لوگ جو انبیاء سے مشابہ ہوتے ہیں پھر وہ انسان جو جس قدر دین میں سخت ہوتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت سخت ہوتی ہے، اور جس قدر دین میں نرم ہوتا ہے اسی قدر اس کی مصیبت ہلکی ہوتی ہے۔ پس ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس حالت میں زمین پر چلتا ہے کہ تمام گناہوں سے پاک وصاف ہوتا ہے۔

درحقیقت یہ زحمت اور گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ مایصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن ولا اذی ولا غم حتی الشوکۃ یشاکھا الا کفر اللہ بھا من خطایاہ ع ۹۱۸

کسی مسلمان کو کوئی تکلیف کوئی الجھن، کوئی غم، کوئی پریشانی کوئی ایذا نہیں پہنچتی یہاں تک کہ اس کو کانٹا بھی نہیں چبھتا مگر اس کے بدلے اس کے گناہ دھل جاتے ہیں (شرح بحر العلوم دفتر چہارم) بذیل شعر مثنوی معنوی

۲- کہ بلائے دوست تطہیرِ شماست — علم او بالائے تدبیرِ شماست
۱- ور نمی تانی رضا دہ اے عیار — کہ خدا رنجت دہد بے اختیار
۳- چوں صفا بیند بلا شیریں شود — خوش شود دارو چو صحت بیں شود ع ۹۱۹

اے کھرے! اگر تو نہیں کرسکتا [نمی تانی : نمی توانی کرد] تو راضی ہو جا کہ خدا تجھے مجبوراً تکلیف میں مبتلا کرے گا۔ دوست کی طرف سے مصیبت تمہاری پاکیزگی ہے اس کا علم تمہاری تدبیر سے بڑھا ہوا ہے۔ جب صفائی دیکھتا ہے مصیبت شیریں ہو جاتی ہے جب صحت دیکھتا ہے تو دوا اچھی لگتی ہے ———

۱۵۷- ساربان یاراں بہ یثرب ما بہ نجد — آں حُدی، کو ناقہ را آرد بوجد
ابر بارید از زمیں ہا سبزہ رست — می شود شاید کہ پائے ناقہ سست
جانم از دردِ جدائی در نفیر — آں رہے کو سبزہ کم دارد بگیر
ناقہ مستِ سبزہ و من مستِ دوست — او بدستِ تست و من در دستِ اوست
آب را کردند بر صحرا سبیل — بر جبل ہا شستہ اوراقِ نخیل

ع ۹۱۷ مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲ تا ص ۱۸۵، ص ۱۸۰، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۴، جامع صغیر جلد ۱ ص ۴۱
کنوز الحقائق ص ۱۳، حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۳۶۸،
(رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی، وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۶)
۹۱۸ شرح بحر العلوم دفتر چہارم حکایت سوم آں الفاظ ملتمسانہ بر وعظے وتذکیرے دعائے خیر بر ... کردے۔
۹۱۹ ایضاً مثنوی معنوی - ترجمہ قاضی سجاد حسین، دفتر چہارم ص ۲۰ اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور

آں دو آہو را قفائے یک دگر — از قراول فرود آید نگر!
یک دم آب از چشمۂ صحرا خورد — باز سوئے راہ پیما بنگرد
ریگ دشت از نم شمال پرنیاں — جادہ بر اشتر نمی آید گراں
حلقہ حلقہ چوں پر تیہو غمام — ترسم از یاراں کہ دوریم از مقام

ساربان یاراں بہ یثرب ما بہ نجد
آں حدی کو ناقہ را آرد بوجد

حواشی وتعلیقات:

شعر نمبر ۸۵۲ الف: یثرب: حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ بیماریوں اور وبائی امراض کے علاوہ موسم کی خرابی کی وجہ سے یثرب کہلاتا تھا، مگر حضورؐ کی دعائے مستجاب، "اللّٰھم حَبِّبْ اِلَینا المدینۃ کما حَبَّبْتَ اِلَینا المکۃ اَو اَشَدّ": اے اللہ ہمیں مدینہ سے بھی اسی طرح محبت دے جس طرح مکہ سے محبت (اس کی پاکیزگی کی وجہ سے) ہمارے دلوں میں موجزن ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ — تب سے یثرب مدینہ طیبہ میں بدل گیا، اور حضورؐ نے بھی مدینہ کو یثرب کہنے سے منع فرما دیا (بخاری شریف)

نجد: عرب کا ایک علاقہ جو حجاز سے مشرق کی طرف پھیلا ہوا ہے یہ ایک بلند اور ریگستانی علاقہ ہے ع۹۲۰۔ اسے شہرت تاریخی طور پر تو علامہ عبدالوہاب نجدی کے حوالے سے ملی لیکن عربی ادب میں اس کا ذکر اونٹنی کے حوالے سے ہر قصیدہ میں ہوتا رہا ہے۔

معلوم نہیں مرحوم ڈاکٹر محمد ریاض نے اس شعر "ساربان یاراں بہ یثرب ما بہ نجد ..." کا یہ ترجمہ کس طرح کر دیا "دوستو! ساربان یثرب میں ہے اور ہم نجد میں۔ وہ حدی کہاں ہے جو ناقہ کو وجد میں لے آئے" ع۹۲۱ حالانکہ صاف ترجمہ یہ ہے، ساربان! دوست یثرب میں ہیں اور ہم نجد میں ہیں، ایسی حدی، کہ اونٹنی کو وجد میں لے آئے اور ہم جلد وہاں پہنچ جائیں۔ اللہ جانے یہ "حصہ نظم" رموز وعلائم میں کیا کیا معانی رکھتا ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ علامہ "حالات اور زمانہ کی ناسازگاری" کو باراں کہہ کر ناقہ [اونٹنی] سے کاروانِ ملی مراد لیتے ہیں، اور سبزہ، اُن سیاسی مراعات کی طرف کنایہ ہے جو "کاروانِ ملی" کے قدم روکنے کا حربہ ہیں — ریتلا رستہ نم آلود ہونے کے باعث ریشم کی طرح نرم ہے — اور اونٹنی پر گراں نہ گزرے گا اس لئے سبزہ زار سے درگزریں اور یہی راہ اختیار کریں — یہ شعر "رودکی" کے ایک شعر سے ماخوذ لگتا ہے — رودکی کے شعر کا پس منظر بھی یہی ہے — ہرات کے مشہور نزہت گاہ بادغیس، میں نصر بن سامانی نے ڈیرے ڈالے، بہار میں ہرا چمن زار تھا تو سردیوں میں پھلوں کی آمد نے آبادیوں کو سو طرح کے میووں سے بھر دیا موسم پر موسم گزرتے گئے مگر نصر نے وہاں سے ہلنے کا نام نہ لیا۔ تب فوج کے لوگوں نے مجبوراً رودکی سے کام لیا رودکی

ع۹۲۰ مطالب اقبال مقبول انور داؤدی
ع۹۲۱ جاوید نامہ تحقیق وتوضیح ص ۹۶۱

نے اپنی مشہور غزل چھیڑی جس کا مطلع ہے

بوئے جوئے مولیاں آید ہمے ۔ یادِ یارِ مہرباں آید ہمے

جب رودکی نے کہا

اے بخارا شاد باش و شادزی ۔ شاہ سوئے میہماں آید ہمے

تو نصر پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی پاؤں میں موزہ پہنے بغیر سوار ہوا اور ایک منزل تک دوڑ لگائی ۔ اس قصیدے میں ایک شعر یہ بھی ہے

ریگِ آمو و درشتیہائے او ۔ زیرِ پایم پرنیاں آید ہمے [922]

علامہ کی نظم "روحِ مہدی" کی زبانی ایسی ہی فضا سے خوف دلاتی اور ریگ دشت کو مثالِ پرنیاں کہہ کر سبزہ زار سے ، دل لگانے سے باز رہنے کا درس دیتی ہے ۔ بند کے شروع کا شعر آخر میں پھر آیا ہے ۔ جس نے محسن کاکوری کے قصیدہ نعتیہ

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل ،

کی یاد تازہ کی وہاں یہ احساس بھی پیدا کیا کہ علامہ کی طبع رواں تھم نہیں رہی تھی شعرِ اول کی تکرار سے خوبصورت انداز میں روانی پیدا کی گئی ہے ۔ نظم کا یہ بند کتنی خوشی عربی قصیدے کی غیر معمولی تشبیب سے کم زوردار نہیں ہے ۔

یہاں یہ توضیح بھی ضروری ہے کہ علامہ نے نفسِ انسانی کو بھی اونٹ سے تشبیہ دی ہے ۔ اونٹنی جس طرح اسوار سے بھی حصولِ منزل میں تیز تر ہوتی ہے ۔ نفسِ انسانی کو بھی طالبِ حق میں اسی طرح ہونا چاہیئے ۔ اور نفسِ اجتماعی کو تو حصولِ منزل کیلئے راستوں کی ہزاروں ابتلاؤں سے ہنسی خوشی گزرنے کی ضرورت ہوتی ہی ہے ۔ روحِ مہدی نے اسی جہد و جہاد کی ترغیب دی ہے ۔

---

[922] شعر العجم مولانا شبلی نعمانی حصہ اول صہ ۲۹ انجمن حمایتِ اسلام لاہور ۱۹۶۳ء

باب پنجم ـــــ ملک مریخ

ص ۳۱۳۱ تا ص ۳۴۷

اہل مریخ

برآمدن انجم شناس مریخی از رصدگاہ

گردش در شہر مرغدین

احوال دوشیزۂ مریخ کہ دعوئے رسالت کردہ

تذکیر نبیۂ مریخ

(۱۶۹) اہلِ مرّیخ

چشم را یک لحظه بستم اندر آب — اندکی از خود گسستم اندر آب
رفت و بردم زی جہانے دیگرے — با زمان و با مکانے دیگرے
آفتاب ما به آفاقش رسید — روز و شب را نوع دیگر آفرید
تن ز رسم و راہِ جاں بیگانہ ایست — در زمان و از زمان بیگانہ ایست
جان ما سازد بہ ہر سوزے کہ ہست — وقتِ او خرم بہر روزے کہ ہست
می نگردد کہنہ از پروازِ روز — روزہا از نورِ او عالم فروز

روز و شب را گردش پیہم از وست
(۱۶۹) سیر او کن زانکہ ہر عالم از وست

مرغزارے با رصدگاہِ بلند — دُوربینِ او ثریا در کمند
خلوتِ نہ گنبدِ خضراست ایں — با سوادِ خاکدانِ ماست ایں
گاہ جستم وسعتِ او را کراں — گاہ دیدم در فضائے آسماں
پیرِ روم آں مرشدِ اہلِ نظر — گفت مریخ است ایں عالم نگر
چوں جہانِ ما طلسمِ رنگ و بوست — صاحبِ شہر و دیار و کاخ و کوست
ساکنانش چوں فرنگاں ذوفنوں — در علومِ جان و تن از ما فزوں
بر زمان و بر مکاں قاہر تر اند — زانکہ در علمِ فضا ماہر تر اند
بر وجودش آں چناں پیچیدہ اند — ہر خم و پیچِ فضا را دیدہ اند
خاکیاں را دل بہ بندِ آب و گل — اندریں عالم بدن در بندِ دل
چوں دلے در آب و گل منزل کند — ہرچہ می خواہد بہ آب و گل کند
مستی و ذوق و سرور از حکمِ جاں — جسم را غیب و حضور از حکمِ جاں
در جہانِ ما دوتا آمد وجود — جان و تن، ایں بے نمود آں با نمود
خاکیاں را جان و تن مرغ و قفس — فکرِ مریخی یک اندیش است و بس
چوں کسے را می رسد روزِ فراق — چشم تر می گردد از سوزِ فراق

یک دو روزے پیشتر از آن مرگ	می کند پیش کسان اعلان مرگ
جان شان پروردۂ ایام نیست	لاجرم خو کردۂ ایام نیست
تن بخویش اندر کشیدن مردن است	از جہان در خود رمیدن مردن است
برتر از فکر تو آمد این سخن	زانکہ جان گشت محکوم بدن

رخت این جا یک دو دم باید کشید
این چنین فرصت خدا کس را نداد

حواشی و تعلیقات :

(۱۶۹) **مریخ :** مشہور سیارہ ہے۔ اس کا لقب جلادِ فلک ہے۔ اس سے جنگ اور خون آشامی کے تصورات وافکار وابستہ ہیں۔ بعض سائنسدان مدعی ہیں کہ مریخ پر عقیل جانداروں کی موجودگی کا امکان ہے [تلمیحات اسلام ص۲۴۲] اسی لئے بڑی قوتیں مریخ کی تسخیر میں سرگرم ہیں ـــ عنصر بادی اور لطائفِ ہوا کا ابھار اور محسوسات کے اجسام کے سوراخوں میں داخل کرنا مریخ کی خاصیت کے سپرد ہے [ذخیرۃ الملوک ص۲۱۸] اسے بہرام بھی کہتے ہیں۔ پانچویں آسمان پر ہے اور اس کا رنگ سرخ ہے [لغاتِ کشوری تحت لفظ بہرام]۔ انتقام، قبضِ ارواح اور انتظام والے فرشتے، اسی فرشتے کے امر سے اترتے ہیں جو کوکب بہرام کی روحانیت ہے [انسان کامل الجیلی ص۳۸۲]۔ (۱۷۰) **سیر :** اصطلاح صوفیہ میں مقاماتِ قربِ حق اور مراتبِ ذلت کے ادنیٰ مقام سے اعلیٰ مقام کی طرف ترقی کرنا ہے[۹۲۳] لیکن علامہ نے یہ لفظ ان معنوں میں استعمال نہیں کیا وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ زمان ومکان کی قید سے رہائی روح وبدن کے تقاضا یا سے نہیں ہیں - تن، جان کے آداب سے بیگانہ ہے، جان زمان میں ہوکر زمان سے ماورا ہے۔ روز وشب اسے کہنہ نہیں کرسکتے۔ بلکہ زمانہ اسی کے نور سے ہے۔ اور روز وشب کی گردش بھی اسی کی ممنون ہے - اس لئے روحانی سیر کرو کہ ہر عالم [کیفیت] اسی سے ہے۔ **جان وتن :** سے متعلق فکرِ اقبال کو سمجھنے کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ شعر نمبر ۳۰۴ - **ذو فنون :** تمام علوم پر عبور رکھنے والا - ہر فن مولا - علامہ کہتے ہیں وہ جان وتن اور علوم فضا کے ماہر ہیں اس لئے زمان ومکان پر متصرف ہیں ـــ کیونکہ ان کے بدن پر دل متصرف ہے - اہلِ زمین کے دل پر بدن (حواسِ خمسہ) متصرف ہیں۔ ان کا جان، اعضائے بدن کی پروردہ نہیں، اس لئے ایک تو موت (فراقِ روح و بدن) انہیں اور چست کرلیتی دوسرے وہ اپنی موت سے قبل از مرگ آگاہ ہوکر اپنے مرنے کا اعلان کردیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی موت جسم کو روح میں جذب کرنے کا نام ہے - یہ بات ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی ـــ اس پُراسرار مقام پر کچھ دیر رکنا چاہیئے ایسے مقامات کسی کسی کو ملتے ہیں رومی کی آواز نے سلسلۂ خیال کو توڑا۔

برآمدن انجم شناس مریخی از رصدگاہ

پیر مردے ریش او مانندِ برف	سالہا در علم و حکمت کردہ صرف
تیز بیں مانند دانایانِ غرب	کسوتش چوں پیرِ ترسایانِ غرب
دیر سال و قامتش بالا چو سرو	طلعتش رخشندہ چون ترکانِ مرو (۱۷۱)

---

۹۲۳ اصطلاحات صوفیہ شاہ عبد الغفور ص۲۲/۲۳ - ایضاً ..

آشنائے رسم و راہ ہر طریق ؛ آشکارا از چشم او فکر عمیق ؛
آدمی را دید و چوں گل بر شگفت ؛ در زبان طوسی و خیام گفت (۱۸۲)
پیکر گل آں اسیر چند و چوں ؛ از مقام تحت و فوق آمد بروں
خاک را پرواز بے طیارہ داد ؛ ثابتاں را جوہر سیارہ داد
نطق و ادراکش رواں چوں آب جو ؛ محو حیرت بودم از گفتار او
این ہمہ خواب است یا افسونگری ؛ بر لب مریخیاں حرف دری!
گفت "بود اندر زمان مصطفےٰ (۱۸۱) ؛ مردے از مریخیاں با صفا ؛
بر جہاں چشم جہاں بیں را کشاد ؛ دل بہ سیر خطۂ آدم نہاد
پر کشود اندر فضا ہائے وجود ؛ تا بصحرائے (۱۸۳) حجاز آمد فرود
آنچہ دید از مشرق و مغرب نوشت ؛ نقش او رنگیں تر از باغ بہشت
بودہ ام من ہم بہ ایران و فرنگ ؛ گشتہ ام (۱۸۴) در ملک نیل و رود گنگ
۹۰۴ - دیدہ ام امریک و ہم ژاپون و چیں ؛ بہر تحقیق نظرآت زمیں ؛
از شب و روز زمیں دارم خبر ؛ کردہ ام اندر بروجش سفر

پیش ما ہنگامہ ہائے آدم است
گرچہ او از کار ما نامحرم است

حواشی و تعلیقات : (۱۸۱) **مرو :** خراسان کا مشہور شہر ہے اسی کے نام سے خراسان کا ایک حصہ ربع مرو بھی کہلاتا ہے ۔ مرو ، دو ہیں ایک مرو کلاں ایک مرو خرد ، مرو کلاں کو مرو شاہ جاں بھی کہتے ہیں اور شاہ جاں کا مطلب ہے شاہ گاں یعنی شاہوں کے قابل ۔ مرو کے ریشمی کپڑے بہت مشہور تھے ۔ سلاجقہ کبیر کا آخری تاجدار سلطان سنجر یہیں مدفون ہے اور یہی شہر اس کا دارالخلافہ تھا ۔ جب مغلوں نے ایران پر حملہ کیا ہے تو اس شہر میں ایسی غارت گری کی کہ نوے لاکھ کے قریب انسان مارے گئے ۔ ۹۲۴

(۱۸۲) **طوسی :** طوسی سے مراد ، اسدی طوسی ہیں یا نظام الملک طوسی معلوم نہیں ۔ لیکن دونوں سے علامہ کا فنی و فکری تعلق واضح ہے ۔ علامہ شروع سے "مناظرہ" پر مبنی شاعری کے دلدادہ نظر آتے ہیں جاوید نامہ بھی سرتاسر اسی طرز ادا کا نمونہ ہے ۔ اس فن کا موجد بقول **اسدی طوسی بزرگ تھا** ۔ لطف علی آذر مولف آتش کدہ نے اسدی کو سلطان محمود کے سبعہ سیارہ میں شمار کیا ہے ۔ دولت شاہ سمرقندی [تذکرۃ الشعراء مطبوعہ شیخ مبارک علی ص ۱۶] لکھتا ہے " اسدی فردوسی کا استاد تھا ۔ خراسان کے اکثر شعراء اسدی کی علمی فضیلت کی وجہ سے اسے استاد مانتے تھے " اسدی بزرگ فن مناظرہ کا موجد ہے ۔ قصائد لکھتے ہوئے وہ دو چیزوں کا آپس میں مناظرہ کراتا ہے ۔ دونوں کی برتری ظاہر کرنے کے لئے دلیلیں پیش کرتا ہے بالآخر ممدوح کی تعریف کی طرف گریز کرتا ہے ۔ ۹۲۵

نظام الملک طوسی : ابو علی حسن بن اسحاق اپنے وقت کا جلیل القدر مدبر تھا ۱۰۱۷ء میں طوس میں پیدا ہوا ۔ شہزادہ الپ ارسلان کے عہد میں ایران کا وزیر اعظم بنا ، جلال الدین ملک شاہ ، نو عمری میں ایران کا وارث تخت و تاج بنا تو چچا کی طرف سے تخت نشینی کی دعوے داری سے پیدا ہونے والے تمام مسائل ، نظام الملک کے تدبر سے صرف حل ہو گئے — بلکہ نظام الملک ہی کی لیاقت نے ملک شاہ کے حدود سلطنت وسیع کرنے کا کام کیا ۔ بغداد کا مدرسہ نظامیہ جس میں ابو حامد الغزالی جیسے معلمین تھے نظام الملک ہی کا کارنامہ ہے ۔ نیشاپور کی رصدگاہ جہاں عمر خیام نے دیگر علماء سے

---

۹۲۴ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد ص ۵۲ ۔ الیضاً ۔ ۹۲۵ ادب نامہ ایران ص ۸۱ مرزا مقبول بیگ بدخشانی ۔ یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور ۔

مل کر زیچ ملک شاہی تیار کی ۔ سیاست نامہ⁹²⁶ نظام الملک کی مشہور تصنیف اور درس نظامی کا نصاب، ملازوال کارنامہ ہے رصدگاہ ۔ اور عمر خیام کے حوالے سے طوسی سے علامہ کی مراد نظام الملک طوسی ہی ہو سکتی ہے ۔ نظام الملک ذیشان کے دوران ۴۸۵ ہجری میں نہاوند میں قتل ہوئے ۔ قاتل یا تو اسماعیلی تھا یا تاج الملک وزیر اعظم ایران کا آدمی ہے ملک شاہ نے نظام الملک کی معزولی کے بعد نامزد کیا تھا ۔ واللہ اعلم ۔

حکیم عمر خیام : ابوالفتح عمر بن ابراہیم خیام نیشاپوری علم ہیئت اور علم ریاضی کا بہت بڑا فاضل تھا ۔ ان علوم کے علاوہ ہیئت و دیگر فنون میں بھی اس کا پایہ بہت بلند ہے ۔ اس کے علم و فضل کا اعتراف اہل ایران سے بڑھ کر اہل یورپ نے کیا ہے ۔ مشہور مؤرخ نگاروں نے اس کی تاریخ پیدائش ۴۰۸ یا ۴۱۰ ہجری لکھی ہے ۔ عمر خیام نظام الملک طوسی اور حسن بن صباح بانی فرقہ باطنیہ، تینوں ہم سبق تھے ۔ نظام الملک ۴۸۵ ہجری میں، خیام ۵۱۰ ہجری میں اور حسن ابن صباح ۵۱۸ ہجری میں فوت ہوا ۔ صاحب چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی، خیام کا شاگرد تھا ۔ فلسفہ میں خود خیام بو علی سینا کا شاگرد تھا جس کا اعتراف اس نے اپنے رسالہ "الکون و التکلیف" میں کیا ہے ۔ ملک شاہ کا قائم کردہ رصدگاہ سے جو زیچ تیار ہوئی وہ خیام ہی کے فکر کا نتیجہ تھا [ابن الاثیر] خیام کو آج کل شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے لیکن وہ فلسفہ میں بو علی سینا کا ہمسر اور مذہبی علوم میں امام فن تھا ۔ علوم نجوم کا تو وہ ماہر مانا گیا ہے ۔ بیہقی نے لکھا ہے "خیام ملک شاہ کے دربار کا طبیب تھا، شہزادہ سنجر مرض چیچک میں مبتلا ہوا تو اس کا علاج خیام ہی نے کیا تھا ۔

مغربی دنیا میں خیام کی شہرت اس کی ریاضی دانی کی بدولت ہوئی ۔ فرانسیسی زبان میں اس کی جبر و مقابلہ کا ترجمہ ۱۸۵۱ء میں "جبر عمر" کے نام سے ہوا ۔ رضا شاہ پہلوی کے عہد میں یہ کتاب فارسی میں "جبر و مقابلہ عمر خیام" کے نام سے شائع ہو چکی ہے ۔ سید سلیمان ندوی نے "خیام اور اس کے سوانح حیات پر ناقدانہ نظر" میں خیام کی ذیل کتابیں گنائی ہیں ۔

(۱) رسالہ استخراج اضلاع مربعات و مکعبات
(۲) رسالہ جبر و مقابلہ جس کا پورا نام "رسالۃ فی براہین الجبر و المقابلہ" ہے
(۳) رسالہ شرح ما اشکل من مصادرات اقلیدس
(۴) زیچ ملک شاہی
(۵) رسالہ مختصر در طبیعیات
(۶) میزان الحکم (۷) رسالہ الکون والتکلیف (۸) رسالہ موضوع علم کلی وجود
(۹) رسالہ فی کلیات الوجود (۱۰) رسالہ اوصاف یا رسالۃ الوجود (۱۱) غرالفص النفائس
(۱۲) نوروز نامہ (۱۳) رباعیات عمر خیام (۱۴) بعض عربی اشعار
(۱۵) مکاتبات خیام فارسی ۔ جو اب ناپید ہیں ⁹²⁷

ثابت : قائم، مضبوط ۔ وہ ستارہ جو حرکت نہیں کرتا اور اپنی جگہ پر قائم ہے ۔ جمع ثوابت [فرہنگ عامرہ]

جوہر : کسی چیز کی وہ صفت جو اس کے ساتھ مستقل طور پر قائم ہو ۔ **سیارہ :** حرکت کرنے والا ستارہ (ایضاً)

(۱۸۳) **حجاز :** حجز سے ماخوذ ہے جس کے معانی دو چیزوں کے درمیان آنا ۔ چونکہ ملک حجاز نجد کی بلند زمین اور تہامہ کی نشیبی زمین کے درمیان واقع ہے اس لئے اسم با مسمّٰی ہے (ارض حجاز دو بر اعظموں کے درمیان واقع ہے اور ناف زمین ہے اسی لئے یہاں کے باشندے اُمیّین کہلائے اور مکہ کو ام القریٰ کہا گیا مرکزی شہر ناصلی) عربستان کا وہ علاقہ جس میں مکہ، مدینہ کے علاوہ نجد و طور کا درمیانی علاقہ شامل ہے ۔⁹²⁸

---

۹۲۶ ایضاً صفحہ ۱۵۵/۱۵۶ ۔ ۹۲۷ ایضاً صفحہ ۱۶۲ تا ۱۶۸

۹۲۸ غیاث اللغات فارسی بحوالہ منتخب ، مدار ، صراح ، مؤید اور کشف ۔ صفحہ ۱۶۸

(۱۷۷) **ملکِ نیل** : وادیٔ نیل کی تہذیب بھی گنگا جمنا [ہندوستان] کی طرح بہت قدیم ہے بعض مورخ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قدیم ترین تہذیب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیل کی وادی اور اُس کے ملحقہ علاقوں، مصر وغیرہ، میں جو شاہیت کے سلسلے قائم ہوئے ان کی عظمت کا ہر ایک کو اعتراف ہے ـــ حضرت یوسف علیہ السلام سے لے کر موسیٰ و ہارون علیہما السلام تک [سینا و فرعون کے حوالے اس حقیقت کے پانے کو کافی ہیں۔ ناقل]ـــ

جرمنی کے مصنف Ludwig نے دریائے نیل پر ایک نہایت اعلیٰ درجے کی کتاب لکھی ہے جس میں نیل کے کناروں پر جو کچھ ہوتا رہا ہے۔ اُس کے متعلق اس دریا نے چشمِ حباب سے جو واقعات دیکھے ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ اہرامِ مصر، ابوالہول بھی اسی سرزمینِ پُر اسرار سے متعلق ہیں اور سحر و طلسم کے افسانے بھی۔ خود نیل کی تاریخ بھی کم دلچسپ نہیں ہے ۹۲۹

فلزات : فِلِز وہ جوہرِ کانی جو آگ میں پگھل سکے مثلاً سونا، چاندی، تانبا وغیرہ معدنیات، فلزات جمع ہے [لغاتِ کشوری ص ۳۵۲]

---

۹۲۹ تلمیحاتِ اقبال سید عابد علی عابد ص ۲۲۲/۲۲۳ ایضاً -

رومی

۹۰۷۔ من ز افلاکم رفیق من ز خاک — سرخوش و ناخوردہ از گہائے تاک
مرد بے پروا و تامش زندہ رود — مستیٔ او از تماشائے وجود
ما کہ در شہر شما افتادہ ایم — در جہان و از جہان آزادہ ایم
در تلاش جلوہ ہائے نو بہ نو — یک زمان مارا رفیق راہ شو

حکیم مریخی

این نواح مرغدین (۱۷۵) برخیاست — برخیا نام ابوالآبائے ماست
۹۱۲۔ فرزمرز آن آمر کردار زشت — رفت پیش برخیا اندر بہشت
گفت "تو این جا چساں آسودۂ؟ — عمرہا محکوم یزداں بودۂ
از مقام تو نکوتر عالمے ست — پیش او جنت بہار یک دمے ست
آن جہاں از ہر جہاں بالاتر است — آن جہان از لامکاں بالاتر است
نیست یزداں را از آں عالم خبر — من ندیدم عالمے آزادہ تر
نے خدائے در نظام او دخیل — نے کتاب و نے رسول و جبرئیل
نے طوافے نے سجودے اندرو — نے دعائے نے درودے اندرو
برخیا گفت "اے فسوں پرداز خیز — نقش خود را اندر آں عالم بریز"
تا ابوالآبا فریب او نخورد — حق جہانے دیگرے باما سپرد

اندریں ملک خدادادے گذر
مرغدین و رسم و آئینش نگر

حواشی و تعلیقات : شعر نمبر ۹۰۷ : من ز افلاکم ۔ بوجہ مرحوم ہونے کے رومی کی روح رہنما ہے اس لئے علامہ نے انہیں افلاکی لکھا ہے۔

(۱۷۵) **مرغدین برخیا :** علامہ نے ایک مثالی معاشرے کے لئے شہر مرغدین اور اس کے بانی کے لئے برخیا نام گھڑا ہے ـــــ مثالی شہر یا مثالی حکومتوں اور معاشروں کا خواب انسان کے مہذب ہونے کے ساتھ ہی دیکھا

جانے لگا تھا۔ انگریزی میں اسے Utopia سے تعبیر کیا گیا ہے جو تھامس مور کی کتاب کا نام تھا یہ کتاب 1516 عیسوی میں لکھی گئی ——— بلیک ویل انسائیکلوپیڈیا آف پولیٹیکل تھاٹس میں Utopia کا تعریف یوں کی گئی ہے۔

"It is a unique method of reflecting on Politics and Society, which seeks the perfect, best or happiest form of Society, untrammelled by commitments to existing institution." [٩٢٠] ——— مثالی معاشرہ (Utopia) پر مفصل بحث مقدمہ میں ملے گی

شعر نمبر ۹۱۲ - فرامرز: فرضی نام اُس ابلیس کا جو مرغدین کے اُولالاباد کو اسی طرح بہلانے اور بہکانے آیا تھا جس طرح کہ اہل خاک کے اُولالاباء حضرت آدم کو عزازیل نے بہکایا اور شجرِ ممنوعہ سے تمتع پر مجبور کر دیا ——— لیکن ناکام رہا۔ آدم کو بہک جانے کی سزا جنت سے نکال کر زمین کی خلافت سونپنے کی صورت میں ملی اور بڑھیا کو مریخ پر بھیج دیا گیا۔ اس کا نام مرغدین ہے آؤ یہاں کی راہ و رسم سے آگاہی حاصل کرو۔ فرامرز ایک ترکی لفظ بھی ہے

گردش در شہر مرغدین

مرغدین و آں عمارات بلند — من چہ گویم زاں مقام ارجمند
ساکنانش در سخن شیریں چو نوش — خوبروئے و نرم خوئے و سادہ پوش
فکرشاں بے درد و سوزِ اکتساب — رازدانِ کیمیائے آفتاب
ہر کہ خواہد سیم و زر گیرد ز نور — چوں نمک گیریم ما از آبِ شور
خدمت آمد مقصدِ علم و ہنر — کارہا را کس نمی سنجد بہ زر
کس ز دینار و درم آگاہ نیست — ایں بتاں را در حرمہا راہ نیست
محنت کش دہقاں چراغش روشن است — از نہابِ دہخدایاں ایمن است
کشت و کارش بے نزاعِ آبجوست — حاصلش بے شرکتِ غیرے ازوست
اندراں عالم نہ لشکر نے قشوں — نے کسے روزی خورد از کشت و خوں
نے قلم در مرغدیں گیرد فروغ — از فنِ تحریر و تشہیرِ دروغ
نے بہ بازاراں ز بیکاراں خروش — نے صداہائے گدایاں دردِ گوش

---

٩٢٠ The Blackwell Encyclopaedea of Political Thoughts Page. 533, Great Briton 1987 AD.

حواشی و تعلیقات : (۱۲۶) کیمیائے آفتاب : اُن کی فکر، کسی سے مانگی ہوئی نہیں۔ وہ کیمیائے آفتاب کے رازداں ہیں۔ آفتاب جس طرح اپنے ہی اندر سے نار و نور پیدا کرتا ہے ویسے اہلِ مریخ بھی اپنی ذات پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ سید عابد علی عابد لکھتے ہیں

"آفتاب کی حرارت جو کم نہیں ہوتی اس کے متعلق ایک نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ اس میں وقتاً فوقتاً خود بخود جوہر فرد پھٹتا ہے اس سے روشنی و گرمی پیدا ہوتی ہے۔ سورج کی جو تصویریں لی گئی ہیں ان میں ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا کہ شعلے ہزاروں میل تک سورج کے کناروں سے بلند ہو رہے ہیں" ۹۳۱

علامہ چاہتے ہیں کہ ان کے مخاطب بڑوں کے افکار پر بھروسہ کرنے کے بجائے اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہوں ــــــ جہانِ قرآنی میں علامہ نے جو معاشی معاشرتی خصائص بیان کئے تھے اُن کی کچھ جھلکیاں یہاں دکھائی ہیں۔ علم و ہنر بکتے نہیں خدمتِ خلق کے کام آتے ہیں۔ دہقانوں کے گھر جاگیرداروں کے **سیلاب** زدہ مارے سے محفوظ اور روشن ہیں۔ کاشتکاری نہری پانی کے جھگڑوں سے محفوظ ہے اور مزدور کی محنت کا پھل بلا شرکتِ غیر اسی کا ہے۔

قشون : ترکی زبان کا لفظ ہے اور بغیر واو لکھا جاتا ہے۔ فارسی اہل زبان واؤ معروف سے لکھتے ہیں مراد فوج کا حصہ، رسالہ ۹۳۲ .

حکیم مریخی

(۱۲۷)

کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

زندہ رود

(۱۲۸)

سائل و محروم تقدیرِ حق است
حاکم و محکوم تقدیرِ حق است
جز خدا کس خالقِ تقدیر نیست
چارۂ تقدیر از تدبیر نیست

---

۹۳۱ تلمیحات اقبال سید عابد علی عابد صفحہ الیضاً — ۹۳۲ غیاث اللغات فارسی بحوالہ سراج اللغات ترکی

حکیم مریخی

گر ز یک تقدیر خوں گردد جگر
خواہ از حق حکم تقدیر دگر

تو اگر تقدیر نو خواہی رواست (۱۷۹)
زانکہ تقدیرات حق لا انتہاست

ارضیاں نقد خودی در باختند
نکتۂ تقدیر را نشناختند

رمز باریکش بحرفی مضمر است
تو اگر دیگر شوی او دیگر است

خاک شو نذر ہوا سازد ترا
سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا

شبنمی؟ افتندگی تقدیر تست
قلزمی؟ پایندگی تقدیر تست

ہر زماں سازی ہماں لات و منات
از بتاں جوئی ثبات اے بے ثبات

تا بخود ناساختن ایمان تست
عالم افکار تو زندان تست

رنج بے گنج است تقدیر این چنین
گنج بے رنج است تقدیر این چنین

اصل دین این است اگر اے بے خبر
می شود محتاج از و محتاج تر

وائے آں دینے کہ خواب آرد ترا
باز در خواب گراں دارد ترا

سحر و افسون است یا دین است این؟
حب افیون است یا دین است این؟

حواشی و تعلیقات:

(۱۷۷) کس نگردد در جہاں محتاج کس ۔ نکتۂ شرعِ مبین این است و بس [۹۳۳]

حکیم مریخی نے شہرِ مرغدین میں اسی اصولِ دین کے رواج کی خبر دی۔ یعنی وہاں عالمِ قرآنی کا دور دورہ ہے۔

(۱۷۸) علامہ نے "عام ذہنیت" کے مطابق سوال کیا۔ دورِ ملوکیت یا عہدِ غلامی میں قوموں کی یہ ذہنیت بن جاتی ہے کہ بس اللہ کو یہی منظور رہتا ہے — اللہ نے غریب اور امیر پیدا کئے ہیں ع خدا پنج انگشت یکساں نکرد یہ فطری اصول، ہر معاشرے میں غریبوں کو ترقی سے محروم رکھنے کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے۔ قرآن حکیم نے "قارون" کا یہی نظریہ بیان کیا ہے۔ جب اُس سے کہا جاتا تھا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ [۹۳۴] جس طرح اللہ نے تجھ پر (اتنی دولت دے کر) احسان کیا ہے تو بھی [نادار بندگانِ خدا کے ساتھ] احسان کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو۔ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ

---

۹۳۳ کلیات اقبال فارسی ص ۸۲۸ [illegible]

۹۳۴ القصص: ۷۷

[illegible] ـــــــ دوسرے یہ کہ اگر نبی اللہ
علیٰ [illegible] ـــــــ یہی وہ نظریاتی حدود
[illegible] اس ذہنی پستی کے مالکوں کے استدلال
[illegible] اپنا موقف یوں بیان کیا۔
[illegible] ـــــــ اور [illegible]

پھر یہ دیکھنا تفہیم میں آسانی پیدا

(۱۲۹) **تقدیر اور تدبیر:** [illegible] کرے گا۔ تقدیر کا انکار کفر ہے۔ لیکن اللہ نے انسان کو عقل و شعور اور ارادے کا مالک بنا کر دوسرے تمام مظاہر حیات و عناصر کائنات سے ممیز و ممتاز فرمایا ہے ـــ یہ عقل و شعور اور ارادہ بھی اُس کی عطا ہے تو ان سے صادر ہونے والی تدابیر بھی تقدیراتِ الٰہیہ ہی ہیں۔ اسی لئے تو فرمایا۔ انسان کی تقدیر اس کی سعی ہے۔ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۹۳۵ انسان کا حق اتنا ہی ہے جتنی کہ وہ سعی کرتا ہے۔ اور اسی طرح اجتماعی زندگی میں لَا يُغَيِّرُ اللّٰهُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۹۳۶ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنے اندر صلاحیت پیدا نہیں کرتی ـــــــ معلوم ہوا انسان اپنی تقدیر کا خود خالق ہے ـــ اور عالم انسانی کی یہی وہ تقدیر ہے جس کے خلاف کرنے کی سزا دُنیا اور آخرت میں ملے گی ـــــ پس ایک تقدیر وہ ہے جس کے جمادات و نباتات تابع ہوتے ہیں ـــ یہ تقدیرات، دُنیوی اُمور میں نظم پیدا کرتی ہیں ـــ سائنس کے متعلق اصول، ہائیڈروجن جلتی ہے۔ آکسیجن جلنے میں مدد دیتی ہے۔ مائعات سطح ہموار رکھتے ہیں سنکھیا کھانے والا مر جاتا ہے ـــ وغیرہ ـــ دراصل ان تقدیرات کے اٹل ہونے پر مبنی ہیں ـــــ خود انسان بھی جہاں "عمل" کی تقدیر رکھتا ہے وہاں وہ "عمل" کے نتائج بدلنے کا اختیار نہیں رکھتا ـــ یہ بھی تقدیر ہی ہے ـــ ہر عمل ـــ کا ـــ اپنا نتیجہ ـــــ انسان ایک یا دوسرا عمل ـــ راستہ ـــ طریقہ اپنانے کا اختیار رکھتا ہے ـــ مگر اُس عمل ـــ راستے اور طریقے کے نتیجہ کو بدلنے کا اختیار اُس کے پاس نہیں ـــ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۹۳۷ راہ ہدایت اپنانے والا اُس کا نتیجہ پائے گا اور کفر کرنے والا اُس کا نتیجہ پائے گا تاہم یہاں بھی انسان اُس طرح کا پابند نہیں جس طرح کہ ـــ نباتات و جمادات پابند ہیں۔ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۹۳۸ جس نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی تو اللہ بھی بلاشبہ اور یقیناً بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ بھی تقدیر ہی ہے ـــــ حضرت عمرؓ کا وبا زدہ علاقے سے نکلنا ـــ بظاہر تدبیر سہی لیکن دراصل وہ بھی توبہ کی طرح ـــ ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف جانا تھا ـــ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ہر کسی کو اُس کے عمل کا نتیجہ وہی کیوں نہیں ملتا جو ویسا ہی عمل کرنے والے کسی اور کو ملتا ہے؟ ـــ بلاشبہ یہ وقیع سوال ہے لیکن اس کا جواب بھی دیا ہے یعنی تقدیرِ عمل اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۹۳۹ سعی کا فرق تو ناقابلِ انکار ہے اور یہی فرق نتائج میں فرق ڈالتا ہے ـــ ہر عمل کا نتیجہ مقدر ہے تو عمل کی نوعیت اُس کی تقدیر (نتیجہ) میں دخیل ہوگی، اس کا الزام

---

۹۳۵ النجم: ۳۹ ۹۳۶ الرعد: ۱۱ ۹۳۷ الدھر: ۳ ۹۳۸ المائدہ: ۳۹، الانعام: ۵۴،
التوبہ: ۱۱۷، مریم: ۶۰، طٰہٰ: ۸۲، الفرقان: ۷۱، القصص: ۶۷ ۹۳۹ اللیل: ۴

جتنا تقدیر کے نام جانا ہے اتنا ہی عمل کی نوعیت کو بھی ۔ یہی وہ رمز باریک ہے جس کی طرف علامہ نے اشارہ کیا ہے تو اگر دیگر شوی اُو [یعنی تقدیر] دیگر است ۔ نیا نتیجہ نکلے گا ۔ ایک مسئلہ اور رہ گیا ۔ جس نے فکر اقبال میں ایک گونہ تضاد پیدا کر دیا ہے ۔ علامہ نے والدہ مرحومہ کی یاد میں ۱۹۱۴ء میں ایک نظم لکھی اس میں کہا ۔

ذرہ ذرہ دہر کا زندانیِ تقدیر ہے ۔۔۔ پردۂ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسماں مجبور ہے، شمس و قمر مجبور ہیں ۔۔۔ انجمِ سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں ۔۔۔ سبزہ و گل بھی ہیں مجبورِ نمو گلزار میں
نغمۂ بلبل ہو یا آوازِ خاموشِ ضمیر ۔۔۔ ہے اسی زنجیرِ عالم گیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سرِّ مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ رواں [کلیات اقبال اردو ص ۲۲۶ (بانگ درا : والدہ مرحومہ کی یاد میں] ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ تقدیر نہیں قضا کا معاملہ ہے ۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص:۸۸) اگر آپ نے تعلیقہ نمبر ۹) دیکھ لیا ہے تو قضا اور تقدیر میں فرق کر سکیں گے ۔ آخری مسئلہ ۔ جو علم ربانی سے تعلق رکھتا ہے ۔ وہ بھی تقدیر ہی کے ذہن میں آتا ہے ۔ لیکن دراصل وہ علم ربانی ہے ۔ یعنی انسان نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا ؟ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا [لقمان:۳۴] لیکن اللہ جانتا ہے ۔ کیا اس کا پہلے سے جاننا ۔ بندے کو مکلف کرتا ہے کہ وہی کچھ کرے ؟ ۔ یا بندہ جو کچھ کرے گا اللہ وہ جانتا ہے جب کہ بندہ خود نہیں جانتا ۔ ؟ پہلی بات کسی صورت ٹھیک نہیں البتہ دوسری بات درست ہے ۔ لیکن اس کا تقدیر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ۔ علم ربانی سے متعلق ہے ۔ لہٰذا فکر اقبال پر تضاد کا الزام بھی اسی طرح غلط ہے جس طرح کہ تقدیر کے نام سے اللہ کو یہ الزام دینا کہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اس میں بندے کا کچھ اختیار نہیں ۔ حالانکہ يَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ [الرعد:۲۷] کا ارشاد باری واضح اور صاف ہے جو چاہتا ہے وہ اسی کو ہدایت دیتا ہے (لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا العنکبوت:۶۹) ۔ اور جو گمراہی پسند کرتا ہے اسی کو گمراہ کرتا ہے ۔ تقدیر پرستی نے انسان کو بے عملی کی راہ لگایا ۔ قومیں برباد ہوئیں ۔ اور تقدیر کا یہ تصور کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے " انسان کے اندر عمل کی تڑپ اور حالت بدلنے کا جذبہ و جوش پیدا کرتا ہے مسلم تاریخ میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی عملی زندگی اور جہد و جہاد کے دورِ سعید کے بعد جن مفکرین نے توکل اور تقدیر کے حقیقی مفہوم اور منشائے باری کو کما حقہ واضح کیا اُن میں مولانا جلال الدین رومیؒ کے بعد صرف اور صرف علامہ اقبال کا نام آتا ہے ۔ لہٰذا دینِ اسلام کو دینِ گوسفنداں بنانے والوں سے علامہ کا یہ سوال ہر حوالے سے برحق ہے کہ

کہ دین ہے یا سحر و افسوں ؟ کیا یہ افیون کی گولی ہے جو ماننے والوں کو سلا دینے کے کام آتی ہے ۔ یا زندہ و بیدار ۔ سرگرم عمل رضا جو ۔ مسلمان بنانے والی تحریک ؟

اب لازم ہے کہ تقدیر سے متعلق علامہ کے شعری و نثری شواہد کی طرف رجوع کیا جائے

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند[۹۲۰]

عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے[۹۲۱]

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے[۹۲۲]

وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے[۹۲۳]

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ[۹۲۴]

"دراصل تقدیر عبارت ہے اس زمانے سے جس کے امکانات کا انکشاف ابھی باقی ہے۔ یہ گویا وہ زمانہ ہے جو علت و معلول کی ترتیب سے آزاد ہے ---- کسی شے کی تقدیر قسمت کا وہ بے رحم حکم نہیں جو ایک سخت گیر آقا کی طرح خارج سے کام کر رہا ہو، بلکہ ہر شے کی حدِ وسع ہے۔ یعنی اس کے وہ امکانات جن کا حصول ممکن ہے اور جو اس کے اعماقِ وجود میں مضمر ہے اور بغیر کسی خارجی دباؤ کے علی التواتر قوت سے فعل میں آجاتے ہیں" [تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ: خطبہ دوسرا مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار، ص ۷۶، ص ۷۷]

۹۲۸ - می شناسی طبعِ درّاک از کجاست جوہرے اندر بنگہ خاک از کجاست
قوتِ فکرِ حکیماں از کجاست طاقتِ ذکرِ کلیماں از کجاست
این دل و این وارداتِ او ز کیست این فنون و معجزاتِ او ز کیست
گرمیِ گفتار داری؟ از تو نیست شعلۂ کردار داری؟ از تو نیست
این ہمہ فیض از بہارِ فطرت است فطرت از پروردگارِ فطرت است
زندگانی چیست؟ کانِ گوہر است تو امینی صاحبِ او دیگر است

---

۹۲۰ کلیاتِ اقبال اردو ص ۵۲۶ (ضربِ کلیم: احکامِ الٰہی) ۹۲۱ ایضاً ص ۶۷۷ (ارمغانِ حجاز:)
۹۲۲ ایضاً ص ۳۷۷ (بالِ جبریل: ۳۳) ۹۲۳ ایضاً ص ۶۰۲ (ضربِ کلیم: آج اور کل)۔
۹۲۴ ایضاً ص ۶۸۲ (ارمغانِ حجاز: ۱۵)۔

طبع روشن مردِ حق را آبروست / خدمتِ خلق خدا مقصودِ اوست

خدمت از رسم و رہ پیغمبری ست ۹۲۵ / مزدِ خدمت خواستن سوداگری ست

ہمچناں این باد و خاک و ابر و کشت / باغ و راغ و کاخ و کوے و سنگ و خشت

اے کہ می گوئی متاعِ ما ز ماست / مردِ ناداں این ہمہ ملکِ خداست

ارضِ حق را ارضِ حق خود دانی بگو / چیست شرحِ آیۂ لا تفسدوا

ابن آدم دل بابلیسی نہاد / من ز ابلیسی ندیدم جز فساد

کس امانت را بکارِ خود نبرد / اے خوش آں کو ملکِ حق با حق سپرد

بردۂ چیزے کہ از آنِ تو نیست / دائم از کارے کہ شایانِ تو نیست

گر تو باشی صاحبِ چیزے می سزد / ور نباشی خود بگو کے می سزد

ملکِ یزداں را بہ یزداں باز دہ / تا ز کارِ خویش بکشائی گرہ

زیرِ گردوں فقر و مسکینی چراست / آنچہ از مولاست می گوئی ز ماست

بندۂ کز آب و گل بیروں نجست / شیشۂ خود را بہ سنگِ خود شکست

اے کہ منزل را نمی دانی ز رہ / قیمتِ ہر شے ز اندازِ نگہ!

تا متاعِ تست گوہر گوہر است / ورنہ سنگ است از پشیزے کمتر است

نوعِ دیگر بیں جہاں دیگر شود
ایں زمین و آسماں دیگر شود

حواشی و تعلیقات : خوُر کنایہ ہے طبعِ دراک سے بنگہ: کوٹھار، مکان، خانہ (فصلِ عامہ) فکرِ حکیمی، ذکرِ کلیمی کی طاقت، دل اور وارداتِ دل، فنون اور معجزاتِ فن، گرمئ گفتار، شعلۂ کردار، — سب صلاحیتیں بہارِ فطرت کا فیض ہیں اور فطرت پروردگارِ فطرت کی عطا ہے ۔ یہ زندگی کانِ گوہر ہے اور تو صرف امین ہے مالک نہیں مالک کوئی اور ہے — طبعِ روشن مردِ حق کی آبرو ہے اور اس کا مقصود صرف خدمتِ خلق ہے — پیغمبروں نے خدمت کی ہے — اور مزدوری طلب نہیں کی ۔ قرآنِ حکیم کی گواہی ۔ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۹۲۵ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا "اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس پروردگارِ عالم کے ذمے ہے" — شہرِ مغربین میں چونکہ کوئی مزدوری نہیں لیتا اس لئے زندہ رود سے بھی اس نے یہی تقاضا کیا ۔

خدمت آمد مقصدِ علم و ہنر / کارہا را کس نمی سنجد بزر

جب تیری جان تیری نہیں تو پھر اور کیا چیز تیری ہے؟ سب کچھ خدا کی ملکیت ہے ۔ تیرے پاس اس کی امانت ہے ۔ امانت کو کون اپنے کام میں لگاتا ہے ۔ حق کی امانت حق کو لوٹا دو — زاویۂ نگاہ

---

۹۲۵ الشعراء : ۱۰۹ ، سبا : ۴۷

بدلنے سے شے کی قدر و قیمت بدل جاتی ہے — اللہ کی ملکیت کو اپنی ملکیت سمجھنے سے — جو ابلیسی فلسفہ ہے — فتنہ و فساد پیدا ہوا — جس طرح گوہر کو اپنی ملک بنانے سے قیمتی کر دیا گیا ورنہ وہ بھی ایک پتھر ہوتا یا **پشیز** (دھیلا، دمڑی، شیڈی پیسہ) — اسی نے مقر و مسکنت کو جنم دیا ہے — زاویۂ نگاہ بدلو — تحت و فوق بدل جائے گا — فساد کی جگہ امن اور آقائی و غلامی کی جگہ اخوت لے لے گی۔

احوالِ دوشیزۂ مریخ کہ دعوائے نبوّت می کرد

۹۶۹- درگذشتم از ہزاراں کوئے و کاخ — بر کنارِ شہر، میدانِ فراخ
اندراں میداں، ہجومِ مرد و زن — در میاں یک زن قدش چو نارون (۱۸۰)
چہرہ اش روشن و لے بے نورِ جاں — معنئ او بر بیانِ او گراں
حرفِ او بے سوز و چشمش بے نمے — از سرورِ آرزو نامحرمے
فارغ از جوشِ جوانی سینہ اش — کور و صورت ناپذیر آئینہ اش
بے خبر از عشق و از آئینِ عشق — صعوۂ رو کردۂ شاہینِ عشق
گفت با ما آں حکیم نکتہ داں — نیست این دوشیزہ از مریخیاں
سادہ و آزادہ و بے ریو و رنگ — فرزمرز او را بدزدید از فرنگ
پختہ در کارِ نبوت ساختش — اندریں عالم فرو انداختش
گفت نازل گشتہ ام از آسماں — دعوتِ من دعوتِ آخر زماں
از مقامِ مرد و زن دارد سخن — فاش تر می گوید اسرارِ بدن

نزدِ آں آخر زماں تقدیر زیست — در زبانِ ارضیاں گویم کہ چیست

تذکیرِ نبیۂ مریخ

اے زناں اے مادراں اے خواہراں — زیستن تا کے مثالِ دلبراں
دلبری اندر جہاں مظلومی است — دلبری محکومی و محرومی است
در دو گیسو شانہ گردانیم ما — مرد را نخچیرِ خود دانیم ما

مرد صیادی بہ نخچیری کند — گرد تو گردد کہ زنجیری کند
خود گدازیہائے او مکر و فریب — درد و داغ و آرزو مکر و فریب
گرچہ آں کافر حرم سازد ترا — مبتلائے درد و غم سازد ترا
ہمسر او بودن آزار حیات — وصل او زہر و فراق او نبات
مار پیچاں! از خم و پیچش گریز — زہرہایش را بخون خود مریز

از امومت زرد روئے مادراں
اے خنک آزادی بے شوہراں

وحی یزداں پے بہ پے آید مرا — لذت ایماں بیفزاید مرا
آمد آں وقتے کہ از اعجاز فن — می تواں دیدن جنیں اندر بدن
حاصلے برداری از کشت حیات — ہر چہ خواہی از بنین و از بنات
گر نباشد بر مراد ما جنیں — بے محابا کشتن او عین دیں
در پس این عصر اعصار دگر — آشکارا گردد آثار دگر
پرورش گیرد جنیں نوع دگر — بے شب ارحام در یابد سحر
تا بمیرد آں سراپا اہرمنے — ہمچو حیوانات ایام کہن
لالہ ہا بے داغ و باد اماں پاک — بے نیاز از شبنمے خیزد ز خاک
خود بخود بیروں فتد اسرار زیست — نغمہ بے مضراب بخشد تار زیست
۹۹۹- آنچہ از نیساں فرو ریزد مگیر — اے صدف در زیر دریا تشنہ میر
خیز و با فطرت بیا اندر ستیز — تا ز پیکار تو حر گردد کنیز

رستن از ربط دو تن توحید زن
حافظ خود باش و بر مرداں متن

حواشی و تعلیقات : (۱۸۰) زن نبیہ مریخ : بظاہر یہ مغربی تہذیب ہے جو شہر مرغدین میں (جہاں، عملاً عالم قرآنی کی جھلک دکھائی دیتی ہے) اپنے فاسد نظریات پھیلانے میں معروف ہے۔ ایسا لگتا ہے علامہ کے پیش نظر تحریک حقوق نسواں بنام __FEMINISM__ تھی جس نے یورپ خصوصاً امریکہ و فرانس میں جمہوریت کے متعارف ہونے کے ساتھ ہی عورتوں کے لئے مردوں کے مساوی شہری حقوق کی مانگ کردی تھی۔ اکیڈمک امریکن انسائیکلوپیڈیا

میں اس تحریک کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے۔

Generaly Feminism means the advocacy of women's rights to full citizenship- that is, Political, economics, and social equality with men. Different Strands of Feminism vary widely, however, and include those which advocate female Separatism.

Modern Feminism, which was born with the great Democratic revolutions of the 18th Century [Amerian and French] differed from its Precursors in applying the democratic implications of "the rights of man and the citizen" to women as a group. ۹۲۶ے

۱۹۲۳ء میں Alice Paul کی پیش کردہ ترمیم Equal rights Amendment [E.R.A] کی ناکامی کے بعد یہ تحریک ماند پڑ گئی ۱۹۶۴ء کے قانون سِول رائٹس میں عورتوں کے لئے کچھ حقوق کے ذریعے علاوہ "اسقاطِ حمل" کا اختیار حاصل کر لینے میں کامیابی کے ساتھ ۱۹۷۳ء میں یہ تنظیم E.R.A پھر متعارف ہوئی ۹۲۷ے لیکن حیرت ہے علامہ اقبال نے اس مغربی خاتون کی زبانی عورتوں کے لئے اس قسم کے حقوق کی مانگ سے متعلق پیش گوئی ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ کر دی — نہ صرف اسقاطِ حمل،

گر نباشد بر مراد ما جنیں — بے محابہ کشتن او عین دیں

بلکہ یہاں تک کہہ گئے کہ اس زمانے کے بعد کے زمانوں کے آثار بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔ جب جنین کی پرورش "رحمِ مادر" کے پردوں کے اندر ہونے کے بجائے دوسرے طریقوں سے ہوگی۔ ٹسٹ ٹیوب بے بی، کے تجربے، بیسویں صدی کا سب سے محیر العقول کارنامہ ہے۔

شعر نمبر ۹۹۹ - علامہ کا یہ شعر فصاحت و بلاغت کے بے نظیر مقام کا حامل ہے۔ فیملی پلاننگ نے مردوں کو حمل روکنے کی راہ دکھائی ہے لیکن مریخ کی مدعیٔ نبوت مغربی خاتون عورتوں کو "قطرہ صدف رحم" تک نہ پہنچنے دینے کی تلقین کرتی ہے۔ کہ اس طرح اُن کی "توحید" مسلم رہے گی اور ثنویت سے دوچار نہ ہونے پائے گی — یہی حقوق نسواں کی طلب کی معراج ہے

۹۲۶ے Academic American Encyclopaedea vol. 8 P 48 1975.

۹۲۷ے ———— do ———— Page 49.

جیسے مردوں پر نازاں ہونے کی بجائے خود پر بھروسہ کرنا بتایا گیا ہے۔ **نارون:** گلنار، پھلواری

رومی

۱۰۰۲۔ مذہب عصر نو آئینے نگر — حاصل تہذیب لادینے نگر
زندگی را شرع و آئین است عشق — اصل تہذیب است دین، دین است عشق
ظاہر او سوزناک و آتشیں — باطن او نور رب العالمیں
از تب و تاب درونش علم و فن — از جنون ذوفنونش علم و فن
دین نگردد پختہ بے آداب عشق
دین بگیر از صحبت ارباب عشق

حواشی و تعلیقات: ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اس بند پر جو تبصرہ کیا ہے وہی اس موقع کے لئے کافی سمجھ کر نقل کیا جاتا ہے۔

"تہذیب کی اصل دین ہے اور دین عشق سے عبارت ہے۔ عشق کا ظاہر پر سوز و آتش ہے [مگر] اس کا باطن رب العالمین کا نور ہے۔ عشق کے باطنی تب و تاب اور اس کے کرشمہ ساز جنون سے ہی علم و فن [وجود میں آتے اور نمو پاتے ہیں] آداب عشق کے بغیر دین پختہ نہیں ہوتا۔ دین کو ارباب عشق کی صحبت اور ہم نشینی سے سیکھو۔"
اس سے قبل فلک عطارد پر خلافت آدم کے عنوان سے "زندہ رود" مردوزن کے اختلاط کی برکتیں بیان کر چکے ہیں۔

زندگی ے زندہ دل دانی کہ چیست — عشق یک بیں در تماشائے دوئی ست
مردوزن وابستۂ یک دیگر اند — کائنات شوق را صورت گر اند

اس موقع پر بھی عشق و شوق کے اس معاشرہ ساز پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ عشق کے بعض ظاہری پہلو جیسے وصل و صحبت، درد ناک سہی مگر ان میں بڑے بڑے فوائد مضمر ہیں۔ یہ ناشناختہ پدر کی اولادیں جو Test Tubes کے ذریعے پیدا ہونے لگی ہیں، انسانی احساسات اور جذبات کی ترجمان نہیں ہو سکیں گی اور بفحوائے قرآن، راحت و سکون اور درد و الم کا مبادلہ ہوتا رہتا ہے [فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ع ۹۲۸] اور بار امومت کی بعض تلخیاں، ناروا ضبط تولید اپنانے اور ترک ازدواج کا جواز نہیں پیدا کر سکتی ہیں۔

دیدۂ مینا میں داغ غم چراغ سینہ ہے — روح کو سامان زینت آہ کا آئینہ ہے ع ۹۲۹

دراصل یہاں مسلہ نے عشق بمعنی میلان طبع لیا ہے۔ جیسے وہ فلک عطارد میں ذوق تخلیق کی آتش سے تعبیر کر چکے ہیں۔ تہذیب بھی خلاؤں میں پروان نہیں چڑھتی وہ اس مقصد کے لئے معاشرت طلب ہیں اور معاشرت بغیر تخلیقی جوہر کی نمو کے ناپید۔ اور یہی منشائے ربانی۔ یہ جو آدم و حوا کے شجرہ ممنوعہ کے قریب جانے سے یوں ہوتا اور آدم خلافت ارضی کا تاج سر پر سجائے بہشت سے نکلے۔

ع ۹۲۸ الم نشرح: ۵

ع ۹۲۹ جاوید نامہ: تحقیق و توضیح - ڈاکٹر محمد ریاض - الفیصل ص ۱۱۲/۱۱۲

باب ششم ـــــ فلک مُشتری

ارواح جلیلۂ حلاج و غالب و قرۃ العین طاہرہ
ـــــ کہ بہ نشیمن بہشتی نگرویدند و بگردش جاوداں گرائیدند

نوائے حلاج

نوائے غالب

نوائے طاہرہ

زندہ رود مشکلات خود را پیش ارواح بزرگ می گوید

نمودار شدن خواجۂ اہلِ فراق

نالۂ ابلیس

فلک مشتری [181]

ارواح جلیلهٔ حلاج [182] و غالب [183] و قرة العین طاهره [184]

که به نشیمن بهشتی نگرویده اند و بگردش جاودان گرائیدند

من فدائے این دلِ دیوانهٔ / هر زمان بخشد دگر ویرانهٔ
چون بگیرم منزلے گوید که خیز / مردِ خودرس بحر را داند قفیز
زانکه آیاتِ خدا لا انتهاست / اے مسافر جاده را پایان کجاست
کارِ حکمت دیدن و فرسودن است / کارِ عرفان دیدن و افزودن است
آن بسنجد در ترازوئے هنر / این بسنجد در ترازوئے نظر
آن بدست آورد آب و خاک را / این بدست آورد جانِ پاک را

آن نگه را بر تجلی می زند
این تجلی را بخود گم می کند

در تلاشِ جلوه هائے پے بپے / طے کنم افلاک و می نالم چو نے
این همه از فیضِ مردے پاک زاد / آنکه سوزِ او بجانِ من فتاد
کاروانِ این دو بینائے وجود / بر کنارِ مشتری آمد فرود
آن جهان آن خاکدانِ ناتمام / در طوافِ او قمرها تیزگام
خالی از مے شیشهٔ تاکش هنوز / آرزو نارسته از خاکش هنوز
نیم شب از تابِ ماهان نیم روز / نے برودت در هوائے او نه سوز
من چو سوئے آسمان کردم نظر / کوکبش دیدم بخود نزدیک تر
هیبتِ نظاره از هوشم ربود / شد دگرگون نزد و دور و دیر و زود

پیشِ خود دیدم سہ روحِ پاکباز
آتش اندر سینۂ شاں گیتی گداز
در برِ شاں حلّہ ہائے لالہ گوں
چہرہ ہا رخشندہ از سوزِ دروں
در تب و تابے ز ہنگامِ الست
از شرابِ نغمہ ہائے خویش مست
گفت رومی "ایں قدر از خود مرو
از دمِ آتش نوایاں زندہ شو
شوقِ بے پروا ندیدستی نگر!
زورِ ایں صہبا ندیدستی نگر
غالب و حلاج و خاتونِ عجم
شورہا افگندہ در جانِ حرم

ایں نواہا روح را بخشد ثبات
گرمیِ او از درونِ کائنات

حواشی و تعلیقات :

(۱۸۱) **مُشتری :** نام ستارہ، جو فلک ششم پر ہے علمائے نجوم اسے اسعدِ اکبر سمجھتے ہیں۔ اسے قاضیِ فلک بھی کہتے ہیں۔ فارسی برجیس ہندی برہسپت نام ہے گھر قوس اور حوت اور شرف سرطان میں۔ ہیتوس اور کیمیا گر یعنی اصطلاح میں ارزیز یا رانگ کو کہتے ہیں [غیاث اللغات فارسی ص ۴۷۹]۔

انگریزی میں Jupiter جوپیٹر کہتے ہیں اور مبارک سیاروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اربابِ لغت لکھتے ہیں کہ جس کے طالع میں زحل اور مشتری کا قران (یکجائی) ہو وہ صاحبِ اقبال بادشاہ ہوتا ہے۔ اسی لئے امیر تیمور کا لقب [صاحبقران] ہے اور صاحب قرانِ ثانی شاہ جہان ہے [تلمیحاتِ اقبال سید عابد علی عابد ص ۳۰۳] ——

اس کا محتد [اصل جز] انوہیمت سے ہے۔ وہ ایک جوہر شفاف روحانی نیلے رنگ کا ہے۔ اس کا کوکب قیومیت کا مظہر اور دیمومیت کا منظر ہے۔ صاحبِ نور ہے مسمد ہے روشن ہے۔ حضرت عبد الکریم جیلانی رحمہ نے اس فلک پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ میکائیل علیہ السلام اس آسمان (ششم) کے کوکب کی روحانیت اور وہ ان تمام ملائکہ پر حاکم ہیں جو اس آسمان پر رہتے ہیں ع۹۵۰

مشتری اور زحل کے ایک برج میں جمع ہونے کو قران السعدین کہتے ہیں [مطالبِ اقبال - مقبول انور داؤدی ص ۲۳۲]۔ اور عنصرِ آبی کا ہونا اور اس کا چیزوں سے

ع۹۵۰ انسانِ کامل: ص ۳۸۵ / ۳۸۴ - ایضاً ——

مقامات میں پہنچ جاتا اور بادشاہ بھی ان کی معاونت کے گرویدہ ہو گئے۔[951]

(۱۸۲) **حلاج :** شیخ حسین بن منصور حلاج ۸۵۸ء میں شہر بیضا میں پیدا ہوئے۔ کنیت ابوالمغیث اور ابوعبداللہ تھی۔ واسط میں جو بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع ہے نشوونما پائی۔ سیدالطائفہ حضرت شیخ جنیدؒ بغدادی کے مرید تھے۔ عجیب وغریب کرامات دکھاتا جنہیں عریب بن سعد قرطبی کی تاریخ صلہ طبری از ۲۹۱ھ تا ۳۲۰ھ اور مورخ ابن ندیم، ابوعلی ابن مسکویہ المتوفی ۴۲۱ھ، ابن اثیر، کتاب العیون اور کتاب العنوان میں ہیں ——— جنہیں ——— شعبدہ بازی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ فضا میں ہاتھ ہلاتا تو کبھی سکے، کبھی بے موسم کے پھل اور ہر ضرورت کی اور حاجت کی چیز نکل آتی۔

۲۹۵ھ میں پہلی مرتبہ اور ۳۰۰ھ میں دوسری مرتبہ گرفتار ہوا اور آٹھ سال اسیری میں گزارے۔ ۳۰۹ھ میں مقدمہ کا فیصلہ ہوا اور ۱۸ ذی قعد کو سولی دے دی گئی۔ قتل کا واقعہ جس طرح بیان کیا گیا ہے انتہائی دردناک ہے۔ پہلے دونوں بازو کاٹے گئے پھر کان، ناک، زبان، پھر آنکھیں نکالی گئیں اور پھر گردن جدا کر دی گئی۔ اگلی صبح اعضا کو جلا کر دریا برد کر دیا گیا۔[952]

اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ کسی صوفیانہ عقیدہ کی سزا نظر نہیں آتی۔ یہ لازماً سیاسی مسئلہ ہے اور سید سلیمان ندوی نے معارف اپریل ۱۹۱۷ء میں مطبوعہ مقالہ "حسین بن منصور حلاج کی تاریخی شخصیت" میں تواطہ کے حوالے سے جو تاریخی شہادات پیش کی ہیں وہ درست ہیں۔[953] لیکن ——— مرنے کے بعد اس کی راکھ نے جس طرح سطح آب پر "اللہ" کی تحریر دکھائی اور پانی بغداد کو بہا لے جانے لگا ——— اس سے کسی شعبدہ بازی کا ثبوت ہرگز نہیں ملتا۔

حلاج کو یقیناً نظریہ حلول کی سزا ملی۔ ابن ندیم نے اس کی چالیس کتابوں کا ذکر کیا ہے لیکن صرف کتاب الطواسین آج موجود ہے جسے ایک فرانسیسی متخصص لوئی میسی نوں نے انتہائی مفید حواشی کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ یہ کتاب رموز و علائم کا سمندر ہے۔ طاسین فہم کے چند جملے نقل کئے جاتے ہیں۔

پروانہ صبح تک چراغ کے گرد چکر کاٹتا ہے اور اس وقت اشکال کی طرف

---

[951] ذخیرۃ الملوک۔ سید علی ہمدانیؒ ص ۲۱۸۔ الفا۔ [952] منصور حلاج۔ شیخ فریدالدین عطارؒ (تذکرۃ الاولیاء) منقول حسین بن منصور حلاج ص ۲۳ خورشید نعیم ملک۔ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۱ء [953] الفا۔ مقالہ حسین بن منصور حلاج کی تاریخی شخصیت۔ سید سلیمان ندوی ص ۹۹-۸۲۔

جلاتا ہے۔ وہ لطف وصال کے اشارے سے چراغ کو اپنی حالت بتادیتا ہے، اور اس کے بعد واصل ہونے اور کمال پانے کی طلب میں اپنے محبوب سے مل جاتا ہے"

(پروانہ و چراغ) کے مذکورہ معانی اس فنا پذیر اور بے روح شخص سے انطباق نہیں رکھتے جو آرزو و ہوس کی تکمیل میں لگا رہے۔ چونکہ حق ہی انا ہے اور انا ھو کے مشابہ ہے اس لئے اگر میں انا ہو جاؤں تو مجھے خوفزدہ نہ کیا جائے ۹۵۴ء

شیخ فریدالدین عطارؒ لکھتے ہیں۔

منصور حلاج ہمیشہ عبادت و ریاضت میں مگن رہتا اور معرفت و توحید کی باتیں کرتا۔ اہل صلاح و تقویٰ کی صحبت میں رہتا اور پیرو شرع و سنت تھا اور یہ بات اس سے ظاہر ہوتی رہی۔ لیکن پھر بھی بعض مشائخ نے اس سے دوری اختیار کئے رکھی۔ ۹۵۵ء

سید علی بن عثمان ہجویریؒ لکھتے ہیں۔

"جملہ مشائخ میں سوا چند کے کوئی ان (حلاج) کے کمال فضل صفائے حال، کثرت اجتہاد اور ریاضت کا منکر نہیں ان کے ذکر کا اس کتاب میں اثبات نہ کرنا بے امانتی ہوتی بعض مردمان ظاہر ان کی تکفیر کرتے ہیں اور ان کے منکر ہیں اور ان کے احوال کو عذر و حیلہ اور سحر سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کے گمان میں حسین بن منصور حلاج، حسن بن منصور حلاج ہے۔ وہ ملحد بغدادی محمد زکریا کا استاد اور ابو سعد قرمطی کا رفیق تھا لیکن یہ حسین جن کا ذکر ہم کر رہے ہیں فارسی تھے اور بیضا کے رہنے والے تھے۔ ان کا درجہ ہجر، دین و مذہب پر کسی طعن کے سبب سے نہیں بلکہ ان کے روزگار کی کیفیت کے باعث ہے۔ ۹۵۶ء

۹۵۴ء اقبال اور ابن حلاج: کتاب الطواسین اور تصانیف اقبال کا تقابلی مطالعہ۔ ڈاکٹر محمد ریاض ص ۲۲-۲۲ اسلامک بک فاؤنڈیشن۔ لاہور ۱۹۷۷ء۔ ۹۵۵ء حسین بن منصور حلاج۔ ص ۱۱ الیضاً بحوالہ تذکرۃ الاولیاء
۹۵۶ء الیضاً ص ۲۹ بحوالہ کشف المحجوب۔

جس طرح عام طور پر حلاج منصورؒ کی شخصیت صوفیا و علماء کے درمیان متنازعہ فیہ رہی ہے۔ اسی طرح فکرِ اقبال میں بھی حلاجؒ مختلف اوقات میں مختلف حیثیتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ۱۷ مئی ۱۹۱۹ء کے ایک مکتوب بنام حافظ محمد اسلم جیراجپوری میں علامہ لکھتے ہیں

"منصور حلاج کا رسالہ کتاب الطواسین جس کا ذکر ابن حزم کی "فہرست" میں ہے فرانس میں شائع ہو گیا ہے۔ مؤلف نے فرنچ زبان میں نہایت مفید حواشی اس پر لکھے ہیں آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ حسین کے اصلی معتقدات پر اس رسالے سے بڑی روشنی پڑتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے مسلمان منصور کی سزا دہی میں بالکل حق بجانب تھے۔ اس کے علاوہ ابن حزم نے کتاب الملل میں جو کچھ منصور کے متعلق لکھا ہے اُس کی، اس رسالے سے پوری تائید ہوتی ہے لطف یہ ہے کہ متقدمین صوفیہ قریباً سب کے سب منصور سے بیزار تھے۔ معلوم نہیں متاخرین اس کے اس قدر دلدادہ کیوں ہو گئے" ۹۵۷

یہی آخری الفاظ خود علامہ کے بارے میں بھی کہے جا سکتے ہیں کہ اس مکتوب کے بعد، علامہ نے جہاں کہیں بھی منصور کا ذکر کیا ہے۔ اُن کی رائے درج بالا خیال کے بالکل برعکس ہے۔

منصور کو ہوا لبِ گویا پیامِ مرگ اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی ۹۵۸

رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا ۹۵۹

اقبال

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آش

حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر اک مردِ قلندر نے کیا رازِ خودی فاش ۹۶۰

زیرِ نظر کتاب جاوید نامہ، میں خصوصاً حلاج سے ملاقات ہوتی ہے اور بعض اہم مسائل پر سوال جواب ہوتا ہے۔ کتاب الطواسین اور تصانیف اقبال کے اہم مشترکات پر ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم کا تقابلی جائزہ "اقبال اور ابن حلاج"، اچھی اور وقیع کوشش ہے۔ بقول اُن کے، عشقِ رسول، حقیقتِ محمدی، مقامِ صدیقیت (حضرت ابوبکر صدیقؓ) خودی (خیر و شر اور جدائی) جبر و قدر [عقل اور عشق] اور حقیقتِ ابلیس جیسے موضوعات مذکورہ سخن پر کتاب الطواسین کے جزوی یا کلی اثرات موجود ہیں۔ ۹۶۱ میرا خیال ہے یہ فلسفہ خودی اور افتادِ طبع کی یکسانیت کا ثبوت ہے، اثر نہیں۔

---

۹۵۷ کلیات مکاتیب اقبال - برنی جلد ۲ ص ۹۴ الضاً - ۹۵۸ کلیاتِ اقبال اردو ص ۱۰۲ [بانگِ درا]

۹۵۹ الضاً ص ۳۱۵ [بالِ جبریل:۱] ۹۶۰ الضاً ص ۵۸ [ضربِ کلیم]

۹۶۱ اقبال اور ابن حلاج : ڈاکٹر محمد ریاض ص ۶۲ الضاً -

(۱۸۳) **غالب** : اسد اللہ خان نام، مرزا نوشہ عرفیت۔ ۱۷۹۶ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۶۸ء میں دلی میں وفات پائی۔ بعمر ۷۲ برس بستی درگاہ نظام الدین اولیاءؒ کے قریب دفن ہوئے۔ تین برس کی عمر میں والد فوت ہو گئے۔ چچا نصر اللہ خان نے پرورش میں لیا لیکن وہ بھی نو برس کی عمر میں چھوڑ گئے۔ ابتدائی تعلیم میاں نظیر اکبر آبادی سے حاصل کی ۹۶۲

تیرہ برس کی عمر میں نواب الٰہی بخش خان معروف کی بیٹی امراؤ بیگم سے شادی ہوئی اور دہلی میں رہائش پذیر ہوئے۔ مرزا مدعی ہیں کہ ان کے استاد ایک ایرانی بالغ نظر محقق عبدالصمد ہیں لیکن قاضی عبدالودود نے [علی گڑھ میگزین۔ غالب نمبر: غالب کا ایک فرضی استاد] کہا ہے کہ عبدالصمد مرزا صاحب کی ذہنی تخلیق ہے اور اس کا وجود فی الخارج نہیں ہے ۹۶۳

بچے پیدا ہوتے اور مر جاتے چنانچہ مرزا لاولد رہے۔ سالی کے لڑکے زین العابدین عارف کے دونوں لڑکوں مرزا باقر علی خان اور حسین علی خان کو اپنے پاس رکھ لیا اور اولاد کی طرح پالا ـــــ

۱۸۴۹ء میں بہادر شاہ ظفر نے شاہان تیمور کی تاریخ مرتب کرنے کا کام سونپا اور پچاس روپے ماہوار کے علاوہ نجم الدولہ، دبیر الملک اور نظام جنگ کے خطابات سے نوازا۔ یہ کتاب مہر نیم روز کے نام سے مرتب ہوئی۔ ذوق کے انتقال کے بعد بہادر شاہ ظفر کے استاد ہوئے لیکن ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد تنخواہ اور سرکاری پنشن موقوف ہو گئی تو نواب رام پور نے سو روپیہ وظیفہ مقرر کر دیا ـــــــــــــــ مرزا اردو نظم و نثر کے مجدد ہیں اور خطوط نویسی کا جو انداز ان سے مخصوص ہے وہ بے نظیر ہے۔ اردو ہو یا فارسی صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک نئی آواز ہے۔ اقبال کے کلام پر غالب کا خاصا اثر ہے۔ خاص طور پر غالب کے کلام میں محنت کوشی، خودداری اور عزت نفس کے متعلق جو مطالب ملتے ہیں وہ علامہ مرحوم کی افتادِ طبع کے عین مطابق ہیں ۹۶۴

بانگ درا میں مرزا غالب پر ایک نظم بھی موجود ہے۔ جس میں علامہ نے مرزا کو اس طرح خراج پیش کیا ہے۔

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر　　محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر
شاہدِ مضموں تصدق ہے ترے انداز پر　　خندہ زن ہے غنچۂ دلی گلِ شیراز پر

آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے ۹۶۵

گلشن ویمر کے خوابیدہ ہم نوا گوئٹے ہیں جن سے علامہ کے فکری راستے ہم آہنگ ہیں۔ جاوید نامے میں مرزا کا ایک شعر زیر بحث آیا ہے اور ۱۲۸ اشعار کی ایک فارسی مثنوی کے مطالب پر غور کیا گیا ہے۔ مرزا نے ذیل تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

کلیات نظم فارسی، دیوان اردو، عود ہندی اور اردوئے معلی (خطوط کے مجموعے) پنج آہنگ (فارسی) لطائف غیبی، نامۂ غالب، درفش کاویانی۔ قاطع برہان، مہر نیم روز اور دستنبو۔

---

۹۶۲ شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا۔ مقصود ایاز/ جہانگیر ص ۵۰۸ - ایضاً - ۹۶۳ تلمیحات اقبال عابد ص ۲۰۹ ایضاً -
۹۶۴ تلمیحات اقبال ایضاً نیز دائرہ معارف اقبال مرتب حسن اختر ملک ص ۳۲۶ ایضاً، نیز مطالب اقبال مشمولہ اردو دائرہ ص ۲۹۷
۹۶۵ کلیات اقبال اردو ص ۲۶ [بانگ درا]

(۱۸۹) — خاتونِ عجم، قرة العین طاہرہ:

اصلی نام زرین [illegible] ملا صالح [illegible] قزوین میں پیدا ہوئی روایت یہ ہے کہ زرین تاج کو حدیث، فقہ، تفسیر اور الٰہیات و فلسفہ کی تعلیم دی گئی مجتہد ملا تقی کے بیٹے ملا محمد کے ساتھ شادی کر دی گئی۔ اسی زمانے میں علی محمد باب کی تبلیغات کا شہرہ قزوین پہنچا تو قرة العین نے باب سے خط و کتابت شروع کی اور اس کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئی۔ باب نے تبلیغ کی اجازت اور حکم دے کر قرة العین کا خطاب بھی دیا۔ گھر والے اسے طاہرہ کہہ کر پکارتے تھے چنانچہ زرین تاج قرة العین طاہرہ ہو گئی اور اسی نام سے یاد کی جانے لگی۔

طاہرہ نے بابیت کی دعوت گھر والوں پر پیش کی۔ شوہر نے ماننے سے انکار کر دیا تو طاہرہ نے کہا میرا شوہر ایران کو [illegible] ترک کر کے ملعون ہو گیا ہے اس لئے شرعاً ہم دونوں میں تفریق واقع ہو چکی ہے جس کی نوعیت قانونی طلاق کی ہے۔ دلیل یہ پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عورتوں کے شوہر کافر تھے، بلا طلاق انہیں مسلمانوں کے عقد میں دے دیا تھا۔

قرة العین نے کربلا میں اپنی تبلیغ کا مرکز قائم کیا اور پردہ میں بیٹھ کر درس و تدریس ہوتی۔ طاہرہ نہ صرف حسین و جمیل تھی بلا کی مقرر بھی تھی جہاں تقریر کرنے لگتی ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے باب کی مقبولیت میں طاہرہ کی موجودگی کو بھی خاصا دخل ہے۔ پروفیسر براؤن نے صبح ازل کے حوالے سے لکھا ہے کہ طاہرہ نے پردہ نہیں اتارا تھا کبھی کبھی تقریر کے دوران نقاب اٹھا لیتی تھی۔ [تاریخ ادبیات ایران جلد چہارم]۔

طاہرہ کربلا سے بغداد، وہاں سے کرمان شاہ پھر ہمدان پہنچی، دوران سفر سلسلہ تبلیغ بھی جاری رہا۔ ملا محمد تقی قتل ہوئے تو اس میں طاہرہ پر شبہ ہونے لگا۔ طاہرہ نے خیریت اسی میں دیکھی کہ بھاگ نکلے۔ خراسان پہنچی تو باب کے ایک داعی ملا محمد علی بارفروشی سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات نے مخالفین کو اس کی فاسقانہ زندگی کے قصے گھڑنے کی راہ کھول لیکن کوئی مستند دلیل مہیا نہیں کی جا سکی۔

ناصر الدین شاہ پر قاتلانہ حملے کے الزام میں گرفتار ہونے والوں میں طاہرہ بھی تھی اور ۱۸۵۲ء میں اسی جرم میں قتل کر دی گئی ع

بلا کی ذہین، شعلہ بیان، خوش نوا شاعرہ اور سب بڑھ کر جی داری میں بے مثال۔ بعض کے نزدیک گلا گھونٹ کر قتل کی گئی اور بعض کہتے ہیں کہ اسے کنوئیں میں دھکیل کر کنواں بند کر دیا گیا تھا۔

کہتے ہیں ناصر الدین شاہ نے دیکھا تو دلفتہ ہو گیا علماء سے کہنے لگا بگذارید کہ صورت زیبا دارد، گروہ نہ مانے۔ اور نہ طاہرہ نے بابی مذہب ترک کر کے شاہ کے حرم میں آنا قبول کیا۔

علامہ نے اس کی زبان سے جو شعر کہلوایا ہے بے نظیر ہے یا اس سوال کا جواب بھی ہے کہ اسے کیوں چنا گیا؟

از گناہِ بندۂ صاحب جنوں ــــ کائناتِ تازۂ آید بروں ع۹۶۷

ع۹۶۶ تلمیحات اقبال عابد ص۹۶-۹۷ الیضاً، شیفمات کالنائیکلو پیڈیا ص۵۵ الیضاً۔ دائرہ معارف اقبال ص۹۰-۸۹ مطالب اقبال مقبول الٰہی داؤدنا ص۱۸۹۔ شرح جاوید نامہ چشتی ص۸۲۷ ع۹۶۷ کلیات اقبال فارسی ص۷۱۲ (جاوید)

قفیز : ایک پیمانہ ہے بارہ صاع کا ایک صاع، آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور ایک رطل آدھ سیر کا پیمائش زمین میں قفیز ایک سو چوالیس گز شرعی کا ہوتا ہے [سراج اللغات جدید لغات کشوری] ۔

شعر نمبر ۱۰/۱ : فرسودن : گھٹنا ۔ گھسنا ۔ پرانا ہونا ۔ فرساید مضارع ۔ [فرہنگ عامرہ]

افزودن : بڑھنا ، زیادہ کرنا ، بڑھانا ، افزاید مضارع [فرہنگ عامرہ] ۔

"جس حق وصداقت کا انکشاف عقل محض کی وساطت سے ہو اس سے ایمان ویقین میں وہ حرارت پیدا نہیں ہوتی جو وحی وتنزیل کی بدولت ہوتی ہے" ۹۶۸ء

نوائے حلاج

(۱۸۵)

۱۱۲۹۔ زخاک خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست — تجلی دگرے درخور تقاضا نیست
نظر بخویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست — جہاں گرفت ومرا فرصت تماشا نیست
بملک جم ندہم مصرعۂ نظیری را — کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست
اگرچہ عقل فسوں پیشہ لشکرے انگیخت — تو دل گرفتہ نباشی کہ عشق تنہا نیست
۱۱۳۳۔ تو رہ شناس نۂ وز مقام بے خبری — چہ نغمہ ایست کہ در بربط سلیمی نیست
ز قید وصید نہنگاں حکایتے آور — مگو کہ زورق ما روشناس دریا نیست
مرید ہمت آں رہروم کہ پا نگذاشت — بجادۂ کہ درو کوہ ودشت ودریا نیست
شریک حلقۂ رندان بادہ پیما باش
حذر زبیعت پیرے کہ مرد غوغا نیست

حواشی وتعلیقات : (۱۸۵) یہ پیام مشرق کے حصہ غزلیات "مے باقی" کی غزل نمبر ۱۲ ہے [کلیات اقبال فارسی صفحہ ۳۲۸] علامہ نے دو شعر کم درج کیے ہیں اور شعروں کی ترتیب بھی بدلی ہے۔ مثلاً کلیات میں شامل غزل کا دوسرا شعر جاوید نامہ میں تیسرا شعر ہے۔ تیسرا چوتھا ہے، چوتھا، پانچواں ہے۔ مگر پانچواں شعر جاوید نامہ میں دوسرا ہے۔ چھٹا شعر

بیا کہ غلغلہ در شہر دلبراں فگنیم — جنون زندہ دلاں ہرزہ گرد صحرا نیست

اور آخری شعر

برہنہ حرف نگفتن کمال گویائی ست — حدیث خلوتیاں جز برمز وایما نیست

محذوف ہیں ــــ ساتواں شعر جاوید نامہ میں چھٹا ہے اور اور چھٹا شعر ساتواں ہے اور

۹۶۸ء تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ صفحہ ۲۷۶

ساتواں شعر جاوید نامہ میں مقطع کے طور پر آیا ہے۔

علامہ کی یہ غزل جس کا ہر شعر ابن حلاجؒ کی "سخت کوشی" کا مظہر و ترجمان ہے خود ان کے فلسفۂ سخت کوشی، کا بیان بھی ہے — اپنے اس فلسفہ کی توضیح علامہ نے پروفیسر نکلسن کے نام اپنے اس مکتوب میں بخوبی کی ہے جو انہوں نے ڈکنسن کے مقالہ مطبوعہ 'نیشن' اور فارسٹر کے مضمون مطبوعہ 'دی ایتھنیم' کے جواب میں لکھا تھا۔ انہوں نے لکھا

"۔۔۔ میں روحانی قوت کا تو قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا جب ایک قوم کو حق و صداقت کی حمایت میں دعوتِ پیکار دی جائے تو میرے عقیدے کی رو سے اس دعوت پر لبیک کہنا اس کا فرض ہے (ص ۲۲۹)۔۔۔
میرے عقیدے میں حقیقت ایسے اجزا کا مجموعہ ہے جو تصادم کے واسطے سے ربط و امتزاج پیدا کر کے کل کی صورت میں تبدیلی کی سعی کر رہے ہیں اور یہ تصادم لامحالہ ان کی شیرازہ بندی اور ارتباط پر منتج ہوگا۔
۔۔۔ میرے نزدیک بقا انسان کی بلند ترین آرزو اور ایسی متاعِ گراں مایہ ہے جس کے حصول پر انسان اپنی تمام قوتیں مرکوز کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں عمل کی تمام صور و اشکالِ مختلفہ کو جن میں تصادم و پیکار بھی شامل ہیں ضروری سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک ان سے انسان کو زیادہ استحکام و استقلال حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیشِ نظر میں نے سکونِ وجود اور اس نوع کے تصوف کو جس کا دائرہ محض قیاس آرائیوں تک محدود ہو مردود قرار دیا ہے

شریکِ حلقۂ رندانِ بادہ پیما باش
حذر ز بیعتِ پیرے کہ مردِ غوغا نیست

میں تصادم کو سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے ضروری سمجھتا ہوں۔
۔۔۔ افسوس کہ مسٹر ڈکنسن نے "فلسفۂ سخت کوشی" کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے" (ص ۲۳۲) ع ۹۶۹

"زبورِ عجم" کا آغاز جس "دعا" سے کیا ہے وہ کچھ یوں ہے۔

این بندہ را کہ از نفسِ دیگران نزیست — یک آہِ خانہ زاد مثالِ سحر بدہ !
سیلم، مرا بجوئے تنک مایۂ مپیچ — جولانگہے بوادی و کوہ و کمر بدہ !
خاکم بہ نورِ نغمۂ داؤد برفروز — ہر ذرۂ مرا پر و بالِ شرر بدہ ! ع ۹۷۰

ع ۹۶۹ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال برنی ج ۲ ص ۲۳۲/۲۲۹
ع ۹۷۰ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۳۹۶ (زبورِ عجم: دعا)

بھی "محنت کوش" قوت ہے جس نے اس فلک پیر حلاج، غالب اور طاہرہ کو یک جا کر دیا ہے ورنہ
کہ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

شعر نمبر ۱۰۳۳ — رہ/راہ اور مقام : موسیقی کی اصطلاح میں راہ اور مقام پردۂ سرود کو کہتے ہیں اور یہ بارہ ہیں۔ راست، شباب، بوسلیک، عشاق، زیر بزرگ، زیر کوچک، حجاز عراق، زالنگلہ، حسینی، رہاوی اور نوا۔ بعض لوگ حجاز کی جگہ باخرز اور زالنگلہ کی جگہ نہاوند لکھتے ہیں اور بعض شباب کی جگہ صفاہان لاتے ہیں ــــ

اصطلاح تصوف میں راہ، و مقام درجات ہیں۔ بندہ ایک درجہ و مقام سے دوسرے تک اٹھتا جاتا ہے حتیٰ کہ قیام تمکین پر پہنچ جاتا ہے جو زوال بشریت ہے اور اسے فقر و فنا نام دیا جاتا ہے۔[۹۷۱] علامہ نے بہ ربط سلیمیؔ کی رعایت سے رہ و مقام بطور کنایہ استعمال کئے ہیں۔

نوائے غالب

۱۰۳۴ - بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم ! — قضا بگردش رطل گراں بگردانیم
اگر ز شحنہ بود گیر و دار نندیشیم — وگر ز شاہ رسد ارمغاں بگردانیم
اگر کلیم[۱] شود ہم زباں سخن نکنیم — وگر خلیل[۲] شود میہماں بگردانیم
بجنگ باج ستانانِ شاخساری را — تہی سبد ز در گلستاں بگردانیم
بصلح بال فشانانِ صبحگاہی را — ز شاخسار سوئے آشیاں بگردانیم

ز حیدریم[۳] من و تو ز ما عجب نبود
گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

حواشی و تعلیقات : **قاعدۂ آسماں** ؛ **گردش رنگ طرب** ؛ کسی ایک حال میں خوش رہنے نہ دینا۔ **رطل گراں** : بڑا پیالہ۔ رطل، شراب کا ایسا پیالہ جس میں آدھ سیر شراب آئے۔ پیمانۂ شراب ــ **کلیم[۱]** : ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۵، نمبر ۲۳۔ **خلیل[۲]** : حضرت ابراہیم علیہ السلام ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۴۶۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بغیر کسی مہمان کے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ **حیدر[۳]** : حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ تعلیقہ نمبر ۳۰ ملاحظہ ہو ــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے روایت ہے کہ آپؓ کی صلوٰۃ عصر فوت ہو گئی تھی اور سورج واپس لوٹ آیا تاکہ آپؓ صلوٰۃ عصر کے فوت ہو جانے کے دکھ سے رہائی پائیں ــ روایت کچھ اس طرح ہے
" نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے حال میں وحی نازل ہوئی کہ حضرت علیؓ کی گود میں آپؐ کا سر مبارک تھا

۹۷۱ـ غیاث اللغات فارسی ص۲۹۲، تلمیحات اقبال، عابد ص۳۰۱، ص۳۰۲۔ ایضاً۔
نیز ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۰۱ صفحہ نمبر

انہوں نے عصر کی نماز نہ پڑھی حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! کیا تم نے نماز پڑھی؟۔ عرض کیا نہیں، آپؐ نے
فرمایا خداوندا! بے شک وہ تمہاری اطاعت اور تمہارے رسول کی اطاعت میں تھا،
اب آفتاب لوٹا دے، حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ میں نے سورج غروب ہوتے
دیکھا تھا۔ پھر میں نے اس کو دیکھا کہ وہ غروب کے بعد نکل آیا اور پہاڑوں
اور زمین پر ٹھہر گیا اور یہ واقعہ خیبر کے قلعہ صہبا پر ہوا تھا ۔ ۹۷۲

کتاب الشفاء کی یہ روایت وضاحت کرتی ہے کہ نماز خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی فوت ہوئی ہوگی۔ اس
لئے — قاضی عیاض اور امام طحاوی، حتیٰ کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہم اللہ نے اسے علاماتِ نبوت سے
کیا — لیکن اس روایت کی استنادی حیثیت کو امام احمدؒ کے حوالے سے ملا علی قاری بے اصل لکھتے
ہیں۔ علامہ ابن جوزی اسے من گھڑت [موضوعات کبیر ص۴۱] اور جھوٹ [ایضاً ص۱۵۷] بتاتے ہیں۔
ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ائمہ حدیث مثل امام مالک، مصنفین صحاحِ ستہ، اصحاب مسانید و سنن اور
حسن احادیث کے جامعین رحمہم اللہ کا اسے اپنے مجموعوں میں درج نہ کرنا، اس بات کا بڑا ثبوت
ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایت من گھڑت ہے [البدایہ ص۶۰]

علاوہ دیگر دلائل کے ایک فقہی نکتہ بھی اس کی وضاحت کرتا ہے۔ اور وہ یہ کہ نماز کا مقررہ وقت
پر ادا کرنا فرض ہے إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا [النساء: ۱۰۳]۔ یقیناً نماز کا وقتِ معینہ
پر ادا کرنا مومنوں پر فرض کیا گیا ہے — چنانچہ سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی وقتِ معینہ بھی ختم ہوا
اب سورج کا لوٹنا نہ لوٹنا ایک برابر ہے ۔ ۹۷۳

بہرحال مرزا غالب نے اسی روایت سے فائدہ اٹھایا۔ یہ غزل کلیات غالب فارسی جلد سوم ص۲۹۳ پر درج ہے مطبوعہ
مجلس ترقی ادب لاہور طبع دوم ستمبر ۱۹۶۷ — غزل پندرہ اشعار پر مشتمل ہے۔ علامہ نے صرف ۶ چھ شعر لئے ہیں۔ مطلع
کا مصرعہ ثانی مقطع میں مکرر لائے ہیں جس سے فاعتبرو یا اولی الابصار کی شرح ہو جاتی ہے۔

نوائے طاہرہ

۱۰۲۳۔ (۱۸۶)
گر بتو افتدم نظر چہرہ بہ چہرہ رو برو
شرح دہم غم ترا نکتہ بہ نکتہ مو بمو

از پئے دیدن رخت ہمچو صبا فتادہ ام
خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو

---

۹۷۲ کتاب الشفا – قاضی عیاض اردو ترجمہ حافظ احمد علی شاہ بخاری ص۲۷۵ اللہ والے کی قومی دکان بازار کشمیری لاہور

۹۷۳ مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی حصہ اول ص۲۱۵ تا ۲۲۱ – الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی طبع چہارم ۱۹۹۱ء

می رود از فراقِ تو، خونِ دل از دو دیده ام
دجلہ بہ دجلہ یم بہ یم چشمہ بہ چشمہ جُو بجُو

مہرِ ترا دلِ حزیں، بافتہ بر قماشِ جاں
رشتہ بہ رشتہ نخ بہ نخ تار بہ تار پو بہ پو

در دلِ خویش طاہرہ گشت و ندید جز ترا
صفحہ بہ صفحہ لا بہ لا، پردہ بہ پردہ تو بہ تو

سوز و سازِ عاشقانِ دردمند
شورہائے تازہ در جانم فگند
مشکلاتِ کہنہ سر بیروں زدند
باز بر اندیشہ ام شبخوں زدند
قلزمِ فکرم سراپا اضطراب
ساحلش از زورِ طوفانے خراب
گفت رومی وقت را از کف مدہ
اے کہ می خواہی کشودِ ہر گرہ
چند در افکارِ خود باشی اسیر!
این قیامت را بروں ریز از ضمیر!

حواشی و تعلیقات :

(۱۸۶) غزلِ طاہرہ : سید محمد محیط طباطبائی نے جو اولین اقبال پرست، ایرانی ادیب ہیں، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء، مجلہ ہنر و مردم تہران میں "نامہ کہ بہ اقبال فرستادہ نشد" کے تحتِ عنوان، طاہرہ کی درج بالا غزل کو قوی دلائل کے ساتھ شاہ طاہر کاشی ثم دکنی [۹۰۰ھ تا ۹۵۰ھ] کی غزل ثابت کیا ہے۔ اس حقیقت کی بنیاد ایک مخمس تھی جو اس غزل پر تضمین کی گئی تھی۔ یہ مخمس جلال الدین محمود قادری کی بیاض میں درج ہے۔ یہ شخص اورنگ زیب کے بیٹے شہزادہ اکبر کا منشی اور ہمسفر تھا اس کی بیاض ۱۱۰۵ھ [۱۶۹۴ء] اور ۱۱۱۷ھ [۱۷۰۵ء] کے دوران، شہزادہ مذکور کے ہمراہ فرار کے واقعات کی ڈائری ہے۔ شہزادہ مذکور ۱۱۲۰ھ/۱۷۰۸ء کے لگ بھگ فوت ہوا اور مشہد میں مدفون ہوا — ۱۱۲۰ھ کے بعد محمود قادری کہاں گئے؟ خبر نہیں لیکن اس خطی بیاض پر وجیہ اللہ نامی کسی شخص نے اپنے ہاتھ سے 'بغداد ۱۱۲۵ھ' کے حوالے سے کسی نوائی تخلص شاعر کی چھوٹی سی مثنوی درج کی ہے۔ اس طرح یہ بیاض گویا ۱۱۰۵ھ تا ۱۱۲۵ھ کے زمانے کی ہے اور اس میں ذیل مخمس درج ہے جسے مرزا محمد طاہر وحید قزوینی سے منسوب کیا گیا ہے [وحید بقول طباطبائی صاف طور پر نہیں پڑھا جاتا تھا مگر اسے وحید کے علاوہ کوئی اور ہجے بھی نہیں دیئے جا سکتے تھے]۔ مرزا محمد طاہر وحید، شاہ سلطان حسین کے اوائل سلطنت تک بقیدِ حیات اور دیوانی کے اہم عہدے پر فائز رہا — اور جلال الدین محمود قادری [صاحبِ بیاض] کا ہم عصر تھا۔

اور شہزادہ اکبر بن اورنگ زیب کے ہمراہ سفرِ مذکور میں قادری اور مرزا طاہر وحید کی ملاقات کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔

سید محمد طباطبائی نے ایک دوسری بیاض میں جو صفوی دور کی مرقوم تھی، طاہرہ سے منسوب شعر [مطلع جاویدنامہ]۔ طاہرائے کاشی سے منسوب دیکھا ۔ یہ بقول ان کے شاہ طاہر دامی الخبزابی کاشی ہے جو طاہرائے کاشی کے نام سے معروف تھا اور ایران کے اسماعیلی شیعوں میں اُسے بڑا احترام حاصل تھا، اور اسی امر کے تحت کاشان سے ہجرت کر کے دکن میں مقیم ہوا۔ برصغیر کی فارسی کتب میں وہ شاہ طاہر دکنی کے نام سے مشہور ہے۔ ایران اور برصغیر کی بیاضوں میں جو نظم و نثر پر مشتمل اور دور صفوی کی یادگار ہیں، بیسیوں مکتوب اور قصائد و غزلیات اُس کے نام سے ثبت ہیں جن میں ایک وہی مذکورہ غزل بھی ہے۔ شاہ طاہر دسویں صدی ہجری کے نصف اول [۹۰۰ھ تا ۹۵۰ھ] میں ایک نامور شاعر اور عظیم ادیب تھا۔ اس کے دوسرے اشعار میں جو اب دستیاب ہیں سخن دانی اور سخن وری کا کافی سرمایہ نظر آتا ہے" ع۹۷۴ خلاصہ یہ کہ۔

صاحبِ غزل: شاہ طاہر دکنی المعروف بہ طاہرائے کاشی کا زمانہ ۹۰۰ھ تا ۹۵۰ھ

صاحبِ مخمس، تضمین بر غزل زیرِ بحث ___ کا زمانہ ۱۱۰۵ تا ۱۱۲۰ھ یا ۱۱۲۵ھ تھا۔
[بمطابق ۱۶۹۴ء تا ۱۷۱۳ء]

مخمس کا وجود یقینی ہے ___ اگرچہ شاہ طاہر دکنی کی غزل کا بنیادی ماخذ نہیں دوبارہ نہ مل سکا۔ نہ ہم تذکروں میں پا سکے۔ تاہم قرۃ العین طاہرہ قزوینی چونکہ ۱۸۵۲ء میں قتل ہوئی بعمر ۳۲ سال یعنی [۱۸۲۰ء تا ۱۸۵۲ء]۔ اُسی کا زمانۂ حیات تھا۔ اس طرح کم از کم ایک سو پینتیس ۱۳۵ برس قبل کا مخمس اس غزل کے قرۃ العین طاہرہ سے انتساب کو درست قرار نہیں دے سکتا ___ اور مخمس کا وجود لازماً اس غزل کو ۱۱۲۰ھ، ۱۱۲۵ھ سے قبل کے کسی شاعر کا سرمایہ ثابت کرتا ہے اور جب تک کوئی اور کسی اور شخص کا سراغ نہیں لگتا طاہرائے کاشی ہی اس کے اصل خالق تسلیم کئے جانے کا حق رکھتے ہیں۔ مناسب ہے کہ وہ مخمس بھی درج کر دیا جائے۔ لیکن اس سے پہلے ایک بات اور وہ یہ کہ علامہ کا نوائے طاہرہ کے تحت یہ غزل درج کرنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ اس انتساب کو درست سمجھتے تھے۔ اس غزل کے مضامین چونکہ طاہرہ کی زندگی سے مطابقت رکھتے ہیں اس لئے اس انتساب سے علامہ نے فائدہ اٹھایا۔ ورنہ نوائے حلاج کے تحت انہوں نے اپنی غزل ہرگز درج نہ کی ہوتی۔ بہرحال وہ مخمس حاضر ہے۔ ع۹۷۵

ساقیٔ عشق اے صنم زہر ستم سبو سبو — ریخت بہ ساغر دلم بادۂ غم کدو کدو
چند دوم من از پے ات گوشہ گوشہ سو بہ سو — "گر بہ تو افتدم نظر ع۹۷۶ چشم بچشم رو بہ رو
شرح کنم غم ترا نکتہ بہ نکتہ مو بہ مو"
تا بہ رہ محبت پائے طلب نہادہ ام — بر رخ دل در الم از ستمت کشادہ ام
تا بہ سرم قدم ہمی ع۹۷۷ خاک نشیں چو جادہ ام — "از پئے دیدن رخت ہم چو صبا فتادہ ام
خانہ بہ خانہ در بدر کوچہ بہ کوچہ کو بہ کو"

ع۹۷۴ اردو ترجمہ: "ایک ایرانی دانشور کا خط جو اقبال تک نہ پہنچ سکا" مشمولہ جرنل ریسرچ سوسائٹی لاہور شمارہ اکتوبر ۱۹۸۵ء از صفحہ ۶۵ تا صفحہ 84 ___ بشکریہ مہربان پروفیسر محمد سلیمان دانش۔ ہری پور۔

ع۹۷۵ سید محیط طباطبائی نے عشقت درج کیا ہے جس سے وزن میں خرابی آتی ہے۔ ع۹۷۶ علامہ اقبال نے چہرہ بہ چہرہ درج کیا ہے۔

ع۹۷۷ سید محیط طباطبائی نے "تا قدم بہ سرہمی" درج کیا ہے۔ جو برعکس معانی دیتا ہے اور سراسر غلط ہے۔

در عقب تو جانِ من هست چو سایه‌ات رواں بستہ به زلف و گیسوات رشتهٔ جانِ عاشقاں
از چو توئی گسستنِ مهر و وفا نمی تواں "مهر ترا دلِ حزیں بافته بر قماشِ جاں
رشته به رشته نخ به نخ تار به تار پو به پو"

یار جدائی ترا بر دل و جاں کشیده ام همچو کماں حلقه از بارِ ستم خمیده ام
بس که چو طفل ژاله من خونِ جگر مکیده ام "می رود از فراقِ تو خونِ دل از دو دیده ام
دجله به دجله یم به یم چشمه به چشمه جو به جو"

رنگیت بنفشه بر رخ و صورتِ یاسمین خطت یا که فگنده سایهٔ ابر، زهرهٔ مه جبیں، خطت
خوں شده نافه را جگر تا شده چیں به چیں خطت "داده دهاں و چهره و عارضِ عنبریں خطت
غنچه به غنچه گل به گل لاله به لاله بو به بو"

در غمت از جگر فغاں، آه ز دل بر آیدم گیسوئے حلقه حلقه ات، دامِ بلا نمایدم
لحظه به لحظه دم به دم خوں ز دو دیده زایدم "از رخ و زلف و چشم و قد آه که من فزایدم
مهر به مهر دل به دل طبع به طبع خو به خو" ۹۲۸ع

تا شده استخوانِ من با سگِ کوئیت آشنا مانده به زیرِ بالِ هم گردنِ مطلب هما
معنی وفا توئی مرا غیرِ تو نیست مدعا "در دلِ خویش طاهرا گشت و ندید جز ترا
صفحه به صفحه سر به سر پرده به پرده تو به تو"

۹۲۹ع

زنده رُود

مشکلاتِ خود را به پیشِ ارواحِ بزرگ می گوید

۱۰۵۴ - از مقامِ مؤمناں دُوری چرا؟
یعنی از فردوس مهجوری چرا؟

حلاج

(۱۸۲) مرد آزادے که داند خوب و زشت می نگنجد روحِ او اندر بهشت
جنتِ ملاّ مے و حور و غلام جنتِ آزادگاں سیرِ دوام

۹۲۸ع کذا؟ ۹۲۹ع جرنل ریسرچ سوسائٹی لاہور ص ۴۰/۳ ایضاً

جنتِ ملا خور و خواب و سرود
جنتِ عاشق تماشائے وجود

حشرِ ملا شقِ قبر و بانگِ صور
عشق شور انگیز خود صبحِ نشور

علم بر بیم و رجا دارد اساس
عاشقاں را نے امید و نے ہراس

علم ترساں از جلالِ کائنات
عشق غرق اندر جمالِ کائنات

علم را بر رفتہ و حاضر نظر
عشق گوید آنچہ می آید نگر!

علم پیماں بستہ با آئینِ جبر
چارۂ او چیست غیر از جبر و صبر

عشق آزاد و غیور و ناصبور
در تماشائے وجود آمد جسور

عشقِ ما از شکوہ ہا بیگانہ ایست
گرچہ او را گریۂ مستانہ ایست

این دلِ مجبورِ ما مجبور نیست
ناوکِ ما از نگاہِ حور نیست

آتشِ ما را بیفزاید فراق
جانِ ما را سازگار آید فراق

بے خلشہا زیستن نازیستن
باید آتش در تہِ پا زیستن

زیستن این گونہ تقدیرِ خودی ست
از ہمیں تقدیر تعمیرِ خودی ست

ذرۂ از شوقِ بے حد رشکِ مہر
گنجد اندر سینۂ او نہ سپہر

شوق چوں بر عالمے شب خوں زند
آنیاں را جاودانی می کند

حواشی و تعلیقات :

(۱۸۹) **مردِ آزاد، علم، عشق، اور فراق:** بات علم سے شروع کی جائے تو مناسب ہے۔ علم کی دو اقسام ہیں ایک علم بالحواس دوسرا علم بالوحی۔ علم بالحواس، قیاس پر مبنی ہے اور قیاس، جس کا اشارہ ہے حس بدلی تو قیاس بدل گیا۔ قیاس بدلنے سے عقل، کی تدبیر و تنقید بھی بدل گئی۔ یہی عقل کا عشق ہے۔

فروغِ دانشِ ما از قیاس است
قیاسِ ما ز تقدیرِ حواس است
چو حس دیگر شد آن عالم دگر شد
سکون و سیر و جنبش و کم دگر شد [۹۸۰]

صاف واضح ہے کہ عقل، علم بالحواس کی تابع محض ہے — عقل ذریعۂ علم نہیں — ذرائعِ علم (اندرونی و بیرونی حواس) سے انکشافات کی تنقید اس کا حقیقی کام ہے [۹۸۱] — یعنی عقل حواس کی مادی تقدیرات کی غلام ہے یہ ہے شعر نمبر ۱۰۶۱ **علم پیماں بستہ با آئینِ جبر** کا مفہوم۔ دوسرا علم بالوحی ہے۔ یہ ماورائے قیاس و حواس ہے "وما ینطق عن الھوی" [۹۸۲] صاحب الوحی اپنی ہوا و ہوس (حواس) کا اسیر نہیں ہوتا — علم بالوحی کا اتباع — عقل

---

۹۸۰ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۵۶۲ (اسرارِ خودی) ایضاً — ۹۸۱ انوارِ اقبال ص ۷۷ ایضاً ۹۸۲ والنجم ۳

اسی طرح کرے جس طرح کہ وہ علم بالحواس (مبنی بر قیاس) کی مطیع ہے۔ تو — یہ عشق — حواس یعنی مادّی جبریت سے آزادی کا پروانہ — اور عاشق — یعنی عاقل — آزاد و غیور و ناصبور — صاحبِ جراتِ رندانہ اب یہ عقل وہ عشق ہے جو تماشائے وجود — میں — جسور ہے۔ کہ اس کے کان، آنکھ زبان — اسی کے پابند ہیں۔ ما انشاؤن الا ان یشاء اللہ ۹۸۳ع

عقل ہم عشق است و از ذوقِ نگہ بیگانہ نیست

لیکن این بے چارہ را آن جراتِ رندانہ نیست ۹۸۴ع

یہ ہے کہ چارۂ او چیست غیر از جبر و صبر — کا مفہوم۔ اور یہ ہے کہ اینِ دلِ مجبورِ ما (دلِ عاشق) مجبوریت کی تفسیر — اختیار — خوب و زشت — کی آگاہی سے پیدا ہوتا ہے — علم بالحواس — تو اس تمیز سے ناآشنا ہے کہ اس کی تمیز بھی تو طبیعت کی پسند و ناپسند پر موقوف ہے یعنی لبستۂ آئینِ جبر ہے۔ عاشق — آزاد ہو گیا — ذاتی میلانات و تمیلات سے (آئینِ جبر) سے بھی آزاد — اور اپنا وجود میں کمالِ استغراق کی بدولت سراپا حق — مگر انفرادی شان کا مالک — یہ فنائے وجودی — نہیں — فراق ہے — اپنے نفس سے بھی — فراق — یہ فراقِ عاشقاں عینِ وصال است۔ اینِ دلِ مجبورِ ما مجبور نیست — اس میں آفاق گم ہیں — یہی اس کی جنت ہے — یہی خودی — تشخص کی تقدیر ہے — اسی تقدیر سے تعمیرِ خودی ممکن ہوں۔ تعلیقات نمبر ۲۷، ۲۸، ۴۹ اور ۱۷۹ — بالترتیب۔ ان اشارات کو بشرح و بسط سمجھنے کی ضرورت ہو تو ملاحظہ

زندہ رُود

گردشِ تقدیرِ مرگ و زندگی ست
کس نداند گردشِ تقدیر چیست

حلاج

(۱۸۸)

۱۰۷۰ - ہر کہ از تقدیر دارد ساز و برگ
لرزد از نیروئے او ابلیس و مرگ

جبر دینِ مردِ صاحب ہمت است
جبر مردان از کمالِ قوت است

پختہ مردے پختہ تر گردد ز جبر
جبر مردِ خام را آغوشِ قبر

جبرِ خالدؓ عالمے برہم زند
جبرِ ما بیخ و بنِ ما بر کند

کارِ مردان است تسلیم و رضا
بر ضعیفاں راست ناید این قبا

تو کہ والی از مقامِ پیرِ رُوم
می ندانی از کلامِ پیرِ رومؒ؟

۹۸۳ع الدھر: ۳۰

۹۸۴ع کلیاتِ اقبال فارسی ص ۸۱۸ [زبورِ عجم حصہ اول: ۲۰]

بود گبرے در زمان بایزید
گفت او را یک مسلمان سعید
خوشتر آں باشد کہ ایمان آوری
تا بدست آید نجات و سروری
گفت این ایماں اگر ہست اے مرید
آن کہ دارد شیخ عالم بایزید
من ندارم طاقت آں تاب آں
کاں فزوں آمد ز کوششہائے آں

کارِ ما غیر از امید و بیم نیست ہر کسے را ہمت تسلیم نیست
اے کہ گوئی بودنی این بود ، شد کارہا پابندِ آئین بود ، شد
معنیٔ تقدیر کم فہمیدۂ ق نے خودی را نے خدا را دیدۂ
مردِ مومن با خدا دارد نیاز (۱۸۹) با تو ما سازیم تو با ما بساز
عزم او خلاقِ تقدیرِ حق است
روزِ ہیجا تیرِ او تیرِ حق است

حواشی و تعلیقات :

(۱۸۸) پہلے تعلیقہ نمبر ۲۷ ، ۲۸ ، ۲۹ ، ۱۷۹ اور ۱۸۰ ، دیکھ لینا چاہیئے ۔

تقدیر : (۱) مادی تقدیرات اٹل ہیں ۔ جملہ جمادات و نباتات اس کے پابند ہیں ۔ حیوانات میں یہ تقدیرات خواہشات اور طبعی تقاضوں کی صورت میں رکھتی ہیں ۔ جب کہ جمادات و نباتات میں یہ تقدیرات خواص کہلاتی ہیں ۔ حیوانات ان خواہشات یا طبعی تقاضوں کے پابند ہیں ۔۔۔ جمادات ، نباتات ، حیوانات ۔۔۔ کی یہ پابندیٔ تقدیر اُن کا اسلام ہے کہ وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اَسْلَمَ : تفعیل کا صیغہ ہے ۔۔۔ بلا چون و چرا مطیع و فرماں بردار ۔

(۲) اخلاقی تقدیرات : احکامِ شرع ۔ یہ احکامِ شرع ۔ بذریعہ تعلیم دیئے گئے ہیں ۔ جس طرح جمادات و نباتات اور حیوانات ، فطرت کے اشاروں کے تابع مہمل ہیں ۔ اور وہ ان کا اسلام ہے ۔۔۔ وہ اتباع مہمل انسان کے لئے طاغوت کی بندگی ہے ۔۔۔ احکامِ شرع کی پابندی ۔۔۔ چونکہ بذریعہ تعلیم کرائی گئی ہے اس لئے یہ اختیاری ہے اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا (الدھر ۳) جس طرح اس کا ماننا نہ ماننا اختیاری ہے اسی طرح اس کے مان لینے سے انسان کو طبعی تقاضوں اور خواہشاتِ نفس پر تصرف حاصل ہو جاتا ہے ۔ احکامِ شرع کی پابندی جس درجہ میں ہوگی اسی حد تک فطرت پر تصرف و تسخیر حاصل ہوگی ۔۔۔ یہ انسان کا

(١٩٠)

خود اختیاری جبر ہے جو اُسے اپنے نفس پر تصرف سے نوازتا ہے — می شود از جبر پیدا اختیار۔ لہٰذا کہ در اطاعت کوش اے غفلت شعار — یہ تسخیرِ فطرت اور اطاعتِ الٰہی — انسان کو نائبِ حق کے مرتبہ پر فائز کرتی ہے۔

نائبِ حق در جہاں بودن خوش است — بر عناصر حکمراں بودن خوش است ۹۸۵

یہ "تسلیم و رضا" نفس پر تصرف کا متقاضی ہے — یہ مردانہ ہمت — ہر کسی میں نہیں ہوتی۔ خالد رضی ابنِ ولید نے "تسلیم و رضا" ہی سے جہد و جہاد کو اُس درجہ تک پہنچایا کہ فاروق اعظم رضی کو یہ خوف لاحق ہوا کہ یہ فتوحات اُن کی موجودگی سے نہ منسوب ہو جائیں اور [خالد رضی کی پوجا کی راہ نہ کُھل جائے جس طرح کہ پچھلی پہلی قوموں میں ہوتا رہا ہے]۔ آپ رضی نے خالد رضی کو معزول کر دیا —

یہ "تسلیم و رضا" ہمتِ مردانہ چاہتا ہے ۹۸۶ بایزید بسطامی رح (ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۹۸) کے زمانے میں دعوتِ اسلام کے جواب میں ایک گبر (آتش پرست) نے یہی عذر پیش کیا تھا — کہ وہ بایزید جیسا مسلمان تو ہو نہیں سکتا — یہ اُس کی کم ہمتی — تھی — جس نے اس کو اپنی تقدیر بدلنے سے روکا ۹۸۷ (۱۸۹) نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہ کی آواز آ رہی ہے — اور یہ ضمانت دے رہی ہے کہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ ۹۸۸ اللہ کی نصرت (دین پھیلا کر) کروگے تو اللہ کی نصرت بھی تمہارے ساتھ ہوگی — وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۹۸۹ اگر تم سچے مومن ہوئے تو تمہیں غالب رہوگے

گویا مومن کا عزم تقدیرِ حق کو تخلیق دیتا ہے۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۹۹۰ جب تو نے کنکریاں پھینکی تھیں وہ تو نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں کا یہی مفہوم تو ہے۔ کنکریاں پھینکنا بہرحال شرط ہے نتیجہ اللہ کے اختیار میں ہے — یہی نتیجہ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ہے —

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا کارساز ۹۹۱

پس

عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے ۹۹۲

متعلقاتِ حواشی:

(۱۹۰) می شود از جبر پیدا اختیار: علامہ نے مثنوی اسرارِ خودی میں خود حاشیہ میں لکھا "اس شعر میں الٰہیات اسلامیہ کے مشہور مسئلہ جبر و قدر کی طرف اشارہ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اعلیٰ اور سچی حریت اطاعت یعنی پابندیٔ فرائض سے پیدا ہوتی ہے" ۹۹۳

---

۹۸۵ کلیات اقبال فارسی ص ۳۸ [مثنوی اسرارِ خودی: مرحلہ سوم نیابتِ الٰہی]
۹۸۶ خالد ابن ولید رضی دیکھئے تعلیقہ نمبر ۱۶۶
۹۸۷
۹۸۸ محمد: ۷
۹۸۹ آل عمران: ۱۳۹ — ۹۹۰ الانفال: ۱۸
۹۹۱ کلیات اقبال اردو ص ۳۸۹ [بال جبریل: مسجد قرطبہ] — ۹۹۲ ایضاً ص ۶۶۷ [ارمغانِ حجاز: قطعہ]
۹۹۳ کلیات اقبال فارسی ص ۱۸ [مثنوی اسرارِ خودی: مرحلہ اول اطاعت]

زندہ رود

۱۰۸۵ - کم نگاہاں فتنہ ہا انگیختند   بندۂ حق را بدار آویختند
آشکارا بر تو پنہانِ وجود   باز گو آخر گناہِ تو چہ بود؟

حلاج

بود اندر سینۂ من بانگِ صور   ملتے دیدم کہ دارد قصدِ گور
۱۰۸۸ - مومناں با خوئے و بوئے کافراں   (۱۹۱) لا الٰہ گویان و از خود منکراں
(۱۹۲) امرِ حق گفتند نقش باطل است   زاں کہ او وابستۂ آب و گل است
من بخود افروختم نارِ حیات   مردہ را گفتم ز اسرارِ حیات
از خودی طرحِ جہانے ریختند   دلبری با قاہری آمیختند
ہر کجا پیدا و ناپیدا خودی   بر نمی تابد نگاہِ ما خودی
(۱۹۳) نار ہا پوشیدہ اندر نورِ اوست   جلوہ ہائے کائنات از طورِ اوست
ہر زماں ہر دل دریں دیرِ کہن   از خودی در پردہ می گوید سخن
ہر کہ از نارش نصیب خود نبرد   در جہاں از خویشتن بیگانہ مرد
ہند و ہم ایراں ز نورش محرم است   آنکہ نارش ہم شناسد آں کم است
من ز نور و نارِ او دادم خبر   بندۂ محرم! گناہِ من نگر

آنچہ من کردم تو ہم کردی بترس
محشرے بر مردہ آوردی بترس

طاہرہ

از گناہِ بندۂ صاحب جنوں   کائناتِ تازۂ آید بروں
شوقِ بے حد پردہ ہا را بر درد   کہنگی را از تماشا می برد
آخر از دار و رسن گیرد نصیب   بر نہ گردد زندہ از کوئے حبیب
جلوۂ او بنگر اندر شہر و دشت   تا نہ پنداری کہ از عالم گذشت

۱۱۰۳- در ضمیر عصر خود پوشیدہ است
اندریں خلوت چساں گنجیدہ است

حواشی و تعلیقات :

شعر نمبر ۱۰۸۸ ، الخ (۱۹۱) **انا الحق** : لا الٰہ گویاں واز خود منکراں ، لا الٰہ الا اللہ وہ کلمہ ہے جس کا اقرار اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۹۹۴ کا اقرار کیے بغیر کچھ معنی نہیں رکھتا ۔ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۹۹۵ جب خلق وامر کا مالک کسی شے کا ارادہ کرتا ہے صرف کن کہتا ہے وہ ہوجاتی ہے اور ہوتی رہتی ہے ۔ یہ کن : امر تخلیق ہے ـــــ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا لٰعِبِیْنَ ۹۹۶ اور ہم نے زمین و آسمانوں کو کھیلتے ہوئے نہیں پیدا کیا ۔ اور لٰعبین حق کا متضاد ہے قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ۹۹۷ انہوں نے کہا (ابراہیم سے) کیا تو حق لے کر آیا ہے یا کھیلنے والوں سے ہے [گپ شپ لگاتا ہے] ۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ہٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۹۹۸

تحقیق آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور دن رات کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں [عقل والے] وہ لوگ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور پہلو کے بل اللہ کو یاد کرتے ہیں ۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں (اور اس غور و فکر کے نتیجے میں پکار اٹھتے ہیں) ۔ اے ہمارے رب تو نے یہ باطل [بے مقصد] پیدا نہیں کیے (بلکہ حق ہیں) ۔ تیری ذات پاک ہے [بے مقصد کھیل تماشا سے] ہمیں عذاب النار سے بچا ـــ لیکن لا الٰہ کے اقرار کنندگاں اس کے منکر ہوکر زندہ در گور ہو رہے تھے ۔

(۱۹۲) **امر حق گفتن نقش باطل است** : جن لوگوں نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا کائنات کے بارے میں ان کا ایمان تعلیقہ نمبر ۱۹۱ بالا میں بیان ہوا ـــ علامہ نے مثنوی گلشن راز جدید کے سوال نمبر ۸ کے جواب میں ہندوایران کے تصور حیات پر زبردست اور انتہائی جامع تبصرہ کیا ہے ۔ اور امر حق ـــ کو باطل نقش کہنے کے پس پردہ کارفرما نفسیاتی ساخت کا تجزیہ کیا ہے ۔

من از رمز انا الحق باز گویم / دگر با ہند و ایران راز گویم

مغے در حلقۂ دیر ایں سخن گفت / حیات از خود فریبے خورد و من گفت

خدا خفت و وجود ما ز خواب است

وجود ما نمود ما ز خواب است الخ ۹۹۹

ہندو تصور کے مطابق [اور جیسا کہ علامہ نے لکھا زرتشتیوں کے نزدیک بھی] دنیا ، مایا ، غیر حقیقی

---

۹۹۴ الاعراف : ۵۴ ۹۹۵ یٰس : ۸۲ ۹۹۶ الانبیاء : ۱۶ ۹۹۷ ایضاً : ۵۵

۹۹۸ آل عمران : ۱۹۰ ، ۱۹۱ ۹۹۹ کلیات اقبال فارسی ص ۵۶۱

خواب ہے۔ یہ تصور ماحصل ہے اُس تصور کا کہ

"کائنات کے اصولِ اوّل و بنیادی، پانی کی تاریک سطح پر تیرتے ہوئے محوِ خواب وشنو (مہاپرش، ذاتِ مطلق) کی ناف سے ایک ننھا کنول باہر نکلتا ہے جس میں خالص سونے کی ہزار پنکھڑیاں سورج کی آب و تاب سے جگمگاتی ہیں اور یہ خالقِ آفاق وشنو کنول کے ساتھ ساتھ برہما کو بھی باہر نکالتا ہے، جو کنول کے بیچوں بیچ بیٹھا ہوا اپنی تخلیقی قوتوں کے نور سے جگمگا رہا ہے۔

اس طرح وشنو کے ایک خواب کے ساتھ ایک دنیا بیدار ہوتی ہے اور اپنی بیداری کے چکر کو ختم کرنے کے بعد خود بھی ختم ہو جاتی ہے اور دوسری دنیا بیدار ہوتی ہے ایک برہما کے بعد دوسرا برہما آتا ہے ایک آدم کے بعد دوسرا آدم پیدا ہوتا ہے۔ یہی وشنو کا خواب ہے، یہی مایا ہے۔ یہی وقت ہے اور تمام انسان اس کے دائرے میں اسیر ہیں" ع۱۰۰۰

"کائنات کو نقشِ باطل سمجھ کر مٹانے والے بدن کو روح کے پنچھی کا حجرہ کہہ کر فنا کرنے کے درپے، کیا "انا الحق" کو باطل نہیں کہہ رہے تھے؟

(۱۹۳) تلمیح ہے "وادیٔ طوا" کے اس واقعہ کی طرف جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس مصر لوٹتے ہوئے آگ دیکھتے ہیں اور اپنے اہل کو یہ کہہ کر ادھر جاتے ہیں تم ادھر ٹھہرو میں آگ لے آؤں یا کوئی راہ بتانے والا اس آگ پر ہو (اور اس سے راہ پوچھوں)۔

وَ هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ۝ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ۝ ع۱۰۰۱

علامہ نے شیخ فرید الدین عطار کے تذکرۃ الاولیاء میں حسین بن منصور حلاج کے حوالے سے، تعجب کے اظہار سے فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں

"مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو اس بات کو تو روا سمجھتے ہیں کہ کسی درخت سے "انا اللہ" کی آواز آئے اور درخت درمیان میں نہ ہو لیکن ان کے نزدیک یہ کیوں روا نہیں ہے کہ حسین سے انا الحق کی آواز آئے اور حسین درمیان نہ ہو۔۔" ع۱۰۰۲

ع۱۰۰۰ اقبال شناسی ص۹۱ علی سردار جعفری، پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور سنہ ۱۹۹۱ ع۱۰۰۱ طٰہٰ : ۱۰ تا ۱۲

ع۱۰۰۲ حسین بن منصور حلاج، مرتبہ خورشید نسیم ملک ص۱ — الفنا —

یہ اور بات کہ بقول علامہ "معنیٔ تازۂ ما ست" وہ حسین کو درمیان سے نہیں ہٹاتے بلکہ حسین کی شخصیت کا اثبات چاہتے ہیں۔ حسین ابن منصور نے یہی چاہا۔ علامہ نے تصورِ خودی دے کر وہی کچھ چاہا۔ اسرارِ خودی کی اشاعت پر جو طوفان اٹھا۔ وہ برادرانِ یوسف سے کم نہ تھا وہ تو شکر ہے کہ کوئی شیخ الاسلام کسی خلیفہ کے ضمیر کی حفاظت پر مامور نہ تھا۔ اور اگر ایسا ہوتا تو شاید اقبال اور فلسفۂ خودی کی ضرورت بھی نہ ہوتی کہ مسلمان، حُر ہوتا۔ غیروں کی بندگی نے "خودی" کی تعمیر و تقویم کی ضرورت پیدا کی۔

علامہ نے ایک اردو قطعہ میں بھی حلاج کی زبانی اپنے فلسفۂ خودی کا ذکر کیا ہے۔

فردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آش
حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مردِ قلندر نے کیا رازِ خودی فاش ۱۰۰۳

شعر نمبر ۱۱۰۳:

دوام آں بہ کہ جانِ مستعارے
شود از عشق و مستی پائدارے
وجودِ کوہسار و دشت و در ہیچ
جہاں فانی، خودی باقی، دگر ہیچ ۱۰۰۴

خودی چوں پختہ شد از مرگ پاک است ۱۰۰۵

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
مہ و ستارہ مثالِ شرارہ یک دو نفس
مئے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے ۱۰۰۶

زندہ رود

اے ترا دادند دردِ جستجوے
معنیٔ یک شعرِ خود با من بگوے
۱۱۰۵ — "قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ! نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے"

۱۰۰۳ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۵۸۰ [ضربِ کلیم: اقبال]
۱۰۰۴ کلیاتِ اقبال فارسی صفحہ ۵۶۳ [گلشنِ رازِ جدید: جواب سوال نمبر ۸]
۱۰۰۵ کلیاتِ اقبال فارسی صفحہ ۵۵۷ [گلشنِ رازِ جدید: جواب سوال نمبر ۶]
۱۰۰۶ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۵۲۶ [ضربِ کلیم: موت]

شعر نمبر ۱۱۰۵ : دیوانِ غالب صفحہ ۱۲۷ ، اکیڈمی لائبریری - اردو اکیڈمی سندھ کراچی - سن ندارد
علامہ نے "کیا ہے" کی بجائے "چیست" لکھا ہے -

خواجہ الطاف حسین حالی یادگارِ غالب میں لکھتے ہیں " میں نے خود اس کے معنی مرزا سے پوچھے تھے - فرمایا
کہ ا ے کی جگہ جز پڑھو معنی خود سمجھ میں آ جائیں گے عکس ۱۰۰ لیکن علامہ کی شرح نے اس میں
گہرائی و گیرائی پیدا کر دی ہے - یعنی ؟ دیتے ہیں قدح ظرف قدح خوار دیکھ کر

غالب

نالۂ کو خیزد از سوزِ جگر — ہر کجا تاثیر او دیدم دگر
قمری از تاثیر او واسوختہ — بلبل از وے رنگ ہا اندوختہ
اندرو مرگے بآغوشِ حیات — یک نفس اینجا حیات آنجا ممات
آنچناں رنگے کہ ارژنگی ازوست — آنچناں رنگے کہ بے رنگی ازوست
تو ندانی ایں مقامِ رنگ و بوست — قسمتِ ہر دل بقدرِ ہائے و ہوست

۱۱۱۱ — یا بہ رنگ آ یا بہ بے رنگی گزر
تا نشانے گیری از سوزِ جگر

شعر نمبر ۱۱۱۱ : یہ حقیقت وہی جانتا ہے جو سوزِ جگر رکھتا ہے کہ اس کی تاثیر ہر جگہ مختلف ہوتی ہے ـــ تمام رنگا رنگی اسی سے ہے اور ایسا رنگ کہ بے رنگی بھی اسی سے ہے - جیسے سانس، کہ حیات و ممات دونوں اسی سے ہیں ـــ یہ رنگ و بو کا مقام ہے جیسے ہر دل اپنی ہائے و ہو کی مناسبت سے پاتا ہے
ارژنگ : مانی کی تصویروں کا البم ، رنگا رنگی -

زندہ رود

صد جہاں پیدا دریں نیلی فضاست
ہر جہاں را اولیا و انبیاست؟

عکس ۱۰۰ یادگارِ غالب صفحہ ۱۶۲ خواجہ الطاف حسین حالی - مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۳ء

غالب ؎

۱۱۱۲ - نیک بنگر اندریں بود و نبود ‌‌‌‌ پے بہ پے آید جہانہا در وجود
(۱۹۴) ہر کجا ہنگامۂ عالم بود ‌‌‌‌ رحمۃ اللعالمینے۲ ہم بود

زندہ رود

خامش تر گو زانکہ فہم نارساست

غالب

این سخن را فاش تر گفتن خطاست

زندہ رود

گفتگوئے اہل دل بے حاصل است!

غالب

نکتہ را بر لب رسیدن مشکل است

زندہ رود

تو سراپا آتش از سوز طلب!
بر سخن غالب نیائی اے عجب!

غالب

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست (۱۹۵)
رحمۃ اللعالمینی (صلی اللہ علیہ وسلم) انتہاست

زندہ رود

من ندیدم چہرۂ معنی ہنوز
آتشے داری اگر مارا بسوز

غالب

ای چو من بینندهٔ اسرار شعر — این سخن افزون‌تر است از تار شعر
شاعران بزم سخن آراستند — این کلیمان بی ید بیضا ستند
آنچه تو از من بخواهی کافری ست — کافری کو ماورای شاعری ست

حلاج

هر کجا بینی جهان رنگ و بو — آنکه از خاکش بروید آرزو
۱۱۲۵- یا ز نور مصطفی[۲۱] او را بهاست — یا هنوز اندر تلاش مصطفی[۲] است

زنده رود

از تو پرسم گرچه پرسیدن خطاست — (۱۹۶) سرّ آن جوهر که نامش مصطفی[۲] است
۱۱۲۷- آدمی یا جوهری اندر وجود — آنکه آید گاهی گاهی در وجود

حلاج

پیش او گیتی جبین فرسوده است — (۱۹۷) خویش را خود عبده فرموده است
عبده از فهم تو بالاتر است — زانکه او هم آدم و هم جوهر است
جوهر او نی عرب نی اعجم است — آدم است و هم ز آدم اقدم است
عبده صورتگر تقدیرها — اندرو ویرانه‌ها تعمیرها
عبده هم جانفزا هم جانستان — عبده هم شیشه هم سنگ گران
۱۱۳۳- عبد دیگر عبده چیزی دگر — (۱۹۸) ما سراپا انتظار او منتظر
عبده دهر است و دهر از عبده ست — ما همه رنگیم و او بی رنگ و بوست

عبدہ با ابتدا بے انتہاست — عبدہ را صبح و شام ما کجاست
کس ز سرِ عبدہ آگاہ نیست — عبدہ جز سرِ الا اللہ نیست
لا الٰہ تیغ و دم او عبدہ — فاش تر خواہی بگو ھو عبدہ
عبدہ چند و چگونِ کائنات — عبدہ رازِ درونِ کائنات
مدعا پیدا نگردد زین دو بیت — تا نہ بینی از مقامِ ما رمیت

بگذر از گفت و شنود اے زندہ رود!
غرق شو اندر وجود اے زندہ رود!

حواشی و تعلیقات :

شعر نمبر ۱۱۱۲ : یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید — کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کُن فیکون ع ۱۰۰۸

علامہ نے اپنے خطبے " مذہبی مشاہدات کا فلسفیانہ معیار " میں جہاں تخلیق کائنات کو غائی عمل کہا ہے وہاں وہ کسی ایسی غایت کے بھی قائل نہیں جو پہلے سے مقرر ہو اور زمانہ اس کی طرف بڑھ رہا ہو۔ بادیں ہمہ کائنات ترقی پذیر اضافہ پذیر ہے [وہ برگسان کی بے مقصدیت پر بحث کر رہے تھے]۔

" ہمارے نزدیک قرآن مجید کے مطمح نظر سے کائنات کا کوئی تصور اتنا بعید نہیں جتنا یہ کہ وہ کسی پہلے سے سوچے سمجھے ہوئے منصوبے کی زمانی نقل ہے ۔۔۔۔ قرآن مجید کی رو سے کائنات میں اضافہ ممکن ہے ۔ گویا وہ ایک اضافہ پذیر کائنات ہے کوئی بنا بنایا مصنوعہ نہیں جس کو اس کے صانع نے مدت ہوئی تیار کیا تھا ، مگر جو اب مادے کے ایک بے جان ڈھیر کی طرح مکانِ مطلق میں پڑا ہے جس میں زمانے کا (یعنی مرورِ لیل و نہار کا) کوئی دخل نہیں اور اس لئے اس کا وجود و عدم برابر ہے ۔ میرا خیال ہے اب شاید ہم اس آیت کا مطلب سمجھ لیں وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ع ۱۰۰۹ ع ۱۰۱۰ "

(۱۹۲) مسئلۂ امتناعِ خلقِ نظیرِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم :-

برصغیر ہند و پاک میں برطانوی استعمار نے اپنے نظریۂ قومیت [وطنیت] سے دین و وطن کا معرکہ ہی برپا کر دیا تھا ۔ تاکہ ہندوستان کبھی متحد نہ ہو سکے اور قومیت کا وہ احساس ابھرنے نہ پائے جو غیر قوم کے اقتدار کو قومی غیرت کے لئے منافی خیال کر کے نجات پر متحد ہو [تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۰۸] ع ۱۰۱۱

ع ۱۰۰۸ کلیات اقبال اردو ص ۳۲۰ [بال جبریل : ۳] ع ۱۰۰۹ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۸۵/۸۶
ع ۱۰۱۰ الفرقان : ۶۲ ع ۱۰۱۱ نیز مقالہ اقبال کا تصورِ ملت اور آزادیٔ ہند ۔ راقم ارشاد شاکر اعوان ۔ سہ ماہی صحیفہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۹ شمارہ نمبر ۱۶۱

بلکہ ہر قوم کے اندر کچھ ایسے مذہبی ادارے بھی قائم کر دیئے تھے جو اہلِ مذہب کی اصطلاحات کو صیہونی پسند کے معانی پہنا کر قوم کے اندر پھوٹ ڈال سکیں۔ ایسے ہی مسائل میں سے ایک مسئلہ امکانِ نظیرِ محمدی یا امتناعِ نظیرِ رحمۃ للعالمین بھی تھا۔

مولانا عبدالحی لکھنوی سے فتویٰ طلب کیا گیا حضرت ابن عباس رض کے ایک قول کے حوالے سے جو درِ منثور میں نقل ہوا تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ سَبْعَ اَرْضِیْنَ فِیْ کُلِّ اَرْضٍ آدَمُ کَآدَمِکُمْ وَ نُوْحٌ کَنُوْحِکُمْ وَاِبْرَاہِیْمُ کَاِبْرَاہِیْمِکُمْ وَمُوْسٰی کَمُوْسٰکُمْ وَعِیْسٰی کَعِیْسٰکُمْ وَنَبِیٌّ کَنَبِیِّکُمْ۔

یعنی اللہ نے سات زمینیں پیدا کیں۔ ہر زمین میں تمہارے آدمؑ جیسا آدمؑ ہے نوحؑ جیسا نوحؑ ابراہیمؑ جیسا ابراہیمؑ موسیٰؑ جیسا موسیٰؑ، عیسیٰؑ جیسا عیسیٰؑ اور تمہارے نبی جیسا نبی آیا ۔۔۔ پوچھا یہ گیا کہ

موجود و متحقق ہونا امثالِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم میں بمعنی مذکور حق ہے یا باطل؟ اور یہ عقیدہ صحیح ہے یا خلاف اہلِ سنت والجماعت کے؟ اور دلیل میں جو حدیث پیش کرتا ہے اس کا کیا حال ہے؟ اس سے یہ عقیدہ ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

جواب میں قولِ مذکور کو نہ صرف صحیح بلکہ اس میں بیان کی گئی سات زمینوں کو بھی درست بتایا گیا۔ جہاں بہرحال آدم ارضی انسانوں سے مختلف، آدم کے وجود کا بھی اثبات کیا گیا۔ اور یہ بھی تسلیم کیا گیا کہ جملہ طبقاتِ باقیہ میں انبیاء کا ہونا ثابت ہے۔ اور علامہ جلال الدین محلی کی تفسیر کے حوالے سے وہاں جبرائیلؑ کا وحی لے کر اترنا بھی تسلیم کیا گیا۔ یہ تینوں امور صحیح تسلیم کر لینے کے بعد لکھا گیا کہ کآدم کَنَبِیِّکُمْ کے کاف نے حرفِ تشبیہ کا کام دیا ہے اور تشبیہ میں مشبہ بہ کا مشبہ کے مساوی ہونا کسی بھی طرح ضروری نہیں یہ تشبیہ ۔۔۔ ترتیب میں تو ہو سکتی ہے صفات و کمالات میں نہیں۔ مثلاً اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ [النور: ۳۵] اس آیت میں اللہ نے اپنے نور کو مشکوٰۃ سے تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے نورِ الٰہی بدرجہا اس نور سے اعلیٰ و احسن ہے ۔۔۔ پس لفظ کَنَبِیِّکُمْ سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں کہ خاتم الانبیاء طبقاتِ باقیہ کا مثل خاتم الانبیاء اس طبقہ کے ہے۔ جب کہ کآدمکم سے یہ بھی ثابت ہے کہ طبقاتِ باقیہ کی مخلوق ہمارے آدمؑ کی اولاد نہیں بلکہ کسی اور آدمؑ کی ہے اور یہ کہ تمام کتب عقائد میں یہ تصریح موجود ہے کہ اس دنیا کے آدمؑ کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی گئی ہے۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ [قرآن] اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ [حدیث] ۔۔۔ پس مماثلت خاتم الانبیاء طبقاتِ باقیہ کی ہمارے خاتم الانبیاء کے ساتھ کیسے ثابت ہوگی ۔۔۔ یعنی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ عدم مماثلت ثابت ہے۔ ۱۰۱۲ء

مسئلہ صاف ہو گیا لیکن ۔۔۔ سوالاتِ مزید اور تحقیقِ مزید نے بات کو بڑھا دیا ۔۔۔ اور مسئلہ "زمان" درمیان آگیا ۔۔۔ کیا بیک وقت یہ انبیاء آتے رہے؟ مولانا رحمن نانوتویؒ نے بعدہٗ مولانا قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس لکھی اور کُنْتُ نَبِیًّا وَّآدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ کو بنیاد بنا کر تقدم و تاخرِ زمانی کی قید کو بھی رد کر دیا کہ اگر دوسرے طبقات کا آخرالزمان حضرت محمدؐ کے زمانے کے بعد بھی آئے تو حضورؐ کی آخرالزمانی کا تفوق بحال رہتا ہے۔ بس کیا تھا "حسام الحرمین" لکھی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخرالزمانی سے انکار کے الزام کا طومار باندھا گیا ۔۔۔ ۱۰۱۳ء ۱۹۲۰ء میں

۱۰۱۲ء فتاوای مولانا عبدالحیؒ [کتاب العقائد] صفحہ ۵۲ تا صفحہ ۵۵ اردو ترجمہ مولانا خورشید عالم۔ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز مولوی مسافر خانہ کراچی اشاعت اول ۱۹۶۴ء۔

۱۰۱۳ء تحذیر الناس۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی مع تکملہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی صفحہ ۶ الخ دارالاشاعت اردو بازار کراچی مسئلہ کی تفہیم کے لیے اس کتاب کے صفحات از صفحہ ۵ تا صفحہ ۵۸ ملاحظہ کی جائیں۔

یہ بحث علامہ فضل حق خیرآبادیؒ اور سید اسمٰعیل شہیدؒ کے درمیان مناظرے کی صورت اختیار کر گئی۔ علامہ کی یہ رائے تھی کہ خاتم النبیین کا مثل ممتنع بالذات ہے اور شاہ شہید ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر مانتے تھے۔

"اس مسئلہ پر علامہ کی کتاب مناظرانہ رنگ از میں ۱۹۵۸ء میں مولانا سید سلیمان اشرف صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے شائع کرا دی تھی۔ علامہ نے اپنے توقف پر بڑے پرزور دلائل دیئے ہیں ۱۰۱۴ مرزا اسد اللہ خان غالب سے علامہ کے گہرے تعلقات تھے۔ علامہ کا رجحان طبع دیکھ کر [یا فرمائش پر] اسی موضوع پر ایک مثنوی "بیانِ نموداری شانِ نبوت و ولایت کہ درحقیقت پرتو نور الانوار حضرت احدیت است" مشتمل بر یک صد و نواسی اشعار، لکھ ڈالی۔

سچ تو یہ ہے کہ غالب نے اس مسئلہ کو انتہائی خوبی سے حل کیا ہے۔ مثنوی کا متعلقہ حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

یک جہاں تا ہست یک خاتم بس است — قدرتِ حق را نہ یک عالم بس است
خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے — ہم بود ہر عالمے را خاتمے
ہر کجا ہنگامۂ عالم بود — رحمۃ للعالمینے ہم بود
کثرتِ ابداعِ عالم خوب تر — یا بیک عالم دو خاتم خوب تر؟
در یکے عالم دو تا خاتم مجوے — صد ہزاران عالم و خاتم بگوے
غالب این اندیشہ نپذیرم ہمی — خردہ ہم بر خویشتن می گیرم ہمی
اے کہ ختم المرسلینش خواندۂ — دانم از روئے یقینش خواندۂ
این الف لامے کہ استغراق راست — حکم ناطق معنیٔ اطلاق راست
منشاءِ ایجادِ ہر عالم یکے ست — گر دو صد عالم بود خاتم یکے ست
ہر کرا با سایہ نہ پسندد خدا — ہمچو اوئی لختے کے بندد خدا
منفرد اندر کمالِ ذاتی است — لاجرم مثلش محالِ ذاتی است
این نہ عجز است اختیار است اے فقیہ — واجبہ بے ہمتا بود لاریب فیہ ۱۰۱۵

اس دقیق اور نازک مسئلہ پر پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑہ شریف نے مختصر مگر جامع بحث کی ہے۔ انتہائی مناسب بلکہ لازم اور ضروری ہے کہ وہ بھی نقل کر دی جائے۔

"...اس مقام پر امکان یا امتناع نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنا ما فی الضمیر

۱۰۱۴ باغی ہندوستان ص ۱۱۹ [الثورۃ الهندیہ] مولفہ مولانا فضل حق خیرآبادیؒ ترجمہ عبدالشاہد خان شروانی مکتبہ قادریہ لاہور۔ طبع ثانی ۱۹۷۴ء

۱۰۱۵ کلیات غالب فارسی، جلد اول۔ ص ۳۰۲ تا ص ۳۰۷ مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول ۱۹۶۷ء

ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تعذیب یا تغلیط کسی کی۔ فریقین رسماعیلیہ و خیرآبادیہ میں سے شکر اللہ تعالیٰ سعیہم۔ راقم سطور دونوں کو ماجور و مثاب جانتا ہے فانما الاعمال بالنیات و لِکُلِّ امرءٍ مَا نَوٰی۔

مقدمات: ۱: ممتنعات ذاتیہ کا احاطۂ قدرت سبحانہٗ و تعالیٰ سے خروج، کمال ذاتی باری تعالیٰ پر دھبہ نہیں لگاتا بلکہ یہ قصور راجع بجانب قابل ہے کہ ممتنع ذاتی قبولیت کا صالح نہیں۔

۲: انقلاب حقائق واقعیہ کا خواہ معدودات سے ہوں مثل انسان، فرس، بقر، غنم کے یا مراتب عددیہ سے ہوں مثل ایک دو تین چار یا مختلط یعنی معدود بحیثیت عروض و مرتبہ عددی مثلاً زید جو اول مولود ہے بہ نسبت باقی اولاد عمرو کے ممتنع بالذات ہے۔

۳: نظیر کسی چیز کی اُسی کو کہا جاتا ہے کہ علاوہ مشارکۃ نوعی کے اوصاف ممیزہ کاملہ میں اس کا ہم پلہ ہو۔

۴: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحسب الحقیقۃ الروحانیہ النوریہ اول مخلوق ہیں اول ماخلق اللہ نوری، اول ماخلق اللہ العقل تصریحات محققین از اہل کشف وشہود پر متناظر ہیں ---- اور آخر الانبیاء بھی ہیں قال اللہ تعالیٰ ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

اہل بصیرت کو ان مقدمات مذکورہ پر گہری نظر ڈالنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ممتنع بالذات بدیں معنی ہے کہ خالق سبحانہٗ و تعالیٰ نے آپؐ کو ایسا بنایا ہے اور ایسے کاملہ ممیزہ صفات کے ساتھ سنوارا ہے کہ جس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ درصورت فرض وجود نظیر، انقلاب حقیقت لازم آتا ہے کیونکہ فرضی نظیر کا وجود آپؐ کے بعد ہی ہوگا تو لامحالہ ایسا معدود ہوگا جس کو مرتبہ ثانیہ عددی عارض ہو، اور نظیر کہلانے کا مستحق جب ہی ہو سکتا ہے کہ وصف ممیز کامل یعنی اول مخلوقیت وختم نبوت میں مشارک ہو تو معروض، مرتبہ ثانیہ کا معروض مرتبہ اولیٰ کا ہوگا۔ ایسا ہی بلحاظ خاتمیت فرض کیا کہ آپؐ مثلاً چھٹے مرتبہ میں تو نظیر آپؐ کی ساتویں مرتبہ کی مثلاً ہوکر معروض مرتبۂ سادسہ کی ہوگی وھو خلف [اردو پہنچ رہا]

ہاں! اس میں شک نہیں کہ ممتناعات ذاتیہ میں سے دوقسم، اولین اور قسم ثالثہ میں فرق ظاہر ہے کیونکہ قسم ثالث کا امتناع اوصاف عارضہ کے لحاظ سے ہے۔ اس لئے کہ محل بحث، امتناع یا امکان نظیر ہے نہ امتناع یا امکان مثل۔

خلاصہ یہ کہ آئینۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں خالق عز مجدہٗ نے جدا گانہ کمال دکھایا یعنی ایسا بنایا کہ نظیرش امکان ندارد "۱۰۱۶ ع [نوٹ: تعلیقہ نمبر ۱۹۵ ضرور ملاحظہ کریں]

۱۰۱۶ع فتاوای مہریہ ص۹ (۶- مسئلہ امتناع نظیر) گولڑہ شریف اسلام آباد جنوری ۱۹۸۸

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال ۱۹۲۲ء سے اس موضوع پر غور کر رہے تھے۔ ۲۰ اپریل ۱۹۲۲ء کے ایک مکتوب بنام سید سلیمان ندوی میں لکھتے ہیں

"مرزا غالب کے اس شعر کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے؟

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود   رحمۃ اللعالمینے ہم بود

حال کے ہیئت دان کہتے ہیں کہ بعض سیاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق کی آبادی ممکن ہے اگر ایسا ہو تو رحمۃ اللعالمین کا ظہور وہاں بھی ضروری ہے۔ اس صورت میں کم از کم محمدیت کے لئے تناسخ یا بروز لازم آتا ہے۔ شیخ اشراق تناسخ کے ایک شکل میں قائل تھے ان کے اس عقیدہ کی وجہ یہی تو نہ تھی؟" ع ۱۰۱۷

سید سلیمان ندوی نے اس قیاس کی تردید کی اور لکھا "یہ وجہ نہیں شیخ اشراق ایرانی فلسفہ سے متأثر تھے اور وہاں سے یہ خیال ان تک پہنچا [دیکھئے شرح حکمۃ الاشراق، مقالہ خامسہ]" ع ۱۰۱۸

(۱۹۵) رحمۃ اللعالمینی انتہاست:

تعلیقات بز ۴۹، ۱۷۹ میں ہم اس موضوع کی وضاحت کر چکے ہیں لیکن یہاں نتائج مختلف ہیں اس لئے کچھ تفصیل ضروری ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... وَاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ (آل عمران: ۸۳) کیا یہ اللہ کے دین سے ہٹ کر کوئی دین تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ جہاں کی ہر شے چاروناچار اسی کی مطیع وفرمان بردار ہے اور یہ اُسی طرف لوٹتے ہیں۔

ہم نے "وَاِلَیْہِ" سے کا مشارٌ الیہ چاروناچار اطاعت لیا ہے ـــــ بس اسی سے دین اور دین لانے والا [صلی اللہ علیہ وسلم] رحمۃ اللعالمین ثابت ہوجاتے ہیں۔ جہاں کی ہر شے مادّی تقدیرات کی اسیر ہے۔ اللہ نے ہر شے کے چار مدارج میں تخلیق کا ذکر کیا ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی (الاعلیٰ: ۲، ۳) تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت ـــــ ہر شے مرحلۂ تخلیق ہی میں ان چار مراحل سے گزرتی ہے۔ نیست سے ہست کی جاتی ہے تناسب وتوازن سے نوازا جاتا ہے اُسے اس کا مقصدِ وجود [تقدیر] بتایا جاتا ہے اور اس مقصد پر کاربند رہنے کی ہدایت [طریقہ، راستہ] کو بھی اُس کی فطرت کا جزو بنا دیا جاتا ہے۔ جس کی وہ تابع مہمل ہوتی ہے ـــــ اسی اتباعِ مہمل نے فطرت کے تمام عناصر ومظاہر کو آزادیاں دے رکھی ہیں۔ مثلاً پانی کا رکنا اور پانی کا دوڑنا ـــ ایک ہی تقدیر کا اثر ہے ـــ لیکن انسان کے لئے یہ آزادی طاغوت ہے ـــ اقبال سمجھاتا ہے کہ موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہوگئیں [کلیات اقبال اردو، بانگ درا، ص ۱۸۷] لیکن اسی موج کو

ع ۱۰۱۷ اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں ص ۱۶۰ مرتبہ اختر راہی، بزم اقبال لاہور ۱۹۷۸ء ع ۱۰۱۸ شیخ عطاء اللہ نے اقبال نامہ اول ص ۱۱۶ کے حاشیہ پر یہ وضاحت کی ہے اور ذیل میں شیخ عطاء اللہ لکھا ہے۔ لیکن اختر راہی نے (ص) جیسا کہ یہ حاشیہ سید سلیمان ندوی کا ہو ـــــ

کتنا سکون ملتا ہے۔ جب اس کی تقدیر: احکامِ تکوینی [سطح ہموار رکھنا وغیرہ] اُس کے ہاتھ آجاتی ہے۔
انسان کی تقدیر، ارادہ واختیار اور اپنے کامل شعور کے تحت احکامِ الٰہی [احکامِ شرعی: الدین] کی
رسی طرح پابندی [عشق] ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ع۱۰۱۹ جو اس راہ کو
اپناتے ہیں وہ فطری جبری اسلام [احکامِ تکوینی یا مادی تقدیرات، نفسِ انسانی میں طبعی تقاضوں اور خواہشاتِ نفس]
کے جبر سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ اللہ کی مرضی بھی پوری کرتے ہیں اور فطری جبر سے بھی نجات
پا لیتے ہیں یہ ہے رحیمیت اسی لئے اپنی مرضی ٹھونسی نہیں تعلیم دی عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ع۱۰۲۰ جو چاہے یہ
راستہ اپنائے۔ جو ایسا کرے گا وہی دراصل اللہ کی مرضی پوری کرے گا — یہ ہے سراپا رحمت دین۔
احکامِ تکوینی، رب العالمین کی رحمانیت کا ظہور ہیں جو جمادات سے انسانوں تک عام ہیں اور احکامِ شرعی
اس کی رحیمیت کا ظہور ہیں۔ جو صرف انسان اور جنوں کے لئے ہے اور جس کے ثمرات وہ اٹھاتے ہیں جو ایمان لائے اور عمل کرتے ہیں۔
اب چونکہ رب العالمین کی ربوبیت کا اظہار، رحمانیت و رحیمیت، دونوں سے ہوتا ہے اس لئے
جہاں کہیں باشعور زندگی اور انسانوں کی طرح ارادہ و اختیار کی مالک مخلوق ہوگی وہاں وہاں رحمانیت
[احکامِ تکوینی] کے ساتھ، رحیمیت [احکامِ دین و شریعت] کا ہونا بھی لازمی ولابدی ہے —— اور
چونکہ احکامِ دین و شریعت سراپا رحمت ہیں — اس لئے یہ احکام لے کر آنے والا بھی سراپا رحمت ہے،
[مجازِ مرسل] — اور چونکہ یہ سراپا رحمت صرف رحمتِ عالمِ انسانی نہیں بلکہ رحمۃ للعالمین ہے
اس لئے جہاں جہاں رب العالمین کی ربوبیت ہے وہاں وہاں، محمد مصطفیٰ ؐ کی رحمۃ للعالمینی
کے پرچم بھی لہرا رہے ہیں — اور یہی مفہوم ہے حلاج کی زبانی حضرت اقبالؒ کے ان شعروں کا

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو — آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ اُو را بہاست — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ست ع۱۰۲۱

پس — اس مقصد کے لئے کسی مثل یا نظیر کی سرے سے ضرورت نہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس طرح، قدرت
کذب، امکان، امتناع کے سارے تنازعات غیر متعلق ہو جاتے ہیں — اور اگر اب بھی ضرورت
محسوس ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ بھی قدرتِ ربانی کے کمال کا مظہر ہے — جو ایمان لایا اور صالح العمل ہوا
وہ اس دامنِ رحمت میں آگیا اور اسے مضبوط حلقہ کو تھام لیا — اور — اسی رسی پکڑ لی
جسے شکست وریخت کا کوئی خطرہ نہیں) — فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ع۱۰۲۲
اور جس نے انکار کیا [کفر اختیار کیا] وہ بھی اللہ کی حکمرانی سے نکل تو نہیں سکتا، خواہشاتِ نفس اور طبعی تقاضوں پر
چلے گا۔ وہ بھی تو اللہ ہی کے تکوینی احکام [مادی تقدیرات] ہیں۔ جبری اسلام کا فر ہے تو ہے تابعِ تقدیر، مسلماں، یہ حیوانی زندگی ہے
وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ — کافر اسی زندگی کی طرف لوٹتے ہیں جہاں، الدین آنے سے پہلے تھے۔ هَلْ أَتَىٰ
عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ---- إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا
وَإِمَّا كَفُورًا --- الخ ع۱۰۲۳ انسان پر ان گنت زمانے گزرے وہ قابلِ ذکر شے نہ تھا [حیوانی صف سے نہ اٹھا تھا]

ع۱۰۱۹ الذاریات: ۵۶
ع۱۰۲۰ الدھر: ۲۹، ۳۰ ع۱۰۲۱ علامہ مرحوم نے برخیا کے شہر کا ذکر کر چکے ہیں۔ جہاں کا آدم ہمارے آدم سے مختلف
ہے — کیا رحمۃ للعالمین بھی مختلف ہوگا؟ جیسا کہ عرض کیا گیا میری رائے اور یقین و ایمان کی رو سے نہیں یہ العالمین
کی توجیہہ مذکورہ متن کا تقاضا ہے۔ ع۱۰۲۲ البقرہ: ۲۵۶ ع۱۰۲۳ الدھر: ۳

ہم نے اُسے (اس زندگی سے نجات کا) راستہ دکھایا۔ (اس پر چل کر) ہمارا شکر گذار بندہ بنے یا (انکار کرے) ناشکرا اور نافرمان — جو یہ راہ اختیار کرے گا وہی اللہ کی مرضی پوری کرے گا۔ اللّٰھُمّ اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیم ۔ آمین ۔ یہی وہ مقامِ خودی اور حقیقی تشخص ہے جہاں پہ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟ — یہی ہے عبدہٗ۔

(۱۹۶) **حقیقتِ محمدیہ** : تعلیقہ نمبر ۱۹۲، ۱۹۵، پڑھ لینے کے بعد، مقامِ عبدہٗ کو سمجھنا چنداں مشکل نہیں رہا — لیکن علامہ نے اس نکتۂ لطیف کو یہ کہہ کر خود ہی حل کر دیا ہے۔ شعر:

موجِ ما پیدا نہ گردد زیں دو بیت — تا نہ بینی از مقامِ مارمیت

جو تلمیح ہے فرمانِ باری سے، غزوۂ بدر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کنکریاں پھینکنے کے واقعہ سے متعلق، قرآن میں آیا مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (عـ۱۰۲۴) وہ جو تو نے کنکریاں پھینکی تھیں وہ تو نے نہیں اللہ نے پھینکی تھیں (اس بحث کے بعد اس آیت کا حقیقی مفہوم ازرے علامہ آیت کے روایتی ترجمہ کے ساتھ ساتھ علامہ کی جانب سے "تماشِ تنزخوبیٔ" کا خصوصی استفہام جس استریت کو جنم دیتا ہے وہ ان کے حضوِ عبدہٗ کو حلاج کے "طاسینِ سراجِ محمدی" کے ھُو سے جا ملاتا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الطواسینِ حلاج کے پہلے باب کے یہ اقتباسات۔

۸۔ "آپؐ ظاہر ہیں، مگر صاحب باطن بھی ہیں۔ آپؐ کی نظر عظمت، شہرت نور، قدر و منزلت اور بصیرت کو زوال نہیں۔ آپؐ وقوع پذیر حوادث بلکہ مخلوق کے وجود سے قبل بھی مشہور تھے۔ آپؐ ازل سے قبل موجود تھے اور آپؐ کے جواہر ابد کے بعد بھی مذکور ہیں آپؐ کا جوہر پاکیزہ ہے اور آپؐ کا کلام مظہرِ نبوت۔ آپؐ کا مرتبۂ علم انتہائی بلند ہے اور آپؐ کا جوہرِ نور نہ شرقی ہے نہ غربی۔ آپؐ کی آبائی بلند نسبت ان کے لقب اُمّی سے ہویدا ہے۔

۱۳۔ کوئی بھی عالم آپؐ کے علم تک نہ پہنچا اور صاحبِ حکمت، آپؐ کی حکمت کی کنہ سے مطلع نہ ہوا۔

۱۴۔ ایسا اس لئے ہوا کہ آپؐ "ھُو" اور "ھُو" کی مانند تھے۔ "انا" بھی "ھُو" سے ہے اور "ھُو" والا، "ھُو" ہو جاتا ہے عـ۱۰۲۵

عـ۱۰۲۴ الانفال: ۱۷ عـ۱۰۲۵ اقبال اور ابنِ حلاج صـ۱۷، صـ۱۸، صـ۱۹ ۔ ڈاکٹر محمد ریاض اسلامک بک فاؤنڈیشن، سمن آباد لاہور ۱۹۷۷ء۔

ھُوَ: ھُو سے مراد ذاتِ بحت بلا اعتبار صفات و ظہور، یعنی لا بحیثیت ظہورِ حق سبحانہ' کا نام ہے اور ہو خالص اور ذاتِ بحت کا نام ہے جہاں کسی صفت و ظہور کا دخل نہیں ہے۔ یہ لفظہ ذات کا اسم ہے۔ اس کے ذکر سے سالک کی صفاتِ بشریت فنا ہو جاتی ہیں، اور جملہ اعتبارات غیریت زائل ہو جاتے ہیں اور بجز ہستیٔ حق سبحانہ' کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ اسی لئے یہ جلالی اسم ہے خواص سالکین اس کا ذکر کرتے ہیں (اصطلاحاتِ صوفیہ۔ شاہ محمد عبدالصمد ص ۱۶۸)۔

لیکن علامہ "ھُوَ عبدہٗ" سے یہ مراد نہیں لیتے۔ بات حلاج کی زبانی ہو رہی ہے اس لئے اصطلاحات بھی کتاب الطواسین ہی کی استعمال ہو رہی ہیں۔ منشی سراج الدین کے نام مکتوب ۱۱ مارچ ۱۹۰۳ء میں اپنی ایک نظم کے بارے میں علامہ نے ایسی ہی بات لکھی ہے

" مندرجہ بالا نظم [؟] کی بندش ملاحظہ فرمایئے۔ چونکہ بچوں کے لئے ہے اس واسطے اضافات اور دقتِ معنوں سے خالی ہے۔

مسلمہ ازیں فریاد کرنے والا آخر ہر نرہ ہے " (اقبال نامہ اول ص ۶۲)۔

چنانچہ حلاج کی زبانی بات بھی اسی کی اصطلاحات میں ہوئی اور مولانا اسلم جیراجپوری کو لکھنا پڑا۔

" فلکِ مشتری پر ڈاکٹر صاحب کی ادا قرآن کے خلاف معلوم ہوئی اس لئے اس کو بھی ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ جوہرِ مصطفیٰ ؐ کی حقیقت جس کو اللہ تعالیٰ نے معراج کے بیان میں [اَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا] عبدہ فرمایا ہے۔ حلاج کی زبانی اس طرح بیان کرتے ہیں

عبدہٗ از فہمِ تو بالاتر است ....

.... فاش تر خواہی؟ بگو ھُو عبدہٗ

یہ حقیقت میں غلو ہے۔ رسولِ پاک ؐ کو انسانیت کے حدود میں رکھنے سے ان کا اسوۂ حسنہ انسانوں کے لئے دلکش اور آسان رہتا ہے بخلاف اس کے دائرہ الوہیت میں داخل کر دینے سے ان کی پیروی نہ صرف دشوار بلکہ غیر ضروری بھی ہو جاتی ہے۔ غالباً اسی نکتے کی وجہ سے قرآن نے جہاں جہاں اس رمز کو بیان کیا ہے حصر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا۔ میں نہیں ہوں مگر ایک انسان پیغام لانے والا ۔۔۔ سورۂ کہف میں ہے قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہہ دے کہ میں تو بس تمہارے جیسا انسان ہوں۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بجز اس کے کہ عالم غیب سے اللہ ان پر وحی بھیجتا ہے بشریت ہی کے دائرے میں محصور ہے اور کوئی شعبہ الوہیت کا اس میں نہیں ہے۔ مزید تصریحات قرآن کی متعدد آیات میں ہیں۔

جو لوگ دونوں کو ملا دیتے ہیں انہوں نے یا تو اللہ کو نہیں سمجھا

یا ، رسول اللہؐ کو نہیں سمجھا" ع ۱۰۲۶ جہاں تک اس اعتراض کیا تعلق ہے مولانا اسلم جیراجپوری، علامہ کے معترضین میں نہیں معترفین میں سے ہیں، ان کا یہ اعتراض، احتیاط کی تلقین کے ذیل میں آتا ہے۔ مولانا اسلم جیراجپوری ہوں یا کتاب "اقبال کا علم الکلام" کے مصنف علی عباس جلالپوری، ان کے سامنے ہماری صدیوں کی صوفیانہ روایت ہے۔ جو "ھُو" کو ایک مخصوص معانی میں لیتی ہے۔ پنجابی اور فارسی کے یکساں معتبر صوفی شاعر، حضرت سلطان باھُو ہی کو لیں ان کی شاعری "ھُو" کے بغیر چلتی ہی نہیں۔ اور "ھُو" کا نعرہ، بطور ردیف "گویا باھُو" کے شعر کی پہچان ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ

ذاتے نال جا ذاتی رلیا ، تد باھُو نام سدائیں، ھُو

فارسی کلام میں دیکھیں تو

سخن از لا چہ می گوئی ، تو ھُو باھُو نمی جوئی
چرا با غیر می پوئی ھُو الھُو گو چہ مستانہ {دیوان باھُو، مرتب ملک فضل دین، پبلشرز لاہور، ص ۵ ، اشاعت اول}

یہاں "ھُو" کی علامت — عالمتہ وجودی تصوف کے تحت "خود" (من و تو) کے فرق کا نام ہے۔ لا کہنے کی سچائی — ھُو کو باھُو، تلاش کرنا ہے — یعنی "ہمارا سایہ ہمیں ناگوار راہ میں ہے" یا

تلاش یار میں نکلے چمن سے بو ہو کر ہوئے ہم آپ ہی گم جستجو ہو کر

لیکن علامہ کا تصور عشق "گم ہو کر" نہیں — خود کو پہچان کر۔ اور وہ یوں کہ ذات، ذات میں نہیں، بلکہ ذاتی میلانات اور رجحانات کو "رضائے یار" کے اس طرح تابع مہمل بنا دینا — جیسے کہ خود ذاتی میلانات، کی تابع عمل ہوتی ہے یعنی جزو فطرت بنا دینا — اسی کو علامہ حقیقی اسلامی بے خودی نام دیتے ہیں اور اسی سے تعمیر خودی۔ ذاتی تحفظ کی تعمیر و تقویم ممکن ہے — پس "خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است" کی تصریح کے بعد "عبدہٗ دیگر عبدہٗ چیزے دگر" کی وضاحت مزید، کے ہوتے ہوئے اور پھر عبدہٗ کو "باابتدا" "بے انتہا" لکھ کر اعلان کرنا "ھُو عبدہٗ" — کسی بھی طور، باھو رح والے نعرۂ ھُو سے اس کا تعلق نہیں رہتا بلکہ یہ اعلان وضاحت ہے کہ ہزاروں "عبدہٗ" کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا — یہاں وہی نافذ المرام ہوا جس کی صفت "وما ینطق عن الھوٰی" خود "ھُو" نے بیان کی — لہٰذا "ھُو عبدہٗ" کا مفہوم — سوائے اس کے کچھ نہیں کہ "حرف اور حرف محمد عبدہٗ" ہے۔ اس طرح علامہ نے "معنیٔ تازہ" کے تحت استعمال کی ہے۔ اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ فلسفہ، تصوف اور علم الکلام میں اصطلاحات کے مفاہیم، بہ حیثیت الاستعمال بدلتے رہتے ہیں۔

شعر نمبر ۱۱۲۷ : جوہر: ۱- اصطلاح جو یونانی لفظ ousia کا عربی متبادل ہے جس سے یونانی میں ایک شے کی داخلی حقیقی ماہیت مراد ہے۔ لاطینی میں اس کا ترجمہ جس سے مشتق انگریزی لفظ substance ہے۔ یعنی یہ ہے "وہ جس پر ایک شے کی فطرت مبنی ہو"، عربی اردو فارسی میں یونانی لفظ کے متبادل کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے (الکندی، ابن متّی بشر، رسائل عبدالحمید وغیرہ)۔ اس کے مترادف کے طور پر ذات اور عین بھی مستعمل رہے ہیں۔ الغزالی کے مطابق یہ اصطلاح فلاسفہ، صوفیاء اور متکلمین نے جدا جدا معنوں میں استعمال کی ہے۔

۲- (الف) جوہر: وہ جو اپنے وجود کے لیے کسی کا محتاج نہ ہو جب کہ ہر وجود کا انحصار اس پر ہو — (ب) وہ جو بالذات متصور ہو اور بالذات قائم ہو (ج) وہ جو صفات کا موضوع یا محل ہو اور خود صفت یا محمول نہ ہو ع ۱۰۲۸

محترم یوسف سلیم چشتی جنہیں علامہ کو ابن عربی رح کا خوشہ چین ثابت کرنے کا از حد شوق ہے، نے "ھُو عبدہٗ" کو داخلی و خارجی تنزلاتِ ستہ کے حوالے کر دیا ہے — افادۂ عام کے لیے وہ بھی نقل ہیں۔ اگرچہ غیر متعلق اور خارج از بحث ہیں۔

مرتبہ اول: لاتعین: ذاتِ بحت، جو فہم و ادراکِ انسانی سے بالاتر ہے۔
مرتبہ دوم: تعینِ اول: ذاتِ بحت نے پہلی تجلی فرمائی۔ جس جوہر کا نام مصطفیٰؐ ہے۔ اس کی حقیقت یہی پہلی تجلی ہے۔ اس تجلی کے واسطے سے ذاتِ بحت نے اپنی صفات کا اجمالی طور پر مشاہدہ کیا اسی کو حقیقتِ محمدی کہتے ہیں۔ زندہ رود نے حلاج سے اسی جوہر کے بارے میں سوال کیا ہے۔
مرتبہ سوم: تعینِ ثانی: ذاتِ بحت نے اپنی صفات یا اپنے اسماء کا تفصیلی طور پر مشاہدہ کیا۔ یعنی معلوماتِ حق کو وجود علمی حاصل ہو گیا۔ یہی اعیانِ ثابتہ ہیں۔

تنزلاتِ ستہ

۱۰۲۶ جاوید نامہ: اسلم جیراجپوری مشمولہ اقبال، معاصرین کی نظر میں ص ۲۲۴/۲۲۳ مرتبہ پروفیسر سید وقار عظیم۔ مجلس ترقی ادب لاہور ستمبر ۱۹۷۳ء
۱۰۲۷ مرا معنیٔ تازہ مدعاست اگر گفتہ را باز گویم رواست (کلیات اقبال فارسی ص ۲۸۲ (پیام مشرق: قطعہ آب)۔
۱۰۲۸ کشاف اصطلاحات فلسفہ ص ۱۱۸ ڈاکٹر قاضی عبدالقادر — ایضاً —

مراتب خارجی

اب تکوین و تخلیق کا سلسلہ شروع ہوا۔ ذاتِ حق نے بواسطہ تعین اول [حقیقتِ محمدی]۔
اپنے معلومات [اعیانِ ثابتہ] کو خلعتِ وجود عطا کیا ——— یعنی ذاتِ حق نے
۱: عالم ارواح [لاہوت] ۲- عالم مثال [ملکوت] ۳- عالم ناسوت
میں نزول فرمایا - یہ تین خارجی مراتب ہیں اس طرح چھے مراتب متحقق ہوئے ۱۰۲۹

مجھے تو حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی توجیہ پسند ہے جو والد اقبال نے اقبال کو بتائی

" آدم علیہ السلام سے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک کہ خاتم الانبیاء ہیں جتنے نبی مبعوث ہوئے اُن میں سے ہر ایک کا گزر مدارجِ محمدیہ ہی میں سے ہو رہا تھا - وہ گویا ایک سلسلہ تھا جس کا خاتمہ ذاتِ محمدیہ کی تشکیل پر ہوا ------ شعور انسانی کی تشکیل کے ساتھ ساتھ بالآخر وہ مرحلہ بھی آ گیا کہ زندگی اپنے مقصد کو پا لے تو ذاتِ محمدیہ بھی اپنی پوری شان سے جلوہ گر ہوگئی -
حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے - بابِ نبوت بند ہوا اور انسانیت اپنی معراج کو پہنچی "۔ ۱۰۳۰

آیت و ما رمیت ...

[یہ آیت کریمہ شرک کی جڑ کاٹتی ہے - لیکن بدقسمتی سے اس کے برعکس معانی لئے گئے]

فلم تقتلوھم ولٰکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمیٰ ۔ ولیبلی المؤمنین منہ بلاءً حسنًا ۔ ان اللہ سمیع علیم ۱۰۳۱

یہ غزوۂ بدر کے واقعات سے متعلق ہیں مفتی محمد شفیع مرحوم صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں ،

" بالکل مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں یہ فتح عظیم مسلمانوں کو حاصل ہوئی - میدانِ جنگ سے واپس آکر آپس میں گفتگوئیں شروع ہوئیں صحابہ کرام رض اپنے اپنے کارنامے ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی فلم تقتلوھم الخ - جس میں ان کو یہ ہدایت دی گئی کہ اپنی سعی و عمل پر ناز نہ کرو یہ جو کچھ ہوا وہ صرف تمہاری محنت و کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ خالص حق تعالیٰ کی نصرت و امداد کا ثمرہ تھا ، جو دشمن تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے ان کو درحقیقت تم نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے -

اسی طرح رسول کریم ؐ کو خطاب کرکے ارشاد ہوا وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمیٰ یعنی یہ مٹھی کنکریوں کی جو آپؐ نے پھینکی وہ درحقیقت آپؐ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہیں مطلب یہ کہ پھینکنے کا یہ نتیجہ کہ لشکرِ دشمن کے ہر فرد کی آنکھوں میں پہنچ کر سب کو سراسیمہ کر دے یہ آپؐ کے پھینکنے کا اثر نہیں تھا بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے یہ صورت پیدا فرمائی "

ما رمیت اذ رمیت گفت حق
کارِ ما بر کارہا دارد سبق

۱۰۲۹ء شرح جاوید نامہ - چشتی ص ۱۲-۹۱۱ ایضاً ۱۰۳۰ء اقبال کے حضور ص ۶۱/۶۰ سید نذیر نیازی - ایضاً -
۱۰۳۱ء الانفال: ۱۷

غور کیا جائے تو مسلمانوں کے لئے جہاد کی فتح و کامیابی سے زیادہ قیمتی یہ ہدایت تھی جس نے ان ذہنوں کو اسباب سے پھیر کر مسبب الاسباب سے وابستہ کر دیا، اور ان کے ذریعے ان کو فخر و عجب کی خرابی سے بچا لیا جس کے نشہ میں عموماً فاتح اقوام مبتلا ہو جایا کرتی ہیں۔" ۱۰۳۲ء

یعنی یہاں تک تو معاملہ صرف وَمَا رَمَیْتَ کا نہ رہا فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ بھی ساتھ ہے اور مقامِ عبدہٗ — الرسول سے صحابہ تک جا نکلتا ہے — یہ اطاعتِ رسول کا ثمرہ ہے۔ دوسرے اس سے اسبابِ ظاہری پر اعتماد و اعتبار سے شرک و کفر کی جڑ کٹتی ہے کہ — اگرچہ ترکِ سبب جہالت ہے لیکن اسباب پر اعتماد شرک [تَرْكُ السَّبَبِ جَهَالَةٌ وَالْاِعْتِمَادُ عَلَيْهَا شِرْكٌ : عقائد نسفی]۔ تیسرے مقابلہ ہی مشرکین سے تھا۔ حضورؐ کا ریت پھینکنا اور پورے لشکرِ کفار کی آنکھوں تک سنگریزوں کا پہنچنا شرک کا ایک نیا محاذ کھول سکتا تھا — اور وجودی تصوف نے کھول بھی دیا — اس لئے پھینکنا تو دستِ مبارکِ رسول کا تھا لیکن آنکھوں تک پہنچانا اللہ کا کام بتایا گیا۔ چوتھی بات جو سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ الرسول اور آپؐ کے ساتھی کوئی ذاتی جنگ تو لڑ نہیں رہے تھے اللہ کا کام تھا — مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ — جو اللہ کا ہوا اللہ اس کا ہوا — رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اللہ اُن سے راضی وہ اللہ سے راضی — یہی وہ مقامِ عبدہٗ ہے جہاں ہاتھ سے وہی کام ہوتا ہے جو اللہ کو پسند ہو، آنکھ اُدھر ہی کو دیکھتی ہے جدھر دیکھنے کا حکم ہو — کان وہی کچھ سنتے ہیں جو سننے کو کہا گیا اور زبان وہی کچھ کہتی ہے جو بتایا گیا ہے — جب سب کچھ اسی کا ہے تو نتائج بھی اُسی کے ہونے چاہئیں — لیکن یہ نہیں کہ عبدہٗ، عبدہٗ نہ رہے، الٰہ بن گیا۔ وقت اسی لئے کلمۂ شہادت میں عَبْدُهٗ پہلے اور رسولہٗ بعد میں لایا گیا ہے۔

(۱۹۸) **عبدہٗ :** کلمۂ شہادت کے علاوہ درج ذیل آیات میں عبدہٗ آیا ہے۔

۱۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا — [بنی اسرائیل ۱۷: ۱] پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے مختصر حصے میں اپنے بندۂ خاص کو سیر کرائی۔

۲۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ [الکہف ۱] تمام تر تعریفوں والا وہی اللہ ہے جس نے اپنے بندۂ خاص پر کتاب اتاری۔

۳۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ [الفرقان ۱] برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندۂ خاص پر فرقان (حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب) اتارا۔

۴۔ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی [النجم ۱۰] پس کہا اپنے بندۂ خاص سے جو کہا (کہنا تھا)۔

۵۔ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ [الحدید ۹] هُوَ — وہ ہے جس نے اپنے بندۂ خاص پر روشن آیات اتاریں۔

۱۰۳۲ء معارف القرآن جلد ۴ ص ۲۰۲/۲۰۱ مولانا مفتی محمد شفیع۔ ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۷۶ء

عبدہٗ کا خطاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ خصوصیت ہے۔ جو اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُم کے اعلان رسالت سے مزید روشن ہے۔ ہر پیغمبر برحق کو بَشَرٌ مِّثْلُکُم کہہ کر مسترد کیا گیا تھا۔ حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ کے فرستادگانِ انطاکیہ تک کوئی ایسا نہیں جسے "بشر" کہہ کر تکذیب کی گئی ہو۔ حضرت نوحؑ کے بارے میں اپنے ان کے اراذل و اغیار (عوام کالانعام) سے کہا گیا بَشَرٌ مِّثْلُکُم یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُم (المومنون: ۲۴) - یہ تمہاری طرح عامی شخص تم پر بڑا بننا چاہتا ہے۔ حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بارے میں کہا گیا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (المومنون: ۴۷)۔

کیا ہم ان دو عامی اشخاص پر ایمان لے آئیں جن کی قوم ہماری غلام ہے۔ تیسرے درجے کے شہری۔ عوام الناس۔ مامور من اللہ حکمران اول۔ جناب طالوتؑ کو عوامی آدمی ہونے ہی کے حوالے سے رد کیا گیا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا (البقرہ: ۲۴۷) یہ عامی شخص ہم پر کیسے ملک ہو سکتا ہے۔ نہ ورثۃ الانبیاء میں سے ہے نہ اہل ثروت۔ انطاکیہ میں حضرت عیسیٰؑ کے مرسلین سے۔ عوام الناس نے اپنی زبانی کہا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا [وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ] اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ (یٰس: ۱۵) - بالآخر بنی اسرائیل نے یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کر دی۔ تب آخری وحی کے مخاطب سے اعلان کرایا گیا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (یٰس ۱۵۲) - اس اعلان کی جامعیت و کاملیت ملاحظہ ہو۔ مولانا اسلم جیراجپوری نے عَبْدُہٗ کے حوالے سے اس آیت کا حوالہ دے کر سب کچھ کہہ دیا جو کہا جا سکتا تھا۔

اِنَّمَا حصر کے لئے آتا ہے۔ اور شرح اس کی یہ ہے کہ اولادِ آدم ہونے کی حیثیت میں تو ہم سب ایک جیسے بشر ہیں ہی کہ آدم بشر تھے۔ میں صاحب الوحی ہو کر بھی بَشَرٌ مِّثْلُکُم ہوں۔ کہ مجھے وحی یہی بتاتی ہے کہ تمہارا اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ہے۔ سبحان اللہ کیا بلاغت و فصاحت ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا تمام انبیاءؑ کو بَشَرٌ مِّثْلُکُم کا طعنہ دے کر رد کیا گیا لیکن اس پیغمبرؑ کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد ابلیس اپنے کاروبارِ اغوا کو نیا رخ دے دیتا تھا۔ وہ انہیں باور کراتا۔ پیغمبرؑ کو اپنی طرح بشر نہ کہو۔ وہ "خدا کا بیٹا" تھا۔ اور پھر یہ دکان چمک جانے کے بعد ورثۃ الانبیاء سے اعلان کرایا جاتا نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ) اور اس طرح شرک کے بازار سج جاتے تھے۔ حضورؐ نے خود کو خود ہی بَشَرٌ مِّثْلُکُم کہا۔ اور آئندہ کے لئے بحوالہ وحی و رسالت ورثاء۔ پھر بھی عوام الناس پر کسی سماجی تفوق کے خصوصی حوالے کی نفی کر دی کہ وحی و رسالت، اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کا اعلان کرا رہی ہے۔ واحد۔ فاعل ہے۔ ایک کرنے والا۔ برادری اور برابری بخشنے والا۔ لیفاتی انتم (ملاء الناس، اوساط الناس اور عوام الناس) جیسا کہ طالوتؑ تک کے زمانے کا دستور تھا اور نام طبقات الٰہی۔ کو جڑ سے اکھیڑنے والا۔ ادھر۔ اعلان کرایا گیا عبدہٗ۔ لیکن اب تو باقاعدہ بالکلیہ مذہبی ادارے قائم ہیں جو اصطلاحاً مذہبی کو صیہونیوں کے بتے بلند مقاصد پہنانے پر مامور ہیں[1033] تاکہ آپس میں لڑتی بھڑتی قوم وصل الرسول دین سے بھی محروم ہو جائیں اور لسنا مسلمین ہو کر ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ کی سزا بھگتیں گو خوش رہیں۔

۱۰۳۳ - سازش یہود (صیہونی پروٹوکول مرتبہ ۱۹۰۵ء) اردو ترجمہ مسٹر منور صادق گلشن ۱۵۱ اسلامی مشن سنت نگر لاہور ۱۳۹۸ھ محمد علیانی ۱۹۷

(۱۹۸)

شذرہ نمبر ۳۲۱۱۰ اَلنَّبِیُّ الْمُنْتَظَر: روایات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ تورات ہی سے آغاز ہوتا ہے۔ تورات کی متعدد آیات سے حضور اکرمؐ کی ذاتِ ستودہ صفات مراد لی گئی ہے۔ لیکن قرآن مجید نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زبانی یہ خوشخبری سنائی گئی کہ میرے بعد احمد (مصطفیٰؐ) تشریف لائیں گے۔ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ [الصف: ۶]۔ یہ گویا ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا ثمرہ تھا۔ جب آپؑ نے کعبۃ اللہ کی بنیادیں دوبارہ استوار کیں اور دیواریں چنتے ہوئے دعائیں کرتے جاتے تھے ایک دعا یہ بھی تھی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ [البقرہ: ۱۲۹]۔

خود حجاز میں بھی اس کے چرچے تھے کعب بن لوی شاید پہلا شخص تھا جو عروبہ [جمعہ] کے دن لوگوں کو اکٹھا کر کے خطبہ دیا کرتا تھا۔ اپنے ان خطبات میں کعب "النبی المنتظرؐ" کی بعثت کی بشارات سناتا اور آپؐ کی صفات بیان کرتا۔ اپنے ایک خطبے میں اہلِ مجلس کو حرم [الکعبۃ اللہ] کی تعظیم و تزئین کی ہدایت کرتا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی نوید سناتے ہوئے کہتا ہے ---- اَلدَّارُ اَمَامَکُمْ وَالظَّنُّ غَیْرُ مَا تَقُوْلُوْنَ وَحَرَمُکُمْ زَیِّنُوْہُ وَعَظِّمُوْہُ فَسَیَاْتِیْ لَہٗ نَبَاٌ عَظِیْمٌ وَسَیَخْرُجُ مِنْہُ نَبِیٌّ کَرِیْمٌ[1034] وہ گھر، سامنے والا، میرا خیال اس کے برعکس ہے جو تم کہتے ہو۔ وہ تمہاری حفاظت کا ضامن ہے۔ تم اسی کو آراستہ کرو اور اس کی تعظیم کرو کیونکہ عنقریب اس سے متعلق ایک بڑی خبر آنے والی ہے۔ عنقریب اس سے ایک نبی کریمؐ کا ظہور ہوگا ---- کعب ابن لوی اور حضورؐ کی بعثت کے درمیان ۵۶۰ سال کا عرصہ تھا۔ صاحب امتاع نے خمسون مائۃ وعشرون سنۃ لکھا ہے جو درست معلوم نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں کعب کی وفات اور واقعہ فیل کے درمیان ۵۲۰ سال کا عرصہ بتایا ہے اور یہی سال حضورؐ کی ولادت کا ہے۔ چالیس سال کی عمر میں بعثت ہوئی اس طرح ۵۶۰ سال بعد ہی درست ہوا۔

عرب میں کاہنوں کی ایک جماعت تھی جو مقفیٰ و مسجع کلام میں غیب کی خبریں سناتے تھے۔ حضورؐ کی ولادت کے قریبی زمانے میں یہ لوگ ایک نبیؐ کی آمد کی پیش گوئی عموماً کرتے تھے۔ سفیان ابن مجاشع تمیمی نے ایک ایسے ہی گروہ میں کاہن سے سنا وہ کسی کی توصیفیں بیان کر رہی ہے پوچھا وہ کون ہے بولی نَبِیٌّ مُؤَیَّدٌ قَدْ اٰنَ حِیْنَ یُوْجَدُ وَدَنَا اَوَانُ یُوْلَدُ یُبْعَثُ اِلَی الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ بِکِتَابٍ لَا یَنْفَدُ اِسْمُہٗ مُحَمَّدٌ۔ وہ نبی جن کی تائید ہوگی۔ تم جلد ہی اس کو پاؤگے۔ وہ وقت قریب ہے جب اس کی ولادت ہوگی وہ اسود و احمر کی طرف ایک لافانی کتاب لے کر آئے گا اس کا نام محمدؐ ہوگا۔

مرض کے دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار ― گل چینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

1034ء سیرۃ النبویہ والآثار المحمدیۃ از احمد زینی دحلانی (حاشیہ سیرۃ حلبی مطبوعہ مصر ۱۳۲۰ھ ج ۱ ص ۱۸۰ [illegible])

عروبہ کو جمعہ کا نام بھی کعب ابن لوی ہی نے دیا (بلوغ الارب، جلد دوم ص ۳۲۵ محمود شکری آلوسی۔ مطبوعہ مصر اور اردو ترجمہ پیر احمد حسن)۔

1035ء محمد رسول اللہ، محمد رضا مصری مترجم محمد عادل قدوسی طبع چہارم مطبوعہ تاج کمپنی ص ۹۲ پر اس واقعہ کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام محمد رکھے گئے۔ ان میں سے ایک مذکورہ متن سفیان ابن مجاشع کا بیٹا تھا۔ جس کا نام اس نے محمد رکھا تھا۔ وہ نبی تو نہ ہوا لیکن اس نام کے صدقے سیرت کی کتابوں میں جگہ پا گیا۔ میں نے بھی اسی کی اقتدا کی ہے ― اس موضوع پر راقم کی کتاب "عہد رسالت میں لغت" (باب دوم) [illegible]

زنده رود

کم شناسم عشق را این کار چیست؟
ذوق دیدار است پس دیدار چیست؟ (۱۹۹)

حلاج

معنی دیدار آن آخر زمان — حکم او بر خویشتن کردن روان
در جهان زی چون رسول انس و جان — تا چو او باشی قبول انس و جان
باز خود را بین همین دیدار اوست — سنت او سری از اسرار اوست

زنده رود

چیست دیدار خدای نه سپهر؟
آنکه بی حکمش نگردد ماه و مهر

حلاج

نقش حق اول بجان انداختن — باز او را در جهان انداختن
نقش جان تا در جهان گردد تمام — می شود دیدار حق دیدار عام
ای خنک مردی که از یک هوی او — نه فلک دارد طواف کوی او
وای درویشی که هوئی آفرید — باز لب بربست و دم در خود کشید
حکم حق را در جهان جاری نکرد — نانی از جو خورد و کراری نکرد
خانقاهی جست و از خیبر رمید — راهبی ورزید و سلطانی ندید
نقش حق داری؟ جهان نخچیر تست — هم عنان تقدیر با تدبیر تست

عصر حاضر با تو می جوید ستیز
نقش حق بر لوح این کافر بریز

زنده رود

نقش حق را در جهان انداختن!
من نمی دانم چسان انداختن؟

حلاج

یا بزورِ دلبری انداختند　　یا بزورِ قاہری انداختند
زانکہ حق در دلبری پیدا تراست　　دلبری از قاہری اولیٰ تراست

زندہ رود

باز گوای صاحبِ اسرارِ شرق
درمیان زاہد و عاشق چہ فرق؟

حلاج

۱۱۵۸ — زاہد اندر عالمِ دنیا غریب
عاشق اندر عالمِ عقبیٰ غریب

زندہ رُود

۱۱۵۹ — معرفت را انتہا نابُودن است؟　　زندگی اندر فنا آسُودن است؟

حلاج

۱۱۶۰ — سُکرِ یاراں از تہی پیمانگی ست　　نیستی از معرفت بیگانگی ست
اے کہ جوئی در فنا مقصود را　　در نمی یابد عدم موجود را

زندہ رُود

۱۱۶۲ — آنکہ خود را بہتر از آدم شمُرد　　در خُم و جامش نہ مے باقی نہ دُرد
مشتِ خاکِ ما بگردوں آشناست　　آتشِ آں بے سروساماں کجاست؟

حلاج

۱۱۶۴ - کم بگو زاں خواجۂ اہل فراق ‏ تشنہ کام و از ازل خونیں ایاق
(۲۰۰) ما جہول او عارف بود و نبود ‏ کفر او این راز را بر من گشود
از فتادن لذت برخاستن ‏ ق ‏ عیش افزودن ز درد کاستن
عاشقی در نار او وا سوختن ‏ سوختن بے نار او نا سوختن
زانکہ او در عشق و خدمت اقدم است ‏ آدم از اسرار او نا محرم است
چاک کن پیراہن تقلید را
تا بیاموزی از و توحید را

زندہ رود

اے ترا اقلیم جاں زیر نگیں
یک نفس با ما دگر صحبت گزیں

حلاج

(۲۰۱)
با مقامے در نمی سازیم و بس ‏ ما سراپا ذوق پروازیم و بس
ہر زماں دیدن تپیدن کار ماست ‏ بے پر و بالے پریدن کار ماست

حواشی و تعلیقات:

(۱۹۹) **دیدار:** دیدار حقیقی یہ ہے کہ حکم کو اپنے رب پر نافذ کیا جائے۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۱۰۳۶ تم پر اللہ اور اس کے رسول اور اولی الامر منکم کی اطاعت واجب کر دی گئی ہے۔ محمد الرسول بھی ہے ــــ مَن یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ۱۰۳۷ جس نے اتباع رسول کیا اس نے اللہ کا حکم تسلیم کیا۔ مَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوہُ وَ مَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوا ۱۰۳۸

۱۰۳۶ النساء: ۵۹ ‏ ۱۰۳۷ النساء: ۸۰ ‏ ۱۰۳۸ الحشر: ۷

جو الرسول (ﷺ) دے اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور جس سے روکے اس سے سختی کے ساتھ رک جاؤ ــــ گویا سنتِ رسولؐ کا مِن وعن اتباع کرو۔ یہی فنا فی الرسول کا شرعی مفہوم ہے۔ ایسا ہو جانے کے بعد خود کو دیکھنا ــــ گویا دیدارِ رسولِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہی حقیقی دین ہے ۔ بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
دیدار کا دوسرا مرتبہ ــ دیدارِ الٰہی ہے، اور اس سے مقصودِ شرعی تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ ہے ــــ
اللہ، ربّ العالمین ہے ہر کافر و مومن شفیق، اُس کا خُلق [صفتِ رحمانی] ہے ــــ وہ خالق ہے، تخلقوا الخ کا تقاضا یہ ہے کہ اُس کی شانِ خلاقی اپنے اندر پیدا کرو ۔ وہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۔ کا مالک ہے۔ تمہاری سعئ میں ہر لحظہ نئی آن نئی شان ہونی چاہیئے ــ جب صفاتِ خداوندی کا نقش لوحِ جاں پر ثبت ہو گیا تو دیدارِ الٰہی بھی عام ہو گیا ــ یہی فنا فی اللہ کا شرعی مفہوم ہے۔ جو نوبہ نو عالم کی تخلیق کرتا ہے ــ نہ تحلیل کرتا ہے نہ تونیق کرتا ہے۔

زندگی را سوز و ساز از نار تست — عالمِ نو آفریدن کارِ تست !؟
اے خدا بیں ! خویشتن را ہم نگر — بحر را در قطرۂ شبنم نگر ع ۱۰۲۹

عصرِ حاضر اسی نقشِ حق ، سے مسلمان ہو سکتا ہے ۔ اس لئے کہ دلبری، قاہری سے کہیں زیادہ فائق ہے۔ "مسلمانوں کو محبت کا طریق اختیار کرنا چاہیئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ مسلمان دنیا کے لئے سراپا شفقت ہے [بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ. تمہیں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے] (خطوطِ اقبال ص ۱۶۶ بنام سید محمد سعید الدین جعفری ۴ نومبر ۱۹۲۳)۔
" قلب کی فطرت ہی ایسی ہے کہ وہ محبت سے رام ہو سکتا ہے۔ مخالفت اور عداوت سے رام نہیں ہو سکتا "
[گفتارِ اقبال ص ۱۹ ، تقریر ۱۹ نومبر ۱۹۲۶]۔

ترکِ علائق ہی مقصود ہو تو بھی زُہد سے اعلیٰ مقام عشق کا ہے۔ زاہد تو اس دنیا میں اپنے آپ کو مسافر اور اجنبی بناتا ہے ــ لیکن جنت، حور و غلمان اور نہروں اور باغات کی ہوس تو باقی رہتی ہے عاشق ان سے بھی بے نیاز ہوتا ہے ــ گوشہ نشین، دم کشی میں ہو، ھُو کے نعرے لگاتا ہے ــ دین کے نظام کا کام نہیں کرتا۔ یہ جو خود کشادِ خبر سے نا آشنا ہے نہ معرفت، مٹ جانے کا نام ہے نہ زندگی ، بے سود فنا ہو جانا یا سُکر ، خالی کاسہ ہونے کی کیفیت ہے۔ جو خود نہ رہا تو پھر کس کا عرفان ؟ عدم ، وجود کو کیسے پا سکتا ہے ــــ آدم ، خاک کا پتلا ، اب بھی آشنائے افلاک ہے، اشارہ معراجِ رسولؐ [۲] کی طرف ہو یا عمومی روحانی رفعتوں کی طرف، آدم سربلند ہے ــ مگر اس کی ، زوبیر بیٹھنے والی آگ ، کا کیا حال ہے ؟

شعر نمبر ۱۱۵۸ ــ زہد و زاہد : زہد خواہشاتِ نفس کو مارنا ، جسمانی عیش و آرام کو ترک کرنا ۔ دل کو ما سوا اللہ سے خالی کرنا ، عبادت اور تقویٰ اختیار کرنا ۔ زاہد ــ جس میں زہد کی باتیں ہوں۔ جس کو آخرت کا ہر وقت خیال رہے ــ راحت و لذتِ دنیا کی پروا نہ رکھے ۔ ہر وقت عبادت میں مصروف رہے ع ۱۰۴۱ اور عبادت ، تمام اعمال و افعال کو رضائے الٰہی کے تابع کرنے کا نام ہے۔ گوشہ گیری کا نام نہیں۔

شعر نمبر ۱۱۵۹ ــ معرفت : معرفت کی تین اقسام ہیں ۔ معرفتِ علمی ، معرفتِ کشفی ، معرفتِ عقلی
معرفتِ عقلی :ــ دلائلِ عقلی سے حق سبحانہٗ کی پہچان جیسا کہ فلاسفہ کرتے ہیں یہ ناقص معرفت ہے ۔
معرفتِ علمی ، دلائلِ عقلیہ اور دلائلِ نقلیہ سے حق کی پہچان ۔ دلائلِ نقلیہ چونکہ انبیاء کرام سے منسوب ہیں اور دلائلِ عقلی ان کے مطابق ہوں ، جیسا کہ علم الکلام ہے ، فلسفہ سے قوی ہے لیکن معرفتِ عقلی سے قوی ہونے کے باوجود ناقص بھی

ع ۱۰۲۹ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۶۵۴ (جاوید نامہ : سعید حلیم پاشا)
ع ۱۰۴۰ اقبال معاصرین کی نظر میں ، ص ۹۳ (الف) مقالہ (اقبال پر ایک منصفانہ نظر ــ راغب حسن)
ع ۱۰۴۱ اصطلاحاتِ صوفیہ ، شاہ محمد عبد الصمد ، ص ۱ (الف)۔

ہونا یقینی نہیں ہوتا

معرفتِ کشفی :- معرفتِ حقیقی ہے۔ جو آثار و صفات میں فنائیت سے حاصل ہوتی ہے۔ صوفیاء نے اس کی بھی تین قسمیں کی ہیں (۱) معرفتِ افعالی : سالک اپنے ارادے کو فنا کر کے الٰہی ارادے پر جملہ افعال و آثار کا حصر کرے اور مشاہدہ کرے کہ جو آثار بظاہر خلق سے ظاہر ہوتے ہیں وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی سے صادر ہوتے ہیں۔

(۲) معرفتِ صفاتی : یعنی صفات کو مظہرِ ذات جانے اور مشاہدہ کرے

(۳) معرفتِ ذاتی : سالک فنا فی الذات ہو جائے اور جملہ موجودات کو بعینہٖ ذاتِ حق مشاہدہ کرے۔ یہ درجہ معرفت کا سب سے اعلیٰ و ارفع درجہ ہے۔ ۱۰۴۲

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ۔ جمع الفوائد کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں...
...... کوئی شخص میرا قرب [دیدار، معرفت] اس چیز کی بہ نسبت۔ جو میں نے اس پر فرض کیا ہے حاصل نہیں کر سکتا۔ یعنی سب سے زیادہ قرب اور نزدیکی مجھ سے، فرائض ادا کرنے سے ہوتی ہے اور نوافل کی وجہ سے بندہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے سنے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے ...... آنکھ، کان بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دیکھنا، سننا، چلنا پھرنا سب میری خوشی کے تابع ہو جاتا ہے اور کوئی بات بھی میری خلافِ مرضی نہیں رہتی ۱۰۴۳

شعر نمبر ۱۱۶۰ : سُکر : صحو کا متضاد ہے۔ اصطلاحاتِ صوفیہ میں سُکر سے مراد "بوقتِ مشاہدۂ جمالِ محبوب مست و بے خود ہو جانا اور عقل کا عشق سے مغلوب ہو جانا اور اس نوبت پر پہنچنا کہ اس کو عاشق و معشوق کی تمیز نہ رہے۔ اسی حالت میں (بقول صوفیہ) حضرت منصورؒ سے انا الحق اور حضرت بایزید بسطامیؒ سے سبحانی ما اعظم شانی صادر ہوا" ۱۰۴۴ اور **صحو :** سالک کا انتہائے توحیدِ حقیقی میں پہنچ کر فرقِ مراتب سے غافل نہ ہونا ۱۰۴۵

علامہ کو حالتِ صحو پسند ہے جیسا کہ "دیدار اور معرفت" کے تحت عنوان اوپر درج ہوا وہ عمل کے شیدا ہیں۔ خواجہ حسن نظامی کو ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

" حالتِ سُکر منشائے اسلام اور قوانینِ حیات کے مخالف ہے۔ اور حالتِ صحو
جس کا دوسرا نام اسلام ہے قوانینِ حیات کے عین مطابق ہے اور
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ ایسے آدمی پیدا ہوں

۱۰۴۲ اصطلاحاتِ صوفیہ ، شاہ محمد عبد الصمد ص ۱۳۲ / ۱۳۱ ایضاً
۱۰۴۳ فضائلِ اعمال ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ص ۶۲ عتیق اکیڈمی ملتان / مکتبہ رحمانیہ لاہور سنہ ندارد
۱۰۴۴ اصطلاحاتِ صوفیہ ایضاً ص ۷۹ ۱۰۴۵ ایضاً ص ۸۶

جن کی مستقل حالت "کیفیتِ صحو" ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریمؐ کے صحابہؓ میں صدیقؓ و عمرؓ تو بکثرت ملے مگر حافظ شیرازی کوئی نظر نہیں آیا" ع۱۰۲۶

شعر نمبر ۱۱۶۳: قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ع۱۰۲۷
قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ع۱۰۲۸

بولا ابلیس کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا۔ کیا تو نے دیکھا ہے، اُسے مجھ پر فضیلت دی (جو آگ سے پیدا کیا گیا ہوں)۔

علامہ نے اپنی نظم "تسخیرِ فطرت" میں اس کا حوالہ اس طرح دیا ہے:

نوریِ نادان نیم، سجدہ بآدم برم ۔۔۔ اُو بہ نہاد است خاک من بہ نژاد آذرم ع۱۰۲۹

شعر نمبر ۱۱۶۴: خواجۂ اہلِ فراق: مراد ابلیس۔ ملاحظہ ہو آئندہ تعلیقہ نمبر ۲۰۲ نیز تعلیقہ نمبر ۱۳۰۔

(۲۰۰) اشارہ ہے اس آیتِ کریمہ کی طرف۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ع۱۰۵۰

تحقیق ہم نے امانت پیش کی آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر انہوں نے اُس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اٹھائی۔ بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا (ظالم) اور نادان ہے۔ ــــــ ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۱ ــــ اب دیکھیں۔ سب نے جس کا انکار کیا ــــ وہ تو آخرت کے مواخذے سے بچ رہے ــــ جس نے اٹھا لیا ــــ وہ "کرنہ کر" کے درمیان پھنسا دیا گیا۔ یعنی خیر و شر کے دوراہے پر ہے ــــ ابلیس نے بھی سجدہ سے انکار کیا۔ ایک تو وہ موحد ثابت کرنا چاہتا تھا خود کو، دوسرے اُسے معلوم تھا کہ "اقرار" مواخذہ کا باعث ہوگا اور مواخذہ موت کے بعد ہوگا ــــ واقفِ بود و نبود تھا ــــ اسی نے اسے انکار کی جرأت دی۔ علامہ اس حقیقت کا اظہار یوں کر چکے ہیں۔

اسے صبحِ ازل انکار کی جرأت ہوئی کیونکر
مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا ع۱۰۵۱

انکار نے جمادات (آسمانوں، زمین، جبال) کو ایسا پژمردہ و منجمد بنا دیا کہ اُن کی عمرِ رفتہ کی آن ان پہ ٹھہر گئی یعنی جیسے تھے ویسے ہی ہیں ــــ ابلیس بھی انکار کر کے "موت" سے اِلیٰ وقتِ معلوم، نجات پا گیا۔ اُس نے انسان کو بھی جنت کی زندگی کے جمود سے نکلنے کی راہ دکھائی ــــ فطرت میں خوئے تسلیم تھی ــــ یہاں بھی اسی جہالت کا مظاہرہ کیا ــــ لیکن اس بار اُس کی تخلیقی قوتوں نے اظہار پایا ــــ اور شعور کی بیداری نے ــــ ذوقِ تخلیق کی نار ــــ کے علاوہ ــــ ہبوط کا

ع۱۰۲۶ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال۔ جلد اوّل ص ۲۵۱ ع۱۰۲۷ الیضاً ع۱۰۲۷ بنی اسرائیل: ۶۱، ۶۲ ع۱۰۲۸ الاعراف: ۱۲
ع۱۰۲۹ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۲۵۵ (پیامِ مشرق: انکارِ ابلیس) ع۱۰۵۰ الاحزاب: ۷۲ ع۱۰۵۱ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۲۹۸ (بالِ جبریل: ۲)

درد دے کر عیشِ صعود کی لذت سے ہی آشنا کیا۔ اس نے دوری اختیار کی — آدم کو بہکایا اور زندگی کے سوز و ساز سے متعارف کر دیا۔ بہشت سے کلم سفر اور کارجہاں کی درازی — ہجر و فراق — کی عجب بہار ہے — اب — آدم — اُس (ابلیس) سے انکار، کے بعد ہی۔ ہبوط سے صعود کی طرف بڑھ سکتا ہے — انکار کی آگ — ہی تو عاشقی ہے — کفرِ او این راز را بر من کشود۔ اس نے انکار کر کے جو آزادی حاصل کی وہ "فراق" کا باعث بن گئی۔ آدم — اس سے انکار کر کے — جو فراق — حاصل کرے گا — وہی اصل توحید ہے — طاغوت کی حکمرانی سے انکار — اسی لئے تو علامہ نے خواجہ حسن نظامی کو لکھا تھا

" آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ نے مجھے سیر الوصال کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے سیر الفراق کہا جائے۔ اس وقت میرے ذہن میں یہی (گسستن یا پیوستن میں گسستن کے عینِ اسلام ہونے کا) احساس تھا " ع۱۰۲۶-الف

(۲۰۱) **مقام:** سالک کے دل پر جو کیفیات (وہبی، کسبی، نسبتی) بلا کوشش محض اللہ کریم کی طرف سے وہبی طور پر وارد ہوں **حال** کہلاتی ہیں — حال کی دو قسمیں ہیں — ایک وہ کہ بوجہ صفاتِ نفسی کے زائل ہو جائے اور کوئی کیفیت باقی نہ رہے۔ دوسری یہ کہ کیفیت ہمیشہ کے لئے قائم رہے۔ اول کو حال اور دوسری کو مقام کہتے ہیں ع۱۰۲۷-الف

سالک کا ہر ایک منزل کے لوازمات اور مراسم کو پورا ادا کرنا اور اس منزل کی روحانیت کا مالک ہو جانا اور اس میں ایسا مضبوط اور ثابت قدم ہونا کہ تنزل کا خطرہ بھی نہ رہے بلکہ اس کے بعد اگلی منزل میں ترقی کرے تب یہ منازل عروجی تنو ہیں۔ ننانوے منزلیں مطابق تعداد اسماء الحسنیٰ کے تلوین کی ہیں۔ ہر ایک منزل کو سالک طے کرتا ہے اور کسی منزل میں قیام نہیں کرتا بلکہ ہر ایک منزل سے آگے ترقی کرتا ہے۔ ان ننانوے منزلوں کے بعد مقام تمکین ہے۔ وہاں پہنچ کر سالک اقامت کرتا ہے۔ کیونکہ تمام منازل سلوک سے فارغ اور جملہ اعتباراتِ غیریت سے پاک ہو کر ذات سبحانہٗ و تعالیٰ میں مستغرق ہو جاتا ہے اور قطرہ عین دریا ہو جاتا ہے۔ اسی کو مقام فقر و غنا کہتے ہیں۔ یہ انتہائی مقام ہے جہاں ایک حد سے گزر کر لامکان و لاحد کے میدان میں محو حیرت ہو جاتا ہے ما عرفناک حق معرفتک سے یہی اشارہ ہے ع۱۰۲۸-الف

یہ صوفیانہ مقامات و منازل وجودیوں کی ہیں جو فنا اور فناء الفناء کے قائل ہیں لیکن حلاج کا "انا الحق" فنا نہیں "اثباتِ خودی" کا مظہر تھا اس لئے وہ کسی ایک بھی مقام پر اقامت کی نفی کرتا ہے۔ "ہر زماں دیدن تپیدن" اور "بے پر و بال پریدن" کا متمنی ہے۔

ع۱۰۲۶-الف کلیاتِ مکاتیبِ اقبال برنی جلد اول ص۴۵۱ الیضاً

ع۱۰۲۷-الف اصطلاحاتِ صوفیہ شاہ محمد عبدالعزیز ص۲۶/۲۸ الیضاً

ع۱۰۲۸-الف الیضاً ص۱۲۷

نمودار شدن خواجهٔ اہلِ فراق ابلیس (۲۰۲)

۱۱۷۳ - صحبت روشندلاں یک دم دو دم — آں دو دم سرمایۂ بود و عدم
عشق را شوریدہ تر کرد و گذشت — عقل را صاحب نظر کرد و گذشت
چشم بربستم کہ با خود دارمش — از مقامِ دیدہ در دل آرمش
ناگہاں دیدم جہاں تاریک شد — از مکاں تا لامکاں تاریک شد
اندراں شب شعلۂ آمد پدید — از درونش پیر مردے بر جہید
یک قبائے سرمئی اندر برش — غرق اندر دودِ پیچاں پیکرش

۱۱۷۹ - گفت رومی خواجۂ اہلِ فراق
آں سراپا سوز و آں خونیں ایاق

کہنہ کم خندۂ اندر سخن — چشم او بینندۂ جاں در بدن
۱۱۸۱ (۲۰۳) - رند و ملا و حکیم و خرقہ پوش — در عمل چوں زاہدان سخت کوش
۱۱۸۳ - فطرتش بیگانۂ ذوقِ وصال — زہدِ او ترکِ جمالِ لایزال
تا گسستن از جمال آساں نبود — کار پیش افگند از ترکِ سجود
اندکے در وارداتِ او نگر — مشکلاتِ او ثباتِ او نگر

۱۱۸۵ - غرق اندر رزم خیر و شر ہنوز
صد پیمبر دیدہ و کافر ہنوز

جانم اندر تن ز سوز او تپید — بر لبش آہے غم آلودے رسید
۱۱۸۷ - گفت و چشم نیم وا بر من کشود — در عمل جز ما کہ برخوردار بود؟
آنچناں بر کارہا پیچیدہ ام — فرصتِ آدینہ را کم دیدہ ام
نے مرا افرشتۂ نے چاکرے — وحی من بے منتِ پیغمبرے
نے حدیث و نے کتابے آوردہ ام — جان شیریں از فقیہاں بردہ ام
رشتۂ دیں چوں فقیہاں کس نرشت — کعبہ را کردند آخر خشت خشت
۱۱۹۱ - کیش ما را ایں چنیں تاسیس نیست — فرقہ اندر مذہبِ ابلیس نیست
در گذشتم از سجود اے بے خبر — ساز کردم ارغنونِ خیر و شر
از وجودِ حق مرا منکر مگیر — دیدہ بر باطن کشا ظاہر مگیر

۱۱۹۴۔ گر بگویم نیست این از ابلہی ست — زانکہ بعد از دید نتواں گفت نیست
من بلیٰ در پردۂ لا گفتہ ام — گفتۂ من خوشتر از ناگفتہ ام
نصیب از دردِ آدم داشتم — قہر یار از بہر او نگذاشتم
۱۱۹۷۔ شعلہ ہا از کشت زارِ من دمید — او ز مجبوری بہ مختاری رسید
زشتیٔ خود را نمودم آشکار — با تو دادم ذوقِ ترک و اختیار
تو نجاتے دہ مرا از نارِ من — وا کن اے آدم گرہ از کارِ من
اے کہ اندر بندِ من افتادۂ — رخصتِ عصیاں بہ شیطاں دادۂ
در جہاں با ہمتِ مردانہ زی — غم گسارِ من! ز من بیگانہ زی
بے نیاز از نیش و نوشِ من گذر — تا نہ گردد نامہ ام تاریک تر
در جہاں صیاد با نخچیرہا ست — تا تو نخچیری بکیشم تیرہا ست

صاحبِ پرواز را افتاد نیست
صید اگر زیرک شود صیاد نیست

۱۲۰۵۔ گفتمش بگذر ز آئینِ فراق — ابغض الاشیاء عندی الطلاق
گفت سازِ زندگی سوزِ فراق — اے خوشا سرمستیٔ روزِ فراق
۱۲۰۷۔ بر لبم از وصل می ناید سخن — وصل اگر خواہم نہ اُو ماند نہ من
حرفِ وصل او را ز خود بیگانہ کرد — تازہ شد اندر دلِ او سوز و درد
اندکے غلطید اندر دودِ خویش — باز گم گردید اندر دودِ خویش

نالۂ زاں دودِ پیچاں شد بلند
اے خنک جانے کہ گردد دردمند

حواشی و تعلیقات: (۲۰۲) خواجۂ اہلِ فراق ابلیس: ابلیس کی اغوائے آدم کی داستان بہت مشہور ہے۔ اور ہر کوئی خصوصاً مسلمان اس کے بنیادی خط و خال سے آگاہ ہے۔ اس سارے قصے میں جو چیز اقبال کو بہت متاثر کرتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کو یہ سمجھا دیا گیا کہ اب (اغوائے آدم کے بعد) ابلیس اور انسان کے درمیان مسلسل جنگ برپا رہے گی۔ یہ گویا خیر و شر کا معرکہ ہوگا۔ جو انسان اس جنگ میں فاتح ہوں گے وہی جنت کے حق دار ہوں گے۔ تو ابلیس قوتِ شر کا مظہر بھی ہے۔ لیکن انسان کی قوتِ خیر کی نمود کا وسیلہ بھی وہ ہے (اس لئے کہ خیر کے تصور بغیر اختیار کا کوئی تصور نہیں[۱۰۲۸] اور شر کے تصور بغیر خیر کا تصور نہیں ابھر سکتا)

۱۰۲۸۔ اخلاقیات [بحوالہ کانٹ] سی اے قادر صفحہ ۳۳ " آزادی خیر کی شرط اولین ہے " تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ صفحہ ۱۲۸

اس کے ساتھ نبرد پیکار رہنے سے ممکنات جسم و جاں ٹوٹی جا سکتی ہیں۔

ابلیس کے دوسری قوموں میں بہت سے روپ ہیں مثلاً سانپ، طاؤس اور ہندو دیومالا میں ناگ دیوتا۔ انگریزی میں ابلیس کے لئے Devil کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور Satan کا بھی۔ یہ کلمہ عبرانی میں شیطان (Satan) ہے اور اس کے معنی ہیں مخالفت کرنے والا، دشمن۔ شیطان بنی نوع انسان کا دشمن ہے اس لئے اس کا یہ نام ہوا (لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۱۰۴۹) اور شیطان کے قدم بقدم نہ رکھو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ابلیس کے معنی ہیں ناامید از رحمت (غیاث اللغات بحوالہ منتخب اللغات)۔ ظاہر ہے رحمت سے رحمتِ الٰہی مراد ہے۔ شیطان کے لغوی معنی میں ابلیس اور آدم کی جنگ پیہم کی جھلک زیادہ ہے [The Dictionary of world origins: Shipley]

بال جبریل میں جبریل و ابلیس کے مناظرے سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس نہ ہوتا تو بنی نوع انسان نے جو خیر و شر کی مسلسل آویزش کے نتیجے کے طور پر جو کچھ کر کے دکھایا ہے۔ دنیا اس سے محروم رہتی۔

آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے — کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو
جس کی نا امیدی سے ہو سوزِ درونِ کائنات — اس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لاتقنطوا

- - - -

ہے مری جرأت سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو — میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے — قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو ۱۰۵۰-الف

پیام مشرق کی ایک رباعی بھی غور طلب ہے۔

چہ گویم نکتۂ زشت و نکو چیست — زباں لرزد کہ معنی پیچدار است
بروں از شاخ بینی خار و گل را — درون او نہ گل پیدا نہ خار است ۱۰۵۱-الف

(اس ذیل میں تعلیقہ نمبر ۴۰۰ دیکھ لینا زیادہ مفید ہوگا)۔

شیطان کو اقبال خودی اور تخلیق کی وہ عظیم الشان قوت سمجھتا ہے جو معصیت و ضلالت کی راہ مستقیم سے بھٹک گئی ہے۔ اس اعتبار سے وہ گوئٹے کا ہم آہنگ ہے کہ وہ خودی کی تربیت و تہذیب پر بہت زور دیتا ہے اور شیطان بے قید اور بے تربیت خودی کی مثال ہے (بحوالہ اقبال کا تصور خودی ڈاکٹر عابد حسین) اقبال کے اشعار سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ دوسرے تصورات کی طرح خودی بھی جزواً مہذب ہو سکتی ہے۔

ابلیس کے سلسلے میں خیر و شر کی متحارب قوتوں کا ذکر علامہ نے "ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقا" میں کیا ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم نے اقبال اور عشق میں ابلیس کے تصور سے بھی بحث کی ہے (فکر اقبال صفحہ ۴۰۲ الخ بزم اقبال لاہور طبع ششم ۱۹۸۸ء) ۱۰۵۲

۱۰۴۹ البقرہ: ۱۶۸ ۱۰۵۰ کلیات اقبال اردو صفحہ ۴۲۵/(۳۷) (بال جبریل) ۱۰۵۱-الف کلیات اقبال فارسی صفحہ ۲۲۳ (پیام مشرق: ۸۶)

۱۰۵۲ تلمیحات اقبال عابد صفحہ ۲۶۶/۲۶۷ ایضاً —

تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو حسب ذیل کلام اقبال -

جبریل و ابلیس [کلیات اقبال اردو - (بال جبریل) ص ۴۳۵

ابلیس کی عرضداشت ایضاً ص ۵۲۴

ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام - کلیات اقبال اردو ص ۶۰۸ (ضرب کلیم) یہاں "ملا" تنقیداً آیا ہے -

ابلیس کی مجلس شوریٰ " ص ۶۴۷ (ارمغان حجاز)

حکمت خیر کثیر است کلیات اقبال فارسی ص ۶۶۲ (فلک عطارد، جاوید نامہ).
(فلک مشتری، نوائے ابلیس)

بگو ابلیس را " ص ۱۰۰۶ (ارمغان حجاز)

ابلیس خاکی و ابلیس ناری " ص ۱۰۰۸ ["] -

اس ذیل میں البتہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس طرح بعض مذاہب میں یزداں و اہرمن کی ثنویت ملتی ہے۔ اسلام اس طرح کے تصور سے خالی ہے - یہاں شیطان یا ابلیس، خیر کے مقابل شر کا نمائندہ ضرور ہے لیکن وہ رب کے مقابل نہیں انسان کے مقابل ہے - وہ انسان کا دشمن ہے - اور زیر نظر نظم میں وہ انکار کا نمائندہ آدم کی مسلسل "پیروی ابلیس" سے تنگ آچکا ہے اور کسی ایسے مرد مومن کا متمنی ہے جو اس سے انکار کا ارتکاب کر کے اسے شکست دے سکے - علامہ کا تصور ابلیس جو بھی ہے، ہے - لیکن یہ آخری نکتہ جہاد بالنفس کی ایسی تحریک ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہے -

شعر نمبر ۱۱۷۹ : ایاق : ایاغ، پیالہ - کنایہ ہے مایوسی و نامرادی سے -

شعر نمبر ۱۱۸۱ : (۲۰۲) رند : (فارسی) وہ منکر جس کا انکار شرعی باتوں سے از روئے عقلمندی کے ہو، نہ بسبب جہالت کے - لے بھاگنا، چرانا، گرد خاک - کے معنی میں بھی آتا ہے [جدید لغات کشوری المعروف بہ سراج اللغات] دالستہ منکر، شراب خور - جمع رُنود - [فرہنگ عامرہ] -

اصطلاح صوفیہ میں رند وہ عاشق ذات حق تعالیٰ ہے جو غلبۂ عشق میں ان رموز و حقائق کو جن کا چھپانا عوام الناس سے ضروری ہے اعلانیہ بیان کردے - رندی — عبارت ہے ہر قسم کے اعمال سے قطع نظر کرنا - [اصطلاحات صوفیہ - شاہ محمد عبدالصمد ص ۶۸] - علامہ نے لغوی معانی لئے ہیں اور بمعنی رندی بھی استعمال کیا ہے -

ملا : یہ صیغہ مبالغہ کا ہے بمعنی بہت بھرا ہوا - بسیار پُر - اس سے مراد وہ شخص ہے جو علم سے بہت بھرا ہو - بڑا عالم - فارسی کے استعمال میں اکثر یہ لفظ بغیر ہمزۂ آخر کے آتا ہے [جدید لغات کشوری] [غیاث اللغات فارسی] - [فرہنگ عامرہ] -

کبھی نہایت احترام کے طور پر اور نہایت عقیدت کے اظہار کے لئے کسی شخص کے نام کے ساتھ اس لقب کا اضافہ کرتے تھے جیسے ملاؔ صدرا وغیرہ لیکن امتداد زماں سے اور علمائے سوء کے اختلافات سے اس لفظ کے معانی میں بھی تنزل فاحش رونما ہوا اور ایک مرکب کٹ ملاؔ یا کٹھ ملا بھی زبان میں پیدا ہوا جس کے معنی جاہل کے ہیں اور اس میں تعصب کا عنصر بھی شامل ہے - اب ملا اس شخص کو کہتے ہیں جو شریعت کے ظاہری پہلوؤں کی پابندی کرے اور اس میں بھی کچھ ریاکاری کا عنصر شامل ہو -

اقبال "ملائیت" سے ایک ادارہ مراد لیتا ہے جس کے افراد اسلام کو زندہ حقیقت کے بجائے

چند جامد قوانین کا مجموعہ تصور کرتے ہیں۔ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی تنگ نظر ملائیت نے جو فتنے برپا کئے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں حاشا کسی عالم دین کی یا کسی فاضل مذہب کی تنقیص مقصود نہیں مذہبیت کی بگڑی ہوئی شکل کو ملائیت کہا گیا ہے۔ اسی شکل میں اقبال ملائیت سے اور اس کے افراد سے برسرپیکار ہے [1053]

جب وہ ملا، واعظ یا فقیہ کے خلاف لکھتے ہیں تو ان کی مراد ایسے لوگوں سے ہوتی ہے جو قوم کو بے عملی کا سبق پڑھاتے ہیں اور جن کا کام بد آموزیٔ اقوام ہے جن کے پاس فسانہ ہائے کرامات کے سوا کچھ نہیں ہے اور جو عمل کی دولت سے محروم ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں

میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے میں ملا ہوں غازی [1054]

ہے بد آموزیٔ اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت [1055]

پیرِ حرم کو دیکھا ہے میں نے
کردار بے سوز گفتار واہی [1056]

دینِ حق از کافری رسواتر است
زانکہ ملا مومنِ کافر گر است [1057]

دینِ کافر فکر و تدبیر و جہاد
دینِ ملا فی سبیل اللہ جہاد [1058]

زمن بر صوفی و ملا سلامے
کہ پیغامِ خدا دادند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را [1059]

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا جانیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام [1060]

"ملا کا ذہن فی الواقع سقیم ہے اور پچھلی ایک صدی کی تاریخ اسلام کی شاہد ہے کہ ملا غور و فکر سے محروم ہے۔" [1061]

اس موضوع پر علامہ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ یہاں ملا کی تاویلی قوت ہی ابلیس کی اصل طاقت ہے۔

علامہ کی بعض نظمیں ، ملا اور بہشت۔ کلیات اقبال اردو ص ۴۰۹ (بالِ جبریل)
حال و مقام ” ص ۴۲۸ [”]
ملائے حرم ” ص ۴۸۶ (ضرب کلیم)
سعید حلیم پاشا کلیات اقبال فارسی ص ۶۶۲ (جاوید نامہ)
بہ یاران طریق۔ ” ط ۱۰۱ (ارمغان حجاز)

1053 تلمیحات اقبال - عابد ص ۳۲۶/۳۲۷ 1054 کلیات اقبال اردو ص ۳۶۳ (بال جبریل) 1055 ایضاً ص ۱۰
1056 ایضاً ص ۳۵۲ 1057 کلیات اقبال فارسی ص ۷۴۳ (جاوید نامہ) 1058 ایضاً
1059 ایضاً ص ۹۵۶ (ارمغان حجاز) ۔ 1060 کلیات اقبال اردو ص ۴۸۷ (ضرب کلیم) 1061 اقبال کے حضور سید نذیر نیازی ص ۲۸۲

خرقہ پوش : دلق پوش، گدڑی والا۔

رند، ملا، حکیم، خرقہ پوش، ابلیس کی ایسی صفات ہیں جو اس نے اولادِ آدم کو بہکانے کے لئے دینا رکھی ہیں۔ دراصل اس نے مذہبی رہنما کے لباس ہی میں انسانوں کو بہکانے کا کام اپنے ذمہ لیا ہے قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ـــــ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ١٠٦٢ بولا قسم ہے اس کی [جیسے تو نے] مجھے گمراہ کیا میں تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا ـــــ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا ـــــ وہ جس سے ابلیس مردود قرار پایا وہ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ـــــ کی دلیل تھی ـــــ یعنی بشریت آدم۔ ملا، رند، خرقہ پوش، حکیم کے روپ میں وہ کبھی انبیاء کو بشر کہلوا کر رد کراتا تھا ـــــ کبھی حقارتِ بشر سے اس فلسفہ کو نیا رنگ دے کر انبیاء کو خدا کے بیٹے ثابت کراتا تھا ـــــ آج اسی فلسفۂ حقارتِ بشر کی بنیادوں پر عوام الناس، علماء الناس اور اوسط الناس کے درمیان اختیار کی ابلیسی جنگ جاری ہے۔ یہ وہی فلسفہ ہے جو لاولوں کے ورثہ الانبیاء نے عوامی شخص طالوت کی من جانب اللہ تقرری کے خلاف پیش کیا تھا۔ مختصر ـــــ

کا اندکے درواردات او نگر ـــــ

بہ ہر کو رہزنانِ چشم و گوش اند
کہ در تاراجِ دل ہا سخت کوش اند ١٠٦٣

ـــــ

فسادِ عصرِ حاضر آشکار است	سپہر از زشتی او شرمسار است
اگر پیدا کنی ذوقِ نگاہے	در عہدِ شیطاں ترا خدمت گزار است ١٠٦٤

شعر نمبر ۱۱۸۲ تا ۱۱۸۵ : جمال : جمال و جلال پر تفصیل کے لئے تعلیقہ نمبر ۲۶۲ ملاحظہ ہو۔ یہاں موقع و مقام کی مناسبت سے اس صوفیانہ اصطلاح کا مفہوم درج ہے۔ اصطلاح صوفیہ میں ١٠٦٥ ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالےٰ مرتبۂ گنج مخفی [كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ] و كُنْتُ كَنْزًا سے تنزل فرما کر لباسِ تعینِ اول یعنی حقیقتِ محمدیہ میں جلوہ گر ہوئی۔ یہاں سے اس ذاتِ بے چون و بے چگون کا ظہور شروع ہوا اور تمام افرادِ عالم اسی حقیقتِ محمدیہ سے ظہور میں آئے۔

۱- یہ حقیقتِ محمدیہ کل مراتبِ ظہور کی جامع ہے۔

۲- یہی حقیقتِ محمدیہ مرتبۂ واحدیت میں آکر متصف بجمیع صفات و مسمّٰی بجمیع اسماء ہوئی۔

۳- باعتبار جمال کے متصف ہو کر اسم ہادی اور باعتبار صفاتِ جلال کے متصف ہو کر مسمّٰی باسم مُضِلّ ہوئی اور جمیع اسماء جمالی و جلالی کا یہیں تحقق ہوا اور حقائق جمالیہ و جلالیہ متعین ہوئیں ١٠٦٦

١٠٦٢ الاعراف: ١٦، ١٧

١٠٦٣ کلیات اقبال فارسی ص ١٠٦٩ [ارمغان حجاز: ابلیس خاکی و ابلیس ناری]۔

١٠٦٤ ایضاً ص ١٠٠٨ [ایضاً]

١٠٦٥ احادیث مثنوی ص ٢١، ص ٤٢ [حدیث قدسی، بحوالہ منارات السائرین تالیف نجم الدین ابوبکر، اللؤلؤ المرصوع ص ٦١]۔

١٠٦٦ اصطلاحات صوفیہ، شاہ محمد عبدالصمد ص ٣٨۔ ایضاً

اسی اسم هادی اور اسم مُضِل، کے حوالے سے ارشاد ہوا یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ [البقرۃ ۲: ۲۶] وہ ذات جو [قرآنی مثالوں سے] بہتوں کو گمراہ کرتا اور بہتوں کو ہدایت بخشتی ہے اور گمراہ صرف فاسق ہوتے ہیں ——— گویا علامہ کی نظر میں ابلیس نے ترکِ جمال للاینزال کرکے ——— هدایت سے منہ پھیرا اور ضلال وگمراہی قبول کرکے فاسق ثابت ہوا ——— ترکِ سجدہ ——— نے یہ راہ ہموار کردی ۔ ترکِ سجدہ سے مراد آدم کی خلافت قائم ہوجانے کے بعد اعتماد کا ووٹ دینے سے انکار ہے ——— فاعتبروا یا اولی الابصار ——— ایسوں کو نبوت : سربلندی اور کارِ نبوت : اوروں کو سربلند کرنے سے کیا سروکار ۔

" اب جب کہ مجھے قرب وبعد ایک جیسے لگے ۔ میں تجھ سے دور ہوکر خود کو دور نہ جانوں گا ۔ جدائی میں ہوں گا تو بس جدائی میں میرا ساتھی ہوگا ۔ "

شعر نمبر ۱۱۸۷ ۔ " فلک کے اوپر ابلیس کا سا کوئی عابد اور موحد نہ تھا ۔ " ؏ ۱۰۶۷ الف

ابلیس گفت طاعتِ من بے کرانہ بود
در طاعتم ہزار ہزاراں خزانہ بود

بر درگہم ز فوجِ ملائک سپاہ بود
امیدِ من بہ خلدِ برین جاودانہ بود

بر لوح نوشتہ بود کہ ملعون شود یکے
بُردم گماں بہ ہر کس و بر خود گماں نہ بود

اُو خواست تا فسانۂ لعنت کند مرا
کرد آنچہ خواست آدمِ خاکی بہانہ بود [خاقانی]

علامہ ۔ خاقانی کے آخری مذکورہ بالا شعر میں " تقدیر کے بہانے " کو ضربِ کلیم میں نظم تقدیر : ابلیس و یزداں " کے تحتِ عنوان محی الدین ابن عربی رح کے بیان کردہ ایک نکتہ کے حوالے سے اس طرح واضح کرتے ہیں ۔

ابلیس : اے خدائے کن فکاں مجھ کو نہ تھا آدم سے بیر
آہ وہ زندانیِ نزدیک و دور و دیر و زود
حرفِ استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا
ہاں مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

یزداں : کب کھلا تجھ پر یہ راز ؟ انکار سے پہلے کہ بعد ؟

ابلیس ، بعد اے تری تجلی سے کمالاتِ وجود

یزداں : فرشتوں کی طرف دیکھ کر
پستیِ فطرت نے سکھلائی ہے یہ حجت اسے
کہتا ہے ' تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود
دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام
ظالم اپنے شعلۂ سوزاں کو خود کہتا ہے دود ؏ ۱۰۶۷ ب

شعر نمبر ۱۱۹۱ : فرقہ ائے ز مذہب ابلیس نیست : اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ : کفر کی نوعیت و نام کوئی بھی ہو جہاں بھی ہو ایک ہے ۔ اس کے برعکس " ایمان " جمود سے مبرا ہونے کے باعث فقہی اختلافات کے درمیان پھلتا ہے لیکن یہ فقہی اختلافات اگر مناظروں اور مباحثوں کا ذریعہ بن کر ، عمل سے محروم ، اور آپس میں سر پھٹول اور کفر سازی کے کام آئیں تو یہ اختلاف شیطان کی فصل ہے جو رحمت ہونے کی بجائے زحمت بنتا ہے ——— بے عملی اور کم عقلی کے اس دور ——— میں جب کہ اجتہاد کی صلاحیت کے فقدان کا اعلان خود اہلِ شریعت کر رہے ہیں ——— فقہی اختلافات ——— ابلیسی فساد ہی کا باعث ہورہے ہیں ——— یورپ متحد ہورہا ہے اور مشرق خصوصاً مسلمان باہم دست وگریباں ہیں ———

؏ ۱۰۶۷ الف اقبال اور ابن حلاج صفحہ ۴۳ (طاسین ازل والتباس) اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد ریاض الفاء ؏ ۱۰۶۷ ب کلیات اقبال اردو صفحہ ۵۰۸ (ضربِ کلیم : تقدیر) ۔

شعر نمبر ۱۱۹۶: زما آں راندۂ درگاہ خوشتر — حق اُو را دیدۂ ما را شنیدیم (ارمغانِ حجاز: حضورِ حق، کلیاتِ فارسی صـ ۸۹۶)

شعر نمبر ۱۱۹۷: اُو زِ مجبوری بہ مختاری رسید — ملاحظہ ہو تلمیحِ نمبر ۲۰۰ — زندگی، خفتگی سے بیداری کی طرف — امر — کرت گذر کر "منکر" کی منزل میں پہنچ آئی جب نفس کو اس کے فجور و تقوای سے آگاہ کیا گیا — یہ عالمِ انسانی کا نصیب ہوا۔

ہمارے عالم کے لئے ایک امر ایک ذوقِ طلب
لا و الا کی تپش ہر زمانے کے لئے (ارشادِ شاکر اعوان)۔

اس "منکر" کو تحریک دینے کے لئے "ابلیس کی بغاوت" کی ضرورت تھی — اب خیر و شر کا وجود ظاہر ہوا — اور نفسِ امارہ و نفسِ لوامہ کی کشمکش نے — بے اختیاری کی زنجیریں توڑ دیں بے اختیاری کی زنجیر توڑے بغیر ابلیس کے دام سے نکلنا ممکن نہیں — جب تک شکار، شکار ہونا چاہتا ہے شکاری بھی بیتاب اور تیر بھی — اور شکار اگر زیرک ہو تو شکاری نابود — اے میرے شکار! ہوشیار ہو کہ میرا نامۂ اعمال مزید سیاہ ہونے سے بچ جائے۔

اَبْغَضُ الْاَشْیَاءِ عِنْدِی اَلطَّلَاقِ:

شعر نمبر ۱۲۰۵: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ" رواہ ابوداؤد، ابن ماجہ (بلوغ المرام: ابن حجر عسقلانی، حبیبانی پریس صـ ۲۲۳) ۱۰۶۸
علامہ نے الحلال، کو الاشیاء کرکے — اسے عموم بخش دیا ہے۔

شعر نمبر ۱۲۰۶: جب "شر نہ رہے" تو "خیر" بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ اور فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ — کا مقصد فوت ہو جائے گا — لہٰذا زندگی کے سوز و ساز کی خاطر اور عرفانِ الٰہی کے لئے بھی ابلیس کو ابلیس ہی رہنا ہے — اس کے حق میں تَقْنَطُوا ہی اچھا ہے — اس کا فراق — اولادِ آدم کو وصالِ باری کا معیار بنا سامان ہے زریعہ ہے —

جس کی نومیدی سے ہو سوزِ درونِ کائنات
اُس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لا تقنطوا ۱۰۶۹

نالۂ ابلیس

اے خداوندِ صواب و ناصواب — من شدم از صحبتِ آدم خراب
ہیچ گہ از حکمِ من سر بر نتافت — چشم از خود بست و خود را در نیافت
خاکش از ذوقِ اِبا بیگانۂ — از شرارِ کبریا بیگانۂ
صید خود صیاد را گوید بگیر — الاماں از بندۂ فرماں پذیر
از چنیں صیدے مرا آزاد کن — طاعتِ دیروزۂ من یاد کن

صفحہ ۴۰۱ ایک ورق آگے ←

۱۲۰۲

۱۰۶۸ مطالعہ تلمیحاتِ اقبال — قریشی صـ ۱۲۷ — ایضاً — سننِ ابوداؤد (اول کتاب الطلاق باب فی کراھیۃ الطلاق) صـ ۲۹۶ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
۱۰۶۹ کلیاتِ اقبال اردو صـ ۴۳۶ (بالِ جبریل: جبریل و ابلیس)۔

بست از وی آن ہمت والای من
وای من ای وای من ای وای من

فطرت او خام و عزم او ضعیف
تاب یک ضربم نیارد این حریف

بندۂ صاحب نظر باید مرا
یک حریف پختہ تر باید مرا

لعبت آب و گل از من باز گیر
می نیاید کودکی از مرد پیر

ابن آدم چیست؟ یک مشت خس است
مشت خس را یک شرار از من بس است

اندرین عالم اگر جز خس نبود
این قدر آتش مرا دادن چہ سود

شیشہ را بگداختن عاری بود
سنگ را بگداختن کاری بود

آنچنان تنگ از فتوحات آمدم
پیش تو بہر مکافات آمدم

منکر خود از تو می خواہم بدہ
سوی آن مرد خدا راہم بدہ

بندۂ باید کہ پیچد گردنم
لرزہ اندازد نگاہش در تنم

آن کہ گوید از حضور من برو
آن کہ پیش او نیرزم با دو جو

ای خدا یک زندہ مرد حق پرست
لذتے شاید کہ یابم در شکست

حواشی و تعلیقات: لعبت آب و گل: مٹی پانی کا کھلونا، گڑیا — ایک بار پھر اسی بشریت کی تحقیر لیکن ننگ آور۔

شکوہ شکایت لکھنے میں اقبال ید طولیٰ رکھتے تھے۔ خدا اور انسانوں سے شکوے تو وہ کرتے رہے یہاں انہوں نے انسانوں کے بارے میں ابلیس کا شکوہ بخدا نظم کیا ہے۔ یہ شکوہ بے حد عبرتناک اور ننگ آور ہے۔ کیونکہ خود خطیر شر، انسانوں کی بے مقاومتی اور تسلیم باشر کی روش سے خدا کے ہاں فریادی ہے وہ خدا سے ملتمس ہے کہ اسے صاحبانِ خودی اور مردانِ مومن سے سابقہ پڑے بلکہ گاہے گاہے اسے شکست ملے کیونکہ سربہ تسلیم نخچیروں سے وہ تنگ آ چکا ہے۔ اقبال کے ہاں ابلیس، انسانوں کی قوتِ خیر و مبارزہ کو آزمانے کی ایک محک [کسوٹی۔ پرکھنے کا آلہ] ہے۔ مگر عصر حاضر کے بے عمل انسان نے اس ازلی دشمن سے بغیر شقاوت اور بدبختی کچھ بھی نہیں پایا[1020] — ذرا زورِ کلام اور لہجے کی شدت ملاحظہ ہو

ای خدا یک زندہ مرد حق پرست
لذتے شاید کہ یابم در شکست

1020 جاوید نامہ: تحقیق و توضیح — ڈاکٹر محمد ریاض ص ۱۳۸/۱۳۷ ایضاً۔ روایات میں ابلیس کے چار بار نوحہ و زاری ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ ایک بار جب اس پر لعنت و پھٹکار پڑی ہے۔ دوسری بار جب وہ آسمان سے زمین پر پھینکا جاتا ہے۔ تیسری بار جب حضور ﷺ مبعوث ہوتے ہیں چوتھی بار جب سورۃ فاتحہ [ام القرآن] نازل ہوئی ہے [فضائل قرآن ص ۲۶۱ ذیل عنوان فاتحہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا۔ مکتبہ ... لاہور نے شائع کیا]۔

باب ہفتم ـــــ فلک زحل ص۲۰۴ تا ص۲۱۵

ارواحِ رذیله که به ملک و ملّت غداری کرده
ـــــ و دوزخ ایشان را قبول نه کرده

قلزم خونین

آشکارا می شود روحِ ہندوستان

روحِ ہندوستان نالۂ و فریاد می کند

فریادِ یکے از زورق نشینانِ قلزم خونین

فلکِ زحل (۲۰۹)

ارواحِ رذیلہ

کہ با مُلک و مِلّت غداری کردہ و دوزخ ایشان را قبول نہ کردہ

۱۲۲۸۔ پیر رومی آن امامِ راستاں
آشنائے ہر مقامِ راستاں
گفت اے گرم رو نور سخت کوش
دیدہ اُن عالمِ زنّار پوش
آنچہ بر گرد قمر پیچیدہ است
از دمِ استارہ دزدیدہ است
از گراں سیری خرامِ او سکون
ہر نگون از حکمِ او زشت و زبون
پیکرِ او گرچہ از آب و گل است
بر زمینش پا نہادن مشکل است
صد ہزار افرشتۂ تندر بدست
قہرِ حق را قاسم از روزِ الست
درّہ پیہم می زند سیارہ را
از مدارش بر کَنَد سیارہ را
عالمے مطرود و مردودِ سپہر
صبحِ او مانند شام از بخلِ مہر
۱۲۳۶۔ منزلِ ارواحِ بے یوم النشور
دوزخ از احراقِ شاں آمد نفور
اندرونِ او دو طاغوتِ کہن
روحِ قومے کشتہ از بہرِ دو تن
(۳۵) جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم ننگِ دین ننگِ وطن
ناقبول و ناامید و نامراد،
ملتے از کارِ شاں اندر فساد
۱۲۴۰۔ ملتے کو بندِ ہر ملت کشاد
ملک و دینش از مقامِ خود فتاد
می ندانی خطۂ ہندوستاں
آں عزیزِ خاطرِ صاحبدلاں
خطۂ ہر جلوہ اش گیتی فروز
درمیانِ خاک و خوں غلطد ہنوز
۱۲۴۳۔ در گلش تخمِ غلامی را کہ کشت
این ہمہ کردارِ آں ارواحِ زشت

در فضائے نیلگوں یک دم بایست
"تا مکافات عمل بینی کہ چیست"

حواشی و تعلیقات :

(۴۰۲) **زُحَل :** حا، ضمہ [پیش] اور فتحہ [زبر] دونوں سے پڑھا جاتا ہے۔
ایک ستارہ ہے جسے کیوان اور سنیچر بھی کہتے ہیں۔ سب سے بلند ہے۔ مقام فلک ہفتم ہے۔ اس سے اوپر فلک اطلس یعنی سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ نحس اکبر بھی خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے کبھی رفعت کی علامت کے لئے مثلاً حضرت عبدالکریم الجیلانی نے یہاں حضرت ابراہیم ابوالانبیاء علیہم السلام کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ الآیہ تلاوت کرتے دیکھا۔ اور کبھی بدبختی کے لئے اس کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ خود علامہ نے بھی جاوید نامہ میں غداران ملک و ملت کو وہاں دکھایا ہے ــــ اسے ہندوئے فلک بھی کہتے ہیں اس لئے کہ فلک ہفتم جو زحل کا مقام ہے اگرچہ اسے عقل اول کے نور سے پیدا کیا گیا ہے مگر اس کا جوہر شفاف سیاہ مثل شب تاریک کے ہے ــــ موجودات کا ذات کا قائم رکھنا زحل کی خاصیت کے متعلق ہے۔
اس کی اردلی کے تمام ثابت اور سیارے اس کے کوکب ہیں آہستہ رفتار سے چلتے ہیں۔ ان کی سیر ایسی خفی ہے کہ ظاہر نہیں ہوتی۔ اس کے سائے میں پیدا ہونے والا بچہ سست، کاہل سرد مہر اور تاریک خیال ہوتا ہے۔ اس سیارے کے آٹھ چاند ہیں اور یہ تیس سال میں سورج کے گرد اپنا ایک چکر پورا کرتا ہے ــ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ یہ آسمان ہفتم جہاں زحل ہے پہلا آسمان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عالم موجودات پر محیط بنایا ہے ۱۰۷۱

امامِ راستاں : نیکوکاروں اور حق پرست، راستبازوں کے پیشوا۔ امام: پیشوا،
اُمّ: بمعنی مرکز، اصل۔ اصطلاح معماراں میں وہ ڈوری جس سے تعمیر کی کجی دور کی جاتی ہے ــــ

شعر نمبر ۱۲۳۶ : ارواحِ بے یومُ النّشور : حشر، زندگی کے بقائے دوام کی منزل ہے۔
جہاں اہل جنت کو دوامی زندگی ملے گی اور نو بہ نو تجلیات حق سے ان کی خودی مستفید و مستفیض ہوگی۔ اہل جہنم بھی اس شفاخانے سے شفایاب ہو ہو کر جنتی زندگی سے ہمکنار ہوتے جائیں گے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو دوزخ بھی قبول نہ کرے گا۔ یہ وہ قابل نفرت لوگ ہوں گے جن کا بدن، اس دنیوی زندگی میں بھی روح سے محروم تھا ــ بقائے دوام علامہ کے نزدیک مسلسل جد و جہد کا ثمر ہے اور ہم جس کے امید دار ہیں ۱۰۷۲ وہ جن کی زندگی اس جہد و جہاد سے خالی بلکہ برعکس زندگی حامل ہے ان کا حشر ہی نہ ہوگا ــ یہ بہت بڑی محرومی ہے۔ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی [بنی اسرائیل: ۷۲] جو شخص دنیا میں اندھا رہا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔
ارمغان حجاز (اردو) کی ایک نظم "صدائے غیب" اس رمز کی کشاف ہے۔ حضرت کا مولٰنا جہارم ز ... طلب ہے۔

۱۰۷۱ غیاث اللغات فارسی، تلمیحات اقبال عابد صفحہ ۳۹۴، مطالب اقبال۔ مثنوی الزرداوری ،
۱۰۷۲ ذخیرۃ الملوک۔ شاہ ہمدانی صفحہ ۲۱۸، انسان کامل۔ الجیلی صفحہ ۳۸۵ تا صفحہ ۳۸۷، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ اقبال صفحہ ۱۸۰، صفحہ ۱۸۶، لسان القرآن۔ مولانا محمد حنیف ندوی ج ا صفحہ ۳۸، سیرۃ النبی شبلی نعمانی ج ۴ صفحہ ۷۲۲/۷۲۱

صدائے غیب

نے نصیبِ مار و کژدم نے نصیبِ دام و دد
ہے فقط محکوم قوموں کے لئے مرگِ ابد

بانگِ اسرافیل اُن کو زندہ کر سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد

مر کے جی اٹھنا، فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد ۱۰۷۳

جعفر و صادق جیسی پلید روحوں کا یہ انجام۔ اس انتہائی نفرت کو مستلزم ہے جو اُن کے کردارِ بد سے علامہ کو تھی اور ہر باشعور مسلمان بلکہ کسی بھی مذہب کے حامل ہندوستانی کو ہونی چاہیئے کہ ان کے اس کردار ہی نے ایک طرف مسلم حکمرانی کا خاتمہ کیا اور دوسری طرف ہندوستان کو غیروں کا محکوم بنایا۔ اور شعرِ اقبال ضرب المثل بن گیا۔

(۲۰۵) **جعفر از بنگال:** میر جعفر، بنگال کے صوبہ دار علی وردی خان کا بہنوئی اور نواب سراج الدولہ کی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ بنگال کا صوبہ جس کا دارالسلطنت مرشد آباد تھا محمد شاہ رنگیلا کے عہد میں علی وردی کے ماتحت سلطنت مغلیہ سے خود مختار ہو گیا تھا۔ ۱۷۵۶ء میں علی وردی خان کی وفات پر اس کا نواسہ سراج الدولہ تخت نشین ہوا۔ برطانوی فورٹ ولیم کو مضبوط کرنا چاہتے تھے لیکن سراج الدولہ کو یہ منظور نہ تھا اس سے ان کے اور انگریزوں کے درمیان ان بن ہو گئی۔

بنگال میں ہندو ساہوکار انتہائی مضبوط تھے وہ بھی سراج الدولہ سے بیزار تھے ادھر اس کی افواج کا سپہ سالار میر جعفر اس کی جگہ لینے کے لئے انگریزوں سے ساز باز میں معروف تھا۔ انگریزوں نے نواب کے ایک مفرور تاجر کو بھی پناہ دے دی اور نواب کے مطالبے کی کوئی پرواہ نہ کی۔ نواب کی رگِ غیرت پھڑکی اور قاسم بازار کی انگریز کوٹھی پر قبضہ کر لیا۔ جس سے یہ افواہ عام ہو گئی کہ نواب نے انتہائی ظلم سے کام لے کر ۱۴۶ انگریزوں کو ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا اور ۱۲۳ افراد دم گھٹ کر اس بلیک ہول میں مر گئے۔ چنانچہ ابھی ابھی ہندوستان آنے والے کلائیو نے ایڈمرل واٹسن کو لے کر کلکتہ پر فاتحانہ حملہ کیا۔ نواب بوکھلا گیا۔ کمپنی کو تمام حقوق واپس کرنے کے علاوہ نقصانات کی تلافی کا بھی وعدہ کر لیا۔

تاہم نواب بھی صلح کے باوجود فرانسیسیوں سے ساز باز میں مصروف تھا اور میر جعفر کے ساتھ انگریزوں کا بھاؤ ٹھہرا رہے تھے۔ اور یہ سودا بھی عجیب تھا۔ میر جعفر نواب بننے یا بنائے جانے کے عوض نقد رقم، مراعات اور اپنے اخراجات پر انگریزوں کی فوج اپنی حفاظت کے لئے رکھنے پر راضی ہو گیا۔ ایک بنگالی با اثر تاجر اومی چند یا امی چند نے بھی کلائیو سے خفیہ سودا بازی کر کے تعاون پر کمر کس لی۔ اگرچہ نعاون کا یہ معاہدہ جعلی تھا۔ تاہم امی چند تو سازش میں شریک ہو گیا۔

سازش مکمل ہو گئی تو کلائیو نے سراج الدولہ کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں سابقہ معاہدے

۱۰۷۳۔ کلیاتِ اقبال اردو ص ۶۶۳ [ارمغانِ حجاز اردو]۔

سے پھرنے اور فرانسیسیوں سے ساز باز کا الزام لگایا، اور جواب کا انتظار کیے بغیر ہی تین ہزار کے لگ بھگ سپاہیوں کے ساتھ کلکتہ سے ۷۰ میل دور پلاسی پہنچ گیا جہاں نواب سراج الدولہ پچاس ہزار پیادہ اور اٹھارہ ہزار گھڑسواروں کے ساتھ پہلے سے خیمہ زن تھا۔ کلائیو پہلے تو کچھ جھجکا لیکن میر جعفر کی طرف سے اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد فیصلہ کن جنگ شروع کر دی۔ تھوڑے سے فرانسیسیوں نے بھی نواب کا ساتھ دیا لیکن میر جعفر کے کلائیو سے مل جانے سے ۲۳ جون ۱۷۵۷ء کو تاریخ نے وہ شکست نواب بنگال کے نام لکھ دی جس کی سیاہی ۱۸۵۷ء میں پورے ہندوستان کے مقدر پر پھیل گئی۔ ۱۷۶۴ء میں بکسر کی شکست نے بنگال، بہار، اڑیسہ کی دیوانی کمپنی کو دلا دی اور اس طرح سارے بنگال پر انگریزی اقتدار کا پرچم لہرا گیا۔ کیونکہ بکسر میں شاہ عالم شہنشاہ ہند بھی ہار گیا تھا ـــ ۱۷۵۷ء میں میر جعفر کو نواب بنایا گیا۔ ۱۷۵۹ء میں اس نے خود مختاری کے لیے ڈچ لوگوں سے ساز باز کی لیکن کلائیو کے ہاتھوں شکست کھائی۔ اس کے داماد میر قاسم کو نواب بنایا گیا ۱۷۶۳ء میں دوبارہ میر جعفر نواب ہوا لیکن ۱۷۶۵ء میں مر گیا۔ صرف دو برس کی نوابی اور وہ بھی "بے اختیار" کی خاطر قوم بیچ دی ـــ انا للہ و انا الیہ راجعون ـ مرشد آباد میں دفن ہوا۔ ۱۰۲۴

صادق از دکن :

میر صادق کی داستان حیات کا معاملہ اول و آخر این کہنہ کتاب افتاد است کا سا ہے۔ نواب حیدر علی والیٔ میسور کا کوتوال بننے سے پہلے وہ کہاں سے آیا کوئی نہیں جانتا سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد وہ کہاں گیا مختلف فیہ ہے کسی کے بقول مارا گیا اور وہیں دفن ہوا کسی کے بقول وہ نواب کی مقبوضات کی تقسیم کمیشن کا رکن مقرر ہوا تھا ـــ یعنی مارا نہ گیا تھا ـــ تو پھر وہ کمیشن کا رکن ـــ زندہ درگور ہو گیا کسی کو اس کا علم نہیں۔ محمود بنگلوری کو بھی، اس کا مارا جانا تسلیم نہیں لیکن اس سوال کا جواب وہ بھی نہ دے سکے۔ ۱۰۲۵

نواب حیدر علی سے میسور کی دو جنگیں لڑنے والے سازش کا جال بچھانے میں مصروف تھے ہی ـ خود میر نظام علی خان اور میر عالم خان بھی حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی جان لینے کے درپے تھے۔ میسور کے اقتدار کے خاتمے کے بغیر نہیں حیدر آباد۔ دکن کی سلطنت کا قیام ناممکن نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے میر صادق کو اور اس کے ذریعے دوسرے امراء و وزراء کو ساتھ ملا لیا۔ اب میسور کی ایک ایک بات حیدر آباد، ارکاٹ، مدراس اور کلکتہ پہنچ جاتی تھی۔ سارے جنگی نقشے قبل از وقت افشاء ہو جانے سے میسور کی چاروں لڑائیاں سلطان کے خلاف گئیں۔ ولزلی نے سب سڈیری ایری قانون کو تمام ریاستوں پر پیش کیا لیکن ٹیپو سلطان نے مسترد کر دیا۔ ۱۰۲۶

سرنگا پٹم کی لڑائی میں جب ٹیپو سلطان مرنے مارنے پر تیار ہو کر محل سے نکلا تو میر صادق نے اپنی اصلیت چھپائے بغیر واپسی کے تمام دروازے بند کرا دیئے اور اسی کی نشان دہی پر ٹیپو سلطان تین طرف سے محصور ہو کر شہید ہو گیا۔ مورلینڈ اور چیٹرجی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سلطان ہندوستان سے بیرونی حکومت کا خاتمہ اور انگریزوں کو نکال باہر کرنا چاہتا تھا لہٰذا سچ ہے کہ ٹیپو کی شہادت سے ۱۱ دین محمد شہید شد ۱۰۲۷

۱۰۲۴ ہینری ٹولڈان تاریخ ہند و پاک صفحہ ۲۱۲ تا صفحہ ۲۱۸، تلمیحات اقبال۔ عابد صفحہ ۵۰۵ تا صفحہ ۵۰۷ ۱۰۲۶ ایضاً صفحہ ۲۷۷

۱۰۲۵، ۱۰۲۷ تلمیحات اقبال۔ عابد صفحہ ۲۸۱ تا صفحہ ۲۸۳ بحوالہ تاریخ سلطنت خداداد۔ محمود بنگلوری بنگلور ۱۹۳۲ء، مختصر تاریخ ہندوستان (انگریزی) مورلینڈ اور چیٹرجی، مشاہیر اسلام رسول مہر ـــــ

شعر نمبر ۱۲۴۰ : علامہ نے جہاں یہ دعویٰ کیا کہ "توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے / آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا" [۱۰۷۸]
وہاں اس کی یہ وضاحت بھی کی کہ اس کا عقیدۂ توحید، ایک ایسی تہذیب فراہم کرتا ہے جس کے اوضاع، بنی نوع انسان کی فطری آزادی کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ انہوں نے سید محمد سعید الدین جعفری کے نام [جو جالندھر کے رہائشی اور پیشہ کے لحاظ سے جج تھے زندگی کا بیشتر حصہ یوپی میں گزارا — اوراق گم گشتہ ڈاکٹر رحیم بخش شاہین ص ۱۱۱]۔ اپنے مکتوب ۱۷ نومبر ۱۹۲۳ء میں لکھا

"اسلام ایک قدم ہے نوع انسانی کے اتحاد کی طرف۔ یہ ایک سوشل نظام ہے جو حریت و مساوات کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ پس جو کچھ میں اسلام کے متعلق لکھتا ہوں اس سے مری غرض خدمت بنی نوع انسان ہے اور کچھ نہیں۔ میرے نزدیک عملی نقطۂ خیال سے صرف اسلام ہی Humanitarian Ideal کو Achieve کرنے کا کارگر ذریعہ ہے۔ باقی ذرائع محض فلسفہ ہیں خوش نما ضرور ہیں مگر نا قابل عمل۔" [۱۰۷۹]

خطبۂ الٰہ آباد ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء میں یہ اعلان کیا کہ "اسلام التقدیر ہے جو تمام تقدیرات کی جامع ہے اور کسی تقدیر کو اس سے خطرہ نہیں [اس لئے اسے کسی اور تقدیر کے حوالے نہیں کیا جا سکتا]۔

"Islam is itself Destiny and will not suffer a destiny." [۱۰۸۰]

اس کی وضاحت مزید ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۱ کو سر ڈینی سن راس سے دوران گفتگو فرمائی۔

"اسلام ڈاگ میٹک [Dogmatic] مذہب نہیں ہے۔ اس کا انتہائے مقصود یہ ہے کہ نوع انسان ایک گھرانا اور ایک خاندان بن جائے [برادری اور برابری نہ کہ برادری میں برابری۔ شاکر]۔ شعراء اور فلسفی اس اتحاد نوع انسانی کا محض خواب دیکھتے رہے۔ لیکن اسلام نے اس مقصد کے حصول کے لئے ایک عملی سکیم پیش کر دی کم از کم دنیائے اسلام [جو گوناگوں قوموں اور ملتوں کا مرکب ہے] رنگ نسل اور قوم کے امتیازات کو بالکل فنا کر چکی ہے۔ آج دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اور ایسا طریق نہیں جس پر کاربند ہو کر یہ امتیازات مٹ سکیں۔ اسلام نے جو فرائض، ارکان یا طریق عبادات مقرر کئے ہیں ان سب کا مدعا یہ ہے کہ انسانی قلوب کو رنگ نسل اور قوم کے امتیازات سے پاک کر دے" [۱۰۸۱]

بنی نوع انسان کو رنگ نسل، قوم کے دیگر تمام امتیازات مادی، سے پاک کر کے روحانی عقیدۂ توحید میں جمع کر دینے سے بڑھ کر نجات کا اور کون سا راستہ ہو سکتا ہے؟ ۔ یہی تو حقیقی لذت حیات ہے۔

شعر نمبر ۱۲۴۳ : علامہ نے ترانۂ ہندی (ستمبر ۱۹۰۴ء) میں ہندوستان کو یہ خراج پیش کیا

ع۱۰۷۸ کلیات اقبال اردو ص ۱۵۹ [بانگ درا، ترانۂ ملی] ع۱۰۷۹ خطوط اقبال ص ۱۶۶۔ رفیع الدین ہاشمی مکتبہ خیابان ادب لاہور اشاعت ۱۹۷۶ء
ع۱۰۸۰ Thoughts and Reflections of Iqbal. P. 165 S. A. Wahid, Shaikh M. Ashraf Lahore May 1964 —
ع۱۰۸۱ گفتار اقبال ص ۲۳۵۔ محمد رفیق افضل۔ ادارہ تحقیقات پاکستان۔ دانشگاہ پنجاب لاہور۔ طبع سوم ستمبر ۱۹۸۶

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے — اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری — صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا [1082]

وہ سرزمین قیامت کی نفاق انگیز ہے، اور جس کی بربادیوں کے تذکرے آسمانوں میں ہیں، جہاں ہر عمل اپنے مقصد کے برعکس نتائج دکھاتا ہے اور غلامی کی رات گہری سے گہری ہوتی جاتی ہے۔ وہ نورِ سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو کی موت ہی کا نتیجہ تو ہے۔ جو از رہِ ہمہ ارواحِ زشت یعنی جعفر و صادق، بطورِ شخص اور آگے چل کر بطورِ علامت، اسی کردار بد کا اثر ہے — اور خود ان کا حال...

(۲۰۶) قلزمِ خونیں

آنچه دیدم می نگنجد در بیاں — تن ز سهمش بے خبر گردد ز جاں
من چه دیدم؟ قلزمے دیدم ز خوں — قلزمے طوفاں بروں طوفاں دروں
در ہوا ماراں چو در قلزم نہنگ — کفچہ شب گوں بال و پر سیماب رنگ
موجہا درندہ مانندِ پلنگ! — از نہیبش مردہ بر ساحل نہنگ
بحر ساحل را اماں یک دم نداد — ہر زماں کہ پارہ در خوں فتاد
موجِ خوں با موجِ خوں اندر ستیز — در میانش زورقے در افت و خیز
اندر آں زورق دو مردِ زرد روے
زرد رو، عریاں بدن، آشفتہ موے

حواشی و تعلیقات:

(۲۰۶) **قلزم:** سمندر اور چاہِ بسیار آب کو کہتے ہیں۔ بحیرۂ احمر کا دوسرا نام قلزم ہے۔ ادبی روایت میں کبھی اس سے مطلق سمندر مراد لیتے ہیں۔ کبھی چاہِ بسیار آب [1083] لیکن جغرافیے کی اصطلاح میں یہ بحیرۂ احمر ہے۔ اور شاید احمر ہی کے حوالے سے علامہ نے زحل کے اس سمندرِ خیالی کو قلزمِ خونیں۔ نام دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سمیت یہی قلزم عبور کیا تھا اور فرعون اور آلِ فرعون اسی میں غرق ہوئے بعض مفسرین نے غلطی سے اسے نیل لکھ دیا ہے۔
یہ منظر علامہ کی محاکات اور وصف نگاری کا عمدہ ترین نمونہ ہے۔ ڈاکٹر ریاض مرحوم لکھتے ہیں "قلزمِ خونیں ایک ہولناک مقام ہے جو شاعر کی قوتِ منظر کشی کا ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس منظر کو مصور کیسے پیش کر سکے گا" [1084] شارحِ جاویدنامہ کی کیفیات۔

[1082] کلیاتِ اقبال اردو ص ۸۳ (بانگِ درا: ترانۂ ہندی) [1083] تلمیحاتِ اقبال عابد ص ۲۱۲۔ ایضاً۔
[1084] جاوید نامہ: تحقیق و توضیح۔ ڈاکٹر محمد ریاض ص ۱۲۱، ص ۱۲۲۔ ایضاً۔

کنجہ: چمن۔ (فرہنگِ عامرہ)۔ **زورق**: کشتی: قائق، قارب (فرہنگِ عامرہ)۔

آشکارا می شود روحِ ہندوستاں

آسماں شق گشت و حورے پاک زاد
پردہ را از چہرۂ خود برکشاد
در جبینش نار و نور لایزال
در دو چشم او سرورِ لایزال
حلّہ در بر، سبک تر از سحاب
تار و پودش از رگِ برگِ گلاب
با چنیں خوبی نصیبش طوق و بند
بر لبِ او نالہ ہائے دردمند
گفت رومی روحِ ہند است ایں نگر
از فغانش سوزہا اندر جگر

حواشی و تعلیقات: جن محققین اور ماہرینِ اقبالیات کا یہ خیال ہے (اور ان میں قوم پرست اور غیر قوم پرست ـــ ایک برابر ہیں) ـــ کہ ترانۂ ہندی ـــ اور نیا شوالہ میں تو کہا ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا ـــ خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے ـ لیکن ـــ ترانۂ ملی کے بعد اس وطن دوستی سے دست بردار ہو کر ـــ ملت میں گم ہو گیا ـــ کسی نے اس پر صدمہ ظاہر کیا کسی کو خوشی ہوئی اور کسی نے اسکے ذہنی ارتقا کا فسانہ، خود اپنے بنتے بدلتے نظریاتی قالب کے لئے ڈھال کے طور پر گھڑ لیا ـــ اقبال نے ـــ ترانۂ ہندی میں ـــ جو بات ـــ گردشِ دوراں کی دست برد سے بچنے کے بچاؤ کی ـــ بیان کی ـــ ترانۂ ملی میں اسے توحید کہا ـــ یعنی اسی توحید کا مظہر شہود ـــ وحدت اور اتحاد، ـــ علامہ نے نظم آفتاب (ترجمہ گایتری) کے شذرہ میں ہندو مت کو اصلاً توحید پرست ثابت کیا تھا۔ تاکہ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ (آل عمران ۶۴) کی ربانی آواز اور میثاقِ مدینہ کا آغاز ہو۔ خطبۂ الہ آباد میں انہوں نے واضح کیا۔ "ہندوستان کی سیاسی غلامی، تمام ایشیا کے لئے لامتناہی مصائب کا سرچشمہ ہے۔ اس نے مشرق کی روح کو کچل ڈالا ہے اور اسے اظہارِ ذات کی اس مسرت سے محروم کر دیا ہے جس کی بدولت کبھی اس میں ایک بلند اور شاندار تمدن پیدا ہوا تھا۔ ہم پر ایک فرض ہندوستان کی طرف سے عائد ہوتا ہے جو ہمارا وطن ہے اور جس میں ہم نے جینا اور مرنا ہے اور ایک فرض ایشیا بالخصوص اسلامی ایشیا کی جانب سے ..." ع ۱۰۸۵

۲۵ جولائی ۱۹۳۲ء کے ایک بیان میں کہا

"ہماری اپنی پوزیشن واضح ہے۔ مسلمانانِ ہند جہاں اپنے قومی تحفظ کے لئے کوشاں ہیں وہاں وہ ملک کی آئینی ترقی کے بھی دل سے خواہش مند ہیں" ع ۱۰۸۵

جاوید نامہ کے زیرِ نظر حصہ میں وہ ہندوستان کو حورے پاک زاد، کہہ کر اس کی غلامی پر صدمہ ظاہر کرتے ہیں ـــ مرتے دم تک جو تجاویز انہوں نے دیں ـــ انہیں ہندوستان کے دکھوں کا علاج بتایا ـــ

ع ۱۰۸۵ حرفِ اقبال ص ۶۹ لطیف احمد خان شروانی۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔ اسلام آباد۔ اشاعت اول اگست ۱۹۸۲ء

ع ۱۰۸۶ ایضاً ـــ ص ۱۶۸۔

روحِ ہندوستان نالہ و فریاد می کند

۱۲۵۷- شمع جاں افسرد در فانوسِ ہند — ہندیاں بیگانہ از ناموسِ ہند
مردکے نامحرم از اسرارِ خویش — زخمہ خود کم زند بر تارِ خویش
بر زمانِ رفتہ می بندد نظر — از آتشِ افسردہ می سوزد جگر
بندہا بر دست و پائے من از وست — نالہ ہائے نارسائے من از وست
۱۲۶۱- خویشتن را از خودی پرداختہ — از رسومِ کہنہ زنداں ساختہ

آدمیت از وجودش دردمند
عصرِ نو از ناکس و ناپاکش نژند

حواشی و تعلیقات :

شعر نمبر ۱۲۵۷ الخ جو سرزمیں، معروروما کے مقابلے میں آئے دن کی یورشوں اور شورشوں کے درمیان زندہ و سربلند رہی۔ جس کی تہذیب قدیم تر اور حسین تر سمجھی گئی۔ وہ ایک طرف غلامی کے عذاب سے گزر رہی ہے اور دوسری طرف اس کے باسی، باہمی سرپھٹول سے خود کو کمزور اور اپنے دشمن آقا کو مضبوط کرنے میں مصروف ہیں۔ علامہ نے کبھی تو اپنے دکھ کا اظہار اس طرح کیا۔

کب زباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے — پھونک ڈالا جب چمن کو آتشِ پیکار نے ۱۰۸۷

کبھی موجۂ و ساحل کی طرح "وصلِ فراق انگیز" کی شکایت کی۔

لذتِ قربِ حقیقی پر مٹا جاتا ہوں میں — اختلاطِ موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں میں ۱۰۸۸

کبھی جل کر چلا اٹھتے ہیں۔

نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

اور کبھی انتہائی دردمندی سے متنبہ کرتے ہیں

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں ۱۰۸۹

کبھی مخالف فریق سے مخاطب ہوتے ہیں

اے امانت دارِ تہذیبِ کہن — پشت پا بر مسلکِ آبا مزن
گر زجمعیت حیاتِ ملت است — کفر ہم سرمایۂ جمعیت است
تو کہ ہم در کافری کامل نۂ — درخورِ طوفِ حریمِ دل نۂ ۱۰۹۰

۱۰۸۷ کلیاتِ اقبال اردو ص ۴۳ (بانگِ درا: صدائے درد) ۱۰۸۸ ایضاً ص ۴۲
۱۰۸۹ ایضاً ص ۷۰/۱۷ (بانگِ درا: تصویرِ درد)۔ ۱۰۹۰ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۵ [اسرارِ خودی]

کبھی اپنوں کی فرقہ پرستی کی پُرتشدد مذہبیت کے ساتھ 'ہندو کانگریس' سے قلبی لگاؤ کا مشاہدہ کرتے ہیں تو تسلیم و اعتراف کئے بغیر نہیں رہ جاتا کہ

ساندہ ایم از جادۂ تسلیم دُور   تو ز آزر من ز ابراہیم دُور ع ۱۰۹۰

اور یہ سب کچھ اس خواہش کے تحت ہو رہا ہے کہ ہندوستان، عصرِ جدید کے انسانی تقاضوں سے ہم آہنگ مگر ذاتی تشخصات کی امین و محافظ دنیا بنایا جائے

از گِلِ خود آدمے تعمیر کن   بہر آدم عالمے تعمیر کن ع ۱۰۹۱

کبھی — ماضی کی تلخیوں میں جینے کی بجائے عصرِ موجود کی زہرناکیوں کا اندازہ کر کے متحد ہونے کا درس دیتے ہیں۔

قفس میں اے ہمصفیر! اگلی شکایتوں کی حکایتیں کیا
خزاں کا دورہ ہے اب چمن میں نہ تو رہا ہے نہ ہم رہے ہیں ع ۱۰۹۲

اور یہی کچھ منتر کے اس شہ پارہ کا نچوڑ ہے۔ ایک پُر امیدی — جو کبھی پوری نہ ہوئی۔

"اگر سیاسی اختلاف ہے تو میں کہوں گا دونوں کی حالت قابلِ رحم ہے اب آہستہ آہستہ دونوں [مسلمانوں اور ہندوؤں] کو معلوم ہونے لگا ہے کہ اختلاف کی تہہ میں پولیٹیکل وجوہ بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتے جیسا جیسا ہندو مسلمان ملک کی حیثیت کو سمجھیں گے۔ زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب آجائیں گے" ع ۱۰۹۳

لیکن ہر خواہش ناکام، ہر کوشش بے سود، کہ، ہندیاں بیگانہ از ناموسِ ہند، نامحرم اسرارِ نوری پاک و ناپاک: اچھوت و غیر اچھوت کی تفریق کے پرانے اسیر، عصرِ نو کو بھی نمگین و خوار [شَرمند] کرنے میں مصروف ہیں شعر نمبر ۱۲۶۱ - روحانی طور پر ہم ان تخیلات اور احساسات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں جو ہم نے پچھلی صدیوں کے دوران میں اپنے گرد لپیٹ لی ہیں [حرفِ اقبال ۱۹۷/۶۵]۔

۱۲۶۳ - بگذر از فقرے کہ عُریانی دہد   اے خنک فقرے کہ سلطانی دہد

۱۲۶۴ - الحذر از جبر و ہم از خوئے صبر   جابر و مجبور را زہر است جبر
ایں بہ صبرِ پیہمے خوگر شود   آں بہ جبرِ پیہمے خوگر شود

۱۲۶۶ — ہر دو را ذوقِ ستم گردد فزوں
وِردِ من یالیتَ قومی یعلمون

حواشی و تعلیقات: فقر: ایک وہ فقر ہے جو عریانی سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں بخشتا اور بسوال و گدیہ کا خوگر بنا کر خودی کی موت کا باعث بنتا ہے — ایک فقر وہ ہے جو ترکِ علائقِ دنیا

ع ۱۰۹۰ ایضاً   ع ۱۰۹۱ اقبال بنام شاد ص ۸۴ محمد عبداللہ قریشی۔ بزم اقبال لاہور طبع اول ۱۹۸۶ء
ع ۱۰۹۲ ایضاً ص ۱۲ (مقدمہ)   ع ۱۰۹۳ ایضاً ص ۱۴ (مقدمہ)۔

کی بجائے تسخیر فطرت کی راہ دکھاتا ہے کہ قوت و فرزندی موتے، غنائے نفس سے ممتاز ہو۔ یہ فقر غنی کرتا ہے۔ رہبانیت کے فاقوں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز رح کے فاقوں کا یہی فرق ہے جو فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز رہنے نہیں دیتا۔

اک فقر ہے قوموں میں مسکینی و دلگیری | اک فقر سے ملتی ہے خاصیتِ اکسیری
اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری | میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبیری رضی اللہ عنہ ؎۱۰۹۴

میں ایسے فقر سے اے اہلِ حلقہ باز آیا | تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری
کمالِ ترک نہیں آب و گل سے مہجوری | کمالِ ترک ہے تسخیرِ خاکی و نوری ؎۱۰۹۵

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّہی رض ؎۱۰۹۶

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری | اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری ؎۱۰۹۷

سکوں پرستی راہب سے فقر ہے بیزار | فقر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی ؎۱۰۹۸

حکمتِ دیں دل نوازی ہائے فقر | قوتِ دیں بے نیازی ہائے فقر ؎۱۰۹۹

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر | جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا | اللہ کی شانِ بے نیازی ؎۲۰۰۰

فقر چوں عریاں شود زیرِ سپہر
از نہیبِ اُو بلرزد ماہ و مہر ؎۲۰۰۱

یعنی، فقر عریانی کا نام نہیں، یہ زمانہ ستیزی کا معلم ہے۔ صاحبِ فقر، صرف اپنی ذات کو کنافتوں سے پاک نہیں کرتا بلکہ ایجاباً اپنے زمانے سے ٹکر لیتا ہے ؎۲۰۰۲

صبر: یہ وہ صبر نہیں جسے جمیل کہا گیا اور استقامت کے معنی دیتا ہے۔ یہ وہ صبر ہے جو بقول عزیز احمد "ایک طرح کی سیاسی اور نفسیاتی انفعالیت ہے جس کی وجہ سے ظلم سہنے میں نفسیاتی طور پر مزہ آنے لگتا ہے (یوں) صبر ایک طرح کا سیاسی افیون بن جاتا ہے" ؎۲۰۰۳۔ بنی اسرائیل کو فرعونِ مصر کے ظلم سے نکال لے جانے کا واقعہ معلوم عام ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زیر نگرانی انہیں من و سلویٰ ملتا تھا۔ لیکن جب انہیں قریبی بستی پر چڑھائی

؎۱۰۹۴ کلیات اقبال اردو ص۴۵۲ (بالِ جبریل) ؎۱۰۹۵ ایضاً ص۳۴۲ (بالِ جبریل)۔ ؎۱۰۹۶ ایضاً ص۳۲۹ (ایضاً)
؎۱۰۹۷ ایضاً ص۴۵۲ (ایضاً) ؎۱۰۹۸ ایضاً ص۵۱۲ (ضربِ کلیم: متوّد راہبی) ؎۱۰۹۹ کلیات فارسی ص۸۱۷ (پس چہ باید کرد: فقر)
؎۲۰۰۰ کلیات اقبال اردو ص۵۵۰/۵۵۱ (ضربِ کلیم جاوید ۳) ؎۲۰۰۱ کلیات فارسی ص۸۱۸ (پس چہ باید کرد)
؎۲۰۰۲ تلمیحات اقبال - عابد ص۳۲۷ - ایضاً - ؎۲۰۰۳ اقبال - نئی تشکیل ص۴۴ - تاج آفس کراچی -

کرنے کو کہا گیا تو صدیوں کی غلامی نے جو ذہنیت بخشی تھی آڑے آئی - اور کم ہمتی کا موجب بنی

یہ صبر بھی ایک طرح کا جبر ہے - لہٰذا یہ صبر کی خو ، جابر اور مجبور دونوں کے لئے زہر بنتی

ہے - پروفیسر یوسف سلیم چشتی جابر و مجبور کی بجائے صابر و مجبور پڑھتے ہیں جو درست نہیں - اگلا شعر ، مجبور کے لئے صبر اور جابر کے لئے جبر کا عادی ہونا - بیان کرتا ہے - اس لئے جابر و مجبور ہی درست ہے -

شعر نمبر ۱۱۶۶ - اور دونوں کہ مجبور ، صبر سے جبر سہنے پر خوش ہوتا ہے اور جابر کو مزید جبر کا حوصلہ ملتا ہے - دونوں کے ذوق ستم میں اضافہ ہوتا ہے - حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان اس لطیف پیرایۂ بیان کا ماخذ لگتا ہے فَانْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا - ظالم کو ظلم سے روکنا اس کی امداد ہے اور مظلوم کو ظلم سے بچانا { گویا احساس دلانا } اسی کا مورد ہے -

یالیت قومی - - - قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ [۲۰۰؎] [اور جب انطاکیہ والوں کی طرف ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور قوم سے کہا ان مرسلین کا اتباع کرو] - - - - - اس سے کہا گیا جنت میں داخل ہو - بولا ، کاش کسی طرح میری قوم جانتی -

کے شب ہندوستاں آید بروز
مرد جعفر زندہ روح او ہنوز

۱۱۶۸ - تا ز قید یک بدن وا می رہد
آشیاں اندر تن دیگر نہد

گاہ او را با کلیسا ساز باز
گاہ پیش دیریاں اندر نیاز

۱۱۷۰ - دین او آئین او سوداگری ست
عنتری اندر لباس حیدری ست

تا جہان رنگ و بو گردد دگر
رسم او آئین او گردد دگر

۱۱۷۲ - پیش ازیں چیزے دگر مسجود او
در زمان ما وطن معبود او

ظاہر او از غم دیں دردمند
باطنش چوں دیریاں زنار بند

جعفر اندر ہر بدن ملت کش است
ایں مسلمانے کہن ملت کش است

خند خنداں است و با کس یار نیست
مار اگر خنداں بود جز مار نیست

از نفاقش وحدت قومے دو نیم
ملت او از وجود او لئیم

ملتے را ہر کجا غارت گرے ست
اصل او از صادقے یا جعفرے ست

الاماں از روح جعفر الاماں
الاماں از جعفران ایں زماں

حواشی و تعلیقات : شعر نمبر ۱۱۶۸ : مراد یہ کہ روح جعفر ، اب ایک جعفر کی روح نہیں بلکہ یہ ایک علامت ہے ہر اس شخص کے لئے جو غدار ملت ہے - جعفر ایک استعارہ ہے - جب کسی ایک بدن سے

۲۰۰؎ یٰس : ۲۵ -

سے اسے رہائی ملتی ہے تو یہ دو شترین میں اپنا آشیاں بنالیتی ہے۔ غداری کا ہر روپ، ہر صورت جعفر کا نیا روپ، جعفر کا بہروپ ہے۔

شعر نمبر ۱۱۷۰ - عنتری: جس طرح اسد اللّٰہی حق کی خاطر جہاد اور بہادری کی علامت ہے اور حیدری کہلاتی ہے اسی طرح عنتری حق کی مخالفت کی علامت ہے ۲۰۰۵ — عنتر خیبر کے ایک یہودی مقتول قلعہ دار کا نام تھا جو مرحب ۲۰۰۶ کی طرح جنگ جو کافر تھا۔ **حیدری:** علامت ہے جہاد فی سبیل اللّٰہ کی جو حضرت علی کرم اللّٰہ وجہہٗ سے منسوب ہے حیدر کرار کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۲۴ -

شعر نمبر ۱۱۷۲ - وطن معبود او: مراد ہے مغربی نظریۂ وطنیت سے۔ جسے علامہ اللّٰہ کی جگہ معبود بنانے سے تعبیر کرتے ہیں یا رسولؐ کی بجائے وطن کو مرکز ملت بنانا بتاتے ہیں سید حسین احمد مدنی سے دین و وطن کی بحث میں انہوں نے اسے قادیانی افکار کے تتبع کا الزام بھی دیا تھا ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۰۶

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدر کرار بھی ہے ۲۰۰۷

~~~~

تا کجا آویزشِ دین و وطن
جوہرِ جاں پر مقدم ہے بدن ۲۰۰۸

~~~~

اصل ملت در وطن دیدن کہ چہ
باد و آب و گل پرستیدن کہ چہ ۲۰۰۹

~~~~

قلب ما از ہند و روم و شام نیست
مرز و بوم او بجز اسلام نیست ۲۰۱۰

~~~~

عقدۂ قومیت مسلم کشود
از وطن آقائے ما ہجرت نمود ۲۰۱۱

~~~~

آنچناں قطعِ اخوت کردہ اند
بر وطن تعمیرِ ملت کردہ اند
تا وطن را شمعِ محفل ساختند
نوعِ انساں را قبائل ساختند ۲۰۱۲

~~~~

علامہ کی نظم وطنیت [یعنی وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور]۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و کرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے ۲۰۱۳

یہ مسدس چار بندوں پر مشتمل ہے اور انتہائی مدلل و موثر نظم ہے۔ کہ رنے مصطفویؐ خاک میں رس نبت کو ملادو سے۔

۲۰۰۵ تلمیحات اقبال عابد ص ۵۶ ۲۰۰۶ مطالب اقبال - مقبول انور داؤدی ص ۱۲۳ ۲۰۰۷ کلیات اقبال اردو ص ۳۵۹ (بال جبریل)
۲۰۰۸ ایضاً ص ۲۲۸ (ایضاً) ۲۰۰۹ کلیات اقبال فارسی ص ۱۱۲ (رموز بے خودی) ۲۰۱۰ ایضاً ص ۱۱۲ -
۲۰۱۱ ایضاً ص ۱۱۱ ۲۰۱۲ ایضاً ص ۱۱۵ ۲۰۱۳ کلیات اقبال اردو ص ۱۶۰ (بانگ درا)

"اسلام کا ظہور بت پرستی کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ وطن پرستی بھی بت پرستی کی ایک نازک صورت ہے۔ مختلف قوموں کے وطنی ترانے میرے اس دعوے کا ثبوت ہیں کہ وطن پرستی ایک مادی شے کی پرستش سے عبارت ہے۔ اسلام کسی صورت میں بت پرستی کو گوارا نہیں کر سکتا ...... اسلام جس چیز کو مٹانے کے لئے آیا تھا اسے مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کا بنیادی اصول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پیغمبر اسلامؐ کا اپنی جائے پیدائش مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں قیام اور وصال، غالباً اسی حقیقت کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔" ۲۱۴

جہاں کہیں کوئی ملت نفاق کا شکار ہے، حالات کے ساتھ روپ بدلنے والے جعفر ہی اس کا سبب ہیں۔ عصرِ حاضر کا جعفر کلیسا پرست ہو یا وطن پرست ایک ہے۔ دو رنگی جگر کی طرح ایک ہی روح گویا ہر دور میں ظاہر ہوتی ہے — ان جعفروں سے اللہ کی پناہ۔

فریادِ یکے از زورق نشینانِ قلزمِ خونیں

۱۱۷۹ - نے عدم ما را پذیرد نے وجود — وائے از بے مہریٔ بود و نبود
تا گذشتیم از جہانِ شرق و غرب — بر درِ دوزخ شدیم از درد و کرب
یک شرر بر صادق و جعفر نزد — بر سرِ ما مشتِ خاکستر نزد
گفت دوزخ را خس و خاشاک بہ
شعلۂ من زیں دو کافر پاک بہ
آں سوئے نہ آسماں رفتیم ما — پیشِ مرگِ ناگہاں رفتیم ما
۱۱۸۴ - گفت جاں سرّے ز اسرارِ من است — حفظِ جان و ہدمِ تن کارِ من است
جان زشتے گرچہ نیرزد با دو جو — اے کہ از من ہدمِ جاں خواہی برو
ایں چنیں کارے نمی آید ز مرگ
جانِ غدارے نیاساید ز مرگ

اے ہوائے تند اے دریائے خوں — اے زمیں اے آسمانِ نیلگوں
اے نجوم اے ماہتاب اے آفتاب — اے قلم اے لوحِ محفوظ اے کتاب
اے بتانِ ابیض اے لردانِ غرب — اے جہانے در بغل بے حرب و ضرب

---

۲۱۴ شذراتِ فکرِ اقبال مرتبہ جسٹس جاوید اقبال۔ اردو ترجمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی ص ۸۳ مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول دسمبر ۱۹۷۳

۱۱۹۰- این جہان بے ابتدا بے انتہاست
بندۂ غدار را مولا کجاست؟

ناگہاں آمد صدائے ہولناک — سینۂ صحرا و دریا چاک چاک
ربط اقلیم بدن از ہم گسیخت — دمبدم کہ پارہ برکہ پارہ ریخت
کوہ ہا مثل سحابے اندر مرور — انہدام عالمے بے بانگِ صور
برق و تندر از تب و تاب درون — آشیاں بستند اندر بحرِ خون
موجہا پرشور و از خود رفتہ تر — غرق خون گردید آں کوہ و کمر
آنچہ بر پیدا و ناپیدا گذشت
خیل انجم دید و بے پروا گذشت

حواشی و تعلیقات : وجود و عدم : ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۶ ، تعلیقہ نمبر ۵۰

شعر نمبر ۱۱۸۷ - حفظِ جان و ہدمِ تن کارِ من است :

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا — ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے [۲۰۱۵]
کہ جانے کہ بخشند دیگر نگیرند [۲۰۱۶]

ایک قول نقل کیا جاتا ہے کہ موت زندگی کا بہترین محافظ ہے — زندگی جان کا نام ہے روح کا نام ہے — موت جب اپنی حفاظت اٹھا لیتی ہے طبیب پاگل ہو جاتا ہے۔
یہ منظر جتنا ہولناک ہے اسی قدر تخیل کی بلندی اور فکر کی گہرائی و گیرائی کا حامل ہے۔

شعر نمبر ۱۱۹۰ : بندۂ غدار را مولا کجاست : یہ بند پڑھ کر سورۃ القیامۃ کی وہ آیات یاد آئیں جو موت کے وقت کا وہ مایوس کن منظر پیش کرتی ہیں کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ [۲۰۱۷] ہاں! ہاں! جب جان گلے کو پہنچ جائے گی اور کہیں گے ہے کوئی جو جھاڑ پھونک کرے [بچائے] — کون ہے، جو جھاڑ پھونک کرے [بچائے] یعنی کہ ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد والا منظر — ہے کوئی بچانے والا — مایوسی کے عالم میں — کون ہے کوئی نہیں جو بچائے — یہی عالم غداروں کا ہے کہ وہ — ہوائے تند و تیز، دریائے خون، آسمانِ نیلگوں، نجوم و ماہتاب و آفتاب، قلم، لوحِ محفوظ، کتاب، بتانِ ابیض، مردانِ مغرب — کو مدد کے لئے پکارتے ہیں — مگر اللہ کو آواز دینے کی ہوش نہیں — وہاں غداروں کا مولا کہاں ہے؟ کوئی نہیں — کہہ کر رہ جاتے ہیں۔

۲۰۱۵ کلیات اقبال اردو ص ۵۲۷ [ضربِ کلیم : موت] ۲۰۱۶ کلیات اقبال فارسی ص ۵۰۸ [زبورِ عجم : ۲۸]-
۲۰۱۷ القیامہ : ۲۶، ۲۷

باب ہشتم ــــــ آں سوئے افلاک ص۴۱۶ تا ص۵۲۳

مقام حکیم المانوی نطشہ

حرکت بجنت الفردوس
قصر شرف النساءؒ
زیارت امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانیؒ و ملا طاہر غنیؒ

در حضور شاہ ہمدانؒ
صحبت با شاعر ہندی بھرتری ہری

حرکت بہ کاخ سلاطین مشرق [نادر، ابدالی، سلطان شہید]
نمودار می شود روح ناصر خسرو علوی و غزلے مستانہ سرائیدہ
ــــــ غائب می شود

پیغام سلطان شہید بہ رود کاویری
ــــــ [حقیقت حیات و مرگ و شہادت]

زندہ رود رخصت می شود از فردوس بریں و تقاضائے حوران بہشتی
نزول زندہ رود

حضور
ــــــ ندائے جمال
ــــــ افتادن تجلی جلال

(۲۰۷)

مقام حکیم المانوی نطشہ

(۲۰۸)

هر کجا استیزهٔ بود و نبود — کس نداند سرّ این چرخ کبود
هر کجا مرگ آورد پیغام زیست — اے خوش آں مردے کہ داند مرگ چیست
هر کجا مانند باد ارزاں حیات — بے ثبات و با تمنائے ثبات
۱۲۰۰ — چشم من صد عالم شش روزہ دید — تا حد این کائنات آمد پدید
ہر جہاں را ماہ و پروینے دگر — زندگی را رسم و آئینے دگر
وقت ہر عالم رواں مانند رو — دیریاز این جا و آں جا تند رو
سال ما ایں جا مہے آں جا دمے! — بیش ایں عالم بآں عالم کمے
۱۲۰۴ — عقل ما اندر جہانے ذوفنوں
در جہانے دیگرے خوار و زبوں
بر ثغور این جہاں چون و چند — بود مردے با صدائے دردمند
دیدۂ او از عقاباں تیز تر — طلعت او شاہد سوز جگر
دمبدم سوز درون او فزود — بر لبش بیتے کہ صد بارش سرود
۱۲۰۸ — "نہ جبریلے نہ فردوسے نہ حورے نے خداوندے
کف خاکے کہ می سوزد ز جان آرزومندے"

حواشی و تعلیقات:

(۲۰۷) فریڈرک نیٹشے ۔ انیسویں صدی کا انتہائی صاحب اثر مفکر تھا۔ ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو روکن (Rocken) کے مقام پر ایک پادری کے گھر پیدا ہوا۔ ۱۸۶۴ء میں گریجویشن کیا اور بون (Bonn) یونیورسٹی میں دینیات اور لسانیات کے خصوصی مطالعہ کے لئے داخلہ لیا۔ سال بھر بعد دینیات کو چھوڑ دیا اور پھر فلسفہ میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ اس عرصہ میں فریڈرک نیٹشے کا دینیاتی ذوق بدرجہ غایت تھا وہ طلبہ ساتھیوں کے سامنے بائبل کی تلاوت کرتا تو رقت طاری ہو جاتی لیکن اٹھارہ سال کی عمر میں مذہب اور اہل مذہب سے اس کے ذہنی و قلبی لگاؤ میں کمی آتی گئی۔ ۱۸۶۹ء میں وہ بیسل (BASAL) سوئٹزرلینڈ کی یونیورسٹی میں لسانیات کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۸۷۹ء میں بوجہ علالت سبکدوش ہوا۔ ۱۹۰۰ء تک نیٹشے متعدد بیماریوں

میں مبتلا رہنے کے باوجود تصنیف و تالیف میں مصروف رہا۔ خصوصاً وہ گیارہ سال جو اس نے ایک دیوانہ اور مجذوب کی حیثیت میں بسر کئے تصنیفی تخلیقی اعتبار سے اس کی زندگی کا انتہائی ثمر خیز دور تھا۔ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ میں انتقال ہوا اور ویمر میں مدفون ہوا۔

تصانیف

نٹشے کی پہلی تصنیف آغاز المیہ The Birth of Tragedy ۱۸۷۲ء میں شائع ہوئی۔ ۱۸۸۳-۸۴ میں بقول زرتشت کے دو حصے اور ۱۸۹۲ء میں تیسرا حصہ شائع ہوا۔ Thus Spake Zarathushtra اس کی مقبول ترین کتاب ہے۔ جو جتنی پڑھی جاتی ہے اس طرح سمجھی نہیں گئی۔ اس میں نٹشے کے فکر کا بھرپور نقشہ ملتا ہے اور عالمی ادب کا ایک شاہکار کارنامہ ہے۔ خیر و شر سے ماوراء Beyond good and Evil ۱۸۸۶ء میں منظر عام پر آئی جس میں نٹشے کی فکر واضح طور پر سامنے آئی۔

اب نٹشے کی تصنیفی اور تخلیقی قوتوں کے انحراف کا زمانہ تھا کوپن ہیگن یونیورسٹی میں نٹشے پر لیکچر دئیے گئے۔ اسی سال اس نے Anti Christ (دجال) لکھی جس میں عیسائیت کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

اس کی یاد داشتوں کا مختصر مجموعہ The Will to power (ارادۂ اقتدار) اس کی موت کے بعد ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا۔ فلسفہ و شاعری کی آمیزش پر مشتمل چار مجموعے "اندیشہ ہائے دور دراز" کے نام سے اور "سرود زمین" کے نام سے پانچ مجموعے بشری از بس بشری Human All too Human ۱۸۷۸ء میں شائع ہوئے۔

بحیثیت جرمن نثر نگار آج تک نٹشے کا ثانی پیدا نہیں ہوا۔ اس کی شاعری بھی اثر انگیز ہے لیکن اس کا اصل مقام ایک عظیم فلسفی کا مقام ہے۔ [ع ۲۰/۱۸]

نٹشے کی تصانیف فلسفیانہ ہیں لیکن اس کا اسلوب بیان خشک نہیں بلکہ خالص رومانیہ اور شاعرانہ ہے۔ بعض مقامات اس کی تحریر میں شاعرانہ دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ نکتہ سنج، بالغ نظر، جدت طراز نٹشے کے بعض جملے ضرب المثل کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔

"انسان ہی وہ حیوان ہے جو ہنس سکتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رونا بھی تو وہی ہے"

"دنیا میں صرف ایک ہی آدمی عیسائی مذہب کا پیرو تھا مگر افسوس دشمنوں نے اسے صلیب دے کر قصہ ہی تمام کر دیا"

اس نے انتہائی جرأت سے تثلیث، تجسیم مسیح، کفارہ کو خلاف عقل ثابت کیا اور دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ عیسائیت، زندگی سے فرار کا سبق دیتی ہے ـــــ بقول زرتشت "شدت احساس اور جذب و جنون کا شاہکار ہے۔ پڑھنے والے کو اس کی رو میں بہتے ہوئے وقت کا احساس ہی نہیں رہتا ہے۔ وہ خود کہتا ہے میں نے اپنا فلسفہ روشنائی کے بجائے خون جگر سے لکھا"

پروفیسر کلپے (Kulpe) اپنی تصنیف تاریخ فلسفہ یورپ میں اسے اس طرح خراج پیش کیا ہے۔

ع ۲۰/۱۸ کلیات مکاتیب اقبال جلد دوم ص ۱۰۶۶/۱۰۶۵، Encyclopaedia Britanica Vol 13 PP 76-79
تلمیحات اقبال عابد ص ۲۲۹/۲۲۸، شخصیات اقبال انسائیکلوپیڈیا ص ۶۲۲ ایضاً، دائرہ معارف اقبال ... ص ۵۲۵ ایضاً

"نطشہ، جرمنی کے عظیم المرتبت ماحول طرز میں سے تھا۔ اس نے انسانی جذبات کی عکاسی پر غیر معمولی قدرت حاصل کی تھی۔ اس کی تصانیف میں شاعری، مصوری اور موسیقی کا حیرت انگیز امتزاج پایا جاتا ہے وہ خود اپنی طرز نگارش کو "رقص ناتمام" کہتا ہے"

نطشے نے دنیا کو حریت فکر اور آزادی رائے کا پیغام دیا جب فلسفہ اور سائنس دونوں حریت کے منکر اور جبریت کے علم بردار تھے" ۲۰۱۹ء نطشے ارتقا کی بات کرتا ہے لیکن اس کا ارتقائی تصور ڈارونی نہیں ارادی ہے جس کی انتہا فوق البشر کی تخلیق ہے جو بقول اس کے خیر مطلق ہے لیکن قہر و غضب غلبہ و اقتدار اور جبر و استبداد کا مجسمہ ہے۔ وہ کہتا ہے "خدا مر گیا ہے تاکہ فوق البشر پیدا ہو"۔ نطشے کی ساری زندگی اور ساری تصانیف کا خلاصہ یہی ہے کہ

"خواہش اقتدار کے علاوہ اور کوئی حق (سچائی) نہیں"
"فوق البشر کے علاوہ کوئی اور نیکی (خیر) نہیں"

کلام اقبال پر نطشے کے انتہائی محکم اثرات پڑے ہیں۔ اور اسی لئے کلیات فارسی اور اردو میں کم از کم سات بار نطشے کا نام آیا ہے۔ کلیات اردو ص ۳۲۸ (بال جبریل: ۳۲) ایضاً ص ۴۵۹ (ایضاً: یورپ)۔ ایضاً ص ۵۲۵ (ضرب کلیم: حکیم نطشہ)۔ کلیات فارسی ص ۳۲۶ (پیام مشرق: شوپن ہار و نیٹشا)۔ ایضاً ص ۳۶۸ (ایضاً: نیٹشا)۔ ایضاً ص ۳۷۱ (ایضاً: نیٹشا)۔ ایضاً ص ۳۸۳ (ایضاً: خرابات فرنگ)۔

پروفیسر محمد شریف (۱۸۸۱-۱۹۶۵) ۱۹۰۲ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل، ۱۹۱۷ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ کے شعبۂ فلسفہ سے منسلک ہوئے اور چیئرمین ہوئے۔ معاشیات، جمالیات، مسلم فلاسفی، جیسے موضوعات پر کم از کم دس کتابیں ہیں۔ ان کی مقبول ترین کتاب Modern Renaissance in Muslim Lands ہے ۲۰۲۰ء
کے نام مکتوب، کلیات مکاتیب اقبال ج ۲ ص ۶۲۶، میں ان کی کتاب، کتاب الغیر (عبدالرحیم) کا ذکر کیا ہے۔

مشذرات فکر اقبال ص ۹۵ (نطشے کا جنون)۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۱۷۲، ص ۱۷۳ بحوالہ رجعت ابدی، ص ۲۸۲ بحوالہ مابعد الطبیعات، ص ۲۸۹ بحوالہ نظریۂ ارتقاء، ص ۳۰۱ بحوالہ عالم لاہوت، ص ۳۰۲، بحوالہ انکار خدا ــــ ص ۳۰۲ ایضاً ــــ مثنوی اسرار خودی میں حکایت الماس و زغال نطشے ہی سے ماخوذ ہے۔

نیٹشے کا جنون:

"... نطشے کا فلسفہ کم از کم اخلاقیات کے دائرے میں، یورپ کے طرز عمل کو عقلی جواز فراہم کرنے کی ایک کوشش ہے لیکن اشراقیہ کا یہ عظیم پیغمبر یورپ بھر میں مردود قرار دیا گیا ہے۔ بہت کم لوگ اس کے جنون کے رمز آشنا ہیں" ۲۰۲۱ء

نیٹشا

گر نوا خواہی ز پیشِ او گریز — در نئے کلکش غریوِ تندر است
نیشتر اندر دلِ مغرب فشرد — دستش از خونِ چلیپا احمر است

۲۰۱۹ء شرح جاوید نامہ ص ۹۷۲-۹۷۳
۲۰۲۰ء تفصیل سوانح ملاحظہ ہو کلیات مکاتیب اقبال جلد ۲ ص ۶۲۰-۶۲۱
۲۰۲۱ء مشذرات فکر اقبال ص ۹۵/۹۶ ایضاً ــ

آنکہ بر طرحِ حرم بت خانہ ساخت   قلب او مومن دماغش کافر است

خویش را در نارِ آں نمرود سوز

زانکہ بستانِ خلیل از آذر است"

علامہ نے اس نظم پر یہ نوٹ بھی درج کیا ہے۔

نیٹشا نے مسیحی فلسفۂ اخلاق پر زبردست حملہ کیا ہے۔ اس کا دماغ اسی لئے کافر ہے کہ وہ خدا کا منکر ہے گو بعض اخلاقی نتائج میں اس کے افکار مذہب اسلام کے بہت قریب ہیں "قلب او مومن دماغش کافر است"۔ نبی کریم ؐ نے اسی قسم کا جملہ امیۃ ابن الصلت (عرب شاعر) کی نسبت کہا تھا "آمن لسانہ وکفر قلبہ - آذر بمعنی آتش" ۲۰۲۲ے

بالِ جبریل کی غزل ۲۳ کا ایک شعر

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں

تو اقبال اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے

علامہ نے اس شعر پر یہ نوٹ بھی درج کیا ہے

"جرمنی کا مشہور مجذوب فلسفی نیٹشا جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کرسکا اور اس لئے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط راستہ پر ڈال دیا" ۲۰۲۳ے

جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں

مادیت کے بوجھ تلے دبے ہوئے یورپ میں نیٹشے ایک حیرت انگیز شخصیت تھا وہ اپنے وقت کا ایک صوفی تھا روحانی کیفیات سے لبریز، اور اسے اس کا پوری طرح احساس تھا یہ دوسری بات ہے کہ وہ خدا کو نہیں مانتا تھا ـــــ۔۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جس زمانے میں عیسائیت اس کے ہدف تنقید کا نشانہ تھی [کذا] جینوا میں اس کا نام ایک سنت اور مہاتما کے طور پر لیا جاتا تھا ۲۰۲۴ے

نیٹشے کا فلسفۂ صلابت و پختگی، رجوع ابدی اور تصور فوق البشر، بنیادی عقیدہ انویت کے حوالے سے لبسا مختلف سہی لیکن علامہ کے تصور خودی اور تصور انسان کامل یعنی خیر البشر کے مماثل ہے۔ فرق یہ ہے کہ علامہ کا خیر البشر اپنے الٰہ حقیقی کی طرح جلال و جمال ہے، قہاری، غفاری، قدوسی اور جبروت لیکن نیٹشے کا فوق البشر، کلیسائی رہبوں کا نعم البدل ہونے کے باعث مجسم قہر و غضب ہے۔ علامہ نے اس کی مادیت پسند نہ کرکے

۲۰۲۲ے کلیات اقبال فارسی ص ۳۷۱ [پیام مشرق] ۲۰۲۳ے کلیات اقبال اردو ص ۳۲۸ [بالِ جبریل]

۲۰۲۴ے اقبال اور مغربی مفکرین ص ۱۰۱/۱۰۲ جگن ناتھ آزاد، مکتبہ عالیہ لاہور۔

بارے میں جابجا تبصرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں

نطشے کی طبیعت پر مادیت پسندی کا غلبہ تھا۔ اس نے ہستیٔ باری تعالیٰ کا انکار کیا اور اس انکار سے خودی کا انکار لازم ٹھہرا۔ وہ خودی کا منکر ہے۔ خودی اس کے نزدیک کوئی مابعد الطبیعی حقیقت نہیں، اس کا فوق البشر بھی قدیم یونانی سورماؤں کا نمونہ ہے۔ وہ ہمیشہ کسی آنے والے کا خواب دیکھتا ہے۔ نطشے کی ساری خوبی ذات انسانی کے لئے اس کے ذوق و شوق، اس کے سوز و ساز اور جذب و گداز میں ہے۔ افسوس ہے اسے کوئی مرد کامل نہ ملا۔ ؎۲۰۲۵

نکلسن کے نام مکتوب میں علامہ نے نطشے کو بجائے شخصی کا منکر بتایا ہے۔ اس لئے کہ وہ مسئلہ زمان کے اخلاقی پہلو سے غافل رہے۔

(۲۰۸) رجوع ابدی یا ارتقائے حیات

رجوع ابدی یا ارتقائے حیات : تنازع للبقا جاری ہے۔ اور یہ تنازع انواع کی بقا کا تنازع ہے۔ موت، پر انہیں ایک تازہ تر زندگی کا باعث بنتی ہے۔ گر تو یہ فکر اقبال ہو تو اس کی تفصیل "از جادی مردم و نمای شوم" کے فلسفہ رومی کے حوالے سے رقم ہو چکی ہے۔ اور اگر یہ نطشے ڈاروِن کا فلسفۂ ارتقا ہے مگر نوعی ہونے کے باعث دوری نہیں بلکہ ارتقائی ہے۔ پروفیسر محمد یوسف سلیم چشتی نے اس پر حسب ذیل نوٹ لکھا ہے۔ گر فکر کا خلاصہ ہو تو اسے رجوع ابدی ETERNAL RECURRENCE سمجھا جانا چاہیئے۔ جو نظام

نطشہ 'رجوع ابدی ETERNAL RECURRANCE' کا قائل ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ کائنات میں مکان، مادہ، توانائی کے سابقہ امتزاجات (خصوصاً حیوانات بلکہ انسان) بار بار عود کریں گے۔ لیکن چونکہ کوئی بات (شے) پہلے سے طے شدہ (مقدر) نہیں ہے اور یہ عود یا رجوع میکانکی بھی نہیں ہے۔ اس لئے اس تکرار کی صورت دوری (CIRCULAR) نہیں ہوگی بلکہ ارتقائی ہوگی ــــ وہ کہتا ہے کہ ہم اور تم سب بار بار پیدا ہوں گے (یعنی) اور پھر پیدا ہوں گے جس پر مرتے وقت تھے.... مگر اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کرنے کا پورا اختیار حاصل ہوگا (نئی زندگی میں)۔ ؎۲۰۲۶

کشاف اصطلاحات فلسفہ میں

ETERNAL RECURRANCE (تکرار جاودان) کی یہ تعریف کی گئی ہے
یہ تصور کہ چونکہ فطرت کی حرکی توانائیاں اور ان کے ممکنہ امتزاجات محدود ہیں جب کہ زمان لامحدود ہے لہٰذا ان امتزاجات کی دائمی تکرار جاری رہے گی۔ ؎۲۰۲۷

شعر نمبر ۱۲۰۰ تا شعر نمبر ۱۲۰۷ : وقت پر جہاں میں سمندر کی طرح رواں ہے لیکن آنسوئے افلاک معاملہ مختلف ہے۔ کسی جگہ ایک ماہ، سال کے برابر ہے کسی جگہ ایک دم۔ عقل اس جگہ پر فن مولا ہے لیکن وہاں بے بس اور بے کار ــــ وجہ اس مقام کا لامکان ہونا ہے۔

شعر نمبر ۱۲۰۸ : انکارِ خدا کے ساتھ آرزومندی، مستقل بے قراری ہی کو جنم دے سکتی ہے لو دیتی ہے۔

؎۲۰۲۵ اقبال کے حضور صـ ۶۵ الیضاً ؎۲۰۲۶ شرح جاوید نامہ صـ ۹۸۰ الیضاً
؎۲۰۲۷ کشاف اصطلاحات فلسفہ صـ ۱۰۰ ڈاکٹر قاضی عبدالغفار ــ الیضاً ــ

اس لئے کہ حقیقی روحانی سکون ایک بندۂ مقرر اللہ کی یاد ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ [الرعد: ۲۸] آن دلے گر ے کہ دارد در کنار پیشِ یزداں ہم نمی گیرد قرار [کلیات اقبال فارسی ص۵۷۵]

من بہ رومی گفتم این دیوانہ کیست — گفت این فرزانۂ المانوی ست
۱۲۱۰ در میان این دو عالم جائے اوست — نغمۂ دیرینہ اندر نائے اوست
باز این حلاج بے دار و رسن — نوعِ دیگر گفتہ آن حرفِ کہن
حرفِ او بے باک و افکارش عظیم — غربیان از تیغِ گفتارش دو نیم
۱۲۱۳ ہم نشین بر جذبۂ او پے نہ برد — بندۂ مجذوب را مجنون شمرد
عاقلان از عشق و مستی بے نصیب — نبضِ او دادند در دستِ طبیب
با پزشکاں چیست غیر از ریو و رنگ — وائے مجذوبے کہ زاد اندر فرنگ
(۲۰۹) ابنِ سینا بر بیاضے دل نہد — رگ زند یا حبِ خواب آور دہد

۱۲۱۶ — بود حلاجے بشہرِ خود غریب
جاں ز ملا برد و کشتش اورا طبیب

حواشی و تعلیقات : شعر نمبر ۱۲۱۰ — مراد اعراف، اس لئے کہ بقول علامہ اقبال "گو منزل سے اہلِ خرد کا مقام ہے اعراف" ۲۰۲۹۔ نغمۂ دیرینہ یا حرف کہن: مراد اَنَا الْحَق — بطرزِ دگر نٹشے اپنی ایک تصنیف میں اپنے ایک کردار کے منہ سے کہلواتا ہے

"کیا ہم خود خدا نہیں بن سکتے؟ اتنا عظیم کارنامہ اس سے قبل ظہور پذیر نہیں ہوا۔ اگر یہ کارنامہ انجام پا جائے تو ہمارے بعد آنے والے اپنے آپ کو تاریخ کے ایک اعلیٰ اور ارفع دور میں پائیں گے۔ ایسا دور آج تک صفحۂ کائنات پر رونما نہیں ہوا ہوگا" ۲۰۳۰ یہ نظریۂ فوق البشر ہے

شعر نمبر ۱۲۱۳ — مجذوب : وہ ہے کہ جس پر جذبۂ الٰہی ایسا طاری ہو کہ ایک آن میں اسے واصل بحق کر دے اور تمام مقامات عروج بلا کسب و مجاہدہ اس کے طے ہو جائیں اور وہ مستغرق و مجذوبات ہو جائے اور اس عالم سے بالکل بے خبر ہو جائے، بحرِ عشق اور دریائے توحید میں مست و بے خود ہو جائے۔ اس وجہ سے ان پر قانونِ شریعت نافذ نہیں ہوتا ہے۔ ہمیشہ یہ حالتِ سُکر میں رہتے ہیں اور مقام بقاء بعد الفناء میں نہیں آتے اور صحو بعد المحو اور جمع الجمع میں ورود نہیں کرتے اسی لئے یہ ناقص رہتے ہیں اور محققین صوفیاء ان کو کامل نہیں مانتے کیونکہ کمال یہ ہے کہ بعد فنائیت کے خلق کی طرف نزول کرے اور مقام عبدیت میں آکر جو سب سے ارفع مقام ہے خلق کو نفع پہنچائے اور رجالِ غیب و وارثِ ختم الانبیاء بنے" ۲۰۳۱ — ظاہر ہے منکرِ خدا سے مجذوبیت کا یہ تصور بالکلیہ منسوب تو نہیں ہو سکتا ہے۔ ہاں البتہ مجذوب کے ساتھ "ناقص ہونے" کا معاملہ البتہ علامہ کے پیشِ نظر تھا اس لئے کہ وہ اس مجذوب فرنگی کو کسی مجدد الف ثانیؒ کی قیادت و رہنمائی اور خود اپنے حوالے سے مقام کبریا دکھانے کی بات کرتے ہیں۔

پزشک : طبیب، معالج، جراح۔ **ریو و رنگ :** حیلۂ طبیبانہ۔ **بیاض :** پوتھی، کتاب المفردات۔

۲۰۲۹ کلیات اقبال اردو ص۳۷۰ [بال جبریل: ۶۰]۔ ۲۰۳۰ اقبال اور مغربی مفکرین ص۱۰۶ جگن ناتھ آزاد۔ ایضاً۔
۲۰۳۱ اصطلاحات صوفیہ، شاہ محمد عبد الصمد ص۱۴۳ ایضاً۔

(۲۰۹) **ابن سینا۔ بو علی** ۔ نامور طبیب اور مفکر، شیخ الرئیس ابو علی بن حسین بن عبداللہ بن سینا
تاریخ ولادت خرمیثن (بخارا) ۳۷۰ھ مطابق ۹۸۰ء ہے۔ کمال ریاضی دان، نامور طبیب، عظیم فلسفی اور
بلا کا ذہین آدمی تھا۔ باپ سامانیوں کے دربار میں اچھے خاصے عہدے پر فائز تھا اس لئے بو علی سینا کو علوم المثال سے
شاہی کتب خانے کے تمام نوادر سے استفادہ کا موقع ملا۔ جب شہرت عام ہوئی تو بو علی، سلطان محمود غزنوی کے
معاصر مامون بن مامون خوارزم شاہ کے دربار سے منسلک ہو گیا۔
شیخ نے منطق سے متعلق رسالہ کے شروع میں اپنے احوال لکھے ہیں جنہیں ان کے
ایک لائق شاگرد نے مکمل کر دیا۔ ۴۲۸ھ بمطابق ۱۰۳۷ء، ہمدان میں وفات پائی۔ شیخ کی تصانیف ۹۹ اور ۲۵۰
کے درمیان بتائی جاتی ہیں۔ بیشتر مابعد الطبیعات، الٰہیات اور ریاضیات سے متعلق ہیں اور عربی میں ہیں۔
طب پر ان کی کتاب قانون صدیوں تک مشرق و مغرب کے درسوں میں پڑھائی جاتی رہی ہے۔ فلسفہ پر الشفا
منطق پر الاشارات والتنبیہات اور مابعد الطبیعات پر النجاۃ، بہت مشہور ہیں۔ فارسی میں شیخ کا رسالہ دانش نامہ
علائی، جو علاؤ الدولہ سے منسوب ہے علمی اصطلاحات کے فارسی ترجمہ پر مشتمل ہے ۲۰۳۲ اپنے مقالہ پی ایچ ڈی ایران
میں مابعد الطبیعات میں علامہ نے (فلسفہ عجم، اردو ترجمہ حسن الدین، میں) شیخ کے ایک رسالہ فی العشق کا حوالہ بھی دیا ہے جو
بقول ان کے، فطرت میں عشق کے عالمگیر اثرات پر شیخ کے خیالات کا مظہر ہے اور صوفیانہ افکار جاننے کے لئے
اہم ہے۔

شعر نمبر ۱۲۱۷ ۔ علامہ نے اپنے ایک مضمون McTaggart's Philosophy، میں اس شعر کا حوالہ خود دیا ہے
وہ لکھتے ہیں - A more serious thing happened to poor Nietzche
whose peculiar intellectual environment led him
to think that his vision of the ultimate ego could
be realised in the world of space and time.
What grows only out of the inner depths of the
heart of man he proposed to create by an
artificial biological experiments. He was taken
as a mad man, and was placed in the hands
of those who administer drugs and mixture.
As I said of him in my Javaid Nama.

بود حلاجے بہ شہر خود غریب
جاں ز ملا برد و کشت اورا طبیب ۲۰۳۳

غریب نطشے کو اس کے مخصوص تعقل نے سنجیدگی سے یہ سوچنے پر لگا یا کہ خودی مطلق کی بصیرت زمان و مکان کی
دنیا میں محسوس کی جا سکتی ہے۔ انسانی دل کی اندرونی گہرائیوں سے جو چیز اجاگر ہوتی ہے۔ اس کے لئے اس نے خود ساختہ

۲۰۳۲ شخصیات مالن انسائیکلو پیڈیا ص ۵۵/۵۶ الیضاً، تلمیحات اقبال عابد ص ۹۵/۹۶ الیضاً ۔ دائرہ معارف اقبال
ملک حسن اختر ص ۳۱ الیضاً۔

Speeches writings and Statements of Iqbal Latif Ahmad Sherwani ۲۰۳۳
pp 186-77, Iqbal Academy Pakistan 4th Edition 1995.

حیاتی تجربہ سے تخلیق کی تجویز دی۔ اسے ایک پاگل آدمی سمجھ کر معالجین کے حوالے کر دیا گیا۔ جیسا کہ رومی نے اپنے جاوید نامے میں اس کے بارے میں کہا ہے۔

"ایک حلاج اپنے ہی وطن میں اجنبی تھا۔ جو ملاؤں
کے وار سے بچ گیا لیکن جسے طبیبوں نے مار ڈالا"

علامہ نے پروفیسر نکلسن کے نام اپنے مکتوب میں بھی نٹشے کے "انسانِ کامل" اور اپنے "انسانِ کامل" کے فرق کے ساتھ اپنے اور نٹشے کے فلسفۂ سخت کوشی کے فرق کو واضح کیا ہے۔

... بعض انگریز تنقید نگاروں نے اس سطحی تشابہ اور تماثل سے جو میرے اور نٹشے کے خیالات میں پایا جاتا ہے۔ دھوکہ کھایا ہے اور غلط راہ پر پڑ گئے ہیں ...... وہ انسان کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکا (ڈکنسن) یہی وجہ ہے کہ اس نے خلط بحث کر کے میرے انسانِ کامل اور جرمن مفکر کے فوق الانسان کو ایک ہی چیز فرض کر لیا ہے۔ میں نے آج سے تقریباً بیس سال قبل انسانِ کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ تو نٹشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا نہ اس کی کتابیں میری نظروں سے گزری تھیں ...
....
میں روحانی قوت کا تو قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا۔ جب ایک قوم کو حق و صداقت کی حمایت میں دعوت پیکار دی جائے تو میرے عقیدے کی رو سے اس دعوت پر لبیک کہنا اس کا فرض ہے۔ لیکن میں ان تمام جنگوں کو مردود سمجھتا ہوں جن کا مقصد محض کشور کشائی اور ملک گیری ہو ...
....
مسٹر ڈکنسن نے آگے چل کر میرے فلسفۂ سخت کوشی کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس باب میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا مدار علیہ وہ خیالات ہیں جو میں نے حقیقت کے متعلق اپنی نظموں میں ظاہر کیے ہیں۔ میرے عقیدے میں حقیقت ایسے اجزا کا مجموعہ ہے۔ جو تصادم کے واسطہ سے ربط و امتزاج پیدا کر کے کل کی صورت میں تبدیلی کی سعی کر رہے ہیں اور یہ تصادم لامحالہ ان کی شیرازہ بندی اور ارتباط پر منتج ہوگا۔ دراصل بقائے شخصی اور زندگی کے علو و ارتقاء کے لئے تصادم نہایت ضروری ہے۔ نٹشے بقائے شخصی کا منکر ہے ؎۲۰۳۲

؎۲۰۳۲ اقبال اور لذت پیکار ص ۱۰۷ تا ص ۱۱۲ (انتخاب) حق نواز اقبال اکادمی پاکستان لاہور طبع اول نومبر ۱۹۸۲ء

مرد رہ دانے نبود اندر فرنگ / بس فزوں شد نغمہ اش از تار چنگ
راہرو را کس نشاں از رہ نداد / صد خلل در واردات او فتاد
نقد بود و کس عیار او نہ کرد / کار دانے مرد کار او را نہ کرد
عاشقے در آہ خود گم گشتۂ / سالکے در راہ خود گم گشتۂ
۱۲۲۲ - مستی او ہر زجاجے را شکست / از خدا ببرید و ہم از خود گسست
خواست تا بیند بچشم ظاہری / اختلاط قاہری با دلبری
خواست تا از آب و گل آید بروں / خوشۂ کز کشت دل آید بروں
آنچہ او جوید مقام کبریاست / ایں مقام از عقل و حکمت ماوراست
زندگی شرح اشارات خودی ست / لا و الا از مقامات خودی ست
۱۲۲۷ - او بہ لا درماند و تا الا نہ رفت / از مقام عبدہ بیگانہ رفت
با تجلی ہم کنار و بے خبر / دور تر چوں میوہ از بیخ شجر
چشم او جز رویت آدم نخواست / نعرہ بے باکانہ زد آدم کجاست
ورنہ او از خاکیاں بیزار بود / مثل موسیٰؑ طالب دیدار بود
۱۲۳۱ - کاش بودے در زمان احمدے (۲۱۰) / تا رسیدے بر سرور سرمدے
عقل او با خویشتن در گفتگوست / تو رہ خود رو کہ راہ خود نکوست
۱۲۳۳ - پیش نہ گامے کہ آمد آں مقام
"کاندرو بے حرف می روید کلام"

حواشی و تعلیقات

شعر نمبر ۱۲۲۲ - از خدا ببرید۔۔ ۔ دراصل خودی نام ہے۔ اُس بے خودی کا جو اپنے "مقصودِ وجود" کو جزوِ فطرت بنانے سے میسر آتی ہے۔ یہ "مقصد" اگر نفسی تقاضوں سے پھوٹتا ہے تو انسان، حیوانات ہی کی صف میں رہتا ہے۔ احسن تقویم میں ہونے کے اعزاز کو نہیں پا سکتا۔ نفسی تقاضوں کی تکمیل، نفسی تقاضوں کے اتباعِ محض سے ہو تو انسان محض حیوان رہتا ہے اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ؂۲۰۳۵ اسے اس اسفل سافلین سے اٹھانے کے لئے خالق ہی کے اوامر و نواہی کی ضرورت ہے۔ تاکہ انسان، دیگر مظاہرِ فطرت کی طرح خلق و امر کے مالک کی اطاعت سے بھی بہرہ ور ہو اور ایک باشعور اور صاحبِ ارادہ شخصیت کا مالک بھی بن سکے۔ اللہ کا انکار۔ نفسی تقاضوں کی اسیری کی طرف رجعت ہے اس لئے "خود" کو بھی گم کر دینے کے مترادف ہے۔ ملاحظہ ہوں تعلیقات نمبر ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۵۔

؂۲۰۳۵ الاعراف: ۱۷۹

شعر نمبر ۱۲۱۷ ۔ مقام عبیدہ: ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۸،

لا ۔ جلال ہے اور الّا جمال، لا سلبی قوت ہے تو الّا ایجابی

علامہ نے اول الذکر کو قاہری سے اور ثانی الذکر کو دلبری سے تعبیر کیا ہے ۔ نطشے ان کا دلدادہ

جانتا تھا لیکن لا ہی میں پھنس کر رہ گیا ۔ اور خودی کے اگلے اور ارفع مقام الّا کی طرف

اڑان نہ پا سکا ۔ اس لئے مقام عبدہٗ سے بیگانہ رہا ۔ ورنہ وہ بھی حضرتِ موسیٰؑ کی طرح طالب دیدار

تھا ۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ خاکیوں میں آدم کی تلاش کر رہا تھا جو خلافت ارضی کا

بوجھ اٹھا سکے

(۲۱۰) **شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ:** آپ شیخ عبدالاحد فاروقیؒ کے ہاں بمقام

سرہند ۹۷۱ھ/۱۵۶۴ء (۹۷۱ھ ماہ شوال کی ۱۲ کو) پیدا ہوئے ۔ سترہ برس کی عمر تک متداول علوم کی تحصیل سے فارغ

ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہوئے ۔ خواجہ باقی باللہؒ نے سلسلۂ نقشبندیہ میں طریقت کے درجات

طے کرائے بلکہ تو آپؒ نے وحدت الوجود کے تصور پیوستن کو رہبانیت یا عجمیت ثابت کیا اور

گسستن کو عین اسلام بنایا ع۲۰۳۶ یہ نظریۂ وحدت الشہود کا اجمال ہے ۔ علامہ اسی کے والہ و

شیدا رہے ۔ یہی عقیدت ہے کہ اقبال ان کو سمجھاتا مقام گردانتا ہے ۔ اور "تار سید بر سرور کرد ہے" میں ملحوظ ہے ۔

دوسرے اسی وحدت الوجودی تصوف کے سیاسی شاہکار، اکبر کے دین الٰہی کو

چیلنج کیا ۔ اکبر کے بعد جہانگیر کے عہد میں بھی آپؒ کی یہ سیاسی خدمات بدستور جاری

رہیں ۔ جیسے بغاوت کے خوف سے تعبیر کرکے آپؒ کو قلعہ گوالیار میں بنام تحفظ اسیر

کیا گیا ۔ لیکن پھر چند سے بعد رہا کر دیا گیا ۔ علامہ نے ہر دو حوالے سے آپؒ کو

"ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان" لکھا ع۲۰۳۷ متعدد تصانیف ہیں مثلاً رد شیعہ، مبداء و معاد، معارف لدنیہ

شیخ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مقبول تالیف آپؒ کے مکتوبات ہیں ۔ عوارف المعارف کی

تعلیقات اور خواجہ باقی باللہ کی رباعیات کا مجموعہ بھی یادگار ہیں ع۲۰۳۸ ۲۷ صفر ۱۰۳۴ھ کو وفات پائی ۔

شعر نمبر ۱۲۳۳ ۔ کانزوِ بے حرف --- مثنوی مولانا روم دفتر اول ص۳۲۳ کے شعر مرمز کا مصرعہ دوم ہے

شعر یہ ہے

اے خدا جاں را تو بنما آں مقام

کاندرو بے حرف می روید کلام ۔

ع۲۰۳۶ ۔ تعلیمات مکاتیب اقبال برنی جلد اول ص۴۵۹ (مکتوب بنام خواجہ حسن نظامی ۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵)

ع۲۰۳۷ ۔ کلیات اقبال اردو ص۴۵۹ (بال جبریل: پنجاب کے پیرزادوں سے) ۔ ع۲۰۳۸ تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم

ندوۃ العلماء لکھنؤ طبع اول ۱۹۸۰ء ۔۔ دائرہ معارف اقبال ملک حسن اختر ص۲۲۳، تلمیحات اقبال عابد ص۲۲۲

مطالعہ تلمیحات اقبال ۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی ص۳۳۲ ۔ ایضاً ۔۔۔۔

حرکت بجنت الفردوس (۲۱۱)

درگذشتم از حد این کائنات — پا نهادم در جهان بے جهات
بے یمین و بے یسار است این جهاں — فارغ از لیل و نهار است این جهاں
پیش او قندیل ادراکم فسرد — حرف من از هیبت معنی بمرد

۱۲۲۷ - با زبان آب و گل گفتار جاں
در قفس پرواز می آید گراں

اندکے اندر جهان دل نگر — تا درو خود مشوی روشن بصر
۱۲۲۹ - چیست دل یک عالم بے رنگ و بو — عالم بے رنگ و بوے چار سو
ساکن و هر لحظه سیار است دل — عالم احوال و افکار است دل
۱۲۳۱ - از حقائق تا حقائق رفته عقل — سیر او بے جاده و رفتار و نقل
صد خیال و هر یک از دیگر جدا — ایں یکے دروں آشنا آں نارساست
کس نہ گوید این کہ گردوں آشناست — بر یمین آں خیال نارساست
یا سرورے آید از دیدار دوست — نیم گامے از هواے کوے دوست
چشم تو بیدار باشد یا بخواب — دل بہ بند بے شعاع آفتاب

آں جهاں را بر جهان دل شناس
من چہ گویم زاں چہ ناید در قیاس

اندراں عالم جهانے دیگرے — اصل او از کن فکانے دیگرے
لازوال و هر زماں نوع دگر — ناید اندر وهم و آید در نظر
هر زماں او را تماشے دیگرے — هر زماں او را جهانے دیگرے
روزگارش بے نیاز از ماه و مهر — گنجد اندر ساعت او نہ سپهر
هرچہ در غیب است آید رو برو — پیش ازاں کز دل برآید آرزو
در زبان خود چساں گویم کہ چیست — ایں جهاں نور و حضور و زندگیست
لاله ها آسوده در کهسار ها — نهر ها گردنده در گلزار ها
غنچه هاے سرخ و اسپید و کبود — از دم قدوسیاں او را گشود
آب ها سیمیں هوا ها عنبریں — قصر ها با قبه هاے زمردیں

گنبدہا یاقوت گون زریں طناب — شاہدان با طلعتِ آئینہ تاب

۱۲۵۷ - گفت رومی اے گرفتارِ قیاس — درگذر از اعتباراتِ حواس

(۲۱۲) از عملہائے ما است خوب و زشت — می شود آن دوزخ این گردد بہشت

(۲۱۳) این کہ بینی قصرہائے رنگ رنگ — اصلش از اعمال و نے از خشت و سنگ

آنچہ خوانی کوثر و غلمان و حور — جلوۂ این عالمِ جذب و سرور

۱۲۶۱ - زندگی این جا ز دیدار است و بس

ذوقِ دیدار است و گفتار است و بس

حواشی و تعلیقات : (۲۱۱) فردوس : ارباب لغت لکھتے ہیں کہ بہشت آٹھ ہیں اور سب سے بلند و اعلیٰ بہشت فردوس ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱- خُلد ۲- دار السلام ۳- دار القرار ۴- جنتِ عدن
۵- جنت الماویٰ ۶- جنت النعیم ۷- علیین ۸- فردوس ؎ ۲۰۳۹

صاحب غیاث اللغات لکھتے ہیں۔ بعضے گفتہ کہ طبقۂ اعلائے بہشت و بوستانے کہ آنچہ در ہمہ بوستانہا بود دراں موجود باشد از درختِ انگور و خرما و جزآن - از منتخب

و برہان نوشتہ کہ فردوس : معربِ پردوس کذا فی التاریخ البیہقی۔ و در قاموس گوید کہ فردوس بستانیکہ درو موجود بود آنچہ در ہمہ بساتین بود - دراصل عربی است یا رومی یا سریانی کہ بہ عربی نقل کردہ اند ، و نیز گفتہ کہ فردوسیہ بمعنی وسعت و فراخی ، و منہ الفردوس۔ ؎ ۲۰۴۰

شعر نمبر ۱۲۴۷ - ماخذ یہ آیتِ کریمہ ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ؎ ۲۰۴۱ اس کی پاکی بولتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین ، اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز نہیں جو نہ سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے۔ **ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے** ، بے شک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔

شعر نمبر ۱۲۴۹ — دل : وہ لطیفۂ روحانی اور لطیفۂ ربانی ہے وہی حقیقتِ انسانی ہے جس نے دل کو پہچانا اس نے خدا کو پالیا - اور جو دل تک پہنچ گیا خدا رسیدہ ہوگیا۔ دل مظہرِ جمال و جلال ہے۔ دل آشیانہ ذاتِ لازوال ہے ؎ ۲۰۴۲ پس ذاتِ لازوال کی طرح یہ آشیان بھی سمت و جہت سے وراء الورا ہے۔ جنت قیاس سے تو سمجھ میں آ نہیں سکتا ہے - دل کی مثال سے سمجھ لو۔

شعر نمبر ۱۲۱ ، شعر نمبر ۱۲۵۷ - عقل [قیاس و اعتباراتِ حواس : ملاحظہ ہو تعلیقات نمبر ۷ ، ۲۷ ،

؎ ۲۰۳۹ تلمیحاتِ اقبال ص ۸۰۱ عابد ، الیضاً ؎ ۲۰۴۰ غیاث اللغات فارسی ص ۳۶۷ - الیضاً
؎ ۲۰۴۱ بنی اسرائیل : ۴۴ ؎ ۲۰۴۲ اصطلاحاتِ صوفیہ ، شاہ محمد عبد الصمد ص ۶۱ الیضاً -

۲۸، ۳۲، یہاں اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ عقل، ذریعۂ علم نہیں علم کے ذرائع حواس و مدرکات باطنی و ظاہری ہیں — حواس — سے عقل قیاس کرتی اور حکم لگاتی ہے — حواس — بے جادہ و بے ارادہ علم کے ذرائع ہیں۔ اس لئے عقل کے سینکڑوں خیالات اور ہر ایک مختلف بعض اوقات برعکس لئے ہوئے حواس کی تعبیر، متبدل و متغیر ہے۔ اور جنت تو قیاس سے بھی وراء الورا ہے۔

(۲۱۲) **تجلّی:** روشن و آشکارا کردن، اور ایرانیوں کے ہاں غلبۂ نورِ الٰہی کا کنایہ ہے۔ [بحوالہ حضرت موسیٰؑ اور کوہ طور] تصوف کی اصطلاح میں اس کے معنیٰ بہت پیچدار ہیں۔

"تاثیر انوار حق را باشد بحکم اقبال بر دلِ مُقبلان کہ بداں شائستۂ آں شوند کہ بدل مرحق بہ بینند" [تجلّی (ماخوذ) بہ نقل از فرہنگ مصطلحاتِ صوفیہ، ضمیمہ تاریخ تصوف در اسلام۔ قاسم غنی]،

یہ مفہوم کہ غلبۂ نور بحکم اقبال ہوتا ہے۔ اقبال کے تصورِ الہام سے بہت قریب ہے کہ اس کے خیال میں حکیم، الہامی کیفیت کی کلیت کو قبول کرنے پر مجبور ہے۔ وہ یہ نہیں کر سکتا کہ جو پہلو ناپسند ہوں اس کو مسترد کر دے۔ ۲۰۲۳ء

تجلّی کا قرآنی حوالہ سورۃ الاعراف آیت ۱۴۳ ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا: پھر جب اس (موسیٰؑ) کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا (جلوہ ڈالا) اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گرا۔

(۲۱۳) **اصلش از اعمال وے از خشت و سنگ:** [تصورِ جنت و دوزخ]: علامہ کے نزدیک جنت دوزخ انسان کی اپنی کمائی ہے۔ جس طرح بقول ان کے یہ دنیا عمل ہی سے۔ جہنم یا جنت بنتی ہے [بحوالہ درد و کرب اور سکون و مسرت] [عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے ۲۰۲۴ء]

اسی طرح مرنے کے بعد کی زندگی کا حال ہے۔ بانگ درا کی ایک نظم "سیرِ فلک" میں علامہ ایک مقام خنک دیکھتے ہیں اور فرشتے سے پوچھتے ہیں اس کی کیفیت۔ جواب ملتا ہے۔

یہ مقام خنک جہنم ہے   نار سے نور سے تہی آغوش
شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے   جن سے لرزاں ہیں مردِ عبرت کوش

اہلِ دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگارے ساتھ لاتے ہیں ۲۰۲۵ء

تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، کے چوتھے خطبہ "خودی، جبر و قدر، حیات بعد الموت" میں لکھا

"قرآن مجید کی تعلیمات اس باب میں بہرحال یہ ہیں کہ بعث بعد الموت پر انسان کی بصارت تیز ہو جائے گی [ق:۲۱: فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ] [وہ اپنی گردن میں خود اپنی تیار کردہ قسمت کا حال آویزاں پائے گا [وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا: بنی اسرائیل: ۱۳]۔

۲۰۲۳ء تلمیحات اقبال، عابد ص ۲۸۱/۲۸۰ الیضاً ۲۰۲۴ء کلیات اقبال اردو، ص ۲۷۰ [بانگ درا: طلوع اسلام]
۲۰۲۵ء الیضاً ص ۱۲۶/۱۲۵ [الیضاً: سیر فلک]۔

پیش آئیں مقامات ہمی سجدہ گزار ذانکہ چیزے نرگل دوزخ و اعراف و بہشت (حیات ماوراء ص۵۹ جاوید نامہ)

"جنت اور دوزخ اس کے احوال ہیں، مقامات یعنی کسی جگہ کا نام نہیں ہیں۔

چنانچہ قرآن پاک میں ان کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ ایک داخلی حقیقت، یعنی انسان کے اندرونی احوال کا نقشہ ان کی آنکھوں میں پھر جائے۔ جیسا کہ دوزخ کے بارے میں ارشاد ہے، اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں تک پہنچتی ہے ۲۰۲۶ [نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ (ھمزہ: ۶) بہ الفاظ دیگر وہ انسان کے اندر بہ حیثیت انسان اپنی ناکامی کا درد انگیز احساس ہے۔ جیسے بہشت کا مطلب ہے فنا اور ہلاکت کی قوتوں پر غلبے اور کامرانی کی مسرت۔

اسلام نے انسان کو ابدی لعنت کا مستحق نہیں ٹھہرایا چنانچہ قرآن مجید نے لفظ خلود کی تشریح دوسری آیات میں اس طرح کر دی ہے کہ اس سے مراد محض ایک مدت زمانی (لٰبِثِیْنَ فِیْهَاۤ اَحْقَابًا (النباء:۲۳)]..... اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جہنم بھی کوئی ھاویہ [ما ادراک ماھیہ نار حامیہ (القارعۃ: ۱۰، ۱۱)] نہیں جیسے کسی منتقم خدا نے اس لئے تیار کر رکھا ہے کہ گنہ گار ہمیشہ اس میں گرفتار عذاب رہیں۔ وہ درحقیقت تادیب کا ایک عمل ہے تاکہ جو خودی پتھر کی طرح سخت ہو گئی ہے وہ پھر رحمت خداوندی کی نسیم جانفزا کا اثر قبول کر سکے۔ لہذا جنت بھی لطف و عیش یا آرام و تعطل کی کوئی حالت نہیں ....." ۲۰۲۷

مترجم سید نذیر نیازی نے کفر کیات ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد بے حوالہ نقل کیا ہے۔ لیکن میرے خیال میں اس سے علامہ کے تخیل کی تائید نہیں ہوتی۔ صوفیانہ اصطلاح "مقام و حال" ایک دوسرے کی ضد نہیں کہ حال ہو تو وہ مقام نہ ہوگا۔ بہرحال شاہ صاحب کا مذکورہ بالا قول حسب ذیل ہے

"ایک عالم محسوسات کا ہے ایک عالم اور ایک امثال کا۔ عالم امثال میں محسوس عین اور عین محسوس کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ جنت اور دوزخ کا تعلق بھی عالم امثال سے ہے۔ گویا وہ احوال بھی ہیں اور مقامات بھی" ۲۰۲۸

شعر نمبر ۱۲۶۱ — دیدار۔ ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۹۹۔

۲۰۲۶ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الآیہ: دراصل ویل لکل ھمزۃ لمزۃ کے معانی سے لگا نہیں کھاتا۔ وہ جو خود اپنی ہلاکت کا سامان کرتے ہیں ان کے لئے خرابی۔ اور وہ ہلاکت کا سامان، دولت کو گن گن کر سنبھالنا ہے۔ یہ عمل لوگوں (محروموں) کے دلوں میں آگ بھڑکاتا ہے یہ آگ اللہ کی جلائی ہوئی ہے (فطری ہے اس لئے بھڑکتی ہے)۔ اس کا تعلق دنیا سے حسد، بغض، عناد سے ہے۔ اور آخرت میں بھی بصورت عذاب۔

۲۰۲۷ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ مترجمہ سید نذیر نیازی ص ۱۵-۱۸۲

۲۰۲۸ ایضاً ص ۳۲۲ (التصریح b: جنت اور دوزخ۔)

قصر شرف النساء (۲۱۴)

گفتم این کاشانهٔ از لعل ناب / آنکه می گیرد خراج از آفتاب
این مقام این منزل این کاخ بلند / حوریان بر درگهش احرام بند
ای تو دادی سالکان را جستجوی / صاحب او کیست با من بازگوی
گفت این کاشانهٔ شرف النساست / مرغ بامش با ملائک هم نواست
قلزم ما این چنین گوهر نزاد / هیچ مادر این چنین دختر نزاد
خاک لاهور از مزارش آسمان / کس نداند راز او را در جهان
آن سراپا ذوق و شوق و درد و داغ / حاکم پنجاب را چشم و چراغ
آن فروغ دودهٔ عبدالصمد (۲۱۵) / فقر او نقشی که ماند تا ابد
تا ز قرآن پاک می سوزد وجود / از تلاوت یک نفس فارغ نبود
در کمر تیغ دو رو قرآن بدست / تن بدن هوش و حواس الله مست
خلوت و شمشیر و قرآن و نماز / ای خوش آن عمری که رفت اندر نیاز
بر لب او چون دم آخر رسید / سوی مادر دید و مشتاقانه دید
گفت اگر از راز من داری خبر / سوی این شمشیر و این قرآن نگر
این دو قوت حافظ یکدیگرند / کائنات زندگی را محور اند
اندرین عالم که میرد هر نفس / دخترت را این دو محرم بود و بس
وقت رخصت با تو دارم این سخن / تیغ و قرآن را جدا از من مکن
دل بآن حرفی که می گویم بنه / قبر من بی گنبد و قندیل به

مومنان را تیغ با قرآن بس است
تربت ما را همین سامان بس است

عمرها در زیر این زرین قباب / بر مزارش بود شمشیر و کتاب
مرقدش اندر جهان بی ثبات / اهل حق را داد پیغام حیات
تا مسلمان کرد با خود آنچه کرد / گردش دوران بساطش در نورد ۱۲۸۲
مرد حق از غیر حق اندیشه کرد / شیر مولا روبهی را پیشه کرد ۱۲۸۳

از دلش تاب و تبِ سیماب رفت — خود بدانی آنچه بر پنجاب رفت
۱۲۸۵ — خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد — اندراں کشورِ مسلمانی بمرد"

حواشی و تعلیقات:

(۲۱۴) شرف النساء: ابوالفتح روشن اختر محمد شاہ کے زمانہ میں پنجاب کے حالات بہت بگڑ چکے تھے۔ سکھوں کی طاقت بتدریج بڑھ رہی تھی۔ نواب عبدالصمد خان دلیر جنگ جو مغلوں کی طرف سے پنجاب کا حاکم تھا۔ ان کی سرکوبی کرتا رہا، لیکن اس کے باوصف صوبہ میں کاملاً امن قائم نہیں ہوتا تھا۔ نواب عبدالصمد خان جو اصلاً تورانی تھا فرخ سیر ہی کے زمانے میں اپنی شجاعت اور تدبر کی دھاک بٹھا چکا تھا اور فرخ سیر ہی کے زمانہ میں اس نے کئی بار سکھوں کے سردار بندہ [بیراگی۔ اصلی نام لچھمن دیو تھا قوم کا راجپوت راجوڑی پونچھ کشمیر کا باشندہ تھا جوانی ہی میں بیراگی ہو گیا اور دریائے گوداوری کے کنارے رہا کرتا تھا۔ گورو گوبند صاحب جب دکن گئے تو ان کی ملاقات اس سے ہوئی انہوں نے اسے رہنا مشن جاری رکھنے کا اپدیش دیا اور اسے سکھوں کا فوجی رہنما مقرر کیا۔ بندہ بیراگی پنجاب چلا آیا اور سکھوں کی ایک بڑی جمعیت اکٹھی کر کے مغلیہ علاقوں پر چھاپے مارنے لگا۔ سرہند (جمنا اور ستلج کے درمیانی علاقہ) کو اس نے تباہ و برباد کر ڈالا۔ مسلمانوں کا قتل عام، عورتوں کی بے حرمتی، بچوں کا بے رحمانہ قتل لوٹ مار جاری رکھی۔ سکھ مذہب میں ترمیم کرنے کی ٹھانی تو سکھوں نے علیحدگی اختیار کی ۱۷۱۶ء میں فرخ سیر ہی کے زمانہ میں آٹھ سو سپاہیوں سمیت گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا] ۲۰۴۹ کو شکست دی۔ عبدالصمد کی وفات پر اس کے بھائی محمد اکمل خان کو خلعت دیا گیا اور اس کے بیٹے زکریا خان کو خان بہادر کا خطاب دے کر لاہور اور ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ شرف النساء بیگم اسی زکریا خان کی لختِ جگر تھی۔ وہ روزانہ علی الصبح ایک بلند چبوترے پر بیٹھ کر خوش الحانی سے تلاوت قرآن کرتی تھی۔ تلاوت سے فارغ ہو کر تلوار قرآن کریم کے پاس رکھ کر حجرہ سے نکل آتی۔ مرنے سے پہلے اس نے وصیت کی کہ قرآن مجید اور تلوار میری قبر پر رکھ دئے جائیں۔ ۱۷۷۰ء میں فوت ہوئی اور لاہور کے علاقہ بیگم پورہ میں دفن ہوئی شالامار کے نزدیک کا یہ علاقہ موصوفہ ہی کے نام پر بیگم پورہ کہلاتا ہے اور اس کے مقبرے کو سرو کے درختوں میں گھرا ہے سرو والا مقبرہ کہتے ہیں۔

اپنے زمانۂ عروج میں جب سکھوں کو معلوم ہوا کہ شرف النساء کے مقبرہ میں جواہر نگار مرصع تلوار ہے تو وہ مقبرہ میں داخل ہو گئے اور تلوار اور قرآن مجید لے گئے۔ علامہ نے اس دور کو تاریخی فیصلے سے تعبیر کیا۔ "تا مسلماں کرد با خود آنچہ کرد"[۲۰۵۰] "خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد" اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۲۱۵) عبدالصمد: نواب دلیر جنگ: خواجہ خاوند محمود المشہور بہ حضرت ایشاں

۲۰۴۹ ہیرو لوزن تاریخ ہند و پاک ص ۱۹۱/۱۹۰ الیضاً ۲۰۵۰ تلمیحات اقبال عابد ص ۴۷۹ بحوالہ تاریخ پنجاب از کنہیا لال ملخص۔ جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ڈاکٹر محمد ریاض ص ۱۷۷/۱۷۸ الیضاً، اقبال شعاعے عدور نگ ڈاکٹر سلیم اختر ص ۲۱۹-۲۲۱ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۸ء بحوالہ مقتبسات چشتی ص ۴۴۴، تاریخ کنہیا لال ص ۹۳ (بیگم پورہ میں سکھوں کا لوٹ مار)۔ مطالعہ تلمیحات اقبال فرمانی ص ۲۲۷۔ الیضاً۔

۲۰۵۱ء

قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے [تحقیقات چشتی ص۴۲۲] جو عہد جہانگیر و شاہجہان کے با شریعت نقشبندی بزرگ تھے۔
علامہ نے اسی لئے عبدالصمد کے لئے "فقر او نقشے کہ ماند تا ابد" استعمال کیا۔
جیسا کہ اوپر بذیل تعلیقہ ۲۱۲، عرض کیا گیا پنجاب کے حاکم تھے۔ مطالعہ تلمیحات اقبال کے مصنف لکھتے ہیں
عبدالصمد خان الملقب بہ نواب شمس الدولہ بہادر جنگ ولد خواجہ عبدالکریم، خواجہ عبداللہ احرارؒ کی اولاد
سے تھے [یہ بھی نقشبندیہ سلسلہ کے بلند مرتبہ ولی اللہ اور حضرت الشیانؒ کی اولاد سے تھے] ان کے والد سمرقندی
تھے مگر یہ آگرے میں پیدا ہوئے بچپن میں سمرقند میں والد کے ساتھ جا کر تحصیل علم سے فارغ ہوئے اور بعہد اورنگزیب
واپس آئے۔ ششش صدی کا منصب ملا اور چند ہی روز میں پانزدہ صدی پر ترقی ہوئی۔ خان کا خطاب عطا ہوا
جہاندار شاہ کے عہد میں ہفت ہزاری منصب اور دلاور جنگ کا خطاب ملا۔ فرخ سیر کے عہد میں لاہور کے
صوبے دار مقرر ہوئے سکھوں کے سردار بندہ بیراگی کو گرفتار کیا تو محمد شاہ نے ملتان کی صوبیداری دی اور
شمس الدولہ کا خطاب دیا ۱۱۳۹ھ میں انتقال ہوا۔^۲۰۵۲

ڈاکٹر سلیم اختر نے "بیگم پورہ" کا انتساب، نواب عبدالصمد کی ملکۂ عالیہ سے قرار دیا ہے۔ ان کے
بقول ملکہ کی وصیت کے مطابق ان کے ذاتی زیورات فروخت کر کے شاہ چراغ دہلویؒ کے مزار کی تعمیر کرائی
گئی۔ الیسے والدین کے ہاں شرف النساء نے جنم لیا تو قرآن مجید اور تلوار سے یہ شغف کسی
اچنبھے کی بات نہ رہی۔^۲۰۵۳ ؎ ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی فاطمہ بنت عبداللہ عرب لڑکی
کے لیے کہا گیا یہ مصرعہ اقبال شرف النساءؒ کے حوالے سے بھی اسی طرح مؤثر ہے۔

قباب: قبہ، کی جمع، گنبد، کلس، [غیاث اللغات، فرہنگ عامرہ بذیل قبہ] تیز و برّان شمشیر و بینیٔ بزرگ
وغیرہ نیز [منتخب اللغات حاشیہ غیاث اللغات فارسی]۔

شعر نمبر ۱۲۸۲ - دستورِ فطرت ہے۔ جس سے تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے کا غلط دُوری تصور لیا گیا۔
قرآن مجید نے تاریخ کے ان دہرائے جانے والے نتائج کو اعمال سے منسوب و مشروط کیا ہے۔ سورۃ العصر، تاریخ گواہ
ہے۔ کہ انسان خسارے میں ہے۔ ہاں وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح پر کاربند رہے، حق کی وصیت کی اور اس
راہ میں صبر و استقامت (کر کے بھی دکھائی) اور تلقین بھی کی۔ وہ اس خسارے سے بچ گئے۔ متعدد مقامات پر
قوموں کے اعمال سیئہ کے حوالے سے اور بطور قاعدہ کلیہ کے اس حقیقت کو قرآن مجید میں واشگاف لفظوں میں بیان کیا
گیا ہے۔ قوم موسیٰؑ کے بارے میں آیا **فَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ**^۲۰۵۴ تو ہم نے آسمان سے
ان پر عذاب اتارا بدلہ ان کی بے حکمی کا۔ **وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ**^۲۰۵۵ اور اللہ نے ان
پر ظلم نہیں کیا وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کے مرتکب ہوئے۔ کم از کم ۳۸ بار اس اصول کی وضاحت ہوئی ہے [انجم القرآن۔ ملا
مصطفیٰ ابن سعیدؒ۔ اسلامی اکادمی لاہور۔ اشاعت اول اپریل ۱۹۷۹ء بذیل ظلموا]

۲۰۵۱ء اقبال شناعے صدرنگ۔ ڈاکٹر سلیم اختر ص۲۱-۲۱۹ ایضاً ۲۰۵۲ء مطالعہ تلمیحات اقبال۔ قریشی ص۲۲۷ بحوالہ
مآثر الامراء ج۲، ص۱۹-۵۱۴ نیز An Oriental Biographical Dictionary P.14 by Thomas William Beal
۲۰۵۳ء اقبال شناعے صدرنگ ص۲۱-۲۱۹ ایضاً ۲۰۵۴ء ... ۲۰۵۵ء البقرہ: ۵۹

شعر نمبر ۱۲۸۴ تا شعر نمبر ۱۲۸۵ ـ

مرد حق از غیر حق اندیشہ کرد ۔۔۔۔ اندراں کشور مسلمانی بمرد

مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ ان کا عدم اعتماد اور عدم اتحاد، غیروں کے ساتھ ان کا میل جول، تاریخ کے ہر دور میں ان کے زوال کا موجب رہا ہے۔ مسلمانوں نے جب بھی اپنوں پر غیروں کو ترجیح دی اور انہیں محرم راز بنایا تو اس سے ان کا داخلی خلفشار بڑھا اور وہ نئے مصائب سے دوچار ہوتے رہے [فرمان باری تعالیٰ واضح ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۔ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ (آل عمران ۱۱۸) ترجمہ: اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے، ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے، بیر ان کی باتوں سے جھلک پڑا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہوئے ہیں اور بھی بڑا ہے۔ ہم نے تمہیں اپنی نشانیاں کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو]۔

برصغیر کی تاریخ کے دو تین باب تو اقبال نے بھی جاوید نامہ میں گنوائے ہیں۔ ایک نواب سراج الدولہ کی جنگ پلاسی میں شکست کا واقعہ (۱۷۵۷ء) جسے میر جعفر اور اس کے ساتھی غدار گروہ نے انجام دیا۔ دوسرا واقعہ سلطان ٹیپو شہیدؒ کی ۱۷۹۹ء میں شہادت جس کا موجب میر صادق اور اس کا ٹولہ بنا۔ اس وقت نظام حیدر آباد دکن نے بھی سلطان کے ساتھ تعاون نہ کیا۔ تیسرا واقعہ سکھوں کے پنجاب اور اس کے نواح میں تسلط کا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت اور تحریک مجاہدین کی ناکامی کا سبب بھی مسلمانوں کی بے حسی اور بے حمیتی بنی ہے۔ یہاں تمام واقعات سے متعلقہ جزئیات کی طرف اشارہ کرنا ممکن نہیں۔ تحریک مجاہدین مؤلفہ غلام رسول مہر سے شواہد دیکھے جا سکتے ہیں۔ ۲۰۵۴

مسلمانوں ہی کی ریشہ دوانیوں نے تیموریوں (مغلوں) کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ خود پاکستان کی وحدت کی دو لختی کیا اس کا کھلا ثبوت نہیں؟ صرف پنجاب ہی کا کیا مذکور، تاریخ مسلمانوں کی اس نادانی سے بھری پڑی ہے ـــــ ورنہ اسلام تو وہ دین ہے جسے بیرونی مداخلت کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی اسے نقصان ہمیشہ غداروں ہی کے ہاتھوں پہنچا۔ سورۃ وَالتِّينِ: اور انجیر کی قسم۔ یعنی انجیر گواہ ہے۔ الدین کی مثال انجیر کی سی ہے کہ جب یہ پھول بنتی ہے تو اس میں کیڑا داخل ہو کر اس کے نر گرینز کو مادہ گرینز سے جا ملاتا ہے اور انجیر فرٹیلائز ہو کر پھل بن جاتی ہے۔ یہی الدین کو بھی بیرونی مداخلت زرخیز ہی کرتی ہے۔ تفصیل کے لئے میرا مقالہ "لا اکراہ فی الدین" مطبوعہ ہفت روزہ فراست (البقرہ) (یکم جولائی ۱۹۸۷ء تا ۱۹ جنوری ۱۹۸۹ء) ملاحظہ ہو۔

خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد: تقریباً انیسویں صدی کے اوائل سے پنجاب کے بعض حصوں پر رنجیت سنگھ کا تسلط شروع ہوا جو کوئی چالیس برس تک جاری رہا۔ اس کے بعد کوئی دس برس تک (تا ۱۸۴۹ء) اس کے کئی جانشینوں کا زود گذر اقتدار رہا۔ اس دوران سکھوں نے نہایت بہیمانہ اور متعصب آمیز کام کئے۔ انہیں بالخصوص مسلمانوں کے شعائر اور معابد کے تقدس کا کوئی پاس نہ تھا۔ انہوں نے خالص خوف و ہراس کی فضا قائم رکھی حتیٰ کہ جب انہیں شرف النساء بیگم کے مزار کے تعویذ میں جواہر نگار اور زر اندوز تلوار کا علم ہوا تو اسے بھی نکالنے سے دریغ نہ کی ـــــ قرآن اور تلوار ـــــ یہ دو ہی تو سامان مسلمانی تھے۔ وہ خالصہ لے گیا تو اس خطہ میں "مسلمانی بمرد" کا اندیشہ گویا پکا ہو گیا۔ ۲۰۵۵

۲۰۵۴ جاوید نامہ: تحقیق و توضیح: ڈاکٹر محمد ریاض ص ۲۳۴/۲۳۵ الیضاً ۲۰۵۵ الیضاً ص ۱۲۹

زیارت امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانیؒ (۲۱۶)
و ملا طاہر غنی کاشمیریؒ (۲۱۷)

حرف رومی در دلم سوزے فگند — آہ پنجاب آں زمین ارجمند
از تب یاراں تپیدم در بہشت — کہنہ غم ہا را خریدم در بہشت
تا در آں گلشن صدائے دردمند — از کنار حوض کوثر شد بلند

"جمع کردم مشتِ خاشاکے کہ سوزم خویش را
گل گماں دارد کہ بندم آشیاں در گلستاں"

گفت رومی آنچہ می آید، نگر — دل مدہ با آنچہ بگذشت اے پسر!
شاعرِ رنگیں نوا طاہر غنی، — فقرِ او باطن غنی ظاہر غنی
نغمۂ می خواند آں مستِ مدام — در حضورِ سید والا مقام،
سید السادات سالارِ عجم — دستِ او معمارِ تقدیرِ امم
تا غزالی (۲۱۸) درس اللہ ھو گرفت — ذکر و فکر از دودمانِ او گرفت (۲۱۹)
مرشد آں کشورِ مینو نظیر، — میر و درویش و سلاطیں را مشیر
۱۲۹۶- خطہ را آں شاہِ دریا آستیں — داد علم و صنعت و تہذیب و دیں
آفرید آں مردِ ایرانِ صغیر — با ہنر ہائے غریب و دل پذیر

یک نگاہ او گشاید صد گرہ
خیز و تیرش را بہ دل راہے بدہ

حواشی و تعلیقات: (۲۱۶) **امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ:** ۱۲ رجب ۷۱۲ھ کو ہمدان میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد سید شہاب الدین ہمدان کے حکام میں سے تھے مگر شاہ صاحبؒ نے راہ فقر اختیار کی

شاہ صاحب کی تربیت شیخ سید علاء الدولہ سمنانی کے زیر نگرانی انجام پائی (سمنان تہران سے کوئی ڈیڑھ سو میل شمال کی طرف ایک قصبہ ہے)۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد آپ نے متداول علوم اسلامی میں تبحر حاصل کیا۔ شیخ علاء الدولہ نے انہیں کبرویہ سلسلۂ طریقت میں بیعت کروایا تھا۔ شاہ صاحب نے اس دور کے تین صاحب کمال: شیخ ابوالبرکات علی دوستی سمنانی (م ۷۳۴ھ) شیخ ابوالمیامن محمود مزدقانی رازی (م ۷۶۶ھ) اور شیخ محمد بن محمد اذکانی اسفرائینی (م ۷۷۸ھ) سے علوم باطنی حاصل کیے۔

آپ کی حیات کا دوسرا دور ۲۱ برس تک سیر و سیاحت اور عملی تعلیم و تبلیغ میں گزرا ہے۔ اس دوران آپ کا اکثر اسلامی اور نواحی ممالک میں گزر ہوا اور آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کے نتیجے میں کئی گمراہوں نے راہ ہدایت پائی اور غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ ۷۶۰ھ میں آپ کا گزر کشمیر میں ہوا تھا۔ (اقتباس از منقبۃ الجواہر مؤلفہ حیدر بدخشی (نویں صدی ہجری) مخطوطہ کتب خانۂ خانقاہ احمدیہ تہران)۔ ۷۵۴ھ میں اپنے مولد ہمدان لوٹے اور تبلیغ کے ساتھ تصنیف کا کام بھی شروع کیا۔ آپ کی زندگی کا یہ تیسرا دور ہے جو کوئی بیس برس کے قریب رہا۔

۷۷۳ھ یا اس سے کچھ قبل آپ ہمدان سے موجودہ تاجکستان کے ایک شہر ختلان میں نقل مکانی کر گئے۔ اس شہر کو اب کولاب کہتے ہیں (ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی (م ۱۹۶۲) کی تالیف کشیر Kashir جلد اول صفحہ ۱۱۶ مع ضمیمہ ۴ ملاحظہ ہو)۔ ختلان سے شاہ صاحب کو بڑا لگاؤ تھا۔ یہاں ایک قطعہ خرید کر مسجد، خانقاہ اور اپنے مزار کے لئے زمین مختص کر رکھی تھی۔ خانقاہ اور زاویہ کی تعمیر کے ذریعے آپ نے فتیان جمع کر رکھے تھے۔ ان باکمال مرید فتیان میں سے دو شخص نورالدین جعفر رستاقی بازاری بدخشی (م ۷۹۰ھ) اور خواجہ اسحٰق طوطی علی شاہی ختلانی (مقتول ۸۲۶ھ، شاہ صاحب کے داماد اور خلیفہ) اسی حلقہ سے وابستہ تھے۔ اسی طوطی علی شاہی کی فرمائش پر آپ نے کتاب الفتوۃ لکھی۔

کہا جاتا ہے کہ امیر تیمور لنگ گورگانی (عہد حکومت ۷۷۱ تا ۸۰۷ھ) کو شاہ صاحب اور ان کے مریدوں کے اثر و نفوذ سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ امیر نے شاہ صاحب کو ملاقات کے لئے بلایا۔ آپ نے اپنی پوزیشن واضح کی مگر امیر کی ہوسِ ملک گیری اور اس کے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی۔ امیر نے غضبناک ہو کر ترک وطن کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ۷۷۴ھ میں اپنے خاندان اور چھ یا سات سو سادات کے قافلے کے ساتھ وادی کشمیر کی سمت راہ گرا ہوئے (تفصیل روضات الجنان و جنات الجنان مؤلفہ حافظ حسین الکربلائی (م ۹۹۷ھ) روضہ ہشتم طبع تہران، نیز تاریخ کبیر کشمیر از مفتی مسکین امرتسری)۔ اس کے ساتھ آپ کی زندگی کا چوتھا اور آخری دور شروع ہوا۔ شاہ ہمدان جب وادی کشمیر میں داخل ہوئے تو سلطان شہاب الدین سرہند کے مقام پر سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ تا ۷۹۰ھ) کے ساتھ برسر پیکار تھا۔ سلطان کے برادر اور ولی عہد

قطب الدین نے استقبال کیا [قطب الدین بعد میں سلطان ہوا اور شاہ صاحب کا مرید رہا ۷۷۵ تا ۷۹۵ھ]
آپ محلہ علاء الدین پورہ نزد سری نگر میں اترے ۔ کچھ عرصہ بعد سرہند تشریف لے گئے اور
سلاطین دہلی اور کشمیر کے درمیان صلح کرادی [تاریخ حسن (فارسی) از پیر غلام حسن جلد دوم صفحہ ۱۷۰ تا ۱۷۲ سری نگر]
وادی میں شاہ صاحب کوئی پانچ سال رہے ۔ باقی مدت نواحی علاقوں میں تبلیغ اسلام فرماتے
رہے ۔ بروایت متفق کوئی ۳۷ ہزار ہندو اور بدھ مت کے پیروکاروں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ۔
شاہ صاحب کا انتقال چہار شنبہ ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ کو پکھلی کے اُس مقام پر ہوا جو مغربی پاکستان اور
افغانستان کے سرحدی علاقے کونار میں واقع ہے ۔
[دراصل آپ پکھلی کے ایک گاؤں نوکوٹ میں جو لف سے تین ساڑھے تین کلو میٹر بجانب جنوب
مشرق واقع ہے بیمار ہوئے اور ختلان کی طرف چل پڑے] راستے میں کونار نامی مقام پر جو علاقہ غیر سے
تعلق رکھتا ہے وفات پائی ۔ نعش مبارک ختلان (کولاب) لے جاکر دفن کی گئی ۔
اوقاف اور تربیتی امور کے سلسلے میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں ۔ عربی فارسی میں
آپ کی تصانیف سو سے زیادہ ہیں ۔ فارسی کے شاعر بھی تھے ۔ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے ۱۶ غزلوں اور ۹ رباعیات کی
نشاندہی کی ہے [2056] اس میں شک نہیں کہ آج کشمیر میں جتنے مسلمان ہیں ان میں زیادہ تر ان مسلمانوں
کی اولاد ہیں جنہوں نے شاہ صاحب اور ان کے رفقاء اور فرزند میر سید محمد ہمدانی [۷۷۴ تا ۸۵۱ھ] کی کوششوں سے
اسلام قبول کیا ۔ شاہ صاحب نے کشمیر میں تبلیغ کا باقاعدہ نظام قائم کیا اور مبلغین کی تربیت کے لئے سری نگر
میں ایک خانقاہ بنائی علامہ اقبال نے ان کی شان میں جو کچھ لکھا حرف بحرف صحیح ہے [2057]
تصانیف میں مرآۃ التائبین ، شرح قصیدہ ابن فارض [میمیہ] بعنوان مشارب الاذواق ، عبقات
دہ قاعدہ ، ذکریہ ، شرح فصوص الحکم (فارسی) اسماء حسنیٰ ، اسرار النقطہ ، اربعین امانی ، اورادِ فتحیہ ،
او رخواطریہ (عربی) کے علاوہ ذخیرۃ الملوک یادگار ہیں ۔ فارسی غزلوں کا نام چہل اسرار ہے ۔
ذخیرۃ الملوک کے پائے کی کتاب فارسی میں کم ہی لکھی گئی ۔ علامہ نے اسی کتاب کو دیکھ کر شاہ صاحب
کو ۔شعر۔ مرشد معنی نگاہاں بودہ ای محرم اسرارِ شاہاں بودہ ای کا جامع خراج
پیش کیا ہے ۔

(۲۱۷) **طاہر غنی کاشمیری :** ملا طاہر غنی کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اصلاً خراسانی تھا لیکن
ڈاکٹر صوفی [غلام محی الدین مصنف Kashir] یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کی تائید میں قوی دلائل مہیا نہیں ہو سکے

2056 نقل مقدمہ کتاب الفتوۃ ۔ ڈاکٹر محمد ریاض صفحہ ۱۸ تا صفحہ ۲۳ ۔ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور سن ندارد
2057 تلمیحات اقبال ، عابد صفحہ ۲۷۱ ایضاً ، شرح جاوید نامہ ۔ چشتی صفحہ ۱۰۲۸ ایضاً
مطالعہ تلمیحات اقبال ۔ قریشی صفحہ ۳۲۴ ایضاً

تاریخ ولادت کے متعلق بھی کچھ اختلاف ہے بعض ۱۰۲۰ھ بتاتے ہیں۔ ملا محسن فانی سے تعلیم و تربیت پائی۔ غنی تخلص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے اعداد ۱۰۶۰ ہیں جو غنی کی ابتدائے شعر گوئی کی تاریخ ہے۔ فطری استغنا نے غنی تخلص اختیار کرایا۔ راجوری کے قریب مقیم تھا جب گھر سے نکلتا تو اسے غیر مقفل چھوڑ دیتا جب گھر پر ہوتا تو دروازہ بند رکھتا کہ بقول اُس کے اس گھر کا ایک ہی تو قیمتی اثاثہ تھا اور وہ اثاثہ وہ خود تھا۔ علامہ اقبال نے اسے پیام مشرق میں "غنی کاشمیری" کے عنوان سے نظم کیا ہے۔

غنی تا نشیند بکاشانہ اش — متاعے گرانیست در خانہ اش
چو آں شمع محفل فروز در خانہ نیست — تہی تر ازیں ہیچ کاشانہ نیست ۲۰۵۸

غنی کی زندگی میں جو لوگ کشمیر کی نیابت کے عہدہ پر فائز رہے ان میں سے اکثر سخن سنج اور سخن گو تھے اس لیے غنی کی بڑی قدر دانی کرتے تھے۔ خواجہ محمد اعظم لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں غنی جیسا خوش خیال اور نازک بند کوئی شاعر نہ تھا۔ صاحب سرو آزاد لکھتے ہیں، ایسے شعر کہے کہ جان دے کر خریدے جائیں تو بھی سستے ہیں ۲۰۵۹۔ علامہ غنی کے مداح تھے۔ غنی کا ایک مصرعہ اپنی نظم "خطاب بہ جوانانِ اسلام" میں تضمین کیا ہے اور حق تو یہ ہے کہ شعر کی معنویت کو بام ثریا تک لے گئے ہیں

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے — وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی — نہیں دنیا کے آئینِ مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی — جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

"غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را" ۲۰۶۰

طاہر نصر آبادی بیان کرتے ہیں کہ شاہجہان نے سیف خان کو لکھا کہ غنی کو حضور میں حاضر کیا جائے۔ اس نے غنی کو بتایا تو غنی نے کہا لکھ بھیجیں وہ ایک دیوانہ ہے۔ صوبیدار نے کہا میں چنگے بھلے عقلمند کو دیوانہ کیسے کہدوں، غنی نے گریبان پھاڑا اور صحرا کی طرف چل نکلا۔ ۱۰۷۷ھ میں خناق کی بیماری نے جان لے لی۔

افتاد برزمیں، سخن از رفتنِ غنی
۱۰۹۰ - ۱۰ = ۱۰۸۰ھ۔ ۲۰۶۱

(۲۱۸) غزالیؒ:

ابو حامد محمد زین الدین غزالی، طوس کے ایک موضع غزالہ میں پیدا ہوئے (۱۰۵۹ تا ۱۱۱۱) فلسفی، متکلم اور صوفی۔ فلسفیانہ زندگی کا آغاز متشکک کی حیثیت سے ہوا لیکن بالآخر تصوف کی طرف مائل

۲۰۵۸ کلیات فارسی اقبال ص ۳۰۷ — ۲۰۵۹ تلمیحات اقبال، عابد ص ۲۸۷/۲۸۸ نمبر ۵۸ ۔ ایضاً
۲۰۶۰ کلیات اردو اقبال ص ۱۸۰ (بانگ درا) — ۲۰۶۱ تذکرہ شعرائے کشمیر: بخش دوم ص ۹۸۸ سید حسام الدین راشدی اقبال اکادمی لاہور طبع دوم ۱۹۸۲ء

ہوئے اور امام کہلائے۔ عالم اسلام کے بزرگ ترین مفکروں میں سے تھے۔ نیشاپور اور طوس میں فقہ، کلام، حدیث اور علوم قرآنی میں کمال حاصل کیا یہاں تک کہ مقام اجتہاد تک پہنچ گئے۔ نظام الملک طوسی تک شہرت پہنچی تو مدرسہ نظامیہ میں درس پر مامور ہوئے۔ یہ ۴۸۵ھ کا واقعہ ہے۔
چار سال تک درس و تدریس کے دوران باطن میں ایسا انقلاب برپا ہوا کہ سفر حج پر روانہ ہو گئے
اپنی مشہور تصنیف تہافۃ الفلاسفہ میں فلسفیوں خصوصاً فارابی اور بوعلی سینا کے تصورات کو رد کیا ہے۔
غزالی کے نزدیک حقیقت کا ادراک وجدان سے ہوتا ہے عقل و حواس سے نہیں۔ امام غزالیؒ کی تصانیف میں احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، میزان العمل، مقاصد الفلاسفہ، اور تفسیر جواہر القرآن زیادہ مشہور ہیں ۲۰۶۲
علامہ اقبال کے کلام میں غزالیؒ کا ذکر سینا الفارابی اور الرازی کے مقابلے میں بہت کم آیا ہے۔
بال جبریل اور ارمغان حجاز میں امام کا ذکر رازی کے ساتھ اور ایک دو مقامات پر تنہا۔ ایک تو زیر نظر شعر ملاحظہ ہو۔

نیز ـــ
واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی ۔۔۔ برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی ۔۔۔ فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے ۲۰۶۳

عطارؒ ہو رومیؒ ہو رازیؒ ہو غزالیؒ ہو ۔۔۔ کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحرگاہی ۲۰۶۴

دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم
دل جنیدؒ و نگاہ غزالیؒ و رازیؒ ۲۰۶۵

...یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ غزالیؒ کی دعوت میں ایک پیغمبرانہ شان پائی جاتی ہے ۲۰۶۶ انہوں نے مذہب کی بنا فلسفیانہ تشکک پر رکھی (جو نتیجہ تھا اس انکشاف حقیقت کا کہ قرآن پاک کی روح اساساً یونانیت کے منافی ہے) لہذا یہ اس بغاوت اور کچھ ذاتی حالات کا تقاضا تھا ۲۰۶۷ علامہ اقبال کہتے ہیں۔

"اس میں کچھ شک نہیں کہ غزالیؒ کے مقاصد مذہبی تھے لیکن فکر کی تنقید میں انہوں نے جو منہاج وضع کیا اس کے لئے فلسفہ ان کا مرہون منت رہے گا۔ یہ منہاج وضع نہ ہوتا تو عقل و فکر کا قدم آگے نہ بڑھتا۔ غزالیؒ کا مذہبی درجہ بھی بلند ہے۔ لیکن فلسفیانہ حیثیت سے بھی ہم ان کی ذہانت اور طباعی سے انکار نہیں کر سکتے" ۲۰۶۸

۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں بمقام طاہران انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ ابن جوزی نے ان کے مرنے کا قصہ ان کے

۲۰۶۲ تلمیحات اقبال عابد ص ۵۸، اقبال معاصرین کی نظر میں مرتبہ پروفیسر سید وقار عظیم ص ۴۴۹ [حاشیہ نمبر ۳۸] ۔ الغزالی۔ مولانا شبلی نعمانی ص ۱۲ تا ص ۵۰ (تصانیف غزالی سے تعارف کے لئے خصوصاً) ۔ مطبوعہ انجمن حمایت اسلام لاہور سن ندارد
۲۰۶۳ تا ۲۰۶۵ کلیات اقبال اردو بالترتیب ص ۲۰۳ (بانگ درا جواب شکوہ) ص ۳۲۸ (بال جبریل: ۳۲)، ص ۶۸۵ (ارمغان حجاز: ۱۲) ۔
۲۰۶۶، ۲۰۶۷ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ۔ ترجمہ اردو سید نذیر نیازی ص ۴، ۵ خطبہ اول ۔۔ ایضاً ۔
۲۰۶۸ اقبال کے حضور ص ۳۰۶ ۔ ایضاً ۔

بھائی احمد غزالی کی روایت سے حسب ذیل لکھا ہے۔

"پیر کے دن امام صاحب صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے، وضو کر کے نماز پڑھی پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا "آقا کا حکم سر آنکھوں پر" یہ کہہ کر پاؤں پھیلا دیئے (شرح احیاء و جواہر ابن جوزی ص ۱۲) لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا"۔ ع ۲۰۶۹

(۲۱۹) **ذکرو فکر:** ملاحظہ ہو تعلیقہ بر ۱۲۲۔

شعر نمبر ۱۲۹۶ - تبلیغ اسلام، تربیت فتیان سے کشمیر میں تہذیب اسلام کی ترویج و فروغ کے علاوہ شاہ صاحب کے ساتھ ایران سے آنے والوں کے ذریعے صنعت و حرفت کو بھی فروغ ملا۔ آج کشمیر نقاشی، خطاطی پارچہ بافی اور خصوصاً قالین سازی کے لئے دنیا میں مشہور ہے تو یہ بھی شاہ صاحب اور ان کے رفقاء کا اثر ہے۔ کشمیر کو اسی حوالے سے تو ایران صغیر کہا گیا۔ کشمیر کی ان خوبیوں ہی کے پیش نظر علامہ نے اپنے مقالہ قومی زندگی (۱۹۰۴ء) میں جب جاپان وغیرہ کی صنعتی ترقی کو "ملکی عروج" کے لئے مثال بنایا تو وہاں کشمیریوں کو یہ خراج بھی پیش کیا کہ صرف وہ اس راز کو سمجھے ہیں۔

در حضور شاہ ہمدان رح

زندہ رود

از تو خواہم سرّ یزداں را کلید — طاعت از ما جست و شیطاں آفرید
زشت و ناخوش را چناں آراستن! — در عمل از ما نکوئی خواستن!
از تو پرسم این فسون سازی کہ چہ — با قمار بد نشیں بازی کہ چہ؟
مشت خاک و این سپہر گرد گرد — خود بگو می زیبدش کارے کہ کرد؟
کار ما افکار ما آزار ما — دست با دنداں گزیدن کار ما

شاہ ہمدان رح

بندہ کز خویشتن دارد خبر — آفریند منفعت را از ضرر!
بزم با دیو است آدم را وبال — رزم با دیو است آدم را جمال
۱۲۰۶ - خویش را بر اہرمن باید زدن — تو ہمہ تیغ او ہمہ سنگ فسن
تیز تر شو تا فتد ضرب تو سخت — ورنہ باشی در دو گیتی تیرہ بخت

ع ۲۰۶۹ الغزالی — شبلی ص ۲۶ — ایضاً —

حواشی و تعلیقات : اہرمن : ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۴۶ -

شعر نمبر ۱۳۰۷ — علامہ کے تصور ابلیس کے لئے ملاحظہ ہوں تعلیقات نمبر ۱۳۰، ۲۰۰، ۲۰۲ -

علامہ کا تصور ابلیس، خیر کی پہچان کا آلہ و ذریعہ ہے - اس لئے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے - ابلیس کے انکار نے "خیر" کے وجود کو نمود بخشی ہے - گویا ابلیس نے قربانی دی ہے تاکہ آدم، دیگر مظاہر فطرت سے بلند ہو - اب جس کسی نے اپنی شخصیت سے آگاہی حاصل کی وہ اپنے نفع و ضرر کو بھی سمجھے گا - ابلیس دشمن نہیں تیغ خودی کو تیز کرنے کا آلہ ہے - جس نے تیغ خودی کو چمکایا اس نے ابلیس پر غلبہ حاصل کیا ورنہ دو جہانوں میں خوار ہوا — علامہ ابلیس کو بھی کسی کمزور ایمان والے کو بہکانے پر ملعون کرتے ہیں اور اہل ایماں کو بھی غیرت دلاتے ہیں کہ ابلیس نے اپنے رب کا انکار کیا اور تم اس کے حکم سے انکار نہیں کر سکتے ہو -

حریف ضرب او مرد تمام است — کہ آن آتش نسب والا مقام است
نہ ہر خاکی سزاوار تیغ او ست — کہ صید لاغرے بر وے حرام است ۲۰۷۰؎

علامہ کا "زشت و ناخوش آراستند کہا اور "از مادر عمل نکوئی خواستند" کی تحسین کرنا اور اس فارسی شعر کی شکایت

در میان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای — باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش ۲۰۷۱؎

دو مختلف زاویہ ہائے نظر ہیں — مؤخر الذکر اسے سخت معصیت اور ابتلاء سمجھتے ہیں جبکہ علامہ ابلیس کو حریف کی حیثیت دیتے ہیں ایسا حریف جس نے انسان کے لئے قربانی دی ہے اور اب اس سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی جرأت انکار پیدا کرے — ابلیس کے تلبیسات میں نہ آئے تاکہ اس کا نامۂ اعمال لکھے تو سیاہی سے محفوظ رہے - صاحب ذخیرۃ الملوک سے بات پوری ہے جنہوں نے ملائکہ و شیاطین کو دو لشکروں کے مانند کیا ہے اور انسانوں کو ان لشکروں کی مناسبت و مطلوبیت کے حوالے سے تقسیم کیا ہے — مومن، محفوظ، کافر، مشرک، منافق، عادل، عاصی، مفر، فاسق اور ملعون ۲۰۷۲؎ — مزرع کھیتی کے لئے برستے بادلوں کی طرح **زندہ رود** — عدو (ابلیس) بھی ممکنات خوابیدہ کو بیدار کرتا ہے ص ۶۲ [مثنوی اسرار خودی، کلیات فارسی]

۱۳۰۸ — زیر گردوں آدم آدم را خورد (۲۲۰) — ملتے بر ملتے دیگر چرد
جاں ز اہل خطہ سوزد چوں سپند — خیزد از دل نالہ ہائے دردمند
زیرک و دراک و خوش گل ملتے ست — در جہاں تر دستی او آیتے ست
ساغرش غلطندہ اندر خون اوست — در نے من نالہ از مضمون اوست
از خودی تا بے نصیب افتادہ است — در دیار خود غریب افتادہ است
دست مزد او بدست دیگراں — ماہی رودش بہ شست دیگراں
کارواں ہا سوئے منزل گام گام — کار او ناخوب و بے اندام و خام

۲۰۷۰؎ کلیات اقبال فارسی ص ۱۰۱۰ (ارمغان حجاز : ابلیس خاکی و ابلیس ناری)
۲۰۷۲؎ ذخیرۃ الملوک شاہ ہمدانیؒ - اردو ترجمہ مولانا غلام نادر ص ۱۵۵ مطبوعہ بک سنٹر حیدر روڈ راولپنڈی ۱۹۸۶ء -

از غلامی جذبه‌های او بمُرد   آتشے اندر رگ تاکش فسُرد
تا نه پنداری که بود است این چنین   جبهه را همواره سود است این جبین

در زمانے صف شکن هم بوده است
چیره و جانباز و پُردم بوده است

کوه‌های خنگ سار او نگر   آتشین دستِ چنار او نگر
در بهاران لعل می‌ریزد ز سنگ   خیزد از خاکش یکے طوفان رنگ
لکه‌های ابر در کوه و دمن   پنبه پرّان از کمان پنبه زن
۱۳۲۱- کوه و دریا و غروب آفتاب   من خدا را دیدم آنجا بے حجاب
۱۳۲۲- با نسیم آواره بودم در نشاط   بشنو از نے، می‌سرودم در نشاط
مرغکے می‌گفت اندر شاخسار   با پشیزے می‌نیرزد این بهار
لاله رُست و نرگس شهلا دمید   بادِ نوروزی گریبانش درید
عمرها بالید ازین کوه و کمر   نستر از نور قمر پاکیزه تر

۱۳۲۶- عمرها گل رخت بربست و کشاد
خاک ما دیگر شهاب الدین نزاد (۲۲۱)

نالهٔ پرسوز آن مرغ سحر   داد جانم را تب و تاب دگر
تا یکے دیوانه دیدم در خروش   آنکه بُرد از من متاع صبر و هوش

"بگذر ز ما و نالهٔ مستانه مجوے
بگذر ز شاخِ گل که طلسمے است رنگ و بوے

گفتی که شبنم از ورق لاله می‌چکد
غافل دلے ست این که بگرید کنارِ جوے

این مُشتِ پر کجا و سرود این چنین کجا
روح غنی ست ماتمیُ مرگِ آرزوے

(۲۲۲)
بادِ صبا اگر به جنیوا گذر کُنی
حرفے ز ما به مجلس اقوام باز گوے

۱۳۳۲- دهقان و کشت و جوے و خیابان فروختند (۲۲۳)
قومے فروختند و چه ارزان فروختند"

حواشی و تعلیقات ، شعر نمبر ۱۳۰۸ تا ۱۳۴۳ :

تردستی : مشتاقی و تردستی زندہ رُود (علامہ) کا یہ سوال دراصل کشمیر جنت نظیر کے لوگوں کی تردستی اور اُس شاندار ماضی کا حوالہ دے کر جب کہ شہاب الدین شاہمیری (۷۷۵ - ۷۹۶ھ) جیسا فاتح جرنیل اور حاکم کشمیر کے مقدر کا ستارہ تھا۔ لیکن بدقسمتی ملاحظہ ہو یہ خطہ بالآخر بک گیا (۲۲۰)

عہدنامہ لاہور ۱۸۴۶ء اور معاہدہ امرتسر :

رنجیت سنگھ کی وفات (۱۸۳۹ء) کے بعد پنجاب میں ابتری پھیل گئی۔ خالصہ فوج نے رنجیت سنگھ کے دو بیٹے اور کئی وزیر موت کے گھاٹ اتار دیئے ۱۸۴۳ میں رنجیت سنگھ کا چھوٹا بیٹا دلیپ سنگھ پانچ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس کی سرپرستی اس کی ماں رانی جنداں کرتی تھی۔ رانی جنداں اور سکھ سرداروں نے خالصہ فوج کو انگریزوں سے بھڑانے کی سکیم بنائی تاکہ اُن کے شر سے خود محفوظ رہ سکیں۔ ادھر انگریزوں نے بھی ستلج پار اپنے مورچے مضبوط کرنا شروع کردیئے تھے سندھ کی فتح نے سکھوں کو انگریزوں سے مزید متنفر کردیا تھا۔ چنانچہ سکھ فوج دسمبر ۱۸۴۵ء میں ستلج پار کرکے انگریزی علاقے میں داخل ہوئی۔ تو لارڈ ہارڈنگ نے اعلان جنگ کردیا۔ پے در پے تین معرکوں میں سکھوں کو شکست ملتی رہی تیسری جنگ میں مشہور سکھ سردار شیام سنگھ اٹاری بھی مارا گیا ہزاروں سکھ ستلج پار کرتے ہوئے ڈوب مرے۔ آخرکار عہدنامہ لاہور کی رو سے لڑائی ختم ہوئی اس عہدنامہ کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

۱- دوآبہ بست جالندھر انگریزوں کو دے دیا گیا۔

۲- سکھ فوج گھٹا کر ۲۰ ہزار پیادہ اور ۱۲ ہزار سوار رہنے دی گئی

۳- سرہنری لارنس کو لاہور میں ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا۔

۴- قیام امن کے لئے انگریزی فوج لاہور میں رکھی گئی

۵- ڈیڑھ کروڑ روپے سکھوں کو تاوانِ جنگ دینا پڑا

سکھوں کے پاس تاوانِ جنگ کی رقم ادا کرنے کے لئے صرف ۵۰ لاکھ روپے تھے چنانچہ بقایا ایک کروڑ روپے کے بدلے انہوں نے جموں و کشمیر کا علاقہ انگریزوں کے حوالے کردیا۔ لیکن انگریزوں نے یہ علاقہ ڈوگرہ سردار گلاب سنگھ کے ہاتھ بیچ دیا گلاب سنگھ نے صرف پچھتر ۷۵ لاکھ روپیہ ادا کیا۔ گلاب سنگھ خالصہ دربار کی طرف سے جموں کا صوبیدار تھا مگر اب خودمختار حاکم تسلیم کرلیا گیا ۲۰۷۳

بہرحال کشمیر میں منظر کے حسن و جمال اور اہل کشمیر کے کسب کمال سے جو گیت نالے سنا رہا تھا وہ دراصل غنی کاشمیری کی روح بھی ہرگز نہ تھا مجلس اقوام کے نام "قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند" کا پیغام دیا گیا اور شکایت کی گئی کہ آدم آدم کو کھا رہا ہے لیکن تب سے اب (جنوری ۲۰۰۰ء) تک کشمیر بدستور مسئلہ ہے۔ بریشم قبا خواجہ ، از محنتِ او لفیب تنش جامۂ تار تارے ع۲۰۷۴

ع۲۰۷۳ نیو یونیورسٹی تاریخ ہند و پاکستان ص ۲۸۱ تا ص ۲۸۳ - ایضاً — ع۲۰۷۴ کلیات اقبال فارسی ص ۲۸۶ (پیام مشرق ساقی نامہ)

شعر نمبر ۱۳۲۱ - علامہ ایسے مناظر میں شانِ خداوندی کا نظارہ کرنے کی بات ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔ نوجوان اقبال سفر یورپ کی رُوداد ایڈیٹر وطن کے نام لکھ کر بھیجتے ہیں۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

جہاز کے سفر میں دل پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی چیز سمندر کا نظارہ ہے۔ باری تعالیٰ کی قوتِ لا متناہی کا جو اثر سمندر دیکھ کر ہوتا ہے شاید ہی کسی اور چیز سے ہوتا ہو....." ۲۰۷۵ء

اب یہ شعر پڑھیں کوہ و دریا و غروب آفتاب من خدا را دیدم آنجا بے حجاب

شعر نمبر ۱۳۲۲ - علامہ نے اپنے سفر کشمیر ۱۹۲۲ء کا ذکر کیا ہے جب انہوں نے نشاط باغ میں بیٹھ کر ساقی نامہ لکھا تھا۔ جس کا پہلا شعر ہے۔ نظارگی کے حسن میں ڈوبا ہوا ہے

خوشا روزگارے خوشا نوبہارے نجوم پری رُست از مرغزارے

اور آخری شعر کشمیریوں کی خودی ناشناسی غلامی کے دُکھ میں تر بہ تر۔ خودی نا شناسے زخود شرمسارے

ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری کہ خاکسترش آفریند شرارے ۲۰۷۶ء

کشمیر کے پچھلے کئی برسوں سے خون اور آگ کے کھیل میں مصروف ہیں ان کی خاک سے شعلے اُٹھ رہے ہیں لیکن نہ مجلس اقوام حرکت میں آتی ہے نہ مسلمان حکومتوں کی حمیت میں جوش آتا ہے۔ کشمیریوں کا اللہ حافظ اب تو یہ خبر بھی گرم ہے کہ امریکہ نے اقوام متحدہ کے ایجنڈے سے کشمیریوں کے حق خود ارادیت کی قرارداد بھی خارج کرا دی ہے۔ (۲۰۰۴ء ۱۹)

شعر نمبر ۱۳۲۶ - (۲۲۱) **سلطان شہاب الدین** : اپنے باپ کے بعد کشمیر کے تخت کا مالک ہوا۔ شجاعت اور اخلاق پسندیدہ رکھتا تھا۔ فاتح اور اولوالعزم تھا۔ جس روز کہیں سے فتح کی خوشخبری نہ آتی اُس دن رنجیدہ رہتا اور سمجھتا کہ ایک دن عمر کی مدت میں سے کم ہو گیا۔

۱۳۵۶ء میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور دس سال کی مدت میں اتبت، کاشغر، بدخشاں اور کابل کو فتح کیا۔ اس کے بعد ہندوستان پر فوج کشی کی۔ فیروز شاہ تغلق سلطان دہلی سے مقابلہ ہوا۔ دریائے ستلج پر اس کو شکست دی اور کشمیر واپس چلا گیا۔ ۱۹ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۳۷۴ء میں انتقال کیا۔ ۲۰۷۷ء

(۲۲۲) **جنیوا** : پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۰ء میں انجمن اقوام قائم کی گئی جس کی غایت یہ تھی کہ دنیا کے لوگ جنگ کی غارت گری سے محفوظ ہو جائیں۔ پہلے مجلس کے ممبر کم تھے لیکن آہستہ آہستہ جرمنی اور روس بھی شامل ہو گئے۔ اس مجلس کا دستور یہ تھا کہ جب دو ملکوں میں اختلاف رونما ہو گا تو پہلے مجلس اقوام کے ذریعے کوشش کی جائے گی کہ ثالثی سے فیصلہ ہو جائے۔ بصورت دیگر مجلس حملہ آور کے خلاف مناسب اقدام

۲۰۷۵ء مقالات اقبال - سید عبدالواحد معینی ص ۱۱۰/۱۱۱ آئینہ ادب انارکلی لاہور بار دوم ۱۹۸۲ء
۲۰۷۶ء کلیات فارسی اقبال ص ۲۸۶ (پیام مشرق: ساقی نامہ) ۲۰۷۷ء مطالعہ تلمیحات اقبال - ترکی ص ۲۴۸ بحوالہ تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۳۹ مطبوعہ نولکشور، طبقات اکبری ج ۳ ص ۴۲۹/۴۲۸

کرے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مجلس نے بعض چھوٹی چھوٹی لڑائیاں روک دیں لیکن جب بہت اہم موقعے آئے تو مجلس کے ارکان اپنے فرائض انجام دینے سے قاصر رہے۔ مثلاً جب جاپان نے چین پر حملہ کیا تو مجلس کچھ نہ کر سکی۔ ۱۹۳۲ء میں جنیوا میں ایک کانفرنس ہوئی جہاں یہ طے کیا گیا کہ مختلف اقوام اپنی عسکری طاقت گھٹائیں۔ ۱۹۳۵ء میں اٹلی نے حبشہ پر حملہ کیا تو اس وقت بھی مجلس کچھ نہ کر سکی۔ اس واقعہ کے بعد لیگ آف نیشنز کا رہا سہا وقار بھی مٹ گیا۔ چنانچہ جب ہٹلر نے دوسری جنگ عظیم کی بنیاد رکھی تو مجلس کے ارکان چپ چاپ دیکھتے رہے۔ ۱۹۴۶ء میں مجلس اقوام نے فیصلہ کیا کہ اس مجلس کو برخاست ہی کر دیا جائے۔ چنانچہ مجلس اقوام کی جگہ اقوام متحدہ [UNO] کی انجمن نے لی۔ ۲۰۷۸ یہ مجلس بھی پچھلے دس بیس برس سے امریکہ کی لے پالک بنی ہوئی ہے۔ کشمیر کا مسئلہ جو کشمیر کی فروخت سے شروع ہو کر بھارت کے غاصبانہ قبضہ تک پھیلا ہوا ہے اور ہندوستان پاکستان کے درمیان خطرناک ترین وجہ نزاع بنا ہوا ہے ۱۹۴۷ء سے اب تک تین جنگیں ہو چکی ہیں پچھلے ایک عشرہ سے زیادہ عرصہ ہوا کہ کشمیر آزادی کے متوالوں کے خلاف بھارتی جارحیت کی بدولت آگ و خون کا مسکن بنا ہوا ہے اقوام متحدہ کشمیریوں کے حق خود اختیاری کو تسلیم کر لینے کے باوجود، ٹس سے مس نہیں ہو رہی۔ علامہ نے اپنی مثنوی "پس چہ باید کرد" [۱۹۳۶ء] میں واشگاف الفاظ میں لکھا تھا۔ کشمیر سے متعلق قرارداد کے اخراج کے بعد تو بعض کہنے والے بھی رہ گئے ہیں ـــ علامہ نے بالکل درست فرمایا تھا۔

نقش نو اندر جہان باید نہاد ‏ ‏ ‏ از کفن دزدان چہ امید کشاد

در جنیوا چیست غیر از مکر و فن ‏ ‏ ‏ صید تو این میش و آن نخچیر من

نکتہ ہا کو می نگنجد در سخن

یک جہان آشوب و یک گیتی فتن ‏ ‏ ‏ ۲۰۷۹

مکہ اور جنیوا

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام ‏ ‏ ‏ پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم

تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود ‏ ‏ ‏ اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم

مکے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام

جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم؟ ‏ ‏ ‏ ۲۰۸۰

فلسطینی عرب سے

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ ‏ ‏ ‏ میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے

تری دوا نہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں ‏ ‏ ‏ فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے

سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات

خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے ‏ ‏ ‏ ۲۰۸۱

۲۰۷۸ـ تلمیحات اقبال، عابد ص ۱۱۳/۱۱۲ بحوالہ قاموس سیاسیات عالم (انگریزی) لندن ۲۰۷۹ـ کلیات اقبال فارسی ص ۸۲۱

۲۰۸۰ـ کلیات اقبال اردو ص ۵۲۰/۵۱۹ (ضرب کلیم) ۲۰۸۱ـ ایضاً ص ۶۲۲/۶۲۱ (ضرب کلیم)۔

جمعیت اقوام مشرق

پانی بھی مسخر ہے ہوا بھی ہے مسخر — کیا ہو جو نگاہِ فلکِ پیر بدل جائے
دیکھا ہے ملوکیتِ افرنگ نے جو خواب — ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے

طہران ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کُرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے [۲۰۸۲]

حالات بہرحال اُسی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ع دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا [۲۰۸۳]

(۲۲۳) **قومے فروختند:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۲۰۔

شاہِ ہمدان رح

۱۲۳۷ — با تو گویم رمز باریک اے پسر! — تن ہمہ خاک است و جاں والاگہر
جسم را از بہر جاں باید گداخت — پاک را از خاک می باید شناخت
گر ببری پارۂ تن را ز تن — رفت از دستِ تو آں لختِ بدن
لیکن آں جانے کہ گردد جلوہ مست — گر ز دست او را دہی، آید بدست
جوہرش با ہیچ شئے مانند نیست — ہست اندر بند و اندر بند نیست
گر نگہداری بمیرد در بدن — ور بیفشانی فروغِ انجمن
چیست جاں، جلوہ مست اے مردِ راد — چیست جاں دادن ز دست اے مردِ راد
چیست جاں دادن؟ بحق پرداختن، — کوہ را با سوزِ جاں بگداختن
جلوہ مستی؟ خویش را دریافتن — در شباں چوں کوکبے برتافتن
خویش را نایافتن نابودن است — یافتن خود را بخود بخشودن است
ہر کہ خود را دید و غیر از خود ندید — رخت از زندانِ خود بیروں کشید
جلوہ بدمستے کہ بیند خویش را — خوشتر از نوشینہ داند نیش را
در نگاہش جاں چو باد ارزاں شود — پیشِ او زندانِ او لرزاں شود
تیشۂ او خارہ را برمی درد — تا نصیبِ خود ز گیتی می برد؛

۱۲۳۸ — تا ز جاں بگذشت، جانش جانِ اوست
ورنہ جانش یک دو دم مہمانِ اوست

[۲۰۸۲] کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۶۰۹ (ضربِ کلیم) [۲۰۸۳] ایضاً صفحہ ۳۹۲ (بالِ جبریل: مسجدِ قرطبہ)۔

حواشی و تعلیقات:

شعر نمبر ۱۳۳۴ تا ۱۳۴۸: اِن اشعار میں علامہ نے "جان و تن" اور موت و حیات کی حقیقت واضح کی ہے۔ اسے کشمیریوں پر غلامی و محکومی' کی شب ہائے دیریاز کے حوالے سے دیکھنا چاہیئے۔ علامہ تن کو بھی احوالِ جان میں سے ایک حالت سمجھتے ہیں — لیکن بدن سے اگر کچھ حصہ کاٹ دیا جائے تو بدن گیا۔ لیکن جان کا یہ حال نہیں۔

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے ۲۰۸۴

اور اگر "مرگِ بدن" جان دادن ہو اور جاں دادن، بحق پرداختن تو پھر یہ موت مرنے والے ہی کی نہیں پوری قوم کی زندگی کا نام ہے یعنی نہ صرف

؎ قطرۂ شبنم کیا ہے تب و تابِ جاودانہ ۲۰۸۵

بلکہ

سرِ خاکِ شہیدے برگہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملتِ ما سازگار آمد ۲۰۸۶

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے۔

اگر معاملہ یہ ہے کہ تکمیلِ خودی جاں سے گزر جانے میں ہے تو پھر جو جاں سے گزر گیا اُس کی جان، اُس کی ہے — ورنہ موت تو ہر زندگی کا انجام ہے۔ جان دو قدم کی مہمان ہے۔

قیاس یہ ہے کہ علامہ کشمیریوں کو "شوقِ شہادت" سے آزادی کی راہ دکھاتے ہیں — ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اسے "خیر و شر" کا نام دے کر "ذخیرۃ الملوک شاہ ہمدان" کے دفترِ ششم کے مطالب سے جوڑا ہے۔ جو بے جوڑ لگتا ہے ۲۰۸۷

یوں بھی علامہ "موت" کو تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام دیتے ہیں۔ اور فقط عالمِ معنی کا سفر بتاتے ہیں۔ اور جان کو ایسا عطیۂ الٰہی گردانتے ہیں جو واپس نہیں لیا جاتا

؎ جانے کہ بخشند دیگر نگیرند ۲۰۸۸ لہٰذا تن پروری کی بجائے حفاظتِ جان ضروری ہے۔ اور حفاظتِ جاں، سر دینے کا نام ہے یعنی سر دینا جانتی ہے رلوڑ کے رلوڑ ہیں۔ یہی خود شناسی ہے۔

بخود باز آ خودی را پختہ تر گیر
اگر گیری پس از مردن، نمیری ۲۰۸۹

راد: سخی، سورما، بطل، رد کر دینے والا (فرہنگِ عامرہ)۔ **تیشۂ او:** اشارہ ہے فرہاد کی کوہ کنی کی طرف ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۶۲۔

۲۰۸۴ کلیاتِ اقبال اردو صـ ۳۷۹ [بالِ جبریل] ۲۰۸۵ ایضاً صـ ۳۰۷ [ایضاً]
۲۰۸۶ ایضاً صـ ۲۷۶ [بانگِ درا: طلوعِ اسلام] ۲۰۸۷ جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ڈاکٹر محمد ریاض صـ ۱۹۳ ایضاً۔
دوجو کشیند ۔ ذخیرۃ الملوک (اردو ترجمہ) صـ ۱۵۴ ۔ ایضاً ۔ ۲۰۸۸ کلیاتِ اقبال اردو صـ ۳۳۳، صـ ۵۱۷
کلیاتِ فارسی صـ ۵۱۹ (زبورِ عجم)۔ ۲۰۸۹ ایضاً صـ ۲۱۱ [پیامِ مشرق]۔

زندہ رود

گفتہ ای از حکمتِ زشت و نکوی | پیر دانا نکتۂ دیگر بگوی
مرشدِ معنی نگاہاں بودہ ای | محرمِ اسرارِ شاہاں بودہ ای
ما فقیر و حکمراں خواہد خراج | چیست اصلِ اعتبارِ تخت و تاج

شاہ ہمدان

اصلِ شاہی چیست اندر شرق و غرب | یا رضائے امتاں یا حرب و ضرب
فاش گویم با تو اے والا مقام | باج را جز با دو کس دادن حرام
(۲۲۴) یا اولی الامرے کہ منکم شانِ اوست | آیۂ حق حجت و برہانِ اوست
۱۳۵۵ یا جواں مردے چو صرصر تند و تیز | شہر گیر و خویش باز اندر ستیز
روز کیں کشور کشا از قاہری | روز صلح از شیوہ ہائے دلبری
۱۳۵۷ می تواں ایران و ہندوستاں خرید | پادشاہی را ز کس نتواں خرید
جامِ جم را اے جوانِ باہنر | کس نگیرد از دکانِ شیشہ گر
ور بگیرد مال او جز شیشہ نیست | شیشہ را غیر از شکستن پیشہ نیست

حواشی و تعلیقات : ٭ اشاراتِ میر شاہ صاحب کی برصغیر میں ہمہ گیر درس تبلیغ و تبلیغ اور ذخیرۃ الملوک جیسی تصنیف فی الواقع یہ لطیف نکتہ ہے۔ شاہی یا تو قوم کی مرضی سے قائم ہوتی ہے یا جنگ و جدال کے بعد غلبہ سے ایسے ہی حکمرانوں کو خراج لینے کا حق حاصل ہے۔ گلاب سنگھ نے تو کشمیر خریدا ہے، جامِ جم خریدنے سے کوئی جمشید نہیں ہو جاتا۔ یہ شیشہ ٹوٹنے کی چیز ہے ٹوٹ جانا اس کا کام ہے۔ ایران و ہندوستان خریدنا ممکن ہے لیکن بادشاہ ہونا اور وہ بھی خرید کر ممکن نہیں پہلا حق دار جسے قوم کی مرضی حاصل ہو اولی الامر منکم، ہے منکم اس کی شرط ہے صفت ہے۔ اور حرب و ضرب سے بادشاہی حاصل کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ بھی مومن ہو جو رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز رہے۔ رزم میں قاہر اور صلح میں دلبر، [۲۰۹۰]

(۲۲۴) **اولی الامر منکم :** یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللّٰهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِکَ خَیْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِیلًا [۲۰۹۱] جس طرح کہ عالم اسلامی کے تمام تر سماجی مسائل إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ کے اعلان کی حقیقت سے غفلت کا نتیجہ ہیں اسی طرح سیاسی مسائل کی جڑ اولی الامر منکم کی

[۲۰۹۰] ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم — رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن [کلیاتِ اردو ص ۵۰۷ (ضرب کلیم: مومن دنیا میں)]
[۲۰۹۱] النساء : ۵۹

نادر قرآنی اصطلاح کی حقیقت سے انماض ہے۔ کہنے کو تو دعویٰ کر دیا جاتا ہے کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے بلاشبہ ایسا ہی ہے لیکن یہ دعویٰ کرنے والے جھوٹے ہیں اس لئے کہ وہ یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ اسلام نے کوئی واضح نظام نہیں دیا صرف اصول دیں ہیں ــــ چلو اصول سہی لیکن اصل الاصول اولی الامر منکم کی اصطلاح ہے۔ جسے گول مول کر دیا گیا ہے۔

قرآنِ حکیم میں تین آسمانی بادشاہوں کا ذکر ہے ایک جناب طالوت جنہیں اللہ نے پیغمبر وقت کی زبانِ وحی ترجمان سے خود نامزد فرمایا فَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ع۲۰۹۲ حیرت ہے حکمران منصوص ہے اور خود لفظ اسے مَلِک کہہ رہی ہے۔

دوسرے حکمران حضرتِ داؤد علیہ السلام ہیں جن کے لئے يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً ع۲۰۹۲۔ب انہیں خلیفہ کہا گیا۔ حضرت داؤدؑ کے بعد آپؑ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام حکمران تو انہیں خلیفہ نہیں کہا گیا بلکہ ملکۂ سبا کی زبانی مَلِک کہلوایا گیا ــــ

حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ریاستِ مدینہ کے حکمران تھے ان کے لئے الرسول کے ساتھ 'اولی الامر منکم' کا لاحقہ لگایا گیا۔

دیکھنا یہ ہے کہ ان قرآنی القابات میں آخر کون سا بنیادی فرق ہے ــــ جس کی وجہ سے یہ ایک جیسے حکمرانوں کے لئے بدلتے رہے ہیں ــــ کیا ان کی نوعیت و ماہیت میں کوئی بنیادی فرق ہے ؟ ــــ یا نہیں ہے ؟ اور اگر ہے تو وہ فرق کیا ہے ؟ ۔

اس فرق کو معلوم کرنے کے لئے ہمیں خلافتِ ارضی کے ازلی منصوبے کے بروئے کار آنے کے واقعات اور ان کے نتائج پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ تمثیلِ آدم ــــ محض تمثیل نہیں ایک واقعہ ہے اور اس سے خلافت کے بنیادی اصول مستنبط ہوتے ہیں ــــ

یہ تمثیل اولی الامرِ حقیقی نے خود بیان کی ہے

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ع۲۰۹۳

جواب آیا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ع۲۰۹۴

فرمایا إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ع۲۰۹۵

چنانچہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ ع۲۰۹۶

جواب آیا لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ع۲۰۹۷

فرمایا أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ع۲۰۹۸

حکم ہوا فَاسْجُدُوا لِآدَمَ ع۲۰۹۹

پس فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ع۳۰۰۰ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ ع۳۰۰۱ ..... قَالَ فَاخْرُجْ فَإِنَّكَ رَجِيمٌ وَإِنَّ

ع۲۰۹۲۔ اور ان سے ان کے نبی نے کہا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا ملک نامزد کیا ہے۔ البقرہ ۲: ۲۴۷

ع۲۰۹۲۔ب۔ اے داؤد ہم نے تمہیں خلیفہ بنایا۔ ص: ۲۶ ع۲۰۹۳ جب تیرے رب نے ملائک سے کہا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں البقرہ: ۳۰

ع۲۰۹۴۔ ایضاً۔ ع۲۰۹۵ ایضاً ع۲۰۹۶ ایضاً ۳۱ ع۲۰۹۷ ایضاً: ۳۲ ع۲۰۹۸ ایضاً ۳۳

ع۲۰۹۹ ایضاً ۳۴ ع۳۰۰۰ ایضاً ع۳۰۰۱ ایضاً

علیکَ اللّعنۃَ الیٰ یومِ الدّین ع۳۰۰۲

ان آیاتِ کریمہ پر تدبر سے۔ جو نکات ہاتھ آتے ہیں حسبِ ذیل ہیں [زیادہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱]

۱: خلافتِ ارضی اللہ تعالیٰ کی منشاء تھی ـــ پس اُسی نے آدم کو اس کے لئے نامزد کیا اللہ تعالیٰ کی یہ پسند، زمین پر اولادِ آدم کی ضرورت بن گئی ـــ لہٰذا خلافت و حکومت جس کی ضرورت ہے، اُسی کو نامزدگی کا حق بھی حاصل ہے۔

۲: خلافت کے لئے کسی نسل، طبقہ، گروہ کا حوالہ الٰہی و استکبار ہے۔ اس کے لئے نفسی صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔ علم الاسماء کی تعلیم آدم کو کونے میں بٹھا کر نہ دی گئی تھی ملائک بھی اُدھر ہی تھے۔ ان میں اس کی صلاحیت ہی نہ تھی۔ صالح ـ صاحبِ صلاحیت کو کہتے ہیں ـــ

۳: اس آزمائش میں جو ہار گیا اُسے اعتماد کا ووٹ دینے [سجدہ کرنے] کو کہا گیا ـــ

۴: جس نے انکار کیا اُسے ابدی پھٹکار ملی۔

ذرا غور فرمائیں: حضرتِ نوحؑ کی قوم نے اہلِ ایمان کو اراذل والسفار کہا عوام کالانعام ـــ تو حضرتِ نوحؑ نے اس نظریے سے اتفاق کو ظلم سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا "وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ اَنْفُسِهِمْ" ع۳۰۰۳ اللہ ان کی نفسی صلاحیتوں سے اچھی طرح واقف ہے ـــ میں نہیں کہہ سکتا کہ اللہ انہیں "خیر" سے نہیں نوازے گا۔ یہ "خیر" وہ اختیار ہے جس سے مراعات یافتہ طبقات نے انہیں محروم کر رکھا تھا ـــ

جب قوم کو موسیٰؑ نے پاس والی بستی پر چڑھائی کرنے کو کہا تاکہ انہیں اختیار و اقتدار ملے تو وہ ہمت ہار گئے اور پیاز لہسن مسور وغیرہ مانگنے لگے تاکہ وہی کھیتی باڑی کریں جو پہلے کرتے آئے تھے تو جواب ملا تھا "اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ" ع۳۰۰۴ گویا "خیر" اختیار کے معانی دیتا ہے۔

قومِ موسیٰؑ نے حضرتِ سموئیل علیہ السلام سے درخواست کہ وہ اللہ سے ہمارے لئے حکمران مانگیں تاکہ ہم اس کی قیادت میں جالوت کے ظلم و ستم سے نجات حاصل کریں اور وہ ہمارے درمیان عدل قائم کرے ـــ حکمران بنی اسرائیل کی ضرورت بن گیا ـــ لیکن اصل الاصول خلافتِ آدم کے برعکس رسول کے ذریعے، نامزدگی کرائی گئی ـــ یہ نامزد خود اللہ کے فرمان کے مطابق ملِک کہلایا۔ ضرورت کسی کی تھی ـــ پورا کسی اور کے حقِ نامزدگی سے کیا گیا۔ یہی ملوکیت ہے۔

جنابِ طالوت نامزد ہوئے ـــ وہ جالوت پر غالب آئے۔ دولتِ سکینہ بھی لوٹائی لیکن حکومتِ الٰہی کے قیام کی خاطر بزعمِ خود نائبینِ حق نے جنرل یوآب کی سرکردگی میں ع۳۰۰۵ تحریک چلائی ـــ طالوت قتل ہوا اور اس کے حامیوں کی لاشیں بیت الشان کی دیواروں سے لٹکائی گئیں تاکہ نائبینِ حق

ع۳۰۰۲ الحجر: ۳۲، ۳۵۔ ع۳۰۰۳ ھود: ۳۱ ع۳۰۰۴ البقرہ: ۶۱ ع۳۰۰۵ خلاصہ تاریخ بائبل ص ۸۶

پرویز کا ابلیس و آدم ـ مطبوعہ ادارہ ترقی لاہور طبع اول سن ندارد

کہ خود ساختہ آسمانی اختیار کے منکر ہجرت پکڑیں ــــ لیکن منشائے ربانی کچھ اور تھی طالوت کے خلاف اَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا [۳۰۰۶] کا استحقاق جتانے والے پھر بھی محروم رہے طالوت کے قتل کے بعد لوگوں نے داؤد کو حکمران بنالیا ــــ لوگوں نے اپنی ضرورت خود پوری کر دی ــــ اور وہ بھی داؤد کی نفسی صلاحیت کے حوالے سے ۔ داؤد ، طالوت کے لشکری تھے ۔ لوہے پگھلا کر زرہ بنائی اور اقلیت میں ہوتے ہوئے جالوت کی اکثریت پر غالب آ گئے ــــ لوگوں کے انتخاب کی آسمانی تائید و توثیق حضرت داؤدؑ کو نبوت بخشنے اور خلیفہ کے لقب سے سرفراز کئے جانے سے ہوئی ۔ حضرت داؤد علیہ السلام ــــ کے بعد ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام حکمران ہوئے یہ خاندانی وراثت باوجود اس کے کہ حضرت سلیمانؑ پیغمبر تھے ملوکیت کہلائی ــــ حضرت عمرؓ نے اپنے بعد ابنِ عمرؓ کو تمام تر صلاحیتوں کے باوجود امیر بننے کے استحقاق سے محروم کر دیا تھا ہوتے نا فاروق المعظم رضؓ ؟ ــــ حضرت علیؓ نے عالم نزع میں بھی لوگوں کے بار بار اصرار پر حسن رضؓ ابن علیؓ کو نامزد نہ فرمایا بلکہ اعلان فرمایا لَا آمُرُكُمْ وَلَا اَنْهٰكُمْ وَاَنْتُمْ اَبْصَر [۳۰۰۷] اس قسم کا اعلان وہ اپنے خلاف تحکیم قبول کرنے کے الزام میں کفر و شرک کا فتوای لگائے جانے پر بھی کر چکے تھے ۔ كَلِمَةُ الْحَقِّ [اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ] يُرَادُ بِهَا الْبَاطِلُ الخ [۳۰۰۸] ایک برحق کلمہ کی باطل تاویل کی جا رہی ہے عوام کو بہرحال ایک حکمران کی ضرورت ہے جو پوری قوت سے احکام نافذ کر سکے ــــ "عوام کی ضرورت ، عوام کا فیصلہ" فرمایا وَاَنْتُمْ اَبْصَر تم خود بہتر دیکھ سکتے ہو ــــ ہوتے نا اقضاکم ــــ بہتر فیصلہ دینے والے ۔

اللہ کے آخری رسول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی ــــ ہجرت کی بنیادی وجہ جنگِ بُعاث کے جگائے فتنوں اور باہمی نفرت و عداوت سے تنگ اہلِ مدینہ کی ضرورتِ حکومت تھی غیر جانبدار رہنے والے سرداروں میں سے عبداللہ ابن ابی پر اتفاق ہونے والا تھا تاجِ شاہی تیار تھا کہ حضورؐ بیعت عقبہ کی رو سے مدینہ تشریف لے آئے اور لوگوں نے شاہانہ استقبال کیا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ ــــ کے گیتوں میں آپؐ کو مطاع چن لیا گیا ــــ گویا دو میں سے ایک کو چُن کر اہلِ مدینہ نے اپنی ضرورت خود پوری کی ــــ خلافتِ ارضی کے ازلی منصوبے کا اصل الاصول رُو بعمل آ گیا ــــ حقیقتِ محمدیہ کا ایک رخ یہ بھی ہے ۔ حضرات آدم ، نوح ، موسیٰ ، طالوت ، داؤد ، سلیمان ــــ علیہم السلام ــــ اسی مراتب میں سے گزر رہے تھے حتیٰ کہ حضرت محمدؐ پر یہ منصوبہ بھی تکمیل کو پہنچا ــــ آپؐ نے شعوری ــــ نائبین حق ــــ کے خود ساختہ آسمانی اختیار کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں بلکہ رومن ایمپائر کے اصل الاصول "ریاست کے اقتدار اعلیٰ" کی بنیادیں بھی اکھیڑ دیں ــــ اور ایک دستور

[۳۰۰۶] البقرہ ، ۲۴۷ [۳۰۰۷]

[۳۰۰۸] نہج البلاغہ خطبہ چالیسواں ۔

تیار فرمایا جسے تاریخ "میثاقِ مدینہ" کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ہمارے مفکرین اگر حق خالق کے ابلیسی نسخہ کے اسیر نہ ہوتے اور میثاقِ مدینہ کا علمی تجزیہ کرتے تو دنیا کو ہابز اور روسو کی طرف عمرانی معاہدے کے حوالے سے دیکھنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ یہ معاہدہ درج ذیل فریق کے درمیان طے پایا

محمد رسول اللہ ؐ — مکی مسلمان مہاجر — مدنی مسلمان انصار

مدینہ کے یہودی — مدینہ کے نصرانی — مدینہ کے دوسرے غیر مسلم

یہ سب ایک جماعت نہ تھے بلکہ یہود و نصاریٰ کو اُمتہ مع المؤمنین تسلیم کیا گیا۔ یہ ایک الگ اُمت تھی جو مومنین کے ساتھ شریک معاہدہ تھی اسی لئے میثاقِ مدینہ میں مسلمانوں کے الگ دفعات تھیں اور غیر مسلموں کے لئے الگ دفعات تھیں۔ ہم صرف اولی الامر منکم تک خود کو محدود رکھے ہوئے ہیں اسی لئے دوسری جزئیات کو چھوڑتے جا رہے ہیں۔

مسلمان شریک معاہدہ کے لئے بنیادی شرط

★ مسلمان اپنے باہمی تنازعات میں خدا اور محمدؐ کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہوں گے [ذیلی دفعہ نمبر ۷]

غیر مسلم شریک معاہدہ کے لئے بنیادی شرط

★ اس معاہدہ کے پابند افراد اور گروہ باہمی اختلاف اور تنازع کا مقدمہ خدا اور اس کے رسول محمدؐ کے سامنے پیش کریں گے [ذیلی دفعہ نمبر ۱۶]۔ ع ۳۰۹

ذرا ان ہر دو دفعات پر غور کیجئے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان چونکہ محمدؐ کو رسول تسلیم کر چکے تھے اس لئے انہیں ـــ اللہ کے ساتھ صرف محمدؐ کی اطاعت کا پابند بنایا گیا۔ جبکہ غیر مسلموں نے محمد کو رسول نہیں حکمران تسلیم کیا ہے اس لئے انہیں اللہ کے ساتھ "رسول محمد" کی طرف رجوع کا پابند بنایا گیا ـــ افسوس خوارج مدینہ سے لے کر خوارج عہد حاضرہ تک ہر دور کے مسلم نما اسلام دشمنوں بلکہ رسول اکرمؐ کے الفاظ میں "بے دین دینداروں" نے نظریات کے جنگل پھیلا کر مسلمانوں سے سنجیدہ غور و فکر کی صلاحیتیں ہی چھین لی ہیں ـــ ورنہ وہ ان شقوں کے اس عجیب و غریب فرق پر غور کرتے ـــ مسلمانوں کو صرف محمدؐ کی طرف رجوع کا پابند کیا گیا ہے ـــ اور غیر مسلموں کو رسول محمدؐ کی طرف رجوع کا پابند بنایا گیا ہے ـــ اس عجیب و غریب دستور کی تائید ربانی میں آیت اتری۔

یاایھاالذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول ۔۔۔۔

تلاش بسیار کے باوجود یہ سراغ نہ مل سکا کہ دستور مدینہ پہلے مرتب ہوا یا یہ آیت پہلے اتری دونوں صورتوں میں یہ آیت کریمہ دستور کی دونوں شقوں کو یکجا کرکے ان کی تصدیق و توثیق کر رہی ہے۔ میثاقِ مدینہ میں

ع ۳۰۹ سیاسی وثیقہ جات۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی اردو ترجمہ مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی صفحہ ۱۹ تا صفحہ ۲۷ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول ۱۹۶۰ء۔

مسلمانوں کو اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت اور محمدؐ کی اطاعت کا پابند کیا گیا ہے — آیت میں محمد کی جگہ " اولی الامر منکم " لایا گیا ہے۔ یہ جملہ شرطیہ ہرگز نہیں اس لئے اس میں اگر، مگر اور بشرطیکہ جیسے تفسیری نکتوں کی ایزاد کی ہرگز گنجائش نہیں۔

اے ایمان والو! تم پر اللہ اور اس رسول کی اطاعت واجب کردی گئی ہے جو تم میں سے اولی الامر ہے — اللہ اولی الامر حقیقی ہے اللہ اور رسول کی اطاعت میں کوئی مغائرت نہیں مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ [۳۰۱۰] یعنی قرآن مجید — اولی الامر منکم — بحیثیت الرسول — وحی کے بغیر خود اپنی خواہش سے کبھی کچھ نہیں کہتا — نہ کچھ کہہ سکنے کا مجاز ہے — پابندِ وحی ہے —— اولی الامر منکم کی حیثیت میں بھی اسے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ [۳۰۱۱] کا مکلف بنایا گیا ہے — یہ سیاسی معاملات میں — سنتِ رسول ہے جو تاقیامت واجب ہے — یہ طے کہ اب —— اولی الامر منکم — کا تقرر مسلمان باہمی صواب دید سے کرنے کا حق رکھتے ہیں —— وہی اولی الامر منکم ہوگا جو عوام کا کامل صواب دید کے استعمال کے بعد منتخب کردہ ہو —— یہ اولی الامر منکم — اللہ اور رسول — [قرآن] کا اور الرسول اولی الامر منکم — [سنتِ رسول: مشاورتِ عامہ] کا مکلف ہوگا۔ چونکہ مشاورت صیغہ ہے مفاعلت کا اس لئے مشورہ دینا لینا — دو فعل نہیں رہتے جو مشورہ دے سکتا ہے وہ لے بھی سکتا ہے مشورہ لینے کا مکلف اولی الامر منکم ہے تو مشورہ دینے والے بھی اولی الامر منکم ہو جائیں گے لہذا جس طرح اولی الامر منکم کا انتخاب عوام کی کامل صواب دید سے مشروط ہے اسی طرح مجلسِ مشاورت کے لئے بھی مسلمانوں کا منتخب ہونا لازمی ہے۔

جو مسلم حکمران مجلسِ شوریٰ سے بالابالا احکام صادر کرنے کا عادی ہو جائے

اسے معزول کرنا مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے [۳۰۱۲]

اسی لئے تو وہ آیتِ کریم کی رو سے اولی

الامر منکم کی سنت کی اطاعت

نہیں کرتا — منکم کی یہی

شان ہے جس کی طرف

علامہ نے توجہ دلائی

شعر ۱۳۵۵ " مرادِ مردِ مجاہد " جو : جو حق اللہ ارض کے تحت نہیں بلکہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے چھڑانے کے لئے لڑے یہی نیتِ جہاد ہے

۳۰۱۰ — النساء : ۸۰ ۳۰۱۱ — آل عمران : ۱۵۹ یہ غزوۂ احد کے انقلابی حالات کا بیان ہے۔ مشاورت تو آپؐ نے غزوۂ احد سے پہلے بھی کی تھی اس مشاورتِ عامہ کے خلاف اہلِ الطرف کا واویلہ تھا۔ انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا [آل عمران : ۱۵۴] ۔ بدقسمتی دیکھئے یہ آیت حکومتِ الٰہیہ کے داعی عوامی انتخاب و فیصلہ کے خلاف استعمال کرتے رہتے ہیں حالانکہ یہ اہلِ الرائے کا دعویٰ ہے — عوامی اجتماعی مشاورت کے خلاف — اللہ نے حکم دیا کہ اسی طرح مشاورت سے فیصلے کیا کریں ۔ بلکہ انہیں بھی اس مشاورت میں شامل کریں جو کھالی سے بغیر اجازت اٹھ آئے تھے ان کی نیت بری نہ تھی پھر جو دوڑے تھے ان سے اپنی معاف کر دیں — اور مشاورتِ عامہ میں انہیں بھی شامل کیا کریں ۔

۳۰۱۲ — وہ فقہاء جنہیں دورِ آمریت و ملوکیت کے زیرِ اثر تنقید کا خدشہ رہا جاتا ہے بالا بالا ایسے حکمران کے معزول کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں کا خلاف فی وجوب عزلہ من لا ذی تمشیر (فتح القدیر) لیکن دورِ جمہور کے خود پسندوں نے عوام ہی کو حکمرانوں کے ہاتھ مضبوط کئے دینی کو آمریت جو [illegible]

اسے الماوردی کے اصول ضرورت کی غلط تعبیر کا شکار نہ بنایا جانا چاہیے۔

شعر نمبر ١٣٥٧ : پادشاہی را از کس نتوان خرید : گلاب سنگھ کے کشمیر خریدنے پر وارد ہوئے ہیں۔ آپ بھی

معاہدہ سیورے کا منسلکہ ١٩٢٠ء میں جب "وفد خلافت" مولانا محمد علی جوہرؒ کی قیادت میں یورپ گیا۔ اس کے ارکان میں علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی شامل تھے۔ وفد اپنی تمام تر سیاسی و مذہبی بصیرت کے باوجود ناکام لوٹا۔ علامہ اقبال نے سید سلیمان ندویؒ کو اس ضمن میں جو خط لکھا وہ اس زیر نظر مصرع کا ہم معنی ہے۔

.... وزرائے انگلستان کا جواب وہی ہے جو ایسی حالات میں ہمیشہ دیا گیا ہے[٣٠١٢]

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ [مومنون: ٤٧] یہ جواب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون اور اس کے اہالی موالیوں نے دیا تھا۔ اس آیت کا حقیقی مفہوم نظم دریوزۂ خلافت سے کھلتا ہے

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا — خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے — مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی[٣٠١٣]

معاہدہ سیورے کے ذریعے خلافت بچانا۔ اور مسلمانوں کی رضا و رغبت سے خلیفہ بننا دو مختلف النوع اور متضاد باتیں ہیں۔ اول الذکر گدائی ہے اور ثانی الذکر پادشاہی۔

غنیؒ

ہند را این ذوق آزادی کہ داد؟ — صید را سودای صیادی کہ داد؟
١٣٦١ - آن برہمن زادگان زندہ دل — لالۂ احمر ز روی شان خجل
تیز بین و پختہ کار و سخت کوش — از نگاہ شان فرنگ اندر خروش
اصل شان از خاک دامنگیر ماست — مطلع این اختران کشمیر ماست
خاک ما را بی شرر دانی اگر — بر درون خود یکی بگشا نظر
این ہمہ سوزی کہ داری از کجاست — این دم باد بہاری از کجاست

این ہمان باد است کز تاثیر او
کوہسار ما بگیرد رنگ و بو

ہیچ می دانی کہ روزی در ولر — موجہ ای می گفت با موج دگر
چند در قلزم بہ یک دیگر زنیم — خیز تا یک دم بساحل سر زنیم
زادۂ ما یعنی آن جوی کہن — شور او در وادی و کوہ و دمن
ہر زمان بر سنگ رہ خود را زند — تا بنای کوہ را بر می کند
آن جوان کو شہر و دشت و در گرفت — پرورش از شیر صد مادر گرفت

٣٠١٢ اقبال : سید سلیمان ندوی کی نظر میں ١٥٦ مرتبہ اختر راہی۔ بزم اقبال لاہور طبع اول مارچ ١٩٧٨ء
٣٠١٣ کلیات اقبال اردو ص ٢٥٢ (بانگ درا)۔

سطوت او خاکیاں را محشرے ست — این ہمہ از ماست نے از دیگرے ست
زیستن اندر حدِ ساحل خطاست — ساحلِ ما سنگے اندر راہِ ماست
با کراں در ساختن مرگِ دوام — گرچہ اندر بحر غلطی صبح و شام

زندگی جولاں میانِ کوہ و دشت
اے خنک موجے کہ از ساحل گذشت

اے کہ خواندی خطِ سیمائے حیات — اے بہ خاور دادہ غوغائے حیات
اے ترا آہے کہ می سوزد جگر — تو ازو بے تاب و ما بے تاب تر
اے ز تو مرغِ چمن را ہائے و ہو — سبزہ از اشکِ تو می گیرد وضو
اے کہ از طبعِ تو کشتِ گل دمید — اے ز امیدِ تو جانہا پُر امید
کاروانہا را صدائے تو درا — تو ز اہلِ خطہ نومیدی چرا؟
دل میانِ سینۂ شاں مردہ نیست — اخگرشاں زیرِ یخ افسردہ نیست
باش تا بینی کہ بے آوازِ صور — ملتے برخیزد از خاکِ قبور
غم مخور اے بندۂ صاحب نظر — برکش آں آہے کہ سوزد خشک و تر
شہرہا زیرِ سپہرِ لاجورد — سوخت از سوزِ دلِ درویش مرد
۱۳۸۵ - سلطنت نازک تر آمد از حباب — از دمے او را تواں کردن خراب
۱۳۸۶ - از نوا تشکیلِ تقدیرِ امم — از نوا تخریب و تعمیرِ امم
نشترِ تو گرچہ در دلہا خلید — مر ترا چونانکہ ہستی کس ندید
پردۂ تو از نوائے شاعری ست — آنچہ گوئی ماورائے شاعری ست

تازہ آشوبے فگن اندر بہشت
یک نوا مستانہ زن اندر بہشت

حواشی و تعلیقات: شعر نمبر ۱۳۶۱: آن برہمن زادگاں: مراد موتی لعل نہرو اور جواہر لعل نہرو ہیں — جن کی مسلم دشمنی اپنی جگہ [جس کا ذکر علامہ نے غنیؒ کی زبانی ولر جھیل کی موج کے حوالے سے کیا — یہ دو موجیں، ہندو مسلم ہیں۔ جگن ناتھ آزاد نے خواہ مخواہ اسے موجِ قدیم و موجِ جدید کا لباس پہنا کر میر واعظ محمد فاروق اور شیخ عبداللہ کے لئے کنایہ بنا دیا[۳۰۱۳]] ان دو برہمن زادوں

۳۰۱۳ اقبال اور کشمیر پروفیسر جگن ناتھ آزاد صفحہ ۱۸۵/۱۸۶ سری نگر ۱۹۷۷ء

نے بلکہ سبھی کانگرسیوں نے آزادیٔ ہند کے لئے قربانیاں دی تھیں اور آزادی کی تڑپ بھی پیدا کی۔ علامہ نے کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا تو یہ بے تعصبی اور عالی ظرفی کی دلیل ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ لیگی زاویۂ نظر سے مسئلہ صرف آزادیٔ ہند کا نہ تھا آزاد و خود مختار ریاستِ اسلام کے قیام کا بھی مسئلہ تھا ان کانگرسی رہنماؤں نے اس راہ میں مسلسل مشکلات پیدا کیں نہرو رپورٹ ۱۹۲۸ء نے تو حد ہی کر دی۔ اس کے بعد بھی جو لوگ خصوصاً مسلم زعماء آزادیٔ ہند کے جھانسے کے اسیر رہے انہوں نے مسلم مفاد سے نہ صرف غفلت برتی بلکہ حقیقی نقصان انہوں نے ہی پہنچایا۔

وُلر: جموں و کشمیر کی ایک خوبصورت جھیل کا نام ہے۔

شعر نمبر ۱۳۸۵، ۱۳۸۶ : از نوا تشکیل تقدیر امم : انجمن ادبی کابل کے نام پیغام میں فرمایا

"--- شاعر قوم کی زندگی کی بنیاد کو آباد بھی کر سکتا ہے اور برباد بھی۔ بس میری یہ خواہش ہے کہ افغانستان کے شعراء اور انشاپرداز اپنے ہم عصروں میں ایسی روح پھونکیں جس سے وہ اپنے آپ کو پہچان سکیں" ۳۰۱۲ء

غنی کاشمیری کا زبان سے اپنے نام پیغام، دراصل تمام شاعروں کے نام پیغام تھا اور اب بھی ہے کہ صورت حال اب بھی وہی بلکہ مزید ابتر ہے۔

زندہ رُود

۱۳۹۰- باشۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

در میکدہ ہا دیدم شائستہ حریفے نیست
با رستمِ دستاں زن با مغبچہ ہا کم زن

اے لالۂ صحرائی تنہا نہ توانی سوخت
این داغ جگر تابے بر سینۂ آدم زن

۳۰۱۲ء سرگزشتِ اقبال صفحہ ۲۱۵ - ڈاکٹر عبدالسلام خورشید - اقبال اکادمی پاکستان - لاہور طبع اول ۱۹۷۷ء

تو سوز درون او، تو گرمی خون او
باور نہ کنی؟ چاکے در پیکر عالم زن

عقل است چراغ تو در راہ گذارے نہ
عشق است ایاغ تو با بندۂ محرم زن

لخت دل پُر خونے از دیدہ فرو ریزم
لعلے ز بدخشانم بردار و بہ خاتم زن

حواشی و تعلیقات :

شعر نمبر ۱۳۹۰ - درویشی : فقیری - درویش اصل میں دروزیر تھا۔ زا کو ش میں بدل دیا گیا - دروزیر بھی درآویز تھا وہ جو دروازے سے چمٹا رہے - اگر انسانوں کے دروازے سے چمٹا رہے تو گداگر اور درویشی گداگری - اور مولائے حقیقی کے دروازے سے چمٹ جائے تو فقیر کامل، درویشی فقیر کامل (جدید لغات کستوری)۔

جم : جمشید : نام فارس کے ایک بادشاہ کا۔ جو حلیم پیشہ تھا۔ یہ نام اگر خاتم و نگیں، اسپ تخت و باد، آصف و ماہی و طیور وغیرہ کے ساتھ آئے تو مراد حضرت سلیمان علیہ السلام ہوتے ہیں - اور اگر سد و آئینہ و آب حیواں کے ساتھ آئے تو مراد سکندر سے ہوگی - اور اگر جام و شراب و بزم و جشن نوروز وغیرہ کے ساتھ آئے تو مراد فارس کا جمشید بادشاہ ہوتا ہے (غیاث اللغات فارسی بحوالہ کشف و مدار)۔

رستم و دستاں : ایران کا مشہور پہلوان جس کی بہادری کے قصے مشہور ہیں وہ سام کا پوتا اور زال کا بیٹا تھا (سید عابد علی عابد نے اسے سام کا بیٹا لکھا ہے — تلمیحات اقبال عابد ص ۴۶۶)۔ جب ایران کے بادشاہ کیکاؤس کو دیو سپید نے شکست دی تو رستم اس کی مدد کے لئے روانہ ہوا اور سات مہمیں سر کیں، جنہیں ہفت خوانِ رستم کہا جاتا ہے - رستم کے کارناموں کو فردوسی نے اپنے شاہنامے میں تفصیل سے بیان کیا ہے - جس پر علامہ اقبال نے یہ تبصرہ کیا ہے

دل بہ رستم داد و از حیدر گذشت باوطن پیوست و از خود در گذشت ۳۰۱۵ (ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۲۵)۔

رستم کا بیٹا سہراب بھی پہلوان تھا۔ جو باپ کے ہاتھوں مارا گیا۔ ۳۰۱۶ ساسانی عہد میں اکثر پہلوانوں کے نام رستم رکھے جاتے تھے ایران پر مسلمانوں کے حملے کے وقت بھی رستم نامی کمانڈر نے مدافعت کی تھی ۳۰۱۷

۳۰۱۵ کلیات اقبال فارسی ص ۶۹۲ (جاوید نامہ) ، ۳۰۱۶ دائرہ معارف اقبال مکتب حسن (اختر) ص ۲۳۹ ، تلمیحات اقبال عابد ص ۴۶۶
۳۰۱۷ مطالب اقبال منقول انور داؤدی ص ۱۱۵ - ایضاً نیز جامع اللغات ج ۲ مرتبہ خواجہ عبد الحمید اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۸۹

آدم : ملاحظہ ہو حاشیہ شعر نمبر۱ مناجات **عقل، عشق** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۷، ۲۸

صحبت باشاعر ہندی برتری ہری (۲۲۵)

۱۳۹۷- حوریاں را در قصور و در خیام　　نالۂ من دعوتِ سوزِ تمام
آں یکے از خیمہ سر بیروں کشید　　واں دگر از غرفہ رخ بنمود و دید
ہر دوے را در بہشت جاوداں　　دادم از درد و غم آں خاکداں
زیر لب خندید پیر پاک زاد　　گفت اے جادوگر ہندی نژاد
آں نوا پرداز ہندی را نگر　　شبنم از فیض نگاہِ او گہر
نکتہ آرائے کہ نامش برتری ست　　فطرت او چوں سحاب آذری ست
از چمن جز غنچۂ نورس نچید　　نغمۂ تو سوئے ما او را کشید
پادشاہے با نوائے ارجمند　　ہم بہ فقر اندر مقام او بلند
نقش خوبے بند از فکر شگرف　　یک جہاں معنی نہاں اندر دو حرف
کارگاہ زندگی را محرم است　　او جم است و شعر او جام جم است

ما بہ تعظیم ہنر برخاستیم
باز با وے صحبتے آراستیم

زندہ رُود

اے کہ گفتی نکتہ ہائے دل نواز　　مشرق از گفتار تو دانائے راز
شعر را سوز از کجا آید بگوے
(۲۲۶) از خودی یا از خدا آید بگوے

برتری ہری

کس نداند در جہاں شاعر کجاست　　پردۂ او از بم و زیر نواست
آں دلے گرمے کہ دارد در کنار　　پیش یزداں ہم نمی گیرد قرار
۱۴۱۲- جان ما را لذت اندر جستجوست　　شعر را سوز از مقام آرزوست

اے تو از تاکِ سخن مست مدام — گر ترا آید میسر این مقام
با دو بیتے در جہان سنگ و خشت — می تواں بردن دل از حور بہشت

زندہ رود

ہندیاں را دیدہ ام در پیچ و تاب
سرِّ حق وقت است گوئی بے حجاب

برتری ہری

۱۴۱۴ — این خدایانِ تنک مایہ ز سنگ اند و ز خشت
برترے ہست کہ دور است ز دیر و ز کنشت

۱۴۱۷ — سجدہ بے ذوق عمل خشک و بجائے نرسد
زندگانی ہمہ کردار چہ زیبا و چہ زشت

فاش گویم بہ تو حرفے کہ نداند ہمہ کس
اے خوش آں بندہ کہ بر لوحِ دل او بنوشت

۱۴۱۹ — این جہانے کہ تو بینی اثرِ یزداں نیست
چرخہ از تست و ہم آں رشتہ کہ بر دوکِ تو رشت

پیش آئینِ مکافاتِ عمل سجدہ گذار
زانکہ خیزد ز عمل دوزخ و اعراف و بہشت

حواشی و تعلیقات : (۲۲۵) **بھرتری ہری :** جس قدر تاریخی مواد میسر آسکتا ہے اس کی رو سے بھرتری ہری راجہ گندھرب سین کا بیٹا تھا۔ جو اجین کا راجہ تھا۔ بچپن ہی میں ماں باپ مرگئے تھے۔ اور راجہ وہاڑ نے بھرتری ہری کی پرورش کی جو بھرتری کے سوتیلی ماں کے باپ تھے۔ راجہ وہاڑ کے نواسے اور بھرتری کے سوتیلے

بھائی کا نام وکرم تھا۔ راجہ دھار نے بھرتری کے اخلاق سے متاثر ہوکر اُسے اپنا راج پاٹ سونپ کر خود درویشی اختیار کرلی ــــ

بھرتری کی جوانی خوش رو اور خوش گلو عورتوں کے درمیان بسر ہوئی عمر کے اس حصے کے اشلوک شرنگار شتک کے نام سے جمع ہیں۔ دوسرا دور تفکر و تدبر کا دور تھا جب بھرتری کو دنیا کی سوجھ بوجھ مل گئی تھی اس دور کی شاعری نیتی شتک کے نام سے مدون ہوئی، تیسرا مجموعہ ویراگ شتک اس کے ترکِ دنیا اور تیاگ کے زمانے کی شاعری پر مشتمل ہے۔

ویراگ کی کہانی بھی عجیب ہے مختلف لوگوں نے مختلف انداز میں اسے بیان کیا ہے۔ رانی نے اس کے ہوتے کسی اور سے تعلق قائم کر رکھا تھا۔ ایک رات اس نے رانی کی اس بے وفائی، کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کیا، رانی زہر کھا کر مرگئی۔ جب اس کی چتا کے شعلے دیکھے تو بھرتری کے دل کی پھر کسک لگی کچھ بھی تھی، تھی تو اس کی محبوبہ، سوگ کئی مہینوں پر پھیل گیا۔ مصاحبوں نے اس کے ذوق کے مطابق حسن تلاش کیا مالوہ کی حسین ترین دوشیزہ کو اس کا دل بہلانے پر مامور کردیا۔ بھرتری کا دل تو بہل گیا لیکن وہ چبھن کہ یہ بھی بے وفا نکلی تو پھر، بدستور قائم تھی۔ ایک دن بھرتری نے بطور آزمائش ہرن کے خون میں اپنے کپڑے آلودہ کرکے رانی کے پاس بھجوائے کہ افسوس ایک شیر نے راجہ کا کام تمام کردیا۔ رانی صدمہ کی تاب نہ لاکر مرگئی۔ یہ برعکس منظر تھا، بھرتری کا دل اس دنیا سے اچاٹ ہوگیا اس نے فیصلہ کیا کہ اس سے دل لگاؤں گا جسے موت نہیں آسکتی۔ اپنے وزیر کو مالوہ کی حکومت سونپ کر ویراگ لے لیا ــــ

دھار سے اجین، اجین سے ہمیلہ۔ یہاں سے نیپال کی ترائی میں رہنے والے یوگی گورکھ ناتھ کے پاس پہنچا۔ وہاں بارہ۱۲ برس تک علوم ظاہری و باطنی سیکھے۔ گرو نے پوری آزمائش کے بعد سنیاس مارگ پر قائم کیا اور بھرتری کی بے قرار روح کو شانتی حاصل ہوئی ۔ ۳۰۱۸

ایک اور روایت کے مطابق ایک برہمن نے بہت عرصہ خدا کی بندگی کی اور اسے ایک امرت پھل ملا جسے کھا کر انسان ہمیشہ زندہ اور جوان رہتا ہے۔ اس نے یہ پھل بھرتری ہری کی خدمت میں پیش کیا اس لئے کہ بھرتری دھرم کا پابند اور نیک راجہ تھا۔ بھرتری کو اپنی رانی اننگ سینا سے بڑی محبت تھی اس نے وہ پھل اُسے دے دیا تاکہ اس کا حسن و شباب دائمی بن جائے۔ رانی کی محبت ایک کوتوال سے تھی رانی نے یہ پھل اُسے دے دیا کوتوال ایک بیسوا کی محبت میں سرشار تھا۔ اس نے یہ پھل اسے دے دیا۔ بیسوا اپنی زندگی سے بیزار تھی اس نے یہ پھل اپنے نیک دل راجہ ہی کو دینا مناسب سمجھا۔ چنانچہ پھل جہاں سے چلا تھا وہیں آگیا۔ جب اس پر تمام حقیقت حال کھلی تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس واقعہ نے اس کے من کی دنیا بدل دی ــــ ایک ڈگر پر دھیرے دھیرے بہتی ہوئی ندی میں اچانک باڑھ آجانے سے پانی ایک لمحہ کے لئے رکا اور پھر اس نے اپنے لئے ایک نئی راہ نکالی اب اس کا رخ آبادی کی طرف نہیں ویرانوں اور جنگلوں کی طرف تھا ۔ ۳۰۱۹

۳۰۱۸ شرح جاوید نامہ چشتی صفحہ ۱۰۲۹ تا صفحہ ۱۰۵۲ (انتخاب)۔ ۳۰۱۹ جواہرات بھرتری ہری۔ جے کرشن چودھری ۱۹۵۱ء دہلی بھارت صفحہ ۱۲/۱۳ (پس منظر)۔

یورپ میں پادری ابراہیم راجر نے بھرتری ہری کے شلوکوں کے انتخاب کو ۱۶۵۱ء میں لاطینی روپ بخشا ، پروفیسر ٹانی (TAWNEY) نے ۱۸۷۷ء میں اس کا انگریزی ترجمہ کلکتہ سے شائع کیا گیا۔ ۱۸۸۹ء میں دوسرا انگریزی ترجمہ مدور سے شائع ہوا جو پہلے سے بہتر تھا۔ ۱۸۹۶ء میں پروہت گوپی ناتھ نے اس کا ہندی اور انگریزی کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمے ۱۹۱۰ء میں مفید حواشی کے ساتھ بمبئی سے ایک ہی جلد میں شائع ہوئے ؎ ۳۰۲۰

ڈکسن سکاٹ [DIXON SCOTT] نے ملفوظات بھرتری ہری کے نام سے (Bhartari Says] سے بعض حصے انگریزی میں شائع کیے ہیں ۔ ۱۹۴۸ء میں بھارتیہ ودیا بھون بمبئی کی طرف سے مکمل کتاب کا سنسکرت متن کے ساتھ انگریزی میں تبصرہ شائع ہوا یہ ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈامنٹل ریسرچ بمبئی کے پروفیسر ڈی ڈی کوشمبی (D.D. Kosambi) نے تالیف کی ۔ یہ کتاب ہندوستان کے اندر اور باہر دستیاب تمام نسخوں کا نچوڑ ہے ؎ ۳۰۲۱

یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ سنسکرت گرامر Vakya Padiya کے مصنف بھرتری ، الگ شخصیت ہیں ۔ شاعر بھرتری ہری نے اقبال کو بے حد متاثر کیا ۔ بال جبریل کے صفحہ اول پر بھرتری کے ایک شلوک کا ترجمہ لکھ کر اقبال نے گویا یہ کتاب بھرتری ہری کے نام معنون کی ۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

علامہ کا یہ شعر بھرتری ہری کے متعدد شلوکوں سے مفہوم مشترک کو سمیٹے ہوئے ہے ۔ ایک شلوک کچھ اس طرح ہے ۔

" مگر مچھ کے جبڑے سے موتی نکال لینا بہت ممکن ، متلاطم سمندر کو تیر کر عبور کرنا آسان ایک غضب ناک سانپ کو سر پر پھول کی طرح رکھ لینا سہل ۔ پر یہ ناممکن کہ جاہل کے دل میں جا گزیں کسی خیال کو ہٹایا جا سکے " ؎ ۳۰۲۲

" کنول کی نازک ڈنڈی [شاخ] سے ہاتھی کو باندھا جا سکتا ہے ۔ ہیرے کو سرسوں کے پھول کی پتی سے بیندھا جا سکتا ہے اور شہد کی ایک بوند سے کھارے سمندر کو میٹھا کیا جا سکتا ہے ، لیکن مرد ناداں کو میٹھی باتوں سے رام کر لینا سعیٔ لاحاصل ہے " ؎ ۳۰۲۳

لالہ لال چند فلک نے اس دوسرے اشلوک کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے ۔

؎ ۳۰۲۰ شرح جاوید نامہ ۔ چشتی ص ۱۰۵۳ ۔۔ ایضاً ۔۔
؎ ۳۰۲۱ ارمغان سنسکرت بھرتری ہری اردو میں : منظوم ترجمہ یوسف ناظم ص ۸ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ۔ جامعہ نگر نئی دلی ۲۵
؎ ۳۰۲۲ جذبات بھرتری ہری ۔ جے کرشن چودھری ص ۴۳ ایضاً ۔ ؎ ۳۰۲۳ ایضاً ص ۴۵ ۔

"جو انسان جاہلوں کو اپنے نیک ہدایت سے راہ راست پر لانا چاہتا ہے وہ گویا شاخِ گل سے ہاتھی کو باندھنے اور برگِ گل کی نوک سے ہیرے میں سوراخ کرنے اور کھارے سمندر کو ایک بوند رس سے شیریں کرنے کی بیکار کوشش کرتا ہے" ع ۳۰۲۴

علامہ نے نہایت عقیدت سے ہری کو خراج پیش کیا ہے

آن نوا پرداز ہندی را نگر ... شبنم از فیضِ نگاہِ او گہر
نکتہ آرائے کہ نامش برتری ست ... فطرتِ او چون سحاب آذری ست
پادشاہے با نوائے ارجمند ... ہم بہ فقر اندر مقامِ او بلند
کارگاہِ زندگی را محرم است ... اوجہم است و شعرِ او جامِ جم است ع ۳۰۲۵

آرتھر ڈبلیو رائڈر نے لکھا۔

In short verses the Hindu's excel, their mastry of form, their play of fancy, their depth and tenderness of feeling are all exquisite, of the many who wrote such verses, the greatest is Bhartari Hari ۳۰۲۶

ترجمہ: مختصر گیتوں کے کہنے میں ہندوؤں کو کمال حاصل ہے۔ اُن کے ہاں بندش کی پختگی، تخیل کی بلند پروازی احساسات کی گہرائی اور لطافت، تمام دل پذیر ہیں ایسے بہت سے گیت کہنے والوں میں بھرتری ہری کا درجہ سب سے بلند ہے۔

(۲۲۶) **خودی**: خودی علامہ کا مرکزی تصور ہے اور فلسفۂ اقبال کی ساری بحثیں اسی نقطۂ نور سے پھوٹتی ہیں۔ عقل، عشق، تقدیر اور دیگر موضوعات کے تحت "خودی" کی ماہیت واضح کر دی گئی ہے۔ علامہ لکھتے ہیں۔

نقطۂ نورے کہ نام او خودی ست ... زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی ست
از محبت می شود پایندہ تر ... زندہ تر سوزندہ تر تابندہ تر ع ۳۰۲۷
از محبت چون خودی محکم شود ... قوتش فرمان دہِ عالم شود ع ۳۰۲۸
خودی اندر خودی گنجد محال است ... خودی را عین خود بودن کمال است ع ۳۰۲۹

ع ۳۰۲۴ بھرتری ہری شتک ص ۱۲ اشلوک ۶، لالہ لال چند فلک لاہور بار اول سن ندارد

ع ۳۰۲۵ کلیات اقبال فارسی ص ۱۱/۱۲ (جاوید نامہ — زیر فلک) ع ۳۰۲۶ جذبات بھرتری ہری۔ پرنس ہوتری الفا

ع ۳۰۲۷ کلیات اقبال فارسی ص ۱۸ (مثنوی اسرار خودی) ع ۳۰۲۸ ایضاً ص ۲۵ ع ۳۰۲۹ ایضاً ص ۵۵۱ گلشن راز جدید

شعر نمبر ۱۴۱۲: شعر اسوزاز مقام آرزوست: فلسفۂ خودی میں آرزو یا تخلیق مقاصد کو بنیادی حیثیت واہمیت حاصل ہے۔

زندگی در جستجو پوشیدہ است — اصل او در آرزو پوشیدہ است
اے ز راز زندگی بیگانہ خیز — از شراب مقصدے مستانہ خیز
ما ز تخلیق مقاصد زندہ ایم — از شعاع آرزو تابندہ ایم ۳۰۳۰

علامہ ادب برائے ادب نہیں ادب برائے زندگی کے قائل تھے۔ اور ادب برائے زندگی اعلیٰ مقصد کو ترتیب جانتا ہے۔

"میرا عقیدہ ہے کہ آرٹ یعنی ادبیات یا شاعری یا مصوری یا موسیقی یا معماری ان میں سے ہر ایک زندگی کی معاون اور خدمتگار ہے۔ اسی بنا پر میں آرٹ کو ایجاد و اختراع سمجھتا ہوں نہ کہ محض آلۂ تفریح۔ شاعر قوم کی زندگی کی بنیاد کو آباد بھی کر سکتا ہے اور برباد بھی" ۳۰۳۱

شعر نمبر ۱۴۱۶ا۔ "... ہر چیز میں ہمارے لئے خطرہ چھپا ہوا ہے اور جاودانی امن و راحت ان سے کنارہ کشی میں ہے" وہی بہتر ہے جو دھروں کے جھگڑوں (دیر و کنشت) سے دُور ہے — [جزئیات بھرتری ہری ص ۶۹ از بجے کرشن چودھری، جے پور راجستھان ۱۹۵۱ء]

شعر نمبر ۱۴۱۷ا۔ زندگانی ہمہ کردار... خوش آب گوہروں کی مالا پہننے بازو بند باندھنے تن مانجھنے عطر ملنے پھولوں کے گجرے ڈالنے اور بالوں کو آراستہ کرنے میں انسان کی زیبائش وعزت نہیں بلکہ وہ باتیں جو دنیا کی بھلائی سے متعلق ہوں انسان کا زیور ہیں۔ کیونکہ اول الذکر سب زیبائشیں زوال پذیر ہیں مگر موخر الذکر لازوال" ۳۰۳۲

شعر نمبر ۱۴۱۹ا۔ چرخہ آریاؤں کی زندگی کے تصور کی بنیادی علامت ہے۔ جو آواگون یا تناسخ کے تصور کی مرکزی علامت ہے۔ اس چرخے پر بار بار چڑھنے سے بچنے کی راہ ترک عمل میں تلاش کی گئی تھی — علامہ نے کہا "چرخہ بھی تیرا ہے سوت جو کاتا جا رہا ہے وہ بھی ترا" یعنی عمل ہی عمل، ترک عمل کیا؟۔

شعر نمبر ۱۴۲۰ا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے ۳۰۳۳

در عمل پوشیدہ مضمون حیات — لذت تخلیق قانون حیات
خیز و خلاق جہان تازہ شو — شعلہ در بر کن خلیل آوازہ شو ۳۰۳۴

۳۰۳۰ کلیات اقبال فارسی ص ۱۴–۱۵ (مثنوی اسرار خودی)
۳۰۳۱ مقالات اقبال عبدالواحد معینی ص ۲۱۸
۳۰۳۲ شتک بھرتری ہری ص ۱۴ شلوک ۱۹۔
۳۰۳۳ کلیات اقبال اردو ص ۲۷۹ (بانگ درا: طلوع اسلام)
۳۰۳۴ کلیات اقبال فارسی ص ۴۹ مثنوی اسرار خودی

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ۝ ۳۰۳۵

گویا زندگی وہ فرصت ہے جس میں خودی کو عمل کے لا انتہا مواقع میسر آتے ہیں اور جس میں موت اس کا پہلا امتحان ہے تاکہ وہ دیکھ سکے اسے اپنے اعمال وافعال کی شیرازہ بندی میں کس حد تک کامیابی ہوئی ہے۔ اعمال کا نتیجہ نہ تو لطف ہے نہ درد۔ اعمال یا تو خودی کو سہارا دیتے یا اس کی ہلاکت اور تباہی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ امر کہ خودی فنا ہو جائے گی یا اس کا کوئی مستقبل ہے، عمل پر موقوف ہے، اور اس لئے خودی کو برقرار رکھیں گے تو وہی اعمال جن کی بنا اس اصول پر ہے کہ ہم بلا امتیازِ من و تو، خودی کا احترام کریں۔ لہٰذا بقائے دوام انسان کا حق نہیں اس کے حصول کا دار و مدار ہماری مسلسل جد و جہد پر ہے" ۳۰۳۶

"دنیا میں کوئی کام بھی سعیٔ بلیغ کے بغیر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ بھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت خود نہ بدلے (اپنے اندر صلاحیت پیدا نہ کرلے)۔" ۳۰۳۷ ع زندگی جہد است و استحقاق نیست ۳۰۳۸

حرکت بہ کاخ سلاطین مشرق

نادر (۲۲۷)، ابدالی (۲۲۸)، سلطان شہید (۲۲۹)

۱۲۴۱۔ رفت در جانم صدائے برتری — مست بودم از نوائے برتری
گفت رومی چشمِ دل بیدار بہ — پا بروں از حلقۂ افکار بہ
کردۂ بر بزم درویشاں گذر — یک نظر کاخ سلاطیں ہم نگر
خسروانِ مشرق اندر انجمن — سطوتِ ایران و افغان و دکن
نادر آں دانائے رمزِ اتحاد — با مسلماں داد پیغامِ وداد
مرد ابدالی وجودش آیتے — داد افغاں را اساسِ ملتے

۳۰۳۵ الملک: ۱، ۲ ۳۰۳۶ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۱۸۰ ۔ ایضاً ۔
۳۰۳۷ مقالات اقبال عبدالواحد معینی ص ۵۲ ایضاً ۔ ۳۰۳۸ کلیات اقبال فارسی ص ۱۸۸ [پیام مشرق]

۱۲۲۷- آن شهیدان محبت را امام
آبروی هند و چین و روم و شام

نامش از خورشید و مه تابنده تر
خاک قبرش از من و تو زنده تر

عشق رازی بود بر صحرا نهاد
تو ندانی جان چه مشتاقانه داد

۱۲۳۰- از نگاه خواجهٔ بدر و حنین (۲۳۰)
فقر سلطان وارث جذب حسین (۲۳۱)

رفت سلطان زین سرای هفت روز
نوبت او در دکن باقی هنوز

حرف و صوتم خام و فکرم ناتمام
کی توان گفتن حدیث آن مقام

نوریان از جلوه‌های او بصیر
زنده و دانا و گویا و خبیر

قصری از فیروزه دیوار و درش
آسمان نیلگون اندر برش

رفعت او برتر از چند و چگون
می‌کند اندیشه را خوار و زبون

آن گل و سرو و سمن آن شاخسار
از لطافت مثل تصویر بهار

هر زمان برگ گل و برگ شجر
دارد از ذوق نمو رنگ دگر

این قدر باد صبا افسونگر است
تا مژه برهم زنی زرد احمر است

هر طرف فواره‌ها گوهر فروش
مرغک فردوس زاد اندر خروش

بارگاهی اندر آن کاخ بلند
ذرهٔ او آفتاب اندر کمند

سقف و دیوار و اساطین از عقیق
فرش او از یشم و پرچین از عقیق

بر یمین و بر یسار آن وثاق
حوریان صف بسته با زرین نطاق

در میان بنشسته بر اورنگ زر
(۲۳۲) خسروان جم حشم (۲۳۳) بهرام فر

رومی آن آئینهٔ حسن ادب
با کمال دلبری بگشاد لب

گفت مردی شاعری از خاور است
شاعری یا ساحری از خاور است

فکر او باریک و جانش دردمند
شعر او در خاوران سوزی فکند

حواشی و تعلیقات

(۲۲۷) **نادر شاہ درانی:** امام قلی بیگ کا بیٹا نادر قلی بیگ ۲۲ نومبر ۱۶۸۸ء کو پیدا ہوا۔ جوان ہوا تو ڈاکوؤں کا سردار بن گیا۔ اچھی خاصی قوت پیدا کر لی یہاں تک کہ ۱۷۳۰ء میں ایران کے صفوی حکمران طہماسپ دوم نے ابدالیوں سے نجات کے لئے اُس کی مدد حاصل کی۔ نادر شاہ نے قندھار تک افغانوں کا پیچھا کیا۔ شاہ ایران کا ترکوں سے معاہدہ، نادر شاہ کی مرضی کے خلاف تھا اس لئے نادر شاہ نے بادشاہ کو ۱۷۳۲ء میں معزول کر کے شیر خوار شہزادے کو عباس سوم کے لقب سے تخت نشین کیا اور خود اس کا سرپرست بن گیا۔ ۱۷۳۶ء میں، خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ کیونکہ شہزادہ مر گیا تھا۔

بعض افغان سردار ہندوستان بھاگ آئے تھے نادر شاہ نے محمد شاہ سے اُن کا مطالبہ کیا۔ محمد شاہ نے اس کی پرواہ نہ کی چنانچہ نادر شاہ نے مغلیہ سلطنت کے صوبہ کابل پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا اور ۱۷۳۹ء میں لاہور سے ہوتا ہوا دہلی پہنچ گیا۔۔۔ افغان سردار شاید بادشاہ کے اس فرمان سے بھاگے تھے جو اُس نے تختِ سلطنت پر جلوس کرنے کے فوراً بعد جاری کیا تھا۔[۳۳۹] ڈاکٹر محمد ریاض لکھتے ہیں۔

"اُنہیں [علامہ اقبال کو] نادر شاہ افشار ایرانی کی ایران میں اور برصغیر میں سفاکیوں سے یہاں کوئی واسطہ نہیں اُنہیں اُس کی اِن ناکام کوششوں سے واسطہ ہے جو اُس نے سنی شیعہ اتحاد کے سلسلے میں کیں۔ پھر اس کے ذریعے ایرانیوں کی مغرب مآبی اور غیر معمولی وطن پرستی وغیرہ پر انتقاد کرنا بھی مقصود تھا"۔[۳۰۴۰]

سچ تو یہ ہے کہ ذاتی اغراض نے مسلمانوں کو ہر کہیں رسوا کیا۔ خان دوراں کے ساتھ نظام الملک اور برہان الملک کی ذاتی پرخاش نے انہیں **میدانِ جنگ میں محمد شاہ کی حکم عدولی پر مجبور کر دیا۔ خان دوراں شام کے قریب گولی کھا کر گھوڑے سے گرا تو فوج نے ہتھیار ڈال دیئے** نادر شاہ نے طبلِ فتح بجایا۔۔۔ اگلے دن برہان الملک کے ایما پر بادشاہِ دلی محمد شاہ کو ساتھ لے کر ۲۰ مارچ ۱۷۳۹ء کو دلی میں داخل ہوا کوتوال دہلی لطف اللہ خان سے شہر پناہ، لال قلعہ اور خزانہ کی کنجیاں حاصل کیں۔ ۲۳ مارچ کو شہر میں قتلِ عام کا حکم دیا گیا اور ادبی دنیا کو "شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت" کی ضرب المثل ہاتھ آئی۔ ہندوستان کی تاریخ کا ورق ورق میر جعفر اور میر صادق جیسی خبیث روحوں سے مملو ہے۔ نادر شاہ نے چھ گھنٹوں میں تیس ہزار ہندو مسلمانوں کو قتل کیا۔۔۔ معلوم نہیں اسے عقیق اور فیروزے کا محل جنت میں کیوں بخشا گیا؟[۳۰۴۱] شاید "شیعہ سنی" تفرقہ مٹانے والا وہ عمل جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے "ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے"، کی خواہش اتحادِ ملت سے لگا کھاتا تھا اس لئے۔۔۔ واللہ اعلم ایک ارب چار کروڑ مالیت کا مالِ غنیمت اور محمد شاہ کی بیٹی اپنے بیٹے

۳۰۳۹ء وہ حکم ایران کے اہلِ تشیع کو اہلِ سنت والجماعت کا مسلک قبول کرنا تھا۔ تلمیحاتِ اقبال عابد صفحہ ۱۵۸ ایضاً۔
۳۰۴۰ء جاوید نامہ: تحقیق و توضیح صفحہ ۱۶۷ ایضاً ۳۰۴۱ء شرح جاوید نامہ چشتی صفحہ ۱۰۶۶ ایضاً"

نصراللہ خان کو بیاہ کر نادر شاہ واپس ہوا اور مرہٹوں کے لئے راہ ہموار کر گیا۔ جوانی کا یہ ڈاکو جنگی معاملات میں بے نظیر سوجھ بوجھ کا مالک تھا لیکن قتل اس کے لئے کھیل تھا اسی لئے ۱۰ مئی ۱۷۴۹ کو اپنے ہی قبیلے کے ایک فرد کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گیا۔[۳۰۲۲]

(۲۲۸) احمد شاہ ابدالی: صوبہ ہرات کے سدوزئی قبیلہ کا یہ فرد فرید ملتان میں پیدا ہوا —— احمد خان کو اس کے مرشد خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ نے ابدالی کہا۔ ۱۷۳۹ میں جب نادر شاہ نے دہلی پر یلغار کی تو احمد خان کی شجاعت کے جوہر نمایاں ہوئے نادر شاہ نے اسے چھ ہزار خاصہ کے سواروں کا کمانڈر بنا دیا۔ وہ کہا کرتا تھا "میں نے اپنی ساری عمر میں احمد خان سے زیادہ قابل، بہادر، باتدبیر، حوصلہ مند، اور بلند سیرت انسان نہیں دیکھا" —— ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کے قتل ہونے کے بعد افغانوں نے احمد شاہ کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس کے روحانی مرشد حضرت صابر شاہؒ نے اسے دُرّانی (موتیوں کی طرح حسین و پسندیدہ) کا لقب بخشا، رعایا اسے احمد شاہ درّانی کہتی تھی اور مورخ اسے احمد شاہ ابدالی لکھتے ہیں۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے افغانستان میں قومی حکومت قائم کی۔ اس سے پہلے افغانستان صدیوں سے اغیار کا محکوم چلا آ رہا تھا۔ علامہ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے "داد افغاں را اساس ملتے"۔

احمد شاہ ابدالیؒ کو اللہ نے نادر شاہ کا سارا مالِ غنیمت تقی خان اختہ بیگی شیرازی کے وسیلے سے عطا کیا وہ کوہِ نور ہیرا بھی اس میں تھا جس کا حوالہ دے کر برہان الملک نے نادر کو دہلی کی طرف دوڑایا تھا۔ خود تو وہ بدبخت کوئی صلہ پائے بغیر اگلے ہی روز واصلِ جہنم ہوا لیکن وہ دولت احمد شاہ کے قدموں میں آن پڑی۔ جس سے اس نے اپنی فوجی طاقت بنائی، اور پورے افغانستان پر اقتدار حاصل کیا، مشہد، ہرات، خراسان، کشمیر، سندھ اور پنجاب کا ایک حصہ بھی اس کی عملداری میں آ گیا تھا —— ہندوستان پر سات حملوں نے مرہٹوں کی طاقت کو ملیامیٹ کر دیا پانی پت کی تیسری لڑائی کی یہی بڑی اہمیت ہے لیکن مذکورہ بالا مفتوحات میں درانیوں کے قدم نہ جم سکے اس لئے سکھوں نے پاؤں جمائے۔ ۱۷۲۵ء میں سکھوں نے ملتان میں خون ریزی کا وہی منظر دکھایا جو نادر نے دہلی میں دکھایا تھا۔ ابدالی نے اس فتنے کو فرو کرنے کے لئے تین مرتبہ [۱۷۶۷ تا ۱۷۷۰ء] حملے کئے مگر مسلم بدقسمتی نے اس کا قلع قمع نہ ہونے دیا۔ ۱۷۷۳ء میں یہ بلند اقبال افغانی اللہ کو پیارا ہوا۔[۳۰۲۳]

(۲۲۹) سلطان ٹیپو شہیدؒ۔ ابوالفتح علی: اورنگ زیب عالمگیر جنہیں علامہؒ "ترکشِ مارا خدنگِ آخریں" لکھتے ہیں اپنے بعد کسی لائق جانشین کا وجود چھوڑ کر نہ گئے۔ تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو میدان میں اترنے کا موقع ملا۔ اٹھارہویں صدی کے آخری سالوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو دکن میں تین طاقتوں سے خطرہ تھا نظام حیدر آباد، فرماں روایانِ میسور، اور کمزور مگر پرعزم مرہٹے۔[۳۰۲۴]

۳۰۲۲ مطالعہ تلمیحات اقبال۔ فرلتی ص ۲۲۹ ۔ ایضاً ۳۰۲۳ شرح جاوید نامہ چشتی ص ۱۰۶۸، تلمیحات اقبال عابد ص ۳۵-۳۶

۳۰۲۴ تلمیحات اقبال عابد ص ۱۰۲ - ایضاً ——

لیکن حقیقی قوت میسور کے شجاع اور غیور و حسبو ر سلطان تھے۔ جنہیں نظام اور مرہٹوں کی طرف سے بھی کسی امداد کی توقع نہ تھی۔ اس لئے کہ وہ بھی ذیشان روڑے میسور سے خطرہ محسوس کرتے تھے۔ سلطان حیدر علی اور ان کے بعد سلطان ٹیپو نے میسور کے لوگوں میں نئی روح پھونک دی تھی۔

سلطان ٹیپو کے والد پنجاب سے ہجرت کر کے گلبرگہ (دکن) میں آباد ہو گئے تھے۔ اس وقت میسور پر ہندو راجہ حکمران تھا۔ مرہٹوں نے میسور کو اپنی مقبوضات میں شامل کرنا چاہا۔ راجہ نے حیدر علی کو ان کے خلاف کمان دی۔ حیدر علی کامیاب لوٹا تو راجہ بدنیت ہو گیا لیکن حیدر علی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس طرح میسور کا فرمان روا بن گیا۔

حیدر علی کے گھر ٹیپو سلطان کی ولادت ۱۷۵۰ء یا ۱۷۵۳ء میں ہوئی۔ ایک روایت ۱۷۵۱ء کی بھی ہے۔ بہر حال قوموں کی تاریخ میں سال ولادت و وفات کی نہیں خصلت و کردار کی اہمیت ہوتی ہے۔ ٹیپو نے تیس سال کی عمر میں میسور کے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ ٹیپو تمام اسلامی ریاستوں کو مل کر غیر ملکی اثر و نفوذ مٹانے کے لئے تیار کر رہا تھا۔ لہذا انگریزوں کو اس سے حقیقی کد تھی۔

روایت ہے کہ لوگوں کو ٹیپو کے خلاف اکسانے کا کام ایک جعلی پیر کے سپرد ہوا تھا۔ اردگرد جتنے امراء تھے اکثر خرید لئے گئے جن کا سرغنہ میر صادق تھا (ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۰۵)۔ میر قمر الدین، میر قاسم علی اور بدر الزماں جیسے معتمد امراء بھی بک چکے تھے۔ سلطان اپنے ہی قول "شیر کی ایک روزہ حیات گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے" کے مصداق غیرت سے جئے اور عزت سے مرے۔ ۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے نظام اور مرہٹوں سے مل کر سلطان پر چڑھائی کی۔ سرنگا پٹم کے قلعہ میں محصور ٹیپو نے مرنے یا مارنے کا فیصلہ کر کے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ گھیر لیا گیا۔ میر صادق نے یہ اہتمام کیا تھا۔ انگریزوں نے شاہی خزانہ لوٹا، کتابیں نے گئے کچھ کلکتہ میں رہیں اور اکثر لندن بھیج دی گئیں — اب انگریزوں کے لئے تخت دہلی تک پہنچنا آسان ہو گیا ع ۳۰۲۵

علامہ آزادی کے رسیا متوالے، اتحاد بین المسلمین کے داعی، بے لوث فرمان روا کے دلدادہ تھے۔ ضرب کلیم میں "سلطان ٹیپو کی وصیت" کے عنوان سے یہ نظم میں لکھا

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول ع ۳۰۲۶

ع ۳۰۲۵ تلمیحات اقبال عابد ص ۱۰۳ تا ص ۱۰۵ بحوالہ ٹیپو سلطان : محمد صادق، قومی کتب خانہ لاہور بیرون لوہاری دروازہ ۱۹۵۱ء
ع ۳۰۲۶ کلیات اقبال اردو ص ۵۲۵ (ضرب کلیم)۔

میجر سعید محمد خان کے نام اس تجویز کے جواب میں کہ اقبال کے نام سے ایک فوجی سکول قائم ہو۔ لکھا

"ایک معمولی شاعر کے نام سے فوجی سکول کو موسوم کرنا کچھ زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتا۔
میں تجویز کرتا ہوں کہ آپ اس فوجی سکول کا نام "ٹیپو فوجی سکول" رکھیں۔
ٹیپو ہندوستان کا آخری مسلمان سپاہی تھا جس کو ہندوستان کے مسلمانوں
نے جلد فراموش کر دینے میں بڑی ناانصافی سے کام لیا ہے۔
جنوبی ہندوستان میں جیسا کہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے اس مثالی
مرتبت مسلمان سپاہی کی قبر زندگی رکھتی ہے۔ بہ نسبت ہم جیسے لوگوں
کے جو بظاہر زندہ ہیں یا اپنے آپ کو زندہ ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکہ
دیتے رہتے ہیں" ۳۰۴۷

محمد عبدالجمیل بنگلوری کے نام مکتوب ۷ر نومبر ۱۹۲۹ء میں لکھتے ہیں
"سلطان شہیدؒ کے روزنامچہ کے لئے جو سلسلہ جنبانی آپ نے شروع
کر رکھی ہے، اس کے لئے سراپا سپاس ہوں اگر آپ ایک نسخہ بھجوا سکیں
تو میرے لئے یہ ایک گنج گراں بہا ہوگا۔ اس روزنامچہ سے امید ہے کہ سلطان
سے متعلق مجوزہ نظم [شاید جاوید نامہ؟] میں مجھے سلطان شہیدؒ کے صحیح
صحیح حالات پیش کرنے میں بہت امداد ملے گی۔ از راہ کرم مطلع فرمائیے
کہ وہ مالک کتاب قیمت چاہتے ہیں تو کتنی؟ میں بخوشی مناسب قیمت
ادا کرنے کو تیار ہوں اگر وہ آپ کو کتاب کی نقل لینے دیں تو خوشخط
نقل لے لیجئے۔" ۳۰۴۸

راغب احسن کے نام مکتوب ۱۶ر ستمبر ۳۷ء میں لکھا
"لاہور میں ایک ترک عالم آیا تھا اب شاید چلا گیا ہے مجھ سے
ملنے بھی آیا تھا۔ میرے کمرے میں سلطان ٹیپو کے مزار کا فوٹو
دیکھ کر بے اختیار رونے لگا" ۳۰۴۹

یہ سب سلطان شہیدؒ سے علامہ کے ذہنی و قلبی تعلق کے شواہد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نادر اور ابدالی پر
تو ایک ایک شعر لکھا لیکن ٹیپو شہید پر براہ راست اشعار سات ہیں۔

سلطان ٹیپو نے ۴ر مئی ۱۷۹۹ء کو جام شہادت نوش کیا ۳۰۵۰ وداد: دوستی۔
آرزو، چاہت [فرہنگ عامرہ]۔

۳۰۴۷ کلیات مکاتیب اقبال۔ برنی ج ۳ ص ۵۱/۵۲ ایضاً - ۳۰۴۸ ایضاً ص ۹۲
۳۰۴۹ ایضاً ص ۴۲۶ - ۳۰۵۰ مطالعہ تلمیحات اقبال برنی ص ۲۵۱

شعر نمبر ۱۲۲۷ ۔ آں شہیدانِ محبت را امام : مراد ابوالفتح سلطان ٹیپو شہید [تتمہ ۲۲۹]

(۲۳۰) **خواجہ بدر و حنین :** رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ آپ ۲۹ اگست ۵۷۰ء کو شہر مکہ میں پیدا ہوئے جسے اُم القریٰ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مشہور بہادر قبیلہ قریش کی نامور شاخ بنو ہاشم سے تھے۔ تبلیغ توحید میں بے پناہ مصائب برداشت کئے یہاں تک کہ مدینہ ہجرت فرمائی۔ اور بتائید اسلام کی بنیاد پر مکمل اسلامی معاشرہ کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ شہر دمشق اور بصرہ کی شاہ راہِ تجارت پر واقع تھا۔ قریش کے لئے وہاں مسلمانوں کا مستحکم ہونا ناقابلِ برداشت نہ تھا۔ چنانچہ قریش کے ساتھ مسلمانوں کا پہلا معرکہ ۲ رمضان ۲ھ (۶۲۴ء) کو بدر کی وادی میں ہوا۔ ابوجہل قتل ہوا۔ قریش مکہ کے قدم اکھڑ گئے۔ ستر لاشیں چھوڑ کر بھاگے اور ستر ہی قیدی بنے۔ چودہ صحابۂ رسول نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس جنگ سے نہ صرف مدینہ میں آپ کی شخصیت کو قوت و اثر ملا، عرب بھر میں سردارانِ قریش کا فخر ٹوٹ گیا اور نظریں آپ پر مرکوز ہو گئیں۔ دوسرے سال احد کے مقام پر پھر معرکہ ہوا۔ ذرا سی چوک کے سبب مسلمانوں کا جانی نقصان لیکن شکست پھر مشرکین مکہ کا مقدر ہوئی ———— خیبر کے یہودیوں کی سازش سے غزوہ خندق، الکفر ملۃ واحدۃ کی بنیاد پر ہوا لیکن حق کو غلبہ ہی ملا اور باطل نامراد لوٹا۔ ۶۳۰ء میں مکہ فتح ہو گیا۔ لات و ہبل توڑ دیئے گئے۔ یہاں سے آپ (۳۸) غزوہ حنین پر روانہ ہوئے اللہ نے فتح و نصرت کے ساتھ کثیر مالِ غنیمت بھی دیا۔ جو زیادہ تر اہلِ مکہ میں تالیفِ قلب کے تحت تقسیم کیا گیا۔ آپ انصار و مہاجر صحابہ رضوان اللہ کو لے کر مدینہ لوٹ آئے کیونکہ بیعت عقبہ جس کی ایفا میں آپ مدینہ تشریف لائے تھے۔ تقاضا کرتی تھی کہ حضور مکہ میں نہ ٹھہریں اور ایفائے عہد کرتے ہوئے مدینہ لوٹ جائیں ـــ آپ پر قرآن مجید نازل ہوا جو تمام صحفِ آسمانی کا مصدق اور اللہ کی آخری کتاب ہے۔ آپ نے ریاست کو اہلِ ریاست کا باہمی عمرانی معاہدہ ثابت کیا اور حاکم و محکوم کی تمیز مٹا دی ہے۔

مارچ ۶۳۲ء میں آپ نے حج فرمایا اور عرفات پر خطبہ دیا۔ یہ حج آپ کا آخری حج ثابت ہوا اور یہ خطبہ تاریخ انسانی کا لازوال منشور، صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلّم بعدد کل ذرۃ الف الف مرۃ : ۳۰۵۱ء

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

ــــــــــــــــ

۳۰۵۱ء تاریخ اسلام کا اجمالی خاکہ : پروفیسر شوکت واسطی ۔ عظیم پبلشنگ ہاؤس لاہور بار اول اپریل ۱۹۶۳ء

(۲۳۱) **سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما :** رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے علی المرتضیٰ کے خلف الرشید اور خاتون جنت فاطمۃ الزہرا رضی بنت رسول کے لخت جگر۔ استقامت اور صبر میں بے نظیر تھے اور رسول پاک کے گھرانے کی تمام خوبیوں کے مالک ، ۶۲۶ عیسوی میں پیدا ہوئے۔

اہل کوفہ نے مسلسل خطوط لکھ کر بلایا تاکہ یزید ابن معاویہ رض کے بجائے ان کی بیعت ہو لیکن غداری کی۔ چچازاد بھائی اور قاصد اول مسلم بن عقیل رض کو شہید کیا، حضرت حسین رض کو کربلا میں ۷۲ نفوس مرد عورتوں بچوں سمیت شہید کیا۔ صرف حسین رض کے فرزند زین العابدین رض [ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۵۵] زندہ بچے۔ علامہ نے حسین رض کو بھرپور خراج پیش کیا ہے۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسین رض ابتدا ہے اسمٰعیل ؑ ۳۰۵۲

صدق خلیل ؑ بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق ۳۰۵۳

رمز قرآں از حسین رض آموختیم
ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم
تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز ۳۰۵۴

درنوائے زندگی سوز از حسین رض اہل حق حریت آموز از حسین رض ۳۰۵۵

فقر عریاں گرمیٔ بدر و حنین
فقر عریاں بانگ تکبیر حسین رض ۳۰۵۶

~~~~

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری رض
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی ۳۰۵۷

پرچین : کھیت، باغ کی خاردار باڑ — یہاں فرش اور دیواروں کے ساتھ ذکر آیا ہے اس لئے حاشیہ، گوٹ اور سنجاف مراد لیا جانا چاہیئے۔ **نطاق :** کمربند، پیٹی، پٹکا [فرہنگ عامرہ]۔

۳۰۵۲ ، ۳۰۵۳ کلیات اقبال اردو ص ۳۵۵ [بال جبریل: ۲م] ، ص ۱۱۲ [بال جبریل: ذوق و شوق]
۳۰۵۴ کلیات اقبال فارسی ص ۱۱۷ [مثنوی رموز بے خودی: در معنیٔ حریت اسلامیہ و سرّ حادثہ کربلا] ۳۰۵۵ ایضاً ص ۱۵۳ (ایضاً)
۳۰۵۶ ایضاً ص ۸۱۸ [مثنوی پس چہ باید کرد] ۳۰۵۷ کلیات اقبال اردو ص ۳۶۵ [بال جبریل]۔
~~~~

(۲۳۲) جم : ملاحظہ ہو حاشیہ شعر نمبر ۱۲۹۰ -

(۲۳۳) بہرام : بہرام اول، ساسانی خاندان کا چوتھا بادشاہ اور ہرمز کا لڑکا تھا۔ ۲۷۳ء میں ایران کے تخت پر بیٹھا - رحم دل اور فیاض تھا - رعایا اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اس کے عہد کا مشہور واقعہ "منصور مانی" کا قتل ہے - جو فرقۂ مانویہ کا بانی تھا۔

[مانی : ایران کا مشہور منطقی اور مذہبی رہنما تھا - ۲۱۵ء کو ہمدان میں پیدا ہوا۔ پھر بابل چلا گیا - مارچ ۲۴۳ء کو شاہ پور کی تاج پوشی کے موقع پر اپنی پیغمبری کا اعلان کیا - لیکن زرتشت کے ماننے والوں نے اس کی سخت مخالفت کی - چنانچہ جلاوطن کر دیا گیا - شاہ پور کی موت کے بعد وہ وطن واپس آکر تبلیغ کی اجازت لے گئی، مگر ۲۷۳ء میں قتل کر دیا گیا - اس نے اپنا رسم الخط بھی ایجاد کیا تھا جس کی وجہ سے اسے مصور کہا جاتا ہے - "انسانی نجات کے لئے وہ دولت، عورت اور عشرت کے ترک کر دینے کی تلقین کرتا اور رہبانیت اختیار کرنے کو کہتا ہے"] ۳۰۵۸

بہرام نے صرف تین سال تین مہینے حکومت کی اس کے بعد اس کا لڑکا بہرام ثانی تخت نشین ہوا۔ ۳۰۵۹

نادر

۱۲۴۷- خوش بیا اے نکتہ سنج خاوری   اے کہ می زیبد ترا حرف دری
محرم رازیم با ما راز گوے   آنچہ می دانی ز ایران باز گوے

زندہ رود

بعد مدت چشم خود بر خود گشاد   لیکن اندر حلقۂ دامے فتاد
۱۲۵۰- کشتۂ نازِ بتانِ شوخ و شنگ   خالقِ تہذیب و تقلیدِ فرنگ

۳۰۵۸ مطالب اقبال - منقول از دادا دری ص ۲۱۲ ایضاً
۳۰۵۹ مطالعہ تلمیحات اقبال - قریشی ص ۲۵۱ بحوالہ Sir Percy Sykes: A History of Persia Vol: 1- PP405-07.

(۲۳۴)

۱۴۵۱- کارِ آں وارفتۂ ملک و نسب — ذکرِ شاپور است و تحقیرِ عرب
روزگارِ او تہی از واردات — از قبورِ کہنہ می جوید حیات (۲۳۵)
با وطن پیوست و از خود در گذشت — دل بہ رستم داد و از حیدر گذشت (۲۳۶)
نقش باطل می پذیرد از فرنگ
سرگذشتِ خود بگیرد از فرنگ

(۲۳۷)

پیرِ ایراں زمانِ یزدجرد — چہرۂ او بے فروغ از خونِ سرد
دین و آئین و نظامِ او کہن — شیدِ تو بارِ صبح و شامِ او کہن
موجِ مے در شیشۂ تاکش نبود — یک شرر در تودۂ خاکش نبود
تا ز صحرائے رسید محشرے — آن کہ داد او را حیاتِ دیگرے
این چنین حشر از عنایاتِ خداست — پارسی باقی رومۃ الکبریٰ کجاست
آنکہ رفت از پیکرِ او جان پاک — بے قیامت بر نمی آید ز خاک
۱۴۶۱ — مردِ صحرائی بہ ایراں جاں دمید — باز سوئے ریگ زارِ خود رمید
کہنہ را از لوحِ ما بسترد و رفت — برگ و سازِ عصرِ نو آورد و رفت
۱۴۶۳- آہ احسانِ عرب نشناختند
از تشِ افرنگیاں بگداختند

حواشی و تعلیقات: **شعر نمبر ۱۴۵۰، ۱۴۶۳:** فردوسی نے شاہنامہ لکھ کر قدیم ایرانی تمدن و ثقافت کو زندہ کیا۔ محمود غزنوی نے خود پالیسی کے لیے ہر ایسے مجوسی تمدن کی تولیف و توصیف سمجھا اور فردوسی کو "طاعنہ" انعام سے محروم رکھا تھا۔[۳۰۶۰] اس کی متعدد روایتیں ہیں ۔۔ لیکن محمود اور فردوسی کا یہ معاملہ ناقابلِ تردید ہے۔ تفصیلات میں اختلاف کی بحث دور ہے۔ شاید علامہ کو محمود غزنوی کی حمایت مقصود ہو یا تہذیبِ اسلامی سے عشق نے انہیں مجبور کیا ہو ۔۔ بہرحال انہوں نے فردوسی کے شاہنامے اور رضا شاہ پہلوی کی اصلاحات مثلاً ہجری کے بجائے شمسی سنہ کا رواج، زبان سے عربی الفاظ کی صفائی، ۱۹۲۵ء کی وہ اصلاحات جن میں برقع کے استعمال کو قانوناً ممنوع قرار دیا گیا ۔ کو، "ملک و نسب" کے عشق اور عرب کی تحقیر کہا ۔۔ فردوسی نے بھی عربوں کو "سوسمار" وغیرہ کے طعنے دیے ہیں

ز شیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بجائے رسید است کار
کہ تاج کیاں را کنند آرزو — تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو [۳۰۶۱]

[۳۰۶۰] تاریخ ادبیات در ایران (فارسی) ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا ج ۱، ص ۴۲۸ انتشارات فردوس: نیاوران ماہ ہر تہران چاپ پنجم ۱۳۶۸

[۳۰۶۱] ادبیاتِ ایران۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی ص ۱۱۱ یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور سن ندارد۔

"فردوسی انتہا درجے کا وطن پرست ہے اسے اپنے بزرگوں کی سرزمین سے عشق ہے۔ جہاں کہیں ایران کی کسی شکست کا ذکر آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ زخم خوردہ دل کی صدائیں ہیں جو مجسم ہو کر شعر بن گئی ہیں۔۔۔۔ عربوں کے ایران پر حملے کا ذکر کرتا ہے تو اس وقت فردوسی کی رگ رگ سے نفرت کے فوارے گرنے لگتے ہیں۔ اور وہ پکار اٹھتا ہے۔

ز شیر شتر خوردن و سوسمار ۔۔۔۔۔ عرب را بجائے رسید است کار ۔۔۔۔۔

حملہ آور عرب تھے۔ جنہوں نے اگر ایران کے قدیمی تمدن کو مٹایا ہے (جو مردہ و بے جان ہو چکا تھا) تو اس کے عوض ایک نئے اسلامی تمدن کی دولت بخشی تھی۔ عربوں کی وجہ سے اگر آتش کدوں کی آگ سرد ہوئی تو وہیں سے اسلام کے چشمے بھی پھوٹے (وہ چشمے جنہیں آبِ بقا کہا جانا چاہئے بقول اقبال "پارس باقی رومۃ الکبریٰ کجاست؟") ۔ لیکن فردوسی اسلام کا پیرو ہونے کے باوجود یہ سب کچھ بھول جاتا ہے اور وطن کی شیفتگی اس کی مذہبی عقیدت پر غالب آجاتی ہے،، ۳۰۶۲

شاہنامہ کی ادبی وقعت اور تاریخی حیثیت اپنی جگہ، اس سے انکار ممکن نہیں لیکن بحیثیت مسلمان، علامہ کو ازراہِ تعصب نہیں، حقیقت پسندی کی رو سے "عجم زندہ کردم" اچھا نہیں لگتا۔ عربوں کے حوالے سے "تفو بر تو اے چرخ گردان تفو" کی گردان تو کسی بھی طور ایک مسلمان کے جذبۂ ایمانی سے لگا نہیں کھاتی۔ "احسانِ عرب ناشناختہ" ایک مناسب تبصرہ ہے۔

(۲۳۴) **شاپور:** شاپور ساسانی خاندان کے بادشاہ جو ایران پر ۲۴۱ء سے ۳۸۷ء تک حکمران رہے۔ ان میں شاپور دوم (۳۱۰ تا ۳۷۹) بڑا بہادر بادشاہ گزرا ہے جس نے روم کے بادشاہ جولین کو شکست دی اور ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے علاقے فتح کئے۔ ۳۰۶۳

لیکن سید عابد علی عابد اور ڈاکٹر اکبر حسین قریشی یہ واقعات شاپور اول (۲۴۱ تا ۲۷۳ء) سے منسوب کرتے ہیں۔ جو اردشیر بابکان کا لڑکا تھا۔ ۲۶۰ء میں رومی سلطنت پر حملہ کیا اور کئی فتوحات حاصل کیں۔ ایرانی مؤرخین کے بیان کے مطابق شاپور نے تیتیس ۳۰ سال حکومت کی۔ شاپور ایک اچھا سپہ سالار ہی نہ تھا بلکہ ایک عقلمند اور ریاض حکمران بھی تھا اس نے ۲۷۲ء میں انتقال کیا اور اس کے بعد اس کا لڑکا ہرمز اول اس کا جانشین ہوا۔ ۳۰۶۴ شاپور ہی کے زمانے میں مانی نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ ۳۰۶۵

(۲۳۵) **رستم:** ایران کا مشہور پہلوان تھا۔ اس کا نام فارسی ادب میں بکثرت آیا ہے۔ شاہنامہ فردوسی تو اس کے کارناموں سے بھرا پڑا ہے۔ جس میں اس کو رستم دستان (ملاحظہ ہو بذیل شعر نمبر ۱۳۹۰) کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کو رستم زابلی بھی کہتے کیونکہ وہ زابلستان کا حاکم بھی تھا اس کے باپ کا نام زال بتایا جاتا ہے اور دادا کا نام نریمان۔ رستم، بہمن کے مقابلے میں جو کیانی خاندان کا ساتواں بادشاہ تھا لڑا اور مارا گیا۔ ۳۰۶۵ اس کا بیٹا سہراب تھا بڑا شہ زور، مگر رستم ہی کے ہاتھوں مارا گیا۔ ۳۰۶۶

۳۰۶۲ ادب نامہ ایران ص ۱۱۱ ایضاً — ۳۰۶۳ مطالب اقبال - داؤدی ص ۱۱۲ ایضاً

۳۰۶۴ مطالعہ تلمیحات اقبال - قریشی ص ۲۵۱/۲۵۲ بحوالہ Sir Percy Sykes - A History of Persia Vol. I, P 412

۳۰۶۵ تلمیحات اقبال - عابد ص ۲۲۸ بحوالہ تاریخ ایران (فارسی) عبداللہ رازی طبع تہران ۱۳۱۷ شمسی

۳۰۶۶ مطالعہ تلمیحات - قریشی ص ۲۵۲ - ایضاً - بحوالہ ایضاً — ۳۰۶۷ مطالب اقبال - داؤدی ص ۱۱۵ - ایضاً

(۲۳۶) **عیدرضؓ** : ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۳۲ -

(۲۳۷) **یزدجرد** : خسرو پرویز کی وفات کے بعد [۶۲۸ء] ۔ ساسانی سلطنت بڑی تیزی سے زوال پذیر ہوئی ۔ اکابرین مملکت نے ۶۳۲ء میں یزدگرد کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا ۔ اسی کے عہدِ حکومت میں ساسانیوں کی عظمت خاک میں ملی ۔ نہاوند کے مقام پر عربوں سے [بعہدِ فاروقی رض] شکست کھا کر یزدگرد بھاگا ، اور مزید لشکر کی جمع آوری میں مصروف تھا کہ مرو کے مقام پر آسیابان نے اسے ہلاک کر دیا ۔ یوں دولتِ ساسانی کا کوئی نام لیوا نہ رہا ۔ ساسانیوں کا عہدِ حکومت ۲۲۶ تا ۶۵۰ء رہا ؎ ۳۰۶۸

شعر نمبر ۱۴۶۱ : مردِ صحرائی : مراد مسلمانانِ عرب : حضرت خالد رض اور آپ رض کے ساتھی مجاہد صحابہ رض ۔

نمودار می شود روحِ ناصر خسرو علوی (۲۳۸)
و غزلے مستانہ سرائیدہ غائب می شود

دست را چوں مرکبِ تیغ و قلم کردی مدار
ہیچ غم گر مرکبِ تن لنگ باشد یا عرن

از سرِ شمشیر و از نوکِ قلم زاید ہنر
اے برادر ہمچو نور از نار و نار از نارون

بے ہنر داں نزدِ بے دیں ہم قلم ہم تیغ را
چوں نباشد دیں نباشد کلک و آہن را ثمن

دیں گرامی شد بہ دانا و بناداں خوار گشت
پیشِ ناداں دیں چو پیشِ گاؤ باشد یاسمن

ہمچو کرباسے کہ از یک نیمہ زو الیاس (۲۳۹) را
کرتہ آید وز دگر نیمہ یہودی (۲۴۰) را کفن

۳۰۶۸ ؎ تلمیحات اقبال ۔ عابدہ ص ۵۱۵ بحوالہ تاریخ ایران ، سائکس (انگریزی) ۔

حواشی و تعلیقات : (۲۳۸) ناصر خسرو علوی : سلجوقی دور کا ایک نامور شاعر و حکیم ناصر خسرو مشہر قبادیان (بلخ) میں ۳۹۴ ہجری میں پیدا ہوا۔ حفظ قرآن کے ساتھ حدیث و فقہ، ریاضی، طب، موسیقی، نجوم فلسفہ اور علم کلام میں کمال پیدا کیا۔ ناصر کو مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ کا بے حد شوق تھا، زرتشت، مانیہ یہود و نصاریٰ اور ہندومت کا بہت گہرا مطالعہ کیا۔

تحصیل علم کے بعد غزنوی بادشاہوں محمود و مسعود کے درباروں سے وابستہ رہا۔ بعد میں سلجوقیہ کی ملازمت اختیار کی یہاں اسے دبیری کا منصب ملا پھر کچھ عرصہ کے لئے ایک ذمہ دار عہدے پر فائز ہوا۔ پینتالیس ۴۵ سال کی عمر میں ملازمت چھوڑ دی اور ۴۳۷ ہجری میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ یہ پورے عالم اسلام میں انتشار و افتراق کا زمانہ تھا صرف مصر کی فاطمی حکومت پر امن تھی۔ وہاں اس نے اعلیٰ رفقہ کا قرب حاصل کیا اور اسماعیلی عقائد پسند آئے۔ چنانچہ قیام مصر کے دوران وہ اس مذہب میں شامل ہو گیا۔ خلیفہ المستنصر باللہ نے اسے حجتِ خراسان، لقب دے کر ایران میں اسماعیلیہ عقائد کی نشر و اشاعت پر مامور کر دیا۔

ناصر خسرو مصر و حجاز سے بلخ لوٹا تو اسماعیلی مذہب کی اشاعت میں مصروف ہوا۔ لیکن علمائے اسلام اور امرائے سلجوق کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ در بدر پھرنے پر مجبور ہوا جہاں جاتا یہی حالت ہوتی لیکن دین اسماعیلیہ کی محبت کم نہ ہوئی۔ اس آوارگی کے احوال کو اس نے "زاد المسافرین" میں لکھا ہے جس کا رنگ فلسفیانہ ہے۔

ناصر خسرو مازندران اور طبرستان ہوتا ہوا ۴۵۶ ہجری میں بدخشان پہنچا اور یمگان میں گوشہ نشینی اختیار کی اور یہیں ۴۸۱ ہجری میں وفات پائی۔ نظم و نثر کی متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں ایک تو زاد المسافرین مذکور ہے۔ وجہ دین: اسماعیلی عقائد پر، مثنوی روشنائی نامہ بحر ہزج میں یہ نظم عقل و دانش، علم اخلاق اور علم الٰہیات پر بحث کرتی ہے۔ مثنوی سعادت نامہ: یہ اخلاقیات پر مبنی ۳۰ ابواب اور ۲۸۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ بھی بحر ہزج میں ہے۔

بہ لطف و مرحمت دل ہا نگہدار — کس از دست و زبانِ خود میازار
چو مرہم خستہ را راحت رساں باش — بسختی چارۂ بیچارگاں باش ۳۰۶۹

ناصر خسرو کا متداول دیوان گیارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے لیکن خود حضرت تیس ہزار اشعار کی اطلاع دیتے ہیں علامہ نے جن شعروں کو "غزلے مستانہ" لکھا ہے وہ بھی ایک اخلاقی قصیدے کا انتخاب ہیں ۳۰۷۰

عرّان : جس گھوڑے کے ٹخنوں کی کھال پھٹی ہوئی ہو اسے عرّان اور لنگڑے کو لنگ کہتے ہیں **ناروں :** گلنار درخت آتشیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس طرح نارت نور اور ناروں سے نار پیدا ہوتی ہے اسی طرح تیغ و علم سے عزت پائے، اور اہل علم سے دین محترم ہوتا ہے۔ جاہل دین کو اسی طرح بے توقیر کر دیتے ہیں جیسے جلاہے سوتی کپڑا "اطلس" کا کرتا ہوا تو محترم لیکن یہودی کا کفن ہو تو بے وقعت ہوتا ہے۔

۳۰۶۹ ادب نامہ ایران۔ بدخشانی ص ۸۶-۸۱ / ۸۲ الفا ۳۰۷۰ جاوید نامہ: کیفی و توضیح ڈاکٹر نور رباہی ص ۱۴۰ تیر تلمیحات اقبال۔ عابد ص ۵۰۹ ، مطالعہ تلمیحات اقبال۔ کراچی ص ۳۲۸/۳۲۷ ۔ ایضاً۔

(۲۳۹) **حضرت الیاس علیہ السلام** : ایک پیغمبر تھے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ جس طرح حضرت خضرؑ پانی میں لوگوں کی رہنمائی اور مدد کرتے ہیں حضرت الیاسؑ خشکی پر بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھاتے ہیں۔ شام کے شہر بعلبک کا بادشاہ ان کا معتقد تھا لیکن اس کی ملکہ اور قوم بعل بت کی پرستار تھی۔ انہوں نے بادشاہ کو بہکایا اس پر حضرت الیاسؑ نے بددعا دی جس سے ملک میں قحط سالی آئی اور قحط پڑ گیا ع۳۰۷۱

(۲۴۰) **یہودی** : بنی اسرائیل کے قبیلہ یہودا کے انبیائے کرام (از داؤدؑ تا عیسیٰؑ) کے پیروکاروں کو یہودی کہا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ یہودا کے آخری پیغمبر تھے ان کے ماننے والے نصرانی یا نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ اس میں اکثر لوگ فرق نہیں کرتے کہ حضرت موسیٰؑ سے حضرت داؤدؑ تک انبیاء لاوی قبیلہ سے آتے تھے۔ حضرت داؤدؑ یہودا سے آئے۔ اور حضرت عیسیٰؑ یہودا کے آخری رسول تھے۔ سب کو بنی اسرائیل کہنا درست ہے یہودی کہنا درست نہیں ہے۔

ابدالی

۱۲۶۹- آں جواں کو سلطنت ہا آفرید — باز در کوہ و قفارِ خود رمید
۱۲۷۰- آتشے در کوہسارش برفروخت — خوش عیار آمد یا پاک سوخت؟

زندہ رود

اُمتاں اندر اخوت گرم خیز — او برادر با برادر در ستیز
از حیاتِ او حیاتِ خاور است — طفلک دہ سالہ اش لشکر گر است
بے خبر خود را ز خود پرداختہ — ممکناتِ خویش را نشناختہ
ہست دارائے دل و غافل ز دل — تن ز تن اندر فراق و دل ز دل
مرد رہرو را بمنزل راہ نیست — از مقاصد جانِ او آگاہ نیست
خوش سرود آں شاعر افغان شناس (۲۴۱) — آنکہ بیند باز گوید بے ہراس
راز قومے دید و بیباکانہ گفت — حرف حق با شوخیِ رندانہ گفت

ع۳۰۷۱ مطالب اقبال - داؤدی ص ۳۲ - ایضاً

اُشترے یابد اگر افغانِ حُر
با یراق و ساز و با انبارِ دُر
ہمتِ دونش از آں انبارِ دُر
می شود خوشنود با زنگِ شتر

حواشی و تعلیقات:

غفار: بنجر زمین۔ [غیاث اللغات فارسی]

شعر نمبر ۱۳۷۰: اشارۂ آتش، اس طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کی طرف ہے جس کے نتیجے میں امان اللہ خان کی معزولی اور جلاوطنی عمل میں آئی اور بچہ سقہ نے کابل پر قبضہ کیا۔ آخر امان اللہ خان کے وزیر اور سپہ سالار جنرل نادر خان نے اس کو شکست دی اور نادر شاہ کے لقب سے اقتدار سنبھالا ۳۰۷۲ع

یہی ہے برادر با برادر در ستیز کا مفہوم بھی۔ جب کہ دوسری قومیں آپس میں متحد ہو رہی ہیں جیسے کہ جمہوری ممالک میں ہو رہا تھا۔ علامہ نے غیرت اور عبرت کی خاطر ایسے واقعات پر اکثر تبصرہ کیا ہے
انکارِ جہاد اور نبوتِ کاذبہ پنجاب پر علامہ نے ایسا ہی تبصرہ کیا تھا

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے — دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے — یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر ۳۰۷۳ع

(۲۲۱) **شاعر افغان شناس، خوشحال خان خٹک:** خٹک قبیلے کا صاحبِ سیف و قلم سردار ولادت ۱۶۱۳ء بمقام اکوڑہ خٹک، والد شہباز خان خٹک کی وفات کے بعد (۱۶۴۱ء) قبیلے کا سردار بنا۔ یوسف زئی قبیلے کے ساتھ تنازعات نے مسلسل جنگ میں معروف رکھا اس کے باوجود علوم و فنون سیکھنے اور تصانیف کا سلسلہ جاری رکھنے کا عمل رہا۔ شیخ رحمکار المعروف بہ کاکا صاحب سے خوشحال خان کی ارادت تھی۔ کابل کے صوبہ دار سید امیر خان نے اورنگزیب عالمگیر کو اس کے خلاف ایسی ایسی رپورٹیں بھجوائیں کہ عالمگیر نے اسے گرفتار کر کے لاہور اور وہاں سے دہلی لے جا کر قید کر دیا۔ اگرچہ جیل میں ہر طرح کی سہولیات میسر تھیں لیکن رہائی کے بعد افغان سردار مغلوں سے نفرت کرنے لگا۔ قید کے عرصہ میں یوسف زئیوں کی طرف سے خاندان کی دیکھ بھال نے ادھر کی نفرت سے بھی فارغ کر دیا تھا۔ چنانچہ مغلوں نے جب گڑھی کپورہ میں یوسف زئیوں کے خلاف قلعہ تعمیر کروایا تو خوشحال خان کو خوب موقع مل گیا وہ اپنے خطبوں میں اور شعروں کے ذریعے افغان قبائل کو بھڑکانے میں معروف ہو گیا کہ مغل آہستہ آہستہ ان کے

۳۰۷۲ع شرح جاوید نامہ، چشتی ص ۱۰۸۵ ۳۰۷۳ع کلیات اقبال اردو ص ۵۹۰ [ضرب کلیم: جہاد]

ملک پر قبضہ کر کے انہیں غلام بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ قبائل اس نقطہ پر جمع ہونے لگے اور مغلوں کے ساتھ افغانوں کی جھڑپیں آئے دن کا معمول بنتی گئیں۔ خوشحال خان اب یوسف زئی قبیلہ کے ساتھ تھا۔ اکثر افغانوں ہی کا پلڑا بھاری رہا۔ بالآخر اورنگ زیب عالمگیر خود فوج لے کر حسن ابدال پہنچا، بادشاہ کی موجودگی نے حالات کا رخ بدلا، خوشحال خان شکست کھا کر آفریدیوں کے علاقہ میں پناہ لی، اور وہیں ۱۶۸۹ء میں وفات پائی۔ ع ۳۰۷۴

علامہ نے خوشحال خان خٹک کی ایک نظم کے انگریزی ترجمہ سے، ایک نظم بعنوان خوشحال خان کی وصیت، لکھی اور اس کے ساتھ ایک مختصر نوٹ بھی لکھا۔

"خوشحال خان خٹک پشتو کا مشہور وطن دوست شاعر تھا، جس نے افغانوں کو مغلوں سے آزاد کرانے کے لئے سرحد کے افغان قبائل کی ایک جمعیت قائم کی۔ قبائل میں آفریدیوں نے آخر دم تک اس کا ساتھ دیا۔ اس کی قریباً ایک سو نظموں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن سے شائع ہوا۔"

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم — کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
مغل سے کسی طرح کمتر نہیں — قہستاں کا یہ بچہ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہمنشیں دل کی بات — وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ — مغل شہسواروں کی گرد سمند ع ۳۰۷۵

علامہ نے جاوید نامہ میں جس شعر کا ترجمہ پیش کیا ارمغان خوشحال میں وہ چھے شعروں کی غزل کا تیسرا شعر ہے ص ۵۵۸ یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور سن اشاعت ندارد

اُوښ له بارہ په خپل کور کښې اے وږغلے
په اولجه د اُوښ دغا ہیے د جرس دی

ترجمہ: اموال و اسباب سے لدا ہوا اونٹ اُن کے (پشتونوں) کے گھر آیا مگر یہ اُس کے گلے کی گھنٹی پر آپس میں لڑنے لگے۔

امیر حمزہ خان شنواری نے علامہ کے شعروں کو حسب ذیل پشتو صورت بخشی ہے

چرته چه اولجه کا نذی یو اوښ آزاد افغان — ساز او د سامان سره پرے بار دُر و مرجان
کور په خو په د ډر کوهو حشه هوس کا — اوښ بار کرے پریږدی کوز له غاړے جرس کا ع ۳۰۷۶

ع ۳۰۷۴ دائرہ معارف اقبال۔ ملک حسن اختر ص ۲۰۶، تلمیحات اقبال، عابد ص ۲۵۷/۲۵۶ ایضاً
ع ۳۰۷۵ کلیات اقبال اردو ص ۴۲۶ (بال جبریل: خوشحال خاں کی وصیت)
ع ۳۰۷۶ جاوید نامہ: پشتو ترجمہ منظوم: امیر حمزہ خان شنواری ص ۲۰۳۔ اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور طبع دوم جنوری ۱۹۸۳ء

ابدالی

در نهادِ ما تب و تاب از دل است | خاک را بیداری و خواب از دل است
تن ز مرگِ دل دگرگوں می شود | در مساماتش عرق خوں می شود
(۲۷۲) از فسادِ دل بدن ہیچ است ہیچ | دیده بر دل بند و جز بر دل مپیچ
۱۴۸۳ - آسیا یک پیکر آب و گل است | ملتِ افغاں در آں پیکر دل است
از فساد او فسادِ آسیا | در گشادِ او گشادِ آسیا
تا دل آزاد است آزاد است تن | ورنہ کاہے در رہ باد است تن
۱۴۸۶ - ہمچو تن پابند آئین است دل | مرده از کیں زنده از دیں است دل
۱۴۸۷ - قوتِ دیں از مقامِ وحدت است | وحدت ار مشہود گردد ملت است
۱۴۸۸ - شرق را از خود برد تقلیدِ غرب | باید ایں اقوام را تنقیدِ غرب
قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب | نے ز رقصِ دختراں بے حجاب
نے ز سحرِ ساحراں لالہ روست | نے ز عریاں ساق و نے از قطعِ موست
محکمی او را نہ از لادینی است | نے فروغش از خطِ لاطینی است
قوتِ افرنگ از علم و فن است | از ہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت از قطع و بریدِ جامہ نیست | مانعِ علم و ہنر عمامہ نیست
علم و فن را اے جوانِ شوخ و شنگ | مغز می باید نہ ملبوسِ فرنگ
۱۴۹۵ - اندریں رہ جز نگہ مطلوب نیست | ایں کلہ یا آں کلہ مطلوب نیست
فکرِ چالاکے اگر داری بس است | طبعِ دراکے اگر داری بس است
گر کسے شبہا خورد دودِ چراغ | گیرد از علم و فن و حکمت سراغ
ملکِ معنی کس حدِ او را نہ بست | بے جہادِ پیہمے ناید بدست
۱۴۹۹ - ترک از خود رفتہ و مستِ فرنگ | زہرِ نوشیں خورده از دستِ فرنگ

۱۵۰۰۔ تاکہ تریاق عراق از دست داد | من چہ گویم جز خدایش یار باد
بندۂ افرنگ از ذوق نمود | می برد از غربیاں رقص و سرود
۱۵۰۲۔ نقدِ جانِ خویش در بازد بہ لہو | علم دشوار است می سازد بہ لہو
از تنِ آسانی بگیرد سہل را | فطرت او در پذیرد سہل را

سہل را جستن دریں دیرِ کہن
ایں دلیل آں کہ جاں رفت از بدن

حواشی و تعلیقات :

(۲۴۲) **از فسادِ دل بدن ہیچ است ۔۔۔** : استفادہ کیا گیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کہ "اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَ ہِیَ الْقَلْبُ"[۳۰۷۷] سنو! بدن کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اس کی اصلاح ہوئی تو سارے بدن کی اصلاح ہوئی اس میں فساد پیدا ہوا تو سارا بدن فساد زدہ ہو گیا یاد رکھو وہ دل ہے۔ علامہ نے افغانیوں کو ایشیا کا دل کہا۔ اور وہ اس لئے کہ ملتِ افغانیاں، مسلمان ہیں۔ اور علامہ کے فلسفۂ خودی کا سچا اور سُچا نمونہ صرف اور صرف مسلمان تھا۔ اہلِ مشرق کی نجات وہ مسلمانوں کے ربط و ضبط میں دیکھتے تھے اور ایشیا کی نجات افغانیوں کی حریت و آزادی میں جو اتحاد کے بغیر ممکن نہ تھی خوشحال خان خٹک قوم پرست تھا۔ عالمگیر علامہ کے نزدیک ترکش ملت کا آخری خدنگ تھا اس کے باوجود علامہ خوشحال خان کی غزلوں سے نفرت کو خراج پیش کرتے ہیں۔ کیوں؟ یہ خود تردیدی نہیں۔ ان کے فلسفے میں اتحاد کو توحید کے عقیدے کے استشہاد کا درجہ حاصل ہے۔ خوشحال خان نے خود بھی یوسف زئی قبیلہ سے پرانی چپقلش بُھلا دی۔ یوسف زئیوں نے بھی مصیبت میں اس کے خاندان کو سہارا دیا۔ یہ اتحاد کی فضا ہے قبائل یوں ملت کی وحدت میں گم ہو جائیں اس کا سبب کچھ بھی ہو۔ اس اتحاد کا نتیجہ برصغیر ہند اور براعظم ایشیا کے حق میں مفید تھا ۔۔ کا منظر پیش کر رہی تھی

شعر نمبر ۱۴۸۶ : دل، کینہ اور حسد سے نہیں دین سے زندہ ہوتا ہے۔ قبائلی عصبیت کو دینی اخوت سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ بدن: عناصر کا مجموعہ، مادی تقدیرات، خونوں کے تمیزات، قواعد اور روایات کا پابند ہے۔

شعر نمبر ۱۴۸۷ : اسی طرح دل بھی پابندِ آئین ہے اور اس آئین اخوتِ دینی سے دل کو قوت ملتی ہے یہ قوت وحدت کی قوت ہے [یک آئینی یک دلی لاتی ہے]۔ وحدت قبائل کے درمیان اور قوموں قبیلوں، نسلوں کے درمیان پیدا ہو تو اسی کو ملت کہتے ہیں۔

شعر نمبر ۱۴۸۸ ۔ مشرق کو "مغربی قومیت" کے تصور کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالنے کی بجائے اس کی حقیقت پر غور کرنا چاہئے کہ اس تصورِ قومیت کا مقصد کیا ہے؟ ۔۔ اتحاد کے تو ملت کو کسی ایسے مادی حوالے کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ ملت تو دین کا مترادف ہے۔ اَلْمِلَّۃُ کَالدِّیْن

۳۰۷۷ صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۳ کتاب الایمان [عن النعمان بن بشیر] مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۴۳ھ

وَ هُوَ بِمَا شَرَعَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِعِبَادِہٖ عَلٰی لِسَانِ اَنْبِیَآئِہٖ لِیَتَوَصَّلُوْا بِہٖ اِلٰی جِوَارِ اللّٰہِ ... ؎۳۰۲۸

اسی طرح مغرب کے دوسرے تہذیبی مظاہر ہیں وہ اس کی قوت نہیں اس کی قوت علوم وفنون سے ہے۔ اہل مشرق کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے خیر وشر میں تمیز (نگہ) کی ضرورت ہے۔

شعر نمبر ۱۴۹۹ : اشارہ ہے مصطفیٰ کمال پاشا کی ان اصلاحات کی طرف جو انہوں نے خلافت کے خاتمے کے بعد کیں۔ اور جو عالم اسلامی میں مصطفیٰ کمال پاشا کی عزت وتوقیر ختم کرنے اور ترک قوم کو اسلام کی ترقی کے بجائے یورپ کی ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا باعث ہوئیں۔ اور ان میں سب اہم وطنی ولسانی قومیت کا بت تھا۔ وہ جوانانِ تتاری جنہیں علامہ نے صاحب نظر کہا تھا بمقابلہ پیرانِ حرم — اب وہ انہیں "ترکِ ناداں" کہنے پر مجبور ہوئے۔ یہ میٹھا زہر تھا جو ترکوں نے افرنگیوں سے لے کر جسدِ قومی میں داخل کر دیا۔

شعر نمبر ۱۵۰۰ : تا تریاق از عراق آوردہ شود مارگزیدہ مردہ شود:

شعر نمبر ۱۵۰۲ لہو : غیر نفع بخش (ضرر رساں) اعمال میں شغل۔ **لعب :** نفع بخش اعمال کی طرف سے عدم توجہی۔

"لہو ولعب کے معانی اہل لغت نے متقارب بلکہ مترادف لکھے ہیں۔ صرف فرق اعتباری ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ غیر نافع امر میں مشغول ہونے کے دو اثر ہیں ایک خود اس کی طرف متوجہ ہونا دوسرے نافع امر سے بے توجہی (حاشیہ اشرف علی تھانویؒ آیت وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَہْوٌ (الانعام: ۳۲))

زندہ رود

می شناسی چیست تہذیب فرنگ / در جہان او دو صد فردوس رنگ
جلوہ ہایش خانمانہا سوختہ / شاخ و برگ و آشیانہا سوختہ
ظاہرش تابندہ و گیرندہ ایست / دل ضعیف است و نگہ را بندہ ایست
چشم بیند دل بلغزد اندرون / پیش این بتخانہ افتد سرنگون
کس نداند شرق را تقدیر چیست / دل بظاہر بستہ را تدبیر چیست

ابدالی

(۲۴۳) (۲۴۴)

آنچہ بر تقدیر شرق قادر است / عزم و حزم پہلوی و نادر است
پہلوی آن وارث تختِ قباد / ناخن او عقدۂ ایران کشاد

؎۳۰۲۸ المفردات فی غریب القرآن ۔ امام حسین محمد راغب الاصفہانی ص۴۸۸ (بلل) نور محمد کارخانہ کتب لاہور ۱۹۶۱ء

نادر آں سرمایۂ درانیاں ۔۔۔ آں نظامِ ملتِ افغانیاں
از غمِ دین و وطن زار و زبوں ۔۔۔ لشکرش از کوہسار آمد بروں
۵۱۴ ۔ ہم سپاہی ہم سپہ گر ہم امیر ۔۔۔ با عدو فولاد و با یاراں حریر
من فدائے آں کہ خود را دیدہ است ۔۔۔ عصرِ حاضر را نکو سنجیدہ است
غربیاں را شیوہ ہائے ساحری ست
تکیہ جز بر خویش کردن کافری ست

حواشی و تعلیقات :

نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے ۔۔۔ کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی براقی ۳۰۷۹؎
برا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے ۔۔۔ فرنگ دل کی خرابی خرد کی معموری ۳۰۸۰؎

عزم و حزم پہلوی و نادر : بد قسمتی سے امان اللہ خان کی طرح نادر شاہ اور رضا شاہ بھی یکے بعد دیگرے اپنے مقاصد عالی کی تکمیل سے قبل ہی ملکِ عدم کو سدھارے ۔ ۱۹۲۹ء میں امان اللہ خان جلاوطن ہوئے ، ۱۹۳۲ء میں نادر شاہ کو گولی لگی رضا شاہ کو وقت ضرور ملا مگر نیم مذہبی اور ۱۹۴۳ء میں وہ بھی تاج و تخت سے محروم کر دیئے گئے ۔ بعینہ یہی کچھ انیس سو ستر ، اسی کے عشرے میں شاہ فیصل شہید ، ذوالفقار علی بھٹو اور محمد رضا شاہ پہلوی کے ساتھ ہوا ۔ کہ یہ تینوں ایٹمی قوت بننے ، مشترکہ فوج بنانے اور تیل کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کے جرم تھے ۔ علامہ ہر اس حکمران پر بھروسہ کرنے کے قائل تھے جو روحِ عصر کو سنجیدگی کے ساتھ دیکھنے اور صرف اپنی ذات (ملت) پر بھروسہ کرنے والے ہوں ۔ کہ اپنے بغیر کسی اور پر بھروسہ بقول ان کے کافری ہے ۔

" جب تک کوئی قوم اپنے نصب العین پر قائم رہتی ہے اپنی روایات کو زندہ رکھتی اور اپنے اصل الاصول سے پیچھے نہیں ہٹتی ۔ عوام بے راہرو نہیں ہوتے پاتے خواص ان کی رہنمائی کرتے ہیں ، قوم کے وجودِ ملی کو تقویت پہنچتی اور وہ اپنی ترقی اور کامرانی کی منزلوں میں با امید و اعتماد آگے بڑھتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی اپنی طرف کھینچتی ہے " ۳۰۸۱؎

مقصودِ واحد کی لگن و الاوڈی ہی سیاسی اور معاشرتی انقلابات پیدا کرتا ہے ۔ سلطنتیں قائم کرتا ہے اور دنیا کو آئین عطا کرتا ہے " ۳۰۸۲؎

(۲۴۳) **پہلوی ، رضا شاہ :** ۱۹۲۵ء میں تختِ ایران پر قبضہ کیا اور فارس کو ایران کا نام دیا ۔ ۱۹۴۱ء میں روسی اور برطانوی فوجیں ایران میں داخل ہو گئیں تو رضا شاہ کو تخت اپنے فرزند محمد رضا شاہ کے لئے

۳۰۷۹؎ ، ۳۰۸۰؎ کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۳۲۵ ، صفحہ ۳۳۵ (بالِ جبریل) علی الترتیب ۔
۳۰۸۱؎ اقبال کے حضور صفحہ ۲۹۱ ایضاً ۳۰۸۲؎ شذراتِ فکرِ اقبال (ترجمہ اردو) صفحہ ۱۶۹ ایضاً ۔

خالی کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ خود جنوبی افریقہ چلے گئے۔ جنہوں نے خاندانِ پہلوی کی بادشاہت کی بنیاد رکھی ع ۳۰۸۳
علامہ نے ان کے تدبر کو "ناخنِ او عقدۂ ایراں کشاد" کہہ کر خراج پیش کیا۔

(۴۹۴) **نادر شاہ :** مراد نادر شاہ درانی ہیں۔ جنرل نادر ہیں جنہوں نے بچہ سقہ سے اقتدار چھینا یا تھا۔
علامہ اقبال ان کی دعوت پر افغانستان بھی گئے۔ اور بالِ جبریل میں ایک حصہ نادر شاہ غازی کے نام معنون کیا۔ اس حصہ کا شذرہ کچھ یوں ہے۔ نظم دراصل حکیم سنائی کی نذر ہے۔

اعلیٰحضرت شہید امیر المومنین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف و کرم سے
نومبر ۱۹۳۳ء میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی کے مزار مقدس کی زیارت
نصیب ہوئی۔ یہ چند افکار پریشاں جن میں حکیم ہی کے ایک مشہور
قصیدے کی پیروی کی گئی ہے۔ اس روزِ سعید کی یادگار میں سپردِ قلم کیے
گئے ۔ ما از پئے سنائی و عطار آمدیم ع ۳۰۸۴

ابدالی نے ۱۷۷۰ء میں افغانستان کی جس آگ کا ذکر آتشے در کوہسارش بر فروخت میں کیا۔ علامہ نے اس آگ کا علاج سرشکِ دیدۂ نادر میں دیکھا تھا۔ بالِ جبریل کی یہ نظم ملاحظہ ہو

نادر شاہ افغان

حضورِ حق سے چلا لے کے لولوئے لالا ۔۔۔ وہ ابر جس سے رگِ گل ہے مثلِ تارِ نفس
بہشت راہ میں دیکھا تو ہو گیا بے تاب ۔۔۔ عجب مقام ہے، جی چاہتا ہے جاؤں برس
صدا بہشت سے آئی کہ منتظر ہے ترا ۔۔۔ ہرات و کابل و غزنی کا سبزۂ نورس

سرشکِ دیدۂ نادر بہ داغِ لالہ فشاں
چناں کہ آتشِ او را دگر فرو ننشاں ع ۳۰۸۵

مثنوی مسافر ۱۹۳۴ء میں تمہیدی شعر نادر شاہ کے حضور علامہ کا بے نظیر نذرانۂ عقیدت ہے۔

نادرِ افغاں شہِ درویش خو ۔۔۔ رحمتِ حق بر روانِ پاکِ او
عہدِ صدیقؓ از جلالش تازہ شد ۔۔۔ عہدِ فاروقؓ از جمالش تازہ شد
فقرِ نادر آخر اندر خوں تپید ۔۔۔ آخریں بر فقرِ آں مردِ شہید

ریز ریز از سنگ او مینائے او
آہ از امروزِ بے فردائے او ع ۳۰۸۶

۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء کے ایک مکتوب میں لکھا امیر نادر شاہ کی شہادت کی خبر ایک ناقابلِ برداشت صدمہ ہے

ع ۳۰۸۳ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا ۱۹۲۰ء ص ۲۳۹ طبع ۱۹۵۰ء باز دائرۂ معارف اقبال مدرسن دفتر ص ۲۳۵ الفاً
ع ۳۰۸۴ کلیات اقبال اردو ص ۳۱۴ [بالِ جبریل] ع ۳۰۸۵ ایضاً ص ۲۲۵ ع ۳۰۸۶ کلیات اقبال فارسی ص ۵۵ تا ص ۵۷

ہو سکے - اور یقیناً ساری دنیائے اسلام کے لئے - کابل میں ان کے متعلق ایسی حکایات مشہور ہیں کہ ان کو سن کر صدیق رضؓ اور فاروق رضؓ یاد آتے ہیں" ۳۰۸۷

۱۸ نومبر ۱۹۳۳ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں

شاہ نادر کی شہادت کا حادثہ ہوا خدا تعالیٰ اپنی جوار رحمت میں جگہ دے انشاءاللہ افغانستان میں امن و امان رہے گا" ۳۰۸۸

اسی دن ایک اور مکتوب میں لکھا

کابل سے ہوائی جہاز کے ذریعہ ابھی یہاں نادر شاہ کے قتل کی دردناک خبر سنی وہ عوام میں بے حد ہر دلعزیز تھے - افغانستان میں احمد شاہ ابدالی کے بعد ایسا بادشاہ نہیں گزرا ------ وہ ملک کے تمام مسائل سے واقف اور عوام کی بہبود و بہتری کا تہیہ کئے ہوئے تھے" ۳۰۸۹

وزیر اعظم افغانستان کے نام لکھا -

میں نے اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ کے غدارانہ قتل کی خبر سے نہایت شدید رنج و اندوہ محسوس کیا - اللہ تعالیٰ حضرت شہید کی روح کو خلعتِ مغفرت عطا فرمائے - آپ نجات دہندہ افغانستان اور زمانہ حاضر کے جلیل ترین حکمرانوں میں سے تھے" ۳۰۹۰

شعر نمبر ۱۵۱۴: باعدو فولاد و بایاراں حریر: ماخوذ از آیت کریمہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (ترجمہ) ۳۰۹۱ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی رضوان اللہ اجمعین (اور ہر مسلمان کو بقول اللھم صل علی محمد کا دعا گو ہے ایسا ہی ہونا چاہیئے) دشمنان دین کے لئے فولاد اور آپس میں مہربان ، حریر ، علامہ نے اپنے …… [مومن صادق] کے لئے ان صفات دوگونہ کا بار بار ذکر کیا ہے - کفار میں کردار میں اللہ کی برہان ہونے کے لئے …… دنیا میں بھی میزان اور قیامت میں بھی میزان ہونا ضروری ہے -

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن ۳۰۹۲

پیش باطل تیغ و پیش حق سپر
امر و نہی او عیار خیر و شر ۳۰۹۳
عفو و عدل و بذل و احسانش عظیم
ہم بقہر اندر مزاج او کریم ۳۰۹۴

۳۰۸۷ کلیات مکاتیب اقبال - برنی جلد ۳ ص ۴۲۱ بنام راغب احسن ۳۰۸۸ ایضاً ص ۴۲۲ بنام سید سلیمان ندوی
۳۰۸۹ ایضاً ص ۴۲۲ بنام ایڈورڈ ٹامسن ۳۰۹۰ دائرہ معارف اقبال ملک حسن اختر ص ۵۱۱/۵۱۲
۳۰۹۱ الفتح : ۲۹ ۳۰۹۲ کلیات اقبال اردو ص ۵۰۷ [ضرب کلیم: مومن] -
۳۰۹۳ کلیات اقبال فارسی ص ۱۶۲ (مثنوی رموز بےخودی) ۳۰۹۴ ایضاً ص ۱۶۵ [ایضاً] -

سلطان شہید رح

۱۵۱۷۔ باز گو از ہند و از ہندوستاں — آنکہ با کاہش نیرزد بوستاں
آنکہ اندر مسجدش ہنگامہ مرد — آنکہ اندر دیر او آتش فسرد
آنکہ دل از بہر او خوں کردہ ایم — آنکہ یادش را بجاں پروردہ ایم
۱۵۲۰۔ از غم ما کن غم اورا قیاس — آہ ازاں معشوقِ عاشق ناشناس

زندہ رُود

۱۵۲۱۔ ہندیاں منکر ز قانونِ فرنگ — در نگیرد سحر و افسونِ فرنگ
۱۵۲۲۔ روح را بارِ گراں آئینِ غیر — گرچہ آید ز آسماں آئینِ غیر

سلطان شہید رح

۱۵۲۳۔ چوں بروید آدم از مشتِ گلے — با دلے با آرزوئے در دلے
لذتِ عصیاں چشیدن کارِ اوست — غیرِ خود چیزے ندیدن کارِ اوست
۱۵۲۵۔ زانکہ بے عصیاں خودی ناید بدست — تا خودی ناید بدست آید شکست
زائرِ شہر و دیارم بودۂ — چشمِ خود را بر مزارم سودۂ
اے شناسائے حدودِ کائنات — در دکن دیدی ز آثارِ حیات؟

زندہ رُود

تخمِ اشکے ریختم اندر دکن — لالہ ہا روید ز خاکِ آں چمن
۱۵۲۹۔ رودِ کاویری مدام اندر سفر — دیدہ ام در جانِ او شورے دگر

سلطان شہید رح

اے ترا دادند حرفِ دلفروز — از تبِ اشکِ تو می سوزم ہنوز

کاوِ کاوِ ناخنِ مردانِ راز — جوئے خوں بکشاد از رگہائے ساز
آن نوا کز جانِ تو آید بروں — می دہد ہر سینہ را سوزِ دروں
۱۵۲۳- بودہ ام در حضرتِ مولائے کل — آنکہ بے او طے نمی گردد سُبُل
گرچہ آنجا جرأتِ گفتار نیست — روح را کارے بجز دیدار نیست
سوختم از گرمیِ اشعارِ تو — بر زبانم رفت از افکارِ تو
گفت این بیتے کہ بر خواندی زکیست — اندرو ہنگامہ ہائے زندگی ست
با ہماں سوزے کہ در ساز وجاں — یک دو حرف از ما بہ کاویر رساں
۱۵۲۸- در جہاں تو زندہ رود او زندہ رود
خوشتر آید سرود اندر سرود

حواشی و تعلیقات: شعر نمبر ۱۵۱۷ تا ۱۵۲۰: علامہ نے سلطان حیدر علی اور سلطان ٹیپو شہید کی قربانیوں اور دکن وغیرہ کی دوسری ریاستوں کے والیوں کی بے بصیرتی اور بے مروتی کا شکوہ کیا ہے۔ اور اس بے حمیتی میں "دیر و حرم" [ہندو مسلم] کو ایک برابر بتایا ہے۔ اور انہیں معشوق عاشق ناشناس کہہ کر سب کچھ کہہ دیا جو کہا جا سکتا تھا۔

شعر نمبر ۱۵۲۱، ۱۵۲۲: عام سیاسی بیداری کی طرف اشارہ ہے یہ بیداری ۱۹۲۷ کی سول نافرمانی، مہاشہ راج گوپال (شاتم رسول) کے حوالے سے مسلم جماعتوں اور فرقوں کا اتحاد، نہرو رپورٹ کے پیدا کردہ فتنے، افغانستان میں غازی امان اللہ خان کے خلاف بچہ سقہ کا غدر — پھر جنرل نادر شاہ کا قتل، کشمیر کے حالات فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری اور دیوار گریہ سے ہیکل سلیمانی کے حوالے سے بیت المقدس پر حق رسی کے دعووں کے ساتھ مسلمانوں کا قتل عام — ہندوستان کے اندر بعض قوانین جنہیں مداخلت فی الدین تصور کیا گیا مثلاً نابالغ بچوں کی شادی جیسے قوانین کا نفاذ — "روح را بار گران آئین نیز" ان سب واقعات کا نچوڑ ہے۔

شعر نمبر ۱۵۲۳ تا ۱۵۲۵: لذتِ عصیاں، آدم اور خودی: علامہ کے تصورِ ابلیس کے تحت اس پر مفصل بحث ہو چکی ہے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۰۰، ۲۱۲ شذراتِ فکرِ اقبال میں "گناہ اور تقویٰ" اور "تکمیل گر" کے تحت عنوان علامہ نے گناہ کی تعلیمی قدر و قیمت پر فکر آرا نوٹ لکھے ہیں۔

"گناہ اور تقویٰ: — کم از کم ایک لحاظ سے گناہ تقویٰ سے بہتر ہے۔ گناہ میں ایک تخیلی عنصر موجود ہے۔ جو تقویٰ میں مفقود ہے" ۳۰۹۵

۳۰۹۵ شذراتِ فکرِ اقبال، اردو ترجمہ افتخار احمد صدیقی ص ۱۲۱ — ایضاً۔

نیک لوگ :۔۔۔ گناہ کی اپنی ایک تعلیمی قدر و قیمت ہے۔ نیک لوگ اکثر سادہ لوح ہوتے ہیں" ع ۳۰۹۶

حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا تشخص اس کی ضد سے قائم ہے، دن کی شناخت رات سے ہے اور سفیدی، سیاہی کی بدولت ۔۔۔ اسی طرح خیر، نیکی، بھلائی کا وجود شر، برائی اور خرابی کے وجود سے ہے۔ نیکی اور بدی کے شعور سے انکار ۔۔۔ بھی خودی کے ثبات کا سبب بنا ۔ زمین، آسمانوں، جبال نے امانت اٹھانے سے انکار کیا اور الانسان کا کان کی شان رکھتے ہیں مگر لذتِ خودی سے تو بے خبر ہیں۔ لذتِ خودی سے باخبر ہونے کے لئے نیکی بدی کا وجود اور ان کا شعور ضروری ہے۔ اور وہ جوہر دل بشر کے علاوہ کسی کو نہیں ملا۔ جب [شیطان] بدی کا نمائندہ ہے تو نیکی کے لئے اس بدی کی اہمیت بھی ضروری تھی۔ علامہ نے "در حضور شاہ ہمدان" اور لالہ، جو ایسے سوالات کئے ہیں،

از تو خواہم سرِ یزداں را کلید — طاعت از ما جست و شیطاں آفرید

زشت و ناخوش را چناں آراستن — در عمل از ما نکوئی خواستن الخ

یہ اسی نکتہ کی وضاحت کی خاطر ہیں۔ کہ بدی کے وجود نے انسان کو انسان اور مومن سے مسجودؑ کے مقام تک پہنچایا۔ ابلیس کا جبریل کے مقابلے میں فخریہ اعلان کہ ہیں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح صرف اور صرف اس سبب سے ہے کہ اس کے لہو نے قصۂ آدم کو رنگینی بلکہ رنگینیاں بخشی ہیں ۔۔۔ یہی گناہ کی تعلیمی قدر و قیمت ہے ۔۔۔ سول نافرمانی، ترکِ موالات، شادی ٹکٹ کے خلاف احتجاج، انفرادی تشخص کے اظہار کے ذرائع ہیں۔

شعر نمبر ۱۵۲۹۔ کاویری : جنوبی ہندوستان کا دریا جو سرنگا پٹم کے قریب سے بہتا ہے جہاں سلطان ٹیپو شہید کا مزار ہے یہ دریا ۴۷۵ میل لمبا ہے۔ [مطالب اقبال۔ مقبول انور داؤدی ص ۱۹۵]۔ یہاں یہ زندگی کی علامت ہے۔ علامہ نے اپنے دورۂ دکن کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"میسور میں جہاں کہیں بھی گیا لوگوں کی زبانوں پر ایک ہی نام تھا۔ یعنی سلطان ٹیپو شہید کا نام۔ جہاں کہیں دو تین آدمیوں کی محفل گرم ہوتی ایک ہی قصہ تھا ایک ہی رنگین داستان تھی جسے ہر کوئی بیان کرتا اور سب لوگ ادب سے سر جھکائے سنتے اور وہ سلطان شہید کی معرکہ آرا زندگی کا ماجرا تھا۔ بازاروں میں دکانداروں کا موضوعِ سخن بھی یہی تھا۔ دو تین جلسوں میں جہاں جانے کا مجھے اتفاق ہوا یہی باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے ہر چند کئی مرتبہ گفتگو کا رخ دوسری باتوں کی طرف پھیرا، لیکن ہر بار پھر سلطان ٹیپو کا تذکرہ آ جاتا" ع ۳۰۹۷

میجر محمد سعید خان کے نام مکتوب میں یہ لکھنا اسی حوالے سے تھا کہ

"اس عالی مرتبت مسلمان سپاہی کی قبر زندگی رکھتی ہے۔ بہ نسبت ہم جیسے لوگوں کے جو بظاہر زندہ ہیں یا اپنے آپ کو زندہ ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں" ع ۳۰۹۸

ع ۳۰۹۶ شذرات فکر اقبال۔ ایضاً ص ۱۲۱ — ع ۳۰۹۷ سرگزشت اقبال۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید ص ۲۹۶ بحوالہ ذکر اقبال۔

ع ۳۰۹۸ کلیات مکاتیب اقبال۔ برنی ج ۲۔ ص ۵۱/۵۲ — ایضاً۔

یہی "دیدہ ام در جانِ او شورے دگر" کی رجائیت کا پس منظر ہے۔

شعر نمبر ۱۵۲۳: مولائے کُل[۲]**:** حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ——— بر زبانم رفت از افکار تو شعر ... مراد ہے۔ شاید یہی شعر ہیں جن کی طرف مولائے کل، دانائے سُبل کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے۔

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں ‏ ‏ ‏ ‏ "کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را"

وہ دانائے سُبل ختم الرُّسل مولائے کُل جس نے ‏ ‏ ‏ ‏ غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر ‏ ‏ ‏ ‏ وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ ع۳۰۹۹

شعر نمبر ۱۵۲۸۔ خوشتر آید سرود اندر سرود: علامہ نے بانگِ درا کی نظم ... میں فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی آتی ندی سے کیا تھا۔

چھیڑتی جا اس عراقِ دل نشیں کے ساز کو ‏ ‏ ‏ ‏ اے مسافر دل سمجھتا ہے تری آواز کو ع۳۱۰۰

تب سے وہ بہتی ندی کو زندگی کی بیداری کا زینۂ اول، جان کر مخاطب کرتے ہیں۔ کبھی انہیں اختلاطِ موج و ساحل، تڑپاتا ہے اور وہ اپنی معاشرتی زندگی میں دم بدم باہم و نیز لحظہ گریزاں از من، کا اتحاد و افتراق، دیکھ کر ڈھتے ہیں۔ کہ وصل کیسا یاں تو اک قربِ فراق آمیز ہے [ضربِ کلیم] ہنزا کبھی کبھی وہ مچل کر پکار اٹھتے ہیں "نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج" ——— مختصر یہ کہ ندی، زندگی کا حوالہ ہے اور علامہ نے اس علامت سے زندگی اور موت اور بظاہر موت مگر حقیقی جاودانی زندگی: شہادت اکے مقام واضح کئے ہیں والدہ مرحومہ کی یاد میں بھی کہ موجِ مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب اسی حقیقت کی کنجی ہے۔ چنانچہ وہ اس مسئلہ لاینحل کو موجِ کاویری سے مخاطب ہو کر حل کرتے ہیں۔ کہ سازِ زندگی سرودِ دریا سے مل کر نیا آہنگ پیدا کرے گا۔ نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں [احمد فراز]۔

پیغامِ سلطان شہید بہ رود کاویری

حقیقتِ حیات و مرگ و شہادت

۱۵۲۹۔ رود کاویری یکے نرمک خرام ‏ ‏ ‏ ‏ خستۂ شاید کہ از سیرِ دوام

در کہستاں عمرہا نالیدۂ (۲۲۵) ‏ ‏ ‏ ‏ راہِ خود را با مژہ کاویدۂ

اے مرا خوشتر ز جیحون و فرات (۲۲۶) ‏ ‏ ‏ ‏ اے دکن را آبِ تو آبِ حیات

ع۳۰۹۹ کلیاتِ اقبال اردو صـ۳۱۷ [بالِ جبریل، حکیم سنائیؒ غزنوی کے مزار پر]۔ ع۳۱۰۰ ایضاً صـ۲۳ [بانگِ درا]

آں شہرے کو در آغوش تو بود — حسن نوشیں جلوہ از نوش تو بود

کہنہ گردد بدی شباب تو ہماں — پیچ و تاب و رنگ و آب تو ہماں

موج تو جز دانۂ گوہر نزاد — طرّۂ تو تا ابد شوریدہ باد

اے ترا سازے کہ سوز زندگی است — ہیچ می دانی کہ این پیغام کیست

آنکہ می کردی طواف سطوتش — بودہ آئینہ دار دولتش

آنکہ صحراہا ز تدبیرش بہشت — آنکہ نقش خود بخون خود نوشت

آنکہ خاکش مرجع صد آرزوست — اضطراب موج تو از خون اوست

اے کہ گفتارش ہمہ کردار بود
مشرق اندر خواب او بیدار بود

۱۵۵۰- اے من و تو موجے از رود حیات — ہر نفس دیگر شود این کائنات

۱۵۵۱- زندگانی انقلاب ہر دمے ست — زانکہ او اندر سراغ عالمے ست

۱۵۵۲- تار و پود ہر وجود از رفت و بود — این ہمہ ذوق نمود از رفت و بود

جادہ ہا چون رہرواں اندر سفر — ہر کجا پنہاں سفر پیدا حضر

کارواں و ناقہ و دشت و نخیل — ہر چہ بینی نالد از درد رحیل

در چمن گل میہمان یک نفس — رنگ و آبش امتحان یک نفس

موسم گل؟ ماتم و ہم نای و نوش — غنچہ در آغوش و نعش گل بدوش

لالہ را گفتم یکے دیگر بسوز — گفت راز ما نمی دانی ہنوز

۱۵۵۸- از خس و خاشاک تعمیر وجود
غیر حسرت چیست پاداش نمود

در سرائے ہست و بود آئی؟ میا — از عدم سوئے وجود آئی؟ میا

ور بیائی چون شرار از خود مرو — در تلاش خرمنے آوارہ شو؟

تاب و تب داری اگر مانند مہر — پا بنہ در وسعت آباد سپہر

کوه و مرغ و گلشن و صحرا بسوز — ماهیان را در ته دریا بسوز
سینه داری اگر در خورد تیر — در جهان شاهین بزی شاهین بمیر
زانکه در عرض حیات آمد ثبات — از خدا کم خواستم طول حیات

زندگی را چیست رسم و دین و کیش
یک دم شیری به از صد سال میش

۱۵۶۶- زندگی محکم ز تسلیم و رضاست — موت نیرنج و طلسم و سیمیاست
بندهٔ حق ضیغم و آهوست مرگ — یک مقام از صد مقام اوست مرگ
می فتد بر مرگ آن مرد تمام — مثل شاهینی که افتد بر حمام
هر زمان میرد غلام از بیم مرگ — زندگی او را حرام از بیم مرگ
بندهٔ آزاد را شانی دگر — مرگ او را می دهد جانی دگر
او خود اندیش است مرگ اندیش نیست — مرگ آزادان ز آنی بیش نیست
بگذر از مرگی که سازد با لحد — زانکه این مرگ است مرگ دام و دد
مرد مومن خواهد از یزدان پاک — آن دگر مرگی که برگیرد ز خاک
آن دگر مرگ انتهای راه شوق — آخرین تکبیر در جنگاه شوق
گرچه هر مرگ است بر مومن شکر — مرگ پور مرتضی چیزی دگر

۱۵۶۷- جنگ شاهان جهان غارتگری ست — جنگ مومن سنت پیغمبری ست
جنگ مومن چیست هجرت سوی دوست — ترک عالم اختیار کوی دوست

۱۵۶۸- آنکه حرف شوق با اقوام گفت — جنگ را رهبانی اسلام گفت

۱۵۶۹- کس نداند جز شهید این نکته را
کو بخون خود خرید این نکته را

حواشی و تعلیقات: (۲۷۵) **جیحون:** مشہور دریا جسے دریائے آمو بھی کہتے

ہیں۔ ایران و توران کے درمیان حدِ فاصل مانا جاتا ہے۔ اس دریا کے پار شمال میں جو ممالک تھے، ماوراء النہر کہلاتے تھے۔ یہ دریا سیر دریا اور دریائے بلخ بھی کہلاتا ہے۔ اس کے سرچشمے تبت جوزد کی زرّیں جھیل اور کوہستانِ پامیر کے اوپر سے شروع ہوتے ہیں۔ مرداب کے قریب یہ بحیرۂ ارل میں گر جاتا ہے۔

جیحون پار کے ملک عام طور پر ان علاقوں پر مشتمل سمجھے جاتے ہیں (۱) سغد — بخارا اور سمرقند یہیں واقع تھے۔ (۲) خوارزم — آج کل اسے خیوہ کہتے ہیں (۳) صغانیان — اس میں ختل اور بدخشان کا علاقہ بھی شامل تھا (۴) فرغانہ (۵) شاش — جو آج کل تاشقند کہلاتا ہے جیحون اور سیحون کے درمیان کا علاقہ بھی جنتِ ارضی شمار ہوتا تھا اور تمدن و تہذیب کے اعتبار سے بھی اس کی بہت اہمیت تھی ع۲۰۰۱

رودکی کا مشہور قصیدہ "ریگِ آموی و درشتی ہائے او" اسی دریا کی ریت کے بارے میں ہے۔ کہ ع زیرِ پایم پرنیاں آید ہمے۔

(۲۲۶) **فرات :** مشہور دریا جس کی وادی میں دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں نے پرورش پائی ہے۔ بابل اور نینوا کے جاہ و جلال اور سحر و اسرار کے کرشمے اسی دریا نے دیکھے ہیں۔ ع۲۰۰۲ اسی دریا کے کنارے وہ صحرا بھی ہے جسے دشتِ کربلا کہا جاتا ہے اور جہاں اہلِ کوفہ نے بہتر نہتے اور پُرامن آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دغا اور فریب سے بیعت کے لئے بلایا اور پھر گھیر گھار کر شہید کر دیا ——— اہلِ نینوا تاریخِ انسانی میں اس عظمت کا تاج بھی رکھتے ہیں کہ اپنے نبی حضرت یونس علیہ السلام کی دعوتِ توحید پر من حیث القوم لبیک کہی۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ع۲۰۰۳ پھر کیوں نہ ہوئی ایسی بستی جو ایمان لاتی اور اس کا ایمان اسے نفع پہنچاتا سوائے قوم یونسؑ کے۔

شعر ۵۵ الخ: ہر نفس دیگر شود این کائنات : ع ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں
یہ تجدد امثال، تغیرِ اشیاء اور زندگی کی ناپائیداری کا بیان ہے

اول و آخر فنا ظاہر و باطن فنا — نقشِ کہن ہو کہ نو منزلِ آخر فنا ع۲۰۰۴

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ع۲۰۰۵ اس زمین پر جو کوئی ہے فانی ہے ——— لیکن یہ فنا، ماندگی کا وقفہ ہے۔ یعنی آگے چلیں گے دم لے کر۔

وہ نزولِ عشق کا سلسلہ نام ہے جس کا حیات — جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات
مختلف ہر منزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے — آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے ع۲۰۰۶

ع۲۰۰۱ تلمیحاتِ اقبال عابد ص ۲۸۴/۲۸۵ بحوالہ جغرافیہ خلافتِ مشرقی Le-Strange اردو ترجمہ جمیل الرحمٰن حیدرآباد جامعہ عثمانیہ

ع۲۰۰۲ ایضاً ص ۲۲۲ بحوالہ ایضاً Le. Strange : Lands of the Eastern Caliphate

ع۲۰۰۳ یونس : ۹۸ ع۲۰۰۴ کلیاتِ اقبال اردو ص ۲۸۶ [بالِ جبریل: سجود لیبہ] ع۲۰۰۵ الرحمٰن:

ع۲۰۰۶ کلیات اردو ص ۲۲۶ [بانگِ درا : والدہ مرحومہ کی یاد میں]

لہٰذا زندگی، ایک جہانِ تازہ کی جستجو کا نام ہے۔ دنیا کی ہر شے کا وجود ذوقِ نمود سے وابستہ ہے اور یہی اس "چل چلاؤ" کی جان ہے۔ زندگی اور موت، جدا جدا حقیقتیں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ موت ہر کسی کی راہ میں ہے۔ کچھ مورو ملخ کی طرح مرتے ہیں کچھ برزخ کی طویل رات میں سے ہو کر گذریں گے کچھ ایک لمحہ سے زیادہ کے لئے نہیں مرتے اور یہ وقفہ بھی "جامہ بدلنے" کا وقفہ ہوتا ہے۔

موسمِ گل، غنچہ در آغوش اور لفیشِ گل بدوش، ہونے کی کیفیت ہے۔ جب حال یہ ہے تو پھر "خوفِ جاں" سے بڑھ کر کوئی اور امتحان نہیں۔ موت کا خوف، جتنا کمزور ہوگا "جان" اتنی مضبوط ہوگی۔ شاہین کی طرح جینا مرنا، حقیقی زندگی ہے: گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کا ایک سانس، بہتر ہے۔

علامہ کے ملفوظِ سخت کوشی میں "بدریا غلط و باموجش درآویز" ہی حیاتِ جاودانی کے حصول کی راہ ہے یعنی بندۂ حق، کی زندگی کے سینکڑوں مقامات میں سے ایک مقام موت بھی ہے۔ دوسری چیز آزادی یعنی حریت ہے بندۂ حُر موت پر شاہین کی طرح جھپٹتا ہے۔ غلام پر موت کا خوف، زندگی کی لذتوں کو حرام کر دیتا ہے۔ بندۂ آزاد کو "موت" ایک اور "جان" سے نوازتی ہے۔ البتہ مرگِ لحد تو ہر کسی کو حاصل ہے لیکن مرگِ مومن — خاک میں تڑپنے والی موت سے بالاتر ہوتا ہے۔ مومن کی موت، شکر سے میٹھی ہوتی ہے لیکن حسین ابن علی رضوان اللہ، کی موت کی بات ہی کچھ اور ہے۔ یہ موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے۔

شعر نمبر ۱۵۶۶۔ زندگی محکم ز تسلیم و رضاست: عشق و شوق اور تقدیر کے تحت عنوان اس نکتۂ خاص کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یہاں ملخصاً عرض ہے کہ تقدیر کے مفہوں میں سے ایک معنیٰ — کسی وجود کا مقصدِ زندگی ہے۔ جتنی کوئی شے اپنے اس مقصدِ زندگی کو جزوِ فطرت رکھتی ہے اتنی پائیدار ہے۔ اس پر زمانے کا کوئی اثر نہیں۔ ع تیری عمرِ رفتہ کی اک آن ہے عہدِ کہن سے علامہ کی مراد اسی حقیقت کا اظہار تھا۔ انسان اپنی تقدیر — شہادتِ حق — کے تین مدارج ہیں اقرار بالّلسان، تصدیق بالقلب: اور ان ہر دو کا استشہاد عمل میں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس ذیل کا ایک خوبصورت جملہ لکھا ہے۔

"اقبال کے نزدیک خودی ہی حقیقتِ اولیٰ ہے — اور موت و حیات خودی کے احوال ہیں اور کچھ نہیں۔ زندگی کا مقصد عمل ہے اور عملِ صالح اور عملِ حسن سے خودی کی نشو و نما ہوتی ہے۔ اصل اہمیت حسنِ عمل کو حاصل ہے نہ کہ موت و حیات کو" ۲۰۰۷ء

۲۰۰۷ء مسائلِ اقبال: ڈاکٹر سید عبداللہ، ص ۳۰۷ (مقالہ: خودی اور دورِ حیات) مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، اشاعتِ دوم جون ۱۹۸۷ء

تسلیم و رضا پر مبنی حسنِ عمل کا مواجہ "پورِ مرتضیٰ(رض)" کی طرح مرنا ہے اسے شہادت نام بھی اسی لئے دیا گیا کہ تسلیم و رضا کا بدرجۂ غایت سچا عملی اظہار ہے۔

شعر نمبر ۱۵۱،۷۷ - جنگ یا جہاد : فلسفۂ سخت کوشی : جنگ و جہاد، ڈارون کے حیاتیاتی افکار: جہد للبقاء اور بقائے اصلح کے فطری قوانین ہوں یا ہیگل کا تصورِ جدلیت انہوں نے کمزوروں کو مٹانے سے بڑھ کر کوئی اصلاحی کارنامہ نہیں دکھایا۔ علامہ کے تصورِ پیکار کو عموماً ان مذکورہ مغربی مفکرین سے ماخوذ کہہ کر تحقیق کا حق ادا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اقبال مسلمان ہے اور اسلام کے بنیادی ارکان میں کلمۂ طیبہ سے زکوٰۃ و حج تک "جہاد" بالنفس ہی کارفرما ہے۔ اب اس جہاد بالنفس نے ایثار و قربانی پر مبنی جس اخوت و مساوات کو معاشرے کے اندر قائم کیا اور جسے تزمیل [اونٹ کے دونوں کجاووں کو متوازن رکھنا: حقوق و فرائض میں توازن] کے قرآنی تصور سے وابستہ کر کے رسولِ خدا اولی الامنکم کو المزمّل کے لقب سے نوازا گیا اسے بیرونی مداخلت سے بچانا بھی لازمی تھا اسی تدبّر: دیکھے بیٹانے: اپنا دفاع کرنے کو تنظیمی تمکینیت قولاً ثقیلاً [المزمّل ۵] سخت بات القا کی جانے والی ہے کہا گیا۔ مع یہی دفاعی تنظیم تو تھی جس نے آپؐ کو مدثر کے خطاب سے نوازا ــــــ ہم دیکھتے ہیں کہ "اقبال کے کلام میں پیکار کے تمام اشارے تصورِ جہاد سے وابستہ ہیں اور اس تصورِ جہاد کی سب سے واضح اور قطعی تصویر اسرارِ خودی کے اس باب میں موجود ہے جس کا عنوان ہی یہ ہے کہ اسلام میں جوع الارض [ہوسِ ملک گیری] کے لئے جنگ حرام ہے" ع۲۰۰۸ اور اسلامی جہاد حق و صداقت اور خیر کی پاسداری کے علاوہ مظلوموں، ضعیفوں اور کمزوروں کی حفاظت کے لئے بھی ضروری ہے.... اور فتنے اور شر کے ازالے کے لئے بھی.... اور ہوسِ ملک گیری میں مبتلا اقوام کے مقابلے کے لئے بھی۔ اسلام میں جہاد کے لئے بہت سی شرطیں ہیں مثلاً یہ کہ اس کا مقصد خالص حق کی حمایت ہو اور شہرت و نفع پرستی سے پاک ہو ــــ اور مدنظر محض دینی مقصد ہو ملک گیری نہ ہو" ع۲۰۰۹

آتشِ جانِ گدا جوعِ گداست | جوعِ سلطاں ملک و ملت را فناست
ہر کہ خنجر بہر غیر اللہ کشید | تیغِ او در سینۂ او آرمید ع۲۰۱۰

پروفیسر نکلسن کے نام، ڈکنسن وغیرہ کے مضامین بحوالہ اسرارِ خودی، میں بعض غلط تاویلات کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اقبال نے یہی بات نثر میں بھی واضح کی ہے۔

ع۲۰۰۸ مسائلِ اقبال ڈاکٹر سید عبداللہ ایضاً ص ۳۳۵ ع۲۰۰۹ ایضاً ص ۳۳۶

ع۲۰۱۰ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۴۷ (اسرارِ خودی): در بیانِ اینکہ مقصدِ حیاتِ مسلم اعلائے کلمۃ اللہ است و جہاد، اگر محرکِ او جوع الارض باشد در مذہبِ اسلام حرام است]۔

"میں روحانی قوت کا تو قائل ہوں لیکن جسمانی قوت پر یقین نہیں رکھتا۔
جب ایک قوم کو حق و صداقت کی حمایت میں دعوت پیکار دی جائے
تو میرے عقیدے کی رو سے اس دعوت پر لبیک کہنا اس کا فرض ہے۔
لیکن میں ان تمام جنگوں کو مردود سمجھتا ہوں جن کا مقصد محض کشور کشائی
اور ملک گیری ہو ۔۔۔۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ معاہدے لیگیں پنچایتیں
اور کانفرنسیں استیصال حرب [جڑ سے اکھاڑ] نہیں سکیں ۔ اگر اس
سعی میں ہمیں بیش از بیش کامیابی ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ
یہ ہوگا کہ ممالک مستعمر [نوآبادیاں بنانے والی قومیں] جن ملتوں کو تمدن و
تہذیب میں اپنا ہم سر نہیں سمجھتیں انہیں اپنے تمام جور و تعدی کا
شکار بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ پرامن وسائل اختیار کر لیں گی" ع۲۰۱۱

یہی فرمانِ باری تعالیٰ ہے اور یہی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے ۔ أُذِنَ لِلَّذِينَ
يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ
إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ
وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ع۲۰۱۲ جن پر جنگ مسلط کی جائے انہیں لڑنے کی اجازت ہے یہ بنیاد ہے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔

شعر نمبر ۱۵۷۸ ۔ رھبانیۃ اسلام: إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ رَهْبَانِيَّةً وَرَهْبَانِيَّةُ
هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ع۲۰۱۳ بے شک ہر امت کے لئے رھبانیہ ہے اور اس
امت [امتِ مسلم] کے لئے جہاد ہی اس کی رہبانیت ہے ۔
عَلَيْكُمْ بِالْجِهَادِ فَإِنَّهُ رَهْبَانِيَّةُ أُمَّتِي ع۲۰۱۴ تم پر جہاد لازم ہے
اور یہی میری امت کی رہبانیت ہے ۔ علامہ کا شعر " ترک عالم اختیار کرنے دوست، اور
ہجرت سوئے دوست، موجودین کا ترک دنیا و ترک علائق دنیا نہیں ۔ بلکہ یہ کفر و باطل کے خلاف
صف آرا ہو کر جان دینا ہے ۔ اور یہ عمل حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ
لِلَّهِ ع۲۰۱۵ یہاں تک جاری رہنا ہے جب تک الدین ، صرف اللہ کا باقی رہ جائے بعد
باقی فتنے ختم ہو جائیں ۔ لفظ فتنہ اس جنگ کی نوعیت دفاعی کو بخوبی ظاہر کرتا ہے

شعر نمبر ۱۵۷۹ ۔ یہ موت وہ ہے جہاں مرنے والا ایک لمحہ کے لئے مرتا ہے کہ وہ زندگی نو کا
لباس پہنے اس کی **برزخی زندگی** اللہ کے ہاں کھاتے پیتے بسر ہوتی ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي

ع۲۰۱۱ کلیات مکاتیب اقبال ج۲ ص ۲۲۹ (مکتوب بنام نکلسن ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء) ع۲۰۱۲ الحج : ۴۰
ع۲۰۱۳ مطالعہ تلمیحات اقبال ذیلی ص ۲۵۱ بحوالہ کنز العمال ج۴ ص ۲۵۹ ع۲۰۱۴ احادیث مثنوی بدیع الزمان فروزانفر ص ۲۲۵
بحوالہ نہایۃ ابن اثیر ج۲ ص ۱۱۲ ، سفینۃ البحار ج۱ ص ۵۲۰ ع۲۰۱۵ الانفال : ۳۹

سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ع۱۲۱۶ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ [معمولی مُردوں کی طرح] مرتے ہیں بلکہ وہ تو [ایک ممتاز حیات کے ساتھ] زندہ ہیں۔ لیکن تم [ان] حواس سے [اس حیات کا] ادراک نہیں کرسکتے۔ ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ ——————

شہید فی سبیل اللہ کی اس زندگی کی حقیقت سے اللہ اور شہید خود، واقف ہیں وہ شہید جس نے اپنے خون سے یہ زندگی خریدی۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ع۱۲۱۷ بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی رضا کے واسطے اپنی جان بیچ دیتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہے [ان کی قربانیاں رائیگاں نہیں جاتی ہیں]۔ حضرت تھانویؒ نے "اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے" لکھا ہے۔ اور یہی مقصود ہے علامہ کے مصرعہ کا کہ "خونِ خود خرید این نکتہ را" سلطان شہیدؒ بھی اسی طرح کے آدمی تھے۔ اسی لئے علامہ اقبالؒ کو ٹیپو کی قبر ہم جیسے لوگوں سے جو بظاہر زندہ ہیں، کہیں زیادہ "زندگی" کی علامت نظر آئی۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُمْ اے اللہ! تو ہمیں ان کی پیروی نصیب فرما۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ع۱۲۱۸ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں [غازی ہوں یا شہید] اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات، انجیل اور قرآن میں، اور یہ مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تو تم لوگ [اپنی] اس بیع پر جس کا تم نے [اللہ تعالیٰ سے] معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اسی واسطے تو حضرت سعدؓ نے رستم ایران کو بے دھڑک لکھا تھا فَاِنَّ مَعِيَ قَوْمًا يُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا يُحِبُّ الْاَعَاجِمُ الْخَمْرَ، بے شک میرے ساتھ ایسی جماعت ہے جو موت کو اسی طرح محبوب رکھتی ہے جیسا کہ تم [عجمی] شراب کو محبوب رکھتے ہو [بحوالہ تفسیر عزیزی اول] ع۱۲۱۹ — علامہ کے ہاں بقائے دوام استحکامِ خودی کے ساتھ مشروط ہے اور استحکامِ خودی تسلیم و رضا کے ساتھ اس طرح کہ پھر "خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے"۔ یہی مقام ہے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا لیکن بعض بدقسمت اس کے برعکس اپنی خودی کو بیچ بیٹھیں گے۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے "حیات بعد الموت" رجوع فرمائیں تشکیل جدید خطبہ چہارم ص ۱۸۰ الخ

ع۱۲۱۶ البقرہ : ۱۵۴ ع۱۲۱۷ الیضاً : ۲۰۷ ع۱۲۱۸ التوبہ : ۱۱۱

ع۱۲۱۹ حکایاتِ صحابہؓ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ مکتبہ صدیقیہ۔ ملتان شہر سن اشاعت ندارد

زنده‌رود رخصت می‌شود از فردوس برین و تقاضای حوران بهشتی

شیشهٔ صبر و سکونم ریز ریز — پیر رومی گفت در گوشم که خیز
آن حدیث شوق و آن جذب و یقین — آه آن ایوان و آن کاخ برین
۱۵۸۲- با دل پرخون رسیدم بر درش — یک هجوم حور دیدم بر درش
بر لب شان زنده‌رود ای زنده‌رود — زنده‌رود ای صاحب سوز و سرود
شور و غوغا از یسار و از یمین — یک دو دم با ما نشین با ما نشین

زنده‌رود

۱۵۸۵- راهرو کو داند اسرار سفر — ترسد از منزل ز رهزن بیشتر
عشق در هجر و وصال آسوده نیست — بی جمال لایزال آسوده نیست
ابتدا پیش بتان افتادگی — انتها از دلبران آزادگی
کیش ما مانند موج تیزگام
اختیار جاده و ترک مقام

حوران بهشتی: [illegible]

غزل زنده‌رود

۱۵۸۹- بآدمی نرسیدی خدا چه می‌جوئی — ز خود گریخته‌ئی آشنا چه می‌جوئی
۱۵۹۰- دگر بشاخ گل آویز و آب و نم درکش — پریده رنگ ز باد صبا چه می‌جوئی
دو قطره خون دل است آنچه مشک می‌نامند — تو ای غزال حرم در ختا چه می‌جوئی
عیار فقر ز سلطانی و جهانگیری است — سریر جم بطلب بوریا چه می‌جوئی

سراغ او ز خیابان لاله می گیرند — نوائے خون شدۂ ما ز ما چه می جوئی

١٥٩٤۔ نظر ز صحبت روشندلاں بیفزاید — ز درد کم بصری توتیا چه می جوئی

١٥٩٥۔ قلندریم و کرامات ما جہاں بینی ست (٢٢٧) (٢٢٨)

ز ما نگاہ طلب کیمیا چه می جوئی

حواشی و تعلیقات: **شعر نمبر ١٥٨٢ با دل پر خوں رسیدم بر درش:** انتہائی دکھ اور دردمندی سے طالب جنت کے دروازے پر پہنچا۔ **شعر نمبر ١٥٨٥ الخ اسرار سفر:** سالک ایک کے بعد ایک منزل عبور کرتا ہوا اعلیٰ سے اعلیٰ تر مقام کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ اگر وہ کسی منزل کی روحانیت کا اس حد تک مالک نہ بن سکا کہ آگے بڑھے تو وہ اس مقام پر بھی زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا تنزل کا خطرہ رہتا ہے اس لئے علامہ نے منزل پر قیام و مقام کے لئے خطرۂ رہزنی کا اظہار فرمایا۔ منازلِ سلوک صبر سے رضا تک ٩٩ شمار کئے جاتے ہیں۔ ان سے سالک موجِ تیز گام کی طرح گزرتا ہے اور ساحل سے دل نہیں لگاتا۔

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول

لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول ١٢٢٠

صوفیاء کے ہاں اس سے آگے مقامِ حیرت ہے۔ جہاں سالک جملہ اعتباراتِ غیرت سے پاک ہو کر ذاتِ سبحانہٗ میں مستغرق ہو جاتا ہے اور قطرہ عینِ دریا ہو جاتا ہے اسی مقامِ حیرت کو مقامِ فقر و غنیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ انتہائی مقام ہے یہاں ایک حد سے گزر کر لامکان و لاحد کے میدان میں محوِ حیرت ہو جاتا ہے ١٢٢١

"علامہ کے ہاں چونکہ خودی نہ تو کسی دوسری خودی میں مدغم ہو سکتی ہے نہ کسی دوسری خودی کے محور پر اس کا ظہور ہو گا" ١٢٢٢

اس لئے وہ شیخ گنگوہیؒ کے قول کے برعکس "بادہ رسیدن" اور "با شاخِ گل آویختن" کی طرف توجہ دلاتے ہوئے غزل سرا ہوتے ہیں۔

شعر نمبر ١٥٨٩۔ خداشناسی، خودشناسی کے بغیر کہاں میسر آتی ہے خودشناسی اکرامِ آدم سے ملتی ہے۔ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" ١٢٢٣ "ولقد کرمنا بنی آدم" ١٢٢٤

شعر نمبر ١٥٩٠۔ دگر بشاخ گل آویز: یہ تشکیلِ جدید کے پانچویں خطبہ "اسلامی ثقافت کی روح" کے مطالب کا خلاصہ ہے۔ اور فرد و جماعت کے جدید مسائل کے حوالے سے "پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ" ١٢٢٥ جیسے افکار و تصوراتِ اجتماعیت کا آئینہ دار ہے یعنی ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھنے کی عملی تعبیر ہے۔

شعر نمبر ١٥٩٤۔ روشن دلوں کی صحبت، کم بصری کا علاج ہے اور روشن دلوں کی شناخت کے لئے قلندر کی نگاہ ضروری ہے۔

١٢٢٠ کلیاتِ اقبال اردو ص ٥٣٢ [ضربِ کلیم: سلطان ٹیپو کی وصیت]۔ ١٢٢١ اصطلاحاتِ صوفیہ شاہ محمد عبدالغنی ص ١٢٧ [دیکھئے مقدمہ]

١٢٢٢ اقبال کے حضور ص ٨٣ ١٢٢٣ ایضاً شرح نہج البلاغہ جزو ۲ ص ٥٤٧ پر حضرت علیؓ سے منسوب ہے — ازاطرف ربہ کو کنوز الحقائق ۱ الموضوعات ۸۶ ... لیکن ابن تیمیہ ؒ موضوع بتاتے ہیں احادیث مثنوی، فروزانفر ص ٢٢٢

١٢٢٤ بنی اسرائیل: ٧٠ ١٢٢٥ کلیاتِ اقبال اردو ص ٢٢٨ [بانگِ درا]۔

(۲۲۷) **قلندر :** قلندر وہ فقیر ہے جو بحرِ تجرید و تفرید میں اکمل ہو۔ دونوں عالموں سے بے نیاز بن کر اور جملہ کائنات سے منقطع ہو کر محوِ ذاتِ حق سبحانہٗ ہو جائے اور دریائے ناپیدا کنارِ عشق میں مستغرق ہو۔ فقیر تین طرح کے ہوتے ہیں ۱۔ فقیرِ ملامتی : جو تجرید و تفرید میں عبادت کو چھپاتا ہے ۲۔ فقیرِ قلندری : جو بحرِ تجرید و تفرید میں یگانہ اور عباداتِ شاقہ اور تخریبِ عادات میں کوشاں ہوتا ہے ۳۔ فقیرِ صوفی : جو جامع کمالاتِ باطنی و ظاہری ہو تجرید و تفرید میں ارفع اور عبادات و مجاہدات میں ہمیشہ مصروف اور قدم بر قدم حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتا ہے۔ اور بحرِ عشق و توحید میں نعرۂ ھَلْ مِنْ مَّزِیْد لگاتا ہے ۲۰۲۶

علامہ اقبال کے ہاں یہ اصطلاح درویش، مومن کے معانی میں استعمال ہوتی ہے جو انسانِ کامل کے مرتبہ تک جاتا ہے۔ علامہ نے ان معنوں میں شاہین کا کلمہ بھی استعمال کیا ہے اور اپنے ایک مکتوب میں اس کی جو صفات بیان کی ہیں وہ درج ذیل ہیں

۱۔ خود دار اور غیرت مند ہے کہ کسی کے ہاتھ کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا

۲۔ بے تعلق ہے کہ آشیانہ نہیں بناتا۔

۳۔ خلوت پسند ہے ۴۔ بلند پرواز ہے ۵۔ تیز نگاہ ہے۔ ۲۰۲۷

علامہ اقبال کے مردِ قلندر یا انسانِ کامل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اعجازِ عمل سے تجدیدِ حیات کرتا ہے۔ وہ زمانے کو اپنے اشارے پر چلاتا ہے یعنی راکب زمانہ ہے مرکب نہیں ــــ وہ خود جس مقام پر ہوتا ہے وہاں جماعت کو بھی کھینچ بلاتا ہے وہ اپنے ہمراز سمت عناصر کی زندگی کی نئی توجیہہ پیش کرتا ہے ۲۰۲۸

(۲۲۸) **کرامات :** جس طرح معجزہ کسی واقعہ کے تمام درمیانی علتوں کو ساقط کر کے اسے علتِ اولیٰ [رب] سے ملا دیتا ہے اسی طرح کرامت کا حال ہے لیکن کرامت کے متعلق شہادتیں ایسی مستند نہیں جتنی یا جیسی کہ معجزہ کے متعلق۔ صوفیاء ایک ایسے مقام کا دعویٰ کرتے ہیں جہاں ان سے کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ مقام وہ ہوتا ہے جہاں بندے کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، اللہ کے ہاتھ پاؤں آنکھ کان ہو جاتے ہیں ــــ اقبال نے کہا ہم قلندر ہیں اور ہماری کرامات جہاں بینی ہیں۔ اس لئے ہم سے مطلب کر صحبت اور

کیمیا : معمولی دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا ہنر ــ اکسیر بھی کیمیا ہی کو کہتے ہیں۔ مفید اور سود مند ادویہ بھی اکسیر کہلاتی ہیں مجازاً مرشدِ کامل کو بھی کہتے ہیں ۲۰۲۹

نظر یا نگاہ : تصوف میں ذاتِ الٰہی کو پردۂ صفات میں دیکھنا ــ علامہ کے ہاں جہاں بینی یعنی "اشیاء کا رازِ حیات" معلوم کرنا۔ اور وہ ہے کوششِ ناتمام اور سفر بے مقام

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے ۲۰۳۰

۲۰۲۶ اصطلاحاتِ صوفیہ۔ خواجہ محمد عبدالصمد ص ۱۱۲ نیاز فقیر ص ۱۰۶ ۲۰۲۷ اقبال نامہ اول ص ۲۰۱
۲۰۲۸ روحِ اقبال ص ۲۰۱ تا ص ۲۱۰ [خلاصہ و انتخاب] یوسف حسین خان۔ آئینہ ادب لاہور ۱۹۸۲ء
۲۰۲۹ تلمیحاتِ اقبال۔ عابد ص ۳۳۷ ۲۰۳۰ کلیاتِ اقبال اردو ص ۱۲۷ [بانگِ درا، کوششِ ناتمام]۔

حضور (۲۴۹)

۱۵۹۶- گرچه جنت از تجلی‌های اوست (۲۵۰) | جان نیاساید بجز دیدار دوست (۲۵۱)

ما ز اصل خویشتن (۲۵۲) در پرده‌ایم | طائریم و آشیان گم کرده‌ایم

۱۵۹۸- علم اگر کج فطرت و بدگوهر است | پیش چشم ما حجاب اکبر است

علم را مقصود اگر باشد نظر | می‌شود هم جاده و هم راهبر

می‌نهد پیش تو از کشیر وجود (۲۵۳) | تا تو پرسی چیست راز این نمود

جاده را هموار سازد این چنین | شوق را بیدار سازد این چنین

درد و داغ و تاب و تب بخشد ترا | گریه‌های نیم شب بخشد ترا

علم تفسیر جهان رنگ و بو | دیده و دل پرورش گیرد ازو

۱۶۰۴- بر مقام جذب و شوق آرد ترا | باز چون جبریل بگذارد ترا

عشق کس را کے بخلوت می‌برد | او ز چشم خویش غیرت می‌برد

اول او هم رفیق و هم طریق
آخر او راه رفتن بے رفیق

در گذشتم زان همه حور و قصور | زورق جان باختم در بحر نور

۱۶۰۸- غرق بودم در تماشائے جمال | هر زمان در انقلاب و لایزال

گم شدم اندر ضمیر کائنات | چون رباب آمد بچشم من حیات

آنکه هر تارش رباب دیگرے | هر نوا از دیگرے خونین‌ترے

ما همه یک دودمان نار و نور | آدم و مهر و مه و جبریل و حور

پیش جان آئینه‌ئی آویختند | حیرتے را با یقین آمیختند

صبح امروزے که نورش ظاهر است | در حضورش دوش و فردا حاضر است

۱۶۱۲- حق هویدا با همه اسرار خویش | با نگاه من کند دیدار خویش

دیدنش افزودنِ بے کاستن — دیدنش از قبرِ تن برخاستن

۱۶۱۶ — عبد و مولا در کمینِ یک دگر — ہر دو بیتاب اند از ذوقِ نظر

زندگی ہر جا کہ باشد جستجوست
حل نشد این نکتہ من صیدم کہ اوست

۱۶۱۸ — عشق جاں را لذتِ دیدار داد — با زبانم جرأتِ گفتار داد

اے دو عالم از تو با نور و نظر — اندکے آں خاکداں را بنگر

بندۂ آزاد را ناسازگار — بر دمد از سنبلِ او نیشِ خار

غالباں غرق اند در عیش و طرب — کارِ مغلوباں شمارِ روز و شب

از ملوکیت جہانِ تو خراب — تیرہ شب در آستینِ آفتاب

دانشِ افرنگیاں غارتگری — دیرہا خیبر شد از بے حیدری

آنکہ گوید لا الٰہ بیچارہ ایست — فکرش از بے مرکزی آوارہ ایست

چار مرگ اندر پئے ایں دیر میر — سود خوار و والی و ملا و پیر

۱۶۲۶ — ایں چنیں عالم کجا شایانِ تست
آب و گل داغے کہ بر دامانِ تست

حواشی و تعلیقات: (۲۴۹) **حضور:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۵ روزِ حساب ہر شخص تنہا ہوگا لہٰذا رومیؒ کی معیت ختم۔

(۲۵۰) **تجلی:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۱۲ (۲۵۱) **دیدار:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۹۹ یہ اعمال صالحہ کا عطیہ ہے فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا ح۰۳۱ سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے۔ اعمال صالحہ سے مراد اپنے اندر اپنے منصب و مقام اور مقصود و معبودِ وجود کے قیام و برقرار رکھنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ یوں خودی، خودیٔ مطلق کا دیدار کرسکتی ہے۔ یہ فنا کا مقام نہیں یہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ح۰۳۲ کی تصدیق ہے۔ نہ تو نگاہ ہٹی نہ بڑھی۔ مطلب یہ کہ بیٹھیں شو چناں باذاتِ حق خلوت گزینی ترا او بیند و اورا تو بینی ح۰۳۳

(۲۵۲) **ما ز اصلِ خویشتن در پردہ ایم:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۔ پروفیسر محمد سلیم خان چشتی نے ایک بار پھر اسے محی الدین ابن عربیؒ کے حوزۂ چیستی و ہیروی ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کی ہے۔ حالانکہ "دیدار" کے تحت وہ خود بھی اس کا برعکس تسلیم کرچکے ہیں۔ اگر اسلام بقائے دوام کی تعلیم دیتا ہے ح۰۳۴ تو فنا کے تصورات کا اسلام سے کیا علاقہ،

ح۰۳۱ الکہف: ۱۱۰ ۔ ح۰۳۲ النجم: ۱۷ ح۰۳۳ کلیات فارسی ص۵۵۱ [گلشن راز جدید جواب سوال]
ح۰۳۴ شرح جاوید نامہ ص۱۱۱۳ ح۰۳۵ ص۱۱۱۲ ایضاً

اور علامہ تو کھلے عام اعلان کر چکے ہیں کہ شعر بہ بزم ما تجلی ہاست بنگر جہاں ناپید و او پیداست بنگر، کہ ایں جا ہیچ کس بے ما و او نیست، — اس فراق نے صاحب نظر کیا ہے۔ یہ فراق ہی خودی کی علت ہے اسے گم نہ ہونا چاہئے تاکہ فنا میں دوئی لبقا ہو جائے۔ شعر خودی را تنگ در آغوش کردن فنا را با بقا ہم دوش کردن لہذا ہزاروں عالم (ام و کیفیات حیات) زیر پا ہیں، ہمارا جولانگاہ بے پایاں ہے ایسے ہیں

بہ جوشش گم شدن انجام ما نیست — اگر او را تو در گیری فنا نیست
خودی اندر خودی گنجد محال است — خودی را عین خود بودن کمال است [۲۰۳۵]

پس
مشو فانی کہ تو او را امینی
چہ نادانی کہ سوئے خود نہ بینی [۲۰۳۶]

چنانچہ
بخود محکم گزر اندر حضورش — مشو ناپید اندر بحر نورش
نصیب ذرہ کن آن اضطرابے — کہ تابد در حریم آفتابے
چناں در جلوہ گاہ یار می سوز — عیاں خود را نہاں او را بر افروز

کسے کو "دید" عالم را امام است[۴]
من و تو نا تمامیم او[۴] تمام است۔ [۲۰۳۷]

جہاں تک جذبۂ رجعت کا تعلق ہے تو علامہ اسی کو جہاں بینی و عرفان سے تعبیر کرتے ہیں کہ اگر 'خودی مطلق' نے یہ بزم سجائی ہے تو بے رونق نہ ہونے پائے 'فنا' سے بچا جائے خودی کی حفاظت کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔

مپرس از من ز عالم گیری مرگ — من و تو از نفس زنجیری مرگ
جہان یکسر مقام آفلین است — دریں غربت سرا عرفاں ہمیں است
خدائے زندہ بے ذوق سخن نیست — تجلی ہائے او بے انجمن نیست
"الست" از خلوت ناز کہ برخاست — "بلی" از پردہ ساز کہ برخاست؟
اگر مائیم گرداں جام ساقی است — بہ بزمش گرمئ ہنگامہ باقی است
مرا دل سوخت بر تنہائی او — کنم سامان بزم آرائی او

مثال دانہ می کارم خودی را
برائے او نگہدارم خودی را [۲۰۳۸]

شعر نمبر ۱۵۹۸۔ علم: مراد مادی شعور ہے۔ جسے علامہ عقل خود بیں بھی کہتے ہیں۔ اگر عقل مادی، جس کا فروغ قیاس پر ہے اور جس کا ماخذ حواس ہیں۔ آئین و قوانین کی پابندی و اتباع اسی طرح کرے جس طرح کہ علم الحواس کارتی ہے تو وہ علم اور وہ عقل، جہاں بیں بھی ہو جاتی ہے وہ نظر بخشتی ہے۔ جو پردۂ صفات میں ذات الٰہی کو دیکھتی ہے یعنی اشیاء کا راز حیات معلوم کرتی ہے۔ شعر عقل خود بیں دگر و عقل جہاں بیں دگر است [۲۰۳۹]

۲۰۳۵۔ کلیات اقبال فارسی ص۵۲۹ تا ص۵۵۱ (مثنوی گلشن راز جدید: جواب سوال نمبر ۱) ۲۰۳۶۔ ایضاً ص۵۵۱ (جواب سوال نمبر ۵)
۲۰۳۷۔ ایضاً ص۵۵۹ (جواب سوال نمبر ۷) ۲۰۳۸۔ ایضاً ص۵۵۵، ص۵۵۱ (جواب سوال نمبر ۶) ۲۰۳۹۔ ایضاً ص۳۵۹ (پیام مشرق: نقش زندگی)

عقل خود بیں ــــ چونکہ حواس کے مادی شعور اور نفس کے طبعی تقاضوں میں تطبیق کرتی ہے اس لئے مادے کی اسیر ہے اور مادے کی اسیری انسان کے لئے طاغوت کی بندگی ہے ــــ لیکن اس عقل سے انسان مادی دنیا کے (وقتی) اسرار معلوم کرتا ہے یہ راستہ ہے راہنما نہیں ۔ اگر یہ جہاں بیں ہو جائے تو راہ نما بھی ہے ــــ عقل، عشق، علم، ادراک حجاب الاکبر سے متعلق جملہ تعلیقات ماسبق دیکھنے چاہئیں [تعلیقات نمبر ۲۷، ۲۸، ۳۴، ۳۴، ۹۹، ۱۷۹، ۱۸۷، ۱۸۸] ۔

(۲۵۳) **وجود :** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۶، ۱۸ ،

شعر نمبر ۱۶۰۴ : باز چوں جبریل بگذارد ترا : علم ایک حد تک ساتھ دیتا ہے اور عشق بھی غیر کی موجودگی گوارا نہیں ۔ یہاں تو بقول آتش کے ہمارا سایہ نہیں ناگوار راہ میں ہے ۔ چنانچہ جس طرح شب معراج جبریل نے حضرت محمدؐ کو تنہا آگے بھیج دیا اسی طرح رومی نے مجھے تنہا چھوڑ دیا ۔

شعر نمبر ۱۶۰۸ : ہر زماں در انقلاب ولایزال : باعتبار ذات اَلآنَ کَمَا کَانَ ، لایزال ، لیکن تخلیقی فعلیت کے اعتبار سے یُبدِءُ الخَلقَ ثُمَّ یُعِیدُہٗ ۲۰۳۰ء اظہار صفات کے حوالے سے کُلَّ یَومٍ ھُوَ فِی شَان ۲۰۳۱ء ہر دم متغیر ۔ یعنی مخلوق ، پردۂ حق میں پوشیدہ ہے ۔

کرا جوئی ؟ چرا در پیچ و تابی | کہ او پیداست تو زیر نقابی
تلاش او کنی جز خود نہ بینی | تلاش خود کنی جز او نیابی ۲۰۳۲ء

شعر نمبر ۱۶۱۲ تا نمبر ۱۶۱۶ : زندگی نے اپنا دیدار کیا ۔ صفات باری تعینات کے پردے میں تھیں ایک دانا و بینا انسان کی تخلیق نے تعینات کے پردے ہٹا دیئے [تعینات کی تشریح کے لئے اتنا لکھنا کافی ہے کہ ہر شے ہر جاندار ظہور زندگی کا ایک الگ اور منفرد جلوہ ہے اس لئے جدا جدا ہے لیکن باعتبار اصل ـ عناصر اربعہ [آب و آتش ، خاک و باد] کے لحاظ سے ایک ہیں ۔ اور یہ سب ارادۂ الٰہی ـ حرف کُن ــــ کے ظہورات ہیں ــــ جو کُنتُ کَنزًا کے حوالے سے فَاَحبَبتُ اَن اُعرَفَ ، کی جلوہ فرمائی ہے ـ لہٰذا حق گویا دیدۂ انسانی سے خود کو دیکھ رہا ہے ــــ اسی حوالے سے علامہ فراق عارف و معروف کو خیر کہتے ہیں ـ کہ یہی فراق اندر وصال ہے ـ

خودی را زندگی ایجاد غیر است | فراق عارف و معروف خیر است
از و خود را برون فطرت ہست | ببیرون نارسیدن فطرت ماست
نہ ما را در فراق او عیارے | نہ او را بے وصال ما قرارے

نہ او بے ما نہ ما بے او ، چہ حال است
فراق ما فراق اندر وصال است ۲۰۳۳ء

معاملہ یہ ہے تو پھر مستغنی عن العالمین ذات بھی ، ہمارے واسطے سے اپنی صفات کا اظہار کرتا ہے تاکہ ہم اس کی معرفت حاصل کر سکیں ـ یہی مقصود ہے شعر عبد و مولا در کمین یک دگر ہر دو بے تاب انداز ذوق نظر کا ـ اس سوال کا جواب کیا ہے ۔

۲۰۳۰ء یونس : ۴ نیز ۳۴ ، ۲۰۳۱ء الرحمٰن : ۲۹ ۲۰۳۲ء کلیات اقبال فارسی صہ ۲۲۲ [پیام مشرق : ۸۱]
۲۰۳۳ء ایضاً صہ ۵۲۹ [گلشن راز جدید ، جواب سوال نمبر ۲] ۔

ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں اور اس کا کیا جواب ہے کہ ہم نہ ہوتے تو اسے دیکھتا کیونکر کوئی ؟
گل لشرا ابن نکتہ بن صیم کہ اوست ؎ یعنی زندگی تلاش و جستجو کا نام ہے،
اور جستجو عشق کو مستلزم ہے ـــــ

شعور ۱۹۱۶ تا ۱۹۲۶ : عشق جراتِ رندانہ رکھتا ہے جسے بھی گفتار کی جرأت ملی یہ دنیا جہاں غالب مغلوب رہیں، مغلوب، غلامی کی زندگی کے روز و شب کے شمار سے آگے کچھ نہ کر سکیں، جہاں ملوکیت تخریب اخلاق میں، دانش اندھیرے پھیلانے میں، مصروف ہو ـــ جہاں بے مرکزی، آوارہ فکری رہے اور جہاں سود خوار مہاجن و سرمایہ دار، جاگیردار اور صنعت کار، ہنگم کی شرط سے محروم حکمران، ارتقا پذیر زندگی کے تقاضوں سے نا آشنا ملّا اور ادب شریعت سے بیگانہ پیر، نوچ کھانے میں لگے ہوں ـــ وہ تیرا جہاں ـــ تجھے زیب نہیں دیتا۔

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات ۲۴۴ع
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہ و میر و پیر تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی
تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی
دانش و دین و علم و فن، بندگیٔ ہوس تمام عشقِ گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی
جوہرِ زندگی ہے عشق، جوہرِ عشق ہے خودی آہ کہ ہے یہ تیغِ تیز پردگیٔ نیام ابھی ۲۴۵ع

بے مرکزی : فرقہ واریت بحوالہ مذہب، قومیتیں، بحوالہ رنگ و نسل، علاقہ و زبان، جماعتیں، بحوالہ دین و طنی

بے حیدری : بے نفسی رہنمائی، بے لوث خدمت، فقر کے لئے فخر امارت و خلافت، **حیدر** رض کے لئے تعلیقہ نمبر ۱۳۲، ۲۳۶، **خیبر و علی** رض کے لئے تعلیقہ نمبر ۳۰، ملاحظہ ہوں **ملوکیت** کے لئے تعلیقہ نمبر ۱۱۲ مُلّا و پیر کے لئے نمبر ۱۲۵ دیکھیے

ندائے جمال

۱۹۲۷ - کلکِ حق از نقش‌ہائے خوب و زشت ہر چہ ما را ساز گار آمد نوشت
چیست بودن دانی اے مرد نجیب از جمالِ ذاتِ حق بردن نصیب
آفریدن؟ جستجوئے دلبرے وانمودن خویش را بر دیگرے
ایں ہمہ ہنگامہ ہائے ہست و بود بے جمالِ ما نیاید در وجود
زندگی ہم فانی و ہم باقی است ایں ہمہ خلاقی و مشتاقی است

۲۴۴ع کلیات اقبال اردو ص۴۰۰ [بالِ جبریل. لینن خدا کے حضور میں]- ۲۴۵ع ایضاً ص۴۰۱ [ایضاً: فرشتوں کا گیت]-

زندہ مشتاق شو خلاق شو ۔۔۔ ہمچو ما گیرندۂ آفاق شو
در شکن آن را کہ ناید سازگار ۔۔۔ از ضمیر خود دگر عالم بیار
بندۂ آزاد را آید گراں ۔۔۔ زیستن اندر جہان دیگراں
ہر کہ او را قوت تخلیق نیست ۔۔۔ پیش ما جز کافر و زندیق نیست
از جمال ما نصیب خود نہ برد ۔۔۔ از نخیل زندگانی بر نخورد

۱۶۳۷ – مرد حق! برندہ چوں شمشیر باش
خود جہان خویش را تقدیر باش

حواشی و تعلیقات: گفتند جہانِ ما، آیا بہ تو می سازد
گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن ۲۰۲۶ء

"گویا کہ علامہ نے اہلِ ہند کو بالعموم اور مسلمانوں کو علی الخصوص ملوکیت، سود خوار سرمایہ داروں، جاگیرداروں، فرقہ پرست اور خود پسند ملاؤں اور گمراہ کن پیروں کے خلاف "برہم زن" دے رہے تھے۔ اور اس کے لئے بے مرکزیت کے خاتمے کا درس دے رہے تھے — اس کے بعد خلاقی کا مظاہرہ کرنے کی تلقین بھی کر دیتے تھے کہ صرف منفی مقاصد کے لئے جہاد محض تخریب کاری ہے۔

جس طرح مردِ حُر دوسروں کے جہاں میں زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح وہ اپنے خالق کی طرح خلاقی اور آفاقیت، کے بغیر بھی نہیں رہ سکتا — اسے اپنے جہاں کی تقدیر سازی خود ہی کرنی ہوگی۔

ظاہر ہے یہ زمانہ "شمالی مغربی اسلامی ریاست" کے تصور کی بارآوری کے لئے مسلسل ذہنی اور سیاسی محنت کا زمانہ تھا۔ اس پس منظر میں اس حصۂ نظم کو سمجھنے کی ضرورت ہے —

تقدیر ملی: سلسلہ میں تعلیقات نمبر ۹۴، ۱۸۷، ۱۸۹ – بزمِ تقدیر و تدبیر،

"اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے" ۲۰۲۷ء

"اسلام کا مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اسی کا پیدا کردہ ہے الگ نہیں دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کو ترک کرنا بھی لازم آ جائے گا"۔ ۲۰۲۸ء

اسلام ایک وحدت ہے جس میں فرد اور جماعت کو جزو و کل کا سا تعلق ہے۔ یہی نسبت حیاتِ ملی کے ایک پہلو کو دوسرے سے ہے"۔ ۲۰۲۹ء

۲۰۲۶ء کلیاتِ اقبال فارسی ص ۲۶۶ (زبورِ عجم: ۱۲) – ۲۰۲۷ء حرفِ اقبال ص ۳ (خطبہ الٰہ آباد) ۲۰۲۸ء ایضاً ص ۲۵
۲۰۲۹ء اقبال کے تصور ص ۲۸۸ – ایضاً –

"مسلمانوں کی زندگی کا راز اتحاد میں مضمر ہے .... مسلمانو! میں تمہیں کہتا ہوں کہ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو متحد ہو جاؤ۔ اختلاف بھی کرو تو اپنے آباء کی طرح تنگ نظری چھوڑ دو" ع ٢٠٥٠

ہمارے مسائل کا ایک ہی حل ہے اور وہ ہے اتحاد، مسلمان متحد ہو گئے تو ان کی جداگانہ حیثیت تسلیم کر لی جائے گی اور ہم آزادی سے اپنا مستقبل تعمیر کر سکیں گے" ع ٢٠٥١

اور آزادی و خود مختاری کا مقصد اولیٰ "اسلام محفوظ اور مسلمان مضبوط" تھا۔ اور علامہ اس مثبت نتیجہ کا اظہار بھی کر چکے تھے۔ وہ بیمار خونخوار جو جسد قومی کو نوچ رہے ہیں سود خوار و زردار و ملا و پیر، ان کا علاج یہ تھا

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو ع ٢٠٥٢

یہی وہ منشور ہے جس پر وہ عالم قرآنی استوار تھا جو جاوید نامہ کا مقصد ہے اور جس کے لئے ایک ہزار مملکت اسلامیہ کا خواب دیکھا اور دکھایا گیا تھا۔ ہو گئے کتنے برس اک خواب سے ہم مگر نکلے نہ پہلے باب سے ع ٢٠٥٣ ملاحظہ ان کا آئین ہو جاتا ہے۔

زندہ رُود

١٦٣٨ - چیست آئینِ جہانِ رنگ و بو
جز کہ آبِ رفتہ می ناید بجو
زندگانی را سرِ تکرار نیست
فطرتِ او خوگرِ تکرار نیست
زیرِ گردوں رجعتِ او را رواست
چوں ز پا افتاد قومے برنخاست
ملتے چوں مُرد کم خیزد ز قبر
چارۂ او چیست غیر از قبر و صبر

٢٠٥٠ گفتار اقبال ص ١٨ [نذیر ١٩ نومبر ١٩٢٦ : بحوالہ زمیندار : ٢١ نومبر ١٩٢٦] - ایضاً -
٢٠٥١ اقبال کے حضور ص ١٦٧ - ایضاً - ٢٠٥٢ کلیات اقبال اردو ص ٢٠١، ٢٠٢ [بال جبریل : فرمانِ خدا فرشتوں سے]
٢٠٥٣ ارشاد شکر ازاں - ایضاً -

ندائے جمال

۱۶۴۲ - زندگانی نیست تکرار نفس / اصل او از حی و قیوم است و بس

۱۶۴۳ - قرب جاں با آنکہ گفت انی قریب / از حیات جاوداں بردن نصیب

۱۶۴۴ - فرد از توحید لاہوتی شود (۲۵۴) / ملت از توحید جبروتی (۲۵۵) شود

(۲۵۶) بایزید و شبلی (۲۵۷) و بوذر (۲۵۸) ازوست / امتان (۲۵۹) را طغرل و سنجر (۲۶۰) ازوست

۱۶۴۶ - بے تجلی (۲۶۱) نیست آدم را ثبات / جلوهٔ ما فرد و ملت را حیات

ہر دو از توحید می گیرد کمال / زندگی این را جلال (۲۶۲) آں را جمال

این سلیمانی (۲۶۳) ست آں (۲۶۴) سلمانی ست / آں سراپا فقر و این (۲۶۵) سلطانی است

۱۶۴۹ - آں یکی را بیند این گردد یکی

در جہاں با آں نشیں با این بزی

۱۶۵۰ - چیست ملت اے کہ گوئی لا الہ / با ہزاراں چشم بودن یک نگہ

اہل حق را حجت و دعویٰ یکے ست / خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکے ست

ذرہ ہا از یک نگاہی آفتاب / یک نگہ شو تا شود حق بے حجاب

یک نگاہی را بچشم کم مبیں / از تجلی ہائے توحید است ایں

۱۶۵۴ - ملتے چوں می شود توحید مست

قوت و جبروت می آید بدست

روح ملت را وجود از انجمنے / روح ملت نیست محتاج بدن

۱۶۵۶ - تا وجودش را نمود از صحبت است / مرد چوں شیرازۂ صحبت شکست

۱۶۵۷ - مردہ؟ از یک نگاہی (۲۶۶) زندہ شو! / بگذر از بے مرکزی پایندہ شو!

یعنی کے آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن ——— یہی ہم آہنگی — عناصر ترکیبی کا تسویہ، روح پھونکنا ہے ——— زندگی سے ——— دراصل قوم کسی ایک داعیہ کے تحت کسی داعی کے گرد اکٹھے ہونے والے افراد کا مجموعہ ہوتی ہے ۲۰۵۶ یہ داعیہ کوئی بھی ہو کیسا بھی ہو کیسا ہی ہو۔ ان افراد کو مرکزیت بخشتا ہے اور انہیں ایک ملت بنا دیتا ہے چاہے وہ داعیہ کفر ہو یا اسلام، شرک ہو یا توحید — چونکہ وہ مرکزیت تو بخشتا ہے اس لئے توحیدی نتائج رکھتا ہے "وحدت" کے ثمرات سب کو ملتے ہیں تاریخ انسانی کی بڑی بڑی سلطنتیں جن کے آثار اب بھی باقی ہیں اور جو بڑی بڑی قومیں تھیں، کافر تھیں لیکن باوجود مشرک تھیں۔ علامہ نے جب "نیا شوالہ" کی تعمیر کی ترغیب ہندو کو دی تھی تو وہ دراصل اسی راز سے تھی۔ مثنوی اسرار خودی میں بھی ہندو کو ایک بار پھر "بہر آدم عالمے دیگر" کی تعمیر کی ترغیب دیتے ہوئے یہ رموزات بیان کی تھی

گر ز جمعیت حیات ملت است — کفر ہم سرمایۂ جمعیت است

لیکن کفر و اسلام کا ملاپ، نیا شوالہ تعمیر کرنا کفر کو مٹانا یا اسلام و وطن کے بت کی پوجا سونپنا نہیں تھا — بلکہ — ایسی فضا پیدا کرنا تھا کہ ہوا ناقوس و اذاں کو برابر اٹھا سکے ——— اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب کفر، کفر میں اور اسلام، اسلام میں مستحکم ہوں خوشبو اور رنگ کی طرح ——— مل کر ہندوستان کو پھول بنائیں ——— بدقسمتی سے ہندو پکا ہندو نہ تھا اور مسلمان پکا مسلمان نہ تھا۔

ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور — تو ز آزر من ز ابراہیم دور ۲۰۵۷

چنانچہ
قیس ما سودائی محمل نشد — در جنون عاشقی کامل نشد

توحید، اسی جنون عاشقی کا نام — یہ جنون فرد میں کمال پائے تو بایزید و شبلی و بوذر، جس اس کی تجسیم ہو ——— صاحبان خودی وجود میں آئیں — اور اگر قوموں میں کمال کو پہنچے تو طغرل و سنجر — مجازاً — مراد سلاجقہ ہیں ——— وجود میں آئیں ——— جب تک اعمال، ایسے ہی رہیں اس تمام سے متمتع ہوں کر عمل بدلتے ہی حالت بدلتی ہے "ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ" ———

(۲۵۴) **لاہوتی** : ذات احدیت (۲۶۹) کو لاہوت کہتے ہیں۔ علامہ نے لاہوت سے روح مراد لی ہے ۲۰۵۸ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۳۲۔

(۲۵۵) **جبروت** : اصطلاح صوفیہ میں اسماء الٰہی اور صفات الٰہی کی عظمت و جلال کو جبروت کہتے ہیں اور مرتبۂ وحدت اور مرتبۂ شیونات کو بھی جبروت کہتے ہیں ۲۰۵۹۔ ابوطالب مکی کی اصطلاح میں عالم العظمت ہے۔ لیکن اکثر صوفیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم وسط ہے (ابن عربی) ۲۰۶۰۔ یہی حقیقت محمدی ہے اور مرتبۂ صفات سے اس کا تعلق ہے ۲۰۶۱۔ علامہ نے مرد مسلمان کی چار صفات میں سے ایک جبروت گنائی ہے

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان ۲۰۶۲

۲۰۵۶ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۶/۱۷ صفحہ ۷۸ الیضاً، الجامع الاحکام للقرآن جلد ۱۶ (سورۃ الحجرات: ۱۱) صفحہ ۳۲۶ محمد بن احمد قرطبی انتشارات ناصر خسرو طہران طبع اول ۱۳۸۷ھ ۲۰۵۷ کلیات اقبال فارسی صفحہ ۵۹ ۲۰۵۸ الیضاً صفحہ ۶۲۱ ۲۰۵۹ اصطلاحات صوفیہ شاہ محمد عبدالقدیر صفحہ ۲۸ ۲۰۶۰ تلمیحات اقبال عابد صفحہ ۲۸۷ بحوالہ فرہنگ اصطلاحات صوفیہ جزء ۲ تاریخ تصوف در اسلام قاسم غنی طہران (فارسی)۔ ۲۰۶۱ الیضاً صفحہ ۲۸۷ بحوالہ آنندراج کلمہ جبروت ۲۰۶۲ کلیات اقبال اردو صفحہ ۵۲۲ (ضرب کلیم: مرد مسلمان)

۱۶۵۸ — وحدتِ افکار و کردار آفرید
تا شوی اندر جہاں صاحبِ نگیں

حواشی و تعلیقات: **شعر نمبر ۱۶۴۸ - جز کہ آب رفتہ می ناید بجو:** پشتو کے معروف صوفی شاعر عبدالرحمٰن بابا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مثال گذرتے وقت کے لئے دی ہے

دوبارہ دی راتلہ نشتہ پہ دنیا — رنن دِ وار دے کہ درووغ کمرے کہ راستیا
هرہ چار چہ تر وقت تیر شی عنقا شی — عنقا نہ دے پہ دام نبنیتے دھیچا
تر ورخہ تیر ے اوبو بیرتہ نہ جاروتی — نہ جاروتی تیر ساعت پہ بیرتہ بیا
تیر ساعت پہ مثال مری د لحد دے — مہ چا ندے راوندے کمرے پہ ژڑا
کہ مقصود درے تلوار کرہ وقت تھوڑا دے — غرہ مہ شہ د دے عمر پہ بقا ح ۰۵۴

ترجمہ: اس دنیا میں دوبارہ آنا نہیں ، آج ہی کرے جو سچ جھوٹ کرنا ہے — ہر وہ کام جو وقت سے گزر گیا [رہ گیا] عنقا ہو گیا اور عنقا کسی کے جال میں نہیں پھنستا — ترناؤ سے جو پانی گزر گیا گیا پھر مڑ کر نہیں آتا اسی طرح گزرا وقت بھی نہیں لوٹ کر آتا — گزرے وقت کی مثال لحد میں لیٹے مردے کی ہے کس نے رو دو کر مردے کو زندہ کیا ہے — کوئی مقصد ہے تو جلدی کر وقت کم ہے — عمر کی بقا کا گھمنڈ نہ کر فانی ہے۔

★ ——— ایسے ہی قومی زندگی کا معاملہ ہے جو قوم مقام کھو بیٹھی (گر گئی) بحال نہیں ہو سکتی (کھڑی نہ ہو سکی)۔ ملت جب گر گئی قبر سے نہ اٹھی ، اس کا علاج قبر و صبر کے سوا بھی کچھ ہے ؟۔

شعر نمبر ۱۶۴۲ / ۱۶۴۳ : اِنّی قریب : وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاِنِّي قَرِيبٌ اُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ [البقرۃ ۱۸۶] یہ آیتِ کریمہ حجازی اسلام اور دیگر مذاہب کے تصورِ خدا کے درمیان حدِ فاصل قائم کرتی ہے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۹ — یہ ارشاد (اِنّی قریب) ۔ اللہ اور بندے کے باہمی تعلق کو مستحکم و مضبوط کرتا اور تصورِ الوہیت میں زندگی پیدا کرتا ہے۔ وہ زندگی الحیّ ، القیوم کی عنایت اور عطیہ ہے — ہر زندہ کو اپنے معطی کا قرب ، معطی کی صفات سے متصف کرتا ہے۔ وہ جاوداں ، یہ بھی جاوداں —

شعر نمبر ۱۶۴۴ : علامہ نے مولانا گرامی (۳۱۴) کے نام اپنے ایک مکتوب میں اسلام [توحید] سے مراد اخلاقی اور طبعی تناقضات کو مٹانا لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں

" مسلم کو موت نہیں چھو سکتی کہ اس کی قوت [وہ قوت نورانیہ جو جامع ہے جواہر موسویت و ابراہیمیت کی] حیات و موت کو اپنے اندر جذب کر کے حیات و ممات کا تناقض مٹا چکی ہے [مٹا دیتی ہے]۔ " ح ۰۵۵

ح ۰۵۴ دیوانِ رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم ص ۸۶ غزل اول — بزوالش الیشر سنگھ ، رتن سنگھ ، سنت سنگھ تاجرانِ کتب پشاور مطبع یوسفی دہلی ۱۳۰۵ھ
ح ۰۵۵ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال برنی — ج ۱ ص ۵ (مکتوب محررہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۸ء)

(۲۵۶) **بایزید، ابو یزید بسطامیؒ :** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۹۸

(۲۵۷) **شبلی : ابو بکر شبلیؒ** اصلاً خراسانی اور منصور حلاج کے ہم درس تھے۔ بغداد میں پیدا ہوئے وہیں علوم متداولہ میں تعلیم پائی۔ دماوند کے والی مقرر ہوئے لیکن حضرت جنید بغدادیؒ کے ایک ہمراہی [خیر النساج] کے اثر سے تارک الدنیا ہوئے۔ حلاج کے انجام نے بہت دہلایا تاہم کبھی کبھی ایسے کلمات منہ سے نکل جاتے، لوگوں نے پاگل خانے بھجوا دیا۔ اقوال کا مجموعہ "شطحیات" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ۲۰۶۳ مشو ستری لکھتے ہیں کہ شبلیؒ کے اقوال سے متبادر ہوتا ہے کہ عالم مادی غیر حقیقی اور اضافی ہے اور اصل وجود صرف خدا کا ہے۔ قاسم غنی بھی یہی لکھتے ہیں کہ بایزید، حلاج اور ابو بکر شبلی وحدت الوجود کے عقیدہ کے قائل تھے ۲۰۶۴ ولادت ۲۴۷ مطابق ۸۶۱ وفات ۳۳۴ مطابق ۹۴۵۔

(۲۵۸) **بوذر : ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ :** قبیلہ غفار ملک شام کے راستے میں رہتا تھا۔ ابوذر نے حضورؐ کی نبوت کا سنا تو اپنے بھائی کو معلومات کے لئے بھیجا وہ لوٹا تو خبر دی کہ "میں نے انؐ کو اچھی عادتوں اور محاسن اخلاق کا حکم کرتے دیکھا اور ایک ایسا کلام سنا جو نہ شعر ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے"۔ آتش شوق بھڑکی، خود معلومات کے لئے نکلے، تین دن تک اظہار مدعا سے رکے رہے کہ زمانہ خوف کا تھا۔ تیسرے دن حضرت علیؓ کی وساطت سے تعارف ہوا ملتے ہی ایمان لائے اور کعبۃ اللہ میں جا کر باواز بلند پکارے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔۔۔ بس کیا تھا مشرکین ٹوٹ پڑے حضرت عباسؓ جو خود بھی ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے آپؓ پر لیٹ گئے اور چلائے کیا ظلم کرتے ہو یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جو ملک شام کے راستے میں ہے ۔۔۔ قریش کی ساری معیشت کا مدار ملک شام پر تھا۔ بچ گئے ۲۰۶۵

نام جندب تھا ابوذر کنیت تھی۔ اسلام میں ارتکاز دولت کے خلاف بلند آوازہ دینے اور شیخ الاسلام کہلائے۔ قلندرانہ زندگی بسر کی ۔ امیر معاویہؓ نے دمشق سے نکالا تو مدینہ آئے وہاں بھی قیام کی اجازت نہ ملی تو "الزبدہ" کے مقام پر کسمپرسی کے عالم میں وفات پائی ۲۰۶۶

اصحاب صفہ [نہ گھر نہ دولت مسجد نبوی کے ایک حصہ میں سائبان [صفہ] کے نیچے رہتے تھے مگر حب رسول اور حب دین میں باکمال]۔ میں سے تھے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

(۲۵۹) (۲۶۹) **طغرل :** طغرل بیگ، میکائیل بن سلجوق کا لڑکا تھا اور خاندان سلجوق کا پہلا بادشاہ ۱۰۳۸ کو نیشاپور کا بادشاہ بنا۔ عراق، بغداد فتح کئے اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ طغرل بیگ نے ۲۲ سال حکومت کی اور ستر سال کی عمر میں [۱۰۶۳ء] انتقال کیا۔

طغرل نے اپنے قوتِ بازو سے ایک عظیم الشان سلجوقی سلطنت کی بنیاد رکھی ایک راسخ العقیدہ اور دیندار، متقی اور پاک از حرمات، رواداتھا۔ مسجدوں کی تعمیر سے شغف تھا کہا کرتا تھا مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ کوئی عمارت بنواؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ ہو، ۲۰۶۷ پورا نام رکن الدین ابو طالب تھا ۲۰۶۸

۲۰۶۳ شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا - ایاز ناصر ص ۳۶۹ الفاً ۲۰۶۴ تلمیحات اقبال عابد ص ۴۲۸ بحوالہ اسلامی ثقافت کا خاکہ - شوستری ، تاریخ تصوف در اسلام، قاسم غنی ، ۲۰۶۵ حکایات صحابہؓ مولانا ذکریاؒ ص ۲۰ تا ص ۲۲ [ملخصاً] الفاً۔
۲۰۶۶ شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا الفاً ص ۶۰ ۲۰۶۷ مطالعہ تلمیحات اقبال، اکبر لبنی ص ۲۵۲/۲۵۳ بحوالہ دولت آل سلجوق عماد الدین اصفہانی ۱۲
تاریخ اسلام شاہ معین الدین احمد ندوی حصہ چہارم ص ۹۵ - ۲۰۶۸ شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا الفاً ص ۴۲۷ ۔

(۲۶۰) **سنجر:** سنجر ملک شاہ سلجوق کا تیسرا فرزند تھا ۔ چچا ارسلان کے قتل کے بعد اسے بڑے بھائی برکیاروق نے خراسان کا حاکم بنایا ۔ کچھ عرصہ بعد تیسرے بھائی محمد نے برکیاروق کے خلاف بغاوت کر دی برکیا شکست کھا کر خراسان کی طرف مراجعت کر گیا ۔ سنجر نے اپنے ماں جائے بھائی محمد کا ساتھ دیا ۔ برکیا جب طبرستان جرجان کے والی امیرداد کا حلیف بن کر سنجر کے خلاف میدان میں اترا تو محمد نے سنجر کا وفاداری کے ساتھ، ساتھ دیا ، برکیا کو شکست ہوئی ۴۰۶۹ ۴۹۰ھ سے ۵۱۱ھ تک وہ خراسان اور ماوراالنہر کا امیر کہلاتا تھا لیکن اس کے بعد سلطان سنجر کہلانے لگا ۔ اس کے عہد میں خوارزم شاہی اور قراختائی دودمان وجود میں آئے ۔ یہ خوارزم شاہی سلسلہ وہی ہے جس کا آخری بادشاہ سلطان محمد خوارزم ، چنگیز خان کے حملے کا موجب بنا ۔

خوارزم شاہی، خود مختاری چاہتے تھے اور سنجر اپنی سیادت تسلیم کرانا چاہتا تھا لہذا مسلسل پیکار رہی ۔ یہ پیکار تو جو کچھ ہوئی سو ہوئی ۔ لیکن اس سے بھی بڑی بدبختی ، ترکان غز کا فتنہ تھا معمولی سی بات پر یہ ماتحت ترک ، میدان میں اترے اور بدقسمتی سے سنجر بھی خود فوج لے کر مقابلے میں آگیا ۔ بیگم سمیت قید ہوا اور تین سال کے قریب اسیر رہنے کے بعد ۵۵۲ھ میں وفات پائی ۔ اس کے مرتے ہی سلاجقہ بزرگ کی میراث گویا ٹکڑوں میں بٹ گئی ۴۰۷۰

سلطان سنجر، ایران کے بزرگ ترین حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے ، شجاع ، کریم ، رعیت نواز اور ہنرپرور تھا ۔ علما ، شعرا ، فضلا جتنے اس کے دربار سے منسلک تھے کم ہی کسی کے حصے میں آئے ۔ انوری کے قصیدے کا یہ شعر اس کے فضائل کے لئے کافی ہے ۔

درجہانی و از جہان بیشی ۴۰۷۱ ہم چو معنی کہ در بیان باشد

سلطان سنجر، سلجوقی خاندان کی عظمت کا محافظ تھا ۔ "سلطان اعظم" کے لقب سے مشہور ہوا ۔ اس کی سطوت و شوکت اس کے عہد میں ضرب المثل تھی ۔ مرو میں اس کے دفن ہونے کے ساتھ سلجوقی شان و شوکت بھی مدفون ہوئی ۴۰۷۲

(۲۶۱) **تجلی:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۹ ، ۲۱۲ ۔

(۲۶۲) **جلال و جمال:** نیز ملاحظہ ہو حاشیہ تحت اشعار نمبر ۱۱۸۲ تا ۱۱۸۵ ۔

جلال کے معنی رعب ، دبدبہ ، غصہ ، شان و شوکت ، جمال کے معنی ہیں حسن و خوبصورتی ۔ علامہ اقبال کے نزدیک مسلمان کی زندگی جلال و جمال سے مرکب ہے ۔ اقبال جلال کو لا اور جمال کو الا سے تعبیر کرتے ہیں ۔ لا میں قوت ، حرکت ، تیزی اور تندی ہوتی ہے اور الا میں سکون اور نرمی ہوتی ہے ۔

حقیقت میں جلال و جمال اللہ کی صفات ہیں ۔ جبروت اور اقتدار جلال کی اور رحمت ، ربوبیت اور کرم و عفو ، اللہ کی جمالی صفات ہیں ۔ تصوف میں بھی جلالی و جمالی صفات کا اظہار ہوتا ہے ۴۰۷۳

۴۰۶۹ شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا ص ۳۴۲/۳۴۱ ایضاً ۴۰۷۰ تلمیحات اقبال عابد ص ۲۲۴ ایضاً ۴۰۷۱ فرہنگ خیابان گلزار بدخشانی ص ۲۶۲
۴۰۷۲ تاریخ اسلام دہ چہلم ص ۱۴۳ شاہ معین الدین ۔ ایضاً ، مطالعہ تلمیحات اقبال نور بلبلی ص ۲۵۳/۲۵۲ بحوالہ دولت آل سلجوق ص ۱۱۰ عماد الدین اصفہانی البنا
۴۰۷۳ مطالب اقبال ۔ داؤدی ص ۷۷ ایضاً ۔

جلال: تجلیٔ قہاری ہے جو افعال و آثار ضلالت و معصیت و شر کا صدور اس سے ہوتا ہے۔ جمال: تجلیٔ رحمت و لطف ہے جو افعال و آثار نور و طاعات و عبادت و حسنات کا صدور اسی سے ہے۔ اور کبھی جلال سے مرتبہ احدیت اور جمال سے مرتبہ وحدت مراد ہوتا ہے۔ کبھی ذات کے مرتبۂ خفا کو جلال اور مرتبۂ ظہور کو جمال کہتے ہیں۔ اس تقدیر پر ذات کے جملہ مراتب میں جلال و جمال دونوں پائے جائیں گے اس لئے کہ ذات حق سبحانہٗ و تعالےٰ کے ہر مرتبہ میں ایک جہت خفا کی اور ایک جہت ظہور کی یعنی تنزیہہ و تشبیہہ اور بعض ذات کے مراتب داخلی احدیت، وحدت، واحدیت کو جلال میں اور مراتب خارجی ارواح، امثال اور عالم اجسام کو جمال کہتے ہیں اس لئے کہ عالم اجسام میں پورا ظہور ہے اس سے زیادہ نمایاں اور عیاں کوئی نہیں ہے اور جمال کے معنی غایت ظہور کے ہیں باقی سب مراتب اس سے خفی ہیں اور شان ظہور میں کم ہیں۔ (اسی لئے علیہ السلام نے کہا کہ بے تجلی نیست آدم را ثبات)۔ چنانچہ غایت خفا میں جو مرتبۂ گنج مخفی ہے اسے جلال سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی جلال سے استغناءِ معشوق اور جمال سے مہربانیٔ معشوق و الہام غیبی و کشفِ انوارِ ایمانی مراد لیتے ہیں۔

جلال و جمال: ذات حق سبحانہٗ و تعالےٰ مرتبہ گنج مخفی وکنتُ کنزاً سے تنزل فرما کر اس تعین اول یعنی حقیقت محمدیہ میں جلوہ گر ہوئی۔ یہاں سے اس ذاتِ بےچون و بےچگون کا ظہور شروع ہوا، اور تمام افرادِ عالم اسی حقیقت محمدیہ سے ظہور میں آئے یہ حقیقت محمدیہ کل مراتبِ ظہور کی جامع ہے۔

یہی حقیقت محمدیہ مرتبہ واحدیت میں آکر متصف بجمیع صفات و مسمیٰ بجمیع اسماء ہوئی اور باعتبارِ جمال کے متصف ہو کر مسمیٰ باسم ہادی اور باعتبار صفاتِ جلال کے متصف ہو کر مسمیٰ باسم مضل ہوئی اور جمیع اسماء جمالی و جلالی کا یہیں تحقق ہوا اور حقائق جمالیہ و جلالیہ متعین ہوئے، اور اس مرتبۂ واحدیت سے نیچے نزول کر کے عالم ارواح میں ماتحت اسم ہادی کے حقائق جمالیہ سے ارواحِ ملائکہ و ارواحِ اہل جنت ظہور میں آئیں اور ماتحت اسم مضل کے شیاطین و ارواحِ دوزخ کا ظہور ہوا اس کے موافق عالم مثال میں اور مثال کے موافق عالم اجسام میں ظہور ہوا۔ ۲۰۷؎ فرہنگ مصطلحات صوفیہ مشمولہ تصوف در اسلام تاسم غنی میں ان کلمات کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

جلال: اوصافِ قہر حضرت الوہیت است [ابن عربی]

آنچہ متعلق بہ قہر و غضب خداوند است [التعریفات]

جمال: اوصافِ لطف و رحمتِ خداوند است [کاشانی]۔

تو معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کی وہ صفات جو اس کی قدرت، جبروت اور اقتدار کا اظہار کرتی ہیں صفات جلالی کہلاتی ہیں۔ اور جن صفات سے اس کی ربوبیت، رحمت و کرم کا اظہار ہوتا ہے

۲۰۷؎ مصطلحات صوفیہ، ڈاکٹر محمد عبدالقدیر، ص ۲۰ تا ۲۳ – ایضاً

وہ صفاتِ جمالی ہیں ـــــ ان صفات کے ظہور کے مطابق صوفی ان منزلوں سے گزرتا ہے جنہیں احوال کہتے ہیں [تصوف کے مقامات اور ہیں مثلاً عشق، فنا، رضا وغیرہ]۔ احوال، صوفی کی مختلف کیفیاتِ ذہنی سے عبارت ہیں۔ جس وقت خدا کی صفاتِ جلالی کی نمود ہوتی ہو تو رہرو، سالک یا صوفی پر ایک قسم کا انقباض طاری ہو جاتا ہے [اصطلاح میں اسے قبض کہتے ہیں] جب خدا کی صفاتِ جمالی کا ظہور ہو تو سالک پر انبساط و انشراح کی حالت طاری ہو جاتی ہے [اصطلاح میں اسے بسط کہتے ہیں] [۲۰۷۵]

(۲۶۳) **سلیمانی:** نسبت بہ حضرت سلیمان علیہ السلام۔ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند اور یہودیوں کے دوسرے حکمران اور پیغمبر تھے۔ حکمت، عدل، اور احسان کے لئے مشہور ہیں۔ ان کو جو معجزات عطا کئے گئے ان میں علم منطق الطیر بھی تھا کہ آپ پرندوں کی زبان سمجھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جن اور حیوانات بھی ان کے تابع تھے تیسرے یہ کہ ہوا بھی فرمان بردار تھی اس اعتبار سے آپ کا تخت آسمانوں میں اڑتا تھا۔ ملکۂ سبا بلقیس ان کے دربار میں حاضر ہوئی [۲۰۷۶]

یہ گویا صفتِ جلال کی نمود تھی جو شاملِ طبعِ انسانی ہے۔

(۲۶۴) **سلمانؓ** ـ ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۸۱ فقرِ سلمانیؓ گویا صفتِ جمالی کی نمود تھی۔

(۲۶۵) **فقر و سلطانی:** ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۲۳۔ علامہ فقر و سلطنت میں کسی امتیاز کے قائل نہیں وہ اسی سلطان کو صاحبِ فقر سمجھتے ہیں جسے کاروبارِ مملکت یادِ خدا سے اور وسعتِ سلطنت خلقِ خدا سے غافل نہ کر سکے۔ اسی طرح وہ اس مردِ فقیر کو سلطان سمجھتے ہیں جسے جاہ و جلالِ دنیوی مرعوب نہ کر سکے۔ اور وہ نگاہ سے دلوں کو مسخر کرے۔ بس یہ فقر و سلطنت ایک شے ہے۔ لیکن فقر انفرادی خوبی ہے اور سلطنت کا تعلق ملت و قوم سے ہے۔

دنیا میں ایک کی ہم نشینی فائدہ مند ہے تو دوسروں میں زندہ رہنا،
نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی [۲۰۷۷]

شعر نمبر ۱۶۵ تا ۱۶۵۶ (۲۶۶) **ـ یک نگاہی:** میرا عقیدہ ہے کہ اسلام ذاتی رائے کا معاملہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک سوسائٹی ہے یا پھر سوک چرچ [Civic Church] ـــــــ معاملہ کا انحصار [اب] کسی فرد کی رہنمائی پر نہیں بلکہ تمام انفرادی عزائم کی یک جہتی پر ہے،، [۲۰۷۸]

"قوم رجال کی جماعت کا نام ہے اور یہ جماعت بہ اعتبار قبیلہ، نسل، رنگ، زبان، وطن اور اخلاق، ہزار جگہ ہزار رنگ میں پیدا ہو سکتی ہے، لیکن ملت سب جماعتوں کو تراش کر ایک نیا مشترک گروہ بنائے گی، گویا ملت

[۲۰۷۵] تلمیحاتِ اقبال - عابد ص ۱۱۱/۱۱۰ [۲۰۷۶] ایضاً ص ۲۱۰ [۲۰۷۷] کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۰۹ [بالِ جبریل ۱۲]
[۲۰۷۸] حرفِ اقبال ص ۵۲ [خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم کانفرنس لاہور ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء]۔

یا امت جاذب ہے اقوام کی خود ان میں جذب نہیں ہو سکتی" ح ۲۰۷۹

"تمام افراد ملت میں مساوات اور برابری ہے۔ یہاں کسی اشرافیت کا حوالہ نہیں چلتا سوائے خوفِ خدا کے۔ اسلام ایک انجمن ہے جہاں نہ کسی مراعات یافتہ طبقہ کی گنجائش ہے نہ مُلّا ازم کی گنجائش ہے نہ ذات پات یا طبقات کی گنجائش ہے اس انجمن کا قیام دو کلمات پر ایمان سے مشروط ہے یہی اس کی آفاقیت اور بین الاقوامیت ہے۔ یہی بندھن تھا [یک رنگی] تھی جس نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو سیاسی قوت بنایا" ح ۲۰۸۰ خیامنا شتّیٰ وقلوبنا واحدۃ:

ملتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ ۔ ساز ما را پردہ گرداں لا الٰہ
لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما ۔ رشتہ اش شیرازۂ افکار ما
حرفش از لب چوں بدل آید ہمی ۔ زندگی را قوت افزاید ہمی

ملت از یک رنگیٔ دلہاستی
روشن از یک جلوہ ایں سیناستی

قوم را اندیشہ ہا باید یکے ۔ در ضمیرش مدعا باید یکے
جذبہ باید در سرشتِ او یکے ۔ ہم عیار خوب و زشتِ او یکے

رشتۂ ایں قوم مثلِ انجم است
چوں نگہ ہم از نگاہ ما گم است

تیر خوش پیکانِ یک کیشیم ما ۔ یک نما، یک بیں، یک اندیشیم ما
مدعائے ما، مآلِ ما یکیست ۔ طرز و اندازِ خیالِ ما یکیست

ما ز نعمت ہائے او اخواں شدیم
یک زبان و یک دل و یک جاں شدیم ح ۲۰۸۱

گرچہ ملت ہم بمیرد مثلِ فرد ۔ از اجل فرماں پذیرد مثلِ فرد
امتِ مسلم ز آیاتِ خداست ۔ اصلش از ہنگامۂ قالوا بلیٰ ست

ما کہ توحید خدا را حجتیم
حافظِ رمزِ کتاب و حکمتیم ح ۲۰۸۲

"میرا ایمان ہے کہ خدا کی وحدتِ مطلق کے شاہدِ واحد کی حیثیت سے ہمارا وجود اب بھی دنیا کے لئے ناگزیر ہے۔ اقوام عالم میں ہماری حیثیت خالص شواہداتی ہے" ح ۲۰۸۳

ح ۲۰۷۹ حرف اقبال ص ۲۲۹/۲۲۸ [بجواب مولانا حسین احمد مدنی بحوالہ روزنامہ احسان لاہور ۹ مارچ ۱۹۳۸ء]
ح ۲۰۸۰ Thoughts and Reflections of Iqbal S. A. Shahid P. 52 Sh. M. Ashraf Lahore 1964
ح ۲۰۸۱ کلیات اقبال فارسی ص ۹۳/۹۲ (مثنوی اسرار و رموز) ح ۲۰۸۲ ایضاً ص ۱۱۹/۱۱۸ (ایضاً) ۔
ح ۲۰۸۳ شذرات فکر اقبال ص ۲۲ ۔ ایضاً ۔

شو نمبر ۷، ۱۹۵۸ء مادیات سے گزر کر روحانیات میں قدم رکھے۔ مادہ کثرت ہے لیکن روح نور ہے۔ حیات ہے، وحدت ہے۔ ایک سبق جو میں نے تاریخِ اسلام سے سیکھا ہے یہ ہے کہ آڑے وقتوں میں اسلام ہی نے مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا۔ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی۔ اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام [توحید و رسالت] پر جما دیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سرِ نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جائے گا۔ ع ۲۰۸۴

متعلقاتِ حواشی : (۲۶۷) گرامی : مولانا غلام قادر گرامی

، غلام قادر گرامی جالندھری فارسی کے بڑے عالم اور مشہور شاعر، علامہ اقبال کے خاص دوستوں میں تھے۔ علامہ اقبال سے ان کے تعلق ۱۹۰۲ء سے تھے۔ گرامی نے تعلیم ختم کرنے کے بعد مدرسی اختیار کی، کچھ عرصہ محکمہ پولیس میں بھی رہے۔ چار سال تک لاہور میں نواب فتح علی خان قزلباش کے معلم و اتالیق رہے۔ یہاں سے نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کے چھوٹے بھائی میجر سید حسین بلگرامی کی وساطت سے میر محبوب علی خان آصف جاہ سادس، نظام دکن کے دربار میں پہنچے اور شاعرِ خاص مقرر ہوئے۔

۱۹۱۷ء تک گرامی حیدر آباد میں رہے۔ شادی ہوشیار پور کے شیخ قمر الدین کی دختر اقبال بیگم سے ہوئی تھی اور گرامی نے جالندھر کی سکونت ترک کر کے اپنی سسرال ہوشیار پور میں رہنا شروع کر دیا تھا۔ وہیں ۲۷ مئی ۱۹۲۷ء کو انتقال ہوا۔ علامہ اقبال اپنی فارسی زبان کی صحت و معیار کے لئے گرامی کی رائے کو بہت وقعت دیتے تھے۔ ان کے نام علامہ اقبال کے نوّے خطوط ملتے ہیں۔ ع ۲۰۸۵

(۲۶۸) اُحدیّت :

احد : خدائے تعالیٰ ایک لو ہوں وحدت کی طرف اشارہ ہے۔ وحدتِ عددی مراد نہیں ہے۔ وحدتِ لبسیط اور وحدتِ محض مراد ہے (آریائی اقوام میں یہ وحدت صرف اور وحدتِ محض کا تصور کبھی پنپ ہی نہیں سکا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ مرحوم آریائی ہونے کے باوصف رموزِ دیں (جس میں توحید کا تصور بھی شامل ہے) سے آگاہی پر نازاں تھے۔

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

قرآن مجید [سورۃ اخلاص، دوسرا آیت] میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ’احد‘ استعمال کیا ہے۔ ع ۲۰۸۶

احد سے احدیت، ذاتِ پاک کے اس مرتبہ کو کہتے ہیں جس میں کسی وہم و خیال کسی لفظ کی گنجائش نہیں۔

ع ۲۰۸۴ حرفِ اقبال صفحہ ۵ [خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ سالانہ اجلاس الہ آباد، ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء]

ع ۲۰۸۵ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال - برنی جلد ۱ ص ۱۰۳۲ بحوالہ معاصرینِ اقبال کی نظر میں - محمد عبد اللہ قریشی ص ۱۸۶ تا ص ۲۰۵

ع ۲۰۸۶ تلمیحاتِ اقبال - عابد ص ۲۹۲

جس کی تعبیر سے زبان قاصر، جس کے ادراک سے عقل عاجز۔ اسی لئے اس مرتبہ کے واسطے ایسے نام مقرر کئے ہیں۔ مرتبۂ لاتعین، مرتبہ مالا بشرط شئی، ذاتِ بحت، وجود المطلق بے چون و بے چگون" ع ۸۷

(۲۶۹) **سلجوق**: ایک ترک قبیلہ کا نام ہے جو اپنے مورثِ اعلیٰ سلجوق ہی کے نام سے منسوب ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ترکمانِ سلجوقی ترکمان غز ہی کی ایک شاخ ہیں جو دشتِ قرقیز میں رہتے تھے۔ اتفاق کی بات ہے کہ سلجوق جب اپنے قبیلہ سمیت پہلے پہل جند آیا بخارا تو اس نے اسلام قبول کرلیا اور اس کے بیٹے پوتے آہستہ آہستہ با اختیار ہوتے گئے ۴۳۱ھ۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے غزنویوں کو مغلوب کرلیا اور پھر رفتہ رفتہ بلخ، خوارزم، رے ہمدان اور اصفہان بھی ان کی تحت ولایت میں شامل ہو گئے۔

سنہ ۴۴۷ھ میں طغرل بیگ بغداد پہنچا اور اس کا نام خطبے میں پڑھا گیا۔ اس سلجوقیوں کی قوت بہت بڑھ گئی کہ عباسی خلفاء کمزور ہو گئے تھے اور دراصل اب سلجوقی ہی اسلامی ممالک کے اصلی فرماں روا سمجھے جاتے تھے۔ ان کے عہدِ حکومت میں ایران میں بڑے بڑے شعراء، علماء اور انشاء پرداز پیدا ہوئے۔ سلجوقیوں کی سب سے بڑی شاخ تو وہی ہے جو سلاجقۂ بزرگ کہلاتی ہے اور جس کا خاتمہ سنجر پر ہو گیا لیکن اس شاخ کے علاوہ بھی سلجوقی دودمان کے بہت سے سلسلے مدتوں ایران کے مختلف حصوں اور ایشیائے کوچک میں فرماں روائی کرتے تھے۔ یہ سلسلے اپنی مقبوضات سے منسوب ہیں مثلاً

سلاجقۂ کرمان (سنہ ۴۳۳-۵۸۳ھ) سلاجقۂ شام (سنہ ۴۸۷-۵۱۱ھ) سلاجقۂ عراق (سنہ ۵۱۱-۵۹۰ھ)
سلاجقۂ روم (سنہ ۴۷۰-۷۰۰ھ) - مولانا روم کا تعلق اسی سلسلے سے ہے۔
سلاجقۂ بزرگ کا شجرہ حسب ذیل ہے

سال جلوس	نام	سال جلوس	نام	سال جلوس	نام
۱- سنہ ۴۲۹ھ	طغرل	۲- سنہ ۴۵۵ھ	الپ ارسلان	۳- سنہ ۴۶۵ھ	ملک شاہ
۴- سنہ ۴۸۵ھ	محمود	۵- سنہ ۴۸۷ھ	برکیاروق	۶- سنہ ۴۹۸ھ	ملک شاہ ثانی
۷- سنہ ۴۹۸ھ	غیاث الدین	۸- سنہ ۵۱۱ھ، ۵۵۲ھ	سنجر۔		

تاریخ ادبیات ایران میں سلجوقیوں کا عہد بڑا اہم سمجھا جاتا ہے۔ اس دور میں جو بڑے بڑے شاعر اور انشاء پرداز پیدا ہوئے وہ یہ ہیں ناصر خسرو، خیام، انوری، خاقانی، نظامی گنجوی، ظہیر فاریابی، باباطاہر عریاں، ابوالخیر، عطار، مولانا روم — ان میں سے کچھ شعراء ایسے ہیں جو سلجوقیوں کے تحت حکمرانوں کے دربار سے متعلق تھے۔ سیاست دانوں میں نظام الملک طوسی، مفکروں میں امام غزالی اور عمر خیام، اسی عہد سے متعلق ہیں۔ اس عہد میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی خلفائے عباسی کی گرتی ہوئی دیوار کو ان ہی نے سنبھالا دیا۔ ع ۸۸

ع ۸۷ اصطلاحاتِ صوفیہ - شاہ محمد عبدالصمد ص ۱۱
ع ۸۸ تلمیحاتِ اقبال ایڈیشن ۵ ص ۲۲/۲۱ بحوالہ تاریخ اسلام (انگریزی) امیر علی، تاریخ عالم اسلام (انگریزی) بروکلمین

زنده رود

١٦٥٩ - من کیستم؟ تو کیستی؟ عالم کجاست؟   در میان ما و تو دوری چراست؟
من چرا در بند تقدیرم بگوی   تو نمیری من چرا میرم بگوی!

ندای جمال

بوده اندر جهان چار سو   هر که گنجد اندرو میرد در او
١٦٦٢ - زندگی خواهی؟ خودی را پیش کن   چار سو را غرق اندر خویش کن
باز بینی من کیم تو کیستی؟
در جهان چون مردی و چون زیستی؟

زنده رود

١٦٦٤ - پرسش این مرد نادان در پذیر   پرده را از چهرهٔ تقدیر[270] گیر
١٦٦٥ - انقلاب روس[271] و آلمان[272] دیده ام   شور در جان مسلمان دیده ام
دیده ام تدبیرهای غرب و شرق   وانما تقدیرهای غرب و شرق

افتادن تجلی جلال

ناگهان دیدم جهان خویش را   آن زمین و آسمان خویش را
١٦٦٨ - غرق در نور شفق گون دیدمش   سرخ مانند طبرخون دیدمش
زان تجلی ها که در جانم شکست   چون کلیم الله[273] فتادم جلوه مست
نور او هر پردگی را وا نمود   تاب گفتار از زبان من ربود
از ضمیر عالم بی چند و چون
یک نوای سوزناک آمد برون

بگذر از خاور و افسونیٔ افرنگ مشو !
کہ نیرزد بجوے این ہمہ دیرینہ و نو

آن نگینے کہ تو با اہرمناں باختۂ
ہم بجبریل امینے نتواں کرد گرو

زندگی انجمن آرا و نگہدار خود است
اے کہ در قافلہ بے ہمہ شو با ہمہ رو

تو فروزندہ تر از مہر منیر آمدۂ
آنچناں زی کہ بہ ہر ذرہ رسانی پرتو

چوں پر کاہ کہ در رہگذر باد افتاد
رفت اسکندر [۲۷۴] و دارا [۲۷۵] و قباد [۲۷۶] و خسرو [۲۷۷]

از تنک جامیٔ تو میکدہ رسوا گردید
شیشہ گیر و حکیمانہ بیاشام و برو "

حواشی و تعلیقات : شعر نمبر ۱۶۶۲ ص ۔ ۶ چار سو را غرق اندر خویش کن : ایسا لگتا ہے کہ علامہ نے مثنوی رومی کی "حکایت آں پیر عرب کہ دلالت کرد حلیمہ سعدیہ را باستعانت از بتاں " کو زیادہ ہی مؤثر بھی بقول شخصے آپنے ، مولانا روم کے اخذ کردہ نتائج ہی پر نظر رکھی ہے اور روایت کی چھان پھٹک پر دھیان نہیں دیا۔ مولانا روم نے حضور کے ایک بار حلیمہ سے گم ہو جانے کا واقعہ نقل کیا ہے اور ایک بڈھے کا عزیٰ کے روبرو نام محمد لینا ، عزیٰ کی ہم چیخ و پکار اور بالآخر حلیمہ کی زبانی چند در چند واقعات خرق عادت ، سن کر بوڑھے کا پکار اٹھنا ۔ سنا کر لکھا ہے ۔

گفت پیرش اے حلیمہ شاد باش ! سجدۂ شکر آر و رو را کم خراش
تو مخور غم کہ نگردد یاوہ او بلکہ عالم یاوہ گردد اندر او [۲۰۸۹]

علامہ نے سرمد سے منسوب شعر (ملا گوید احمد بہ فلک بر شد سرمد گوید فلک باحمد در شد) کا ماخذ بھی رومی کے مذکورہ بالا شعر کو بتایا ہے [۲۰۹۰] ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے انتہائی دلچسپ تبصرہ فرمایا ہے ملفوظات کی اس روایت پر

۲۰۸۹ مثنوی مولانا روم دفتر چہارم ص ۱۰۳ ترجمہ قاضی سجاد حسین ۔ اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور
۲۰۹۰ ملفوظات اقبال ص ۲۷۱ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ۔ اقبال اکادمی لاہور ۔ اشاعت اول ۱۹۷۷ء

وہ لکھتے ہیں

آفاق میں گم ہونے اور آفاق کو خود میں گم کرنے کی بحثیں وحدت وجود اور وحدت شہود کے حوالے سے ہوتی رہیں اور عظمت انسانی کے واسطے سے بھی مگر اقبال (اور ان کے مرشد، رومی بھی) پیغمبر اسلام کے بچپن کے ایک واقعہ سے بھی استناد کرتے رہے ''۔ ع ۹۱

شعر نمبر ۱۶۶۲، پوزش، عذر، معذرت، معافی [فرہنگ عامرہ]۔

(۲۷۰) **تقدیر**: ملاحظہ ہوں تعلیقات نمبر ۴۹، ۷۹، ۱۸۹۔

(۲۷۱) **انقلاب روس**: زار روس الیگزنڈر سوم کے قتل کے بعد انقلابی سوشلسٹ تحریک مزید تیز ہو گئی۔ اس قتل کے الزام میں ولادی میر ایلیچ الیانوف کے بھائی الیگزنڈر کو بھی پھانسی کی سزا ملی۔ ولادی میر نے تعلیم ادھوری چھوڑی اور انقلابی سوشلسٹ تحریک میں شامل ہو گیا اور لینن کے فرضی نام سے (جو دریائے لینا سے ماخوذ ہے) انقلابی مضامین لکھنا شروع کیے۔ ۱۹۱۷ء میں جب روس میں جمہوری نظام قائم ہوا تو جرمن فوجی حکام کی مدد سے لینن نے روس واپس آ کر روس کی جمہوری حکومت کے سربراہ کیرنسکی کا تختہ الٹ دیا۔ سوویٹ حکومت کی تشکیل کی جس کا چیئرمین وہ خود بنا۔ زمین کاشتکاروں میں بانٹ دی اور ایک اشتراکی نظام برپا کیا۔ اس کے بعد روس کی خانہ جنگی ہوئی اور اشتراکی قوتوں کو فتح حاصل ہوئی۔ لاتعداد انسان مارے گئے تاکہ سرخ جنت آباد ہو لیکن ۷۲ برس بعد یہ سرخ جنت جذبۂ مسابقت سے محروم، انسانی مشینوں، کا انبار ہو کر، بھاری اقتصادی کا شکار ہوئی اور وہ ریاستیں جنہیں ملا کر عظیم سوویت یونین بنی تھی تتر بتر ہو گئیں ع ۹۲۔

علامہ اقبال انقلاب روس کے مداح تھے کہ اس طرح شاید دین قیم کے فرمان ''قل العفو'' کی ''پوشیدہ حقیقت'' نمودار ہو لیکن خود روس کے لیے وہ کسی مثبت اگلے قدم کے منتظر تھے۔

ہم خیال بینی کہ در دور فرنگ ۔۔۔ بندگی با خواجگی آمد بجنگ
روس را قلب و جگر گردید خون ۔۔۔ از ضمیرش حرف لا آمد برون
کردہ ام اندر مقاماتش نگہ ۔۔۔ لاسلاطین لاکلیسا لاالٰہ
در مقامِ لا نیاساید حیات ۔۔۔ تا نگردد لا سوئے الّا دلیل
سوئے الّا می خرامد کائنات ع ۹۳

علامہ نے سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کے نام خط میں لکھا ''۔۔۔ روسی ذہین کی موجودہ منفی کیفیت غیر معینہ عرصے تک جاری نہیں رہے گی۔ کیونکہ کوئی معاشرتی نظام لامذہبی

ع ۹۱ جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ص ۱۸۳ الیضاً۔ ع ۹۲ تسخیصاً از ہمشیکلو پیڈیا الیضاً ص ۶۰۱ نیز تلمیحات اقبال۔ عابد الیضاً ص ۵۲۲/۵۲۳ ع ۹۳ کلیات اقبال فارسی ص ۸۱۱/۸۱۲ (مثنوی پس چہ باید کرد)

بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتا"، ع۰۹۳؎

(۲۷۲) انقلابِ المان: پہلی جنگِ عظیم کے بعد جب بڑی طاقتوں نے جرمنی کی قسمت کا فیصلہ کیا تو کچھ عرصہ وہاں جمہوری نظام کی ایک صورت قائم رہی۔ ۱۹۳۰ء میں جرمنی نے پھر رائن لینڈ پر قبضہ کرلیا۔ نو تسوید صلحنامہ وارسا پر نظرِثانی کے لئے حالات پیدا کرنا تھا۔ یورپ کے اقتصادی نظام اور اقوام میں بگاڑ کے ساتھ جرمنی میں بھی ملّی اشتراکیت کی تحریک ابھری، ہینڈنبرگ نے اس تحریک کے سرگروہ ہٹلر کو (۱۹۳۳ء میں) وزیرِاعظم نامزد کردیا۔ ع۰۹۵؎ جس نے اپنی جماعت کے علاوہ تمام جماعتوں پر پابندی لگادی اور کمیونسٹوں، سوشلسٹوں اور جمہوریت پسندوں کے خلاف لاٹھی گولی کو رواج دے کر ڈکٹیٹر بن گیا ـــ

۱۹۳۶ء میں رائن لینڈ پر قبضہ کیا۔ ۱۹۳۸ء میں آسٹریلیا کو جرمنی میں بزورِ شمشیر شامل کیا۔ ۱۹۳۹ء میں چیکوسلواکیہ پر قابض ہوئے۔ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو پولینڈ میں فوجیں داخل کردیں جس سے دوسری جنگِ عظیم چھڑ گئی۔ دورانِ جنگ ہٹلر نے ڈنمارک، ناروے، ہالینڈ، بلجیم، فرانس اور بلقانی ریاستوں کو فتح کیا۔ ۲۲ جون ۱۹۴۱ء میں روس پر حملہ کیا اور آدھے ملک پر قبضہ کرلیا۔ لیکن ۱۹۴۳ء میں پہیہ الٹا چلنے لگا۔ کئی محاذوں پر جرمنی کو پسپائی ہوئی۔ ۳۰ اپریل ۱۹۴۵ء کو روسی افواج نے برلن کا محاصرہ کیا۔ ہٹلر کو جب کوئی امید نظر نہ آئی تو خودکشی کرلی اور اس طرح دنیا کو ایک عذاب سے نجات ملی ـــ اس عذاب میں ـــ نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ بھی شامل ہے ع۰۹۶؎ جو باعثِ ثواب ہوا ـــ

جس زمانے میں جاوید نامہ لکھا گیا ہے ان دنوں معلوم ہو رہا تھا کہ ہٹلر کا کوکبِ اقبال عروج کی منزلیں طے کر رہا ہے اور اس انقلاب کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ وہ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۳ء تک مسلسل عروج پر تھا۔ علامہ نے اسی انقلاب کی طرف اشارہ کیا ہے" ع۰۹۷؎

شو نمبر ۱۶۶۵ - شور در جانِ مسلماں دیدہ ام: ۱۹۳۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۲ء نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ہند بھی مسلمانوں کے اندر ذہنی ہلچل اور بعض "زندہ و بیدار" قوم کے سے اقدامات کا زمانہ تھا۔ خطبۂ الٰہ آباد ـــ نہرو رپورٹ ـــ شدھی سنگھٹن ـــ سوراج کا نعرہ، ـــ گول میز کانفرنسیں کشمیری تحریک کشمیر کمیٹی اگست ۱۹۳۱ء میں کل ہند یومِ کشمیر کا انعقاد ـــ کئی دوسرے واقعات ایسے ہیں جن سے علامہ کم از کم شورِ درجانِ مسلم، کا اندازہ کرسکیں ـــ قافلہ ایک سمت چل تو پڑا تھا ـــ وہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے حوالے سے ہو یا مسلم لیگ کے حوالے سے ـــ ایک مثبت ہلچل پیدا ہو رہی تھی۔ مجلسِ احرارِ اسلام کا کشمیر اور کشمیر کمیٹی کے لئے آئینی ڈھانچے کا موقف "سب ذہنی بیداری کی علامات تو تھیں۔ گول میز کانفرنس سے واپسی پر علامہ لگی لپٹی کے محتاط اظہارِ خیال کے مقابلے میں کھل کر بولنے کا انداز اپنا چکے تھے یہ بھی مسلم اجتماعی ضمیر پر بیداری کی علامت بلکہ نتیجہ تھا۔

شاید اسی دور میں کہا تھا بحوالہ کشمیر ـ

لالہ ز خاک بر دمید، موج بآبجو تپید
خاک شرر شرر ببیں، آب شکن شکن نگر ع۰۹۸؎

ع۰۹۴؎ Speeches writings and Statements of Iqbal. Latif Ahmad Sherwani Page 250 Iqbal Academy Pakistan Lahore 4th Edition 1995.

ع۰۹۵؎ تلمیحاتِ اقبال - عابد ص۷۷ ایضاً ع۰۹۶؎ شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا ص ۴۹۹/۴۹۸ ایضاً -

ع۰۹۷؎ تلمیحاتِ اقبال۔ عابد۔ ایضاً ص۱۳۹ ع۰۹۸؎ کلیاتِ اقبال فارسی ص۳۰۳ [پیامِ مشرق: کشمیر] -

شعر نمبر ۱۶۶۸ - **طبرخون** : بید سرخ [برٹن] چوب سرخ رنگ، تلخ مزہ [مدار]۔ صندل سرخ [جمیع اللغات، فردوس اللغات] = [غیاث اللغات فارسی ص۳۱۷] :

اپنے وطن کے زمین و آسمان کو صندلِ سرخ کی طرح شفق آلود دیکھنا ایک طرح "تقدیرِ ہند" خصوصاً اور تقدیرِ غرب و شرق عموماً، کے لئے علامتی جواب ہے۔

(۲۷۳) اشارہ ہے اس آیتِ کریمہ کی جانب جس میں رَبِّ اَرِنِیْ کے جواب میں لَنْ تَرٰنِیْ کا ارشادِ گرامی مذکور ہے اور جس کے بعد حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے۔ "وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَہٗ رَبُّہٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ" ۱۰۹۹

اور جب موسیٰؑ ہمارے وقت (موعودہ) پر آئے اور اُن کے رب نے (اُن سے) بہت لطف و عنایت کی باتیں کیں۔ عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو سو اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو (خیر) تم بھی دیکھ سکو گے۔ پس اُن کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی (تجلی نے) اس پہاڑ کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے تو پھر جب افاقہ میں ہوئے تو عرض کیا بے شک آپ کی ذات منزہ (اور رفیع) ہے میں آپ کی جناب میں معذرت کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔ **عالمِ بے چند و چوں:**

اپنے دل کے اندر علامہ نے مستقبل سے متعلق جو تجلیات دیکھیں ان سے مثلِ کلیمؑ جلوہ مست ہونے کا ذکر کیا۔ اور یہی وہ عالمِ دل ہے جسے انہوں نے "عالمِ بے چند و چوں" لکھا جس سے وہ صدائے سوزناک بلند ہوئی جو بصورتِ غزل، رقم ہے۔

صدائے سوزناک : **بگذر از خاور...** کلیات فارسی ص۵۲۲ [زبورِ عجم حصہ دوم : ۶۲]۔

چھپے شعروں کی اس غزل کی ترتیب تبدیل کی گئی ہے۔ بال جبریل کی غزل کا شعر نمبر ۵ جاوید نامہ میں نمبر ۲ ہے۔ باقی ترتیب وہی ہے۔

ضربِ کلیم کی ایک نظم "شعاعِ امید" میں سورج اپنے شعاعوں کو چمنستان و بیابان و در و بام و دیار و امصار کو چھوڑ کر دوبارہ اپنے تجلی کدۂ دل میں سما جانے کا مشورہ دیتا ہے۔ بس پھر کیا تھا آفاق کے ہر گوشے سے شعاعیں اٹھ اٹھ کر سورج سے ہم آغوش ہونے لگتی ہیں

وہ شور ہے مغرب میں اجالا نہیں ممکن — افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے ہے سیہ پوش
مشرق نہیں گو لذتِ نظارہ سے محروم — لیکن صفتِ عالمِ لاہوت ہے خاموش

۱۰۹۹ الاعراف : ۱۴۳

پھر ہم کو اسی سینۂ روشن میں چھپا لے   اے مہر جہاں تاب نہ کر ہم کو فراموش

لیکن ایک جوہر سیماب کی طرح آرام سے فارغ شعاع، بولی، مجھے رخصت تنویر عطا ہو، تا کہ مشرق کے ہر ذرے کو جہاں تاب کر دوں۔ خاور کی امیدوں کا مرکز خاکِ ہند ہے میں رہ سے نہ چھوڑوں گی جہاں۔ بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن   تقدیر کو روتا ہے مسلماں تہ محراب

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر   فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر ع ۵۰۰۰

آج علامہ "مشرق و مغرب" کی تقدیر، جو ہر شب [شب مغرب و شب مشرق] کو سحر کر سکتی ہے۔ ایک اور صرف ایک — تو فروزندہ تر از مہر منیر آمدہ — بتاتے ہیں اور یہ کنایہ ہے، اسلام، سے۔ شرط "حکیمانہ بیا شام" ہے — آج پوری دنیا میں اسلام نہیں مسلمان ظلم واستبداد کا شکار ہے تو صرف حکیمانہ بنوش کے فقدان سے — ورنہ مشرق و مغرب کے سارے اندھیرے اس نور سے دور ہو سکتے ہیں صرف اور صرف اسی نور سے جو بطور موعظت آیا انسانوں کے دلوں کی بیماری کی دوائے شفا اور اہل ایمان کے لئے رحمت یَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ع ۵۰۰۱ خطاب انسانوں سے ہے یا ایھا الناس — لہٰذا مشرق و مغرب کے مسائل کا حل اسی میں ہے

شِفَاءٌ "لِّمَا فِي الصُّدُورِ"۔

نفسی خرابیوں کا علاج یقینی صرف الدین ہے اور شارع دین[۴] کا اسوہ ہے!

مختصر یہ کہ۔ نبی[۳] کا نقش قدم ہے مراد قوموں کی

وہ جس کا پہلا ہی زینہ ہے منتہیٰ والا [ارشاد شاکر اعوان]۔

(۲۷۸) **سکندر اعظم:** مقدونیہ کے حکمران فلپ فیلقوس کا بیٹا تھا ۳۵۶ ق م میں پیدا ہوا۔ ارسطو نے اس کی تربیت کی۔ ارسطو نے پوری دنیا کو یونان کی غلامی میں آنے کا جو خواب دیکھا تھا۔ اس کے شاگرد نے حکمران بننے کے بعد اسے پورا کرنے کی ٹھانی۔ ڈیورانٹ کا یہ خیال کہ سکندر کی باطنی وحشت ہمیشہ ظاہر ہوتی رہی اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اسے ارسطو کی شاگردی نے کچھ فائدہ نہیں پہنچایا اس حقیقت سے بے خبری کا نتیجہ ہے کہ ارسطو کی تعلیم ہی تو سکندر کو فاتح عالم بننے پر مجبور کر گئی — اور کم سنی میں اتنی فتوحات کر گیا کہ اعظم کہلانے والوں کی صف میں جگہ پا لی۔ سکندر نے پہلے ایران کو فتح کیا جہاں ہخامنشی حکمران دارا ثالث کو شکست ہوئی پھر ہندوستان کی طرف بڑھا۔ پورس سے مقابلہ ہوا اور شکست دی۔ لیکن سکندر اعظم کی فوجوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ یوں ہندوستان پر پہلا یورپین حملہ آور واپس ہو گیا اور راستے ہی میں عراق کے شہر بابل میں فرات کے کنارے بخار سے فوت ہوا۔ ع ۵۰۰۲

ع ۵۰۰۰ کلیات اقبال اردو ص ۵۶۹ تا ص ۵۷۱ (ضرب کلیم: شعاع امید) ع ۵۰۰۱ یونس: ۵۷
ع ۵۰۰۲ تلمیحات اقبال۔ عابد ص ۳۰۲، دارہ معارف اقبال۔ ملک حسن اختر ص ۲۶۰، ع ۵۰۰۳ ہلبرگ لارڈ تاریخ پاک و ہند ص ۴۲ تا ۴۵

(۲۷۵) **دارا (داریوش اعظم)** ایران کے ہخامنشی دورِ سلطنت کا جلیل القدر بادشاہ تھا۔ یہ اُسی خاندان کا وہ بدنصیب حکمران ہے جس نے سکندر مقدونی کے ہاتھوں شکست کھائی۔ لیکن اس کی بیٹی **سکندر** کے عقد میں آئی اور یونان ایرانی تمدن کے اثرات سے مستفید ہوا جس طرح ہندوستان میں یونانی تہذیب کے زیرِ اثر گندھارا تہذیب پروان چڑھی۔ دارا کا عہدِ حکومت ۵۲۱ تا ۴۸۵ ق م ہے۔ اس کے عزم، حوصلے اور دبدبہ کا شہرہ مشرق ومغرب میں تھا۔ اپنے ہی امراء اُس کے خلاف ہو گئے اکثر بغاوتیں ہوئیں اور فرو ہوئیں لیکن سلطنت کی وسعت کا سلسلہ بھی جاری رہا، اور سازشی امراء کی سازشیں بھی، جو بالآخر دارا کی جان لے گئیں۔ قاآنی نے اپنے ایک قصیدے میں ناموں کے نام بھی لئے ہیں۔ جانوسپار و ماہ یار وغیرہ ۵۰۰۴

اس بادشاہ کا سنہری دور کئی باتوں کے لئے مشہور ہے (۱) فتح سندھ کے بعد سندھ سے لے کر سویز تک پہلا بحری سفر، (۲) بحرۂ قلزم کو دریائے نیل سے ملانا (۳) ہندوستان میں شاہی نائب کا قیام (۴) تھریس اور مقدونیہ کی فتح۔ (۵) سڑکوں کی تعمیر، محکمہ ڈاک اور محکمہ سراغ رسانی کا قیام ۵۰۰۵

(۲۷۶) **قباد :** (۴۸۸ تا ۵۲۷ء)۔ ایران کا بادشاہ اس نے گنجہ شہر آباد کیا جو کوہ قاف میں ہے اور اب ایلزبتھ پول کہلاتا ہے۔ اس کے عہد میں مزدک نے عدم تشدد اور جانوروں کو مار کے کھانے سے احتراز کی تعلیم دی۔ قباد اس کا پیرو بن گیا تو درباریوں نے اسے ۴۹۸ء میں تخت سے اتار دیا۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ـــ اور دوبارہ سازش کے نتیجے میں، درباریوں کے قتلِ عام سے خون بہایا۔ قباد، کیقباد سے مختلف شخصیت ہے۔ کیقباد، کیانی بادشاہ تھا اور فریدون کی نسل تھا۔ **کیقباد :** علامہ نے چونکہ زبورِ عجم میں کیقباد کا ذکر بھی کیا ہے اس لئے اس کے احوال بھی درج ہیں

چوں بکمال می رسد فقرِ دلیلِ خسروی ست

مسندِ کیقباد را در تہِ بوریا طلب ۵۰۰۶

کیقباد نے ایران پر سو سال حکومت کی۔ جب توران کے افراسیاب نے تختِ ایران پر قبضہ کر لیا تو کیقباد نے کوہِ البرز کے دامن میں پناہ لی۔ لیکن رستم کی ہمت نے افراسیاب کو شکست دے کر کیقباد کو دوبارہ صاحبِ تخت وتاج بنایا۔ کیقباد ۶۰۵ ق م سے ۵۰۸ ق م تک حکمران رہا۔

(۲۷۷) **خسرو :** ایران کے بادشاہ عموماً خسرو کہلاتے تھے لیکن یہ ایک پرویز اور دوسرے انوشیروان کے ناموں کا حصہ بن گیا۔ **خسرو انوشیروان :** قباد کے بیٹے خسرو اول نے مزدک اور اُس کے پیروکاروں کو تہ تیغ کیا جس پر اسے الوشیںروان (نوشیروان) کا لقب ملا۔ جو تاریخ میں نوشیروانِ عادل کے نام سے مشہور ہے۔ مزدکیت کے خلاف اس کا اقدام، کسی بھی صورت خلافِ عدل نہ تھا۔ ورنہ نوشیروان کا مطالعہ مذاہب، خلیفہ المامون اور اکبرِ اعظم، سے کسی صورت کم نہ تھا مزدکیت مذہبِ اخلاق بھی تھی

ع ۵۰۰۴ تلمیحاتِ اقبال۔ عابد ص ۲۶ ع ۵۰۰۵ ادب نامۂ ایران۔ بوف تی ص ۳ بحوالہ ہسٹری آف پرشیا (انگریزی) سر پرسی سائیکس ص ۱۶۲/۱۶۳۔ ع ۵۰۰۶ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۵۰۷ (زبورِ عجم حصہ دوم : ۴۷)۔

اور قوم و ملک کے لئے تباہی کا باعث بھی۔ نوشیروان نے ملکی خوشحالی کے لئے نہایت مفید قوانین بنائے —— عوام خوشحال، ملک پُرامن اور مستحکم ہوا۔ یونان سے سات فلسفی ایران آکر پناہ گزین ہوئے جنہیں یونانی بادشاہ جسٹینین نے مذہبی تعصب کے تحت ملک بدر کر دیا تھا۔ پروفیسر براؤن کا خیال ہے کہ عجمی تصوف اسی نوافلاطونی فلسفہ کی بدولت ظہور میں آیا۔ ملکی اصلاحات کا حقیقی ذمہ دار ساسانی عہد کا نامور عالم بزرجمہر تھا۔ اسی کے طفیل ارسطو و افلاطون کی کتابیں اور ہندوستان کی مشہور کتاب کلیلہ و دمنہ پہلوی زبان میں ترجمہ ہوئیں۔ جندے پور میں ایک یونیورسٹی قائم ہوئی جس میں فلسفہ و طب کے علاوہ دیگر علوم کی تعلیم دی جاتی تھی ع۵۰۰۷ عربوں نے خسرو کو معرب کر کے کسریٰ بنا دیا تھا۔

خسرو پرویز: نوشیروان کے بعد ہرمز چہارم تخت نشین ہوا نالائق تھا اس پر بد دماغ بھی اپنے بہادر جرنیل بہرام چوبین سے توہین آمیز سلوک جان لیوا ثابت ہوا۔ اس ہرمز کے بعد خسرو پرویز ۵۹۰ء میں تخت نشین ہوا۔ بہرام کے نام صلح کا پیغام بھیجا مگر جواب ملا اب تلوار فیصلہ کرے گی کہ یہ تخت و تاج کس کا ہے۔ چنانچہ ایک خونریز جنگ میں خسرو ہار گیا اور ایشیائے کوچک کے بادشاہ ماریس کے ہاں پناہ لی۔ سال کے اندر اندر رومی بادشاہ کے تعاون سے خسرو پرویز نے بہرام کو شکست دے کر تخت و تاج سنبھالے ۵۹۱ء سے ۶۲۸ء تک برسرِ اقتدار رہا۔ یہ وہی ساسانی بادشاہ ہے جو خزانوں، گھوڑوں، محلوں اور طرب سے بڑھ کر اپنی محبوبہ شیریں کے لئے مشہور ہے۔

اس بدبخت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک ملا۔ لیکن اس نے چاک کر ڈالا۔ نتیجتہً اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہوا ع۵۰۰۸ اور سلطنتِ ایران، مسلمانوں کے زیرِ پا آئی۔

ع۵۰۰۷ ادب نامۂ ایران — ایضاً ص ۱۸/۱۷ ع۵۰۰۸ ایضاً ص ۲۰ تاریخ دائرہ معارف [illegible] ص ۱۹۲

باب نہم — خطاب بہ جاوید ص ۵۴۲ تا ص ۵۶

سخنے بہ نژادِ نو

خطاب بہ جاوید (۲۷۸)

[سخنے بہ نژادِ نو (۲۷۹)]

۱۶۷۱ - این سخن آراستن بے حاصل است — بر نیاید آنچہ در قعرِ دل است
گرچہ من صد نکتہ گفتم بے حجاب — نکتہ دارم کہ ناید در کتاب
گر بگویم می شود پیچیدہ تر — حرف وصوت او را کند پوشیدہ تر

۱۶۷۲ - سوزِ او را از نگاہِ من بگیر
یا ز آہِ صبحگاہِ من بگیر

مادرت درسِ نخستیں با تو داد — غنچۂ تو از نسیم او گشاد
از نسیم او ترا این رنگ و بوست — اے متاعِ ما بہائے تو ازوست
دولتِ جاوید ازو اندوختی — از لبِ او لا الٰہ آموختی
اے پسر ذوقِ نگہ از من بگیر — سوختن در لا الٰہ از من بگیر

۱۶۷۹ - لا الٰہ گوئی؟ بگو از روئے جاں — تا ز اندام تو آید بوئے جاں
۱۶۸۰ - مہر و مہ گردد ز سوزِ لا الٰہ — دیدہ ام این سوز را در کوہ و کہ
این دو حرفِ لا الٰہ گفتار نیست — لا الٰہ جز تیغِ بے زنہار نیست

۱۶۸۲ - زیستن با سوزِ او قہاری است
لا الٰہ ضرب است و ضرب کاری است!

حواشی وتعلیقات: (۲۷۸) **جاوید اقبال:** ڈاکٹر جاوید اقبال ریٹائرڈ چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ علامہ اقبال کے فرزند اصغر ہیں ۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ علامہ انہیں ایک مثالی انسان اور مسلمان دیکھنے کے متمنی تھے۔ جاوید کے نام علامہ کے خطوط، منظومات، خصوصاً زیرِ نظر حصۂ نظم اس کی شہادت دیتا ہے۔ جاوید ۵۶ء میں The Development of Muslim Political Th میں پی ایچ ڈی کی ڈگری اور لندن ہی سے بیرسٹر ایٹ ہوئے۔ یونیورسٹی کالج لاہور میں ۱۹۵۷ سے ۱۹۷۰ تک لیکچرار اور ریڈر رہے اور ساتھ ہی وکالت بھی جاری تھی۔ ۱۹۷۱ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج بنے اور ۱۹۸۳ میں چیف جسٹس

بنے اور ۱۹۸۶ء تک اسی عہدے پر رہے ۱۹۸۹ء تک سپریم کورٹ کے جج کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۶ء میں Villa nova کیتھولک یونیورسٹی امریکہ نے انہیں Doctor of Human letters [ڈاکٹر آف ہیومین لیٹرز] کی اعزازی ڈگری دی اور ۱۹۹۰ء میں سلجوق یونیورسٹی قونیہ (ترکی) نے بھی اعزازی ڈگری دی۔

۱۹۶۰ سے ۱۹۶۲ء تک اقوام متحدہ میں بھی پاکستان کی نمائندگی کی۔ جسٹس ریٹائرڈ ڈاکٹر جاوید اقبال نے علامہ اقبال کی زندگی کے حالات پر "زندہ رود" لکھ کر فرزندی کا حق بھی ادا کیا اور اقبالیات کے طلباء پر بھی احسان فرمایا۔ "مئے لالہ فام" علامہ اقبال پر مقالات کا مجموعہ ہے جو گویا جاوید نے عظیم والد کی اس خواہش کی تکمیل میں مرتب کیا۔

میں شاخِ تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر
مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر ع ۵۰۰۹

علامہ اقبال کے شذرات کو جو فکر اقبال کے جواہر آبدار ہیں Stray Reflections کے عنوان سے مرتب کیا۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے انہیں اردو میں ترجمہ کرکے "شذراتِ فکرِ اقبال" کے نام سے شائع کر دیا۔

جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال بفضلہٖ حیات ہیں اللہ تا دیر زندہ رکھے آمین ع ۵۰۱۰

(۲۷۹) **بہ نژادِ نو:** علامہ نے بعض انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے اور بعض طبع زاد نظمیں بچوں کے لئے لکھیں، بانگِ درا کی نظم "خطاب بہ جوانانِ اسلام" ماضی سے رابطے اور آبائی میراث: علم کے موتی چننے کی تلقین کرتی۔ اس نظم کا بنیادی خیال ملی و فکری جمود توڑنے کی ترغیب ہے۔

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا ع ۵۰۱۱

یہ نظم غنی کاشمیری کے شعر "غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن — کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را" سے تحریک پا کر معنیٔ تازہ کے مطابق لکھی گئی۔ "فاطمہ بنت عبداللہ" طرابلس کی شہیدہ کو پیش کیا گیا خراج بھی دراصل نوجوانوں کی ترغیب کا سامان رکھتا ہے۔ یہ ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی کی حیرت کے بعد یہ اعلان کہ

ہے کوئی ہنگامہ تری تربتِ خاموش میں
پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں ع ۵۰۱۲

نوجوانانِ اسلام کے نام پیغام کا سلیقہ لیے ہے۔ شعرا بولی اپ علم پر تلقین میں علامہ نوجوانوں سے تخاطباً اظہار افسوس کرتے ہیں کہ

ترے آبا کی نگہ بجلی تھی جس کے واسطے
ہے وہی باطل ترے کاشانۂ دل میں مکیں ع ۵۰۱۳

ع ۵۰۰۹ کلیاتِ اقبال اردو ص ۴۲۹ [بال جبریل: جاوید کے نام] ع ۵۰۱۰ کلیات مکاتیب اقبال۔ برنی ص ۸۱/۸۲ جلد ۳ نیز مطالعہ تلمیحات از لی ص ۴۲۵ نیز دائرہ معارف اقبال۔ اختر ص ۱۹۷ ، نیز مطالب اقبال۔ داؤدی ص ۴۳/۴۲ ع ۵۰۱۱ کلیات اقبال اردو ص ۱۸۰ ، ع ۵۰۱۲ ایضاً ص ۲۱۲ ع ۵۰۱۳ ایضاً ص ۲۲۱ ۔

تو مسلم نوجوانوں کی یہ حالت انہیں تڑپاتی ہے۔

نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے / یہ رعنائی یہ بیداری یہ آزادی یہ بیباکی
کیا گم تازہ پروازوں نے اپنا آشیاں لیکن / مناظر دلکشا دکھلا گئی ساحر کی چالاکی
حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیب حاضر میں / بھڑک اٹھا بھبوکا بن کے مسلم کا تن خاکی ۰۱۳

"جنگ یرموک کا ایک واقعہ" کے تحت عنوان امیر عساکر اسلامی ابو عبیدہ رض کے حضور میں ایک نوجوان کے شوق شہادت کی روداد منظوم کی ہے اور ابو عبیدہ رض کی زبانی یہ پیغام دیا ہے کہ ایسے نوجوان پیروں کے لئے واجب احترام ہیں۔

بولا امیر فوج کہ وہ نوجواں ہے تو / پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام ۰۱۴

یہ سب "جوانان اسلام" کے لئے ترغیب ہی کا اہتمام تو تھا۔

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے / جوانان تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے ۰۱۵

یہ بھی جوانوں کی طرف سے ایک "پُر امید آرزو" کا مظہر ہے جب علامہ نے کہا

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی ۰۱۶

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں / نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں ۰۱۷
نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر / تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں ۰۱۸

خرد کو غلامی سے آزاد کر / جوانوں کو پیروں کا استاد کر ۰۱۹

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر / نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گران فرنگ کے احساں / سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر ۰۲۰

جوانوں کو سوز جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے ۰۲۱

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے / ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند ۰۲۲
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور / قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں ۰۲۳
اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی / ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد ۰۲۴

---

۰۱۳ کلیات اقبال اردو ص ۲۲۵ بانگ درا ، ۰۱۴ ایضاً ص ۲۲۷ ۰۱۵ ایضاً ص ۲۷۶
۰۱۶ ایضاً ص ۳۰۳ بال جبریل ۰۱۷ ایضاً ص ۴۱۲ (ایک نوجوان کے نام) ۰۱۸ ایضاً ص ۴۱۲ (ایضاً)
۰۱۹ ایضاً ص ۳۸۲ (ساقی نامہ) ۰۲۰ ایضاً ص ۳۳۲ (جاوید کے نام) ۰۲۱ ایضاً ص ۳۱۶ (ساقی نامہ)
۰۲۲ ایضاً ص ۴۲۶ (خوشحال خان کی وصیت) ۰۲۳ ایضاً ص ۴۸۴ (ضرب کلیم: مسلمان کا زوال) ۰۲۴ ایضاً ص ۵۴۳ (اسرار

شعر نمبر ۱۶۷۸۔ نگاہ [نظر]:

علامہ کے مکتوب " علم و حکمت از کتب دین از نظر " کی بابت پوچھنے پر علامہ نے فرمایا نظر کا مفہوم ہے " صحبت "، ۵۰۲۵ گویا علامہ نے "جاوید اقبال" کو مخاطب کیا اور نسل نو کے نام یہ پیغام رکھا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی توحید یعنی "لا الٰہ الا اللہ"۔ جسے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "افضل الذکر" بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ ذکر قبر کے اندھیروں میں چراغ ہے کے معانی و مفہوم پر غور کرتے رہیں ۔۔۔ وہاں فرمانِ باری تعالیٰ [الا تعبدوا الا اللہ و بالوالدین " یہ کہ عبادت صرف اللہ کی اور والدین کے ساتھ احسان] کے مطابق کلمہ طیبہ کے ساتھ ماں باپ کا ذکر بھی کر دیا ہے ۔۔۔ علامہ نے اولاد کو " متاع " کہا ہے جس کی قیمت کلمہ توحید سے بڑھتی ہے۔ ماں باپ کی اطاعت اس پر مستزاد اور اس کو مستلزم ہے۔ **آہِ صبحگاہی:** گویا ازمن کا مترادف ہے صحبت میسر ہو یا نہ ہو۔ آہِ صبحگاہی (ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطأ و اقوم قیلا: المزمل: ۶) کی رو سے تسخیرِ نفس اور بات کو محکم کرنے میں مؤثر ہے، اس لئے اس سے کام لیا جائے۔

شعر نمبر ۱۶۷۹: الٰہ اسم نکرہ ہے۔ اس سے پہلے لائے نافیہ آنے سے کُلّی نفی ہو جاتی ہے۔ کوئی شے اور شخص چاہے کسی بھی حیثیت کا ہو الٰہ نہیں ہو سکتا۔ الٰہ صرف اللہ ہے۔ اس کے حکم سے ہٹ کر کسی کی مرضی پر چلنا اسے الٰہ بنا لینا ہے۔ صرف اور صرف اسی کی مرضی کو اپنا نا ہی، ازروئے کلمہ، مطلوب ہے کہ صرف زبان نہیں بلکہ اعضاء و جوارح اپنے اعمال و افعال سے اس کلمہ کی تصدیق کریں۔ اس لئے کہ

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں ۵۰۲۶ "بخواز زرِ جاں" کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۴۹۰۔

علامہ کا فلسفۂ خودی "توحید" کے روحانی عقیدہ کو عمل میں مشہود کرنے کا نام ہے۔ رموزِ بےخودی کے مطالب کے خلاصے کے لئے "سورۂ اخلاص" کی تفسیر کا انتخاب اس کی قوی دلیل ہے۔

تو درِ خود را بخود پوشیدۂ ۔۔۔ در دل آور آنچہ بر لب چیدۂ

صد ملل از ملتے انگیختی ۔۔۔ بر حصارِ خود شبیخوں ریختی

یک شو و توحید را مشہود کن ۔۔۔ غائبش را از عمل موجود کن

لذت ایماں فزاید در عمل

مردہ آن ایماں کہ ناید در عمل ۵۰۲۷

شعر نمبر ۱۶۸۰: و ان من شیء الا یسبح بحمدہٖ ۵۰۲۸ کوئی شے ایسی نہیں جو تسبیح نہ کرتی ہو اس (اللہ) کی۔ سورۃ الاعلیٰ، الرسول کو تخلیق، تسویہ، تقدیر اور ہدیٰ کے حوالے سے یقین دلاتی ہے کہ ہر شے ان چار مراحل سے گزرتی ہے جس کو جو تقدیر ملتی ہے وہ اسی ہدایت بالفطرت کے مطابق عمل پیرا ہے۔ اَلَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ثُمَّ غُثَآءً اَحْوٰی سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی ۵۰۲۹۔ چارہ (گھاس) ہم نے پیدا کیا اس کو اگنا، اگ کر گل سڑ جانا، پھر اگنا سکھایا وہ تو نہیں بھولتا آپ کو

۵۰۲۵ ملفوظاتِ اقبال ابواللیث صدیقی ص ۹۰ الفتاوی ۵۰۲۶ کلیاتِ اقبال اردو ص ۴۹۷ [ضربِ کلیم، لاھوت]

۵۰۲۷ کلیاتِ فارسی ص ۱۵۷ ۵۰۲۸ بنی اسرائیل: ۴۴ ۵۰۲۹ الاعلیٰ: ۴، ۵، ۶۔

پڑھائیں گے تو آپ کیسے بھلا دیں گے یعنی بھلا نہ سکیں گے ۔ دوسرے مقامات پر یہی بات مختلف انداز سے دہرائی گئی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ؎۵۰۳۰ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ؎۵۰۳۱ مدعا یہ کہ کتاب وکوہ اُسی کی عطا کردہ تقدیر کے پابند عمل ہیں تو ان سے بڑھ کر لا الٰہ گویان اور کون ؟ ۔ انسان کو تقدیر پڑھائی گئی [ہدایت تعلیم کی گئی] اگر وہ بھی اس کو اسی طرح جزوِ فطرت بنالیں تو یہ وہ تیغ ہے ، جس کی ضرب کاری ہے ۔ غیر اللہ کو پاش پاش کر دیتی ہے ۔

۱۶۸۳ ۔ مومن و پیش کسان بستن نطاق ۔ مومن و غداری و فقر و نفاق !
با پشیزے دین و ملت را فروخت ۔ ہم متاع خانہ و ہم خانہ سوخت
لاالٰہ اندر نمازش بود و نیست ۔ نازہا اندر نیازش بود و نیست
نور در صوم و صلوٰت او نماند ۔ جلوۂ در کائنات او نماند
آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ ۔ فتنۂ او حب مال و ترس مرگ
رفت ازو آن مستی و ذوق و سرور ۔ دین او اندر کتاب و او بہ گور
۱۶۸۹ ۔ صحبتش با عصر حاضر در گرفت ۔ حرف دین را از دو پیغمبر گرفت
آن ز ایران ⁽۲۸۰⁾ بود و این ہندی ⁽۲۸۱⁾ نژاد ۔ آن ز حج ⁽۲۸۲⁾ بیگانہ و این از جہاد ⁽۲۸۳⁾
تا جہاد و حج نماند از واجبات ۔ رفت جان از پیکر صوم و صلوٰت
روح چون رفت از صلوٰت و از صیام ۔ فرد ناہموار و ملت بے نظام
سینہ ہا از گرمی قرآن تہی ۔ از چنین مردان چہ امید بہی

از خودی مرد مسلمان درگذشت
⁽۲۸۴⁾ اے خضر ! دستے کہ آب از سر گذشت

حواشی وتعلیقات : **نطاق** : پیٹی ، کمربند ۔ جمع نُطُق ، مومن کسی کا خادم ، غدارِ ملک وملت اور مشکارِ مسکنت ونفاق نہیں ہوسکتا ۔ مگر یہ اس کی نماز لاالٰہ کی تاثیر سے خالی ہے کہ اس نے دمڑی [جانا معمولی قیمت] کے عوض دین وملت فروخت کر دیئے گویا نہ مال ومتاعِ خانہ ۔ اس کے نیاز میں ناز نہیں رہا ۔ **پشیز یا پشیزہ** : سب سے چھوٹا رائج الوقت سکہ کبھی دمڑی تھی اب ٹیڈی پیسہ ہے ۔
شعر نمبر ۱۶۸۹ ۔ حرف دین را از دو پیغمبر گرفت : ایک ایران سے تھا بہاء اللہ دوسرا ہندوستان سے مرزا غلام احمد قادیانی ۔ ایرانی نے حج کا انکار سکھایا تاکہ ملت کی مرکزیت نہ رہے ۔ اور ہندوستانی نے جہاد کی فرضیت سے انکار کی تعلیم دی تاکہ غلامی کا جوا گردن سے نہ اترنے پائے ۔

؎۵۰۳۰ الحجر ۹ ؎۵۰۳۱ قیامہ : ۱۷

(۲۸۰) **مرزا حسین علی نوری؛ بہاء اللہ:** مرزا حسین نام بہاء اللہ لقب نور [مازندران] میں پیدا ہوا [۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء] - وہ مرزا یحییٰ "صبح ازل" کا سوتیلا بھائی تھا۔ دونوں نے باب مذہب قبول کیا ۔ سید علی محمد شیرازی باب ، کے قتل کے بعد مرزا یحییٰ نے اس کا جانشین ہونے کا دعوای کیا۔ ۱۸۵۲ء میں ایک بابی پیروکار نے شاہ ناصر الدین پر قاتلانہ حملہ کیا چنانچہ سازش کے الزام میں بابیوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں مرزا یحییٰ نے بغداد میں پناہ لی لیکن حکومتِ ترکی نے ایرانی حکومت کی ایما پر اسے نظر بند کر دیا۔ مرزا حسین علی کو حکومت نے گرفتار کر لیا لیکن بعد میں بے گناہ ثابت ہونے پر رہا کر دیا۔ صبح ازل تو راستے سے ہٹ گیا تھا لہٰذا اس نے باب کی جانشینی کا دعوای کر دیا میدان خالی تھا اس لئے اکثریت نے تسلیم بھی کر لیا - ترکی حکومت نے ۱۸۶۲ء میں ادرنہ میں نظر بند کیا پھر عکہ بھیج دیا جہاں زندگی کے آخری ایام بسر کئے۔ اس نے اعلان کیا کہ باب نے جس شخص کے ظہور کی خبر دی تھی وہ میں ہوں ۔ صبح ازل نظر بندی ہی میں مرگیا - اور بہائی مکتب فکر ہی باقی رہا - اس کے پیروؤں کا کلمہ یا بہاء الابہا ہے۔ اس نے حضور کو ختم الرسل مانا ہی نہیں بلکہ اعلان کیا کہ جس طرح اسلام نے نصرانیت کو ختم کر دیا اسی طرح بہائیت نے اسلام کو منسوخ کر دیا ہے۔ ۵۰۳۲ چنانچہ "حج" کو غیر ضروری قرار دے دیا اور قیامت کے معانی ایک ہزار سال بعد قائمؑ کا مبعوث ہونا ٹھہرے ۵۰۳۳ ۱۸۹۲ء میں وفات پائی - اس کے دعاوی سے تو پتہ چلتا ہے کہ اس نے دعوائے الوہیت کیا تھا - قیامت کا بالوضاحت انکار بھی موجود ہے - علامہ نے اس کو قادیانی کے مقابلے میں فوقیت دی کہ اس نے خود کو ملت اسلامیہ سے خود ہی الگ کر دیا - لیکن قادیانی ملت اسلامیہ کی جڑیں بھی کاٹتا ہے اور ملت اسلامیہ کے اندر ہونے کا بھی مدعی ہے - تفصیل آگے آئے گی -

بہاء اللہ کی کتابیں بہائیوں کے نزدیک قرآن کا درجہ رکھتی ہیں کتاب الاقدس، کتاب الایقان ، کلماتِ فردوسیہ اور تجلیات اس کی یادگار تصانیف ہیں بہائی آج بین الاقوامی برادری کی دعوت لے کر پوری دنیا میں پھیل گئے ہیں ۵۰۳۴

(۲۸۱) **مرزا غلام احمد قادیانی:** ۱۸۳۹ء میں قادیان [مشرقی پنجاب] میں پیدا ہوا ۔ ۱۸۸۰ء میں ملازمت سرکار کو چھوڑا اور آریہ سماجیوں اور عیسائی پادریوں سے مناظرے شروع کئے - اور ان کے در میں لکھا - فرقہ احمدیہ کی بنیاد ڈالنے سے پہلے "براہین احمدیہ" لکھ کر مجدد ہونے کا دعوای کیا تھا ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا اعلان کیا ، اور "جہاد" کی منسوخی کا حکم لگا کر انگریزوں کی خوشنودی حاصل کی - ۱۹۰۱ میں ظلی بروزی نبی ہونے کا دعوای کیا یعنی بہاء اللہ ایرانی کی طرح شریعتِ اسلامیہ کی منسوخی کا کھلا اعلان تو نہ کیا مگر جہاد سے انکار کر کے ارکان اسلام نماز، روزہ ، سب کو کھوکھلا کر دیا - علامہ اقبال نے اس کے اس فتوے پر

۵۰۳۳ ملاحظہ ہو کتاب قیامت ، اردو ترجمہ از ڈاکٹر صابر آفاقی بہائی پبلشنگ ٹرسٹ بہائی ہال کراچی [باب چہارم صفحہ ۵۰۳۴ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۵ صفحہ ۹۹ (بکلمہ) ایضاً ۵۰۳۲ دائرہ معارف اقبال محمد حسن لفظ صفحہ ۹۳ مطالعہ تلمیحات اقبال زیدی صفحہ ۲۳۶/۲۳ ، شرح جاوید نامہ چشتی صفحہ ۱۱۲۵ تا صفحہ ۱۱۲۷ ایضاً

جہاد کے تحت عنوان بڑی پرمغز نظم لکھی ہے۔ اور واضح کیا کہ یورپ تو باطل کے بال و پر کی حفاظت کی خاطر دوش تاکمر زرہ میں ڈوب گیا ہے اور شیخ حق پرستوں کو حق کی حفاظت سے باز رکھتا ہے ہم شیخ کلیسا نواز سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا جنگ اہل مشرق کے لئے "شر" ہے مغرب والوں سے درگذر کیوں؟ - ہاں! ایک بات ہے مسلمان بے تیغ و تفنگ ہے ـــ اور مسلح بھی ہو تو موت کی لذت سے بے خبر ہے۔ ایسے میں

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر ۵۰۳۵

علامہ ۱۹۱۰ء، ۱۹۱۱ء تک جب کہ آنجہانی مرزا صاحب مناظر اسلام کا روپ دھارے ہوئے تھے اس جماعت کو ٹھیٹھ اسلامی نمونہ سمجھتے تھے لیکن کشمیر کمیٹی میں مرزا بشیرالدین کی صدارت کے تحت کام کرنے اور علامہ انورشاہ کاشمیریؒ کی توجہ دلانے پر اس جماعت کی حقیقت واضح کرنے لگے۔ اور قادیانیت پر پنڈت جواہر لال نہرو کے بیانات کے جواب میں جو کچھ لکھا وہ ان کے لعنور ملت کا نچوڑ تھا ۵۰۳۶ علامہ نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ قادیانیت کو خلاف اسلام قرار دے کر ملت اسلامیہ سے علیحدہ کر دے ۵۰۳۷ مسلم لیگ پنجاب پارلیمانی بورڈ کا جو فارم امیدوار کو الیکشن لڑنے کے لئے پر کرنا پڑتا تھا اس میں بھی یہ شق شامل کی گئی تھی کہ مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ جماعت قرار دینے کی کوشش کرنا ہوگی ۵۰۳۸ یہ سعادت مسلمانان پاکستان کے نصیب میں لکھی تھی خصوصاً اس پارلیمنٹ کی قسمت میں، جس نے ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں مرزائیوں [لاہوری، قادیانی ہر دو فرقوں] کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا ـــ

جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شب ہجراں   ہمارے اشک تری عاقبت سنوار چلے ۵۰۳۹

(۲۸۲) **حج**: ارادہ کرنا، کسی چیز کا حجت میں غالب آنا، کسی کے پاس بہت آمدورفت کرنا۔ موسم مقررہ پر طواف کعبہ کرنا۔ الحاج: اسم جمع، حُجاج - حج کرنے والے لوگ۔

مسلمان ہر سال خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک جگہ مقرر کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ اس پاک گھر کو طواف کرنے والوں کھڑے ہونے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک (خاص) کر دیں وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ ۵۰۴۰ ان آیات کریمہ سے معنی مذکور سب پر حج کی فرضیت اور طواف کعبہ کا بیان ہے۔ اور یہ کہ یہ طواف شرک نہیں۔ ۹ ذی الحج کو حج ہوتا ہے۔ اگر اس سے پہلے یا بعد طواف کریں تو اسے عمرہ کہتے ہیں۔ اور یہ حج کا ایک رکن بھی ہے۔ علامہ ۱۱ اگست ۱۹۳۷ کے ایک مکتوب بنام سید اکرام میراں شاہ آرزوئے حج کا ذکر کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ شاہ صاحب موصوف کی معیت میں حج ہو "کو درویشوں کے

۵۰۳۵ کلیات اقبال اردو ص ۵۹۰ (ضرب کلیم: جہاد)
۵۰۳۶ Speeches writings and Statements Pages 197—241 - do -
۵۰۳۷ ایضاً ص ۲۰۳ The best Course for the rulers of India is, in my opinion to declare the Qadianis a separate Community ....
۵۰۳۸ اقبال کے ملی افکار، مرتبہ عاصم نعیم ص ۳۳۲ تا ص ۲۹۲ —— ۵۰۳۹
۵۰۴۰ الحج: ۲۶، ۲۷ ——

قاطے میں جو لذت و راحت ہے وہ ایروں کی معیت میں کیونکر نصیب ہو سکتی ہے" — اور یہ اسی حوالے سے لکھا کہ "چند روز ہوئے سر اکبر حیدری وزیر اعظم حیدرآباد کا خط مجھ کو ولایت سے آیا تھا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ حج بیت اللہ اگر تمہاری معیت میں نصیب ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے لیکن ..." ع۵۰۲۱ البتہ وہ دنیوی مقاصد کے تحت سفر میں رسول اکرم کے روضے کی زیارت کو سعادت جانتے تھے ع۵۰۲۲ علامہ ہجرت کی طرح حج کو بھی وطنیت کے تازہ بت کو توڑنے کی راہ یقین کرتے تھے

مومناں را فطرت افروز است حج   ہجرت آموز و وطن سوز است حج ع۵۰۲۳

(۲۸۳) **جہاد:** جہد جاہد مجاہدۃً و جہاداً۔ پوری طاقت صرف کرنا وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ع۵۰۲۴ اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کرو۔ انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ع۵۰۲۵ نکلو ہلکے اور بھاری اور جہاد کرو ساتھ مالوں اور جانوں اپنی کے بیچ راہ اللہ کے یہ بہتر ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم جانتے۔ ایسا لگتا ہے کہ جہاد کی فرضیت کا آغاز سورۃ المزمل کی آیت سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ع۵۰۲۶ عنقریب آپ پر بھاری بات ڈالیں گے۔ سے ہو گیا تھا۔ جہاد بالنفس، جہاد بالقول، جہاد بالقلم، جہاد بالسیف۔ جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا — جہاد کے کئی مدارج ہیں اور بندۂ مومن ہر لحظہ میدانِ جہاد میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب تربیتی مدارج بالآخر جہاد بالسیف تک جاتے ہیں۔ جنگ و جدال انسان کی پیدائش سے انسان کے ساتھ ہے تشکیلِ معاشرت کے بعد تو یہ ایک باقاعدہ نظام کی شکل اختیار کر گئی۔ لیکن مقصود صرف دوسرے معاشروں کی تخریب، ممالک پر تصرف، اقوام پر غلبہ، اموال پر قبضہ رہا ہے۔ اسلام نے جس جہاد کا حکم دیا وہ درجۂ اول میں اپنے اسلامی معاشرے کے دفاع سے متعلق رہا۔ جوع الارض کبھی جہادِ اسلامی کا مقصد نہیں رہا۔ فی زمانہ وطنیت نے جہاں بہت سی برائیاں عام کیں وہاں ایک یہ کارِ خیر بھی لائی کہ قومیں آزاد ہیں — وطن محفوظ ہیں — جنگ کی صورت میں بھی ممالکِ محروسہ و مفتوحہ سے نکلنا پڑتا ہے۔ یہی جہادِ اسلامی کی سچائی کی فتح ہے۔ علامہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کے حدود معینہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جب کہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے [حکم نہیں] دوسری صورت میں جہاد کا حکم ہے ---- جوع الارض کی تسکین کے لئے جنگ کرنا دینِ اسلام میں حرام ہے" ع۵۰۲۷

علامہ جہاد فی سبیل اللہ کو حقیقی و ربانیہ یقین کرتے تھے۔ اور واضح کرتے ہیں کہ

من آں علم و فراست با پر کاہے نمی گیرم   کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را ع۵۰۲۸

ع۵۰۲۱ اقبال نامہ حصہ اول ص ۲۲۶   ع۵۰۲۲ اقبال نامہ حصہ دوم ص ۳۹۷   ع۵۰۲۳ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۴۳ (اسرار خودی)
ع۵۰۲۴ الحج : ۷۸   ع۵۰۲۵ التوبہ : ۴۱   ع۵۰۲۶ المزمل : ۵   ع۵۰۲۷ اقبال نامہ حصہ اول ص ۲۰۵
ع۵۰۲۸ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۴۹۱ (زبور عجم)۔

لیکن خضر آزمائی کے لئے مقاصد بھی غیر اسلامی نہ ہونے چاہئیں ورنہ نتائج برعکس نکلیں گے۔ علامہ جنگ تو درکنار صلح کو بھی "خیر" کے مقصد کے تحت قبول کرتے ہیں اگر صلح کا مقصد بھی حق پرستی نہ ہو تو وہ اس کے بھی خلاف ہیں

صلح شر گردد چو مقصود است غیر — گر خدا باشد غرض جنگ است خیر

گر نہ گردد حق ز تیغ ما بلند — جنگ باشد قوم را نا ارجمند

ہر کہ خنجر بہر غیر اللہ کشید

تیغ او در سینۂ او آرمید ع ۵۰۴۹

(۲۸۴) **خضر علیہ السلام:** قرآن مجید میں حضرت خضرؑ کا نام کہیں نہیں آیا۔ البتہ موسیٰؑ کے ایک واقعہ میں عبداً کا ذکر آیا ہے (عبداً من عبادنا: کہف)۔ جن سے حضرت موسیٰؑ کی ملاقات مجمع البحرین پر ہوئی سلسلہ بعض تکوینیات کے حوالے سے مستقبلیات سے متعلق امور کا مشاہدہ ہوا۔ قرآن مجید اس سے زیادہ کچھ نہیں بتاتا۔ احادیث اور بعض دوسرے حوالوں کے پیش نظر، دائرہ معارف اقبال کے مرتب ملک حسن اختر لکھتے ہیں

اُن کا اصل نام بلیا بن ملکان ہے۔ خضر کا مطلب ہرا بھرا۔ کہتے ہیں جہاں حضرت خضر بیٹھ جاتے وہ جگہ ہری ہو جاتی۔ اس لئے انہیں خضر کہنے لگے ــــ ---- علامہ اقبال حضرت خضر کی دانش مندی اور مستقبل شناسی کے بڑے معترف تھے انہوں نے اپنی نظم خضر راہ میں مختلف سماجی اور سیاسی مسائل پر حضرت خضر کی زبان سے اظہار خیال کیا ہے۔" ع ۵۰۵۰

ادبی روایت میں رہنمائی کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ خضر و سکندر کی روایت مشہور ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اُن سے پانی سے گزر جانے کے حوالے سے دست گیری کی درخواست کی ہے۔

۱۶۹۵ - سجدۂ کز وے زمیں لرزیدہ است — بر مرادش مہر و مہ گردیدہ است

سنگ اگر گیرد نشان آن سجود — در ہوا آشفتہ گردد ہم چو دود

این زمان جز سر بزیری ہیچ نیست — اندرو جز ضعف پیری ہیچ نیست

۱۶۹۸ - آن شکوہ ربی الاعلیٰ کجاست — این گناہ اوست یا تقصیر ماست

۱۶۹۹ ہر کسے بر جادۂ خود تند رو — ناقۂ ما بے زمام و ہرزہ دو!

۱۷۰۰ - صاحب قرآن و بے ذوق طلب! — العجب ثم العجب ثم العجب!

گر خدا سازد ترا صاحب نظر — روزگارے را کہ می آید نگر

ع ۵۰۴۹ کلیات فارسی ص ۶۲/۶۳ (اسرار و رموز) ع ۵۰۵۰ دائرہ معارف اقبال ص ۱۹۲ ایضاً

عقل ہا بے باک و دل ہا بے گداز — چشم ہا بے شرم و غرق اندر مجاز

علم و فن، دین و سیاست، عقل و دل — زوج زوج اندر طوافِ آب و گل

۱۶۰۴ - آسیا آن مرز و بوم آفتاب — غیر بین، از خویشتن اندر حجاب

قلب او بے واردات نو بہ نو — حاصلش را کس نگیرد با دو جو

۱۶۰۶ - روزگارش اندرین دیرینہ دیر — ساکن و یخ بستہ و بے ذوقِ سیر

۱۶۰۷ - صیدِ ملایان و نخچیرِ ملوک — آہوے اندیشۂ او لنگ و لوک

۱۶۰۸ - عقل و دین و دانش و ناموس و ننگ — بستۂ فتراکِ لردانِ فرنگ

تاختم بر عالمِ افکارِ او — بر دریدم پردۂ اسرارِ او

در میانِ سینہ دل خون کردہ ام
تا جہانش را دگرگون کردہ ام

حواشی و تعلیقات:

شعر نمبر ۱۶۹۵ تا ۱۶۹۸: سجدہ جب بے ذوق ہو جائے تو وہ قوتِ ایمانی میں اضافے کی بجائے کمزوری کا سبب بنتا ہے کہ ایسی نماز اللہ سے مزید دور کرتی ہے۔ حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ① مَن لَم تَنهَهُ صَلاتُہٗ عَنِ الفَحشَآءِ وَالمُنکَرِ فَلَا صَلَاۃَ لَہٗ [ابن ابی حاتم]۔ ابن عباسؓ حضورؐ کا ② مَن لَم تَنهَهُ صَلوٰتُہٗ عَنِ الفَحشَآءِ وَالمُنکَرِ لَم یَزدَد بِہَا مِنَ اللّٰہِ اِلَّا بُعدًا [ابن ابی حاتم - طبرانی] یہی مضمون جناب حسن بصریؒ نے بھی حضورؐ سے مرسلاً روایت کیا ہے [ابن جریر - بیہقی]۔ ابن مسعودؓ سے حضورؐ کا یہ ارشاد مروی ہے ③ لَا صَلوٰۃَ لِمَن لَم یُطِعِ الصَّلوٰۃَ وَطَاعَۃُ الصَّلوٰۃِ اَن تَنہٰی عَنِ الفَحشَآءِ وَالمُنکَرِ [ابن جریر، ابن حاتم]۔

ترجمہ: ① جسے اُس کی نماز فاحشات و منکرات سے نہ روکے وہ نماز، نماز ہی نہیں ② جس کی نماز اُسے فحش اور برے کاموں سے نہ روکے اُس کو اس کی نماز نے اللہ سے اور زیادہ دور کر دیا ③ اُس شخص کی کوئی نماز نہیں ہے جس نے نماز کی اطاعت نہ کی، اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ آدمی فحشا و منکر سے رک جائے۔ اسی مضمون کے متعدد اقوال حضرات عبداللہ ابن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، حسن بصریؒ، قتادہؒ اور اعمشؒ وغیرہم سے منقول ہیں۔ امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز قبول ہوئی ہے یا نہیں، اُسے دیکھنا چاہیئے کہ اُس کی نماز نے اسے فحشا اور منکر سے کہاں تک باز رکھا۔ اگر نماز کے روک دینے سے وہ برائیاں کرنے سے رک گیا تو اُس کی نماز قبول ہوئی [روح المعانی] ع۵.۵۱۔ ابن کثیر نے ان احادیث کو مرفوعاً تسلیم نہیں کیا بلکہ بقول ان کے یہ راویوں کے اپنے اقوال ہیں جو ان حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمائے ع۵.۵۲ علامہ کے پیش نظر یہی اقوال یا احادیث تھیں

۵.۵۱ تفہیم القرآن ج ۳ ص ۷۰۵ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور طبع سوم اپریل ۱۹۶۹

۵.۵۲ معارف القرآن ج ۶ ص ۶۹۷ مفتی محمد شفیع۔ ادارۃ المعارف کراچی طبع سوم جون ۱۹۷۶

شعر نمبر ۱۵۹۹/ ۱۶۰۰ : صاحبِ قرآں : مراد وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں قرآن ہے اور جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں ۔ اس ترکیب سے کسی غلط بحث میں نہ پڑنا چاہئے ۔ علامہ نے ایک ایسی ہی بحث کے بعد خود بھی اس کی وضاحت کو ضروری سمجھا تھا ۔ "علامہ نے فرمایا کہ اس تقریر سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ قرآن (معاذ اللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے ۔ وحیِ الٰہی میں فہمِ بشری کا قطعاً دخل نہیں" ۵۰۵۳

قرآنِ حکیم سراپا کتابِ عمل ہے ۔ یہ کتاب مظاہرِ فطرت پر غور کو بھی "العلم" کا ایک درجہ اور مقام بتاتی ہے ① اِنَّ فِی اخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۵۰۵۴ ② تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۵۰۵۵ ③ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۵۰۵۶ ④ لَا یُغَیِّرُ اللّٰهُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۵۰۵۷ الحمد سے والناس تک قرآن مسلسل دعوتِ غور و فکر اور دعوتِ عمل دیتا ہے ۔ پھر مسلمان باقی لوگوں سے پیچھے بلکہ منجمد کیوں رہیں ۔ جیسا کہ تھا اور جیسا کہ ہے پھر یہ باعثِ تعجب و تاسف نہیں تو کیا ہے ؟

شعر نمبر ۱۶۰۲ : عقلِ بے باک اور دلِ بے گداز نے آنکھ کو بے شرم اور عشقِ مجاز سے مبتلا کر دیا ہے اگر ابھی نہیں تو وہ وقت دور نہیں ۔ ایشیا ، سورج کا مبداء ہے مطلع ہے ۔ اسے خود تو پردہ سے نکل آنا چاہیئے ۔ جو دل وارداتِ نو بہ نو سے محروم ہو وہ دل نہیں لہٰذا "دو جو" قیمت بھی نہیں رکھتا ۔

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ ۵۰۵۸

بے ذوقِ طلب : آرزوؤں اور مقاصد کی تخلیق کے جذبہ و سوز سے خالی ۔ علامہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں اصل الاصول "حرکت" بیان کرتے ہیں ۔ طبعی تقاضوں کا آرزوؤں خواہشات اور بالآخر مقاصد میں ڈھلنا ۔ زندگی اور زندہ شے کے نشو و ارتقا کا ضامن ہے ۔ انسانی شخصیت کا اظہار تو ہے ہی تخلیقِ مقاصد پر مبنی ۔

آرزو را در دلِ خود زندہ دار — تا نہ گردد مشتِ خاکِ تو غبار
آرزو جانِ جہانِ رنگ و بوست — فطرتِ ہر شے امینِ آرزو ست
دل ز سوزِ آرزو گیرد حیات — غیرِ حق میرد چو او گیرد حیات ۵۰۵۹
گرم خونِ انساں ز داغِ آرزو — آتشِ این خاک از چراغِ آرزو ۵۰۶۰

اے ز رازِ زندگی بیگانہ ، خیز — از شرابِ مقصدے مستانہ خیز
مقصدے مثلِ سحر تابندۂ (۲۸۵) — ماسوا را آتشِ سوزندۂ
مقصدے از آسماں بالاترے — دلربائے دلستانے دلبرے

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم
از شعاعِ آرزو تابندہ ایم ۵۰۶۱

۵۰۵۳ ملفوظاتِ اقبال ۔ ابو اللیث صدیقی ص ۶۰ ۵۰۵۴ [illegible] ۵۰۵۵ [illegible] ۵۰۵۶ [illegible]
۵۰۵۷ [illegible] ۵۰۵۸ کلیاتِ اقبال اردو ص ۹۸۴ (ضربِ کلیم : غزل) ۔ ۵۰۵۹ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۱۶ (اسرارِ خودی)
۵۰۶۰ ایضاً ص ۱۶ ۵۰۶۱ ایضاً ص ۱۷ ۔

شعر نمبر ۱۶۰۴ : مرز بوم : مرز، قابل کاشت زمین اور بوم سرشت وطینت، دونوں ملیں تو "واؤ" عطفی نہیں لگتا اور مفہوم، جائے پیدائش نکلتا ہے۔ بے نیل مرام کی طرح جیسے اکثر بے نیل ومرام لکھتے ہیں مرز وبوم بھی لکھ دیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ ایشیا، آفتاب کے طلوع کا مقام ہے جہاں سے عالم عالم روشنی پھیلتی ہے لیکن وہ خود تاریک ہے۔ اس کی بنیادی وجہ صوفی وملا اور ملوک ہیں۔

شعر نمبر ۱۶۰۶، ۱۶۰۷ : صید ملایان ونخچیر ملوک : صوفی نے درون بینی دے کر جہاں بینی چھین لی۔ اور ملا (ملا کی حقیقت سمجھنے کے لئے ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۲۰۲ بذیل شعر نمبر ۱۱۸۱) نے تاویلات سے پیغام الٰہی کو متنازعہ کرکے ملت واحدہ کو فرقہ فرقہ کردیا۔ ملوک نے عوام کی قوتِ فیصلہ کو جو پہلے ہی صوفی وملا کا شکار تھی سلب کردیا۔ بعض بنیادی اور اصولی نظریات کو بھی دیکھا جائے تو صوفی وملا نے ملوکیت کو استحکام بخشنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ملاء القوم [رؤساء الناس] نے قوم نوح کو وَدّ، سواع وغیرہ صالحین کو الٰہ بنانے کی ترغیب دی تو آگے چل کر یہی صالحین [علماء الناس] رؤساء الناس کے ساتھ مل کر فراعنہ وجبابرہ کے دست وبازو بنتے نظر آئے۔ جب قوم سموئیلؑ میں طالوت کے معاملے پر غور کیا جاتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ فراعنہ وجبابرہ کی روح نے مذہب کا چولا پہن کر علماء الناس کا روپ دھار لیا تھا وہ ربکم الاعلیٰ ہونے کے بظاہر مدعی تو نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کی زبانِ وحی ترجمان سے طالوت کی نامزدگی پر ان کا معترض ہونا اَنّٰی یَکُوْنُ لَہُ الْمُلْکُ عَلَیْنَا ع۵۰۶۲ یہ [عامی شخص] ہم پر کیسے حکمران ہو سکتا ہے؟ — اپنے لب ولہجے سے ثابت کرتا ہے کہ الٰہی طور سے یہ دراصل اللہ کے اختیار کو چیلنج کر رہے تھے اور نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْکِ مِنْہُ کہہ کر اپنا حقِ مالکی بھی جتا رہے تھے اور وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ کہہ کر رؤساء الناس کا حقِ نمک بھی ادا کر رہے تھے — دنیائے اسلام میں عہد خلافت راشدہ کے ادوار میں امام نائب حق کے تصور نے اسی درس سے فیض پایا۔ ہمارے عہد میں تو وہ کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ "اختیار ہمیشہ علماء الناس اور رؤساء الناس کے پاس رہا عوام الناس یا ان کے معتمد کبھی صاحب اختیار نہیں رہے" اس فکر کے نتیجے میں خلافت راشدہ ملوکیت بن گئی تو اب آمریتیں مسلط ہو جاتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر "صید ملایان ونخچیر ملوک" کی ع۵۰۶۳ سچائی میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ شیاطین ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری

شعر نمبر ۱۶۰۸ الخ : درج بالا نظریات ہوں یا وطنیت کو میثاقِ مدینہ کی شق وان یہود بنی عوف امة مع المؤمنین کی خود ساختہ تشریح وتاویل سے ثابت کرنا ہو۔ عقل ودانش اور دین وناموس ملت کو انگریز لارڈز کے فتراک سے باندھنا ہی تو تھا۔ آگے چل کر علامہ کو "مسئلۂ دین ووطن" میں اس کا مقابلہ بھی کرنا پڑا (تفصیل دیکھنا چاہیں تو ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۰۸) ۔ سیاسی اعتبار سے اگرچہ ہم بظاہر آزاد ہو چکے لیکن ذہنی کے ساتھ اقتصادی غلامی نے ہمیں متحد ہونے کی صلاحیت سے محروم کردیا ہے کہ یہ غلاماں را صف آرائی گران است

از قیام بے حضورِ من مپرس — از سجودِ بے سرورِ من مپرس
مرد آزادے چو آید در سجود — در طوافش گرم رو چرخِ کبود
ما غلامان از جلالش بے خبر — از جمالِ لازوالش بے خبر
مومن است و پیشۂ او آزری است — دین وعرفانش سراپا کافری است ع۵۰۶۴

از غلامے لذتِ ایمان مجو
گرچہ باشد حافظِ قرآن مجو

ع۵۰۶۲ البقرہ ۲:۲۴۷ ع۵۰۶۳ کلیات اقبال اردو صفحہ ۶۸۰ (ضرب کلیم)۔ ع۵۰۶۴ کلیات اقبال فارسی صفحہ ۸۳۳/۳۲ (پس چہ باید کرد)

متعلقات حواشی:

(۲۸۵) مقصدے از آسماں بالاترے:

حضرتِ علامہ نے تربیتِ خودی کے تین مراحل (جو دراصل ایک مسلسل عمل ہے ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں) اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی کا بیان "شعارِ اشتر" سے آغاز کرتے ہوئے لکھا ہے

خدمت و محنت شعارِ اشتر است — صبر و استقلال کارِ اشتر است

گام او در راہِ کم غوغا ستے — کارواں را زورقِ صحرا ستے

نقش پایش قسمتِ ہر بیشۂ — کم خور و کم خواب و محنت پیشۂ

مست زیرِ بار محمل می رود — پائے کوباں سوئے منزل می رود

سرخوش از کیفیتِ رفتارِ خویش — در سفر صابر تر از اسوارِ خویش

تو ہم از بارِ فرائض سر متاب — برخوری از عندہٗ حسن المآب ۵۰۶۵

یہ دراصل قرآنِ مجید کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ جس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دکیا۔ حتیٰ کہ "اقبال اور قرآن" میں بھی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، کی نظر اس طرف نہ جا سکی وہ "برخوری از عندہٗ حسن المآب" [- واللہ حسن المآب: آل عمران: ۱۴] کا حوالہ دے کر آگے بڑھ گئے ۵۰۶۶ حالانکہ لائقِ توجہ یہ آیتِ کریمہ تھی۔

اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ ۝ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ ۝

وَ اِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ ۝ وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ ۝ فَذَکِّرۡ ۟ اِنَّمَاۤ

اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ۝ ۵۰۶۷ یہ کیا اونٹ کی تخلیق پر غور نہیں کرتے۔ ہیں دیکھتے آسمان کیسے بلند ہیں اور پہاڑ کیسے مضبوطی سے گڑے ہیں۔ کیا نہیں غور کرتے زمین کے بچھنے پر۔ نصیحت کر تو نصیحت کرنے والا ہی ہے۔

اونٹ کی تخلیق: لق و دق صحرا ہیں سواری، بھی بڑھ کر، تیز تاک منزل پہ جلد پہنچے، بھوک پیاس کی طرف سے بے پرواہ، مالک کی مرضی کا تابع: گویا تربیتِ خودی کا مرحلۂ اول، مالک الملک جل کی اطاعت اونٹ کی طرح — آسمانوں کی طرح بلند مقاصد، پہاڑوں کی طرح مضبوط ارادے اور مستقل مزاجی، زمین کی طرح عجز اور انکسار۔ اب نصیحت اور ناصح کے منصب کا ذکر آیا — ایک دفعہ سیرت کمیٹی لغ (جس کا جنرل سیکرٹری راقم الحروف تھا) کے زیرِ اہتمام سہ روزہ سیرت کانفرنس کے دوران حضرت مولانا عبداللہ درخواستی نے ان آیات کے درنج بالا مفاہیم بیان کرتے ہوئے (کنارہ سرن پر تعمیر جامع مسجد میں) کہا۔ یہی تو ایک واعظ، ناصح، اور امیر و سالارِ کارواں کی بنیادی صفات ہیں۔ سب کہو سبحان اللہ! ذرا غور فرمائیں —

نگاہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز — یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے ۵۰۶۸

کا حقیقی ماخذ بھی آیتِ کریمہ معلوم ہوتی ہے۔ غرض کہ مقصدے از آسماں بالاترے — وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ کا فیضان ہے۔ علامہ بلاشبہ قرآن ڈوب کر پڑھتے تھے۔

۵۰۶۵ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۱۴/۲۰ (مثنوی اسرار و رموز ۔۔۔ تربیتِ خودی را سہ مراحل است ۔۔۔) ۵۰۶۶ اقبال اور قرآن ص ۶۰ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
۵۰۶۷ الغاشیہ: ۱۷ تا ۲۱ ۵۰۶۸ کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۲۱ (بالِ جبریل: ۲۶) - ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اس ذیل میں آل عمران: ۱۵۹ کا حوالہ دیا ہے جو جزوًا مطابقت رکھتی ہے۔ اور شاید بالکل نہیں کروہ تو عموم میں خاصۂ رسول ہے۔
ملاحظہ ہو اقبال اور قرآن ص ۴۰۵

۱۷۱۱ - من بطبع عصر خود گفتم دو حرف | کردہ ام بحرین را اندر دو ظرف
۱۷۱۲ - حرف پیچا پیچ و حرف نیش دار | تا کنم عقل و دل مرداں شکار
۱۷۱۳ - حرف تہ وارے باندازِ فرنگ | نالۂ مستانہ از تارِ چنگ
۱۷۱۴ - اصل این از ذکر و اصل آں ز فکر | اے تو بادا وارث این فکر و ذکر
۱۷۱۵ - آبجویم از دو بحر اصل من است | فصل من فصل است و ہم وصل من است

تا مزاج عصر من دیگر فتاد
طبع من ہنگامۂ دیگر نہاد

۱۷۱۶ - نوجواناں تشنہ لب خالی ایاغ | شستہ رو تاریک جاں روشن دماغ
کم نگاہ و بے یقین و ناامید | چشم شاں اندر جہاں چیزے ندید
۱۷۱۹ - ناکساں منکر ز خود مومن بغیر | خشت بند از خاک شاں معمارِ دیر
۱۷۲۰ - مکتب از مقصود خویش آگاہ نیست | تا بجذب اندرونش راہ نیست
نور فطرت را ز جانہا پاک شست | یک گلِ رعنا ز شاخ او نرست
خشت را معمار ما کج می نہد | خوئے بط با بچۂ شاہیں دہد
۱۷۲۳ - علم تا سوزے نگیرد از حیات | دل نگیرد لذتے از واردات
علم جز شرح مقاماتِ تو نیست | علم جز تفسیر آیات تو نیست
سوختن می باید اندر نارِ حس | تا بدانی نقرۂ خود را ز مس

علم حق اول حواس آخر حضور
آخر او می نگنجد در شعور

حواشی و تعلیقات :

شعر نمبر ۱۷۱۱ - بطبع عصر خود : تقاضائے زمانہ کے مطابق۔ فلسفہ و دین کو دو ظرف ؛ نظم و نثر میں لکھا ہے۔ **شعر نمبر ۱۷۱۲ تا ۱۷۱۴ : حرفِ پیچا پیچ** : علامہ نے حاشیہ میں خود وضاحت فرمائی ہے کہ اس سے مراد تشکیل جدید الہیاتِ اسلامیہ ہے۔ جو دین اور فلسفہ کا حسین امتزاج ہے۔ فلسفہ عقل کے لئے اور دین اہلِ دل کے لئے۔ اہلِ دل ہی حقیقی عاقل ہوتے ہیں اس لئے یہ خطبات خصوصاً ان کی توجہ کے لئے ہیں۔ **شعر نمبر ۱۷۱۳ : حرفِ تہ وارے باندازِ فرنگ** : اگر مراد فلسفہ و فکر ہے تو اصطلاحاتِ فلسفہ مراد لی جاسکتی ہیں اور اگر مراد رمز و کنایہ ہیں جیسے کہ اکثر شارحین اقبال کا خیال ہے[۵۰۶۹] تو پھر مجھے کہنے دیجئے کہ

۵۰۶۹ شرح جاوید نامہ چشتی ص ۱۱۸۱ برہنہ حرف نہ گفتن کمال گویائی ست حدیث خلوتیاں جز بہ رمز و ایما نیست (کلیات تبدل فارسی ص ۳۲ (بیام مشرق)

I حضرت علامہ صاحب مقوان ولزومات کے زیر اثر یہ اظہار کر رہے تھے۔ اگرچہ علامہ معری کی طرح "تقیہ فکر" کے نہ قائل تھے نہ داعی ؎۵۰۷۰ مارچ ۱۹۰۷ء تک البتہ وہ مدعا و مقصود کو رمز و ایما میں اور کنایوں سے بیان کرتے رہے۔ اس عہد کو ماہرین اقبال "فطرت پسندی" کا دور لکھتے ہیں لیکن ایسا نہیں وہ اس دور میں تصوریت کی کائناتی تعبیر میں مصروف تھے ؎۵۰۷۱ "مارچ ۱۹۰۷ء" کے تحت عنوان علامہ نے اعلان کیا

"زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہوگا ؎۵۰۷۲ اس لئے کہ اب "قوم کے اندر قوم" تسلیم کرانے کے لئے "مسلم لیگ" کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ اس کے باوجود علامہ نے الہ آباد کے صدارتی خطبہ میں بھی احتیاطاً اعلان کیا "میں کسی جماعت کا رہنما نہیں، نہ کسی رہنما کا پیرو ہوں" ؎۵۰۷۳ اس اعلان کی حقیقت پر کسی نے غور نہیں کیا کہ آخر اس اعلان کی ضرورت کیا تھی؟ علامہ جو منصوبہ دے رہے تھے اس اعلان سے یہ اُن کی ذاتی رائے، بن گیا۔ حکومت اگر اس کا ردعمل دکھاتی تو مسلم لیگ اس سے بری الذمہ تھی۔ علامہ ہدف بنتے اور بنے بھی کوئی ایسی گالی نہیں جو ہندو پریس نے ان کے لئے روا نہ رکھی ہو ؎۵۰۷۴ کیا یہ "حرف تہ دار" نہیں؟

II نکلسن کے نام خط میں علامہ نے خود لکھا ہے

"میں نے مغربی مفکرین کے افکار و عقائد کی روشنی میں اپنی حیثیت حتمی طور پر واضح کی ہے۔ یہ طریق محض اس لئے اختیار کیا گیا تھا۔ تاکہ انگلستان کے لوگ میرے خیالات با آسانی سمجھ لیں۔ ورنہ قرآن حکیم، صوفیائے کرام اور مسلمان فلسفیوں کے افکار سے بھی استدلال کیا جا سکتا تھا"۔۔۔ " ؎۵۰۷۵

میر سید غلام بھیک نیرنگ کے نام مکتوب میں تشکیل جدید ہی کے حوالے سے لکھا:

" باقی رہا لیکچروں کے ترجمے کا کام، سو یہ کام ناممکن نہیں تو مشکل اور ازبس مشکل ضرور ہے۔ ان لیکچروں کے مخاطب زیادہ تر وہ مسلمان ہیں جو مغربی فلسفے سے متاثر ہیں اور اس بات کے خواہش مند ہیں کہ فلسفۂ اسلام کو فلسفۂ جدید کے الفاظ میں بیان کیا جائے اور اگر پرانے تخیلات میں خامیاں ہیں تو ان کو رفع کیا جائے۔ میرا کام زیادہ تر تعمیری ہے اور اس تعمیر میں، میں نے فلسفۂ اسلام کی بہترین روایات کو ملحوظ خاطر رکھا ہے"۔ ؎۵۰۷۶

ان دو خطوط کے مندرجات پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ علامہ نے فلسفۂ اسلام کے لئے "ذکر" [ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ؎۵۰۷۷]۔ اور مغربی فلسفے کے لئے "فکر" استعمال کیا۔ وقتی طور پر فلسفۂ اسلام سے فصل، فصل بھی تھا اور وصل بھی جس طرح ندی ایک بحرت نشیبی سیری میں جاتی ہے یہ فصل، اُس کے رابطے کو اصل سے منقطع نہیں کرتا ہے۔ ع فصل من فصل است و ہم وصل من است۔

؎۵۰۷۰ اتعری الحیاۃ وحسبی من مصائبہا ۔ انی اعیش بتمویہ وتدلیس ۔ فاکتم دو نیتی لالیثو بہ احد ۔ من رھط جبریل او من رھط ابلیس
ترجمہ: ایسی زندگی کی ہوس کرتا ہوں حالانکہ اس کی مصیبتوں میں سے یہ مصیبت ہی میرے لئے کافی ہے کہ میں مکاری اور ملمع سازی کی زندگی بسر کرتا ہوں لہٰذا تو اپنی بات چھپا اسے کوئی نہ جانے۔ نہ جبریل کی جماعت میں سے نہ ابلیس کی جماعت میں سے [فیضان مشرق۔ ڈاکٹر ابراہیم محمد علی ۱۱۲، ۱۱۱ ادارہ ثقافت اردو دائرۃ آباد ۱۹۵۹ء]
؎۵۰۷۱ مدد نظر ہو براہ کرم ایم فل "اقبال اور مورتی نظریہ" ص ۶۲ تا ص ۸۰، ص ۱۲۰ تا ص ۱۲۲۔ شعبۂ اقبالیات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد (غیر مطبوعہ) ۔
؎۵۰۷۲ کلیات اقبال اردو ص ۱۴۰ (بانگ درا) ؎۵۰۷۳ حرف اقبال ص ۱۹ ایضاً ؎۵۰۷۴ ص ۲۳ ؎۵۰۷۵ کلیات مکاتیب اقبال جلد ۳
؎۵۰۷۶ کلیات مکاتیب اقبال جلد ۱ ص ۲۰۹/۷۱۰ (مکتوب مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۲۸) ؎۵۰۷۷ ال عمران: ۵۸ [ہم تم کو یہ پڑھ کر سناتے ہیں قرآن کی آیتیں اور یہ حکمت کی باتیں] ؎۳۲۵ سرگزشت اقبال ص ۳۲۵ ایضاً

شعر نمبر ۱۷۱۶ تا ۱۷۱۹ : آہ مکتب کا جوانِ گرم خوں — ساحرِ افرنگ کا صیدِ زبوں (مرید ہندی)

مرغ پر نارستہ چوں پرّاں شود — طعمۂ ہر گربۂ درّاں شود (پیر رومی) ع۵۰۷۸

یہاں "جوانِ گرم خوں" جاوید نامہ کے زیرِ نظر اشعار میں "کم نظر" بھی ہے نا تجربہ کار، اپنی صلاحیتوں سے ناآشنا، غیروں سے حد درجہ متاثر — اسی لئے دن کی مٹی دیر کی اینٹوں سے کام آرہی ہے۔ یعنی مسلمان ہو کر تہذیبِ مغرب کی ترقی کا باعث ہو رہے ہیں۔

شعر نمبر ۱۷۲۰ : نوجوان کا یہ عالم مکتب کی بے مقصدیت کے باعث ہے۔ مکتب یا "فکرِ معاش" کا اسیر ہے اور یا روحانیات سے خالی ہے۔ گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا — کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ ع۵۰۷۹

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم — کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ ع۵۰۸۰

نورِ فطرت : ... تخلیقی قوت اور نشو و نما کی صلاحیت۔ خشتِ اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

خوئے بط با بچۂ شاہیں : ع سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا ع۵۰۸۱

شعر نمبر ۱۷۲۳ : سوزِ حیات: تخلیقی صلاحیت [نارِ حیات] علم کا عمل میں آنا، وارداتِ دل سے لذت گیر کرتا ہے۔ علم مقاماتِ انساں کے علاوہ اور کچھ معانی نہیں رکھتا۔ جو علم و مقامِ آدمی سے بے بہرہ ہے وہ حس اور نظرہ میں تمیز سے محروم ہوتا ہے۔ مراد یہ کہ حیوانی خاصیتوں کو بدلنے کی صلاحیت سے محروم علم، علم نہیں —

علمِ حق اوّل حواس : علم اشیاء : سائنسی علوم کا تعلق حواس سے ہے لیکن یہی علم حقائقِ اشیاء کے ذریعے حقیقتِ مطلق کا عرفان حاصل کرے تو "علمِ حق" ہے۔ آدم کو علم الاشیاء کے بعد علم بالوحی سے نوازا گیا — یہ علمِ آخر، شعورِ مادّی [حواس] سے ماوراء ہے۔ علم را بے سوزِ دل خوانی شر است ع۵۰۸۲

۱۷۲۷۔ صد کتاب آموزی از اہلِ ہنر — خوشتر آں درسے کہ گیری از نظر
ہر کسے زاں مے کہ ریزد از نظر — مست می گردد باندازِ دگر
از دمِ بادِ سحر میرد چراغ — لالہ زاں بادِ سحر مے در ایاغ
۱۷۳۰۔ کم خور و کم خواب و کم گفتار باش — گردِ خود گردندہ چوں پرکار باش
۱۷۳۱۔ منکرِ حق نزدِ ملا کافر است — منکرِ خود نزدِ من کافر تر است
۱۷۳۲۔ آں بانکارِ وجود آمد عجول — ایں عجول و ہم ظلوم و ہم جہول

ع۵۰۷۸ کلیات اقبال اردو صفحہ ۳۲۸ [بالِ جبریل] ع۵۰۷۹ ایضاً صفحہ ۳۳۸ ع۵۰۸۰ ایضاً صفحہ ۲۰۶ [بانگِ درا]

ع۵۰۸۲ کلیات اقبال فارسی صفحہ ۶۶۲ [جاوید نامہ: حکمت خیر کثیر است]۔

شیوۂ اخلاص (۲۸۶) را محکم بگیر — پاک شو از خوفِ سلطان و امیر
عدل در قہر و رضا از کف مدہ — قصد در فقر و غنا از کف مدہ
حکم دشوار است؟ تاویلے مجو — جز بقلب خویش قندیلے مجو!
۱۷۳۶ - حفظِ جاں ہا ذکر و فکرِ بے حساب — حفظِ تن ہا ضبطِ نفس اندر شباب
۱۷۳۷ - حاکمی در عالمِ بالا و پست — جز بحفظِ جان و تن ناید بدست
۱۷۳۸ - لذتِ سیر است مقصودِ سفر — گر نگہ بر آشیاں داری مپر
ماہ گردد تا شود صاحب مقام — سیرِ آدم را مقام آمد حرام
زندگی جز لذتِ پرواز نیست — آشیاں با فطرتِ او ساز نیست
۱۷۴۱ - رزقِ زاغ و کرگس اندر خاکِ گور — رزقِ بازاں در سوادِ ماہ و ہور

حواشی و تعلیقات:

شعر نمبر ۱۷۲۷ تا ۱۷۳۰: نظر یعنی صحبت خود علامہ کی زبانی متعدد بار نقل کیا جا چکا ہے۔ صحبت کا اثر مسلّم ہے منفی ہو یا مثبت۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ عطر فروش کے پاس بیٹھنے والے کو عطر ملے یا نہ ملے خوشبو سے تو محروم نہیں رہیگا۔ لیکن بھٹی دھونکنے والے کے پاس شعلہ و شرر سے بچ بھی گئے تو ناک آنکھ دھوئیں کے اثر بد سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ یعنی المرءُ [یا الرَّجُل] علیٰ دینِ خلیلہٖ — ۵۰۸۳ع — [ابوداؤد ابواب الادب نیز ترمذی] آدمی اپنے دوست کی راہ چلتا ہے علامہ بھی کہ خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ کے قائل تھے۔

شیخ اعجاز احمد کے نام علامہ کے کم از کم دو خطوط ایسے ہیں جو اس مفہوم کو پانے میں مدد دیتے ہیں کہ اہلِ ہنر سے سینکڑوں کتابیں پڑھ لینے سے وہ فائدہ شاید حاصل نہ ہو جو کسی کی صحبت [نظر] سے حاصل ہوتا ہے۔

"زندگی کو باقاعدہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جوانی کی قوت سے یہ فائدہ اٹھانا چاہیئے کہ صحت تا دیر قائم رہے۔ میرے نزدیک صحتِ جسمانی و روحانی کی سب سے بڑی ضامن مذہبی زندگی ہے [ملاحظہ ہو شعر نمبر ۱۷۳۶ حفظ جاں ہا ... حفظ تن ہا ......] میں نے تم کو لکھا بھی تھا کہ قرآن پڑھا کرو اور جہاں تک ممکن ہو نماز میں بھی باقاعدہ ہو جاؤ تو سبحان اللہ، مگر قرآن پڑھنے پر میں زیادہ اصرار کرتا ہوں کہ اس کے پڑھنے کے فوائد میرے تجربے میں آ چکے ہیں۔

اس کے علاوہ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنا اکسیر ہے۔ سیالکوٹ میں

۵۰۸۳ع کلیاتِ اقبال اردو صفحہ ۴۰۵ (بالِ جبریل: جاوید کے نام)

تو صرف دو آدمی ہیں جن کی زندگی اور صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہئے یعنی تمہارے دادا اور شاہ صاحب ۔ کبھی کبھی شاہ صاحب کی خدمت میں چلے جایا کرو ۔ کیا ہی اچھا ہو کہ صبح ہر روز ان کے ساتھ پھرنے کے لئے چلے جایا کرو ۔ یہ باتیں بظاہر معمولی ہیں مگر کچھ عرصے کے بعد ان کے فوائد تم کو خود بخود معلوم ہو جائیں گے ۔ باقی جہاں تک ممکن ہو زندگی کو سادہ بنانے کی کوشش کرو ،، ۵۰۸۴

دوسرا خط بلا تاریخ ہے اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے مطابق ۱۹۲۴ء کا تحریر کردہ ہے ۔ وہ میاں جی کی صحبت میں رہنے کے فوائد سے شیخ اعجاز کو آگاہ کرتے ہیں ۔

"۔۔۔ میرا تم کو یہ مشورہ ہے کہ دن میں ایک دفعہ وقت نکال کر ایک آدھ گھنٹہ ان [میاں جی] کے پاس بیٹھا کرو ۔۔۔۔ تم اس بات کو زندگی کے دیگر فرائض کی طرح لازم کرلو اور ایک دن بھی اس فرض کی انجام دہی سے غافل نہ ہو ۔ غالب گمان ہے کہ اس سے تم کو فائدہ پہنچے گا ۔ کیا عجب ہے کہ جو بات ان سے ۔۔۔۔ کو حاصل نہیں ہو سکی وہ تم کو مل جائے ۔ اور اگر یہ بات ہوگئی تو زندگی بھر ان کے احسان کو فراموش نہ کر سکو گے ۔۔۔۔۔ مجھے خود جو فائدہ ان کی ذات سے ہوا اس کا احساس اب ہوا ہے ، اور میں اس کو ہر قسم کے علم اور دنیوی وجاہت پر ترجیح دیتا ہوں ۔۔۔۔۔ اس فائدے کے علاوہ دنیوی فائدے کا بھی امکان غالب ہے کیسی وقت خوش ہو کر ایک کبیر السن آدمی کے منہ سے دعا نکل جائے تو اسے دنیا کے تجربے نے نہایت پُر تاثیر بتایا ہے ،، ۵۰۸۵

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم　　کیا ہے جس کو خدا نے دل و نظر کا ندیم ۵۰۸۶

وہ علم کم بصری جس میں ہمکنار نہیں　　تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم ۵۰۸۷

ہزار بار نکوتر متاعِ بے بصری
ز دانشے کہ دل او را نمی کند تصدیق ۵۰۸۸

شعر نمبر ۱۲۳۱۱،۱۲۳۰: (۱) منکر خود ، بمصداقِ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربّہٗ [جس نے خود کو پہچانا اس نے رب کی معرفت پالی] ، تصدیق حق کر ہی نہیں سکتا اس لئے کافر ہے ۔ (۲) منکر حق : ابلیس ۔ ظرف عجول کہلایا [کہ تعجیل کار شیاطین بود] لیکن آدم اقرار حق کے باوصف عجول ، ظلوم ، جہول کہلایا ۔
وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۵۰۸۹ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَہُوْلًا ۵۰۹۰ اور انسان ہے جلد باز اور بے شک

۵۰۸۴ کلیات مکاتیب اقبال جلد ۲ ص ۳۴۷/۳۴۰ مکتوب محررہ ۸ جون ۱۹۲۲ ۵۰۸۵ ایضاً ص ۵۷۷/۵۷۶
۵۰۸۶ کلیات اقبال اردو ص ۳۱۵ [بال جبریل] ۵۰۸۷ ایضاً ص ۵۸۸ [ضرب کلیم] ۵۰۸۸ کلیات اقبال فارسی ص ۵۰۵ [زبور عجم]
۵۰۸۹ بنی اسرائیل : ۱۱　　۵۰۹۰ الاحزاب : ۷۲

(۲۸۶) **شیوۂ اخلاص را محکم بگیر :-** ابلیس نے آدم کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار پر فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ع ۵۰۹۱ کی سزا سنی تو اکڑ گیا۔ بولا لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ : میں تیرے صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا و لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ۔ ان سب کو اغوا کر لوں گا إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ع ۵۰۹۲ صرف تیرے صاحب اخلاص بندے بچ سکیں گے۔

قرآن حکیم میں اخلاص کے عنوان سے سورۃ موجود ہے۔ علامہ نے رموز بیخودی کے مطالب خلاصہ کے لئے اسی سورۃ کو منتخب کیا اور اس کی تفسیر لکھی۔ خواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول، اور یار بدر و قبر، دیکھے انہوں نے نصیحت فرمائی

گفت تا کے در ہوس گردی اسیر — آب و تاب از سورۂ اخلاص گیر ع
یک شو و توحید را مشہود کن — غائبش را از عمل موجود کن ع ۵۰۹۳
گر بہ اللہ الصمد دل بستۂ — از حد اسباب بیرون جستۂ
از پیام مصطفیٰ آگاہ شو — فارغ از ارباب دون اللہ شو ع ۵۰۹۴
گر نسب را جزو ملت کردۂ — رخنہ در کار اخوت کردۂ
ہر کہ پا در بند اقلیم و جد است — بے خبر از لم یلد لم یولد است ع ۵۰۹۵

رشتۂ با لم یکن باید قوی
تا تو در اقوام بے ہمتا شوی
آنکہ ذاتش واحد است و لا شریک
بندہ اش ہم در نسازد با شریک
ہیچ با ملّا تیغ و پیش حق سپر
امر و نہی او عیار خیر و شر ع ۵۰۹۶

شق نمبر ۱۷۳۷ : تسخیر فطرت کا مرحلہ اوّل، جسے اصل الاصول کی حیثیت حاصل ہے ضبط نفس ہے نفس انسانی آب و باد و خاک و آتش کا مجموعہ ہے اور چاروں باہم متناقض خصوصیات کے حامل، ان کے تناقضات۔ متضاد خواہشات کی صورت میں ظہور کرتے ہیں۔ اس تضاد میں وحدت پیدا کرنا ضبط نفس کہلاتا ہے۔ اسی سے مسلم کی شخصیت سازی ہوتی ہے۔

"انسان صحیح معنوں میں مسلم اس وقت ہوتا ہے جب قرآن کے فرمائے ہوئے اوامر و نواہی اس کی اپنی خواہش بن جائیں۔۔۔۔ منشائے الٰہی اور فطرت انسانی میں مغائرت نہ رہے" ع ۵۰۹۷ علامہ نے اسی کو حقیقی اسلامی بے خودی کہا ہے ع ۵۰۹۸

ع ۵۰۹۱ الحجر: ۳۴، ۳۵ ع ۵۰۹۲ ایضاً: ۴۰ ع ۵۰۹۳ کلیات اقبال فارسی ص ۱۵۶/۱۵۷ [تن خواسائیر] ص ۵۰۹۴ ایضاً ص ۱۶۱، ۱۵۸
[اللہ الصمد]۔ ع ۵۰۹۵ ایضاً ص ۱۶۳/۱۶۲ [لم یلد و لم یولد] ع ۵۰۹۶ ایضاً ص ۱۶۵/۱۶۴ [ولم یکن لہ کفواً احد]
ع ۵۰۹۷ ملفوظات اقبال ص ۸۱/۸۰ ایضاً ع ۵۰۹۸ کلیات مکاتیب اقبال۔ برنی ج ۱ ص ۲۳۰، اقبالنامہ ج ۲ ص ۱۶

"ضبطِ نفس افراد میں ہو تو خاندانوں کی تعمیر ہوتی ہے۔ قوموں میں ہو تو سلطنتیں قائم ہوتی ہیں [شذراتِ فکرِ اقبال صـ۱۳۶]

شعر نمبر ۱۷۳۸ : لذتِ سیر است مقصودِ نظر : وہی بات جو مرزا غالب نے میاں داد خان سیاح کے نام اپنے مکتوب دسمبر ۱۸۶۰ء میں لکھی۔

... توقع رکھتا ہوں کہ جس طرح تم نے لکھنؤ سے بنارس تک کے سفر کی سرگزشت لکھی ہے اسی طرح آئندہ بھی لکھتے رہو گے۔ میں سیر و سیاحت کو بہت دوست رکھتا ہوں

اگرچہ دل نہ خلد ہرچہ در نظر گذرد
زہے روانیِ عمرے کہ در سفر گذرد ع۵۰۹۹

شعر نمبر ۱۷۴۱ – اخلاص، راست بازی، میانہ روی، قہر و رضا میں عدل [کاظمین الغیظ]ع۶۰۰۰ کے ساتھ مسلسل عمل اور سیرِ دیار و امصار [چاہے تاریخ کے اوراق ہی کے ذریعے ہو] فسیروا فی الارض فانظروا الآیہ ع۶۰۰۱ لیکن ان سب میں اول و آخر اخلاص اور شاہینِ بلند کی ضرورت ہے کہ رزق بازاں در سوادِ ماہ و پور ع۶۰۰۲

پور : سورج، نصیب، نام تارہ [فرہنگِ عامرہ]، نام ستارہ جو ہر ایک ہزار سال بعد طلوع ہوتا ہے [غیاث اللغات بحوالہ کشف]

۱۷۴۲ – سرِّ دیں صدقِ مقال اکلِ حلال | خلوت و جلوت تماشائے جمال
در رہِ دیں سخت چوں الماس زی | دل بحق بر بند و بے وسواس زی
سرّ از اسرارِ دیں بر گویمت | داستانے از (۲۸۶) مظفر گویمت
اندر اخلاصِ عمل فرد فرید | پادشاہے با مقامِ بایزید
پیشِ او اسپے چو فرزنداں عزیز | سخت کوش چوں صاحبِ خود در ستیز
سبزہ رنگے از نجیبانِ عرب | با وفا بے عیب پاک اندر نسب
مردِ مومن را عزیز آں نکتہ رس | چیست جز قرآن و شمشیر و فرس
من چہ گویم وصفِ آں خیر الجیاد | کوہ و روئے آب رفتے چو باد
روزِ ہیجا از نظر آمادہ تر | تند بادے طائفِ کوہ و کمر
در تگِ او فتنہ ہائے رستخیز | سنگ از ضربِ سمِ او ریز ریز
روزے آں حیواں چو انساں ارجمند | گشت از دردِ شکم زار و نژند
کرد بیطارے علاجش از شراب | اسپ را ورماند از پیچ و تاب
شاہِ حق بیں دیگر آں یکراں نخواست | شرعِ تقوی از طریقِ ما جداست

ع۵۰۹۹ کلیاتِ غالب فارسی جلد ۲ صـ۱۶۰ غزل نمبر ۲۲۲ مجلس ترقیِ ادب لاہور ستمبر ۱۹۶۷ء طبع اول
ع۶۰۰۰ آلِ عمران : ۱۳۴ ع۶۰۰۱ آلِ عمران : ۱۳۷ ع۶۰۰۲ فرہنگ میں پور اور غیاث اللغات میں پور —

اے ترا بخشد خدا قلب و جگر
طاعتِ مردِ مسلمانے نگر

حواشی و تعلیقات : حقیقتِ دین، حق گوئی، حلال کھانا اور خلوت و جلوت میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر ایسا ہی کرنا ـــ سلطان مظفر بیگڑہ ـــ اس کی بڑی مثال ہے ـــ جو ہمارے عہد کا سلطان مگر روحانی مراتب میں بایزید عصر تھا۔

(۲۸۷) سلطان مظفر الملقب بہ حلیم : سلطان مظفر، گجرات کے سلطان محمود بیگڑہ کے فرزند تھے۔ ۱۵۱۱ء میں گجرات کے حاکم بنے گجراتی میں بیگڑہ (دو قلعوں والا کے معنی میں مستعمل ہے [بیگ: دو، گڑھ: قلعہ]) اس لئے کہا گیا کہ سلطان محمود نے جوناگڑھ اور پاواگڑھ کے ناقابلِ تسخیر قلعوں کو فتح کر کے ہندوستان بھر میں اپنی شجاعت کا سکہ بٹھایا تھا۔ مظفر خان نے پندرہ برس حکومت کی۔ سلطان محمود خلجی حکمران مالوہ نے مظفر کو راجپوتوں کے مقابلے میں اپنی مدد کے لئے بلایا سلطان نے بروقت امداد کی اور راجپوتوں کی سرکوبی کے بعد مملکت مالوہ دوبارہ سلطان محمود خلجی کے حوالہ کر دیا۔ سلطان محمود نے اس کے عوض ایک ہزار کنیزیں سلطان مظفر کی خدمت میں پیش کیں مگر سلطان نے وہ واپس بھیج دیں۔ سلطان مظفر کی شریف النفسی کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے۔

سلطان مظفر نہایت پابندِ شرع متقی اور پارسا تھا۔ فرصت کے لمحات میں قرآن شریف لکھا کرتا تھا۔ اپنے مزاج کی حلیمی کے باعث حلیم سے ملقب ہوا۔ ۶۰۰۳ **خیر الجیاد :** اسپ اصیل و نجیب [حاشیہ تعلیمات اقبال ص ۴۹۲]
نژند : غمگین، اندوہگین، سرگشتہ و لیبت و خشمگین [فرہنگ عامرہ، غیاث اللغات]۔

۱۷۵۶۔ دین سراپا سوختن اندر طلب
انتہایش عشق و آغازش ادب

آبروئے گل ز رنگ و بوئے اوست
بے ادب بے رنگ و بو بے آبروست

نوجوانے را چو بینم بے ادب
روز من تاریک می گردد چو شب

تاب و تب در سینہ افزاید مرا
یادِ عہدِ مصطفیٰ [۲۱] آید مرا

از زمانِ خود پشیماں می شوم
در قرونِ رفتہ پنہاں می شوم

سترِ زن یا زوج یا خاکِ لحد
سترِ مرداں حفظِ خویش از یارِ بد

حرفِ بد را بر لب آوردن خطاست
کافر و مومن ہمہ خلقِ خداست

آدمیت احترامِ آدمی
با خبر شو از مقامِ آدمی

آدمی از ربط و ضبطِ تن بہ تن
بر طریقِ دوستی گامے بزن

۶۰۰۳ے تعلیمات اقبال عابد ص ۵۰۵، شرح جاوید نامہ ص ۱۱۹۲، جاوید نامہ: تحقیق و توضیح ص ۲۲۴/۲۲۳

۱۷۶۵ - بندۂ عشق از خدا گیرد طریق (۲۸۸) می شود بر کافر و مومن رفیق

۱۷۶۶ - کفر و دیں را گیر در پہنائے دل (۲۸۹) دل اگر بگریزد از دل وائے دل

۱۷۶۷ - گرچہ دل زندانی آب و گل است
این ہمہ آفاق آفاق دل است

حواشی و تعلیقات : ۱۷۶۵ : اَلدِّیْنُ کُلُّہٗ اَدَبٌ : الدین، ادب ہی ادب ہے۔ دورِ رسالت ادب کا نمونہ تھا۔ مومن، بے ادب، پھول بے رنگ و بو، جیسے بے حرا سوس ہوتا ہے۔ مرد کی حفاظت، یار بد، سے بچنا، عورت کا پردہ، یا شوہر یا قبر،

عشق : ملاحظہ ہوں تعلیقات نمبر ۲۸، ۱۱۶ (۲۸۸) بندۂ عشق، مولائے حقیقی کی مرضی و منشا کا سراپا مطیع ہوتا ہے اور مولائے حقیقی رب العالمین ہے اس لئے مومن، کافر و مومن پر مہربان ہوتا ہے مومن پر اس طرح کہ اسے اخوت کی لڑی میں پروتا ہے "مومن مومن کا بھائی ہوتا ہے"۔ اور کافر پر اس طرح کہ اسے نارِ جہنم سے بچانے کی دن رات کوشش کرتا ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ۶۰۰۴ ترجمہ ہو تم بہتر امت جو نکالی گئی ہے واسطے لوگوں کے۔ حکم کرتے ہو ساتھ بھلائی کے اور منع کرتے ہو برائی سے اور ایمان لاتے ہو ساتھ اللہ کے اور اگر ایمان لاتے صاحب کتاب البتہ ہوتا بہتر واسطے ان کے [ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ محدث دہلوی]۔ اس آیۂ کریمہ میں اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ — ہر کافر و مومن شفیق کی محبت ہے۔ آدمیت، آدمی کا احترام ہے، آدمی کا مقام جانو، وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ ۶۰۰۵ اللہ فرماتا ہے "اور البتہ تحقیق عزت دی ہم نے بنی آدم کو [شاہ رفیع الدینؒ]۔

شعر نمبر ۱۷۶۶، ۱۷۶۷ : (۲۸۹) کفر و دیں را گیر در پہنائے دل۔

علامہ کے یہ اشعار پڑھ کر بے اختیار "نیا شوالہ" کے ذیل شعر یاد آتے ہیں۔

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی — آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
پھر اک انوپ ایسی سونے کی مورتی ہو — اس ہردوار دل میں لا کر اسے بٹھا دیں
ہندوستان لکھ دیں ماتھے پہ اس صنم کے — بھولے ہوئے ترانے دنیا کو پھر سنا دیں
مندر میں ہو بلانا جس دم پجاریوں کو — آوازۂ اذاں کو ناقوس میں ملا دیں
اگنی ہے وہ جو نرگن کہتے ہیں پیت جس کو — دھرموں کے یہ بکھیڑے اس آگ میں جلا دیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے ۶۰۰۶

۶۰۰۴ آل عمران : ۱۱۰ ۶۰۰۵ بنی اسرائیل : ۷۰ ۶۰۰۶ ابتدائی کلام اقبال ص ۲۷۵/۲۷۶ ڈاکٹر گیان چند۔ شائستہ پبلشنگ ہاؤس کراچی ۱۹۸۸ء۔

یہ نہ تو ہندوؤں کو مذہب چھوڑنے کی تلقین تھی جیسے سچدانند سنہا نے خیال کیا[۶۰۰۷] اور نہ "وطن پوجا" جیسا ڈاکٹر وحید قریشی کو وہم ہوا[۶۰۰۸] یہ باہمی اخلاص، عدل اور صلح کُل، کی تمثیل تھی — نیا شوالہ برسرِ زمیں ہیں "دل کی سُونی بستی" میں تعمیر ہونا تھا۔ یہاں بھی یہ تکرار دیں را گرد پیمانۂ دل" کہا گیا ہے —

علامہ نے نیا شوالہ [۱۹۰۵] سے پہلے نواب محمد بہاول خان، ریاست بہاولپور کی مسند نشینی کی تقریب پر تہنیتی قصیدہ میں جو مخزن جلد ۶ نمبر شمار ۳ بابت نومبر ۱۹۰۳ء میں شیخ عبدالقادر کے تمہیدی نوٹ کے ساتھ چھپا۔ "آوازۂ اذاں کو ناقوس میں ملادیں" کو بطرزِ دیگر درج کیا ہے۔ جو اس مصرعہ کے حقیقی مفہوم تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔

ہو ترا عہدِ مبارک صبحِ دولت کی نمود   وہ چمک پائے کہ ہو محسودِ ہر اختر، زمیں

سامنے آنکھوں کے پھر جائے سماں بغداد کا   ہند میں پیدا ہو پھر عباسیوں کی سر زمیں

محو کر دے عدل تیرا آسماں کی کج روی   کلیاتِ دہر کے حق میں بنے مسطر زمیں

صلح ہو ایسی کہ مل جائیں ناقوس و اذاں   ساتھ مسجد کے رکھے بت خانۂ آذر زمیں

بادشاہوں کی عبادت ہے رعیت پروری

ہے اسی اخلاص کے سجدے سے قائم ہر زمیں[۶۰۰۹]

۱۹۱۰/۱۹۱۱ میں علامہ کی ایک نظم "نمودِ صبح" کا مرکزی خیال، آخری دو شعروں میں بیان ہوا ہے۔ جو نیا شوالہ کے اذاں کو ناقوس میں ملانے کی حکمت کی توضیح کرتا ہے۔

ہے تہِ دامانِ بادِ اختلاط انگیزِ صبح   شورشِ ناقوس آوازِ اذاں سے ہمکنار

جاگے کوئل کی اذاں سے طائرانِ نغمہ سنج   ہے ترنم ریز قانونِ سحر کا تار تار[۶۰۱۰]

پہلے شعر میں "نمودِ صبح" کی مسرت آفرینیوں کا سبب اُس کی بادِ اختلاط انگیز کے دامن میں شورشِ ناقوس اور آوازِ اذاں کا ہمکنار ہونا ہے — ذرا نظم ہمالہ میں دامنِ ہمالہ پر نظر ڈالیں تو تمام مناظر اُس کی گودی میں اپنی اپنی شناخت کے ساتھ کھیلتے اور ایک دوسرے کے معاون ہوتے نظر آئیں گے — انگیز: برداشت، انگیز کرنا گوارا کرنا، اگرچہ مشکل کام ہے مگر کرنا پڑا۔ تو کیا۔ اسی طرح کام تو مشکل ہے لیکن بادِ اختلاط انگیز نے اپنے دامنِ شفقت میں لے کر شورشِ ناقوس و آوازِ اذاں کو ہمکنار کر دیا ہے۔ دوسرے شعر میں طائرانِ نغمہ سنج کے جاگ اٹھنے سے دوران کے نوع بنوع نغموں کو قانونِ سحر کے تار تار کا ترنم ریز ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اور طائرانِ نغمہ سنج کوئل کی اذاں سے جاگے ہیں۔ قانونِ سحر کا ہر تار، اپنی مخصوص لے، [انفرادی تشخص] کے ساتھ، دوسروں کی لے میں لے ملاتا اور نغموں کو جنم دیتا ہے۔ یہاں زیر و بم مل کر "نغمہ" تخلیق کرتے ہیں مگر ہر کسی کے ذاتی تشخص کی انفرادیت بدستور قائم رہتی ہے — مزید توضیح

۶۰۰۷ ابتدائی کلام اقبال الیضاً ص ۲۷۶ بحوالہ اقبال (کردوت ونٹرنر) ڈاکٹر سچدانند سنہا ۶۰۰۸ اقبال اور پاکستانی قومیت ص ۶۹ ملتان ۶۰۰۹ ابتدائی کلام اقبال ص ۲۸ الیضاً ۶۰۱۰ کلیات اقبال اردو ص ۱۵۲ (بانگِ درا)

کے لئے میرا مقالہ ''اقبال اور متحدہ قومیت'' مطبوعہ صحیفہ اکتوبر-دسمبر ۱۹۹۰ء شمارہ ۱۲۷ ص ۲۶ تا ص ۵۸ ملاحظہ ہو — علامہ نے اسرارِ خودی میں ایک بار پھر نیا شوالہ بنام بہرِ آدم عالمے دیگر تعمیر کرنے کی دعوت دی ۶۰۱۱ جاوید نامہ میں ایک بار پھر ''کعبۂ دیں را بگیر در پہنائے دل'' کی دعوت دی اور واضح کیا کہ دل اگرچہ زندانیٔ آب و گل ہے مگر تمام آفاق، آفاقِ دل ہیں — مراد یہ کہ دلوں کو اخلاص سے بھرنا ہی دراصل اتحاد و اتفاق کی ضمانت ہے اور یہ کام وہ بندۂ عشق کر سکتا ہے جو ''از خدا گیرد طریق''

۱۷۶۸ - گرچہ باشی از خداوندانِ دہ — (۲۹۰) فقر را از کف مدہ از کف مدہ
سوزِ او خوابیدہ در جانِ تو ہست — این کہن مے از نیاگانِ تو ہست
۱۷۷۰ - در جہاں جز دردِ دل ساماں مخواہ — نعمت از حق خواہ و از سلطاں مخواہ
اے بسا مردِ حق اندیش و بصیر — می شود از کثرتِ نعمت ضریر
کثرتِ نعمت گداز از دل بُرد — ناز می آرد نیاز از دل بُرد
۱۷۷۳ - سالہا اندر جہاں گردیدہ ام — نم بہ چشمِ منعماں کم دیدہ ام
من فدائے آنکہ درویشانہ زیست
وائے آن کو از خدا بیگانہ زیست
در مسلماناں مجو آں ذوق و شوق — آں یقیں آں رنگ و بوآں ذوق و شوق
۱۷۷۶ - عالماں از علمِ قرآں بے نیاز — صوفیاں درندہ گرگ و مو دراز
۱۷۷۷ - گرچہ اندر خانقاہاں ہاے و ہوست — کو جوانمردے کہ صہبا در کدوست
۱۷۷۸ - ہم مسلمانانِ افرنگی مآب — چشمۂ کوثر بجویند از سراب
بے خبر از سرِ دیں اند ایں ہمہ — اہلِ کیں اند اہلِ کیں اند ایں ہمہ
(۲۹۱)
۱۷۸۰ - خیر و خوبی بر خواص آمد حرام — دیدہ ام صدق و صفا را در عوام
۱۷۸۱ - اہلِ دیں را باز داں از اہلِ کیں — ہم نشینِ حق بجو با او نشیں
۱۷۸۲ - کرگساں را رسم و آئیں دیگر است
سطوتِ پروازِ شاہیں دیگر است

حواشی و تعلیقات:

(۲۹۰) فقر: ملاحظہ ہو تعلیقہ نمبر ۱۴۳، ۲۲۷، ۲۶۵ اور حاشیہ شعر نمبر ۶۹۰ -

---

۶۰۱۱ اقبال بنام شاد ص ۸۲/۸۳ مرتبہ محمد عبداللہ قریشی بزم اقبال لاہور طبع اول جون ۱۹۸۶ء نیز کلیات اقبال فارسی ص ۵۹ [بہ ترامیم چند] -

شعر نمبر ۱۶۷۸: جیسا کہ مظفر بیگڑہ نے کرکے دکھایا اور تاریخ اسلام ایسے سلاطین کی مثالیں بکثرت رکھتی ہے مسلمانوں کے لئے یہ کوئی نئی چیز نہیں یہ بزرگوں کا ورثہ ہے۔

دردِ دل: یہ وہ جذبہ ہے جو انسان کو اوروں کے لئے جینا سکھاتا ہے۔ یہ اللہ کی بخشی ہوئی ایک لازوال نعمت ہے۔ جو دل اس سے خالی ہو نعمت کی کثرت اس گداز دل چھین لیتی ہے۔

حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا دردِ دل انہیں غنی بناگیا اور قارون کی دولت اُس کے دل کو پتھر بنانے کے بعد ہدفِ لعنت بنانے ہی کے کام آئی حضورؐ نے بھی کثرت مال سے دنیا کی رغبت اور ہلاکت سے ڈرایا ہے [مشکوٰۃ]

شعر ۱۶۷۳۔ من بچشم منعماں کم دیدہ ام: یہاں جوش ملیح آبادی کا ایک قطعہ یاد آرہا ہے

افق سے آک گھٹا اٹھی گرجتی گونجتی گاتی
گذر کر میرے ویراں کھیت پر سے دور جا برسی
کچھ ایسے میں نے دیکھا اُس کی جانب حسرت سے
امیروں کی نگاہیں تند میں ڈھونڈے خدا ترسی

شعر ۱۶۷۶۔ عالماں از علم قرآں بے نیاز: وجہ صاف ظاہر ہے فرقہ بندی کے باعث مدارس دینی محض خاص فرقہ کے واعظ تیار کرنے میں مصروف رہے اور آج بھی الا ماشاء اللہ یہی کچھ ہو رہا ہے۔ متنازعہ امور کے حق اور خلاف میں عربی عبارات از بر ہوں گی لیکن ٹٹولو تو معلوم ہوگا کہ تفسیر قرآن سے قطعاً نابلد ہے۔

صوفیاں ... دراصل عہد حاضر میں تزکیۂ نفس نہ صوفی کی صفت رہی ہے نہ عالم کی۔ اللہ کے بندوں سے کب کوئی انکار کرسکتا ہے لیکن اکثر و بیشتر محض کاروباری لوگ ہیں۔ رسالہ قشیریہ یا کشف المحجوب تصوف اور صوفی کی جس کسی نے جو بھی تعریف کی ہے ان میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ تصوف تزکیۂ نفس اور تصفیۂ اخلاق کا نام ہے۔ کیا انزال کتب و ارسال رسل کی غایت تزکیۂ نفس اور تصفیۂ اخلاق نہیں تھی؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصود ہی مکارم اخلاق کی تتمیم بیان فرمائی ہے۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ ۶۰۱۲ اور قرآن عزیز میں آپؐ کا کام یہ بتلایا گیا ہے ـــــ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ع۶۰۱۳ اور فلاح دارین کا مدار تزکیۂ نفس قرار دیا گیا ہے قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ع۶۰۱۴ تصوف یہی ۶۰۱۵ سے ہے اور صوفی ایسے ہی ہوں تو اس سے کس کو مجالِ انکار۔ مگر بدقسمتی سے یونانی، ویدانتی، اور اخوان الصفا کے تثلیثی خیالات و تصورات کو تصوف میں داخل کرکے تزکیۂ نفس تو ایک طرف تکدر ذہنی اور تخریب عقائد کا سامان کردیا گیا۔ علامہ جو مشرق و مغرب کے فلسفی علوم کے پارکھ تھے بالآخر ایسے "درندہ گرگ و مُودراز" لکھنے پر مجبور ہوئے۔ خصوصاً اسرار خودی کے حوالہ نے انہیں مایوس کیا۔

[۶۰۱۲ کنز العمال جلد ۵ صفحہ ... نیز زرقانی شرح مؤطا جلد ۴ صفحہ ۹۲ مطبع کستلیہ مصر ۱۲۸۰ھ] ع۶۰۱۳ البقرہ: ۱۲۹ ع۶۰۱۴ الشمس ۹، ۱۰ ع۶۰۱۵ قرآن اور تصوف۔ ڈاکٹر میر ولی الدین صفحہ ۱۲ مکتبہ خلیل لاہور سن ندارد

ورنہ اقبال تصوف کو قلب و روح کی آزادی سے تعبیر کرتے تھے۔ کچھ ھو تو نہیں آتا ہے آہ سحر گاہی ــــ کیا وہی عمل نہیں جسے تصوف کہتے ہیں۔ دراصل جو اصطلاح اہل تزکیہ کے لئے دورِ رسالت میں، عہد صحابہ رض میں تابعین رح اور تبع تابعین رح کے زمانے میں نہ تھی اُسے اسلامی اعمال پر چسپاں کر دینے سے وہ سب خرابیاں بھی ساتھ چلی آئیں جو اس "عمل" کے اولین مخترعین و مبتدعین میں بروئے عقائد موجود تھیں۔ افلاطون کے نظریات ستہ، ویدانت کا وحدت میں کثرت کا تصور اور اخوان الصفا کے تثلیثی اذکار کا آخر اسلام کے عقیدۂ توحید سے کیا تعلق تھا؟ سیدھی بات ہے

"اسلام کو دینِ فطرت کے طور پر محسوس کرنے کا نام تصوف ہے اور ایک اخلاص مند مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کیفیت کو اپنے اندر پیدا کرے۔ اس کیفیت کو میں نے لفظ آزادی سے تعبیر کیا ہے"[۶۰۱۶]

راقم الحروف اس تصوف کو جس کا لب العین شعائر اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو عین اسلام جانتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کو بدبختی اور خسران کا مترادف سمجھتا ہے[۶۰۱۷]

"احادیث صحیحہ میں کوئی ایسی روایت ہماری نظر سے نہیں گذری جس سے یہ معلوم ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم رسالت میں سے کوئی خاص علم بعض صحابہ رض کو سکھایا اور بعض سے اسے چھپایا۔ بادی النظر میں یہ بات خلافِ شانِ رسالت محمدیہ معلوم ہوتی ہے"[۶۰۱۸]

"یہ آخری رسالت تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا حقیقت میں بعض جلیل القدر صحابہ رض کی توہین ہے"[۶۰۱۹]

بلکہ رسالت پر بہتان ہے۔

[۶۰۱۶] انوار اقبال ص ۲۲ ایضاً [۶۰۱۷] ایضاً ص ۲۶۸ [۶۰۱۸] فرمان رسالت اور تعلیم نبوت سے متعلق باتیں اس فرمان باری کی روشنی میں پرکھی جائیں تو تصوف سے متعلق "خاص صحابہ رض کو سکھانے والا عقیدہ" رسول اکرم ﷺ پر بہتان عظیم ثابت ہو جاتا ہے "یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ" [المائدہ ۶۷] اے رسول پہنچا دے جو کچھ اتارا گیا ہے طرف تیری پروردگار تیرے سے اور اگر نہ کرے تو پس نہ پہنچایا تو نے پیغام اس کا ــــ ایسے عقائد پر مبنی تصوف کا آخر اسلام سے کیا تعلق؟ [۶۰۱۹] انوار اقبال ص ۲۷۳

شعر نمبر ۱۷۷۷ - گرچہ اندر خانقاہاں ہائے و ہوست:

ملّا کی نظر نورِ فراست سے ہے خالی — بے سوز ہے میخانۂ صوفی کی مئے ناب
بیدار ہوں دل جس کی فغانِ سحری سے — اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب ع۶۰۲۰

حلقۂ صوفی میں ذکر، بے نم و بے سوز و ساز — میں بھی رہا تشنہ کام، تو بھی رہا تشنہ کام ع۶۰۲۱

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی — فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی
کرے گی داورِ محشر کو شرمسار اک دن — کتابِ صوفی و ملّا کی سادہ اوراقی ع۶۰۲۲

تھا جہاں مدرسۂ شیری و شاہنشاہی — آج ان خانقہوں میں ہے فقط روباہی ع۶۰۲۳

وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد — محبت میں یکتا حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا — یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے ع۶۰۲۴

گہے پیچد جہاں برمن گہے من بر جہاں پیچم
بگرداں بادہ تا بیروں ازیں پیچاک می آیم
نہ ایں جا چشمکِ ساقی نہ آں جا حرفِ مشتاقی
ز بزمِ صوفی و ملّا بسے غم ناک می آیم ع۶۰۲۵

شعر نمبر ۱۷۷۸ تا ۱۷۸۰: ہم مسلمانانِ افرنگی مآب:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی — آج کیا ہے فقط اک مسئلۂ علمِ کلام
روشن اس ضو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو — خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملّا نہ فقیہ — وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام ع۶۰۲۶

راہِ آبا رو کہ ایں جمعیت است — معنیٔ تقلید ضبطِ ملت است
در خزاں اے بے نصیب از برگ و بار — از شجر مگسل بامیدِ بہار
نقش بر دل معنیٔ توحید کن — چارۂ کارِ خود از تقلید کن ع۶۰۲۷

---- ایک طرف اسلامیت خالصًا ایک مجرد تصور یعنی مذہب کی بنیاد پر قومیت کی تعمیر کرتی ہے اور دوسری طرف مغربیت ہے جس کے امور قومیت کی روح ایک مادی شے یعنی ملک ہے ۔" ع۶۰۲۸

ع۶۰۲۰ کلیاتِ اردو اقبال ص ۶۴۷ (ارمغانِ حجاز) ع۶۰۲۱ ایضًا ص ۳۵۴ (بالِ جبریل) ع۶۰۲۲ ایضًا ص ۳۵۷ (ایضًا)
ع۶۰۲۳ ایضًا ص ۳۶۷ (ایضًا) ع۶۰۲۴ ایضًا ص ۴۱۶ (ایضًا) ع۶۰۲۵ کلیاتِ فارسی اقبال ص ۴۲۳ (زبورِ عجم)
ع۶۰۲۶ کلیاتِ اقبال اردو ص ۴۹۸ (ضربِ کلیم) ع۶۰۲۷ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۱۲۲ (رموزِ بیخودی) ع۶۰۲۸ شذراتِ فکرِ اقبال ص ۸۶

اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھوں بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس اہل خلافت اپنی اصل راہ سے بہت دور جا پڑے، وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتا"۔ ح ۶۰۲۹

شعر نمبر ۱۰۸۰ - خیر و خوبی بر خواص آمد حرام: جب حال یہ ہو کہ بزعم خود اہل الرائے اور مسلم خواص، کانگریس کے دیوانے ہو رہے ہوں، وطنی قومیت کو میثاقِ مدینہ سے ثابت کرنے سے نہ شرمائیں، مخلوط انتخاب پر راضی ہوں۔ اور اگر آزادی کے نعرے لگائیں اور خاکے دیں تو برطانوی تاج اور سامراجی تولیت کو برقرار رکھ کر سوچیں، اُن سے کسی خیر کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ "خیر" بغیر اختیار کے کچھ مفہوم ہی نہیں رکھتی۔ اور آزادی خیر کی شرط اولین ہے۔

(۲۹۱) **خیر:** خیر کے مفہوم کے لئے رجوع فرمائیے حاشیہ شعر نمبر ۲۱۳ تا ۲۱۹ نیز تعلیقہ نمبر ۱۱۰، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۷

"خیر کا مطلب ہے انسان کا برضا و رغبت کسی اخلاقی نصب العین کی پیروی کرنا جس کا دار و مدار پھر اس بات پر ہے کہ وہ "انا" جن کو اختیار ذات کی نعمت حاصل ہے، برضا و رغبت ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ اس لئے کہ وہ ہستی جس کے اعمال و افعال کل کی طرح متعین ہیں خیر کی اہل کیسے ہو سکتی ہے؟ آزادی خیر کی شرط اولین ہے۔ ح ۶۰۳۰

دیدہ ام صدق و صفا را در عوام: دراصل ختم نبوت کی حقیقی بنیاد ہی اجتماعی شعور کی بلوغت ہے اور جیسا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا غلط اور گمراہی پر اکٹھا نہ ہونا ہے۔ ایسے میں مسلم اجتماعی رائے کبھی غلط ہو نہیں سکتی ورنہ ختم نبوت کے عقیدہ کو گزند پہنچتی ہے۔ علامہ نے خطبۂ الہ آباد ۱۹۳۰ء میں بھی اس حقیقت کو واشگاف کیا تھا، اور سنہ ۱۹۴۷ میں مسلم اجتماعی شعور نے اسی خطبہ میں مذکور مطالبہ کے حق میں ووٹ دے کر [اعتماد و تصدیق کی مہر ثبت کر کے] مملکت اسلامیہ پاکستان کی تخلیق کی راہ ہموار کردی۔ جب مسلم فرقے اپنے ناجی ہونے کے لئے مسلم عوام کی اکثریت [سوادِ اعظم] کو بنیاد بناتے ہیں تو وہ مسلم عوام کو کالانعام پھر کس منہ سے کہتے ہیں؟ قومیں جب بھی اجتماعی شعور کا آزادانہ استعمال کرتی ہیں "خیر" ہی نتیجہ نکلتا ہے اور فتح بھی مقدر بنتی ہے۔ لیکن عوام اور مسلمان میں فرق بہرحال کرنا ضروری ہے۔ لوگ مجرد عوام کہہ کر حکم مسلمان معاشرے کی اکثریت پر چسپاں کرنے کی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ عام کی نفی خاص کی نفی ہوتی ہے۔ اس اصول کو نہ بھولنا چاہئے۔ عوام کے حق میں جو اختیار شرک کہلائے گا وہ خواص کے حق میں بھی شرک ہوگا۔ اور صرف اور صرف اللہ کے لئے ثابت ہوگا۔

ح ۶۰۲۹ کلیات مکاتیب اقبال - برنی ج ۲ ص ۶۹۶ (مکتوب بنام سید سلیمان ندوی ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۲۸)

ح ۶۰۳۰ تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ص ۱۲۸ خطبہ تیسرا۔

شعر نمبر ۱۷۸۱، ۱۷۸۲۔ **اہل دیں را باز داں از اہل کیں** ۶۰۳۱۔ اگر خواص سے کسی خیر و خوبی کی توقع نہیں اور صداقت و دانائی صرف عوام کے پاس ہے تو پھر اہل دین و اہل کین میں تمیز مشکل نہیں کرگس کے رسم و آئین، اور سطوت پرواز شاہیں، کے مراجع واضح ہیں۔ علامہ اقبال نے ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے نام جو خط لکھا اور اسے "الصحیفۂ راز" بتایا۔ اس میں جو بات لکھی وہ اسی نکتہ کو روشن تر کرتی ہے۔

"مسلم لیگ کو آخرکار یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے بالائی طبقوں کی ایک جماعت بنی رہے گی یا مسلم جمہور کی جنہوں نے اب تک بعض معقول وجوہ کی بناء پر اس (مسلم لیگ) میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ کوئی سیاسی تنظیم جو عام مسلمانوں کی حالت سدھارنے کی ضامن نہ ہو ہمارے عوام کے لئے باعث کشش نہیں ہو سکتی" ۶۰۳۲

جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا اس نکتۂ خاص کو علامہ نے "الصحیفۂ راز" لکھا نظم کرتے وقت بھی اس کے "راز" ہونے کی حیثیت سے منافی نہیں رہے۔

اس راز کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے ۶۰۳۳

اگر تو علامہ نے مسلم لیگ کو عوام کی گنتی، کے اس نظام میں عوام سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا پھر تو یہ جمہوریت پر ایک طنز ہے۔ اور اگر وہ عوامی جماعت بننے کا مشورہ دے رہے تھے تو جمہوریت کے حامی تھے جمہوریت دشمن اس کھلے بیان پر کس طرح پردہ ڈال سکیں گے

"ایک تو جمہوری طرز حکومت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے، ثانیاً اگر ان قوتوں کا بھی لحاظ رکھ لیا جائے جو اس وقت عالم اسلام میں کام کر رہی ہیں [خاندانوں اور طبقات کے بجائے سیاسی جماعتیں] تو یہ طرز حکومت اور بھی ناگزیر ہو جاتا ہے" ۶۰۳۴

۶۰۳۱ مثنوی مولانا روم جلد ۱ ص ۲۷۶ الیضاً

۶۰۳۲ اقبال کے خطوط جناح کے نام: ترجمہ و ترتیب محمد جہانگیر عالم ص ۲۸ یونیورسل بکس لاہور ۱۹۸۶ء

۶۰۳۳ کلیات اقبال اردو ص ۶۱۰ (ضرب کلیم: جمہوریت) ۶۰۳۴ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۲۲۳ [خطبہ الاجتہاد فی الاسلام]

۱۷۸۳ – مرد حق از آسمان افتد چو برق — هیزم او شهر و دشت غرب و شرق
ما هنوز اندر ظلام کائنات — او شریک اهتمام کائنات
او کلیم و او مسیح و او خلیل — او محمد او کتاب او جبرئیل
آفتاب کائنات اهل دل — از شعاع او حیات اهل دل
اول اندر نار خود سوزد ترا — باز سلطانی بیاموزد ترا
۱۷۸۸ – ما همه با سوز او صاحب دلیم — ورنه نقش باطل آب و گلیم
۱۷۸۹ – ترسم این عصری که تو زادی در آن — در بدن غرق است و کم داند ز جان
۱۷۹۰ – چون بدن از قحط جان ارزان شود — مرد حق در خویشتن پنهان شود
در نیابد جستجو آن مرد را — گرچه بیند روبرو آن مرد را
۱۷۹۲ – تو مگر ذوق طلب از کف مده — گرچه در کار تو افتد صد گره
۱۷۹۳ – گر نیابی صحبت مرد خبیر — از اب و جد آنچه من دارم بگیر
پیر رومی را رفیق راه ساز — تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکه رومی مغز را داند ز پوست — پای او محکم فتد در کوی دوست
۱۷۹۶ – شرح او کردند و او را کس ندید — معنی او چون غزال از ما رمید
۱۷۹۷ – (۲۹۲) رقص تن از حرف او آموختند — چشم را از (۲۹۳) رقص جان بردوختند
۱۷۹۸ – رقص تن در گردش آرد خاک را — رقص جان برهم زند افلاک را
علم و حکم از رقص جان آید بدست — هم زمین هم آسمان آید بدست
۱۸۰۰ – فرد از وی صاحب جذب کلیم — ملت از وی وارث ملک عظیم
رقص جان آموختن کاری بود — (۲۹۴) غیر حق را سوختن کاری بود
تا ز نار حرص و غم سوزد جگر — جان به رقص اندر نیاید ای پسر!
(۲۱۵) ضعف ایمان است و دلگیری است غم — نوجوانا! نیمه پیری است غم!
می شناسی؟ حرص فقر حاضر است — من غلام آنکه بر خود قاهر است
ای مرا تسکین جان ناشکیب — تو اگر از رقص جان گیری نصیب

سرِ دینِ مصطفیٰ گویم ترا
ہم بہ قبر اندر دعا گویم ترا

حواشی و تعلیقات :

شعر نمبر ۱۷۸۳ تا ۱۷۸۸ : مردِ حق : علامہ کی کارگہِ فکر میں مردِ حق، مردِ مومن، عاشق، مردِ حُر، بندۂ مولا صفات، اور صاحبِ خودی یا صاحبِ جنوں ہم معنی کلمات ہیں۔ مردِ مومن اور مردِ حق کا استعمال البتہ عام ہے۔ کہیں کہیں مردِ آفاقی اور صاحبِ نظر بھی لاتے ہیں۔

مردِ حق سرمایۂ روز و شب است — زانکہ او تقدیرِ خود را کوکب است
بندۂ صاحب نظر پیرِ اُمم — چشمِ او بینائے تقدیرِ اُمم ۶۰۳۵

مسلمان بندۂ مولا صفات است — دلِ او سرّے از اسرارِ ذات است
جمالش جز بہ نورِ حق نہ بینی — کہ اصلش در ضمیرِ کائنات است ۶۰۳۶

نہ چینی و عربی وہ نہ رومی و شامی
سما سکا نہ دو عالم میں مردِ آفاقی ۶۰۳۷

مردِ حق افسونِ ایں دیرِ کہن — از دو حرفِ رَبِّیَ الْاَعْلٰی شکن ۶۰۳۸

سُلطان : حجت، دلیل، اختیار، قدرت [توانائی]۔ سلطانی: منسوب بہ سلطان — جو اپنے اندر تخلیقی صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں دلوں پر اختیار پا لیتے ہیں۔ ان کی نظر خاک کو کیمیا کر سکتی ہے۔ یہی سلطانی ہے۔ دلوں پر تصرف ہو یا سروں پر سلطان اور سلطانی کے بغیر ناممکن ہے۔ ہندوستان میں تلواروں نے سر جھکائے تھے لیکن دل مسخر کرنے والے وہ صوفیائے کرام تھے جو ہر مومن و کافر پر یکساں شفیق تھے۔ یہی وہ مردانِ حق ہوتے ہیں جو اپنے تن میں جان رکھتے ہیں اور دوسروں کے بے جان تن کو نورِ جان سے روشن کر دیتے ہیں۔ ورنہ مٹی پانی سے مرکب نقشِ باطل، بے جان لاشے،

جلا سکتی ہے شمعِ مردہ کو موجِ نفس اُن کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں ۶۰۳۹

شعر نمبر ۱۷۸۹ : معرّی نے بھی اپنے ایک قصیدے میں آخرِ زمانے سے ایسی ہی مایوسی کا اظہار کیا ہے وہ کہتا ہے

اَلَا اِنَّمَا الدُّنْيَا نُحُوسٌ لِاَهْلِهَا
فَمَا فِيْ زَمَانٍ اَنْتَ فِيْهِ سُعُوْدٌ ۶۰۴۰

آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک دنیا اس میں رہنے والوں کے لئے سخت منحوس ہے۔ پس جس زمانے میں تم ہو اُس میں کچھ خوش قسمتی نہیں ہے — یہ عدم خوش بختی، اقبال کی نظر میں تن پروری اور "جان کی اہمیت" سے غفلت ہے۔ بدن مست، بے روح، زندگی۔

۶۰۳۵ کلیاتِ فارسی اقبال ص ۸۲۸ [مثنوی مسافر] ۶۰۳۶ ایضاً ص ۹۲۶ [ارمغانِ حجاز]۔
۶۰۳۷ کلیاتِ اقبال اردو ص ۳۵۸ [بالِ جبریل] ۶۰۳۸ کلیاتِ اقبال فارسی ص ۸۰۹ [پس چہ باید کرد] ۶۰۳۹ کلیاتِ اقبال اردو [بانگِ درا] ص ۱۰۷
۶۰۴۰ فیضِ مشرق۔ ڈاکٹر محمد احمد ۱۱۵ ادارہ انیس اردو الہ آباد۔ بھارت۔ بار اول ۱۹۵۹ء۔

شعر نمبر ۲۹۰ تا ۲۹۱ : قحطِ جاں : ملاحظہ ہو حاشیہ شعر نمبر ۲۸۶ تا ۲۸۹ :

مشرق و مغرب دونوں قحطِ جاں کا شکار ہیں یہی اس دور کی بدنصیبی و نحوست ہے۔ ایسے میں مردانِ حق نایاب ہوجاتے ہیں۔ ہوتے ضرور ہیں، سامنے بھی ہوں تو پہچانے نہیں جاتے۔

ایسے زمانے میں تکیہ بر رفتگاں محفوظ تر، اور اُن میں پیر رومی سے بڑھ کر کوئی "رفیقِ راہ" نہیں ہے۔ لیکن "فرقۂ مولویہ" کی طرح پیر رومی سے صرف رقصِ بدن ہی نہیں سیکھنا۔ رقصِ جاں سیکھنا ہے کہ افلاک کو ہلا سکو

(۲۹۲) **رقصِ تن :** فرقۂ مولویہ کی حالتِ وجد کی طرف اشارہ ہے۔ یہ لوگ جب مثنوی رومی کے شعر ایک خاص لے میں گاتے ہیں تو ساتھ رقص بھی کرتے جاتے ہیں۔ مولانا اگرچہ سماع کے حق میں تھے لیکن رقص اُن سے بعد میں منسوب کیا گیا ہے ان لوگوں نے پاکوبی کو رومی سے اس حد تک نسبت دی کہ بقول اُن کے مولانا روم رفقاء کے جنازوں میں بھی پائے کوب چلتے تھے ــــ بہرحال علامہ اقبال پیر رومی کے رقاص مرید نہ تھے انہوں نے کلامِ رومی کے چھلکے جمع نہیں کئے اس لئے رقصِ بدن کی لذت کی بجائے رقصِ جاں سیکھا جو مغزِ کلام کا خاصہ و خلاصہ ہے۔

(۲۹۳) **رقصِ جاں :** علامہ نے رقصِ جاں کی خاصیت افلاک را برہم زدن بتائی ہے اور اس کا تاثیر فرد میں صاحبِ جذب کلیم ہوجانا اور ملت میں وارثِ ملکِ عظیم ہوجانا لکھی ہے۔ "ملکِ عظیم" سے مراد موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی مستضعفین کو صاحبِ اختیار و صاحبِ اقتدار بنانے کے لئے ہجرت سے حضرتِ سلیمان علیہ السلام کے "ملکِ لاینبغی" تک اور حضور نبی آخرالزمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت سے ایران و روما سے سپین تک پھیلی ہوئی مملکتِ اسلامیہ، مراد ہے۔

اس حوالے سے "رقصِ جاں" کا مفہوم علامہ کے اُس شذرے سے مطابقت رکھتا ہے جو انہوں نے "ضبطِ نفس" کے تحتِ عنوان لکھا۔

"ضبطِ نفس افراد میں ہو تو خاندانوں کی تعمیر ہوتی ہے

قوموں میں ہو تو سلطنتیں قائم ہوتی ہیں" ع ۶۰۲۱

علامہ نے رقصِ جاں کے لئے "بزحق را سوختن" شرط رکھی ہے اور یہی ضبطِ نفس کی شرط ہے۔ ایک بار پھر عقل، عشق، تقدیر سے متعلق تفصیلات اور حاشیہ شعر نمبر ۲۸۶ تا ۲۸۹ دیکھنے کے ساتھ ساتھ خودی اور بے خودی کی حقیقت پر خود علامہ کے الفاظ دیکھنے کی ضرورت ہے ع ۶۰۲۲

ع ۶۰۲۱ شذراتِ فکرِ اقبال ص ۱۳۶ ایضاً ع ۶۰۲۲ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال ج ۱ ص ۴۲۰ یا اقبال نامہ ج ۲ ص ۶۰ بار دوم ۵۹۔

(۲۹۴) **یزرِ حق راسوختن** : فَمَن یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ الخ ع۶۰۲۳ اور
طاغوت اپنے نفس کی بندگی [اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ ع۶۰۲۴] سے کسی بھی دوسرے کی
خواہشات کی بندگی [غلامی] تک پھیلا ہوا ہے ۔ اس سے نجات اور حقیقی لذتِ حیات
اطاعتِ الٰہی سے ممکن ہے [ضبطِ نفس کا مرحلۂ اول] ۔ اطاعت اسی وقت اطاعت ہوتی
ہے جب اس میں لطف آنے لگے ۔ اور لطف اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب منشائے ربانی
ذاتی خواہش اور مرضی بن جائے ۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان نفس کا راکب بنتا
ہے ۔ اور مادی عناصر اس کے زیرِ تصرف آتے ہیں ۔ وہی نائب حق ہوتا ہے ۔
وہ مقام جسے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی سند [سلطان] ہوتی ہے
جس کے مالک صاحبِ تقدیر ہوتے ہیں ۔ اپنی تقدیر کے خالق اور دوسروں کی تقدیریں بدلنے
والے ۔ اصحابِ خودی جن کے بارے میں آیا ۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے ع۶۰۲۵ ع۶۰۲۶

(۲۹۵) **ضعفِ ایمان است و دلگیری ست غم** : اَلْھَمُّ نِصْفُ الْھَرَمِ : نیمۂ پیری ست غم
لیکن جو " یزرِ حق راسوختن " کی درجِ بالا منزل پا لیتے ہیں وہی " عیشِ جاوداں "
سے سرفراز ہوتے ہیں لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ع۶۰۲۷ یہی اَوْلِیَاءَ اللّٰہ ہیں
لیکن عصرِ حاضر کا فقر حرص و ہوس مفلسی و دلگیری ہے ۔
" اِیَّاکُمْ وَالطَّمَعَ فَاِنَّہٗ الْفَقْرُ الْحَاضِرُ " ع۶۰۲۸

یہ ہر خود قاہری نہیں ۔ ہر خود قاہری تو ضبطِ نفس کا نام ہے اور یہی سِرِّ دینِ مصطفیٰ
ہے ۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست ع۶۰۲۹

ع۶۰۲۳ البقرہ : ۲۵۶ ع۶۰۲۴ الفرقان : ۴۳ ع۶۰۲۵ کلیات اقبال اردو ص۳۲۷ (بالِ جبریل : ۴۳)
ع۶۰۲۶ مطالب کلماتِ قرآنی ص۱۳۱ بحوالہ المقاصد الحسنہ ع۶۰۲۷ ... ع۶۰۲۸ [الیضاً ص۱۳۱ بحوالہ المقاصد الحسنۃ ۔ حافظ عبد سخاوی ۔ طبع مصر ص۹۵]
ع۶۰۲۹ کلیات اقبال اردو ص۶۹۱ (ارمغانِ حجاز : حسین احمد)

فہرست مراجع

۱: متون اقبال

الف - نظم

— کلیات اردو اقبال [بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم، ارمغان حجاز اردو حصہ] شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور بار ہفتم نومبر ۱۹۸۶ء

— کلیات فارسی اقبال (اسرار خودی، رموز بیخودی، زبور عجم، جاوید نامہ، پیام مشرق، پس چہ باید کرد، ارمغان حجاز فارسی) الفا [illegible] ہشتم ۱۹۸۵ء

ب - نثر اردو

— اقبال ایوان اسمبلی میں [تقاریر، بیانات اور تحریکیں] مرتبہ پروفیسر حق نواز - یونیورسل بکس لاہور ۱۹۸۸ء

— اوراق گم گشتہ مرتبہ ڈاکٹر رحیم بخش شاہین، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۵ء

— تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ [اردو ترجمہ سید نذیر نیازی] بزم اقبال لاہور طبع سوم ۱۹۸۶ء

— حرف اقبال، لطیف احمد شروانی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد اشاعت اول ۱۹۸۲ء

— شذرات فکر اقبال مرتبہ ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال [اردو ترجمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی] مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۳ء

— علم الاقتصاد - اقبال اکادمی پاکستان لاہور اشاعت اول ۱۹۷۷ء

— فلسفہ عجم - [اردو ترجمہ میر حسن الدین] نفیس اکادمی کراچی بار ششم ۱۹۷۹ء

— گفتار اقبال مرتبہ رفیق افضل ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۹ء

— مضامین اقبال - بشیر احمد ڈار، حیدریہ پریس حیدر آباد دکن ۱۹۴۳ء

— مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی، آئینہ ادب لاہور بار دوم ۱۹۸۲ء۔

ج - نثر انگریزی

— Islam as a moral and Political Ideal Ed: Dr. S.Y Hashmi — Lahore 1955

— Momentos of Iqbal Dr. Rahim Bakhsh Shaheen, All Pakistan Educational Conference Lahore 1976.

— Reconstruction of Religious Thought in Islam Edited and annotated by: M. Saeed Sheikh, Institute of Islamic Culture Lahore 1986.

— Speeches and Statements of Iqbal A.R. Tariq, Sheikh Ghulam Ali and Sons Lahore 1973.

— The Development of Metaphysics in Persia, Bazm-i-Iqbal Lahore 4th Edition 1964.

— The Muslim Community, a Sociological Study Ed. Dr Muzaffar Abbas, Maktaba-e-Alia Lahore.

— Thoughts and Reflections of Iqbal, S. Abdul Wahid Sheikh, Mohammad Ashraf Lahore 1964.

د ۔ مکتوبات

— اقبال عطیہ بیگم، ترجمہ ضیاء الدین احمد برنی، اقبال اکادمی کراچی ۱۹۶۹ء

— اقبال بنام شاد، مرتبہ محمد عبداللہ قریشی بزم اقبال لاہور طبع اول ۱۹۸۶ء

— اقبال نامہ اول، دوم شیخ عطاء اللہ شیخ محمد اشرف لاہور ۱۹۴۵، ۱۹۵۱ء علی الترتیب۔

— انوار اقبال بشیر احمد ڈار اقبال اکادمی لاہور بار دوم ۱۹۷۷ء

— خطوط اقبال ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، مکتبہ خیابان ادب لاہور ۱۹۷۶

— خطوط اقبال بنام جناح، محمد جہانگیر عالم، یونیورسل بکس لاہور ۱۹۸۶

— مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۸۶ء

— مکاتیب اقبال بنام گرامی محمد عبداللہ قریشی، اقبال اکادمی کراچی ۱۹۶۹ء

— مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی، اقبال اکادمی کراچی ۱۹۵۷ء

— کلیات مکاتیب اقبال، مظفر حسین برنی، اردو اکادمی دہلی ج ۱ بار اول ۱۹۹۱ء، ج ۱ بار دوم ۱۹۹۳ء، ج ۲ بار اول ۱۹۹۳ء،

— Letters and writings of Iqbal B.A. Dar Iqbal Academy Karachi 1967.

ہ ۔ ملفوظات و متروکات

— ابتدائی کلام اقبال ڈاکٹر گیان چند شائستہ پبلشنگ ہاؤس کراچی ۱۹۸۸ء

— اقبال کی صحبت میں، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۷ء

— باقیات اقبال، محمد عبداللہ قریشی آئینہ ادب لاہور طبع سوم ۱۹۷۸ء

— برکات اقبال بشیر الحق دسنوی کوہ نور پریس دہلی ۱۹۵۹ء

— رخت سفر محمد انور حارث تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور ۱۹۵۲ء

— روایات اقبال ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۷ء

— روزگار فقیر اول ۱۹۶۶ء، دوم ۱۹۷۰ء فقیر وحید الدین، سید برادرز لاہور

— سرود رفتہ ۔ مولانا غلام رسول مہر کتاب منزل لاہور ۱۹۵۹ء

— فیضان اقبال ۔ شورش کاشمیری مکتبہ چٹان لاہور ۱۹۶۸

— ملفوظات اقبال، محمود نظامی، اشاعت منزل لاہور ۱۹۴۹ء
— نوادر اقبال، عبدالغفار شکیل، سرسید بک ڈپو علی گڑھ ۱۹۶۲ء

۲ - دیگر کتابیں

الف - اقبالیات

— آفاق اقبال، ڈاکٹر محمد ریاض، محبوب پبلشرز لاہور طبع اول ۱۹۸۳ء [ترجمہ کتاب الطواسین ابن حلاج ص ۱۸۵ تا ص ۲۱۶]
— اسلامی تصوف اور اقبال، ڈاکٹر ابو سعید نور الدین، اقبال اکادمی لاہور، اشاعت دوم ۱۹۷۷ء
— آئینۂ اقبال، محمد عبداللہ قریشی، آئینہ ادب لاہور ۱۹۶۷ء [جاوید نامہ کا انگریزی ترجمہ از پروفیسر آربری] -
— افادات اقبال، ڈاکٹر محمد ریاض، مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۸۳ء [مقالات: رومی اور اقبال، اقبال اور نثراد نو، علامہ اقبال اور تصور ریاست اسلامی] -
— افکار اقبال، سمیع اللہ قریشی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۷ء [مقالات: اقبال کے ہاں عبادت و دعا، فلسفۂ وجودیت اور اقبال] —
— اقبال، مولوی عبدالحق، رسالہ اردو اقبال نمبر ۱۹۳۸ء انجمن ترقی ہند اشاعت دوم ۱۹۷۷ء [مقالہ: اقبال کا تصور زمان و مکان، سید بشیر الدین]
— اقبال اُس کی شاعری اور پیغام، شیخ اکرم علی، کمال پبلشرز لاہور اشاعت دوم ۱۹۷۷ء [مقالہ آدم کا پہلا گناہ اور تسخیر فطرت، نظریۂ عقل و عشق] —
— اقبال اور ابن حلاج، ڈاکٹر محمد ریاض، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۷ء۔ مقالہ کتاب الطواسین اور تعلیمات اقبال کا تقابلی مطالعہ —
— اقبال اور احترام انسانیت، ڈاکٹر محمد ریاض، نذیر سنز پبلشرز لاہور ۱۹۸۹ء —
— اقبال اور پاکستان - محمد بخش مسلم، کتب خانہ پنجاب لاہور ۱۹۵۰ء —
— اقبال اور جمالیات، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، اقبال اکادمی لاہور طبع دوم ۱۹۸۱ء [مقالہ: اشاریہ رسماء الرجال و مصطلحات] -
— اقبال اور عالمی ادب، ڈاکٹر عبدالمغنی، اقبال اکادمی لاہور طبع دوم ۱۹۹۰ء۔ مقالات —— [اقبال اور دانتے، اقبال اور ملٹن، عالمی ادب میں اقبال کا مقام]
— اقبال اور عظیم شخصیات، طاہر تونسوی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور —
— اقبال اور فرنگیت، راشدہ شیخ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور ۱۹۷۲ء
— اقبال اور قادیانی، نعیم آسی، مسلم اکادمی سیالکوٹ ۱۹۷۲ء [بسلسلہ نبیؐ کاذب مرزا]،
— اقبال اور قادیانیت، شورش کاشمیری، مطبوعات چٹان لاہور ۱۹۷۲ء [انکار جہاد فتنۂ قادیانیت]،
— اقبال اور قرآن - ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، اقبال اکادمی لاہور طبع ثانی ۱۹۸۸ء خصوصاً جاوید نامہ ص ۲۱۱ الخ] -

— اقبال اور کشمیر، ڈاکٹر صابر آفاقی ۱۹۷۷ء، [جاوید نامہ: سفر آسمانی] تلخیص سلیم [illegible] یونیورسل بکس لاہور ۱۹۷۷ء

— اقبال اور مغربی مفکرین، جگن ناتھ آزاد، مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۷۵ء [مقالہ: اقبال اور دانتے]۔

— اقبال: ایک تنقیدی مطالعہ، مرتبہ مصباح الحق صدیقی، فرحان پبلی کیشنز لاہور مقالات [جاوید نامہ میں یوٹوپیا، جاوید نامہ اقبال اور جدید مسائل، جاوید نامہ، اقبال کے اپنے الفاظ میں]۔

— اقبال پر تحقیقی مقالے، ڈاکٹر صدیق جاوید، بزم اقبال لاہور ۱۹۸۸ [مقالہ: تنقید غالب میں اقبال کا حصہ خصوصاً بحوالہ جاوید نامہ]

— اقبال باکمال مرتبہ سید اصغر علی شاہ جعفری، ملک نذیر احمد تاج بک ڈپو لاہور اشاعت دوم ۱۹۶۸ [مقالہ: تصانیف اقبال: جاوید نامہ]

— اقبال ۱۹۸۷ء مرتبہ ڈاکٹر وحید عشرت، اقبال اکادمی لاہور طبع اول ۱۹۸۹ [مقالہ: دانتے اور اقبال مریخ پر]۔

— اقبال جدید ترین [illegible] کی نظر میں، محمد حنیف شاہد سنگ میل لاہور ۱۹۷۲ء [جاوید نامہ]۔

— اقبال شاعر اور فلسفی، سید وقار عظیم، تصنیفات لاہور طبع اول ۱۹۶۹ء [مقالہ: اقبال کی شاعری میں ڈرامائی عنصر]۔

— اقبال شناسی — علی سردار جعفری، پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۹۱ء،

— اقبال عہد آفریں، اسلم انصاری، کاروان ادب ملتان صدر بار اول ۱۹۸۷ مقالات: [اقبال کی بیانیہ شاعری، اقبال کی شاعری میں اقبال اور نسل نو، اقبال کا لفظی تخیل، ڈرامائی سفر]۔

— اقبال غیر مسلموں کی نظر میں — شمیم سیال / حیات سیال، مکتبہ شہکار لاہور ۱۹۷۷ مقالات: [اقبال کا فلسفہ مذہب اور یورپ، اقبال بحیثیت منظر نگار، بوسانی]۔

— اقبال [illegible]، مرتبہ افضل حق قرشی، منیب پبلی کیشنز لاہور [اسماء الرجال]۔

— اقبال کا ادبی نصب العین، ڈاکٹر سلیم اختر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور،

— اقبال کا تصور ابلیس، نسرین گل، شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور ۱۹۶۹

— اقبال کا تصور بقائے دوام، ڈاکٹر نعیم احمد اقبال اکادمی لاہور ۱۹۸۹ء

— اقبال کا تصور زمان و مکان اور دوسرے مضامین، ڈاکٹر رضی الدین، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۳ (اقبال کا تصور زماں، بشیر احمد ڈار)

— اقبال کا تنقیدی مطالعہ، پروفیسر آر بے نیازی، عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۶۵ [اقبال کا تصور [illegible]

— اقبال کا علم الکلام، علی عباس جلالپوری، مکتبہ فنون لاہور ۱۹۷۲ء

— اقبال کا فارسی کلام، ایک مطالعہ، رفیق خاور، بزم اقبال لاہور ۱۹۸۸ [باب سوم: تمثیلی منظومات / بیانیہ منظومات: جاوید نامہ]۔

— اقبال کامل: عبدالسلام ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ اشاعت سوم ۱۹۶۷ [موضوع: فارسی شاعری] ——

— اقبال کی شاعری: مولانا عبدالمالک آروی، ادارہ طاق نسیاں طبع سوم ۱۹۵۰ [مقالات: اقبال اور دانتے، جاوید نامہ پر تبصرہ]

— اقبال کی صحبت میں، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۱ء [لندن میں خطبۂ اقبال، جاوید نامہ کا ذکر، [illegible]]

— اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ۔ ڈاکٹر عبدالشکور احسن، اقبال اکادمی لاہور ۱۹۷۷ء

— اقبال کے حضور۔ سید نذیر نیازی، اقبال اکادمی کراچی ۱۹۷۱ء،

— اقبال کے محبوب صوفیہ، اعجاز الحق قدوسی، اقبال اکادمی کراچی ۱۹۷۶ [بایزید بسطامیؒ، ابوسعید ابوالخیرؒ، سید علی ہمدانی، حلاج]

— اقبال کی طویل نظمیں، رفیع الدین ہاشمی [ڈاکٹر] گلوب پبلشرز لاہور ۱۹۷۳ء، [حالات زندگی]۔

— اقبالیات کے نقوش، ڈاکٹر سلیم اختر، اقبال اکادمی لاہور طبع اول ۱۹۷۷ء [حصہ دوم: حکمت اقبال]

— اقبال معاصرین کی نظر میں، سید وقار عظیم، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۳ء [جاوید نامہ: اسلم جیراجپوری]-

— پہ جاوید نامہ یو نظر (پشتو)۔ مولانا عبدالقادر، پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی ۱۹۶۷ء [مقدمہ، ترجمۂ منظوم بزبان پشتو، از امیر حمزہ شنواری]-

— پیام اقبال، عبدالرحمن طارق، اقبال اکادمی لاہور سن ندارد [مقالہ: معراج روح]-

— تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اقبال اکادمی لاہور ۱۹۸۲ء،

— تصورات اقبال [صلاح الدین احمد] مرتبہ عزیز الدین احمد، اشاعت سوم المقبول پبلی کیشنز لاہور ۱۹۶۹ء
[مقالات، پیغمبر کرات [illegible] وطن [illegible] کشمکش، پھر وطنیت کی طرف]-

— تلمیحات اقبال، سید عابد علی عابد، بزم اقبال لاہور طبع دوم ۱۹۸۵ء [خصوصاً جاوید نامہ]-

— جاوید نامہ: منظوم اردو ترجمہ رفیق خاور، اقبال اکادمی لاہور ۱۹۷۶ء [مقدمہ از رفیق خاور]-

— جاوید نامہ: تحقیق و توضیح، ڈاکٹر محمد ریاض، اقبال اکادمی لاہور طبع اول ۱۹۸۸ء

— جاوید نامہ پر ایک نظر، چوہدری محمد حسین، اقبال اکیڈمی (پرائیویٹ) لاہور ۱۹۷۶/۷۷ء

— جرنل، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان لاہور شمارہ اکتوبر ۱۹۸۵ء [ایک ایرانی دانشور کا حافظ جو اقبال تک نہ پہنچ سکا — خواجہ عبدالحمید یزدانی ص ۹]-

— حسین بن منصور حلاج [شخصیت و افکار] مرتبہ، خورشید نعیم ملک، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور اشاعت اول ۱۹۸۱ء

— رسالۃ الخلود [جاوید نامہ] ڈاکٹر محمد السعید جمال الدین قاہرہ ۱۹۷۴ء [ترجمہ، شرح، تعلیقات، پیش لفظ]-

— روح اقبال، یوسف حسین خان، آئینہ ادب لاہور ۱۹۸۲ء - [تقدیر زمانہ، مسئلہ جبر و اختیار، معراج نبوی، ترکیب بدن]

— رومی عصر — ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی، کانون معرفت تہران اشاعت دوم ۱۹۵۳ء

— شرح جاوید نامہ، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۶۱ء ؟ [سن ندارد]-

— شرح جاوید نامہ، مولانا عبیداللہ بختیاری، اقبال اکیڈمی (پرائیویٹ) لاہور سن ندارد مع جاوید نامہ [illegible]،

— شعر اقبال، سید عابد علی عابد، بزم اقبال لاہور ۱۹۶۲ء، [حصہ دوم: اقبال کے شعور تخلیق کا ابلاغ و [illegible] صنعت گری]

— طواسین اقبال، ۲۰، ج ۲، ۲ ایس عمر فاروق، اقبال اکادمی لاہور طبع اول ۱۹۹۰ء

☆ فردوس [illegible] - طربیہ دانتے، منظوم ترجمہ: شوکت واسطی بزم [illegible] پاکستان ۹۹

— فکر اقبال، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، بزم اقبال لاہور ۱۹۶۷ء،

— فکر اقبال کا عمرانی مطالعہ، ڈاکٹر صدیق جاوید، اقبال اکادمی لاہور ۱۹۸۶ء

— فلسفۂ اقبال، بزم اقبال لاہور، بار دوم ۱۹۵۷ء [مقالات، نظریۂ ابلیس، اقبال اور برگساں، تصور زماں]

— قرآن اور اقبال، ڈاکٹر عارف بٹالوی، کتاب [illegible] کراچی ۱۹۶۰ء

— کامیڈی الٰہی [حصہ اول دوزخ] ترجمہ شجاع الدین شفا تہران ۱۹۵۹ء

— کلام اقبال کا بے لاگ تجزیہ - آسی ضیائی، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۷ء [مقالات: نظریۂ فن، تصور ابلیس]-

— متعلقات خطبات اقبال - ڈاکٹر سید عبداللہ - اقبال اکادمی لاہور ۱۹۷۷ء [illegible]، تصور تقدیر، واقعہ معراج [illegible] بقائے دوام، افکار اقبال جاوید نامہ میں ص ۲۸۶ تا ص ۳۰۲]

— مسائل اقبال، ڈاکٹر سید عبداللہ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی ۱۹۷۴ء [اقبال کا برتر معاشرہ]۔
— مطالعہ اقبال کے چند پہلو۔ مرزا ادیب بزم اقبال لاہور ۱۹۸۵ء [اقبال کی دعائیں، اقبال کا رنگ مثالی شہر]
— مطالعہ اقبال کے چند رخ، ڈاکٹر سید عبداللہ بزم اقبال لاہور ۱۹۸۴ء [اقبال اور معراج النبیؐ]۔
The Nature of Dante's influence on Iqbal.]
— مطالعہ تلمیحات اقبال۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی اقبال اکادمی لاہور ۱۹۸۶ء
— مقالات یوم اقبال، اقبال کونسل کراچی ۱۹۴۶ء
— مناجات جاوید نامہ، عبداللہ قدوسی، اقبال اکادمی لاہور طبع اول ۱۹۸۵ء [سرود انجم کا تنقیدی جائزہ]۔
— مئے لالہ فام، ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۲ء [اقبال اور ملٹن، اقبال اور نژاد نو]۔
— نظریۂ توحید [مولانا حسین لاہوری اور اقبال]۔ طاؤت کتب خانہ صدیقیہ ڈیرہ غازی خان سن ندارد
— نقد اقبال، حکیش اکبر آبادی، آئینہ ادب لاہور ۱۹۷۰ء،
— نقد اقبال حیات اقبال میں۔ ڈاکٹر تحسین فراقی بزم اقبال لاہور ۱۹۹۲ء [اقبال کے کلام پر دمشق کا تبصرہ، جاوید نامہ پر ریویو]
— یاد اقبال، صابر کلوروی، مکتبہ نگار لاہور ۱۹۷۷ء [حالات زندگی وغیرہ]۔

— About Iqbal and his thoughts M.M. Sharif, Islamic Culture Lahore 1964.
— Address to Javid [A word to the new generation] S.M. Amin Book Sales Karachi 1971.
— A Study in Iqbal's Philosophy B.A. Dar Sh. M. Ashraf Lahore 1944.
— Contribution to Iqbal's thoughts Dr. M. Maruf, Islamic Book Service Lahore 1977. [Iqbal's Concept of Time & Space
Iqbal and Islamic State.]
- Concept of Love in Rumi and Iqbal, Islamic Culture Lahore 1940.
- Dictionary of Political thoughts David Muller New York.
— [Utopianism, Feminism. Islamic Political thought
- Encyclopaedia Britanica 24th Edition 1982 Great Books.
[Vol. 13 Virgil
Vol. 21 Dante.]
- Javid Nama A.J Arbery [Introduction / Preface].
- Impact of Rumi on the Religious thoughts of Iqbal,
— Nazir MA Department of Philosophy Punjab University
— Lahore 1973.
- In Memorium of Iqbal vol: I, II, III Iqbal Academy Karachi 1968, 1969.
- Iqbal's Quranic wisdom M. Munawwar, Islamic Book Foundation Lahore 1981. [Iqbal on life after death]

— Studies in Iqbal S.A. Wahid, M. Ashraf Lahore 1978
- (Iqbal and Dante)

— Studies in Iqbal thoughts and Art. Saeed Sheikh. Bazm-i Iqbal 1977, [Iqbal's view of Islamic Nationalism in Javid Nama, J.B. Prior —]

— The Political Philosophy of Iqbal, Parveen Shaukat Ali United Publications Lahore 1978. [Dante]

— The Sword and Sceptre Ed: Riffat Hassan, Iqbal — Academy Lahore 1977.
[the Divine Comedy of modern India, Dante and Iqbal, The Javid Nama in the Light of Comparative study of Religions.]

— Tribute to Iqbal Ed: by Mohammad Hanif Shahid Sang-e-meel Publication Lahore. 1977.

ب ــ رسائل و جرائد ۔

— مجلہ اقبال اردو جولائی ۱۹۸۰ ، بزم اقبال لاہور [اقبال اور آزادی ، ڈاکٹر مظفر حسن ملک] ۔
— ،، اپریل ۱۹۸۵ ،، [انسانی شخصیت : فرائڈ اور اقبال - لئیق احمد]
— ،، اپریل ۱۹۹۳ ،، [اقبال ، عظیم ملی تحریک کا پیش آگاہ ، ڈاکٹر محمد باقر]
— ،، اکتوبر ۱۹۹۵ ،، [اقبال کے تصور عشق کا تنقیدی جائزہ ۔ انور صادق]

— Iqbal, Bazm-e-Iqbal January 1985 [Islam and Communism]
— Iqbal , [July 1985 [Background and Significance of Allah Ahad Presidential Address Prof Razi:]

— مجلہ اقبال ریویو ، اقبال اکادمی پاکستان جنوری ۱۹۶۲ [اقبال کا تصور خودی اور عقیدۂ آخرت ، وحید احمد
اقبال اور وحدت الوجود ، نصیر احمد ناصر]
۔ خدا اور خودی ـ یوسف سلیم چشتی ۔

— اقبالیات ، اقبال اکادمی پاکستان جولائی ۱۹۹۵ء [اقبال کا مرغوبین - ڈاکٹر نعیم احمد]

— اقبالیات ، ،، جنوری ۱۹۹۶ء [خدا کا تصور اور دعا ،
جولائی ستمبر ۱۹۹۶ء علامہ اقبال اور بھرتری ہری] -

— اقبالیات ، ،،

— خیابان اقبال نمبر ۱۹۶۲ شعبۂ اردو پشاور یونیورسٹی [بھرتری ہری کا اشلوک]

— خیابان اقبال نمبر ۱۹۶۶ ،، [اقبال اور نثرادِ نو]

— خیابان اقبال نمبر ۱۹۷۷ ،،

— صحیفہ ، مجلس ترقی ادب لاہور اکتوبر دسمبر ۱۹۸۶ء [اقبال کی تصانیف اور اسلوب شعر پر بحث : ڈاکٹر وحیدی
اردو ترجمہ ڈاکٹر حمید یزدانی ———]

— صحیفہ ،، جنوری مارچ ۱۹۸۸ء [فکر اقبال میں ذاتیت کا مقام : جاوید نامہ کی فورتین رئیلٹی
کے حوالے سے — پروفیسر جیلانی کامران]

— صحیفہ ،، اکتوبر دسمبر ۱۹۹۰ء [اقبال کے کلام میں شیطان کا تصور - سید فیاض محمود
اقبال کا ایک جزوی منبع فکر باھوؒ - پروفیسر سمیع اللہ قریشی
برصغیر میں مسلم تشخص اور اقبال — مسعود احمد راہی]

— صحیفہ ،، جنوری مارچ ۱۹۹۲ء [اردو شاعری اور فلکی اصطلاحات - رئیس حمزہ نازش]

— صحیفہ ،، اکتوبر دسمبر ۱۹۹۲ء [اقبال اور علی حیدر - رانا غلام شبیر]

— صحیفہ ،، جنوری مارچ ۱۹۹۳ء [اقبال اور عشق و خرد - ارشاد شاکر اعوان]

— صحیفہ ،، جنوری مارچ ۱۹۹۴ء [علامہ اقبال اور پاکستان سلیم - ارشاد شاکر اعوان]

— صحیفہ ،، اکتوبر دسمبر ۱۹۹۴ء [اقبال کی زبان پر ایک ادبی معرکہ - اکبر حیدری کشمیری]

— علم کی دستک علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد - اکتوبر دسمبر ۱۹۸۵ء [مرزا بیدل کی تلمیح ایثار و جوانمردی ، ڈاکٹر محمد ریاض
نظریۂ جبریت ، عبدالحمید راٹھور]

— علم کی دستک ،، اپریل ۱۹۹۲ء [اقبال کا تصور ملت : ارشاد شاکر اعوان
اقبال ، جمال الدین افغانی اور اتحاد عالم اسلامی کی تحریک [خالد اقبال یاسر]

— فکر و نظر ، ادارہ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد اپریل مئی ۱۹۷۷ء [اقبال کا حاوی نامہ اور رومی - محمد نذیر رانجھا]

— ماہِ نو محکمہ اطلاعات پاکستان اسلام آباد ستمبر ۱۹۷۷ء [منصور حلاج اقبال کی نظر میں : این میری شمل
دانتے اور اقبال السانڈرو بوسانی ———
اقبال اور عشق سید عابد علی عابد
اقبال کے کلام میں صوفیائے کرام کی تلمیحات [جمیل نقوی
اقبال اور جدید نسل ، مسعود کریم]

— نیرنگ خیال اقبال نمبر ۱۹۳۲ دفتر نیرنگ خیال [علامہ اقبال اور بھرتری ہری]

— وفاق ہفت روزہ لائل پور ۱۹۶۱ء [اقبال اور بھرتری ہری] -

ج۔ دیگر معاون کتابیں

— احادیث مثنوی۔ استاد بدیع الزمان فروزانفر اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد عبد اللطیف۔ پیکجز لمیٹڈ رومی روڈ لاہور بار اول سنہ ۱۹۷۵ء
— ادب نامۂ ایران۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی۔ یونیورسٹی بک ایجنسی لاہور سن ندارد
— اسلوب، سید عابد علی عابد مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول سنہ ۱۹۷۱ء
— اصطلاحاتِ صوفیہ، شاہ محمد عبد الصمد، مکہ بکس لاہور،
— انسان کامل۔ شیخ عبد الکریم الجیلیؒ نفیس اکیڈمی کراچی ترجمہ محمد فضل میراں طبع دوم مارچ ۱۹۶۷ء
— باغی ہندوستان۔ مولانا محمد فضل حق خیرآبادی۔ ترجمہ عبد الشاہد خان شروانی۔ مکتبہ قادریہ لاہور طبع ثالث ۱۹۷۸ء
— بھرتری ہری اردو میں انتخاب۔ یوسف ناظم، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر نئی دہلی ۱۹۸۵ء خصوصاً ص ۱۱۹ الخ
— تاریخ الادب العربی
— تاریخ تصوف، بشیر احمد ڈار۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۶۲ء
— تاریخ تصوف۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ دار الکتاب اردو بازار لاہور سن ندارد
— تحذیر الناس۔ مولانا قاسم نانوتویؒ دار الاشاعت کراچی سن ندارد
— تذکرہ شعرائے کشمیر، پیر حسام الدین راشدی ج ا تا ج ۴ اقبال اکادمی لاہور۔
— تصوف اسلام مولانا عبد الماجد دریا آبادی، ناشران قرآن لاہور سن ندارد۔
— جذبات بھرتری ہری۔ جے کرشن چوہدری۔ راجستان، جے پور ۱۹۵۱ء اصل مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی
— چودہ صدیاں نمبر سیارہ ڈائجسٹ فروری مارچ سنہ ۱۹۸۱ء حمید نظامی روڈ لاہور
— خلاصہ تاریخ بائبل، پروفیسر ایس این، ڈین، آواز حق لاہور سنہ ۱۹۷۵ء
— دنیا کے بڑے مذہب، عماد الحسن آزاد فاروقی، فیمس بکس لاہور باراول سنہ ۱۹۹۱ء
— ذخیرۃ الملوک، امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ۔ ترجمہ مولانا مولوی غلام قادر، بک سنٹر حیدر روڈ راولپنڈی سنہ ۱۹۸۷ء
— رسالہ قشیریہ۔ امام عبد الکریم بن ہوازن قشیریؒ۔ ترجمہ، مقدمہ و تعلیقات ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد دسمبر ۱۹۷۰ء
— سیاسی وثیقہ جات۔ ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادیؒ مجلس ترقی ادب لاہور باراول سنہ ۱۹۶۰ء
— سیر العباد الی المعاد، حکیم سنائی (ترجمہ و توضیح مائل ہروی کابل ۱۹۶۵ء
— شتک بھرتری ہری اردو ترجمہ لالہ لال چند فلک۔ لاہور اصل مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی
— عہد مغلیہ میں تصوف کی تحریکیں۔ پروفیسر صادق زاہد، بزم علم و فن انٹرنیشنل اسلام آباد سنہ ۱۹۹۹ء باراول
— عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین۔ مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، مولانا حسین علی اعوان، مولانا محمد منظور نعمانی مع تقدیم دار الاشاعت کراچی
— عبقات۔ مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ۔ ترجمہ علامہ سید مناظر احسن گیلانی ادارہ اسلامیات لاہور
— فتاوای عبد الحی لکھنویؒ اردو ترجمہ مولانا خورشید عالم، محمد سعید اینڈ سنز مولوی مسافر خانہ کراچی اشاعت اول ۱۹۶۲ء
— فتاوای مہریہ۔ گولڑہ شریف اسلام آباد بارسوم ۱۹۸۶ء
— فصوص الحکم۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ ترجمہ مولانا عبد القدیر صدیقی نذیر سنز پبلشرز لاہور سنہ ۱۹۸۸ء
— فیض مشرق۔ ڈاکٹر محمد احمد۔ ادارہ انیس اردو الہ آباد باراول ۱۹۵۹ء

— فلسفۂ جدید کے خدوخال
— فلسفہ کے بنیادی مسائل - قاضی قیصر الاسلام، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد طبع دوم ۱۹۸۸ء
— قرآن اور تصوف - ڈاکٹر میر ولی الدین، مکتبہ خلیل لاہور سن ندارد
— کلیات غالب فارسی جلد اول - مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل - مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول ۱۹۶۷ء [صفحات ۲۹۳ تا ۳۰۲]
— مرصاد العباد، نجم الدین رازی [م ۶۵۴ھ] کتب خانہ سنائی ایران ۱۳۲۲ھ۔
— نیو گولڈن تاریخ پاکستان و ہند، کتابستان پبلشنگ کمپنی لاہور - سن ندارد
— تیسیر المنطق - مولانا حافظ محمد عبد اللہ گنگوہی رح - قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی سن ندارد

د- اشاریے، لغات، فرہنگ وغیرہ

- اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱، جلد ۳، جلد ۶، جلد ۱۶، جلد ۱۷، جلد ۱۹، دانشگاہ پنجاب لاہور
— اشاریہ علامہ اقبال اردو - ڈاکٹر صدیق شبلی - کتاب مرکز فیصل آباد اشاعت اول ۱۹۷۷ء
— اشاریہ ہائے آثار منظوم اقبال محمد باقر پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور ۱۹۷۵ء
— اقبال کا موضوعاتی تجزیاتی اشاریہ اول زمرد محمود، محمود الحسن - علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۱۹۸۶ء
— المفردات فی غریب القرآن، امام حسین محمد الملقب الاصفہانی، نور محمد کارخانہ کتب لاہور ۱۹۴۱ء
— جدید بائبل اٹلس ریج ایچ رولے اردو ترجمہ پروفیسر محمد یعقوب خان ادارہ رفیق لاہور ۱۹۷۵ء
— دائرہ معارف اقبال، ملک حسن اختر
— شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا - مقصود ایاز / محمد ناصر، شعاع ادب، لاہور بار اول ۱۹۸۷ء
- غیاث اللغات فارسی - مولانا محمد غیاث الدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی برحاشیہ منتخب اللغات سال اشاعت ندارد
- کشاف اصطلاحات فلسفہ - ڈاکٹر قاضی عبد القادر - مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد بار اول ۱۹۹۴ء
- کشف الابیات اقبال ڈاکٹر محمد ریاض / ڈاکٹر صدیق شبلی مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ۱۹۷۰ء
- کلید اقبال - محمد یونس حسرت اقبال اکادمی پاکستان طبع اول ۱۹۸۶ء
- نجوم القرآن التخریج آیات القرآن، ملا مصطفیٰ ابن سعید، اسلامی اکادمی لاہور طبع اول ۱۹۷۹ء
- نور اللغات، مولانا نور الحسن نیر چار جلد، نیشنل بک فاؤنڈیشن طبع اول ۱۹۸۵ء

— Academic American Encyclopaedea vol 8, 1975.
— Encyclopaedea Britanica vol. 2, vol. 18, vol 19 USA 1950.
— The Blackwell Encyclopaedea of Political Thoughts Great Briton 1987.

[illegible]